

چہل حدیث

از

آیت اللہ العظمیٰ امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ

ناشر

ثاقب پبلی کیشنز

لاہور پاکستان

www.ziaraat.com
Sabeel-e-Hidayat

Presented by www.ziaraat.com

چہل حدیث

از

آیت اللہ العظمیٰ امام خمینی

رحمۃ اللہ علیہ

ناشر

ثاقب پبلی کیشنز

لاہور پاکستان

www.ziaraat.com
Sabeel-e-Sakina

Presented by www.ziaraat.com

جملہ دائمی حقوق بحقِ ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب _____ ارجح المطالب
مولف _____ مولانا صبید اللہ امرتسریؒ
پیشکش _____ الحاج مولانا محمد ایوب بشوی ایم اے
ناشر _____ ثاقب پبلی کیشنز لاہور پاکستان
ہدیہ _____

رسولِ خداؐ نے فرمایا
میں علم کا شہر ہوں اور علیؑ اُس کا دروازہ ہیں

الحاج مولانا محمد ایوب بشوی ایم اے

دنیا کا پہلا شیعہ انگلش مترجم قرآن — بانی کاروانِ حج مکہ

پیش کر دیا جہاں میں بسنے والے مومنین و مومنات کو بڑی خوشی حاصل ہوگی کہ ہم نے دنیا میں پہلی بار ایسا قرآن چھاپنے کی سعادت حاصل کی ہے جس میں عربی اُردو اور انگلش تینوں کو ایک ہی قرآن میں یکجا کرنے کی کوشش کی ہے اللہ سے بحق محمدؐ و آلِ محمد علیہم السلام قبول فرمائے۔

قرآن کریم (اُردو انگلش) (تین حصے) مرحوم مولانا فرمان علی مرحوم — انوار القرآن (تین حصے) مرحوم مولانا ذیشان بخاری مرحوم

مفاتیح الجنان (اُردو انگلش) (چھ حصے) مرحوم ملتی جعفر حسین مرحوم — نہج البلاغہ (اُردو انگلش) (چھ حصے) مرحوم مولانا ذیشان بخاری مرحوم

تفسیر عمدۃ البیان (پانچ جلد) وظائف الابرار (اُردو انگلش) (چھ حصے)

ثمرات الحیات (دو جلد) توضیح المسائل (آیت اللہ العظمیٰ خامنہ ای دمیستانی)

صحیفہ سجادیہ (اُردو انگلش) تعقیبات نماز اُور دُعاؤں کی مختلف کتابیں

ہر قسم کی دینی، مذہبی، فقہی اور اخلاقی کتابوں کی بارعایت خرید و فروخت کے لیے

تشریف لائیں

ساجد برادرز بک سنٹر

15 مسلم سنٹر چیٹر جی روڈ اردو بازار لاہور

فون: 0346-4578798,0300-6859159

Presented by www.ziaraat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین، والصلوٰۃ والسلام علی خاتم الانبیاء
والمرسلین، سیدنا محمدؐ وآلہ المعصومین واللعن
الدائم علی اعدائھم اجمعین۔ امابعد

حضرت خاتم المرسلین کی مشہور و معروف حدیث ہے:

من حفظ علی امتی اربعین حدیثا ینتفعون بھا بعثہ اللہ یوم القیامۃ فقیھا عالما۔

جو شخص میری امت کے لئے ایسی چالیس حدیثیں حفظ کرے جس سے لوگ نفع اٹھائیں خدا اس کو قیامت میں عالم و فقیہ محشور کرے گا۔

تیسری صدی ہجری سے علمائے شریعت نے "اربعون حدیثا" لکھنا شروع کیا اور بہت سے علما نے اپنی منتخب کردہ چہل حدیث پر شرح اور تفسیری نوٹ بھی لکھنے شروع کر دیئے۔ اور پھر اربعینیات کا سلسلہ قائم ہو گیا۔ اور وہ اربعین اپنے انتخاب کرنے والے کے ناموں سے مشہور ہو گئیں۔ مثلاً اربعین شیخ بہائیؒ اربعین.....

اس صدی میں بھی اربعین نامی کتابیں لکھی گئی ہوں گی۔ لیکن زیر نظر کتاب اربعین حدیث جس کو حضرت آیت اللہ العظمیٰ امام خمینی طاب ثراہ نے اپنی چالیس سال کی عمر میں تحریر فرمایا

Presented by www.ziaraat.com

ہے۔ مجموعہ روزگار ہے اس کا مصنف یک نابغۂ دہر اور نوادر روزگار میں سے ہے۔ اس کتاب کی خوبی یہ ہے کہ پڑھتے چلے جائیے اور یہ کتاب آپ کے دل و دماغ پر قبضہ کرتی چلی جائے گی۔ کتاب کا نام پڑھے بغیر آپ کتاب کا مطالعہ کر ڈالئے تو معلوم ہو جائے گا اس کا مصنف ایک عارف کامل، مرشد اکمل، فقیہ مسلّم ہے۔

حدیث شریف میں ہے:

الموعظۃ اذا خرجت من القلب دخلت فی القلب واذا خرجت من اللسان لم یتجاوز الآذان!

جب موعظۃ دل سے نکلتا ہے تو دل میں داخل ہو جاتا ہے اور جب صرف زبان سے کہا جاتا ہے تو کانوں سے آگے نہیں بڑھتا۔ اس کتاب کو پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ یہ موعظۃ قلب سے نکلا ہے۔

حضرت امام طالب نثراہ کا مخاطب اس کتاب میں کوئی مخصوص طبقہ نہیں ہے۔ بلکہ ہر شخص اس کا مخاطب ہے عالم ہو یا جاہل، مومن ہو یا فاسق، بوڑھا ہو یا جوان، حکیم ہو یا عارف، فقیہ ہو یا اصولی، بلکہ مسلمان ہو یا کافر!

اسی طرح اس کتاب میں صرف تشخیص مرض نہیں ہے اس کا علاج بھی ہے، علمی نکات عرفانی لطائف، مکاشفات، معارف ربانی وغیرہ بھی ہیں یہ کتاب کیا ہے ایک کوزے میں سمندر کو بند کر دیا گیا ہے۔

ایسی ہی چیزوں کے لئے کہا گیا ہے کہ "مشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید" بہرحال ہمارے ادارہ کو فخر ہے کہ حضرت امام خمینی طاب نثراہ کی اس "سفر قیم" کو اردو زبان میں پیش کرنے کا شرف حاصل کر رہا ہے۔ اب میں آپ کو زیادہ دیر تک کتاب سے الگ نہیں رکھنا چاہتا ہوں۔ آپ خود ہی کتاب کا مطالعہ فرمائیں۔ اور اپنی رائے سے ادارہ کو ضرور مطلع کریں تاکہ آپ کی رائے کی روشنی میں بعد والے ایڈیشنوں میں استفادہ کیا جا سکے۔ ہمیں آپ کا ہر وہ اصلاحی نقد و تبصرہ قابل قبول ہوگا۔ جو مخلصانہ ہو مغرضانہ نہ ہو۔

مؤسسہ تنظیم و نشر آثار امام خمینی"، امور بین الملل

Presented by www.ziaraat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین، والصلاۃ علی محمد وآلہ اجمعین،
ولعنۃ اللہ علی اعدائہم (اجمعین) الی یوم الدین۔

خداوندا! (میرے) آئینہ دل کو نورِ اخلاص سے روشنی بخش دے، اور (میرے) لوحِ دل سے نفاق اور زنگ و شرک کو دور کر دے۔ بیچارگانِ صحرائے حیرت و ضلالت کی شاہراہِ سعادت و نجات کی طرف رہنمائی کر دے۔ ہم کو اخلاقِ حسنہ سے متصف کر دے، اپنے مخصوص جلوؤں اور ان نعماتِ خاص سے جو تیرے اولیاء درگاہ سے مخصوص ہیں میں سے کچھ ہمارے نصیب میں بھی ہو جائے، اور ہمارے امور کے انجام کو سعادت سے مقرون کر دے۔ (ہماری) مملکتِ قلوب سے جہالت و شیطان کے لشکروں کو خارج کر دے، حکمت و علم و رحمان کے لشکروں کو ان کی جگہ جاگزیں فرما دے۔ ہم کو اپنی اور اپنی بارگاہ کے مخصوص افراد کی محبت کے ساتھ اس دنیائے فانی سے اٹھا۔ مرتے وقت اور مرنے کے بعد ہمارے ساتھ اپنی رحمت ہمارے شاملِ حال فرما۔ محمدؐ و آلِ محمدؐ کے طفیل میں ہماری عاقبت بخیر فرما۔

امابعد! یہ بندۂ ناچیز و ضعیف ایک مدت سے یہ سوچا کرتا تھا کہ اہلِ بیت عصمت و طہارت علیہم السلام کی ان احادیث میں سے جو علماء رضوان اللہ علیہم و اصحاب کی معتبر کتابوں میں

Presented by www.ziaraat.com

درج ہیں ان میں سے چالیس حدیثوں کو اکٹھا کر کے ان کی ایسی شرح کروں جو عوام الناس کی حالت سے مناسب ہو۔

اور اسی لئے میں نے، جب خدا نے مجھے توفیق مرحمت فرمائی تو ان حدیثوں کو۔ فارسی زبان میں تحریر کیا۔ تاکہ فارسی زبان والے (اور فارسی داں حضرات) بھی اس سے فائدہ حاصل کر سکیں۔ شاید۔ انشاء اللہ۔ میں (بھی) حضرت خاتم الانبیا صلی اللہ علیہ وآلہ۔ کی حدیث شریف کا مصداق بن سکوں۔ آنحضرتؐ نے فرمایا ہے:

من حفظ علی امتی اربعین حدیثا ینتفعون بھا بعثہ اللہ یوم القیامۃ فقیھا عالما[1]

"جو شخص میری اُمت میں سے ایسی چالیس حدیثیں حفظ کرے جس سے لوگ فائدہ حاصل کریں تو خدا اس شخص کو قیامت میں فقیہ اور عالم محشور کرے گا۔"

یہاں تک کہ بحمد خدا و توفیق ولی میں (اس کتاب کے) شروع کرنے پر موفق ہوا۔ اور (اب) خداوند عالم سے اس کے تمام کرنے کی توفیق چاہتا ہوں۔ انہ ولی التوفیق۔

---

[1]: اس روایت کا مضمون نبی مکرم اور ائمہ اطہار علیہم السلام سے مختلف تعبیروں کے ساتھ وارد ہوا ہے۔ علامہ مجلسیؒ بحار الانوار جلد ۲ ص ۱۵۶ پر اسی روایت کے ذیل میں تحریر فرماتے ہیں: یہ مضمون سنی و شیعہ کے درمیان مشہور و مستفیض ہے۔ بلکہ لوگوں نے تو کہا ہے متواتر ہے اس حدیث کے چند مدارک (علاوہ ان کے جو حاشیہ میں ہیں) یہ ہیں۔ خصال، جلد ۲، باب الاربعین حدیث ۱۵، ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۱۹۔ اختصاص ص ۲، بحار الانوار جلد ۱ ص ۱۵۲ تا ۱۵۷۔ صحیفۃ الرضا ص ۶۵ جلد ۱۱۴۔ عیون اخبار الرضا، جلد ۲، باب ۳۱، ص ۳۷، جلد ۱۹ اور اس میں "علی" کے بجائے "من" ہے۔

Presented by www.ziaraat.com

فہرست مضامین وعنوانات

پہلی حدیث	15	ریاکاری کی بیخ کنی کا علمی طریقہ	65
مقام اول	18	پانچویں فصل	68
دوسری فصل	19	خلوص عمل	68
تیسری فصل	21	(ریا کا) دوسرا مقام	71
چوتھی فصل	22	پہلی فصل	71
پانچویں فصل	23	دوسری فصل	72
چھٹی فصل	24	ریا کا تیسرا مقام	75
مقام دوم	27	پہلی فصل	76
فصل اول	27	دوسری فصل	76
فصل دوم	29	تیسری فصل	80
تیسری فصل	32	اخلاص کی دعوت	80
چوتھی فصل	33	چوتھی فصل	85
پانچویں فصل	34	حدیث علوی کا بیان	85
چھٹی فصل	43	تتمہ	87
خاتمہ	46	دوسری حدیث کی توضیحات	89
پہلی حدیث کی توضیحات	47	تیسری حدیث	92
دوسری حدیث	58	پہلی فصل	94
ریاکاری اور اس کے درجات	58	خود پسندی کے مرتبے	94
ریاکاری کا تحقق چند مقامات پر ہوتا ہے	59	دوسری فصل	97
مقام اول ریاکاری	60	فسادیوں کا عجب	97
پہلی فصل	60	تیسری فصل	99
دوسری فصل	62	شیطان کی مکاریاں	99
علم وایمان کا فرق	62	چوتھی فصل	100
تیسری فصل	63	خود پسندی کے مفاسد	100
ریاکاری کی برائیاں	63	پانچویں فصل	105
چوتھی فصل	65	عجب کا سرچشمہ حب نفس ہے	105

Presented by www.ziaraat.com

فہرست مضامین وعنوانات

تیسری حدیث کی توضیحات	112	پانچویں فصل	163
چوتھی حدیث	115	حدیث رفع کا ذکر	163
پہلی فصل	117	پانچویں حدیث کی توضیحات	165
تکبر کے درجات کا بیان	117	چھٹی حدیث	167
دوسری فصل	119	پہلی فصل	168
تکبر کا اصل سبب	119	مذموم دنیا کے بارے میں علامہ مجلسیؒ کا بیان	168
تیسری فصل	124		
تکبر سے پیدا ہونے والی برائیاں	124	دوسری فصل	171
چوتھی فصل	129	محبت دنیا کے اسباب زیادتی	171
تکبر کے اسباب	129	تیسری فصل	173
پانچویں فصل	135	چوتھی فصل	178
تکبر کا علاج	135	چھٹی حدیث کی توضیحات	182
انسانیت کی پہلی منزل بیداری ہے	143	ساتویں حدیث	185
چھٹی فصل	145	پہلی فصل	186
حسد بھی کبھی غرور کا مبداء ہوتا ہے	145	قوت غضبیہ کے فوائد	186
چوتھی حدیث کی توضیحات	147	دوسری فصل	188
پانچویں حدیث	151	غصہ میں افراط کی مذمت	188
اقسام حسد	152	تیسری فصل	193
پہلی فصل	153	غصہ بھڑکنے کی صورت میں اس کا علاج	193
حسد کے بعض اسباب کا ذکر	153	چوتھی فصل	195
دوسری فصل	155	غصہ کا علاج	195
حسد کے کچھ مقاصد	155	ساتویں حدیث کی توضیحات	199
تیسری فصل	160	آٹھویں حدیث	201
مفاسد اخلاقی کی جڑ	160	پہلی فصل	203
چوتھی فصل	162	عصبیت کے مقاصد	203
حسد کا مکمل علاج	162	دوسری فصل	205

Presented by www.ziaraat.com

فہرست مضامین وعنوانات

صعیبت کی ملکوتی صورت	205	فطرت کے معنی	242
تیسری فصل	208	دوسری فصل	243
اہل علم کے تعصب	208	احکام فطرت کی تشخیص	243
آٹھویں حدیث کی توضیحات	211	تیسری فصل	244
نویں حدیث	213	احکام فطریات کی طرف اجمال اشارہ	244
پہلی فصل	214	پہلا مقام	245
نفاق کے مراتب	214	مقدمہ	245
دوسری فصل	216	دوسرا مقام	248
تیسری فصل	217	توحید خدا کے دوسرے صفات فطری ہیں	248
نفاق کا علاج	217	تیسرا مقام	249
چوتھی فصل	219	معاد فطریات سے ہے	249
نفاق کی بعض قسموں کا بیان	219	گیارہویں حدیث کی توضیحات	252
نویں حدیث کی توضیحات	224	بارہویں حدیث	254
دسویں حدیث	226	پہلی فصل	256
پہلا مقام	227	فضیلت تفکر کا بیان	256
پہلی فصل	227	تتمیم	258
دوسری فصل	229	دوسری فصل	262
خواہش نفس کی پیروی کی مذمت	229	مصنوعات میں تفکر	262
تیسری فصل	233	تیسری فصل	262
خواہشات نفسانیہ کی تعداد	233	احوال نفس میں تفکر	265
دوسرا مقام	234	چوتھی فصل	270
پہلی فصل	234	شب بیداری	270
دوسری فصل	235	پانچویں فصل	275
دسویں حدیث کی توضیحات	239	در تقویٰ	275
گیارہویں حدیث	241	چھٹی فصل	276
	242	عام تقویٰ کا بیان	276

Presented by www.ziaraat.com

فہرست مضامین وعنوانات

بارھویں حدیث کی توضیحات	281
تیرھویں حدیث	285
پہلی فصل	286
توکل اور اس کے درجات کا بیان	286
دوسری فصل	290
توکل اور رضا کا فرق	290
تیسری فصل	291
تفویض وتوکل وثقہ کا فرق	291
تیرھویں حدیث کی توضیحات	293
چودھویں حدیث	294
پہلی فصل	295
انسان عارف کی دو نظر ہے	295
دوسری فصل	297
عبادت خدا سے ممکن کی عاجزی	297
تیسری فصل	302
رجاء وغرور کا فرق	302
چوتھی فصل	304
خوف ورجاء کی موازنہ کی علیت	304
چودھویں حدیث کی توضیحات	308
پندرھویں حدیث	310
پہلی فصل	312
دوسری فصل	315
انبیاء اوصیاء اور مومنین کی ابتلاء کی وجہ	315
تیسری فصل	320
چوتھی فصل	323
دنیا دار ثواب وعقاب نہیں	323
پانچویں فصل	325
تدبر روحانی بلا شدید ادراک کے تابع ہے	325
پندرھویں حدیث کی توضیحات	327
سولھویں حدیث	332
پہلی فصل	334
شہوت تمام گرفتاریوں کی جڑ ہے	334
دوسری فصل	338
تیسری فصل	340
صبر کا مطلب	340
چوتھی فصل	342
صبر کے نتائج	342
پانچویں فصل	346
صبر کے درجات	346
چھٹی فصل	348
اہل معرفت کے صبر کے درجات	348
سولھویں حدیث کی توضیحات	350
سترھویں حدیث	352
حقیقت توبہ	353
پہلی فصل	354
اہم نکتہ	354
مہم نکتہ	355
دوسری فصل	356
ارکان توبہ	356
تیسری فصل	359
شرائط توبہ	359

Presented by www.ziaraat.com

فہرست مضامین وعنوانات

چوتھی فصل	363	چھٹی فصل	402
استغفار کا نتیجہ	363	غیبت سننا حرام ہے	402
پانچویں فصل	364	تتمیم	404
توبہ نصوح کی تفسیر	364	کلام شہید ثانیؒ	404
تکمیل	365	انیسویں حدیث کی توضیحات	407
سترہویں حدیث کی توضیحات	367	بیسویں حدیث	409
اٹھارہویں حدیث	370	پہلی فصل	411
خدا کی قیومی احاطہ	371	خدا کے ابتلاء کی توجیہ	412
پہلی فصل	373	دوسری فصل	413
دوسری فصل	375	تیسری فصل	417
تذکر وتذکر کی منزل کا فرق	375	اخلاص کی تعریف	417
تیسری فصل	376	چوتھی فصل	419
چوتھی فصل	378	عمل کے بعد کا اخلاص	419
ذکر خدا کی فضیلت	378	بیسویں حدیث کی توضیحات	425
اٹھارہویں حدیث کی توضیحات	381	اکیسویں حدیث	427
انیسویں حدیث	383	پہلی فصل	433
پہلی فصل	385	آیت کا عرفانی توجیہ	433
غیبت کی تعریف	385	دوسری فصل	435
دوسری فصل	388	شکر کی حقیقت	435
تیسری فصل	395	شکر کی تین قسمیں ہیں	436
غیبت کا اجتماعی ضرر	395	تیسری فصل	437
چوتھی فصل	398	شکر کس طرح ہو	437
اس ہلاکت خیز بیماری کا علاج	398	تکملہ	440
پانچویں فصل	400	تتمیم	443
جائز مقامات پر بھی ترک غیبت اول ہے	400	چوتھی فصل	443
		اکیسویں حدیث کی توضیحات	447

Presented by www.ziaraat.com

فہرست مضامین وعنوانات

بائیسویں حدیث	451	چوتھی فصل	520
پہلی فصل	456	پانچویں فصل	523
دوسری فصل	458	چھبیسویں حدیث کی توضیحات	524
بائیسویں حدیث کی توضیحات	460	ستائیسویں حدیث	526
تیئیسویں حدیث	462	پہلی فصل	527
پہلی فصل	467	دوسری فصل	534
دوسری فصل	471	تیسری فصل	539
تیسری فصل	475	چوتھی فصل	547
چوتھی فصل	478	نکتہ	550
تیئیسویں حدیث کی توضیحات	480	ستائیسویں حدیث کی توضیحات	551
چوبیسویں حدیث	482	اٹھائیسویں حدیث	554
پہلی فصل	483	پہلی فصل	556
دوسری فصل	488	دوسری فصل	561
تیسری فصل	490	تیسری فصل	568
چوتھی فصل	493	اٹھائیسویں حدیث کی توضیحات	570
پانچویں فصل	495	انتیسویں حدیث	572
چوبیسویں حدیث کی توضیحات	497	مقدمہ	575
پچیسویں حدیث	498	پہلی فصل	576
پہلی فصل	501	دوسری فصل	579
دوسری فصل	505	تتمہ	582
پچیسویں حدیث کی توضیحات	509	بعض امانت حق کی طرف اشارہ ہے	586
چھبیسویں حدیث	511	تیسری فصل	588
پہلی فصل	512	حضور حق کے سلسلے میں لوگوں کا اختلاف	590
اہم نکتہ	513	فضیلت گریہ	591
دوسری فصل	514	چھوٹے عمل پر بڑا ثواب بعید نہیں	592
تیسری فصل	517		

Presented by www.ziaraat.com

فہرست مضامین وعنوانات

چوتھی فصل	594
ہر ماہ تین روزے کا استحباب	596
صدقہ کی فضیلت	597
دوسرے نکتے کا بیان	600
صدقہ کا راز	601
تتمہ	602
خاتمہ	603
نماز شب کی فضیلت	604
صلوٰۃ وسطیٰ کا بیان	605
پانچویں فصل	607
جوانی میں عبادت اثر انداز ہوتی ہے	610
قرأت کے آداب	610
قرأت میں اخلاص	612
ترتیل کا مطلب	615
چھٹی فصل	617
رفع یدین کا راز	618
شیطان کی مکاری پر متنبہ کرنا	620
ساتویں فصل	621
آٹھویں فصل	622
انتیسویں حدیث کی توضیحات	629
تیسویں حدیث	641
مقدمہ	643
پہلی فصل	645
قلوب کی وجہ حصر	646
دوسری فصل	647
قلب مومن کے از ہر ہونے کا بیان	648
مومن صراط مستقیم پر ہے	648
شیطان کی بعض مکاریاں	649
تتمہ	652
خاتمہ	653
تیسویں حدیث کی توضیحات	655
اکتیسویں حدیث	657
پہلی فصل	659
اسماء وصفات کی حقیقت کا علم ناممکن ہے	662
دوسری فصل	663
تیسری فصل	665
چوتھی فصل	667
تفویض کے معنیٰ کی طرف اجمالی اشارہ	670
پانچویں فصل	671
حقیقت عصمت کا بیان	673
چھٹی فصل	673
اکتیسویں حدیث کی توضیحات	677
بتیسویں حدیث	679
پہلی فصل	680
تقدیر کے مطابق رزق ملنا	681
دوسری فصل	683
لوگوں کے دو طبقے ہیں	684
تیسری فصل	685
چوتھی فصل	687
بتیسویں حدیث کی توضیحات	689

Presented by www.ziaraat.com

فہرست مضامین وعنوانات

تینتیسویں حدیث	690
پہلی فصل	691
دوسری فصل	701
تینتیسویں حدیث کی توضیحات	704
چونتیسویں حدیث	706
پہلی فصل	710
عرفانی توجیہ	711
تتمہ	714
دوسری فصل	715
تیسری فصل	716
نبوت میں انبیاء کے اختلاف کا راز	719
چوتھی فصل	720
کلام محقق طوسیؒ	721
تتمہ	722
چونتیسویں حدیث کی توضیحات	724
پینتیسویں حدیث	728
پہلی فصل	729
دوسری فصل	731
تیسری فصل	733
پینتیسویں حدیث کی توضیحات	736
چھتیسویں حدیث	738
پہلی فصل	740
نقل قول اور تحقیق مطلب	742
ذات مقدس کے ساتھ اوصاف کی	
عینیت کا تحقیقی جائزہ	744
دوسری فصل	745
تیسری فصل	748
چوتھی فصل	752
پانچویں فصل	754
چھتیسویں حدیث کی توضیحات	758
سینتیسویں حدیث	760
پہلی فصل	762
وہم اور اس کا دفع	767
سینتیسویں حدیث کی توضیحات	769
اڑتیسویں حدیث	771
پہلی فصل	775
اڑتیسویں حدیث کی توضیحات	778
انتالیسویں حدیث	780
تحقیق خیر وشر	782
پہلی فصل	785
دوسری فصل	787
مسئلہ ابطال جبر	788
انتالیسویں حدیث کی توضیحات	791
چالیسویں حدیث	793
پہلی فصل	795
بسم اللہ کی طرف اشارہ	796
دوسری فصل	799
خاتمہ	805
دعا و خاتمہ	807
چالیسویں حدیث کی توضیحات	808

Presented by www.ziaraat.com

پہلی حدیث

«أخبرني أجازةً، مُكاتبةً و مُشافهةً عِدةٌ مِنَ المَشايخ العِظام و الثِقاتِ الكِرام مِنهُمُ الشَيخُ العَلّامَةُ المُتكلِّمُ الفَقيهُ الأُصولِيُّ الأديبُ المُتبَحِّرُ الشَيخُ مُحمَّد رِضا آل العَلّامَةِ الوَفِيُّ الشَيخُ مُحمَّد تَقي الإصفِهاني. أدامَ اللّهُ تَوفيقَهُ. حينَ تَشَرُّفِهِ بِقُمِ الشَريفِ، و الشَيخُ العالِمُ الجَليلُ المُتَعَبِّدُ الثِقَةُ الثَبتُ الحاجُ شَيخ عَبّاسُ القُمّيُّ. دامَ تَوفيقُهُ. كِلاهُما عَنِ المَولَى العالِمِ الزاهِدِ العابِدِ الفَقيهِ المُحدِّثِ الآميرزا حُسَينِ النوريِّ. نَوَّرَ اللّهُ مَرقَدَهُ الشَريفَ. عَنِ العَلّامَةِ الشَيخِ مُرتَضى الأنصارِيِّ، قَدَّسَ اللّهُ سِرَّهُ. و مِنهُمُ السَيِّدُ السَنَدُ الفَقيهُ المُتكلِّمُ الثِقَةُ العَينُ الثَبتُ العَلّامَةُ السَيِّدُ مُحسِنُ الأمينُ العامِلِيّ، أدامَ اللّهُ تأييداتَهُ، عَنِ الفَقيهِ العَلّامَةِ، صاحِبِ المُصَنَّفاتِ العَديدَةِ السَيِّد مُحمَّد بنِ هاشِمِ المُوسَوي الرَضَوي الهِندِيِّ، المُجاوِرِ في النَجَفِ الأشرَفِ حَيّاً و مَيِّتاً، قَدَّسَ اللّهُ سِرَّهُ، عَنِ العَلّامَةِ الأنصاري. و مِنهُمُ السَيِّدُ العالِمُ الثِقَةُ الثَبتُ

Presented by www.ziaraat.com

السيّدُ أبو القاسم الدِهكَرْدِيّ الإصفهانيّ[1]، عَنِ السَيِّد السَّنَدِ الأمجَدِ الأميرزا مُحَمَّد هاشم الإصفهانيّ[2]، قُدِّسَ سِرُّه، عَنِ العَلّامَةِ الأنصاري (وَ لَنا طُرُقٌ أُخرى غيرُ مُنتَهِيَةٍ إلى الشَّيخ تَرَكْناها) عَنِ المَوْلى الأفضَلِ أحمَدَ النَّراقيّ[3]، عَنِ السَيِّد مَهديّ المَدْعُوّ بِبَحرِ العُلوم صاحِبِ الكَرامات، رِضوانُ اللّهِ عَلَيْه، عَنْ أُستاذِ الكُلِّ الآقا مُحَمَّد باقِرِ البِهبَهانيّ[4]، عَنْ والِدِهِ الأكمَلِ مُحَمَّد أكمَل[5]، عَنِ المَوْلى مُحَمَّد باقِرِ المَجلِسيّ[6]، عَنْ والِدِهِ المُحَقِّقِ المَوْلى مُحَمَّد تَقي المَجلِسيّ[7]، عَنِ الشَّيخِ المُحَقِّقِ البَهائيّ[8]، عَنْ والِدِهِ الشَّيخ حُسَيْن[9]، عَنِ الشَّيخ زَيْنِ الدّين الشَّهير بِالشَّهيدِ الثّاني، عَنِ الشَّيخ عَليّ بْنِ عَبْدِ العالي المَيسيّ[10]، عَنِ الشَّيخ شَمْسِ الدّينِ مُحَمَّد بْنِ المُؤَذِّنِ الجَزينيّ[11]، عَنِ الشَّيخ ضِياءِ الدّينِ عَليّ[12]، عَنْ والِدِهِ الحائِزِ لِلمَرتَبَتَيْنِ الشَّيخ شَمْسِ الدّينِ مُحَمَّد بْنِ مَكّيّ[13]، عَنِ الشَّيخ أبي طالِبٍ مُحَمَّد فَخرِ المُحَقِّقينَ[14]، عَنْ والِدِهِ آيَةِ اللّهِ الحَسَن بْنِ مُطَهَّرٍ العَلّامَةِ الحِلّيّ[15]، عَنِ الشَّيخ أبي القاسِمِ جَعْفَرِ بْنِ الحَسَنِ بْنِ سَعيدٍ الحِلّي المُحَقِّقِ عَلَى الإطلاقِ[16]، عَنِ السَّيِّدِ أبي عَلي فَخارِ بْنِ المُعَدِّ المُوسَوِيّ[17]، عَنِ الشَّيخ شاذانِ بْنِ جِبرَئيلَ القُمّيّ[18]، عَنِ الشَّيخ مُحَمَّد بْنِ أبي القاسِمِ الطَبَريّ[19]، عَنِ الشَّيخ أبي عَليّ الحَسَنِ[20]، عَنْ والِدِهِ شَيْخِ الطّائِفَةِ أبي جَعْفَر مُحَمَّد بْنِ الحَسَنِ الطُّوسيّ[21] جامِعِ التَّهذيبِ وَ الإستِبصارِ، عَنْ إمامِ الفُقَهاءِ وَ المُتَكَلِّمينَ الشَّيخ أبي عَبْدِاللّهِ مُحَمَّدِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ نُعمانِ الشَّيخ المُفيد[22]، عَنْ شَيْخِهِ رَئيسِ المُحَدِّثينَ الشَّيخ أبي جَعْفَرٍ مُحَمَّدِ بْنِ عَليّ بْنِ الحُسَيْنِ بْنِ مُوسى بْنِ بابَوَيْهِ القُمّيّ[23] صاحِبِ كِتابِ «مَنْ لا يَحضُرُهُ الفَقيه»، عَنِ الشَّيخ أبي القاسِمِ جَعْفَرِ بْنِ قُولَوَيْهِ[24]، عَنِ الشَّيخ الأجَلِّ ثِقَةِ الإسلامِ مُحَمَّدِ بْنِ يَعقوبِ الكُلَيْنيّ[25] صاحِبِ الكافي، عَنْ عَليّ بْنِ إبراهيمَ[26]، عَنْ أبيهِ[27]، عَنِ النَّوفَليّ[28]، عَنِ

Presented by www.ziaraat.com

السكوني، عن أبي عبد الله عليه السلام: أن النبي، صلى الله عليه وآله، بعث سرية فلما رجعوا قال مرحبا بقوم قضوا الجهاد الأصغر وبقي عليهم الجهاد الأكبر فقيل: يا رسول الله ما الجهاد الأكبر قال جهاد النفس۔[۳۹]

ترجمہ:۔ سکونی نے حضرت امام جعفر صادقؑ سے روایت کی ہے: آنحضرتؐ نے ایک "سریہ" کو جنگ کے لئے روانہ فرمایا۔ جب وہ لوگ واپس آئے تو آنحضرتؐ نے فرمایا: کیا کہنا اس قوم کا جس نے جہاد اصغر تو پورا کر لیا لیکن ابھی جہاد اکبر باقی ہے۔ پوچھا گیا: یا رسولؐ خدا جہاد اکبر کیا ہے؟ فرمایا:

نفس سے جہاد کرنا۔

شرح: سریہ لشکر کی ایک ٹکڑی کہا جاتا ہے: بہترین سریہ وہ ہے جو چار سو افراد پر مشتمل ہو۔[۴۰] باقی روایت کے الفاظ معلوم ہیں۔

سنو! انسان ہی وہ عجوبہ ہے جس (کی ایک زندگی) میں دو زندگیاں اور دو کائنات ہیں۔

۱:۔ بدن! اسی کو نشأۃ ظاہری دنیوی کہا جاتا ہے۔

۲:۔ نفس! اس کو نشأت باطنی غیبی ملکوتی کہا جاتا ہے۔

(جس) نفس کا تعلق عالم غیب و ملکوت سے ہوتا ہے (اس کے) متعدد درجات و مقامات ہیں۔

۱: کبھی تو اس کی تقسیم سات حصوں میں کی گئی ہے۔[۴۱]

۲: کبھی تو اس کی تقسیم چار حصوں میں کی گئی ہے۔[۴۲]

۳: کبھی اس کی تقسیم تین حصوں میں کی گئی ہے۔[۴۳]

۴: کبھی اس کی تقسیم دو حصوں میں کی گئی ہے۔[۴۴]

تمام درجات و مقامات کے دو قسم کے لشکر ہیں۔

۱: لشکر رحمانی و عقلانی: اس لشکر کا کام یہ ہے کہ انسان کو ملکوت اعلیٰ کی طرف کھینچتا ہے اور نیکی کے راستہ پر لگاتا ہے۔

۲: لشکر شیطانی و جہالتی: یہ انسان کو عالم سفلی کی طرف گھسیٹتا ہے اور شقاوت (و بدبختی) کی طرف دعوت دیتا ہے۔

Presented by www.ziaraat.com

یہ دونوں لشکر ہمیشہ برسرِ پیکار رہتے ہیں اور ان کا میدان کارزار خود ذات انسانی ہوتی ہے۔ نتیجہ، اگر رحمانی لشکر غالب آگیا تو انسان سعید اور اہل رحمت میں سے ہوتا ہے اور صفِ ملائیکہ میں شمار ہوتا ہے۔ اور زمرۂ انبیاء و اولیاء و صالحین میں محشور ہوتا ہے۔ لیکن اگر جہالت و شیطانی لشکر غالب آگیا ہے تو انسان شقی اور اہلِ غضب میں شمار ہوتا ہے اور شیاطین و کفار کے زمرہ میں محشور ہوتا ہے۔

چونکہ اس کتاب میں تفصیل کی گنجائش نہیں ہے اس لئے نفس کے بعض مقامات (مراتب) کی طرف اشارہ کر کے اس کے اسبابِ سعادت و شقاوت کا ذکر کرتے ہوئے انشاء اللہ جہادِ نفس کی کیفیت کو بیان کریں گے۔

مقامِ اوّل

اس میں چند فصلیں ہیں:

(پہلی) فصل: نفس کے مقامِ اوّل کی طرف اشارہ

یہ جان لو کہ نفس کا مقامِ اوّل، و منزلِ پست اور ملک کی جگہ اور اس کی ظاہری و پوری کائنات بھی ہے کہ اس کے اس محسوس بدن اور ظاہری جسم پر انوارِ غیبیہ اور اس کی شعاعیں تابندہ ہونے لگیں اور اس کو عرضی زندگی عطا کریں۔ اور اسی بدن کے (اعضاء) میں لشکر بندی کریں۔ اس نفس کا میدانِ جنگ یہی بدن ہے اور اسی بدن کی ظاہری قوتیں اس نفس کے لشکر ہیں۔ اور وہ لشکر اس نفس کے اقالیم سبعہ ملکیہ، کان، آنکھ، زبان، پیٹ، شرمگاہ، ہاتھ، پاؤں۔ پر پھیلا ہوا ہے اور مقامِ وہم میں ان ساتوں ملکوں میں پھیلی ہوئی تمام طاقتیں نفس کے زیرِ تصرف ہیں کیونکہ نفس کے تمام باطنی و ظاہری قوتوں کا بادشاہ یہی وہم ہے۔

اب اگر وہم خود اس لشکر پر حکومت کرے یا شیطان کے ذریعہ ان قوتوں پر تصرف کرے تو ساری قوتیں شیطانی فوج بن جاتی ہیں اور پورے ملک جسم پر شیطان کی حکومت ہو جاتی ہے۔ رحمانی لشکر اور عقل کی فوج کمزور ہو کر شکست کھا جاتی ہے اور انسان کی دنیا سے اپنا بوریا بستر سمیٹ کر چل دیتی ہے اور پھر پوری کی پوری حکومت شیطان کی ہو جاتی ہے۔

Presented by www.ziaraat.com

لیکن اگر وہم عقل و شرع کی نگرانی میں ان قوتوں پر تصرف کرے اور ان فوجوں کی حرکات و سکنات سب نظام عقل و شرع کی پابند ہوں تو مملکت جسم و جانی ہوتی ہے اور شیطان اور اس کا لشکر وہاں سے دامن کش ہو کر فرار ہو جاتا ہے۔

لہٰذا یہاں پر جہاد نفس، جو عظیم جہاد ہے اور راہ خدا میں قتل ہونے سے بالاتر ہے۔ سے مراد انسان کا اپنی ظاہری قوتوں پر غلبہ حاصل کرنے اور ان کو حکم خالق کے مطابق چلانے اور مملکت جسم کو شیطان اور اس کی فوجوں سے خالی کرا لینے کا نام ہے۔

دوسری فصل

غور و فکر

یہ بھی جان لو۔ جہاد نفس اور حرکت الی اللہ کی پہلی شرط "غور و فکر" ہے اگرچہ بعض علماء اخلاق نے اس کو ہدایات کے پانچویں ۵ درجے میں رکھا ہے اور اپنی جگہ پر یہ بھی صحیح ہے۔

یہاں پر غور و فکر سے مراد یہ ہے کہ: انسان ۲۴ گھنٹہ میں اچانک تھوڑی ہی دیر کے لئے ہو) روزانہ یہ سوچے کہ جس خدا نے اس کو اس دنیا میں پیدا کیا ہے، تمام راحت و آرام کے اسباب اس کے لئے مہیا کئے ہیں، اس کو صحیح و سالم بدن بخشا ہے اس بدن کو ایسی طاقتیں مرحمت فرمائی ہیں کہ ان میں سے ہر قوت نفع بخش ہے اور جن سے عقل حیران ہے، اور اس کے لئے نعمت و رحمت کی بساط بچھائی ہے اور دوسری طرف سے یہ بھی (سوچے) کہ اسی خدا نے ہم لوگوں کے لئے اتنے انبیاء بھیجے، کتابیں نازل کیں، ہماری ہدایت کا انتظام کیا۔ اس مالک کے لئے ہمارا فریضہ کیا ہے؟

کیا اس پوری کائنات کا مطلب صرف شہوت پرستی ہے؟ حیوانی خواہشات کی تکمیل ہے؟ جس میں ہمارے اور تمام حیوانات میں کوئی فرق نہیں ہے سب ہی اس میں شریک ہیں یا اس دنیائے رنگ و بو کا کچھ اور بھی مقصد ہے؟

کیا انبیائے کرام، اولیائے عظام، حکمائے بزرگ، ہر قوم و ملت کے علمائے اعلام جو لوگوں کو عقل و شرع کے قانون کی دعوت دیتے تھے، شہوت پرستی اور دنیائے فانی سے پرہیز کرنے کی تاکید کرتے تھے یہ سب لوگوں سے دشمنی رکھتے تھے اور لوگوں کے اب بھی دشمن ہیں؟ باہم جیسے لوگوں

Presented by www.ziaraat.com

کی اصلاح سے واقف نہیں ہیں جو حیاتِ خواہشات میں فرق ہیں؟"

ایک عقلمند انسان اگر تھوڑی دیر بھی غور و فکر کرے تو سمجھ لے گا کہ اس بساط کا مقصد کوئی دوسری چیز ہے۔ اس خلقت سے مقصود اس سے بزرگ و برتر عالم ہے اور یہ حیوانی زندگی بالذات مقصود نہیں ہے۔ انسان عاقل کو اپنی فکر کرنی چاہیئے اپنی بے چارگی پر رحم کھانا چاہیئے۔

اس کو اپنے نفس سے خطاب کر کے کہنا چاہیئے: اے نفس شقی و بدبخت! بہت دنوں تک خواہشات کے پیچھے تو نے اپنی عمر کو برباد کیا اور سوائے حسرت (و افسوس) کے کچھ تیرے ہاتھ نہ آیا۔ کتنا اچھا ہوتا کہ تو کچھ اپنی حالت پر رحم کھاتا، مالک الملوک سے شرم کرتا، مقصدِ اصلی کے راستہ پر دو چار گام آگے بڑھتا، جو حیاتِ دائمی و سعادتِ ابدی کا سبب ہے۔ ابدی سعادت کو چند روزہ فانی خواہشات کے بدلے میں نہ بیچ۔ کیونکہ طاقت فرسا محنتوں کے بعد بھی وہ تیرے ہاتھ آنے والی نہیں ہے۔

قرونِ ماضیہ سے لے کر اب تک کے انسانوں کے بارے میں جو اہلِ دنیا تھے ان کے بارے میں تھوڑا سا غور کر کہ ان کے رنج و غم ان کی زحمتیں ان کی راحتوں کے مقابلہ میں کتنی زیادہ تھیں۔ جب کہ ہر شخص کے لئے راحت و خوشی کا میسر ہونا ممکن نہیں ہے۔ جو شخص انسان کی صورت میں شیطان کا نمائندہ ہے اور شیطانی فوج کا سپاہی ہے جس کو اس نے بھیجا ہے اور جو تم کو (تکمیلِ) خواہشات کی دعوت دیتا ہے اور کہتا ہے: مادی دنیا کی حفاظت کرو۔ (باربار یہ کوشش کہ عالم دوبارہ نیست کہتا ہے ــــ) ذرا اس کے بارے میں سوچو اور اس سے پوچھو کہ کیا وہ اپنی موجودہ حالت سے راضی ہے؟ (ہرگز نہیں) یا کیا وہ خود تو مبتلا ہے اب کیا وہ دوسرے کو بھی اس میں مبتلا کرنا چاہتا ہے؟

بہرحال اپنے خدا سے دعا کرو، (گریہ) وزاری و عاجزی سے تمنا کرو کہ تم کو تمہاری ذمہ داریوں سے آشنا کر دے (ایسی ذمہ داریاں) جو تمہارے اور اس کے مابین منظور ہوں۔

میں امید کرتا ہوں کہ یہ غور و فکر جو شیطان و نفسِ امارہ سے مجاہدہ کی خاطر ہے۔ تمہارے لئے کوئی دوسرا پیدا کر دے گی اور اس مجاہدہ سے دوسری منزل کی توفیق نصیب ہوگی۔

Presented by www.ziaraat.com

تیسری فصل

عزم وارادہ

انسان مجاہد کے لئے تفکر کے بعد جو دوسری منزل پیش آتی ہے اس کا نام عزم (وارادہ) ہے۔ مگر یہ وہ ارادہ نہیں ہے جس کو شیخ الرئیس نے اشارات میں عارفین کا سب سے کم درجہ قرار دیا ہے۔

ہمارے بعض مشائخ۔ اطال اللہ عمرہ۔ نے فرمایا: عزم انسانیت کا جوہر اور امتیاز ہے انسان کے لئے میزان ہے۔ انسان کے درجات کا تفاوت، عزم کے تفاوت کے اعتبار سے ہوا کرتا ہے۔

یہاں پر عزم (وارادہ) سے جس عزم کا مراد لینا مناسب ہے وہ یہ ہے کہ انسان پختہ ارادہ کرے کہ معصیت کا ارتکاب نہیں کرے گا اور کسی واجب کو ترک نہیں کرے گا اور زندگی میں جو واجب چھوٹ گیا ہے یا معصیت ہو گئی ہے۔ اس کا تدارک و جبران کرے گا۔ یعنی اپنی ظاہری حالت و صورت سے اپنے کو ایک ایسا شرعی و عقلی بنالے گا۔ کہ شرع اور عقل بر حسب ظاہر (دونوں) حکم کریں گے کہ یہ شخص انسان ہے۔ اور انسان شرعی کا مطلب بھی یہی ہے کہ شریعت کے مطابق عمل کرے (زندگی بسر کرے) اور اس کا ظاہر رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ۔ جیسا ظاہر ہو اور تمام افعال و تروک و حرکات و سکنات میں آنحضرتؐ کی تاسی کرے۔ اور یہ بات (نا ممکن نہیں ہے بلکہ) ممکن ہے۔ کیونکہ اپنے ظاہر کو آنحضرتؐ کے ظاہر کے مطابق کرنا ہر بندۂ خدا کے لئے مقدور ہے۔

یہ بات سمجھ لیجئے کہ معارف الٰہی کا کوئی بھی راستہ ظاہر شریعت سے ابتدا کئے بغیر طے کیا ہی نہیں جا سکتا اور جب تک انسان شریعت حقہ کے آداب کا پابند نہ ہو جائے اخلاق حسنہ حقیقت نہیں بن سکتے اور نہ ہی معرفت الٰہی کے نور کا اس کے دل میں جلوہ فگن ہونا ممکن ہے۔ اور نہ علم باطن و اسرار شریعت کا انکشاف اس کے لئے ہو سکے گا۔ اور (اگر) انکشاف حقیقت اور انوار معارف اس کے دل میں ظاہر (بھی) ہو گئے تو (صرف) آداب ظاہرہ ہی سے متاوب ہو گا۔ اسی لئے جن لوگوں نے دعویٰ کیا ہے (ترک ظاہر سے علم باطن ہوتا ہے) ان کا دعویٰ باطل ہے یا یہ کہنا: (اس کی پیدائش کے بعد آداب ظاہرہ کی ضرورت (باقی) نہیں رہتی) یہ بھی غلط ہے کیونکہ یہ بات اس

Presented by www.ziaraat.com

بات کی غمازی کرتی ہے کہ کہنے والا مقامات و مدارج انسانیت سے ناواقف ہے۔ ہو سکتا ہے میں ان اوراق میں بعض چیزوں کے بیان پر موفق ہو سکا ہوں۔
انشاء اللہ تعالیٰ۔

چوتھی فصل

اے عزیز! اس بات کی کوشش کرو کہ صاحب عزم و مالک ارادہ بن سکو۔ کیونکہ خدانخواستہ اگر اس دنیا سے بے عزم کوچ کر گئے تو ایک بے مغز انسان صورتی ہو گے اور اس عالم میں انسانی صورت میں محشور نہیں ہو سکو گے اس لئے کہ وہ عالم کشف باطن اور ظہور سریرہ کی جگہ ہے۔ اور اس قانون گناہ رفتہ رفتہ انسان کو بے عزم بنا دیتا ہے اور عزم جیسے شریف و قیمتی گوہر کو اس سے چھین لیتا ہے۔
میرے استاد معظم۔ دام ظلہ۔ فرماتے تھے:
گناہ کا سنتا سب سے زیادہ ایسی اہم چیز ہے جو انسان سے اس کے عزم و ارادہ کو سلب کر لیتی ہے۔
لہٰذا میرے بھائی! گناہوں سے بچو اور خدا کی طرف ہجرت کرنے کا عزم (مصمم) کرو اور ظاہر انسان کا ظاہر کرو۔ اور اپنے کو ارباب شرائع کی لڑی میں پرو دو۔ اور (رات کی) تنہائیوں میں (گڑگڑا کر) اپنے خدا سے دعا کرو اس مقصد میں تمہاری مدد کرے۔ حضرت رسول خدا اور ان کے اہل بیتؑ کو شفیع اور (وسیلہ) قرار دو کہ خدا تم کو توفیق عنایت فرمائے۔ اور سامنے جو کٹھن منزلیں ہیں ان میں مدد کرے۔ کیونکہ انسان اپنی زندگی میں بہت سی لغزشوں کا مرتکب ہوتا ہے اور ممکن ہے ایک وقت ایسے ہلاکت کے گڑھے میں گر جائے جہاں اپنے لئے کوئی چارہ و تدبیر نہ کر سکے بلکہ شاید چارہ جوئی کی سوچ بھی نہ کر سکے۔ بلکہ شاید شفاعت کرنے والوں کی شفاعت بھی اس کے شامل حال نہ ہو سکے۔ نعوذ باللہ منہا۔

پانچویں فصل

(مشارطہ، مراقبہ، محاسبہ کے بیان میں)

مجاہدہ کے لئے جو چیزیں ضروری ہیں۔ وہ مشارطہ اور مراقبہ اور محاسبہ ہے۔

Presented by www.ziaraat.com

۱۔ شرط: اس کا مطلب یہ ہے کہ مثلاً پہلے دن طے کرے آج میں خدا کے احکام کی خلاف ورزی نہیں کروں گا۔ اب اس بات کا عزم مصمم کرے۔ ظاہر ہے کہ ایک دن خلاف ورزی نہ کرنا بہت آسان ہے۔ انسان بہت آسانی کے ساتھ اس سے عہدہ برآ ہو سکتا ہے۔

تم عزم مصمم کرو اور شرط کر لو (پھر) غور کرو کہ یہ کتنا آسان ہے۔ ہو سکتا ہے کہ شیطان اور اس کے چیلے اس بات کو تمہارے لئے بہت بڑھا چڑھا کر پیش کریں۔ لیکن یہ صرف شیطانی دھوکہ ہے۔ اس پر اپنے دل سے لعنت کرو اور باطل (دبے ہوؤں) خیالات کو اپنے دل سے نکال دو۔ ایک دن تجربہ کر کے تو دیکھو اس وقت تم خود اس کی تصدیق کرو گے۔ اس کے بعد مراقبہ کا نمبر ہے۔

۲۔ مراقبہ: شرط کی پوری مدت میں اس شرط پر عمل کی طرف (پوری) توجہ رکھو اور اپنے کو اس پر عمل کرنے کا پابند سمجھو اگر خدا نخواستہ اس مدت کے اندر تمہارے دل میں حکم خدا کے خلاف کچھ کرنے کا خیال پیدا ہو تو یقین کر لو کہ یہ شیطان اور اس کے چیلوں کا کام ہے جو تم کو کی ہوئی شرط سے روکنے کی کوشش کر رہے ہیں، ان شیطانوں پر لعنت کرو اور ان سے خدا کی پناہ مانگو اور اس باطل خیال کو دل سے نکال دو۔ اور شیطان سے کہو میں نے (صرف) آج کے لئے اپنے سے شرط کی ہے کہ فرمانِ خدا کی مخالفت نہ کروں گا۔ (حالانکہ) میرے ولی نعمت نے سالہا سال سے مجھے نعمت دی ہے۔ صحت و سلامتی، امن و عافیت مرحمت فرمائی ہے اور ایسی ایسی کرم فرمائیاں کی ہیں کہ اگر میں ابدالآباد تک اس کی خدمت کرتا رہوں جب بھی اس کی ایک نعمت سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتا (چہ جائیکہ اس کی نعمت ہائے بے پایاں ۔) کسی طرح مناسب نہیں ہے کہ میں ایک جزئی شرط کو بھی پورا نہ کروں۔ امید ہے اس طرح شیطان بھاگ جائے گا انشاء اللہ اور رحمانی لشکر غالب آجائے گا۔

اور یہ مراقبہ تمہارے کسی کام سے (مثلاً) تجارت، سفر، تحصیل علم وغیرہ سے منافات (کبھی) نہیں رکھتا۔ اسی طرح پورا دن گزار دو یہاں تک کہ رات کا وقت آجائے جو محاسبہ کا موقع ہے۔

۳۔ محاسبہ: اس کا مطلب ہے کہ اپنے نفس سے حساب لو کہ اپنے خدا کے ساتھ جو شرط کی تھی اس کو پورا کر دیا؟ اس سلسلہ میں اپنے ولی نعمت سے کوئی معمولی سی بھی خیانت تو نہیں کی؟

اگر تم نے شرط کے مطابق عمل کیا ہے تو اس توفیق پر خدا کا شکر ادا کرو اور یہ یقین کرو کہ ایک قدم آگے بڑھ گئے اور سوئے منزل ہو گئے اور انشاء اللہ خدا دنیا و دین کی ترقی میں تمہاری راہنمائی کرے گا اور کار فردا کو آسان کر دے گا۔ کچھ دنوں تک اسی طرح پابندی سے یہ عمل کرتے رہو تو

Presented by www.ziaraat.com

امید ہے کہ یہ مشکل بن جائے اور پھر تمہارے لئے اس کام میں یعنی ترک معصیت و فعل واجبات میں۔ کوئی زحمت نہ ہوگی بلکہ آسانی ہوگی۔ بلکہ اسی دنیا میں ترک معاصی اور اطاعت فرمانِ خداوندی سے تم کو لذت ملنے لگے گی اگرچہ یہ دنیا دار جزا نہیں ہے مگر پھر بھی تم کو لذت حاصل ہوگی اور جزائے آئندہ تمہارے اندر اثر انداز ہوگی اور تم کو احساس لذت کرنے والا بنا دے گی۔

یہ بات اپنے ذہن میں (ہمیشہ) رکھیے کہ خدا نے آپ کو آپ کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دی ہے اور جو چیز تمہارے بس میں نہیں ہے اور تمہاری طاقت سے باہر ہے اس کا بوجھ تمہارے اوپر نہیں ڈالا۔ لیکن شیطان اور اس کے چیلے تمہارے سامنے کام کو مشکل کر کے پیش کرتے ہیں اور اگر خدانخواستہ محاسبہ کے وقت تم دیکھو کہ خدا کے کی ہوئی شرط میں تم نے کچھ سستی برتی ہے۔ کچھ کمی کی ہے تو اپنے خدا سے معذرت کرو۔ اور یہ تہان لو کہ کل مردانہ وار اس شرط پر عمل کروں گا۔ اسی طرح رہو یہاں تک کہ خدا سعادت و توفیق کے دروازے تمہارے لئے کھول دے اور تم کو انسانیت کے صراطِ مستقیم تک پہونچا دے۔

چھٹی فصل

(ذکر و) تذکر

شیطان اور نفس سے جہاد کرنے میں جو چیز انسان کی بھرپور مدد کرتی ہے اور انسانِ سالک و مجاہد کو جس کے پابندی کی بہت ضرورت ہے وہ "تذکر" ہے اور ہم اس (مقام اول) کو اسی تذکر کے ذکر پر ختم کرتے ہیں حالانکہ ابھی بہت سے مطالب باقی ہیں۔

تذکر: خداوندِ عالم اور اس کی مرحمت کی ہوئی نعمتوں کو یاد کرنا! اس کا نام تذکر ہے۔

یہ بات ذہن نشین کرلو: کہ اپنے منعم کا احترام کرنا ایک فطری و جبلی حکم ہے۔ جو انسان بھی اپنی کتابِ ذات میں غور کرے گا وہ دیکھے گا کہ اس کتاب میں لکھا ہوا ہے:

جو شخص انسان کو نعمت دے اس کا احترام کرنا چاہیئے۔ اور (یہ بھی) معلوم ہے کہ نعمت جتنی عظیم ہوگی اور انعام کرنے والا جس قدر بے غرض ہوگا فطرت (و طبیعت) کی نظر میں اس کا احترام اتنا ہی زیادہ ضروری اور بیشتر ہوگا۔

مثلاً ایک شخص تم کو ایک گھوڑا دیتا ہے اور اس کی نظر میں کوئی غرض [illegible] ہے اور ایک شخص

Presented by www.ziaraat.com

بھلا ایک دیانت بغیر احسان جتائے دے دیتا ہے تو دونوں کے احترام میں واضح فرق ہوگا۔ اسی طرح ایک شخص تم کو اندھے پن سے نجات دے دیتا ہے تو فطرتاً اس کا احترام لازم ہے۔ لیکن اگر عادت سے پہلے تو یقیناً تم اس کا احترام زیادہ کرو گے۔

اب ذرا تم خود غور کرو اور دیکھو کہ خداوند مالک الملوک نے کتنی ظاہری و باطنی نعمتیں ہم کو مرحمت فرمائی ہیں۔ اگر جن و انس مل کر بھی ان میں سے کوئی ایک نعمت ہم کو دینا چاہیں تو نہیں دے سکتے۔ مگر (افسوس) ہم اس سے غافل ہیں۔ مثال کے طور پر یہ ہوا (جس سے ہم لوگ دن رات فائدہ اٹھاتے ہیں اور) ہماری (بلکہ) پوری کائنات کی زندگی کا دار و مدار اس سے وابستہ ہے اگر یہ صرف ۱۵ منٹ نہ رہے تو کوئی حیوان زندہ نہیں رہ سکتا) کتنی عظیم نعمت ہے اگر تمام جن و انس مل کر اس کے مشابہ کو ہم کو دینا چاہیں تو اس کے دینے سے عاجز ہیں۔

اسی طرح خدا کی دوسری نعمتوں کو لو کہ جیسے بدن کی صحت، ظاہری قوتیں (از قسم آنکھ، کان، (قوت) ذائقہ (قوت) لامسہ (یا شامہ) باطنی قوتیں جیسے خیال، وہم، عقل وغیرہ کہ ان میں سے ہر ایک قوت کے اتنے فوائد و منافع ہیں جن کی حد (و انتہا) نہیں ہے۔ مالک الملوک نے ان ساری نعمتوں کو ہمیں عطا فرمایا ہے۔ اور (لطف یہ ہے کہ) ہمارے چاہے بغیر اور ہم پر احسان جتائے بغیر خدا نے یہ نعمتیں دی ہیں۔ (بلکہ صرف) انھیں پر اکتفا نہیں فرمایا، انبیا و پیغمبروں کو بھیجا، کتابوں کو نازل فرمایا، سعادت و شقاوت، جنت و دوزخ کا راستہ (بھی) ہم کو دکھایا، دنیا و آخرت میں ہم کو جن چیزوں کی ضرورت تھی وہ ہم کو عطا فرمائیں وہ ہماری اطاعت و عبادت کا محتاج نہیں ہے اور نہ ہماری اطاعت و معصیت سے اس پر کوئی فرق پڑتا ہے لیکن اس کے باوجود صرف ہمارے نفع کے لئے امر و نہی فرمایا۔

ان نعمتوں پر اور ان جیسی ہزاروں ایسی نعمتوں پر جن کے کلیات شمار کرنے سے بشر عاجز ہے چہ جائیکہ جزئیات کیا آپ کی فطرت میں ایسے عظیم منعم کے لئے احترام ضروری ہے؟ ایسے ولی نعمت کے ساتھ خیانت کرنا از روئے عقل کیسا ہے؟

نیز جو بات فطرت میں ثبت و مذکور ہے وہ عظیم و بزرگ شخص کا احترام ہے۔ لوگ جو اہل دنیا اور دولت مندوں کا احترام کرتے ہیں، بزرگوں اور بادشاہوں کا احترام کرتے ہیں وہ صرف اس وجہ سے کہ ان کو عظیم و بزرگ سمجھتے ہیں۔ اب کیا لوگوں کی بڑائی کا مقابلہ مالک الملوک کی [illegible] سے کیا جا سکتا ہے؟ وہ صانع و خالق جس کی مخلوقات میں ہماری یہ دنیا حقیر ترین

Presented by www.ziaraat.com

دنیا بڑی اور ہماری کائنات کا سب سے چھوٹا بلکہ ہے (لیکن اس کے باوجود) کسی موجود کی عقل اب تک اس (عظیم عالم) کا احاطہ نہ کر سکی دوسری دنیاؤں کو جانے دیجئے) خود ہمارا یہ نظام شمسی جو بڑے شمسی نظاموں میں سب سے چھوٹا ہے اور دوسرے سورجوں کے مقابلہ میں شمار کئے جانے کے بھی لائق نہیں ہے۔ دنیا کے بڑے بڑے ماہرین فلکیات اب تک اس کا اندازہ نہیں لگا سکے۔ کیا فطرتِ عقل میں ایسا عظیم خدا جس نے ایک مشت میں ان تمام عوالم اور ہزاروں ہزار عجیب عوالم کو پیدا کر دیا لازم الاحترام نہیں ہے؟

ایک بات یہ بھی ہے کہ کتاب فطرت میں حاضر و شخص لازم الاحترام ہے۔ آپ دیکھتے ہوں گے کہ خدا نخواستہ کوئی کسی کی بدگوئی کر رہا ہو اور وہ شخص آجائے تو فوراً ہی کہنے والا فطرتاً خاموش ہو جاتا ہے۔ اور اس کا احترام کرنے لگتا ہے۔ یہ سب جانتے ہیں کہ خدا ہر جگہ حاضر (و ناظر) ہے اور تمام ممالکِ وجود کا ذرہ ذرہ اس کے تحتِ نظر ہوتا ہے۔ بلکہ ہر نفس اور تمام عالم خدا کے سامنے ہے۔

اب تم تذکر کرو اے نفس خبیث اگر تو ایسے عظیم خدا کی معصیت کرے کہ خود تیرے قویٰ بھی اس کی نعمت ہیں اور اس کے سامنے تو گناہ کرے تو یہ کتنا بڑا ظلم ہے اور کتنا عظیم گناہ ہے۔

اگر تم میں رائی کے دانہ کے برابر بھی (غیرت و) حیا ہے تو کیا تم کو شرم سے پانی پانی نہیں ہو جانا چاہیئے اور تم کو زمین میں دھنس نہیں جانا چاہیئے؟ لہٰذا میرے عزیز اپنے خدا کی عظمت کو یاد کرو اس کی نعمتوں اور حسنوں کو یاد کرو اور اس کے حضور کو یاد کرو، اس کی نافرمانی چھوڑ دو، اور عظیم جنگ میں شیطان اور اس کی فوج پر غالب آجاؤ۔ اپنی مملکت کو مملکتِ رحمانی و حقانی کرو، شیطانی لشکر کی جگہ حق تعالیٰ کے لشکر کی جگہ قرار دو، تاکہ خدا تم کو دوسرے مقام پر اور دوسرے اس سے بڑے میدان میں جو تم کو درپیش ہے توفیق دے۔ اور وہ (بڑا میدان) عالم باطن کا جہادِ نفس ہے۔ اور نفس کا مقام دوم ہے۔ جس کی طرف ہم انشاءاللہ اشارہ کریں گے۔

ہم دوبارہ پھر یاد دہانی کراتے ہیں کہ ہرگز یہ امید اپنے کو نہ دلاؤ کہ خدائے بزرگ و برتر کے علاوہ کوئی اور بھی کارساز ہے۔ خداوندِ عالم سے تضرع و زاری کے ساتھ توفیق کی دعا کرو کہ اس جہاد میں تمہاری مدد کرے تاکہ تم اس میں انشاءاللہ غالب آسکو۔ بالله التوفیق۔

Presented by www.ziaraat.com

مقام دوم

اس میں کئی چند فصلیں ہیں:

پہلی فصل

(نفس کے باطنی (رحمانی و شیطانی) لشکروں کی نزاع)

یہ جان لو کہ انسان کے نفس کی ایک علیحدہ حکومت و مملکت اور (بھی) ہے۔ یہ باطن کی دنیا ہے اور اس کے ملکوت کے ظہور و نفوذ کی دنیا ہے۔ نفس کی قوتیں اس مملکت میں مملکتِ ظاہر کے بہ نسبت بہت زیادہ اور اہمیت کی مالک ہوتی ہیں۔ رحمانی و شیطانی طاقتوں میں یہاں پر ٹکراؤ بہت زیادہ سخت ہوتا ہے۔ اس مملکت میں غلبہ کی اہمیت زیادہ ہوتی ہے۔ بلکہ مملکتِ ظاہر میں جو کچھ بھی ظاہر ہوتا ہے وہ اسی دنیا کا نتیجہ ہوتا ہے۔ جو بھی شیطانی یا رحمانی طاقت مملکتِ باطن میں غالب آتی ہے وہی مملکتِ ظاہر میں بھی غالب آتی ہے۔ مشائخ عظام اور اہلِ سلوک و اخلاق کی نظر میں یہاں پر جہادِ نفس کی زیادہ اہمیت ہے۔ بلکہ اس کو تمام سعادتوں، شقاوتوں (انسانی) بلندیوں، پستیوں کا سرچشمہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ اس جہاد میں انسان کو بہت زیادہ التفات و توجہ کی ضرورت ہے۔

خدانخواستہ کہیں ایسا نہ ہو کہ مملکتِ باطن میں رحمانی قوتوں کی شکست اور ان کی جگہ خالی ہونے پر، نااہل و غاصب شیطانی قوتوں کے قبضہ ہو جانے پر انسان کے لئے ایسی دائمی ہلاکت مہیا ہو جائے جو قابلِ تدارک نہ ہو اور شفاعت کرنے والوں کی شفاعت بھی اس کے شاملِ حال نہ ہو سکے اور نعوذ باللہ ارحم الراحمین بھی غیظ و غضب کی نگاہ ڈالے، بلکہ کہیں انھی کے شفیع اس کے دشمن نہ بن جائیں۔ اور وائے ہو اس پر جس کے شفیع اس کے دشمن ہو جائیں۔ خدا کے علاوہ کوئی نہیں جانتا کہ (ایسی صورت میں) کیسے عذاب ہوں گے، کیسی تاریکیاں ہوں گی، کیسی سختیاں ہوں گی، کیسی بدبختیاں ہوں گی جو صرف غضبِ الٰہی اور اولیائے حق کی دشمنی کا نتیجہ ہوں گی۔ جن کے مقابلہ میں تمام آتش جہنم، تمام زقوم (تھوہڑ کا جہنمی درخت) سانپ، بچھو اس کے سامنے ہیچ ہوں گے۔ حکماء، عرفاء، اہلِ ریاضت و

Presented by www.ziaraat.com

سلوک ان عذابوں کے بارے میں جو خبر دیتے ہیں خدا نہ کرے ہم ضعیفوں اور کمزوروں اور بیچاروں کے سر پر آپڑے کیوں کہ تمام وہ عذاب جس کا تم تصور کر سکتے ہو اس کے سامنے آسان ہے اور تمام جہنم اس کے مقابلہ میں رحمت و بہشت ہے۔

قرآن مجید، اخبار انبیاء اولیاء میں جس جنت و دوزخ کا وصف بیان کیا گیا ہے غالباً وہ اعمال کی جنت و دوزخ ہے یعنی اس کو اچھے اور بُرے عمل کے جزا کے لئے جیسا کیا گیا ہے (اسی طرح) اخلاق کے جنت و دوزخ کی طرف بھی مخفی اشارہ کیا گیا ہے اور اخلاق کے جنت و دوزخ کی اہمیت زیادہ ہے اور کبھی بہشت لقاء اور دوزخ فراق (کی طرف اشارہ کیا گیا ہے) جو سب سے زیادہ اہم ہے لیکن یہ سب (باتیں) در پردہ ہیں اور (صرف) اہل کے لئے ہیں۔ ہم اور تم اس کے اہل (تو) نہیں ہیں۔ لیکن ہمارے لئے اس کا انکار کرنا بھی مناسب نہیں ہے بلکہ جو کچھ خداوند عالم نے فرمایا ہے اور اس کے اولیاء نے کہا ہے ہم کو اس پر ایمان رکھنا چاہیئے اور ہو سکتا ہے یہ اجمالی ایمان بھی ہمارے لئے فائدہ مند ہو بے جا انکار، بغیر جانے اور بغیر سمجھے بوجھے بے موقع تردید بھی شاید ہمارے لئے کبھی بہت زیادہ ضرر رساں ہو اس دنیا میں ان نقصانات و ضرر کی طرف توجہ و التفات نہیں کیا جا سکتا (اور نہ یہ دنیا اس کے لئے ہے) مثلاً اگر تم سنو کہ فلاں حکیم یا فلاں عرفاض یا فلاں عارف نے کوئی بات کہی ہے اور وہ تمہارے (ذوق و) سلیقہ کے مطابق نہیں ہے اور تمہارا مزاج اس کو گوارہ نہیں کرتا تو (سنتے ہی) نہ تو اس کو خیال (باتیں) بھوا اور نہ عمل باطل کرو۔ ہو سکتا ہے وہ بات کتاب و سنت عقل کی بنیاد پر کہی گئی ہو اور تمہاری اطلاع میں وہ بات نہ آسکی ہو۔ (مثلاً) ایک فقیہ دیات کے بارے میں ایک فتویٰ دیتا ہے جس کو تم نے نہیں دیکھا ہے اب تم اس کا مدرک دیکھے بغیر اس کی رد کر دو یا ایک شخص سالک الی اللہ یا عارف باللہ معارف الہیہ کے سلسلہ میں کوئی بات کہے یا بہشت دوزخ کے بارے میں کوئی بات کہے اور تم مدرک کو دیکھے بغیر اس کی بات کو رد کر دو۔ تو (یہ) رد کرنا یا توہین کرنا، یا کسی کی شان میں جسارت کرنا بہت آسان ہے۔ (اس لئے کہ تردید کرنے کے لئے کسی علم کی ضرورت نہیں ہے) یہ سوچو کہ وہ شخص اس وادی کا شہ سوار ہے اور اس فن کا ماہر ہے ممکن ہے اس کے پاس کتاب خدا یا اخبار ائمہ ہدیٰ سے ایک مدرک ہو جس کی اطلاع تم کو نہ ہو ایسی صورت میں تم نے بغیر کسی معقول عذر کے خدا و رسولؐ کی تردید کر دی۔ اور یہ کہہ دینا کہ "میرے ذوق کے اعتبار سے وہ بات درست نہیں تھی یا میرے علم میں یہ بات نہیں تھی" یا اہل منبر سے میں نے اس کے برخلاف سنا تھا" ظاہر ہے کوئی معقول عذر نہیں ہے۔

Presented by www.ziaraat.com

بہر حال ہم اپنے مقصد سے دور نہ ہو جائیں۔ بہشت اخلاق و ملکات کے بارے میں اولیاء نے جو کچھ کہا ہے اور اخلاق و ملکات جہنم کے بارے میں جو کچھ فرمایا ہے وہ ایسی (عظیم) مصیبت ہے جس کی ہم کو سننے کی بھی تاب و تواں نہیں ہے۔

پس اے عزیز فکر کرو، کوئی چارہ جوئی کرو، اپنے لئے کوئی چھٹکارے کا ذریعہ اور نجات کا راستہ تلاش کرو۔ مرحم الراحمین خدا کی پناہ حاصل کرو، رات کی تاریکیوں میں تضرع و زاری کے ساتھ اس جناب مقدس یکتا و بے ہمتا سے منت و سماجت کرو کہ اس جہاد نفس میں تمہاری مدد کرے تاکہ انشاء اللہ تم کو غلبہ حاصل ہو، اور تمہارے وجود کی مملکت رحمانی ہو جائے۔ شیطانی فوج کو وہاں سے بھگاؤ۔ منزل دل کو اس کے مالک کے حوالہ کر دو تاکہ خداوند عالم تم کو سعادت، مسرت، رحمت عطا کرے۔ تم نے جنت و حور و قصور کے بارے میں جو کچھ سنا ہے وہ اس سعادت و رحمت کے مقابلہ میں کچھ بھی تو نہیں ہے۔ یہی خدا کی وہ لامتناہی سلطنت ہے جس کی خبر ملت بیضاء کے منتخب اولیاء نے دی ہے۔ یہ سلطنت ان تمام چیزوں سے بالاتر ہے اس کے بارے میں نہ کسی کان نے سنا ہے اور نہ کسی بشر کے دل میں اس کا خیال آیا ہے۔[۴]

دوسری فصل

بعض قوای باطنی

یہ بات جان لو کہ دست قدرت و حکمت الٰہی نے (انسان کے) عالم غیب اور باطن نفس میں ایسی قوتیں تخلیق فرمائی ہیں جن کے منافع بے شمار ہیں۔ یہاں پر ہم صرف تین قوتوں سے بحث کریں گے۔ ۱۔ واہمہ ۲۔ غضبیہ ۳۔ شہویہ۔

خود ان قوتوں میں ہر وقت کے حفظ نوع و فرد، تعمیر دنیا و آخرت کے اعتبار سے بے انتہا فوائد ہیں (جس کو) علماء نے ذکر کیا ہے۔ لہٰذا ہم کو اس (سے بحث) کی ضرورت نہیں ہے۔ یہاں پر ہم صرف اتنا بیان کر دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ یہ تینوں قوتیں تمام اچھے برے ملکات کا سرچشمہ ہیں۔ اور تمام ملکوتی غیبی صورتوں کی منشا (و منبع) ہیں۔

Presented by www.ziaraat.com

تفصیل

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ خداوند عالم نے جس طرح انسان کو اس دنیا میں کمال حسن اور (ایسی) بدیع (و بے مثال) ترکیب سے پیدا کیا ہے کہ تمام فلاسفہ دہریہ اور زرگروں کی عقل متحیر ہے اور علم صرفہ الاعضاء و تشریح (الابدان) (یعنی اناٹومی و طب نیچرل وی) اب تک اس کی پوری معرفت نہیں حاصل کر سکا ہے۔ اور (جس طرح) خدا نے تمام مخلوقات کے درمیان انسان کو حسن ترکیب، حسن و جمال، خوش منظری سے نوازا ہے۔ اسی طرح عالم بعد از موت، خواہ وہ برزخ ہو یا قیامت" کے لئے ایک ملکوتی و غیبی شکل و صورت معین کی ہے۔ (البتہ) یہ ملکوتی صورت اس کے نفس کے ملکات اور خلق باطن کے تابع ہوتی ہے۔ (بایں معنی کہ) اگر انسان کا باطن اس کی سریرت و ملکہ انسانی ہوگا تو اس کی ملکوتی صورت بھی انسانی صورت پر ہوگی۔ لیکن اگر اس کے ملکات غیر انسانی ملکات ہوں گے تو پھر اس کی صورت انسانی نہیں ہوگی بلکہ اسی ملکہ اور سریرۃ کے تابع ہوگی۔ مثلاً اگر اس کے باطن پر شہوت و بہیمیت کا غلبہ ہو تو مملکت باطن کا حکم (بھی) بہیمہ (جانور) کا حکم ہوگا۔ اور انسان کی ملکوتی صورت بھی کسی ایسے جانور کے مطابق ہوگی جو جانور اس کے خلق کے مطابق ہوگا۔ اور اگر باطن پر غضب و درندگی (جیسی صفتوں) کا غلبہ ہوگا تو اس کے مملکت باطن و سریرت کا حکم درندہ کا حکم ہوگا اور اس کی ملکوتی و غیبی صورت کسی درندہ کے مناسب ہوگی اور اگر وہم و شیطنت کا غلبہ ہوا اور باطن و سریرت میں شیطانی ملکات راسخ ہو گئے جیسے دھوکہ، چغلخوری، غیبت، تقلب وغیرہ تو اس کی ملکوتی صورت شیاطین کی صورت پر ہوگی۔

یہ بھی ممکن ہے کہ دو ملکہ یا کئی ملکہ سے مرکب ہو کر انسان کی ملکوتی صورت تشکیل پائے۔ ایسی صورت میں انسان کی ملکوتی صورت کسی بھی حیوان کی شکل میں نہ ہوگی بلکہ ایسی عجیب و غریب صورت ہوگی اور ایسی وحشت ناک و دہشت ناک ہوگی جس کا اس عالم میں کبھی سابقہ بھی نہ پڑا ہوگا۔ چنانچہ رسولِ خدا سے منقول ہے:

قیامت میں کچھ لوگ ایسی صورت و شکل میں محشور ہوں گے جن کی صورت و شکل سے کہیں اچھی شکل بندروں اور گوریلوں کی ہوتی ہے۔

بلکہ یہ بھی ممکن ہے کہ اس دنیا میں ایک شخص کی کئی صورتیں ہوں کیونکہ وہ دنیا اس دنیا کی طرح نہیں ہے جو ایک صورت سے زیادہ کو قبول نہیں کرتی۔ اور یہ بات دلیل و برہان کے بھی مطابق

Presented by www.ziaraat.com

ہے جو اپنی جگہ مذکور ہے۔

یہ بات جان لو کہ: ان مختلف صورتوں میں جن میں ایک انسان ہے اور باقی دوسری چیزیں ہیں۔ انسان کی شکل و صورت کا دار مدار اسی کیفیت پر ہوتا ہے جب اس کی روح بدن سے نکلتی ہے۔ اور برزخ کی حکومت ہوتی ہے اور سلطان آخرت کا غلبہ ہوتا ہے جس کی ابتدا یہ ہوتی ہے کہ وہ روح جس ملکہ کے ساتھ دنیا سے جاتی ہے۔ آخرت میں اسی ملکہ کے مطابق اپنا روپ دھار لیتی ہے۔ بدن سے نکلنے کے بعد سب سے پہلے اسے برزخ میں جانا ہوگا۔ اور برزخ کی چشم ملکوتی اس کو دیکھے گی۔ بلکہ اگر اس کو آنکھ ملی ہے تو وہ خود بھی چشم برزخی کھولنے کے بعد اپنے کو اسی صورت میں دیکھے گا جس میں ہے۔ اس لئے کہ یہ ضروری نہیں ہے کہ آدمی جس صورت پر یہاں ہے وہاں بھی اسی صورت پر رہے۔

خداوند عالم بعض لوگوں کی حکایت کرتے ہوئے کہتا ہے کہ بعض لوگ کہیں گے: پالنے والے جب میں دنیا میں آنکھوں والا تھا تو تو نے مجھے اندھا کیوں محشور کیا؟ خدا جواب دے گا چونکہ تو نے میری نشانیوں کو بھلا دیا تھا اس لئے آج تجھ کو بھلا دیا گیا۔ اے بے چارے تو ملک ظاہر میں چشم بینا رکھتا تھا لیکن مملکت باطن میں اندھا تھا۔ اپنے اندھے پن کا احساس تجھے اب ہوا ہے اے تو تو ابتدا ہی سے اندھا تھا تو وہ باطنی چشم بصیرت رکھتا ہی نہیں تھا جس سے آیات الٰہی کو دیکھ سکتا۔ اے بے چارے تو قدر عمدہ اور اچھی صورت ضرور رکھتا تھا۔ (لیکن) ملکوت اور باطن کا معیار کچھ اور ہے تم استقامت باطنی پیدا کرو تاکہ قیامت میں مستقیم القامت (اور قد و قامت کے مالک) بنو۔ تمہاری روح انسانی روح ہونی چاہیئے تاکہ عالم برزخ اور عالم آخرت میں تمہاری صورت انسانی صورت رہے۔ تم خیال کرتے ہو کہ عالم غیب و باطن۔ جو عالم کشف اسرار و ظہور ملکات ہے۔ یہ دنیا کے عالم ظاہر کی طرح ہے کہ جہاں امور میں اشتباہ و خلط ملط ہوتا ہے (سنو) تمہارے کان، تمہاری آنکھ، تمہارے ہاتھ پیر بلکہ تمہارے سارے اعضاء زبان ملکوتی سے۔ بلکہ بقول بعض صورت ملکوتی سے بھی ہر اس چیز کی گواہی دیں گے جو تم نے کیا ہے۔

(لہٰذا) میرے عزیز گوش دل کو کھول لو اور من جملہ کو گوش جان لو اور اپنی بدبختی پر رحم کرو۔ ہو سکتا ہے اپنے کو انسانی صورت میں کر سکو اور اس دنیا سے آدمی کی صورت میں جاؤ اور (ایسا کرنے پر) اہل سعادت و اہل نجات سے ہو گے۔ خبردار یہ گمان نہ کرنا کہ یہ تو ایک موعظہ ہے ایک تقریر ہے (نہیں بلکہ) یہ سب حکمائے عظام کے براہین و دلائل کا نتیجہ ہے اور اصحاب ریاضت کا کشف ہے۔ یہ

Presented by www.ziaraat.com

وصادقین کی روایات ہیں۔ ان صفات میں نہ تو اقامۂ برہان مقصود ہے اور نہ زیادہ اعتماد و اعتبار کا ذکر کرنا مطلوب ہے۔

تیسری فصل

انبیا کی عصمت اور عقل پر پابندی

جہاں وہم و غضب و شہوت کا جنود رحمانی سے ہونا ممکن ہے اور اگر ان کو عقل سلیم اور انبیائے کرام کے بتائے ہوئے راستہ کا پابند بنا دیا جائے تو یہی چیزیں انسان کی سعادت و خوش بختی کو (نہ صرف ممکن بلکہ) یقینی بنا دیتی ہیں۔ وہاں ان کا۔ یعنی وہم و غضب و شہوت کا۔ جنود شیطانی سے (بھی) ہونا ممکن ہے۔ اگر ان کو آزاد چھوڑ دیا جائے اور واہمہ کو دوسری دونوں طاقتوں اور حکمرانی کا موقع دے دیا جائے۔

یہ بات بھی واضح ہو جانا چاہیئے کہ انبیائے کرام۔ علیہم السلام۔ میں سے کسی ایک نے بھی شہوت، غضب اور واہمہ کو پوری طرح کچلنے کا کبھی حکم نہیں دیا۔ اور نہ کسی داعی الی اللہ نے ابھی تک یہ کہا ہے کہ شہوت کو کلی طور سے ختم کر دیا جائے اور آتش غضب کو بالکلیہ خاموش کر دیا جائے یا واہمہ کی قوت سے بالکل کام ہی نہ لیا جائے۔ بلکہ ان حضرات نے فرمایا ہے کہ ان فطری قوتوں کو اس طرح لگام دیا جائے کہ یہ عقل کے مطابق اور قوانین الٰہی کے موافق کام کریں۔ اس لئے کہ ان میں سے ہر قوت یہ چاہتی ہے کہ اپنا مقصد حاصل کر لے چاہے اس سے فساد پیدا ہو یا ہرج و مرج لازم آئے۔ مثلاً درندہ صفت و خود سر نفس شہوانی قوت میں مست ہو کر بے لگام ہو کر اپنے مقصد کو حاصل کرنا چاہتا ہے چاہے خانۂ کعبہ میں زنائے محصنہ (شوہر دار عورت سے زنا) کر کے بھی اور غیظ و غضب میں بھرا نفس اپنے مطلب کو حاصل کرنا چاہتا ہے خواہ اس کو انبیاء اولیا کو قتل کرنا پڑے۔ اسی طرح واہمہ شیطانیہ اپنے غرض کی تکمیل چاہتا ہے چاہے زمین میں فساد ہو یا عالم درہم و برہم ہو جائے۔

انبیائے کرام (دنیا میں) تشریف لائے۔ (اپنے ساتھ) قوانین لائے۔ ان پر (خدا نے) آسمانی کتابیں نازل کیں تاکہ فطرت انسانی کی سرکشی پر روک لگائی جا سکے۔ نفس انسانی کو عقل و شرع

Presented by www.ziaraat.com

کے قانون کا پابند بنایا جا سکے۔ نفس کی ایسی تربیت کی جائے جس کی بنا پر وہ خلاف عقل یا خلاف شرع کوئی کام نہ کرے۔ اس لئے جو نفس کی الٰہی قوانین اور عقلی موازین پر اپنے ملکات کی تطبیق کرے گا۔ وہ سعید ہوگا اور اہل نجات سے ہوگا۔ اور جو نفس ایسا نہ کرے اس کو چاہیئے کہ درپیش ہونے والی شکاوتوں، بدبختیوں، تاریکیوں، سختیوں سے خدا کی پناہ مانگے اور ان وحشت ناک و دہشت ناک صورتوں سے (بھی) خدا کی پناہ مانگے جو برزخ، قبر، قیامت، جہنم میں اس کے ساتھ ہوں گی۔ اور ان ملکات واخلاق فاسدہ کے نتائج سے بھی خدا کی پناہ چاہے جو اس کے ہمراہ ہمہ وقت ہوں گے۔

چوتھی فصل

قوت تخیل کی تہذیب

اس جگہ اور اس کے علاوہ دوسرے مقامات پر بھی مجاہد کو شیطان اور اس کے ہمراہیوں کو زیر کرنے کے لئے تخیل کی بلند پروازی کو کنٹرول کرنا بہت ضروری ہے۔ کیونکہ (انسانی) تخیل ہمیشہ ایک پرندہ کی طرح مائل پرواز رہتا ہے اور ہر لحہ کسی شاخ پر لٹکنے کے لئے بے چین رہتا ہے۔ اور یہ (بلند پروازی) کبھی بدبختیوں کا سبب بن جاتی ہے۔ یہ تخیل شیطان کا آلہ کار بھی ہے اور یہ انسان کو اس کے ذریعہ لاچار بنا سکتا ہے۔ بدبختی کے گھڈ میں گرا سکتا ہے۔ جو مجاہد اپنے اصلاح کی فکر میں ہے، اپنے باطن کو جلا دینا چاہتا ہے۔ شیطان کے حیلوں سے اس کو خالی کرنا چاہتا ہے اس کا سب سے پہلا کام یہ ہے کہ لجام خیال پر اپنی گرفت مضبوط رکھے۔ اس کو اس کی مرضی پر نہ چھوڑ دے۔ فاسد خیالات کو اس کے قریب پھٹکنے نہ دے۔ مثلاً کارہائے گناہ و شیطنت کا تصور نہ کرے۔ (بلکہ) ہمیشہ اپنے خیالات کو امور شریفہ پر مرکوز رکھے یہ بات اگرچہ شروع میں مشکل ضرور معلوم ہوگی۔ اور شیطان اور اس کے چیلے اس بات کو اس کی نظروں میں اور بڑا کر کے دکھائیں گے لیکن مسلسل پابندی و مراقبت و نگرانی سے کام آسان ہو جائے گا۔

ممکن ہے تم بھی تجربہ کرو اور تھوڑی سی توجہ و کوشش سے اپنے تخیل کے ادھر اُدھر بھٹکنے کی عادت کو ختم کر سکو۔ جب بھی تم یہ دیکھو کہ تمہارے خیالات پست اور ذلیل چیزوں کی طرف متوجہ ہو رہے ہیں ان کو پاک اور شریف چیزوں کی طرف متوجہ کرو۔ اگر تم دیکھو کہ تم کو اپنی کوششوں میں کامیابی نصیب ہو رہی ہے تو اس توفیق پر اپنے خدا کا شکر ادا کرو اور اپنی کوشش جاری رکھو۔ ہو سکتا ہے

Presented by www.ziaraat.com

پروردگارِ عالم تم پر اپنی رحمت سے ملکوت کا کوئی راستہ تمہارے لئے کھول دے۔ جس سے انسانیت کے صراطِ مستقیم کی طرف تمہاری ہدایت ہو جائے۔ اور سلوک الی اللہ کا راستہ تمہارے لئے آسان ہو جائے۔

اس بات کی طرف خصوصی توجہ رکھو کہ قبیح و فاسد خیالات اور باطل تصورات شیطانی القائات ہیں۔ شیطان اپنے چیلوں کو تمہاری سلطنتِ باطن میں قدم جما لینے کی بھرپور کوشش کرتا ہے اور تم جو شیطان اور اس کے چیلوں سے جہاد کے لئے نکلے ہو اور اپنے صفحۂ نفس کو رحمانی و الٰہی مملکت بنانا چاہتے ہو اس لعین کی مکاریوں سے تم کو بہت ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔ اور ان تمام خیالات کو جو رضیٰ الٰہی کے خلاف ہیں اپنے سے دور کر دو تاکہ اس داخلی جنگ میں انشاء اللہ یہ اہم چوکی (جو بہت ہی اہم ہے) شیطان اور اس کے چیلوں کے ہاتھ سے نکل جائے کیوں کہ یہ چوکی سرحدی چوکی ہے۔ اگر یہاں کامیاب ہو گئے تو آگے بھی کامیابی کی امید ہے۔

اے عزیز! ہر وقت خداوندِ عالم سے مدد مانگو، اپنے معبود سے بصدِ عجز و نیاز، الحاح و زاری کے ساتھ استغاثہ کرتے ہوئے کہو: بارالہا شیطان ایک بہت بڑا دشمن ہے جو تیرے انبیاء و اولیا کو (بہکانے کی) طمع رکھتا تھا اور رکھتا ہے۔ اے خدا تو اپنے اس کمزور و ناتواں بندے کی جو (دور از کار) اُمیدوں، باطل اوہام اور پست و بیکار خیالات (کے جال) میں گرفتار ہے۔ مدد کر! تاکہ وہ اس قوی دشمن سے عہدہ برآ ہو سکے خدایا تو اس میدانِ جنگ اس قوی دشمن سے جو میری سعادت و انسانیت کے لئے خطرہ ہے مجھے محفوظ رکھ اور میری مدد کر۔ تاکہ اس کی فوج کو تیری مخصوص مملکت سے نکال سکوں اور (مجھے توفیق دے کہ) جو گھر تیرے لئے مخصوص ہے اس تک اس غاصب کے ہاتھ نہ پہونچنے دوں۔

پانچویں فصل

موازنہ میں (یعنی احتساب کے بیان میں)

راہِ سلوک میں جو چیز انسان کی مددگار ہوتی ہے اور انسان کو اس کی پابندی کرنی چاہیئے وہ "موازنہ" ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر عقلمند انسان کو چاہیئے کہ قوتِ شہویہ و غضبیہ و واہمہ سے پیدا ہونے والے فاسد اخلاق اور پست ملکات جو خود سر اور تصرف شیطان کے تابع ہوتے ہیں

Presented by www.ziaraat.com

ان کا مقابلہ ان اخلاق حسنہ اور فضائل نفسانیہ کے منافع سے کر کے دیکھے جو منافع عقل و شرع کے تعرف کے تابع ہیں۔ ان دونوں مضار و منافع۔ کے افعال میں خوب غور و فکر کر کے جو مناسب و مفید ہو اس کو اختیار کرنا چاہئے۔ (پہلے ہر قوت کے منافع ہم بیان کئے دیتے ہیں۔)

۱۔ قوت شہویہ

یہ ایک بے لگام قوت ہے یہ انسان میں راسخ ہو کر (جب) ایک ملکہ کی صورت اختیار کر لیتی ہے تو پھر اس سے بہت سے دوسرے رذائل اور دوسری خرابیاں پیدا ہوتی ہیں اور پھر یہ قوت کسی بھی فسق و فجور کے ارتکاب میں کوتاہی نہیں کرتی اور جو مال جس راہ سے بھی ہے اس سے روگردانی نہیں کرتی۔ جو بھی چیز اس کے (جنسی) میلان کے مطابق ہو اس کے حاصل کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا دیتی ہے چاہے ان کے نتائج کتنے ہی بُرے ہوں۔

۲۔ قوتِ غضبیہ

اگر اس کو اتنی چھوٹ مل گئی کہ یہ ملکہ کی صورت اختیار کر گئی تو اس سے دوسرے بہت سے رذائل پیدا ہو جائیں گے اور بہت سی خرابیاں پیدا ہو جائیں گی (مثلاً) جو شخص بھی اس کے ہاتھ لگ جائے گا۔ اس پر ظلم و ستم کرے گا۔ اگر کسی نے ایسے شخص کی معمولی سی مقاومت کر لی تو یہ اسکو شکست دینے کے لئے جو بھی ممکن ہو گا کرے گا۔ ذرا سی ناملائم بات پر شور و غوغا شروع کر دے گا۔ اور اپنے سے خلاف مزاج ہر بات کو ہر صورت دور کرنے پر تل جائے گا چاہے اس سے دنیا زیر و زبر ہو جائے۔

۳۔ قوتِ واہمہ:

اسی طرح یہ شیطانی قوتِ واہمہ جس کے یہاں راسخ ہو جائے اور ملکہ کی صورت اختیار کرے تو پھر ہر شیطانی طریقے سے اپنے شہوت و غضب کو تسکین و تشفی دینا چاہتی ہے اور ہر جائز و ناجائز طریقہ سے بندگانِ خدا پر تسلط حاصل کرنا چاہتی ہے۔ چاہے اس کے لئے ایک خاندان کو تباہ کرنا پڑے یا ایک شہر یا ملک کو اُجاڑنا پڑے۔

ان قوتوں (شہویہ، غضبیہ، واہمہ) کے یہ درج بالا نتائج اس وقت ہیں جب یہ قوتیں شیطان کے زیرِ تصرف ہوں۔

Presented by www.ziaraat.com

ویسے اگر آپ واقعی اور صحیح طریقہ سے ایسے لوگوں کے حالات کے بارے میں غور و فکر کریں تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ کوئی بھی شخص چاہے کتنا ہی قوی ہو اور چاہے جتنی اس کی خواہشیں پوری بھی ہو چکی ہوں پھر بھی اس کی لاکھوں خواہشیں ایسی ہوں گی جو پوری نہ ہوئی ہوں گی۔

بلکہ حقیقت امر یہ ہے کہ اس دنیا میں تمام آرزوؤں کا پوری ہونا اور ہر شخص کا اپنے مقصد کا حاصل کر لینا ناممکن ہے۔ کیونکہ یہ دنیا "عالم مزاحمت" ہے۔ اس دنیا کے عوامل ہمارے ارادوں کی تکمیل میں روڑے اٹکاتے ہیں۔ دوسری چیز یہ بھی ہے کہ ہماری آرزوؤں کی کوئی حد و انتہا نہیں ہے۔ مثلاً انسان کی شہوانی قوت کچھ اس طرح کی ہے کہ بہ فرض محال ایک شہر کی عورتیں اس کے قبضہ میں آجائیں تب بھی وہ دوسرے شہروں کی عورتوں کی طرف پھر بھی متوجہ ہو جاتا ہے۔ اگر اس کو ایک حکومت مل جائے تو دوسری حکومت کا خواہش مند رہتا ہے۔ ہمیشہ جو چیز اس کے دسترس میں نہیں ہے۔ اسی کی خواہش کرتا ہے۔ حالانکہ یہ بات کہی گئی ہے کہ تمام خواہشوں کی تکمیل فرض محال اور خیال خام ہے لیکن اس کے باوجود تنور شہوت ہمیشہ دہکتا ہی رہتا ہے۔ اور انسان کبھی بھی اپنی آرزوؤں کو نہیں حاصل کر پاتا۔

اسی طرح انسان کے اندر قوت غضبیہ کی تخلیق کچھ اس طرح کی گئی ہے کہ اگر وہ پوری ایک حکومت کا بلا شرکت غیر مالک ہو جائے پھر بھی وہ دوسری ایسی حکومت کی کوشش کرے گا جو اس کو نہیں مل سکی ہے۔ بلکہ جتنا بھی اس کو ملے گا اتنا ہی اس قوت میں اور اضافہ ہوگا۔ اگر کسی کو ہماری بات کا یقین نہیں ہے تو خود اپنے حالات کا جائزہ لے اور اہل دنیا کے حالات کا جائزہ لے مثلاً بادشاہوں، مالداروں، صاحبان قدرت و حشمت کی زندگیوں کو دیکھے تو خود ہی ہماری بات کی تصدیق کرے گا۔

(دیکھئے) انسان ہمیشہ ایسی چیز کا عاشق رہتا ہے جو اس کے پاس نہیں ہوتی اور اس کو حاصل نہیں ہو سکتی اور یہ ایسی انسانی فطرت ہے جس کو مشائخ اعظام اور اسلام کے علمائے اعلام نے ثابت فرمایا ہے خصوصاً معارف الہیہ کے اندر ہمارے استاد و شیخ جناب عارف کامل آقائے آقا میرزا محمد علی شاہ آبادی[۵۱]۔ روحی الفداء۔ نے بہت سے معارف الہیہ کو ثابت فرمایا ہے۔ جو ہمارے مقصد سے مربوط نہیں ہے۔[۵۲]

بہر صورت! اگر بفرض محال انسان اپنے تمام مقاصد کو حاصل بھی کر لے تو کیا اس کو اس سے لطف اندوز ہونے کا موقع مل سکتا ہے؟ اس کی جوانی کی قوتیں کتنے دنوں تک برقرار رہیں گی؟ جب زندگی کے موسم بہار پر خزاں آتی ہے تو دل سے نشاط، اعضاء سے طاقت سلب ہو

Presented by www.ziaraat.com

جاتی ہے، قوتِ ذائقہ بیکار ہو جاتی ہے، چیزوں کے مزہ کا صحیح ادراک نہیں ہو سکتا، آنکھیں (قوت بینائی سے) کان (قوتِ سماعت سے) لامسہ (قوتِ لمس سے) اور دیگر قوا بیکار ہو جاتے ہیں لذتیں یا تو یک دم سے ختم یا ناقص ہو جاتی ہیں، بیماریاں ٹوٹ پڑتی ہیں۔ نظام ہاضمہ، قوت جاذبہ، قوتِ دافعہ، نظامِ تنفس (یہ سب) اپنے فرائض کی انجام دہی سے قاصر ہو جاتے ہیں۔ آہ سرد، دلِ پُر درد حسرت و ندامت کے علاوہ انسان کا دامن ہر چیز سے خالی ہو جاتا ہے۔ سن تمیز اور اچھے بُرے کی سوجھ بوجھ سے لے کر انسانی قوتوں کے تنزل تک قوی سے قوی انسان کی بھی ان جسمانی قوتوں سے استفادہ کی مدت تیس چالیس سال سے زیادہ نہیں ہوتی۔ بشرطیکہ وہ بیماریوں اور دیگر ان مصیبتوں سے دوچار نہ ہو جس کا روزانہ سابقہ پڑتا ہی رہتا ہے۔ اور ہم ان سے غافل ہو جایا کرتے ہیں۔ ورنہ اگر ان سے سابقہ پڑتا رہا تو تیس چالیس سال بھی استفادہ محال ہے۔

میں جلدی میں آپ کے لئے عالمِ تصور میں۔ جس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ یہ فرض کئے لیتا ہوں کہ آپ کی عمر ۱۵ سال کی ہوئی۔ اور آپ نے ان تینوں قوتوں۔ شہویہ، غضبیہ، وہمیہ۔ کا بغیر کسی رکاوٹ و تکلیف کے استعمال بھی کیا۔ تو کیا اس مختصر مدت۔ جو ہوا کے جھونکے کی طرح گزر جانے والی ہے۔ کے بعد (میں معلوم کر سکتا ہوں کہ) آپ کا انجام کیا ہوگا؟ ان فانی لذتوں سے آپ نے اپنی دائمی زندگی کے لئے کیا ذخیرہ کیا؟ لاچارگی اور بیچارگی کے دن کے لئے تم نے کیا کیا؟ اپنی تنہائی و فقر و فاقہ کے دن کے لئے کون سا ذخیرہ اکٹھا کیا؟ برزخ و قیامت کے لئے کون سا اثاثہ محفوظ کیا؟ ملائکۂ الٰہی، اولیائے خدا، انبیائے خدا سے ملاقات کے لئے تم نے کون سا تحفہ تیار کیا؟ (ہاں ہاں) تم نے چند اعمال قبیحہ کا ایک سلسلہ ضرور جمع کر لیا ہے۔ جو اعمالِ قبیحہ برزخ و قیامت میں ایسی شکلوں میں نظر آئیں گے جن کو خدا کے علاوہ کوئی نہیں جانتا کہ وہ شکلیں کیسی ہوں گی؟

تم نے جو آتش دوزخ و عذاب قبر و قیامت وغیرہ کو سن کر جو آتشِ دنیا اور عذابِ دنیا پر قیاس کیا۔ یہ غلط قیاس کیا ہے اور اس کے سمجھنے میں سخت غلطی کی ہے۔ اس دنیا کی آگ بہت ہلکی اور دھیمی ہے۔ اس دنیا کا عذاب بہت سہل اور آسان ہے۔ اس دنیا میں (عالمِ آخرت کے بارے میں) تمہارا ادراک بہت ہی ناقص اور نا تمام ہے۔ اس دنیا کی تمام آتش کو بھی جمع کر لیا جائے جب بھی وہ انسانی روح کو نہیں جلا سکتی۔ لیکن آخرت کی آگ جسم کو جلانے کے ساتھ قلب و روح کو بھی بھسم کر دیتی ہے۔ دل کو جلا دیتی ہے۔ تم نے اب تک جس جہنم کے بارے میں سنا ہے وہ تمہارے اعمال کا جہنم ہے۔ جو حقیقت بن کر وہاں تمہارے سامنے حاضر ہوگا۔

Presented by www.ziaraat.com

ارشادِ خداوندِ عالم ہے:

"وَوَجَدُوا مَا عَمِلُوا حَاضِرًا" ۵۴

"اور جو کچھ انھوں نے (دنیا میں) کیا تھا اس کو حاضر پایا"

(تم نے اس دُنیا میں جو کچھ کیا ہے اس کی سزا آخرت میں بھگتنی ہے) اگر تم نے یہاں یتیم کا مال ہڑپ کیا ہے اور اس کے مزے اڑائے ہیں تو خدا ہی جانتا ہے کہ آخرت میں جہنم کے اندر تم کس صورت میں اس کو دیکھو گے اور وہاں کتنی ذلت اٹھاؤ گے اور اس ذلت کی حقیقت کیا ہوگی یہاں تم نے اگر اپنے سخت و سست الفاظ سے لوگوں کے دل جلائے ہیں۔ تو اب یہ تو خدا ہی جانتا ہے کہ آخرت میں اس کا کیا عذاب ہے۔ جب تم خود دیکھو گے تو تمھاری سمجھ میں آئے گا کہ خود تم نے اپنے لئے کیسا عذاب مہیا کر لیا ہے؟ اگر تم نے کسی کی غیبت کی ہے تو اس غیبت کی جو اخروی شکل ہے وہ تم کو دے دی جائے گی اور تم اسی صورت پر محشور ہو گے اور اس کے عذاب کا مزہ چکھو گے۔

یہ سب اس جہنم کی بات ہے جو بُرے اعمال کا دوزخ ہے جو نسبتاً سرد، آسان ملائم اور گوارا ہے اور یہ ان گنہگاروں کے لئے ہے جو (کبھی کبھی) گناہ کر کے اہلِ معصیت میں (شمار) ہوتے ہیں۔ لیکن جن اشخاص کے یہاں گناہ ملکۂ فاسدہ و رذیلہ و باطلہ بن چکا ہے۔ جیسے طمع، حرص، ظلم، جھگڑے کے ملکات، حبِ مال و جاہ، حبِ دُنیا اور دیگر پست ملکات تو اس دوزخ کا تو تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اس دوزخ میں عذاب کی صورتوں کا تصور بھی ہمارا اور تمھارا ذہن نہیں کر سکتا۔ حالانکہ یہ خود نفس کے باطن سے ظاہر ہوں گی اور ان کے عذاب سے خود اہلِ جہنم بھی گریزاں ہوں گے اور وحشت کریں گے۔

بعض موثق روایات میں ہے کہ جہنم میں متکبرین کے لئے ایک وادی ہے جس کا نام "سقر" ہے۔ اس وادی نے ایک مرتبہ حرارت و گرمی کی شدت کی وجہ سے خداوندِ عالم سے اجازت چاہی کہ مجھے ایک سانس لینے کی اجازت دی جائے۔ اجازت حاصل ہونے کے بعد جب اس نے سانس لی تو اس کے اثر سے جہنم تپ اٹھا۔ ۵۵

کبھی یہی ملکات انسان کو ہمیشہ ہمیشہ جہنمی بنانے کے سبب بن جاتے ہیں کیونکہ انسان سے ایمان کو ختم کر دیتے ہیں اور جب ایمان نہ ہوگا تو انسان کافر ہوگا اور کافر ہمیشہ جہنم میں رہے گا۔ جیسے حسد ہے اس کے لئے ہماری صحیح روایات میں آیا ہے: حسد ایمان کو اسی طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے۔ ۵۵

Presented by www.ziaraat.com

اسی طرح حبِ دنیا، اقتدار اور حبِ مال کے لئے بھی روایات میں آیا ہے، ایسا گلہ گوسفند جس کا کوئی رکھوالا نہ ہو اگر اس گلے پر ایک بھیڑیا آگے سے اور ایک پیچھے سے چھوڑ دیا جائے تو یہ دونوں بھیڑیے اس گلے کو اتنی جلدی ختم نہیں کر سکیں گے جتنی جلدی حبِ اقتدار و حبِ دنیا مومن کے ایمان کو ختم کر دیتا ہے۔[۱۱]

خدانہ کرے انسان کی معصیتیں فاسد ملکات تک پہونچ جائیں، اور بداخلاقی کے ملکہ تک پہونچ جائیں۔ اور پھر ان فاسد و باطل ملکات پر عمل کرنے کا انجام خاتمۃ ایمان کی صورت میں ظاہر ہو۔ اور وہ کافروں کی موت مرے۔ کیونکہ ایسے لوگوں کو کافروں کے اور باطل عقائد والوں کے جہنم میں ڈالا جائے گا۔ اور یہ دونوں جہنم دوسرے جہنموں سے بہت زیادہ سخت بہت زیادہ گرم، اور بہت زیادہ تاریک ہیں۔

اے عزیز! علومِ عالیہ (سائنس) میں یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ شدت کے مراتب غیر متناہی ہیں، تم چاہے جتنا تصور کرو اور تمام عقول چاہے جتنے زیادہ شدتِ عذاب کا تصور کر لیں اس سے شدید تر کا امکان موجود ہے۔ کیا تم نے حکما کے براہین کو نہیں دیکھا؟ یا کیا تم نے اہلِ ریاضت کے کشف پر یقین نہیں کیا؟ اچھا تم تو۔ بحمد اللہ۔ مومن ہو۔ انبیا کو تو سچا مانتے ہو، ہماری معتبر کتابوں میں وارد روایات جس کو تمام علمائے امامیہ قبول کرتے ہیں ان کو تو صحیح مانتے ہو، ائمہ معصومین صلوات اللہ علیہم اجمعین سے منقول دعاؤں اور مناجات کو تو درست تسلیم کرتے ہو۔ تم نے مولائے متقیان امیر المومنین سلام اللہ علیہ کے مناجات کو تو دیکھا ہی ہوگا۔ سید الساجدین علیہ السلام کی مناجات جو دعائے ابو حمزہ ثمالی کے اندر ہے اس کو تو دیکھا ہی ہوگا۔ ذرا اس کے مضمون میں غور کرو۔ ان کے جملوں میں تھوڑا سا تامل کرو۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ ایک لمبی دعا کو ایک مرتبہ میں جلدی جلدی پڑھ ڈالو اور اس کے مطالب میں غور و فکر نہ کرو۔ ہم ہوں یا تم ہو سید سجاد کا عالم تو نہیں پیدا کر سکتے کہ لمبی لمبی دعا کو توجہ و حضور و خشوع سے پڑھ لیں۔ (آپ ایسا بھی کر سکتے ہیں) ہر رات ایک چوتھائی پڑھ لیں، یا ہر رات ایک تہائی پڑھ لیں۔ لیکن سمجھ کے پڑھو، ہر ہر فقرہ میں غور کرو۔ ہو سکتا ہے تم بھی صاحبِ حال ہو جاؤ۔

سب کو جانے دو تھوڑا سا قرآن میں تفکر کرو، اور یہ دیکھو کہ اہلِ جہنم کے لئے کس کس قسم کے عذاب کا وعدہ کیا گیا ہے۔ وہ لوگ خدا سے موت کی دعائیں مانگتے ہیں۔ مگر افسوس موت بھی ان کے دکھ درد کا مداوا نہیں! دیکھو خدا کا ارشاد ہے:

Presented by www.ziaraat.com

يٰحَسْرَتٰى عَلٰى مَا فَرَّطْتُّ فِيْ جَنْۢبِ اللّٰهِ[58]

ہائے افسوس میری اس کوتاہی پر جو میں نے خدا (کی بارگاہ) کا تقرب حاصل کرنے میں کی۔ اب یہ کون سی حسرت ہے؟ جس کو خدا اپنی اس عظمت کے ساتھ تعبیر کے ساتھ ذکر کر رہا ہے۔ اس میں غور کرنا چاہیئے۔ بغیر تدبر کئے اس سے نہیں گزرنا چاہیئے۔ ایک اور جگہ ارشاد فرماتا ہے:

يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّآ اَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى وَمَا هُمْ بِسُكٰرٰى وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ[59]

"جس دن تم اسے دیکھ لوگے تو ہر دودھ پلانے والی (ڈر کے مارے) اپنے دودھ پیتے (بچے) کو بھول جائے گی اور ساری حاملہ عورتیں اپنے اپنے حمل (دہشت سے) گرا دیں گی اور (گھبراہٹ میں) لوگ تجھے متوالے معلوم ہوں گے حالانکہ وہ متوالے نہیں ہیں۔ بلکہ خدا کا عذاب بہت سخت ہے (کہ لوگ بدحواس ہو رہے ہیں)

میرے عزیز ذرا سوچو! قرآن مجید (نعوذ باللہ) کوئی قصہ کہانی کی کتاب نہیں ہے۔ تم سے مذاق نہیں کرتا۔ دیکھو تو کیا کہتا ہے؟ آخر یہ کس قسم کا عذاب ہے جو عزیز رشتہ دار کو بھلا دیتا ہے، حاملہ عورتوں کا حمل ساقط ہو جاتا ہے؟ آخر یہ کیسا عذاب ہے جس کا ذکر خدا اپنی تمام عظمتوں کے باوجود کر رہا ہے اور بڑی سنجیدگی سے کر رہا ہے اور دوسری جگہ عظمت سے کر رہا ہے۔ جس چیز کے بارے میں وہ خدا جس کے عظمت کی حد و انتہا نہ ہو اور جس کی عزت و سلطنت کا نہ کوئی اور ہو نہ چھور شدت و عظمت کے ساتھ اس کا ذکر کرے وہ چیز کیا ہو سکتی ہے؟ خدا جانتا ہے کہ میری اور تمہاری عقل اور تمام انسانوں کی فکر اس کے تصور سے بھی عاجز ہے۔ اگر اہل بیتؑ عصمت و طہارت کے اخبار و آثار کا مطالعہ کیجئے اور اس میں غور و فکر کیجئے تو معلوم ہو جائے گا کہ آخرت کا عذاب اس دنیا کے عذاب سے کہیں زیادہ شدید ہے اس کا قیاس اس دنیا کے عذاب سے کرنا غلط اور باطل ہے۔

میں تمہارے لئے شیخ جلیل القدر صدوق طاب ثراہ کی ایک حدیث شریف نقل کرتا ہوں تاکہ تم سمجھ لو کہ مطلب کیا ہے؟ اور مصیبت کتنی عظیم ہے؟ حالانکہ یہ حدیث اعمال کے دوزخ سے متعلق ہے جو تمام جہنموں سے سوا تر ہے۔ پہلے تو تم یہ سمجھ لو کہ شیخ صدوقؒ جن کی یہ حدیث ہے یہ وہ بزرگوار ہیں۔ جن کے سامنے تمام علمائے اعلام اپنے کو چھوٹا سمجھتے ہیں۔ اور ان کی جلالت قدر کے قائل ہیں۔ (دوسرے یہ کہ) یہ وہ بزرگوار ہیں جو امام علیہ السلام کی دعا سے پیدا ہوئے ہیں۔ (تیسرے یہ کہ) یہ وہ عظیم شخص ہیں جو امام زمانہ علیہ السلام عجل اللہ تعالیٰ فرجہ۔ کے مورد لطف و کرم رہے ہیں۔ اور میں۔

Presented by www.ziaraat.com

یعنی اس کتاب کا لکھنے والا یعنی امام خمینی طاب ثراہ "علمائے امامیہ کے بزرگوں سے متعدد طریقوں سے جو شیخ صدوق رحمۃ اللہ علیہ سے متصل ہوتے ہیں۔

اس حدیث کو نقل کرتا ہوں اور ہمارے اور شیخ صدوقؒ کے درمیان جتنے مشائخ (واسطے) ہیں وہ سب کے سب بزرگوں میں سے اور اصحاب ثقات میں سے ہیں۔ لہٰذا اگر آپ مومن ہیں تو اس حدیث پر عقیدت مند رہیئے۔

«رَوَى الصَّدُوقُ بِاسْنَادِهِ عَنْ مَوْلٰنَا الصَّادِقِ، عَلَيْهِ السَّلَامُ، قَالَ: بَيْنَا رَسُولُ اللّٰهِ، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ، ذَاتَ يَوْمٍ قَاعِدًا إِذْ أَتَاهُ جِبْرَئِيلُ، عَلَيْهِ السَّلَامُ، وَهُوَ كَئِيبٌ حَزِينٌ مُتَغَيِّرُ اللَّوْنِ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ: يَا جِبْرَئِيلُ مَالِي أَرَاكَ كَئِيبًا حَزِينًا؟ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ فَكَيْفَ لَا أَكُونُ كَذٰلِكَ وَإِنَّمَا وُضِعَتْ مَنَافِيخُ جَهَنَّمَ الْيَوْمَ. فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ: وَمَا مَنَافِيخُ جَهَنَّمَ يَا جِبْرَئِيلُ؟ فَقَالَ: إِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى أَمَرَ بِالنَّارِ فَأُوقِدَ عَلَيْهَا أَلْفَ عَامٍ حَتّٰى احْمَرَّتْ؛ ثُمَّ أَمَرَ بِهَا فَأُوقِدَ عَلَيْهَا أَلْفَ عَامٍ حَتّٰى ابْيَضَّتْ، ثُمَّ أَمَرَ بِهَا فَأُوقِدَ عَلَيْهَا أَلْفَ عَامٍ حَتّٰى اسْوَدَّتْ، وَهِيَ سَوْدَاءُ مُظْلِمَةٌ. فَلَوْ أَنَّ حَلْقَةً مِنَ السِّلْسِلَةِ الَّتِي طُولُهَا سَبْعُونَ ذِرَاعًا وُضِعَتْ عَلَى الدُّنْيَا، لَذَابَتِ الدُّنْيَا مِنْ حَرِّهَا؛ وَلَوْ أَنَّ قَطْرَةً مِنَ الزَّقُّومِ وَالضَّرِيعِ قُطِرَتْ فِي شَرَابِ أَهْلِ الدُّنْيَا، مَاتَ أَهْلُ الدُّنْيَا مِنْ نَتْنِهَا. قَالَ: فَبَكَى رَسُولُ اللّٰهِ، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ، وَبَكَى جَبْرَئِيلُ؛ فَبَعَثَ اللّٰهُ إِلَيْهِمَا مَلَكًا، فَقَالَ: إِنَّ رَبَّكُمَا يَقْرَأُ كُمَا السَّلَامَ وَيَقُولُ: إِنِّي أَمِنْتُكُمَا مِنْ أَنْ تُذْنِبَا ذَنْبًا أُعَذِّبُكُمَا عَلَيْهِ. انتهىٰ.»

حدیث شریف کا حاصل ترجمہ یہ ہے کہ ایک دن رسولِ خدا تشریف فرما تھے کہ جبرئیل امین افسردہ و محزون، چہرے کا رنگ اڑا ہوا آنحضرتؐ کی خدمت میں آئے۔ رسولِ خدا نے پوچھا: جبرئیل میں تم کو محزون و افسردہ دیکھ رہا ہوں؟ جبرئیل نے کہا: اے محمدؐ میں کیوں افسردہ نہ ہوں؟ جبکہ میں نے دیکھا ہے کہ منافیخ جہنم کو آج بھڑکایا گیا ہے۔ رسولِ خدا نے پوچھا: منافیخ جہنم کیا ہے؟ جبرئیل نے کہا: اس کا مطلب یہ ہے کہ جہنم کو حکم دیا گیا کہ اس کو ہزار سال تک دھکایا جائے یہاں تک کہ وہ

Presented by www.ziaraat.com

سرخ ہو جائے۔ اس کے بعد پھر اس کے دہکانے کا حکم ہوا اور وہ ہزار سال تک دہکتی رہی یہاں تک کہ وہ آگ سفید ہو گئی اس کے بعد پھر اس کو دہکانے کا حکم ہوا اور وہ ہزار سال تک دہکتی رہی یہاں تک کہ سیاہ ہو گئی اور بالکل سیاہ و تاریک۔ اب اگر اس زنجیر کا ایک حلقہ جس کا طول ستر ذراع ہے دنیا پر گر جائے تو اس کی گرمی سے پوری دنیا پگھل جائے اور اگر اس کے زقوم (ایک درخت جس کا ذکر قرآن میں ہے) یا ضریع (ایک نہایت کڑوی گرم شے جو اہل جہنم کی غذا ہوگی) کا ایک قطرہ اہل دنیا کے تمام پانی میں ٹپک جائے تو اس کی بدبو سے پوری دنیا کے لوگ مر جائیں۔ (یہ سن کر) رسول خدا رونے لگے اور جبرئیل پر بھی گریہ طاری ہو گیا۔ اس وقت خدا نے ایک فرشتہ کو بھیجا اور اس نے آکر کہا، تمہارا خدا تم کو سلام کہہ رہا ہے اور کہہ رہا ہے کہ میں نے تم دونوں کو اس بات سے امان دے دی کہ تم دونوں کوئی گناہ کرو اور اس گناہ کی وجہ سے تم پر عذاب کروں۔

میرے عزیز! اس حدیث شریف کی طرح بہت سی حدیثیں ہیں جہنم کا وجود اور اس کا دردناک عذاب دنیا کے تمام ادیان کے نزدیک بدیہیات میں سے ہے اور اس کے براہین واضح ہیں۔ (بلکہ) اس کی حقیقت اسی دنیا میں صاحبان کشف اور ارباب دل پر ظاہر ہو چکی ہے۔ اس کرشن حدیث کے بارے میں ٹھیک سے غور و فکر کرو۔ اگر اس کے صحیح ہونے کا احتمال بھی ہو تو کیا دیوانہ وار جہنم کی طرف بھاگ نہیں نکلنا چاہیئے؟ آخر کیا بات ہے کہ ہم اس قدر غفلت و جہالت میں پڑے ہیں؟ کیا رسول خدا اور جبرئیل کی طرح ہمارے اوپر بھی کوئی ملک نازل ہوا ہے؟ اور ہم کو عذاب سے امان کا مژدہ سنا گیا ہے؟ کیا رسول خدا اور اولیاء الٰہی تمام عمر خوف خدا سے تڑپتے نہیں رہے؟ ان کا کھانا پینا سونا سب چھوٹ نہیں گیا تھا؟ ولی خدا حضرت امام زین العابدین علیہ السلام خوف خدا سے غش کھا جاتے تھے۔ امام معصوم کی گریہ وزاری، نالہ و مناجات دل کے ٹکڑے کر دیتی ہے۔ آخر ہم کو کیا ہو گیا ہے کہ بے حیائی و بے غیرتی کے ساتھ اس کے محرمات و نوامیس کی بے حرمتی کرتے ہیں؟ وائے ہو ہمارے اوپر اور ہماری غفلتوں پر، وائے ہو ہمارے اوپر اور سکرات موت کی شدت پر، ہائے افسوس وائے ہو ہمارے اوپر دوزخ میں اور اس کی سختیوں پر اور قیامت اور اس کی تاریکیوں پر، وائے ہو ہمارے اوپر جہنم اور عذاب جہنم پر۔

Presented by www.ziaraat.com

چھٹی فصل

اخلاقی امراض کا علاج

ہاں اے عزیز خواب (غفلت) سے جاگو اپنی (کوتاہیوں) سے ہوشیار ہو کر ہمت باندھ لو اور جب تک وقت ہے فرصت کو غنیمت شمار کرو، جب تک عمر باقی ہے اور تمہارے قویٰ تمہارے بس میں ہیں، جب تک جوانی قائم ہے اور فاسد اخلاق کا ابھی تم پر غلبہ نہیں ہوا پست و ذلیل ملکات نے ابھی تم پر تسلط نہیں حاصل کیا، ان کے علاج کی کوئی تدبیر کرو، فاسد اور برے اخلاق دور کرنے کا راستہ نکالو، آتش شہوت و غضب کے خاموش کرنے کی کوئی ترکیب کر لو۔

علمائے اخلاق و اہل سلوک نے ان اخلاقی بیماریوں کو دور کرنے کا سب سے بہترین علاج یہ تجویز کیا ہے کہ جب بھی اپنے آپ میں تمہیں ان اخلاقی برائیوں میں سے کوئی برائی نظر آئے اس کو اپنی نظر میں رکھ لو اور اس کے خلاف مردانہ وار جد و جہد کرو، اور ہمت کر کے اپنے نفس کے خلاف ایک مدت تک اس غلط خواہش کے خلاف اقدام کرتے رہو۔ اور ہر حالت میں اپنے خدا سے دعا کرتے رہو کہ اس جہاد میں تمہاری مدد کرتا رہے۔ یقین رکھو تھوڑے ہی دنوں کے بعد وہ بری عادت دور ہو جائے گی۔ اور شیطان و اس کا لشکر اس محاذ سے بھاگ جائے گا اور رحمانی لشکر اس کی جگہ لے گا۔

مثلاً اخلاقی برائیوں میں سے ایک برائی جو انسان کی ہلاکت کا سبب اور فشار قبر کا سبب بنتی ہے اور انسان کو دونوں جہان میں عذاب میں گرفتار رکھتی ہے وہ گھر والوں، یا پڑوسیوں یا ہم پیشہ لوگوں، یا اہل محلہ، یا اہل بازار کے ساتھ بداخلاقی سے پیش آنا ہے اور یہ بداخلاقی غصہ اور شہوت کی پیداوار ہوتی ہے۔

اگر مرد مجاہد ایک مدت تک اس بات پر تل جائے کہ جب کبھی اس کو غصہ آئے گا اور آتش غضب کے شعلے بھڑکنے لگیں گے اور اس کے سینہ میں آگ لگا دیں گے اور اس کو بدگفتاری و تندرفتاری پر آمادہ کریں گے تو وہ اپنی خواہش نفس کے خلاف قدم اٹھائے گا اور برائی کے برے انجام کو سوچے گا اور دل میں شیطان پر لعنت کرے گا اور اس سے خدا کی پناہ مانگے گا تو میں آپ کو

Presented by www.ziaraat.com

قول دیتا ہوں کہ اگر وہ اس بکار بند رہا۔ تو چند مرتبہ تکرار کے بعد۔ تو اس کی اخلاق عادت بالکل بدل جائے گی اور ملکات باطن میں اس کی جگہ اچھی عادت اپنی جگہ واپنا گھر بنالے گی۔ لیکن اگر خواہش نفس کے مطابق عمل کرتا ہو تو ممکن ہے یہ بات اس کو اسی دنیا میں نیست و نابود کر دے۔

میں غیظ و غضب سے بھی خدا کی پناہ چاہتا ہوں۔ کیونکہ یہ غضب ایک پل میں اس کی دونوں دنیا کو تباہ کر دیتا ہے۔ خدانخواستہ غصہ کسی کے قتل کا باعث بھی ہو سکتا ہے۔ یہ بھی ممکن ہے انسان غصہ کی حالت میں نواميس الٰہی کے بارے میں کچھ اول فول بک دے۔ جیسے کہ میں نے لوگوں کو غصہ کی حالت میں کفر کے کلمات بکتے ہوئے دیکھا ہے۔

حکما نے فرمایا ہے: بغیر ملاح کے شدید طوفانی موجوں میں گھری ہوئی کشتی کا نجات پالینا، نسبت غصہ میں بھرے ہوئے شخص کے زیادہ قریب ہے۔"

اور اگر خدانخواستہ تمہارا شمار علمی مباحث میں جھگڑا کرنے والوں میں ہوتا ہے۔ جیسا کہ ہم طلبہ میں بعض اس بری عادت میں گرفتار ہیں۔ تو ایک مدت تک اپنی اس عادت کے خلاف عمل کرو (خصوصاً) ان رسمی مجلسوں میں جہاں علما اور عوام دونوں ہوتے ہیں اگر کوئی بحث چھڑ جائے اور تم دیکھو کہ تمہارا مقابل صحیح کہہ رہا ہے تو اپنی غلطی مان لو اور اس کی تصدیق کرو۔ اُمید کی جاتی ہے کہ ایسا کرنے سے ایک مدت کے بعد تمہاری یہ بری عادت (جدال و مراء والی) چھوٹ جائے گی خدا نہ کرے بعض اہل علم و مدعی مکاشفہ کا قول (تمہارے بارے میں) صادق ہو۔ کہ وہ کہتے ہیں: بعض مکاشفات میں میرے اوپر یہ بات کشف ہوئی کہ تخاصم اہل النار سے مراد اہل علم و حدیث کا جدال کرنا ہے۔

انسان اگر اس کے صحیح ہونے کا احتمال بھی دیتا ہے جب بھی اس خصلت کے دور کرنے کی فکر میں (ہمہ وقت) رہنا چاہیئے۔

«رُوِيَ عَنْ عِدَّةٍ مِنَ الْأَصْحَابِ أَنَّهُمْ قَالُوا: خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللّٰهِ، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ، يَوْماً وَنَحْنُ نَتَمَارَى فِي شَيْءٍ مِنْ أَمْرِ الدِّينِ. فَغَضِبَ غَضَباً شَدِيداً لَمْ يَغْضَبْ مِثْلَهُ. ثُمَّ قَالَ: إِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ بِهٰذَا. ذَرُوا الْمِرَاءَ فَإِنَّ الْمُؤْمِنَ لَا يُمَارِي؛ ذَرُوا الْمِرَاءَ فَإِنَّ الْمُمَارِيَ قَدْ تَمَّتْ خَسَارَتُهُ؛ ذَرُوا الْمِرَاءَ فَإِنَّ الْمُمَارِيَ لَا أَشْفَعُ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ؛ ذَرُوا الْمِرَاءَ فَإِنِّي زَعِيمٌ بِثَلَاثِ أَبْيَاتٍ فِي

Presented by www.ziaraat.com

الْجَنَّةِ فِي رِيَاضِهَا وَأَوْسَطِهَا وَأَعْلَاهَا لِمَنْ تَرَكَ الْمِرَاءَ وَهُوَ صَادِقٌ؛ ذَرُوا الْمِرَاءَ فَإِنَّ أَوَّلَ مَا نَهَانِي عَنْهُ رَبِّي بَعْدَ عِبَادَةِ الْأَوْثَانِ الْمِرَاءُ، وَعَنْهُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ: لَا يَسْتَكْمِلُ عَبْدٌ حَقِيقَةَ الْإِيمَانِ حَتَّى يَدَعَ الْمِرَاءَ وَإِنْ كَانَ مُحِقًّا۔"[۶۲]

روایت میں ہے "ایک مرتبہ ہم لوگ کسی دینی مسئلہ پر آپس میں بحث کر رہے تھے کہ رسولؐ تشریف لے آئے۔ اور (آتے ہی) آپ اس قدر غضبناک ہوئے کہ اس طرح کبھی غضبناک نہیں ہوئے تھے اس کے بعد فرمایا: "تم سے پہلے والے لوگ بھی اسی وجہ۔ بحث وجدال۔ سے ہلاک ہوئے تھے۔ یہ بحث وجدال چھوڑ دو۔ کیونکہ مومن کبھی ایسا نہیں کرتا۔ اس کی عادت کو ترک کر دو کیونکہ بحث وجدال کرنے والا مکمل خسارہ اٹھا چکا ہے۔ اس کو اس لئے بھی ترک کر دو کہ میں جھگڑالو شخص کی شفاعت نہیں کروں گا۔ بحث وجدال کو چھوڑ دو تو میں تمہارے لئے جنت میں تین دروازوں کی ذمہ داری لیتا ہوں (اس کا ادنیٰ دروازہ) باغوں میں کھلے گا) اوسط اور اعلیٰ دروازے اس شخص کے لئے ہوں گے جو بحث وجدال کو چھوڑ دے اور واقعاً وہ سچا بھی ہو۔ بحث وجدال کو ترک کر دو! اس لئے کہ میرے خدا نے بت پرستی کی ممانعت کے بعد سب سے پہلے جس سے روکا ہے وہ یہی بحث وجدال ہے۔

آنحضرتؐ ہی سے یہ بھی منقول ہے کہ "کسی بندے کے ایمان کی حقیقت اس وقت تک مکمل نہیں ہوتی جب تک وہ بحث وجدال کو چھوڑ نہ دے خواہ وہ بحث میں حق پر بھی ہو۔

اس سلسلہ (علمی بحث میں غلبہ کے لئے) میں بہت سی احادیث وارد ہوئی ہیں۔ کتنی بُری بات ہے کہ وقتی کامیابی کے لئے انسان رسولؐ خدا کی شفاعت سے محروم ہو جائے۔ جبکہ اس کا ثمرہ بھی نہیں ہے اور (اسی طرح) مذاکرہ علم کو۔ جو افضل عبادات و افضل طاعات ہے بشرطیکہ صحیح نیت سے ہو۔ عظیم ترین مصیبت بنا دے اور بت پرستی کا ثانی بنا دے (یہ بھی کتنی بُری بات ہے)

بہرحال انسان کو چاہیئے کہ تمام اخلاقی برائیوں کو ایک ایک کر کے نظر میں رکھے اور نفس کی مخالفت کر کے اپنی مملکتِ روح سے اس کو خارج کر دے۔ اور جب غاصب چلا جائے گا تو مالکِ مکان خود ہی اس میں آ جائے گا۔ کسی دوسری زحمت کی ضرورت ہی نہیں ہے اور

Presented by www.ziaraat.com

نہ وعدہ خواہی کی ضرورت ہے۔

خاتمہ

چونکہ اس مقام پر پہونچ کر مجاہدہ نفس کا بیان مکمل ہو گیا اور اس مرحلہ پر انسان ابلیسی قوتوں کو نکال باہر کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ جس کے نتیجہ میں اس کی مملکت ملائکہ خدا کا مسکن بن جاتی ہے اور خدا کے نیک بندوں کی عبادت گاہ بن جاتی ہے اس لئے سلوک الی اللہ کا کام آسان ہو جاتا ہے اور انسانیت کی صراط مستقیم واضح و روشن ہو جاتی ہے۔ تمام جنتوں اور برکتوں کے دروازے اس پر کھل جاتے ہیں اور جہنم کے درجے و دروازے اس کے لئے بند ہو جاتے ہیں۔ اور پروردگار عالم اس کی طرف لطف و کرم کی نظر ڈالتا ہے اور اہل ایمان کی لڑی میں اس کو پرو دیتا ہے اور وہ شخص نیک بختوں اور اصحاب یمین میں ہو جاتا ہے۔ اور معارف الہیہ۔ جو جن و انس کی تخلیق کی غرض و غایت ہے۔ کے دروازے کا راستہ اس پر کھل جاتا ہے[۱۴] اور اس پر خطر راستہ میں خدا اس کی دستگیری کرتا ہے۔

میں چاہتا تھا کہ نفس کے مقام سوم اور اس کی کیفیت جہاد کا (بھی) ذکر کروں۔ اور شیطان کی مکاریوں کا ذکر کروں۔ لیکن میں نے مناسب نہیں سمجھا۔ اس لئے اس سے صرف نظر کر کے خداوند عالم سے توفیق و تائید کا طلب گار ہوں کہ اس موضوع پر ایک مستقل رسالہ لکھ سکوں۔

Presented by www.ziaraat.com

پہلی حدیث کی توضیحات

۱۔ حدیثوں کو جھوٹوں اور جعلی حدیث کہنے والوں کی دستبرد سے حفاظت کے لئے اور نااہل و ناآشنا راویوں کے توسط سے نقل حدیث کرنے کی حفاظت کی خاطر علمائے زمانہ سے علمائے علم حدیث نے "اجازۂ روایت" دینے اور لینے کی ایک رسم بنائی ہے۔ مشائخ حدیث جس شخص کے تقویٰ اور علم کو آزما لیتے تھے اس کو اجازۂ روایت دیتے تھے۔ طالب علوم بھی اس علم کے علماء و مشائخ کے پاس جا کر "علم حدیث" سیکھتے تھے پھر ان سے اجازہ کی درخواست کرتے تھے تاکہ ان کی بیان کردہ حدیثیں معتبر بھی جائیں کم و بیش یہ سیرت اب تک جاری ہے۔

مشائخ جو اجازے دیتے تھے وہ بھی مختلف ہوا کرتے تھے۔ بعض اجازہ کتبی اور بعض شفاہی ہوا کرتے تھے اور جس کے پاس یہ اجازہ ہوتا تھا وہ حدیث بیان کرتے وقت کہتا تھا "فلاں شخص نے اجازۂ کتبی یا شفاہی کے ذریعہ مجھے اس طرح خبر دی" اسی سنت جاریہ کے پیش نظر امام (قدہ) نے (اپنی) ابتدا میں اپنے تھوڑے سے سلسلہ اجازت کو پشت در پشت محمد بن یعقوب کلینی (قدس اللہ اسرارہم) تک نقل فرمایا ہے۔

۲۔ شیخ محمد رضا مسجد شاہی متوفی ۱۳۶۳ھ ق اصفہان کے علمی گھرانے سے متعلق تھے اور عظیم شخصیت کے مالک تھے۔ آپ کا تعلق شیخ محمد تقی اصفہانی کے خاندان سے تھا اور آپ میرزائے شیرازی، سید محمد فشارکی اور آخوند خراسانی کے شاگردوں میں تھے۔ آیۃ اللہ شیخ عبدالکریم حائری کے ہم مباحثہ اور دوستوں میں سے تھے۔ شیخ (۱۳۴۴ھ ق تک) قم میں مشغول تدریس تھے۔ لیکن اپنے چچا حاج آقا نوراللہ اصفہانی کی شہادت کے بعد اصفہان واپس چلے گئے تھے اور آخری عمر تک وہیں قیام پذیر تھے۔ آپ شیعوں کے مرجع تھے، اصفہان میں آپ کا حوزۂ درس آپ کی زندگی تک باقی تھا۔ آپ کے جد محترم شیخ محمد تقی اصفہانی متوفی ۱۲۴۸ھ ق تھے جو مشہور ترین فقہا میں تھے اور صاحب وحید بہبہانی کے شاگردوں میں تھے۔ آپ کا حوزۂ درس اصفہان میں تھا۔ میرزائے شیرازی اور سید حسن مدرس آپ کے شاگردوں

Presented by www.ziaraat.com

میں تھے۔ آپ کی مشہور ترین تصنیف "ہدایۃ المسترشدین" ہے جو علم الدین کی شرح ہے۔

۳۔ حاج شیخ عباس قمی (۱۲۹۴-۱۳۵۹ھ ق) چودھویں صدی ہجری کے مشہور ترین شیعہ محدث تھے۔ اور آپ کا شمار مشائخ روایات میں ہوتا ہے خود امام خمینی (قدہ) نے ان سے اجازہ حاصل فرمایا تھا۔ آقائے شیخ عباس قمی سالہا سال علامہ متحر (محدث کبیر) مرزا حسین نوری کے ساتھ رہے تھے اور محدث نوری کی تمام تصانیف میں اور استنساخ و مقابلہ میں ان کے مددگار تھے۔ شیخ عباس قمی محقق کثیر التالیف انسان تھے۔ آپ کی ایک مشہور تالیف سفینۃ البحار ہے جس کی تالیف میں ۲۰ سال کی مدت صرف ہوئی تھی۔ آپ کی دیگر تصانیف میں مفاتیح الجنان، منتہی الآمال، تتمۃ المنتہی، فوائد رضویہ وغیرہ ہیں۔

۴۔ حاج میرزا حسین (نوری) ابن محمد تقی نوری طبرسی (۱۲۵۴-۱۳۲۰ھ ق) فقیہ، مفسر اور علم حدیث میں کم نظیر اور علم رجال میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ آپ نے احادیث اہل بیتؑ کی نشر و اشاعت میں بہت اہم کردار ادا کیا۔ آپ شیخ العراقین، شیخ مرتضیٰ انصاری اور میرزائے شیرازی کے شاگرد تھے اور اپنے بعد کے آنے والوں کے لئے "شیخ الاجازہ" تھے۔ حاج شیخ عباس قمی اور آقائے بزرگ تہرانی آپ کے شاگردوں میں تھے اور ان حضرات نے ان سے اجازہ لیا تھا۔ مستدرک الوسائل، مستدرک مزار البحار، النجم الثاقب، لؤلؤ و مرجان، تحفۃ الزائر آپ کی مشہور تصانیف ہیں۔

۵۔ شیخ مرتضیٰ انصاری (۱۲۱۴-۱۲۸۱ھ ق) آپ کا لقب خاتم الفقہاء والمجتہدین تھا۔ جناب جابر بن عبداللہ انصاری صحابی رسولؐ کے پوتوں میں سے تھے۔ آپ کا شمار علم اصول کے نوابغ میں ہوتا تھا۔ اس فن میں آپ نے عظیم انقلاب پیدا کیا۔ آپ کے آراء و نظریات اور آثار آج تک بڑے بڑے فقہاء کی نظر میں محل بحث و نظر ہیں اور مورد توجہ ہیں۔

آپ کی کتابوں پر بہت سے حواشی و شروح تحریر کئے جا چکے ہیں۔ آپ کے بعض اساتذہ یہ تھے شیخ موسیٰ کاشف الغطاء شیخ علی کاشف الغطاء ملا احمد نراقی، سید محمد مجاہد وغیرہ، آپ کے مشہور شاگردوں میں اخوند خراسانی، میرزائے شیرازی، میرزا محمد حسن آشتیانی تھے۔ آپ کی اہم ترین تصانیف رسائل، مکاسب، طہارت ہیں۔

۶۔ سید محسن بن عبدالکریم بن علی بن محمد حسینی جبل عاملی ملقب بہ "امین" (۱۲۸۲-۱۳۷۱ھ ق) اکابر علمائے امامیہ میں سے تھے۔ اور شیعہ اثنا عشریہ کے مفاخر میں سے تھے۔ ابتدائی تعلیم اپنے وطن جبل عامل میں حاصل کی۔ اس کے بعد نجف اشرف تشریف لائے اور اخوند خراسانی، شریعت اصفہانی، حاج آقا رضا ہمدانی، شیخ محمد طہٰ نجف اور دیگر بزرگوں سے تکمیل فرمائی۔

تعلیمی دورہ مکمل کر لینے کے بعد اپنے وطن جبل عامل واپس تشریف لائے اور تحقیق و تدریس و تالیف میں مشغول ہو گئے۔ آپ کی تصانیف تو بہت ہیں مگر مشہور ترین تصانیف میں اعیان الشیعہ ہے جو متعدد مرتبہ چھپ چکی ہے اس کے علاوہ فقہ استدلالی میں اساس الشیعہ ہے، الدرۃ البہیۃ، المجالس السنیہ، معدن الجواہر فی علوم الاوائل والاواخر وغیرہ ہیں۔

۷۔ محمد بن ہاشم موسوی رضوی ہندی (۱۲۴۲-۱۳۲۲ھ ق) آپ کی پیدائش ہندوستان میں ہوئی

Presented by www.ziaraat.com

اور نجف اشرف میں تحصیل علوم فرمایا اور وہیں انتقال فرمایا اور دفن ہوئے۔ آپ شیخ مرتضیٰ انصاری کے شاگردوں میں تھے۔

آپ کی تالیفات میں علم رجال میں نظم الغانی ہے۔ اُرجوزۃ فی الفقہ ہے، الاضواء الزاہرۃ، شرح الشرائع، تقریرات درس شیخ انصاری ہے۔

۸۔ سید ابوالقاسم حسینی دھکردی متوفی (۱۳۵۲ھ ق) آپ میرزا حسن شیرازی، شیخ زین العابدین مازندرانی اور میرزا حسین نوری کے شاگرد تھے۔

آپ کی تالیفات میں حاشیہ بر تفسیر صافی، حاشیہ بر وافی، حاشیہ بر مکاسب ہے اور الوسیلۃ فی السیر والسلوک ہے۔

۹۔ محمد ہاشم بن زین العابدین موسوی اصفہانی معروف بہ "چہار سوقی" (۱۲۳۵۔ ۱۳۱۸ھ ق) فقہائے امامیہ سے تھے۔ صاحب "روضات الجنات" کے بھائی تھے۔ شیخ مرتضیٰ انصاری سے شرف تلمذ حاصل تھا۔ سید محمد کاظم یزدی و شیخ الشریعہ اصفہانی کے اساتذہ اجازہ میں سے تھے۔ آپ کے آثار میں استصحاب اصول آل الرسول، حاشیہ بر اسفار، حاشیہ شرح لمعہ، حاشیہ قوانین، حاشیہ معالم ہے۔

۱۰۔ احمد بن محمد مہدی بن ابی ذر نراقی متوفی (۱۲۴۴ھ ق) فقیہ و محدث تھے، علم رجال، علم ریاضی، علوم عقلیہ کے استاد تھے۔ زہد و تقویٰ میں مشہور تھے۔ زیادہ تر علوم اپنے والد ماجد ملا محمد مہدی نراقی سے حاصل کئے۔ ملا محمد مہدی نوادر روزگار میں سے تھے۔ آپ کے دیگر اساتذہ میں سید مہدی بحر العلوم، شیخ جعفر کاشف الغطاء تھے۔ وہ شیخ انصاری اور سید محمد شیخ جابلقی کے استاد تھے۔

آپ کی تالیفات میں معراج السعادۃ، مفتاح الاحکام عوائد الایام، منہاج الوصول الی علم الاصول، مستند الشیعہ اور دیوان شعر فارسی ہے۔

۱۱۔ سید مہدی بن مرتضیٰ طباطبائی برجردی (۱۱۵۴ - ۱۲۱۲ھ ق) معروف بہ "بحر العلوم" بہت بڑے فقیہ تھے، عارف کامل تھے۔ صاحب کرامات تھے، عوام و خواص کی نظر میں بہت زیادہ محترم تھے۔ آپ ان چند مخصوص شخصیتوں میں سے ہیں جو غیبت کبریٰ میں متعدد مرتبہ امام زمانہ (عج) کی قدمت میں مشرف ہوئے تھے۔ بحر العلوم علمی و اجتماعی ریاست کے مالک تھے آپ کے حوزۂ درس میں عظیم فقہاء مثلاً شیخ جعفر کاشف الغطاء، سید محمد جواد عاملی، شیخ محمد تقی اصفہانی، ملا احمد نراقی، آقا علی حائری، شیخ اسد اللہ تستری، کی تربیت ہوئی تھی۔ آپ کی مشہور ترین تصنیف فقہ و رجال میں مصابیح و درۃ نجفیہ ہے۔

۱۲۔ محمد باقر بن محمد اکمل بہبہانی (۱۱۱۷ + ۱۲۰۸ھ ق) معروف بہ "وحید" و "آقا" و "استاد کل" آپ فقیہ، اصولی اور رجالی تھے اور ان میں مشہور تھے۔ آپ نے کربلائے معلی کو اپنا مرکز قرار دیا تھا۔ اور بہترین قسم کے طلاب کی تربیت کر کے، بحث و مناظرہ کے جلسے کر کے اخباریوں کی حاکمیت فقہ میں ختم کر دی تھی۔ آپ کے مشہور ترین شاگردوں کی فہرست میں یہ حضرات آتے ہیں۔ سید مہدی بحر العلوم، شیخ جعفر کاشف الغطاء، میرزائے قمی (صاحب قوانین) ملا محمد مہدی نراقی، سید علی طباطبائی

Presented by www.ziaraat.com

(صاحب ریاض) سید مہدی شہرستانی، سید محمد باقر شفتی اور سید جواد عاملی (صاحب مفتاح الکرامۃ)

۱۳۔ ملا محمد اکمل، محمد باقر بہبہانی کے والد آپ علم و تقویٰ میں مشہور تھے اور مشائخ اجازہ میں سے تھے۔

۱۴۔ ملا محمد باقر بن ملا محمد تقی مجلسی اصفہانی۔ آپ ہی علامہ مجلسی کے نام سے مشہور ہیں (۱۰۳۷-۱۱۱۱ھ ق) شیعوں کے بزرگ ترین علما میں سے تھے۔ بہت سے علوم میں مہارت کامل رکھتے تھے۔ علم حدیث میں تو ماہر تھے ہی۔ آپ کے اساتذہ میں خود آپ کے والد ماجد، شیخ حر عاملی، سید علی خان شیرازی تھے۔ آپ نے بہت سے شاگرد تربیت کئے۔ چند کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔ میرزا عبداللہ افندی (مولف ریاض العلما) سید نعمت اللہ جزائری، ملا صالح مازندرانی آپ نے مذہب امامیہ کی جمع و نشر میں بڑی سعی بلیغ فرمائی تھی۔ عربی و فارسی کتابوں کی تعداد ۱۰۰ جلدوں سے زیادہ ہے۔ سب سے زیادہ مشہور بحار الانوار، مرآۃ العقول، شرح کافی، میں حیاۃ القلوب، زاد المعاد، حق الیقین، جلاء العیون، حلیۃ المتقین اور الاربعون حدیثاً ہیں۔

۱۵۔ ملا محمد تقی بن مقصود علی اصفہانی مشہور بہ مجلسی اول ہیں۔ (۱۰۷۰ھ ق) آپ بھی فقیہ، محدث، رجالی تھے بہت ہی عابد و زاہد تھے۔ احادیث شیعہ کی نشر و اشاعت میں بڑا حصہ آپ کا بھی ہے۔ آپ کے اساتذہ میں شیخ بہائی اور ملا عبداللہ شوشتری تھے آپ کے بھی آثار بہت زیادہ ہیں۔ ان میں مشہور ترین یہ ہیں:

شرح زیارت جامعہ، روضۃ المتقین در شرح من لایحضرہ الفقیہ، احیاء الاحادیث، در شرح تہذیب شیخ طوسی، اربعون حدیثاً اور حاشیہ صحیفہ سجادیہ۔

۱۶۔ شیخ بہاؤالدین محمد بن حسین بن عبدالصمد عاملی معروف بہ شیخ بہائی (۹۵۳-۱۰۳۰ھ ق) متعدد علوم و فنون میں استاد دوراں اور یگانہ زمانہ تھے۔ اپنے زمانہ میں شیخ الاسلام اصفہان کے لقب سے پکارے جاتے تھے۔ آپ کے شاگردوں میں صدر المتالہین، ملا محقق مجلسی، محقق سبزواری، فاضل جواد وغیرہ تھے۔

مختلف علوم میں آپ کی تصنیف و تالیف موجود ہے۔ مثلاً جامع عباسی، حواشی بر قواعد شہید در فقہ، اسطرلاب، تشریح الافلاک علم ہیت میں، مشرق الشمسین، حبل المتین، شرح دعائے صباح، شرح اربعین حدیث، دو عنائن میں، فوائد صمدیہ، تہذیب النحو، اسرار البلاغہ علم ادب میں۔

۱۷۔ شیخ حسین بن عبدالصمد عاملی (۹۱۸-۹۸۴ھ ق) شیخ بہائی کے والد تھے آپ کا سلسلہ نسب حارث ابن عبداللہ ہمدانی سے ملتا تھا۔ حارث بن عبداللہ حضرت علی علیہ السلام کے مخصوص اصحاب میں سے تھے۔ شیخ حسین شہید ثانی اور محقق کرکی کے شاگرد تھے اور خود بہت بڑے استاد، شاعر اور محقق ادیب تھے۔ آپ کے درس میں بہت سے طلاب شریک ہوتے تھے۔ آپ کی تالیفات میں درایۃ الحدیث، اربعون حدیثاً، شرح القواعد ہے۔

۱۸۔ شیخ زین الدین بن شیخ نور الدین عاملی، مشہور بہ شہید ثانی (۹۱۱-۹۶۶ھ ق) بزرگان فقہائے

Presented by www.ziaraat.com

شیعہ میں سے تھے، مختلف علوم کے جامع تھے، زاہد و عابد تھے، آپ اہل سنت کے چاروں فقہی مذاہب پر تسلط رکھتے تھے اور ان کا درس بھی دیا تھا۔ آپ کی تصنیفات میں سلسلۃ الشیعہ، مسالک الافہام فی شرح شرائع الاسلام، منیۃ المرید فی آداب المفید والمستفید، اسرار الصلوٰۃ اور کشف الریبۃ فی احکام الغیبۃ ہے۔

۱۹۔ الشیخ علی بن عبدالعالی میسی کرکی مشہور بہ محقق کرکی و محقق ثانی تھے (۹۳۸ھ ق) فقیہ اور اصولی تھے مفاخر علمائے شیعہ میں تھے۔ صفوی خاندان کے زمانہ میں ایران آئے اور قزوین و اصفہان میں حوزہ درس تشکیل دیا۔ اور بڑے بڑے شاگردوں کی تربیت فرمائی۔

مثلاً شیخ علی منشار، سید امیر اسعد آبادی، شیخ عبدالنبی جزائری، آپ کی مشہور ترین کتاب جامع المقاصد فی شرح القواعد ہے۔ یہ علامہ حلی کی مشہور کتاب قواعد کی شرح ہے۔

۲۰۔ محمد بن محمد بن داؤد، موذن عاملی جزینی، آپ شہید اول کے چچازاد بھائی تھے۔ دانش مند فاضل و شاعر تھے۔

۲۱۔ شیخ ضیاء الدین علی بن محمد مکی شہید اول کے دوسرے لڑکے تھے، عالم، فاضل، محقق تھے۔ شیخ محمد بن محمد بن داؤد موذن نے ان سے روایت کی ہے۔

۲۲۔ شیخ شمس الدین محمد بن مکی عاملی معروف بہ شہید اول (۷۳۴ - ۷۸۶ھ ق) عظیم ترین فقہائے شیعہ میں تھے، مختلف علوم میں مسلم استاد تھے۔ فقہ میں آپ کو "امام الفقہ" کہا جاتا تھا۔ آپ کی تربیت علم و ادب کے درمیان ہوئی تھی۔ آپ کی لڑکیاں اور لڑکے سب ہی علماء و فقہاء تھے۔ شہید نے بہت سے اساتذہ سے استفادہ کیا تھا اور مختلف اسلامی فرقوں کے علماء سے اجازہ بھی حاصل کیا تھا آپ کے مشہور شاگردوں میں شیخ زین الدین علی بن خازن، شیخ عبدالعالی کرکی، شیخ حسن بن سلیمان، شیخ مقداد سیوری تھے۔ آپ کی مشہور کتابوں میں دروس، ذکری، بیان، قواعد، اللمعۃ الدمشقیۃ، اربعون حدیثاً ہیں۔

۲۳۔ فخر المحققین ابو طالب محمد بن الحسن (۶۸۲ - ۷۷۱ھ ق) فقہائے امامیہ کے بزرگ علماء میں سے تھے۔ آپ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ دس سال کی عمر میں اجتہاد کے درجہ پر فائز ہو چکے تھے۔ اپنے والد ماجد علامہ حلی کے شاگرد تھے اور ان کے علمی وارث تھے۔ آپ کے مشہور شاگردوں میں شہید اول، سید حیدر آملی، سید تاج الدین اور آپ کے بیٹے ظہیر الدین تھے۔

آپ کی تالیفات میں الفوائد فی حل مشکلات القواعد، شرح مبادی الاصول اور علم کلام میں الکافیہ الوافیہ ہیں۔

۲۴۔ آیت اللہ شیخ جمال الدین حسن بن یوسف بن علی بن مطہر حلی (۶۴۸ - ۷۲۶ھ ق) آپ فقیہ، محدث، مفسر، متکلم، ادیب، جامع معقول و منقول، اپنے زمانہ میں مذہب امامیہ کے رئیس اور "علامہ" کے لقب سے مشہور تھے۔ آپ نے شیعہ و سنی علماء سے کسب فیض کیا تھا۔ آپ کے اساتذہ میں محقق حلی، خواجہ نصیر الدین طوسی، سید احمد بن طاؤس، شیخ نجیب الدین تھے۔ اور خواجہ نصیر الدین طوسی نے علامہ حلی کے درس فقہ سے استفادہ کیا تھا۔

آپ کے صاحبزادے فخر المحققین بھی آپ کے شاگرد تھے۔ آپ کی تصانیف میں تبصرۃ المتعلمین،

Presented by www.ziaraat.com

المختلف القواعد، تذکرۃ الفقہاء (یہ سب) فقہ میں ہیں۔ کشف المراد فی شرح تجرید الاعتقاد علم کلام میں ہے الفین اثبات امامت حضرت علی علیہ السلام میں ہے۔ المختصر علم رجال میں۔ تلخیص الکشاف تفسیر میں ہے۔

۲۵۔ شیخ ابوالقاسم نجم الدین جعفر بن حسن ہلی (۶۰۲ - ۶۷۶ ھ ق) آپ محقق کے لقب سے مشہور تھے۔ شیعوں کے درجہ اول کے فقہاء میں شمار ہوتا ہے۔ علامہ حلی اور ان کے بھائی سید غیاث الدین بن احمد بن طاؤس جیسے فقہاء آپ کے شاگرد تھے۔ آپ کی کتاب شرائع الاسلام تالیف کے بعد سے اب تک فقہاء کے لئے مورد توجہ ہے۔

مشہور فقیہ شیخ محمد حسن نجفی نے شرائع کی شرح جواہر الکلام کے نام سے لکھی ہے۔

آپ کی دیگر تصانیف میں المعتبر فی شرح المختصر، مختصر النافع، المعارج در اصول ہے۔

۲۶۔ سید شمس الدین ابوعلی فخار بن معد موسوی حسنی (۶۰۰ ھ ق) آپ فاضل، ادیب، محدث اور صاحب کتاب الرد علی الذاہب الی تکفیر ابی طالب ہیں۔

۲۷۔ شیخ جلیل، ثقہ، ابوالفضل شاذان بن جبرئیل قمی بہت بڑے عالم و فاضل اور فقیہ جلیل القدر تھے، ازاحۃ العلۃ فی معرفۃ القبلۃ اور کتاب الفضائل آپ کی بہترین تصنیفات میں ہے۔

۲۸۔ عماد الدین ابوجعفر محمد بن ابی القاسم طبری آملی ابن ابوالقاسم علی بن محمد آملی د آپ کی تالیفات میں سے بشارۃ المصطفیٰ، الشیعۃ المرتضیٰ، المسترشد فی الادعیات اور شرح مسائل الذریعۃ ہے۔

۲۹۔ ابوعلی حسن بن محمد طوسی، شیعہ مذہب کے بڑے فقیہ اور اپنے باپ شیخ طوسیؒ کے مشہور شاگرد تھے۔ شیخ طوسیؒ کے انتقال کے بعد ان کی مسند درس پر آپ ہی بیٹھے اور ان کے شاگردوں کو تعلیم دی۔

آپ کے درس میں کثرت سے طلاب شرکت کرتے تھے۔ شیخ طوسیؒ (۵۱۵ ھ ق) تک زندہ تھے۔ آپ کی تصنیفات میں المرشد الی سبیل التعبد، امالی، شرح نہایۃ الاحکام ہے۔

۳۰۔ ابوجعفر محمد بن حسن طوسی (۳۸۵ - ۴۶۰ ھ ق) آپ کا لقب "شیخ الطائفہ" تھا۔ دنیائے اسلام کے عظیم ترین دانش مند تھے، اپنے زمانہ کے فقہاء و متکلمین کے رئیس تھے۔ اصول، رجال تفسیر اور حدیث میں بھی ید طولیٰ رکھتے تھے۔

آپ کے اساتذہ میں شیخ مفیدؒ، سید مرتضیٰ علم الہدیٰ، ابن غضائری اور ابن عبدون تھے۔ آپ کی دو کتابیں حدیث شیعہ میں بہت ہی مشہور ہیں، استبصار، تہذیب ان دونوں کا شمار فرقہ امامیہ کے کتب اربعہ میں ہوتا ہے۔ فقہ میں نہایۃ اور خلاف بہت مشہور ہیں، مبسوط بھی فقہ میں ہے۔ اس میں فقہ کے بہت سے فروعات کا تذکرہ ہے۔

آپ کی تصانیف میں یہ بھی کتابیں ہیں۔ فہرست، رجال، اختیار معرفۃ الرجال، عدۃ الاصول، الغیبۃ، التبیان فی تفسیر القرآن، تلخیص الشافی، مصباح المتہجد (وغیرہ) سن (۴۴۸ ھ ق) میں جب آپ کا کتب خانہ جلا دیا

Presented by www.ziaraat.com

گیا تو آپ نے بغداد سے نجف اشرف کی طرف ہجرت فرمائی اور وہاں پر حوزۂ علمیہ نجف اشرف کی بنیاد رکھی۔

۲۱۔ شیخ ابو عبداللہ محمد بن نعمان (۳۳۶ یا ۳۳۸ - ۴۱۳ ھ ق) آپ کا لقب "مفید" و "ابن معلم" تھا مذہب امامیہ کے زبردست متکلم، محدث، فقیہ تھے۔ اپنے زمانہ میں بغداد کی ریاست علمی آپ ہی کے پاس تھی۔ آپ پر حضرت امام زمانہ عج کی خصوصی توجہ تھی۔

بارہویں امامؑ کی طرف سے جو دو خط علامہ شیخ مفید کے پاس آئے ہیں اس میں حضرتؑ نے ان کو "اخ سدید" "شیخ مفید" "ولی و شہید" "ولی مخلص" "ناصر حق" "داعی الی الحق" جیسے القاب سے نوازا ہے۔

شیخ مفیدؒ نے شیعہ، سنی، زیدی علما کے ساتھ ساتھ جعفر بن محمد قولویہ، شیخ صدوق، ابن جنید، اسکافی، علی بن ابی البیش بلخی سے بھی درس حاصل کیا تھا، آپ کے مشہور شاگردوں میں سید مرتضیٰ علم الہدیٰ، سید رضی جامع نہج البلاغہ، شیخ طوسی، نجاشی، کراجکی، سالار بن عبدالعزیز وغیرہ تھے۔ چھوٹی بڑی دو سو کتابیں آپ کے آثار میں باقی رہیں۔ جن میں مشہور ترین یہ ہیں۔ ارشاد، اختصاص، اوائل المقالات، امالی، مقنعہ۔

۲۲۔ محمد بن علی بن حسین بن موسیٰ بن بابویہ قمی آپ کی کنیت ابو جعفر اور "ابن بابویہ" اور "صدوق" سے مشہور تھے۔ (۳۸۱ ھ ق) بزرگان علمائے شیعہ اور مشائخ حدیث و فقہائے شیعہ میں سے تھے۔ غیبت صغریٰ میں امام زمانہ عج کی دعا کی برکت سے آپ کی ولادت ہوئی۔

آپ نے اپنے والد علی بن بابویہ، محمد بن حسن بن ولید، جعفر بن محمد قولویہ سے روایت کی ہے اور شیخ مفیدؒ، غضائری، ابن شاذان، شیخ ابو جعفر محمد دوریستی نے آپ سے روایت کی ہے۔ آپکی تالیفات کو علمانے تقریباً تین سو لکھا ہے۔ جن میں سے مشہور ترین "من لایحضرہ الفقیہ" "اکمال الدین واتمام النعمۃ" الخصال، التوحید، عیون اخبار الرضا، الامالی، معانی الاخبار، علل الشرائع، ہدایہ، مقنع ہیں۔ آپ کا مزار شہر رے میں دوستان اہل بیتؑ کی زیارت گاہ ہے۔

۲۳۔ ابوالقاسم جعفر بن محمد بن قولویہ قمی (۳۶۸ ھ ق) چوتھی صدی ہجری کے شیعہ مذہب کے بڑے محدث و فقیہ تھے۔ آپ نے کلینی، ابن عقدہ، علی بن بابویہ قمی (پدر شیخ صدوق) سے روایت کی ہے۔ شیخ مفید، نجاشی اور دیگر حضرات نے آپ سے روایت کی ہے۔

فقہ و حدیث میں آپ کی تالیفات موجود ہیں۔ کامل الزیارات آپ کی سب سے مشہور کتاب ہے۔

۲۴۔ محمد بن یعقوب بن اسحاق کلینی رازی مشہور بہ ثقۃ الاسلام (۳۲۸ - یا ۳۲۹ ھ ق) شیعہ مذہب کے بزرگ ترین محدث اور مشائخ اہل حدیث کے شیخ تھے۔ علم حدیث میں سرآمد روزگار تھے۔ تقریباً چالیس آدمیوں سے علم حدیث حاصل کیا۔

بہت سے بزرگوں نے مثلاً جعفر بن محمد قولویہ، ہارون بن موسیٰ تلعکبری نے آپ سے

Presented by www.ziaraat.com

حدیث نقل کی ہے۔

امامیہ مذہب کی کتب اربعہ کے مولفین میں سے کلینی سب سے پہلے مولف ہیں کہ سالہا سال (۲۵ سال مترجم) کی محنت کے بعد کافی کو تین حصوں میں (اصول، فروع، روضہ) اکٹھا کیا۔ آپ کی تالیفات میں کتاب الرجال، رسائل الائمہ، کتاب در رد قرامطہ، کتاب تعبیر الرؤیا ہے۔

۳۵۔ علی بن ابراہیم بن ہاشم قمی، محدث، مفسر، فقیہ تھے۔ آپ کا زمانہ تیسری صدی ہجری کے آخر اور چوتھی صدی ہجری کے اوائل پر مشتمل ہے۔ کلینی کے مشائخ میں ہیں۔ آپ کی تالیفات بہت زیادہ ہیں۔ مثلاً کتاب المناقب، قرب الاسناد، کتاب الشرائع، کتاب مغازی، کتاب الانبیاء، تفسیر القرآن، آپ کا مدفن قم میں ہے۔

۳۶۔ ابراہیم بن ہاشم قمی، یہ امام محمد تقی علیہ السلام کے اصحاب میں سے تھے۔ اور اصحاب ائمہ سے بہت روایت کی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ پہلا وہ شخص ہیں جنھوں نے قم میں کوفیوں کی احادیث نشر کی ہیں۔

کتاب نوادر اور قضایائے امیرالمومنینؑ آپ کی تالیفات میں سے ہیں۔

۳۷۔ حسین بن یزید نوفلی، شاعر و ادیب تھے۔ ری کے ساکن تھے۔ شیخ طوسیؒ نے اپنے رجال میں ان کو امام ہشتمؑ کے اصحاب میں سے شمار کیا ہے آپ کا انتقال بھی ری میں ہوا۔

۳۸۔ اسماعیل بن ابی زیاد سکونی، یہ سکّی تھے۔ امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے۔ شیخ طوسی رحمۃ اللہ علیہ نے عدۃ الاصول میں لکھا ہے: علمائے امامیہ نے ان کی روایتوں پر عمل کیا ہے۔ (جلد ۱، ص ۳۸)

۳۹۔ فروع کافی، جلد ۵، ص ۱۲ "کتاب الجہاد" "باب وجوب جہاد" حدیث ۲۔

۴۰۔ امام جعفر صادقؑ سے منقول ہے:

(خیر الدار الربیاۃ) بہترین سرحد چار سو افراد کا ہوتا ہے۔ وسائل الشیعہ جلد ۱۱۔ ص ۱۰۳ (کتاب الجہاد) باب ۵۲۔ حدیث ۱۔

۴۱۔ حاج ملّا ہادی سبزواری نے نفس کے اقسام ہفتگانہ کو اسفار کے حاشیہ (جلد ۸ ص ۳۶) پر اس ترتیب سے ذکر کیا ہے:

نفس، قلب، عقل، روح، سر، خفی، اخفیٰ۔

لیکن مرحوم شاہ اکبر آبادی نے اپنی کتاب "الانسان والفطرۃ" میں عقل کو قلب سے پہلے تحریر کیا ہے۔ لیکن صدر المتالہین نے اس طرح شمار کیا ہے:

طبع، نفس، قلب، عقل، روح، سر، خفی، البتہ مرتبہ اخفیٰ کو ذکر نہیں کیا ہے۔ اس کے بجائے "طبع" کو لکھا ہے (اسفار جلد ۷، ص ۳۶)

۴۲۔ انسانی عقل کے لئے چار مرتبہ شمار کیا گیا ہے۔

۱۔ عقل ہیولانی۔

Presented by www.ziaraat.com

۲۔ عقل بالملکہ
۳۔ عقل بالفعل
۴۔ عقل بالستفاد (شواہد الربوبیہ ص ۲۰۲ - ۲۰۷)

اسی طرح صدر المتالہین نے نفس انسان کو ہر دو عالم کی طرف اور پھر دونوں کو ظاہر و باطن کی طرف تقسیم کیا ہے کہ اس سے نفس کے لئے چار مرتبہ شمار کئے جا سکتے ہیں۔ (اسفار جلد ۷، ص ۳۶)

۴۳۔ ابو علی سینا نے قوائے نفس کو پہلی تقسیم میں تین مرتبہ میں قرار دیا ہے نفس نباتی، نفس حیوانی یا نفس انسانی۔ اور پھر دوسری تقسیم سگانہ ملک و ہفت خاوعقل کے مرتبہ کے اعتبار سے کیا ہے (لیکن امام خمینی (قدس سرہ) اسی حدیث کی شرح کرتے ہوئے نفس کے لئے تین مقام، تین مرتبے کے قائل ہوئے ہیں۔

مقام اول، مقام ملک و ظاہر و دنیائے نفس ہے۔
مقام دوم، باطن و ملکوت نفس ہے
مقام سوم، کی طرف حدیث کی شرح کرتے ہوئے آخر میں اشارہ فرمایا ہے اور اس کی شرح نہیں کی ہے اور وہی مقام عقل ہے۔ جیسا کہ شرح حدیث ۴۲ اربعین میں بیان کیا ہے۔

۴۴۔ دوسری مرتبہ کی تقسیم سے اشارہ ہے نفس کے ظاہر و باطن کی تقسیم کی طرف اور یا دوسری تعبیروں کے اعتبار سے ستر و علن، ملک و ملکوت، دنیا و آخرت کہا گیا ہے۔

۴۵۔ منازل السائرین، خواجہ عبداللہ انصاری ص ۱۳

۴۶۔ حسین بن عبداللہ بن سینا (حدود ۳۷۰ - ۴۲۷ یا ۴۲۸ ھ ق) یہ شخص "ابو علی سینا" اور "شیخ الرئیس" کے لقب سے مشہور تھا۔ اسلامی ممالک میں بے مثل تھا اور حکمائے مشائین میں شمار ہوتا تھا دیگر علوم میں بھی صاحب نظر تھا، فوق العادۃ صلاحیت کا مالک تھا۔ قوی ترین قوت حافظہ اس کی خصوصیت میں سے تھی۔ اسی وجہ سے بہت کم مدت میں اپنی تحصیلات کو مکمل کر لیا تھا۔ مختلف علوم میں اس شخص کی بے مثال تصنیفات ہیں۔

مثلاً الاشارات والتنبیہات جو منطق و طبیعیات و الٰہیات پر مشتمل ہے۔ جس کی بہت سی شرحیں لکھی گئی ہیں جن میں مشہور ترین شرح فخر رازی اور خواجہ نصیر الدین طوسی کی ہے، شفا اس میں بھی منطق، ریاضیات، طبیعیات و الٰہیات سے بحث ہے اور بڑی تفصیل سے لکھی گئی ہے۔ فلسفہ میں النجاۃ ہے۔ المبدء والمعاد ہے۔ طب میں قانون ہے، قصیدہ عینیہ ہے التعلیقات ہے۔

۴۷۔ شیخ الرئیس نے اشارات و تنبیہات کے نمط نہم و فصل ہفتم میں لکھا ہے۔ سیر عارفان کی پہلی درجہ کو "ارادہ" کہا جاتا ہے۔ اور یہ خداوند عالم کی طرف رسی کو محکم پکڑ لینا ہے اس لئے کہ یقین سے بلند ہو کر برہان سے مبنا ہو گیا ہے یا اس کی خودی کو ایمان سے سکون مل گیا۔ اور اس کے نتیجہ میں اس کا سر قدس کی طرف سیر کرتا ہے۔ اور پھر "روح اتصال" کو پا لیتا ہے، جب تک عارف اس زینہ پر رہتا ہے۔ اس کو مرید کہا جاتا ہے۔

Presented by www.ziaraat.com

۴۸۔ یہ رسولِ خدا کی اس حدیث کی طرف اشارہ ہے جس میں فرمایا گیا ہے۔
إِنَّ اللّٰهَ يَقُوْلُ أَعْدَدْتُ لِعِبَادِيَ الصَّالِحِيْنَ مَا لَا عَيْنٌ رَأَتْ وَلَا أُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلٰى قَلْبِ بَشَرٍ...
الحدیث خداوندِ عالم کا ارشاد ہے میں نے اپنے نیک بندوں کے لئے ایسی چیزوں کو مہیا کیا ہے جسے نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہے نہ کسی کان نے سنا ہے نہ کسی بشر کے دل میں اس کا خیال آیا ہے۔ مجمع البیان در تفسیر آیہ ۱۸ سورۂ سجدہ۔ بحار الانوار جلد ۸، ص ۱۹۸، کتاب العدل والمعاد ۲ (باب الجنۃ) حدیث ۱۶۸۔

۴۹۔ «يُحْشَرُ بَعْضُ النَّاسِ عَلٰى صُوَرٍ تَحْسُنُ عِنْدَهَا الْقِرَدَةُ وَالْخَنَازِيْرُ عِلْمُ الْيَقِيْنِ، ج، ص، ۱۰۱

۵۰۔ قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِي أَعْمٰى وَقَدْ كُنْتُ بَصِيْراً. قَالَ كَذٰلِكَ أَتَتْكَ آيَاتُنَا فَنَسِيْتَهَا وَكَذٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْسٰى. (طٰہٰ). ۱۲۵-۱۲۶۔

۵۱۔ میرزا احمد علی بن محمد جواد حسینی آبادی اصفہانی شاہ آبادی (۱۲۹۲ - ۱۳۶۹ ھ ق) فقیہ، اصولی، عارف اور چودھویں صدی ہجری کے برجستہ ترین فلسفی تھے۔ آپ کی تعلیم حوزہ علمیہ اصفہان، تہران، نجف اشرف میں مکمل ہوئی تھی۔ آپ کے اساتذہ میں آپ کے بھائی شیخ احمد، میرزا محمد ہاشم چہار سوقی اصفہانی میں، میرزا ہاشم اشکوری، میرزا حسن آشتیانی، تہران میں، اخوند خراسانی، شریعت اصفہانی، میرزا محمد تقی شیرازی نجف اشرف میں تھے۔ اپنے تدریس کے فرائض ابتداء میں سامراء میں پھر قم و تہران میں انجام دیے، قم میں (۱۳۴۷ - ۱۳۵۴ ھ ق) کے درمیان امام خمینی قدس سرہ بھی آپ کے درسِ اخلاق و عرفان میں شریک ہوتے تھے۔ امام خمینی قدہ بڑے احترام سے ان کا ذکر فرمایا کرتے تھے۔ مرحوم شاہ آبادی قم سے مراجعت کے بعد تہران میں قیام پذیر ہو گئے تھے اور نفوس کو ارشاد و ہدایت کرتے رہتے۔ تہران ہی میں انتقال ہوا۔ اور حضرت عبد العظیم حسنی کے جوار میں مقبرہ ابو الفتوح رازی کے اندر مدفون ہوئے۔ آپ کی تالیفات میں شذرات المعارف، الانسان والفطرۃ، القرآن والقرۃ، الایمان والرجعۃ منازل السالکین، حاشیہ بر کفایہ ہے۔

۵۲۔ اشعحات البحار، کتاب الانسان والفطرۃ۔

۵۳۔ سورۂ کہف: آیت ۴۹

۵۴۔ «عَنْ أَبِي عَبْدِاللّٰهِ (ع) قَالَ: إِنَّ فِي جَهَنَّمَ لَوَادِياً لِلْمُتَكَبِّرِيْنَ يُقَالُ لَهُ، «سَقَرٌ» شَكٰى إِلَى اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ شِدَّةَ حَرِّهِ وَسَأَلَهُ أَنْ يَأْذَنَ لَهُ أَنْ يَتَنَفَّسَ. فَتَنَفَّسَ فَأَحْرَقَ جَهَنَّمَ.» اصول کافی جلد ۲ ص ۳۱۰، «کتاب ایمان و کفر» باب کبر حدیث ۱۰۔

۵۵۔ عَنْ أَبِي عَبْدِ اللّٰهِ (ع) إِنَّ الْحَسَدَ يَأْكُلُ الْإِيْمَانَ كَمَا تَأْكُلُ النَّارُ الْحَطَبَ۔ اصول کافی جلد ۲ ص ۳۰۷، «کتاب ایمان و کفر» باب حسد، حدیث ۲

۵۶۔ عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ (ع) قَالَ: مَا ذِئْبَانِ ضَارِيَانِ فِي غَنَمٍ لَيْسَ لَهَا رَاعٍ، هٰذَا فِي أَوَّلِهَا وَهٰذَا فِي آخِرِهَا بِأَسْوَءَ فِيْهَا مِنْ حُبِّ الْمَالِ وَالشَّرَفِ فِي دِيْنِ الْمُؤْمِنِ۔ اصول کافی جلد ۲، ص ۳۱۵، کتاب ایمان و کفر» باب حُبِّ الدنیا والحرص علیہا، حدیث ۳-۳

Presented by www.ziaraat.com

۵۷۔ صدرالمتالہین اور دیگر حکمان الٰہی نے اس حقیقت کو اپنے اسفار علمی میں بیان کیا ہے۔ اسفار جلد ۱ ص ۴۵۔ ۶۵۔ ۶۹۔

۵۸۔ سورۂ زمر آیت ۵۶

۵۹۔ سورۂ حج آیت ۲

۶۰۔ علم الیقین، مقصد ۴، باب ۱۵، فصل ۱ ص ۱۰۲۲

۶۱۔ ابن مسکویہ نے اپنی کتاب تہذیب الاخلاق و تطہیر الاعراق (باب تہور و جبن) ص ۱۶۲ میں اس کلام کو بقراط سے نقل کیا ہے۔

۶۲۔ بحار الانوار جلد ۲ ص ۱۲۸

۶۳۔ بحار الانوار جلد ۲ ص ۱۲۸

۶۴۔ یہ سورہ ذاریات کے ۵۶ ویں آیت کی طرف اشارہ ہے۔ «ما خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ» اس آیت میں عبادت کی تفسیر معرفت سے کی گئی ہے۔ امام حسینؑ سے ایک حدیث منقول ہے اس میں حضرت نے فرمایا «أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ ذِكْرُهُ مَا خَلَقَ الْعِبَادَ إِلَّا لِيَعْرِفُوهُ» اے لوگوں خداوند عالم نے اپنے بندوں کو صرف اپنی معرفت حاصل کرنے کیلئے خلق فرمایا ہے۔ علل الشرائع، جلد ۱ ص ۹، باب ۹، حدیث ۱۔

www.ziaraat.com
Sabeel-e-Sakina

Presented by www.ziaraat.com

دوسری حدیث

«بالسَّنَدِ المُتَّصِلِ إلى مُحَمَّدِبْنِ يَعْقُوبَ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ إبْراهِيمَ، عَنْ أبِيهِ، عَنْ أبِي المَغْرا، عَنْ يَزِيدَ بْنِ خَلِيفَةَ، قالَ: قالَ أبُو عَبْدِاللّٰهِ، عَلَيْهِ السَّلامُ: كُلُّ رِياءٍ شِرْكٌ. إنَّهُ مَنْ عَمِلَ لِلنّاسِ كانَ ثَوابُهُ عَلَى النّاسِ؛ وَمَنْ عَمِلَ لِلّٰهِ كانَ ثَوابُهُ عَلَى اللّٰهِ.»[1]

یہ سند مذکور یزید بن خلیفہ نے امام جعفر صادق علیہ السلام کی حدیث نقل کی ہے کہ حضرتؑ نے فرمایا:

"ہر ریاکاری شرک ہے۔ جو کام لوگوں کے لئے ہوگا اس کا ثواب بھی لوگوں پر ہوگا اور جو کام خدا کے لئے ہوگا اس کا ثواب بھی خدا پر ہوگا۔"

ریاکاری اور اس کے درجات

شرح: لوگوں کے دلوں میں عزت و منزلت حاصل کرنے کے لئے اور ان کی نظر میں

Presented by www.ziaraat.com

شہرت حاصل کرنے کے لئے خدا کے لئے نہیں بلکہ لوگوں کو دکھانے کے لئے اچھے اعمال کرنا پسندیدہ صفات کا یا عقائدِ حقہ کا بحسن و خوبی صحت و امانت و دیانت سے بجالانا ریاکاری کہلاتا ہے۔

ریاکاری کا تحقق چند مقامات پر ہوتا ہے

مقامِ اوّل: اس کے دو درجہ ہیں

پہلا درجہ:

عقائدِ حقہ اور معارفِ الٰہیہ کا اظہار صرف اس لئے کرنا کہ اس کے دینداری کی شہرت ہو جائے اور لوگوں کے دلوں میں اس کا احترام پیدا ہو جائے مثلاً کوئی یہ کہے: میں کائنات کے اندر خدا کے علاوہ کسی کو وجود میں موثر نہیں مانتا۔ یا یہ کہے: میں خدا کے علاوہ کسی پر بھی بھروسہ نہیں رکھتا۔ یا اشارے و کنایہ سے دوسروں پر اپنے صحیح عقائد کا اظہار کرے۔ یہی دوسرا طریقہ زیادہ رائج ہے۔ مثلاً اپنی گفتگو میں خدا پر بھروسہ اور قضائے الٰہی پر رضامندی کا بہت ذکر کرتا ہو یا کارِ ایک آہ سرد بھر کر) یا سر کو جھٹکا دے کر اپنے کو انھیں لوگوں میں شمار کرانے کی کوشش کرتا ہے۔

دوسرا درجہ:

یہ ہے کہ باطل عقائد کو اپنے سے دور کرے اور اپنے نفس کا تزکیہ کرے مگر اس کا مقصد صرف لوگوں کے دلوں میں جاہ و منزلت حاصل کرنا ہو۔ چاہے وہ صریحی طور سے کہے یا اشارے و کنایہ میں۔

مقامِ دوم: اس کے بھی دو درجہ ہیں

پہلا درجہ:

اچھے خصائل اور بہترین و افضل ملکات کا اسی مقصد سے اظہار کرے۔

دوسرا درجہ:

بُری عادتوں سے بچے اور ان سے نفس کو پاک و پاکیزہ رکھے مگر مقصد وہی ہو۔

Presented by www.ziaraat.com

مقام سوم

مشہور ریاکاری جو ہمارے فقہاء کرام رضوان اللہ علیہم کے یہاں معروف ہے اس کے بھی
یہی دو درجہ ہیں۔

۱۔ لوگوں کے دکھانے اور جلب قلوب کے لئے شرعی عبادتوں و اعمال کو یا میلانات عقلی
کو بجالاتا ہے۔ خواہ ذات عمل کو ریاکاری کی نیت سے کرتا ہو یا اس کی کیفیت، شرط یا جزء کو اس
طرح بجالاتا ہو جس طرح فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے۔

۲۔ اسی قصد و ارادہ سے کسی عمل کو ترک کرتا ہو۔

ہم اس کتاب میں انھیں تینوں مقامات کے بعض مفاسد کی تشریح کریں گے۔ اور جو
میری نظر میں اس کا علاج ہے۔ مختصر طور سے اس کا بھی ذکر کریں گے۔

مقام اوّل (ریاکاری)

اس میں چند فصول ہیں

پہلی فصل

مذہبی عقائد میں ریاکاری

ریاکاری کے جملہ اقسام میں سب سے بدترین ریاکاری اصولی عقائد اور معارف الٰہی
میں ریا ہے۔ اس کا انجام سب سے بدتر اور اس کی تاریکی تمام ریاکاریوں کی تاریکی سے زیادہ
اور سخت ہے۔

اگر کوئی شخص ایسے عقائد و تصورات کا سچے دل سے معتقد نہ ہو جن کا اظہار وہ محض
دوسروں کے دکھانے کے لئے کرتا ہے تو اس کا شمار منافقین میں ہے اور اس کی سزا دائمی جہنم ہے
اور اس کے لئے ابدی ہلاکت ہے اور اس کے لئے سب سے زیادہ شدید عذاب ہے۔ اور اگر وہ

Presented by www.ziaraat.com

معتقد تو ہے مگر لوگوں کی نظر "اور دل" میں عظمت و منزلت حاصل کرنے کی خاطر اس کا مظاہرہ کرتا ہے تو اگرچہ وہ منافق نہیں ہے لیکن اس ریا کی وجہ سے نورِ ایمان اس کے دل سے چلا جائے گا اور اس کی جگہ دل میں کفر کی تاریکی لے لے گی۔ ایسا شخص بنیادی طور سے مشرک ہے لیکن اس کا شرک خفی ہے۔ کیونکہ اصولی عقائد و معارفِ الٰہی میں اس کا خالص خدا کے لئے ہونا لازمی شرط ہے۔

اور اس شخص نے اپنے عقائد کو لوگوں کی تحویل میں دینے اور دوسرے کو اس میں شریک بنانے اور شیطان کے تصرف میں کرنے کا بہت بڑا جرم کیا ہے۔ اس کا دل خدا کے لئے مخصوص نہ رہ گیا۔

میں کسی فصل میں بیان کروں گا کہ ایمان محض علم کا نام نہیں ہے بلکہ اس کے لئے قلبی تعلق بہت ضروری ہے۔ جیسا کہ خود حدیث شریف میں آیا ہے: "ہر ریا شرک ہے" مگر یہ ہلاک کرنے والی مصیبت، تاریک بیرت، خبیث ملکہ انسان کو اس منزل تک پہونچا دیتا ہے کہ اس کا خانۂ دل غیرِ خدا کے لئے مخصوص ہو جاتا ہے۔ اور پھر رفتہ رفتہ اس بری خصلت کی تاریکی انسان کو اس منزل تک پہونچا دیتی ہے کہ وہ دنیا سے بے ایمان جاتا ہے۔ اور یہ خیالی ایمان (درحقیقت) ایک جسمِ بے روح، ایک صورتِ بے معنیٰ، ایک بے مغز کا چھلکا ہوتا ہے جو خدا کے نزدیک قابلِ قبول نہیں ہے جیسا کہ اس فرمان کی طرف کافی کی اس حدیث میں اشارہ موجود ہے۔ جو علی بن ابراہیم سے مروی ہے۔

"قالَ: سَمِعْتُ أَبَا عَبْدِاللّٰهِ، عَلَيْهِ السَّلام، يَقُولُ: قَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ: أَنَا خَيْرُ شَرِيكٍ؛ مَنْ أَشْرَكَ مَعِي غَيْرِي فِي عَمَلٍ عَمِلَهُ، لَمْ أَقْبَلْهُ إِلَّا مَا كَانَ لِي خَالِصاً۔"

راوی کہتا ہے۔ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام کو فرماتے ہوئے سنا کہ خدا کہتا ہے: "میں سب سے بہتر شریک ہوں۔ اگر کوئی شخص اپنے کسی کام میں میرے علاوہ دوسرے کو بھی شریک قرار دیدے تو میں اس عمل کو قبول نہیں کرتا ہوں۔ میں صرف اس عمل کو قبول کرتا ہوں جو خالص میرے لئے ہوتا ہے۔

یہ سب ہی کو معلوم ہے کہ غیر خالص عمل کو خدا قبول نہیں کرتا۔ اس کو اس شخص کے

Presented by www.ziaraat.com

حوالہ کر دیتا ہے جس کے لئے وہ عمل کیا گیا ہے۔ اس لئے قلبی اعمال کو خالص ہونا چاہیے ورنہ وہ شرک سے نکل کر حدِ کفر میں داخل ہو جاتا ہے۔ بلکہ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ یہ شخص بھی منافقین میں سے ہے۔ جس طرح اس کا شرک خفی ہے اس کا نفاق بھی خفی ہے۔ (حالانکہ) اس بے چارے کو یہی گمان رہا کہ وہ مومن ہے (مگر) وہ تو ابتدا ہی سے مشرک تھا اور نتیجہ میں منافق ہے۔ اور منافق کا مذاب اس کو بہر حال چکھنا ہوگا۔ اور وائے ہو اس شخص کی حالت پر جس کے کام کا انجام نفاق پر تمام ہو۔

دوسری فصل

علم و ایمان کا فرق

ایمان ایک الگ چیز ہے اور معرفت، وحدانیت، دیگر صفات کمالیہ (صفات) ثبوتیہ وجلالیہ وسلبیہ کا علم ملائکہ و آسمانی کتابوں، رسولوں اور قیامت کا علم الگ چیز ہے کیونکہ یہ ہو سکتا ہے کہ ایک آدمی ان تمام چیزوں کا علم رکھتا ہو مگر مومن نہ ہو۔ شیطان ان تمام مراتب کا (کم از کم) ہمارے آپ کے برابر عالم ہے مگر اس کے باوجود کافر ہے۔ (درحقیقت) ایمان ایک قلبی عمل ہے اگر ایمان کا تعلق دل سے نہ ہو تو پھر وہ ایمان نہیں ہے۔

اگر کوئی شخص دلیل عقلی کے ذریعہ سے یا دینی ضرورت کی بنا پر کسی چیز کا علم حاصل کرے تو پھر دل سے بھی اس کو قبول کرے۔ اور قلبی عمل جو ایک قسم کا مان لینا (اور اس کے سامنے) سر تسلیم خم کرنا ہے اور قبول کرنا اور عقیدت سے سر جھکانا ہے اس کو بھی انجام دے تاکہ مومن ہونے کے کامل ہونے کی دلیل اطمینان قلب کا حصول ہے۔ نور ایمان جتنا قوی ہوگا دل کو اتنا ہی اطمینان حاصل ہوگا۔ اور یہ تمام چیزیں علم کے علاوہ ہیں۔

یہ بھی ممکن ہے کہ برہان و دلیل کے ذریعہ آپ کی عقل ایک چیز کا ادراک کرے مگر آپ کا دل اس کو قبول کرنے پر آمادہ نہ ہو تو وہ علم بیکار و بے فائدہ ہے۔ مثلاً آپ نے اپنی عقل کے ذریعہ یہ ادراک کر لیا کہ مردہ کسی کو نقصان نہیں پہونچا سکتا اور دنیا کے سارے مردے ایک مکھی کے پر کے برابر بھی حس و حرکت پر قادر نہیں ہیں (اس لئے کہ) اس کے تمام جسمانی و نفسانی قویٰ اس سے جدا ہو چکے

Presented by www.ziaraat.com

ہیں۔ لیکن اگر اس مطلب کو آپ کے دل نے قبول نہیں کیا ہے تو آپ کسی تاریک رات میں ایک مُردہ کے پہلو میں شب بسر نہیں کر سکیں گے اور اگر آپ کے دل نے اس کو قبول کر لیا ہے تو یہ کام آپ کے لئے کوئی مشکل نہیں ہے۔ اور اگر کہیں آپ نے چند بار عقل کی تسلیم کردہ بات پر عمل بھی کر لیا ہے تو پھر مُردہ کے ساتھ رات بسر کرنا آپ کے لئے معمولی بات ہوگی۔

پس اس سے پتہ چلا کہ تسلیم و سپردگی جو لذتِ قلب ہے وہ اس علم کے علاوہ ہے۔ جو "لذتِ عقل" ہے۔ ممکن ہے کہ انسان دلیل و برہان سے خدا کا وجود، اس کی وحدانیت، معاد اور دیگر عقائدِ حقہ کا اثبات کر سکے۔ لیکن اس (اثباتِ عقائد) کو ایمان نہیں کہہ سکتے اور نہ اس شخص کو مومن کہہ سکتے ہیں۔ ہو سکتا ہے اس شخص کا شمار کفار یا مشرکین یا منافقین میں ہو۔ مثلاً آج آپ کی چشمِ دل بستہ ہے اور آپ ملکوتی بصارت نہیں رکھتے اور دنیاوی آنکھ اس کا ادراک نہیں کر سکتی، اس لئے جب پردہ اُٹھے گا اور الٰہی حکومت کا ظہور ہوگا۔ کائنات ختم ہو جائے گی۔ حقیقت سامنے آئے گی تب تم کو پتہ چلے گا کہ تم خدا پر ایمان نہیں رکھتے تھے اور تمہاری عقل کا یہ حکم تمہارے ایمان سے کوئی تعلق نہیں رکھتا تھا (اس لئے) جب تک انسان کی صاف و شفاف لوحِ دل پر عقل کے قلم سے لا الٰہ الا اللہ لکھا نہ جائے۔ انسان وحدانیت خدا کا مومن نہیں ہو سکتا۔ اور جب کلمہ طیبہ قلب میں سما جاتا ہے تو انسان کے دل کی دنیا خود بخود مملکتِ خدا ہو جاتی ہے اور پھر انسان حق کی حکومت میں کسی دوسرے کو مؤثر نہیں مانتا اور نہ کسی اور سے جاہ و جلال کی توقع رکھتا ہے اور نہ دوسروں سے منزلت و شہرت کا طالب ہو سکتا ہے۔ اس کے بعد دل نہ ریاکار ہوتا ہے نہ چاپلوس!

لہٰذا اگر اپنے دل میں ریا دیکھو تو سمجھ لو کہ تمہارے دل نے عقل کی بات نہیں مانی اور ایمان تمہارے دل میں ضوفشاں نہیں ہوا۔ اور تم دوسرے کو خدا اور مؤثر عالم مانتے ہو۔ اور تمہارا شمار منافقین یا مشرکین یا کفار میں ہے۔

تیسری فصل

ریا کی برائیاں

اے ریاکار انسان! تو نے سچے عقائد اور الٰہی معارف کو دشمنِ خدا، شیطان "کے حوالہ کر دیا

Presented by www.ziaraat.com

جو چیزیں خدا کے لئے مخصوص تھیں تو نے ان کو دوسروں کے سپرد کر دیا۔ جو انوار روح و قلب کو روشنی بخشنے والے تھے، سرمایہ نجات و سعادت ابدی کا باعث تھے، لقائے الٰہی کا سرچشمہ اور محبوب حقیقی کے جوار کے بیج تھے ان کو تو نے وحشت ناک تاریکیوں، شقاوت و ہلاکت ابدی، محبوب کے ساحت قدس سے بُعد اور لقائے باری کی دوری سے بدل لیا۔ اب تو ان تاریکیوں کے لئے تیار ہو جا جس کے بعد کوئی نور نہ ہوگا اور ان تنگیوں کے لئے آمادہ ہو جا جس کے بعد کوئی وسعت نہ ہوگی۔ ایسی بیماریوں کے لئے مہیا ہو جا جن کے لئے شفا نہیں ہے۔ ایسی موت کے لئے تیار ہو جا جس کے بعد زندگی نہیں ہے۔ ایسی آگ (کو برداشت کرنے) کے لئے آمادہ ہو جاؤ جو قلب کے اندر سے اُٹھے گی اور روح و بدن کو اس طرح جلائے گی جس کا تصور بھی میرا اور تیرا دل نہ کر سکے گا۔ (نہ سوچ سکے گا۔)

جیسا کہ خدا نے اپنی کتاب کے مندرجہ ذیل آیت میں فرمایا ہے۔

«نَارُ اللّٰهِ الْمُوقَدَةُ الَّتِي تَطَّلِعُ عَلَى الْأَفْئِدَةِ»

"وہ خدا کی بھڑکائی ہوئی آگ ہے جو (تلوے سے نکلی تو) دلوں تک چڑھ جائے گی۔"

آتش الٰہی کے علاوہ کوئی بھی آگ دل کو جلانے والی نہیں ہے۔ اگر فطرت توحید ہاتھوں سے نکل گئی جسے فطرۃ اللہ کہا گیا ہے اور اس کی جگہ کفر و شرک کا قبضہ ہو گیا تو پھر ایسے انسان کو شفاعت کرنے والوں کی شفاعت بھی فائدہ نہ پہونچا سکے گی اور وہ دائمی عذاب میں مبتلا رہے گا اور وہ بھی کیسا عذاب؟ جو عذاب قہر الٰہی اور غیرت خداوندی کا نتیجہ ہوتا ہے۔

اس لئے اے عزیز! صرف ایک خیال باطل کے لئے ایک معمولی سی مقبولیت کے لئے اور وہ بھی خدا کے کمزور اور بے بس بندوں کے درمیان اور مجبور و ناچار انسانوں کی تھوڑی سی توجہ حاصل کرنے کے لئے اپنے کو قہر و غضب الٰہی کا مستحق نہ بنا اور خدا کی محبتوں اور غیر متناہی کرامتوں کو ان معمولی چیزوں کے عوض بیچ نہ دے۔

ربوبیت کے الطاف و مراحم خسروانہ کے مقابلہ میں دنیا کی نظروں میں محبوبیت کا کوئی فائدہ نہیں ہے اور اس سے حسرت و ندامت کے علاوہ کچھ بھی نہ پائے گا۔ جب اس دنیا سے تیرے اعمال کا سلسلہ قطع ہو جائے گا تو پشیمانی کے علاوہ تجھ کو کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ بلکہ اس کے بعد اگر خدا کی طرف رجوع کرے گا جب بھی بے فائدہ ہوگا۔

Presented by www.ziaraat.com

چوتھی فصل

ریاکی بیخ کنی کا علمی طریقہ

یہاں پر ہم بعض ایسی چیزوں کا ذکر کرنا چاہتے ہیں جو یہاں پر اور دوسرے مقامات پر قلبی بیماری کے لئے مفید ہیں۔ اور یہ چیزیں اصول عقل کے ساتھ ساتھ مکاشفہ واخبار معصومین و قرآن کے بھی مطابق ہیں۔ اور اس کو تمہاری عقل بھی ماننے پر مجبور ہے۔ اور وہ یہ ہیں۔

چونکہ قدرت الٰہی تمام موجودات پر محیط ہے اور اس کی سلطنت تمام کائنات میں پھیلی ہے اور اس کی قبولیت کا احاطہ تمام ممکنات پر ہے۔ اس لئے تمام بندوں کے دل اس کے زیر تصرف ہیں۔ اور اس کی قوت تخلیق کی اجازت کے بغیر کوئی بھی شخص اس کی سلطنت میں تصرف نہیں کر سکتا۔ بلکہ خود صاحبان دل بھی اس کی مشیت و اجازت کے بغیر (اپنے) دلوں پر تصرف نہیں کر سکتے۔ اشارتاً و کنایتاً و صراحتاً اس مطلب کی طرف قرآن اور اخبار اہل بیتؑ میں اس کا ذکر کیا گیا ہے۔

پس پروردگار عالم ہی (تمہارے) دل کا مالک اور اس پر تصرف کرنے والا ہے۔ اور آپ جو خدا کے ایک ضعیف و عاجز بندے ہیں خود بھی مشیت الٰہی کے بغیر اپنے دلوں پر تصرف نہیں کر سکتے۔ بلکہ اس کا ارادہ آپ کے اور تمام موجودات کے ارادوں پر غالب و حاکم ہے۔ اس لئے اگر تمہاری ریاکاری و چاپلوسی لوگوں کے دلوں کو اپنی طرف کھینچنے کے لئے ہے اور دلوں میں اپنی قدر و منزلت بڑھانے کے لئے ہے اور نیکی میں شہرت حاصل کرنے کے لئے ہے تو یہ بات بالکلیہ آپ کے امکان سے خارج اور خدا کے بس میں ہے۔ پروردگار عالم دلوں کو اور دلوں کے مالکوں کو جس طرف چاہتا ہے متوجہ کر دیتا ہے۔ بلکہ یہ بھی ممکن ہے کہ نتیجتاً (آپ کے مقصد کے) بالکل ہی برخلاف ہو۔ کیونکہ ہم نے سنا بھی ہے اور دیکھا بھی ہے کہ ریاکار و منافق قسم کے لوگ جن کے دل پاک نہیں تھے وہ ذلیل و رسوا بھی ہوئے ہیں وہ جو چاہتے تھے نتیجتاً اس کے برخلاف نکلا۔

چنانچہ کافی میں اسی مطلب کی طرف اشارہ کیا گیا ارشاد ہوتا ہے:

جراح مدائنی نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے خداوند عالم کے اس قول: عَنْ جَرَّاحٍ الْمَدَائِنِيِّ، عَنْ أَبِي عَبْدِاللّٰهِ، عَلَيْهِ السَّلَامُ،

Presented by www.ziaraat.com

فِي قَوْلِ اللّٰهِ، عَزَّ وَجَلَّ: «فَمَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلاً صَالِحاً وَلاَ يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَداً.» قَالَ عَلَيْهِ السَّلاَمُ: اَلرَّجُلُ يَعْمَلُ شَيْئاً مِنَ الثَّوَابِ لاَ يَطْلُبُ بِهِ وَجْهَ اللّٰهِ، إِنَّمَا يَطْلُبُ تَزْكِيَةَ النَّاسِ، يَشْتَهِي أَنْ يَسْمَعَ بِهِ النَّاسُ، فَهٰذَا الَّذِي أَشْرَكَ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ. ثُمَّ قَالَ: مَا مِنْ عَبْدٍ أَسَرَّ خَيْراً فَذَهَبَتِ الْأَيَّامُ أَبداً حَتّٰى يُظْهِرَ اللّٰهُ لَهُ خَيْراً، وَمَا مِنْ عَبْدٍ يُسِرُّ شَرّاً فَذَهَبَتِ الْأَيَّامُ أَبداً حَتّٰى يُظْهِرَ اللّٰهُ لَهُ شَرّاً.»

جو شخص خواہش مند ہو کہ اپنے پروردگار کے سامنے حاضر ہونا ہے اس کو اچھے کام کرنا چاہیئے اور خدا کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے۔ کے بارے میں پوچھا تو حضرت نے فرمایا: (اس کا مطلب ہے) انسان کوئی کارِ ثواب کرے مگر وہ خدا کے لئے نہ ہو بلکہ اس کا مقصد یہ ہو کہ لوگ سن کر اس کو پارسا پرہیزگار خیال کریں تو گویا اس نے اپنی عبادت میں شریک قرار دیا۔ اس کے بعد فرمایا: اگر کوئی شخص (صرف خدا کے لئے) کوئی کام چھپا کر کرے تو کچھ دن گزرنے کے بعد خدا اس کی نیکیوں کو ظاہر کر کے رہتا ہے۔ (اسی طرح) جو بھی انسان اپنے بُرے اعمال کو ہمیشہ چھپاتا رہے پھر بھی خدا کبھی نہ کبھی اس کی برائیوں کو ظاہر کر دیتا ہے۔

پس اے عزیز! اپنے خدا سے نیک نامی کو چاہو۔ لوگوں کے دلوں کو جذب کرنا چاہتے ہو تو دلوں کے مالک سے اس کی خواہش کرو۔ تم ہر کام خدا کے لئے کرو۔ خداوند عالم آخرت میں تم پر عنایت و کرم کرے اور تم کو عالم آخرت کی نعمتوں سے نوازنے کے علاوہ اس دنیا میں بھی تم پر اپنی نوازشیں کرے گا۔ تم کو محبوب القلوب بنا دے گا۔ دلوں میں تمہاری عزت زیادہ کریگا۔ دونوں عالم میں تم کو سربلند کرے گا۔

اور اگر کہیں تم ریاضت و زحمت سے اپنے دل کو اس محبت سے بھی بالکلیہ خالص کر لو۔ باطن کو پاک و پاکیزہ کر لو، تب تو اس اعتبار سے بھی تمہارا عمل خالص ہو جائے گا۔ دل خدا کی طرف متوجہ ہو جائے گا۔ روح کثافتوں اور آلائشوں سے پاک و صاف ہو جائے گی۔ نفس کی کدورت دور ہو جائے گی۔

(خدا کے مقابلہ میں) کمزور و ناتواں بندوں کی محبت و نفرت، بندگانِ الٰہی کے نزدیک شہرت کا آخر کیا فائدہ ہے؟ اور اگر بالفرض کوئی فائدہ ہو بھی تو ایک جزئی و (عارضی) فائدہ ہے۔

Presented by www.ziaraat.com

(یہ بھی تو) ممکن ہے کہ طلب شہرت و نیک نامی کی وجہ سے تمہارے کاموں میں ریا کا عنصر شامل ہو جائے۔ جو خدانخواستہ تم کو مشرک و منافق و کافر بنا دے۔

(جس کے نتیجہ میں) اگر تمہاری اس دنیا میں رسوائی نہ بھی ہوئی۔ پھر بھی دوسری دنیا میں عدل الٰہی کے حضور میں، خدا کے نیک بندوں کے سامنے انبیائے عظام و ملائکہ مقربین کے سامنے تو بہرحال ذلت و رسوائی ہوگی (شرم سے) سر نیچا کرنا پڑے گا۔ اور اس دن تم اپنے کو بے بس و لاچار و بے چارہ پاؤ گے۔ اس دن کی رسوائی کا تو تم تصور بھی نہیں کر سکتے کہ کیسی رسوائی ہوگی؟ اس جگہ کی ہر گمشدگی کو تو بس خدا جانتا ہے کہ یہ سرشکستگی اپنے پیچھے کتنی بھیانک تاریکیاں لائے گی۔ وہ دن ایسا ہوگا کہ بقول پروردگار عالم: کافر کہے گا "اے کاش میں مٹی ہوتا"۔

اے بے بس (انسان) ایک معمولی سی لوگوں کی حصول محبت کے لئے، ایک بے فائدہ شہرت کی خاطر تو نے کیسی کرامتوں کو کھو دیا، مرضی الٰہی کو اپنے ہاتھ سے نکل جانے دیا، اپنے کو غضب الٰہی کا مستحق بنا لیا، جن اعمال کے ذریعہ کرامت حاصل کرتا، ابدی و دائمی خوشی حاصل کرتا، بہشت کے اعلیٰ علیین میں اپنے لئے جگہ حاصل کرتا۔ ان کے بدلے شرک و نفاق کی تاریکیوں کو اپنے لئے حسرت و ندامت کو، عذاب شدید کو مہیا کر لیا، اور اپنے کو مستجین بنا لیا۔ اصول کافی کے اندر ایک روایت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے جس میں حضرت نے فرمایا: رسول خدا کا ارشاد ہے: "جب فرشتہ کسی بندے کے اعمال کو خوشی سے اوپر لے جاتا ہے تو جیسے ہی وہ اس کے نیک کاموں کو لے کر اوپر پہونچتا ہے خدا کہتا ہے "اس کے اعمال کو سجین میں ڈال دو۔ اس لئے کہ اس نے ان اعمال کو صرف میرے لئے نہیں انجام دیا"۔

میں اور تم تو اس حالت میں سجین کا تصور نہیں کر سکتے اور نہ فاسق و فاجر لوگوں کے دیوان عمل کو سمجھ سکتے ہیں اور نہ ان اعمال کی (اصلی) صورتوں کو جو سجین میں ہوں گی دیکھ سکتے ہیں اور جب حقیقت امر کو دیکھیں گے تو (وقت گزر چکا ہوگا) ہمارے ہاتھ کوتاہ ہو چکے ہوں گے، راہ چارہ و تدبیر ختم ہو چکی ہوگی۔

(اس لئے) اے عزیز بیدار ہو جاؤ اور غفلت و مستی کو اپنے سے دور کر دو، اپنے اعمال کو عقل کی ترازو میں تول لو اس سے پہلے کہ اس عالم میں تولے جائیں۔ تمہارا حساب کیا جائے اس سے پہلے تم خود اپنا حساب کر لو، اپنے آئینہ دل کو شرک و نفاق سے پاک کر لو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ کفر و شرک کا اس پر ایسا زنگ لگ جائے۔ جس کو دوسری دنیا کے آتشیں شعلے بھی ختم نہ کر سکیں۔ ایسا نہ

Presented by www.ziaraat.com

کرو کہ نہ فطرت قلب پر کفر سے بدل جائے۔

وفطرۃ اللّٰہ التی فطر الناس علیہا۔

یہی خدا کی وہ فطرت ہے جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے۔

ایسا نہ کرنا کہ یہ فطرۃ اللہ برباد ہو جائے۔ امانت الٰہی میں (اب اتنی بھی) خیانت نہ کرو۔ اپنے دل کو (اتنا) پاک کر لو کہ جمال حق کا نور اس میں جلوہ افگن ہو سکے۔ اور (پھر) تم کو دنیا و مافیہا سے بے نیاز کر دے، محبت الٰہی کی آگ دل میں روشن ہو کر تمام دنیوی محبتوں کو اس طرح جلا دے گی کہ پورے عالم کے لئے ایک لحظہ بھی نہ لگے گا۔ اور ذکر الٰہی و یاد خدا سے وہ لذت تم کو حاصل ہو گی جس کے مقابلہ میں تمام حیوانی لذتیں بازیچۂ اطفال معلوم ہوں گی اور اگر تم اس مقام کے اہل نہیں ہو اور یہ مطالب تم کو عجیب (و غریب) معلوم ہوتے ہیں تو (کم از کم) دوسری دنیا کی اُن الٰہی نعمتوں کو جن کی خبر قرآن نے اور ائمہ معصومین کی حدیثوں نے دی ہے۔ اپنے ہاتھ سے تو نہ جانے دو۔ اور چند روزہ موہوم کی شہرت اور خدا کی مخلوق کے دل میں جگہ پانے کے لئے ان تمام ثواب کو ضایع و برباد تو نہ کرو۔ اپنے کو خدا کی کرامتوں سے محروم تو نہ کرو، سعادت ابدی کو شقاوت دائمی سے تو نہ بدلو۔

پانچویں فصل

خلوص عمل

یہ سوچو کہ وہ خدا جو حقیقی مالک الملوک ہے اور واقعی ولی نعمت ہے اسی نے ہم کو یہ تمام کرامتیں عطا فرمائی ہیں اور یہ سارے انتظامات ہمارے لئے کئے ہیں کہ ہمارے اس دنیا میں آنے سے پہلے ہم کو ایک ایسی غذا سے جس میں صالح اور مناسب اجزاء موجود ہیں اور ہمارے ضعیف بدن کے لئے نہایت ہی موزوں ہے اس سے نوازا، ہمارے لئے تربیت کرنے والے اور ذاتی و فطری طور سے محبت کرنے والے، بے لوث خدمت کرنے والے (ماں باپ) خوشگوار و مناسب ماحول، اور ظاہری و باطنی نعمتوں کو مہیا کیا۔ اور (صرف اسی دنیا میں نہیں بلکہ) عالم آخرت میں، برزخ میں (بھی) ہمارے وہاں پہونچنے سے پہلے ان کا انتظام کیا۔ اور (ان سب کے بدلے میں) ہم سے صرف یہ چاہا کہ اس دل کو صرف ہمارے لئے یا ہماری کرامتوں کے لئے خالص رکھو تاکہ اس کا فائدہ بھی تم ہی کو

Presented by www.ziaraat.com

پہونچے۔ اور اس کے بعد بھی ہم اس کی بات پر کان نہ دھریں، اس کی نافرمانی کریں، اس کی مرضی کے خلاف اقدام کریں تو کتنا بڑا ہم نے ظلم کیا ہے اور کیسے مالک الملوک سے جنگ کی ہے؟ تو پھر اس کا نتیجہ بھی ہم ہی کو بھگتنا ہوگا۔ (ہماری نافرمانی سے) اس کی سلطنت و حکومت کو تو کوئی نقصان نہیں پہونچ سکتا اور نہ ہم اس کی حکومت و سلطنت سے خارج ہو سکتے ہیں (بلکہ) ہم خود ہی مشرک ہو جائیں گے اور اپنے کو ضرر پہونچائیں گے۔

"فَإِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ"

بے شک خدا سارے جہان سے بے پرواہ ہے۔ وہ نہ تو ہماری عبادت کا نہ ہمارے اخلاص کا، نہ ہماری بندگی کا (کسی کا بھی) محتاج نہیں ہے۔ ہماری نافرمانی، ہمارے شرک، ہمارے نفاق سے اس کی حکومت کا کچھ نہ بگڑے گا۔

لیکن چونکہ خدا ارحم الراحمین ہے، اس کی رحمت واسعہ اور حکمت بالغہ اس بات کی متقاضی ہے کہ ہم کو ہدایت کرے، خیر و شر، اچھائی و برائی کا راستہ ہم کو دکھائے۔ راہ انسانیت کی بلندی سے نیچے گرنے اور سعادت کے راستوں پر لغزش کھانے سے ہم کو آگاہ کرے۔ خدا نہ عالم کا ہماری ہدایت و رہنمائی کرنے میں، بلکہ ان عبادتوں اور اخلاص و بندگی میں ہم پر بہت بڑا احسان و کرم ہے۔ اس کے ان احسانات کا اندازہ ہم کو اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک ہماری چشم بصیرت نہ کھلے اور اصلیت کو دیکھنے (و پرکھنے) کی برتر نظر وا نہ ہو اور جب تک ہم اس تاریک و تنگ دنیا میں ہیں اور فطرت کے ظلمت کدہ میں اسیر ہیں۔ زنجیر زمان میں بستہ، استعداد و امکان کی تاریکی میں مقید ہیں۔ خدا کی عظیم نعمتوں کا ادراک نہیں کر سکتے اور نہ یہ خیال کر سکتے ہیں کہ ہمیں اخلاص و عبادت خدا کی نعمتوں کا شکریہ ہیں اور اس کی راہنمائی کا بھی حق ہے۔

لیکن (الحمد للہ) ایسا ہرگز نہیں ہے) تم تو بھول کر بھی گمان نہ کرنا کہ خدا کے بھیجے ہوئے انبیائے کرام یا علمائے امت جو ہماری سعادت و خلاصی کے رہنما ہیں اور ہم کو جہالت و تاریکی و بدبختی سے نجات دلاتے ہیں اور عالم نور و سرور، بہجت و عظمت کی طرف دعوت دیتے ہیں اور ان تمام تاریکیوں سے جو باطل اعتقادات کا نمونہ ہیں (بلکہ) جہل مرکب ہیں ان سے نجات دلانے اور ہماری تربیت کرنے کے لئے تمام زحمتوں اور مشقتوں کو برداشت کرتے ہیں اور برے اخلاق و برے ملکات جو عذاب و فشار کی صورت میں ہم سے ناقابل جدائی ہیں اور ہمارے برے افعال کی اور اعمال دنیاوی کی جو ہشتاک و وحشتناک صورتیں ہیں ان سے چھٹکارا دلانے کے لئے سعی و کوشش کرتے ہیں۔ اور ایسے انوار

Presented by www.ziaraat.com

مقدسہ، بہجت و سرور، خوشی و مسرت و حور و قصور تک ہمارے پہونچنے کی کوشش کرتے ہیں جنکا ہم تصور بھی نہیں کر سکتے۔ ان حضرات پر ہم عبادت کر کے احسان کر رہے ہیں۔

یہ عالم ملکوت اپنے تمام تر وسعت کے باوجود اس میں اتنی گنجائش نہیں ہے کہ بہشتی حلّوں میں سے ایک حلہ یہاں لایا جا سکے، اور ہماری آنکھوں میں اتنی طاقت نہیں ہے کہ حور العین کے ایک بال کا نظارہ کر سکیں (البتہ) ان عقائد و اخلاق و اعمال کی یہ ملکوتی صورتیں ہیں۔ جن کا ادراک انبیائے کرام نے کیا ہے۔ خاص کر صاحب کشف کلی، و دستور جامع خاتم الانبیا صلی اللہ علیہ و آلہ و علیہم نے ان کا ادراک وحی الٰہی کے ذریعہ کر لیا تھا اور دیکھا بھی تھا، سنا بھی تھا اور ہم کو بھی ان عقائد و اعمال و اخلاق کی دعوت دی تھی۔ (لیکن) ہم لوگ بے چارے ان بچوں کی طرح ہیں جو (اپنی نا سمجھی کی وجہ سے) عقلا کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں، بلکہ حکم عقل ہی کو غلط بتاتے ہیں اور ہمیشہ عقل سے برسرپیکار رہتے ہیں۔ مگر ان مطہّر و پاکیزہ نفوس، طیب و طاہر ارواح مقدسہ نے اپنے اس شفقت و مہربانی کی وجہ سے جو ان کو بندگان خدا سے ہے کبھی بھی ہماری نادانی کی وجہ سے اپنی دعوت میں کوتاہی نہیں کی۔ (بلکہ) زور و زر کے ذریعہ ہمیشہ ہم کو بہشت و سعادت ہی کی طرف کھینچتے رہے اور اس عظیم کارنامے پر ہم سے کسی اجرت کے بھی خواستگار نہیں ہوئے۔ بلکہ اگر آخری رسولؐ نے اپنی اجرت کو ذوی القربیٰ کی مودت میں منحصر بھی کیا ہے تو شاید اس لئے کہ دوسری دنیا میں یہ محبت و مودت تمام صورتوں سے نورانی تر ہوگی اور وہ بھی ہمارے لئے اور ہمارے سعادت و رحمت تک پہونچنے کے لئے۔ پس رسالت کی اجرت بھی ہماری ہی طرف پلٹے گی اور اس سے ہم ہی کو فائدہ ہوگا۔ بھلا ہم غریبوں کا ان آقاؤں پر کیا احسان ہے؟ ہمارے اخلاص و ہماری عقیدت مندی سے آخر ان حضرات کو کیا فائدہ پہونچے گا؟ ہم نے اور آپ نے علمائے کرام پر کیا احسان کیا ہے؟ ایک مسئلہ گو عالم سے لے کر حضورؐ سرور کائنات تک اور آنحضرتؐ سے لے کر خداوند عالم تک ہر ایک نے اپنے اعتبار سے ہم کو ہدایت کی ہے۔ ہم پر احسان کیا ہے۔ جس کی جزا اس عالم میں دینا ہمارے لئے محال ہے۔ یہ عالم اس لائق ہی نہیں ہے کہ ان حضرات کو جزا دی جا سکے۔ در حقیقت خدا و رسولؐ اور اس کے اولیا کا احسان ہے۔ جیسا کہ خود خدا نے اعلان کیا ہے:

﴿قُلْ لَا تَمُنُّوا عَلَيَّ إِسْلَامَكُمْ بَلِ اللَّهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ أَنْ هَدَاكُمْ لِلْإِيمَانِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ غَيْبَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ﴾

Presented by www.ziaraat.com

تم کہہ دو کہ تم اپنے اسلام کا مجھ پر احسان نہ جتاؤ (بلکہ) اگر تم (دعوائے ایمان میں) سچے ہو تو (سمجھ لو کہ) خدا نے تم پر احسان کیا ہے کہ تم کو ایمان کا راستہ دکھایا ہے۔ بے شک خدا تو سارے آسمانوں اور زمین کی چھپی ہوئی باتوں کو جانتا ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو خدا اس کو دیکھ رہا ہے۔

پس (بالفرض) اگر ہم اپنے دعوائے ایمان میں سچے بھی ہوں تو اس ایمان میں بھی خدا کا ہمارے اوپر احسان ہے۔ خدا عالم غیب کا جاننے والا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ ہمارے اعمال اور ہمارے ایمان و اسلام کی صورتیں عالم غیب میں کیسی ہیں۔ ہم غریبوں کو چونکہ حقیقت پر اطلاع نہیں ہے مثلاً گو سے علم حاصل کرتے ہیں اور (پھر الٹا) اسی پر احسان جتاتے ہیں۔ عالم کی تقلید کرتے ہیں اور اس پر دھونس جماتے ہیں کہ کسی عالم کے پیچھے نماز جماعت پڑھتے ہیں اور پھر اس پر اس کے باپ دادا پر منت گزاری کرتے ہیں۔ حالانکہ ان لوگوں نے ہمارے اوپر احسان فرمایا ہے۔ خود ہمارے یہاں خیر نہیں ہے۔ یہ احسانات کا جتانا سارے اعمال کو الٹ پلٹ دیتا ہے اور جہنم رسید کر دیتا ہے سب کو فنا کر دیتا ہے۔

(ریا کا) دوسرا مقام

اس میں دو فصلیں ہیں:

پہلی فصل

یہاں پر ریا کاری اگرچہ اتنی شدید نہیں ہے جتنی مقام اول میں تھی پھر بھی ایک مطلب کی طرف متوجہ ہونے کے بعد یہ امکان ہے کہ مقام دوم کا ریا کار مقام اول کے ریا کار کے نتیجہ میں ایک ہی ہو جائے۔ میں نے پہلی حدیث کی شرح میں یہ بیان کر دیا ہے کہ ہو سکتا ہے عالم ملکوت میں انسان کی صورتیں ایسی ہوں جو اس دنیا کے برخلاف ہوں اور وہ صورتیں ملکوت نفس اور ملکات نفس کے تابع ہوتی ہیں۔ اگر تم اچھے انسانی ملکات (ملکات فاضلہ انسانیہ) کے حامل ہو گے تو ان ملکات کی بنا پر تمہاری صورت انسانی ہو سکتی ہے اور تم اسی صورت سے محشور ہو سکتے ہو بشرطیکہ تم نے ان ملکات سے کام لینے میں اعتدال کی حد سے تجاوز نہ کیا ہو۔ بلکہ تمہارے ملکات اسی وقت فاضلہ

Presented by www.ziaraat.com

کہلائیں گے جب نفس امارہ نے اس میں کسی قسم کا تصرف نہ کیا ہو اور ان کے تشکیل پانے میں نفسیات کا ذرا بھی شائبہ نہ رہا ہو۔ ہمارے اُستاد و شیخ فرمایا کرتے تھے،

ریاضت باطل اور صحیح شرعی ریاضت میں یہ فرق ہے کہ اس میں نفس کی مداخلت کتنی ہے اور حق کا دخل کتنا ہے؟ اگر سالک نفس کی پیروی کرتا ہے اور اس کا مقصد (اس ریاضت سے) نفس کی قوتوں کو مضبوط بنانا ہے اور نفس کی سلطنت و قدرت کو وسیع کرنا ہے تو پھر وہ ریاضت باطل ہے۔ اور اس کا سلوک آخرت میں اس کے لئے نقصان دہ ہوگا۔ اور اسی قسم کے لوگ جھوٹے اور کھوکھلے دعوے کیا کرتے ہیں۔

لیکن اگر سالک حق کے راستے میں قدم بڑھاتا ہے اور اس کا مقصد خدا کی جستجو ہے تو اس کا مقصد اور اس کی ریاضت شرعی ہے اور حق ہے اور یہ نفس قرآن پھر خدا اس کی مدد کرتا ہے۔ چنانچہ قرآن کا ارشاد ہے:

﴿وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا﴾

"اور جن لوگوں نے ہماری راہ میں جہاد کیا۔ انھیں ہم ضرور اپنی راہ کی ہدایت کریں گے"

اس لئے ایسے انسان کو سعادت نصیب ہوتی ہے۔ اس کی نفس پرستی و خود کشی دور ہو جاتی ہے اور خود نمائی اس کے پاس نہیں آپاتی۔ یہ بات سب ہی کو معلوم ہے اگر کسی کا مقصد اپنے اخلاق حسنہ اور ملکات فاضلہ سے یہ ہو کہ وہ لوگوں کا مرکز نظر بن جائے اور لوگ اس کو دیکھیں تو اس کا یہ اقدام نفس پرستی، خود بینی و خود خواہی و خود پرستی ہے اور خود بینی کے ساتھ خدا بینی و خدا خواہی کا تصور ایک خام خیال اور امر باطل و محال ہے۔ جب تک تمہارے وجود کی مملکت حبِ نفس حبِ جاہ و جلال، بندگانِ خدا میں حصولِ شہرت اور ان پر حکومت و ریاست سے پُر ہے اس وقت تک تمہارے ملکات کو ملکات فاضلہ میں شمار کیا جا سکتا ہے اور نہ تمہارے اخلاق کو اخلاقِ الٰہی کہا جا سکتا ہے۔

(ایسی صورت) میں تمہاری مملکت کا کارکن شیطان ہے۔ اور تمہارا باطن بھی انسانی صورت کا نہیں ہے۔ آنکھ کھولنے کے بعد اپنے ملکوتی برزخ کو غیر انسانی صورت میں پاؤ گے۔ اپنے کو شیطانوں میں سے کسی شیطان کی صورت کا پاؤ گے۔ (دوسری خرابی یہ ہوگی کہ) اور ایسے قلوب کے لئے "جو شیطان کی منزل ہے" صحیح توحید، معارفِ الٰہی کا حصول محال ہوا کرتا ہے اور یہ صورت اس وقت تک رہے گی جب تک تمہارا ملکوتِ انسانی نہ ہو جائے اور تمہارا دل ان کجیوں اور خود خواہیوں سے پاک

Presented by www.ziaraat.com

نہ بھجائے۔۔۔۔

حدیثِ قدسی میں ارشاد ہے:

«لا يَسَعُنِي أَرْضِي وَلاَ سَمَائِي، بَلْ يَسَعُنِي قَلْبُ عَبْدِيَ الْمُؤْمِنِ»

۱۔ میری زمین اور میرے آسمان میں میری سمائی نہیں ہے صرف میرے مومن بندے کے دل میں میری سمائی ہے۔

«قَلْبُ الْمُؤْمِنِ بَيْنَ إِصْبَعَيِ الرَّحْمٰنِ، يُقَلِّبُهُ كَيْفَ يَشَاءُ»

۲۔ رحمان کے دونوں انگلیوں کے درمیان قلب مومن ہے وہ جس طرح چاہتا ہے اس کو الٹا پلٹتا ہے۔

مومن کی حکومت قلب میں دست حق متصرف ہوتا ہے۔ لیکن اے بیچارے تو تو اپنے نفس کی عبادت کرتا ہے تیری مملکت قلب پر شیطان متصرف ہے۔ تیرے قلب سے خدا نے اپنے حق تصرف کو اٹھالیا ہے۔ اب بھلا تیرے پاس کون سا ایمان ہے جس کی وجہ سے تو محل تجلی بن سکے اور تو مطلق سلطنت کی جگہ واقع ہو سکے؟

پس تو سمجھ لے جب تک تیری یہ حالت ہے اور یہ ریاکاری بُری صفت تیرے اندر ہے تو کافر باللہ ہے اور تیرا شمار منافقین میں ہے چاہے تو اپنے کو مومن و مسلمان ہی سمجھتا رہے۔

دوسری فصل

اے عزیز جاگ جا! اپنے کان سے غفلت کی روئی نکال، خواب غفلت کو اپنی آنکھوں پر حرام قرار دیدے، یہ سمجھ لے کہ خدا نے تجھ کو اپنے لئے پیدا کیا ہے۔ جیسا کہ حدیث قدسی میں ارشاد ہے۔

«يَابْنَ آدَمَ خَلَقْتُ الْأَشْيَاءَ لِأَجْلِكَ، وَخَلَقْتُكَ لِأَجْلِي»

اے بنی آدم! ساری چیزوں کو میں نے تیرے لئے پیدا کیا ہے اور تجھ کو اپنے لئے پیدا کیا ہے، اور تیرے دل کو اپنی منزل بنایا ہے۔ تو اور تیرا قلب نوامیس الٰہی میں سے ہے، اور خدا اپنے [illegible] سے بارے میں بہت غیور ہے۔ ناموس الٰہی کی اتنی پردہ دری نہ کر، ناموس خدا کی طرف

Presented by www.ziaraat.com

دست درازی نہ کر، غیرت الٰہی سے ڈر کہیں ایسا نہ ہو کہ اسی دنیا میں تجھ کو اتنا ذلیل کر دے کہ تو چاہے جتنا بھی اصلاح کرنا چاہے تیرے لئے ممکن نہ ہو۔ تو اپنی باطن کی دنیا میں ملائکہ اور انبیائے کرام کے سامنے ناموسِ الٰہی کی پردہ دری کرتا ہے۔ وہ اخلاق حسنہ جن کے واسطہ سے اولیا خدا سے تشبہ پیدا کرتے ہیں تو انھیں کو غیر حق کے سپرد کر دیتا ہے اور اپنے دل کو دشمنِ خدا کے حوالہ کر دیتا ہے۔ اپنے باطن کے اندر شرک اختیار کر لیتا ہے۔

اس بات سے ڈر کہ کہیں خدا تیرے ناموسِ حکومت کو (باطن کو) چاک نہ کر دے اور تجھے انبیائے عظام و ملائکہ مقربین کے سامنے ذلیل و رسوا نہ کر دے۔ اسی دنیا میں تجھ کو رسوا کر دے۔ ایسی ذلت میں تجھ کو مبتلا کر دے جس کا تدارک ممکن نہ ہو سکے۔ اور تیری پاکبازی کے پردے کو اس طرح ذلیل کر دے کہ پھر وہ پیوند کاری کے قابل نہ رہ جائے یہ درست ہے کہ خدا ستار (عیبوں کو چھپانے والا) ہے۔ مگر اسی کے ساتھ غیور (غیرت مند) بھی تو ہے۔ یہ صحیح ہے کہ وہ ارحم الراحمین ہے مگر یہ بھی سچ ہے کہ وہ اشد المعاقبین (سب سے شدید عتاب کرنے والا) بھی تو ہے۔ وہ اسی وقت تک عیوب کی پردہ داری کرتا ہے جب تک وہ حد سے نہ گزر جائے ممکن ہے کہ خدانخواستہ یہ ناشائستہ افعال اس کی غیرت کو ستاری پر غلبہ عطا کر دیں۔ جیسا کہ حدیث شریف میں تم نے سن لیا۔[18]

لہٰذا اپنے آپ میں آجاؤ اور خدا کی طرف رجوع کرو اور اس کی طرف بازگشت کرو۔ کیونکہ خدا رحیم ہے اور اپنی رحمت کے لئے بہانہ ڈھونڈھتا ہے۔ اگر تم نے (خلوص دل سے) اس کی طرف رجوع کر لیا تو تمہارے گزشتہ گناہوں کو دامن عفو میں چھپا لے گا اور کسی کو اس پر مطلع نہ کرے گا۔ اور تجھ کو صاحب فضیلت بنا دے گا تیرے اچھے اخلاق کو شہرت عطا کرے گا۔ اور تجھے اپنی صفات کا آئینہ بنا دے گا۔ اور تیرے ارادے کو اس عالم میں اس طرح کارفرما بنا دے گا جس طرح خود اس کا ارادہ پوری کائنات میں نافذ ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے:

جب اہل جنت، جنت میں اپنے اپنے ٹھکانوں پر پہونچ جائیں گے تو ان کے پاس خدا کا یہ پیغام آئے گا: اس زندہ و پائندہ (خدا) کی طرف سے۔ اپنی اس زندہ و پائندہ (مخلوق) کے لئے جس کو اب موت نہیں ہے۔ میں جس کو چاہتا ہوں کہ موجود ہو جائے اور کہتا ہوں کہ ہو جائے پس وہ ہو جاتی ہے۔ تجھ کو (آج سے) یہ اختیار دیتا ہوں جس چیز کو چاہے کہ ہو جائے اس کو حکم دیدے کہ ہو جا وہ چیز ہو جائے گی۔[19]

Presented by www.ziaraat.com

لہٰذا تو اتنی خود پسندی نہ کر، تو اپنے ارادہ کو حق کے حوالے کر دے۔ ذات اقدس الٰہی تجھ کو بھی اپنے ارادہ کا مظہر بنا دے گی۔ تجھ کو تمام امور میں متصرف بنا دے گی۔ مملکت ایجاد کو آخرت میں تیری قدرت کے تابع کر دے گی اور یہ وہ تفویض نہیں ہے جو باطل ہے۔ جیسا کہ اپنی جگہ پر معلوم ہے۔

میرے عزیز! تو خود جانتا ہے اب چاہے اس کو قبول کر یا اس کو! اس لئے کہ خدا تو ہم سے اور تم سے بلکہ تمام مخلوقات سے بے نیاز ہے اور ہمارے اور تمام موجودات کے اخلاص سے بھی بے نیاز ہے۔

(ریاکار) تیسرا مقام

اس میں بھی چند فصلیں ہیں:

پہلی فصل

اس مقام پر ریاکاری دوسرے مقامات سے بہت زیادہ اور شایع تر ہے کیونکہ ہم لوگ عموماً پہلے والے دو مقام کے اہل نہیں ہوا کرتے۔ اسی لئے شیطان بھی ان راستوں سے ہمارے پاس نہیں آتا۔ لیکن چونکہ زیادہ تر لوگ عبادت گزار اور اہل مناسک ہوتے ہیں اور ظاہری عبادت کرتے ہیں۔ اس لئے شیطان بھی اسی جگہ زیادہ کوشش کرتا ہے۔ اور اپنی چالبازیوں کو زیادہ تر اسی مقام میں استعمال کرتا ہے۔ دوسری لفظوں میں اس طرح عرض کیا جائے کہ نوعاً لوگ جسمانی اعمال کے ذریعہ بہشت کے طالب ہوتے ہیں۔ اور اچھے اعمال کر کے اور برے اعمال چھوڑ کے اخروی مقامات کو حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ اسی لئے شیطان بھی اسی راستہ سے آکر ان کے اعمال (و عبادات) میں ریاکاری و چاپلوسی کے بیج بو دیتا ہے تاکہ ان میں کونپلیں اور پتے نکل آئیں اور ان کے اچھے اعمال برے اعمال سے بدل جائیں لہٰذا وہ لوگ مناسک و عبادات کے راستے سے جہنم میں پہونچ جائیں۔ اور جن چیزوں سے لوگ اپنی آخرت آباد کرنا چاہتے ہیں (شیطان کے بہکائے میں آکر) انھیں چیزوں سے آخرت کو برباد کر لیتے ہیں۔ جو چیز علیین سے ہے اس کے

Presented by www.ziaraat.com

لئے ایسا کام کرتے ہیں کہ حکم خدا سے ملائکہ اس کو ستیمن میں قرار دیتے ہیں۔

لہٰذا جن لوگوں کے پاس صرف یہی پہلو (عبادت) ہے اور اعمال کے علاوہ ان کے پاس کوئی زاد و راحلہ نہیں ہے۔ انھیں تو مکمل طور سے اس بات کا لحاظ رکھنا چاہیئے کہ خدانا خواستہ کہیں یہ بھی ہمارے ہاتھ سے نہ نکل جائے اور ہم جہنمی ہو جائیں اور سعادت کا ہمارے پاس کوئی راستہ ہی نہ رہے اور بہشت کے دروازے ہمارے لئے بند ہو جائیں اور جہنم کے دروازے کھل جائیں۔

دوسری فصل

ریاکاری کے بارے میں غور و فکر

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ خود ریاکار اس بات سے غافل ہوتا ہے کہ ریاکاری نے اس کے اعمال کو برباد کر دیا ہے اور اس کے ریاکاری والے اعمال ناچیز و بیکار ہو چکے ہیں۔ اس لئے کہ (ایک تو) شیطان کے جال (اور دوسرے) نفس کی دقت و باریکی (تیسرے) انسانیت کے راستے کی تاریکی و باریکی انسان کو یہ سمجھنے ہی نہیں دیتی کہ وہ کیا ہے جب تک کہ وہ باقاعدہ اور مکمل موشگافی نہ کرے؟ خود تو وہ یہی خیال کرتا ہے کہ میرے تمام اعمال خدا کے لئے ہیں حالانکہ وہ شیطان کے لئے ہوتے ہیں۔ کیوں کہ انسان کی تخلیق حبِ نفس پر ہے اس لئے خود پرستی کا پردہ اس کے عیوب کو چھپائے رکھتا ہے۔ انشاء اللہ اگر ممکن ہو سکا تو اس مطلب کی تھوڑی سی شرح بعض حدیثوں کے ضمن میں آئے گی۔ بشرطیکہ توفیق الٰہی شاملِ حال رہی۔ ۲۰

مثلاً علم دین کا حاصل کرنا اہم ترین اطاعت و عبادت ہے۔ لیکن کبھی بڑے سے بڑا آدمی بھی اس بڑی عبادت میں ریاکاری کا مرتکب ہو جاتا ہے۔ حالانکہ اسی حجاب غلیظ حبِ نفس کی بنا پر وہ خود بھی اس کی طرف متوجہ نہیں ہے۔ (مثال کے طور پر) کبھی علما و روساء و فضلا کی موجودگی میں انسان کبھی کسی مطلب کو اس طرح حل کرنا چاہتا ہے کہ کسی نے اس کو اس طرح (ابھی تک) حل نہ کیا ہو اور جیسے وہ اس مسئلہ کے سمجھنے میں متفرد ہو اور پھر جس قدر خوبی سے اس کو بیان کرے گا اور اہلِ مجلس کی توجہ اپنی طرف مبذول کرے گا۔ اتنا ہی اس پر فخر کرے گا (اور خوش

Presented by www.ziaraat.com

دوسرا (دوسرا) ہوگا) اور جو بھی اس کی مخالفت کرے گا اس کو مغلوب کر دے گا۔ اور وہ اپنے اندر ایک قسم کا گھمنڈ و ناز محسوس کرنے لگے گا۔ اور اگر کہیں کسی نے اس کی تائید بھی کر دی پھر تو نور علی نور والی بات ہو جائے گی۔ حالانکہ اس بے چارہ کو یہ بھی نہیں معلوم کہ یہاں تو علما و فضلا کی نظر میں اس کی اہمیت و قابلیت کا سکہ بیٹھ گیا۔ لیکن اس کے خدا کی نظر میں اور تمام مخلوقات کے خدا کی نظر میں اسکی اہمیت ختم ہو گئی۔ اور اس کا عمل خدا کے حکم سے سجین میں ڈال دیا گیا۔

(یہی نہیں بلکہ) اس ریاکاری کے ساتھ چند اور بھی گناہ کا ارتکاب بھی کیا ہے مثلاً (۱) ایک برادر مومن کو ذلیل و رسوا کرتا اس کو اذیت پہونچانا (۲) کبھی اس کے ساتھ مومن کے ساتھ جسارت کرنا اور اس کی ہتک حرمت کرنا بھی شامل ہو جاتا ہے اور یہ چیزیں خود اپنی جگہ پر مستقل ہلاک کرنے والی اور جہنمی بنانے والی ہیں۔ لیکن اگر اس کے بعد بھی نفس اپنا جال تمہارے اوپر یہ کہہ کر پھینکتا ہے کہ: میرا مقصد تو (اس مشکل کو حل کرنے سے) صرف حکم شرعی کا بیان کرنا تھا اور کلمہ حق کا اظہار تھا جو افضل طاعات ہے میرا مقصد اظہار قابلیت اور خود نمائی ہرگز نہیں تھا۔ تو تم خود ہی اپنے باطن سے سوال کرو کہ اگر اس حکم شرعی کو دوسرا کوئی دوست اور ہم مرتبہ بیان کرتا اور اس مشکل کو حل کرتا اور تم خود اس سے مغلوب ہو جاتے تو کیا اس سے تمہارے اوپر کوئی اثر نہ ہوتا؟ کوئی فرق نہ پڑتا؟ اگر واقعاً کوئی فرق نہ پڑتا تب تو اپنے دعویٰ میں سچے تھے (ورنہ نفس کے جال میں پھنسے ہو)

اور اگر اس کے بعد بھی تمہارا نفس تم کو دھوکہ دینے پر کمربستہ ہے اور تم سے کہتا ہے: سچائی کا اظہار کرنے میں فضیلت ہے اور بہت ثواب ہے اس لئے میں اس فضیلت کو حاصل کرنا چاہتا ہوں اور ثواب الٰہی کے طفیل (جنت میں) گھر بنانا چاہتا ہوں۔ تو تم اس نفس سے کہو:۔ فرض کرو مغلوب ہو جانے کی صورت میں بھی خدا تم کو وہی فضیلت عطا کر دے تو کیا اس کے بعد بھی اے نفس تو دوسروں پر غلبہ کا متمنی رہے گا؟ اب اگر اپنے باطن میں (جھانک کر) دیکھو کہ تمہارا نفس اس کے باوجود قہر و غلبہ چاہتا ہے۔ علما کے سامنے علم و فضل میں اپنی شہرت کا خواہش مند ہے اور یہ علمی بحث صرف ان کے دلوں میں عظمت پیدا کرنے کے لئے تھی تو جان لو کہ اس علمی بحث میں۔ جو افضل ترین طاعت و عبادت ہے۔ تم ریاکار ہو۔ اور کافی کی روایت کی بنا پر تمہارا یہ عمل بھینی ہے اور تم مشرک ہو۔ اور تمہارا یہ عمل صرف حب جاہ و شرف کے لئے ہے۔ اور تمہارا یہ عمل بنا بر روایت تمہارے ایمان کے لئے ان دو بھیڑیوں سے زیادہ نقصان دہ ہے۔ جو گوسفند کے اس گلہ پر جا پڑیں جن کا چرواہا موجود نہ ہو۔ [۲۱]

Presented by www.ziaraat.com

لہٰذا تم جہالِ علم ہو، امت کی اصلاح کے ذمہ دار ہو، آخرت کے رہنما ہو، امراضِ نفس کے طبیب ہو تمہارے اوپر واجب ہے کہ پہلے اپنی اصلاح کرو اور اپنے نفس کے مزاج کو سالم بناؤ تاکہ تمہارا شمار بے عمل علماء میں نہ ہو۔ پروردگار! شرک و نفاق کی کدورت سے ہمارے دل کو پاک کر، ہماری مدد فرما۔ ہم گرفتارانِ ہوا و ہوس، حبِ جاہ و شرف کی اس سفر پُر خطر اور راہ پر پیچ و خم و تاریک و تنگ میں دستگیری فرما۔ تو ہر چیز پر قادر و توانا ہے۔

اسی طرح اسلام کی ایک بزرگ ترین عبادت، نماز جماعت ہے اور پیش نماز کی فضیلت بہت ہے۔ اس لئے شیطان بھی اس میں سب سے زیادہ رخنہ اندازی کرتا ہے۔ اور پیش نماز کا سب سے زیادہ دشمن ہوتا ہے۔ اور اسی فکر میں رہتا ہے کہ کسی طرح اس کو اس فضیلت سے روک دے اور اس کے اس عمل کو اخلاص سے خالی کر کے اس کو سجین میں داخل کر دے اور اس پیش نماز کو مشرک بنا دے۔ اس لئے بعض پیش نمازوں کے دلوں میں مختلف طریقوں سے داخل ہوتا ہے جیسے تکبر، اس کا ذکر بعد میں انشاء اللہ آئے گا و ریاکاری۔ اس کا مطلب لوگوں کے دلوں میں عظمت و منزلت پیدا کرنا اور اپنی عظمت و بزرگی کی شہرت کرنا۔ مثلاً پیش نماز کو معلوم ہو جائے کہ فلاں مقدس شخص اس کی جماعت میں آیا ہے تو اس کو اپنی طرف جذب کرنے کے لئے اور زیادہ خضوع و خشوع کرنا، اور مختلف حیلوں، بہانوں سے اس کو اپنے جال میں پھانسنا، مجلسوں میں اس مقدس شخص کا تعارف اس لئے ذکر کرنا تاکہ جو لوگ جماعت میں نہیں تھے ان کو پتہ چل جائے کہ ایسے (ایسے) مقدس اشخاص ہماری جماعت میں شریک ہوتے ہیں، اور خود اس شخص سے اتنا خلوص اور اتنی محبت کرنا کہ شاید اس نے کبھی اپنے خدا کے لئے بھی اتنا خلوص نہ برتا ہو۔ خصوصاً وہ مقدس شخص اگر محترم تاجر بھی ہو تب تو اظہار عقیدت کی انتہا ہی نہیں ہے۔

اور اگر خدانخواستہ کوئی محترم شخص راستہ بھول کر ایسے پیش نماز کے پیچھے صف میں کھڑا ہو جائے جہاں لوگ کم ہوں تب تو مصیبت اور زیادہ ہے کیونکہ شیطان اس پیش نماز کو جی نہیں بخشتا۔ بلکہ اس کی زبان سے کہلاتا ہے: میں نے دنیا ترک کر دی ہے (تارک الدنیا ہوں) محلہ کی چھوٹی سی مسجد میں فقیروں اور کمزوروں کے ساتھ گزر بسر کر لیتا ہوں۔ یہ ریاکاری پہلے ہی کی طرح ہے یا پھر اس سے بھی بدتر ہے۔ کیونکہ اس سے اس کے دل میں حسد جیسی برائی پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ بیچارہ دنیا سے تو محروم تھا ہی۔ (شیطان) اس سے (ریاکاری کی وجہ سے) اس کی آخرت بھی چھین لیتا ہے۔ اور یہ دنیا و آخرت دونوں میں دیوالیہ ہو جاتا ہے۔

Presented by www.ziaraat.com

ہم اور آپ جیسے جماعت نہ پڑھنے والوں کو بھی شیطان معاف نہیں کرتا بلکہ ہم لوگوں کو بھی جو اپنی کم مائگی سے افسردہ رہتے ہیں ان کو گمراہ کرنے کی فکر میں لگا رہتا ہے۔ ہم کو آمادہ کرتا ہے کہ ہم جماعت مسلمین پر نکتہ چینی کریں (کیونکہ ہم خود تو جاتے نہیں لہٰذا دوسروں کو کیسے برداشت کریں) ان پر لعن طعن کریں۔ (اپنی طرف سے) جماعت میں کیڑے نکالیں۔ اپنی جماعت سے دوری کی تحسین کریں اور اپنے کو تارک الدنیا اور حبِ جاہ و نفس سے خالی معرفی کرائیں۔

اور ہم تو دونوں گروہوں سے بدتر ہیں نہ پہلے گروہ کی دنیائے تمام رکھتے ہیں نہ دوسرے گروہ کی دنیائے ناقص۔ اور نہ آخرت ہی رکھتے ہیں۔ حالانکہ اگر ہمارا بس چلتا تو ہم دونوں گروہوں سے بڑھ کر جاہ طلب ہوتے اور ان سے زیادہ حبِ شرف و مال کا شکار ہوتے!

شیطان صرف پیش نماز ہی پر اکتفا کر کے اور اس کو جنتی بنانے کے بعد بھی اس کی آتشِ شہوت خاموش نہیں ہوتی بلکہ پھر وہ مامومین کو بھی نہیں بخشتا۔ اور مامومین میں بھی چونکہ صفِ اوّل کو تمام صفوف میں اور صفِ اوّل میں بھی داہنی طرف کو بائیں طرف پر زیادہ فضیلت ہے۔ لہٰذا اس کا نشانہ بھی زیادہ تر وہی لوگ ہوتے ہیں۔ چنانچہ وہ بے چارے مقدس نمازی کو گھر سے دور لا کر صفِ اوّل کے داہنی طرف بٹھا دیتا ہے اور اس کے دل میں یہ خیال پیدا کر دیتا ہے کہ لوگ اس جگہ اس کو دیکھ کر اس کے فضل کا احساس کریں گے اور وہ یہ جانے بغیر کہ اس کا ڈانڈا کہاں سے مل رہا ہے۔ بڑے عشوہ و ناز سے اپنی اس فضیلت کا اظہار کرتا ہے۔ اور اس طرح وہ اپنے شرکِ باطن کو ظاہر کر کے اپنے عمل کو خود ہی تحبین میں بھیج دیتا ہے۔

اس کے بعد شیطان بعد کی صفوں میں داخل ہو کر اپنی توجہ ان کی طرف مبذول کر دیتا ہے۔ اور دوسری صفوف کے لوگ صفِ اوّل کے لوگوں کی اشارہ و کنایہ سے تکذیب کرنے لگتے ہیں۔ بے چارے مقدس کو سب و شتم طعن و طنز کا نشانہ بنا لیتے ہیں اور خیال کرتے ہیں ہمارے یہاں یہ برائیاں نہیں ہیں۔ صرف صفِ اوّل والوں میں ہیں۔ اور اکثر ایسا بھی دیکھا گیا ہے کہ شیطان کسی محترم شخص کو خصوصاً اگر وہ اہلِ علم و فضل ہو تو اس کو آخری صف میں لا کر بٹھا دیتا ہے اور اس کے دل میں یہ یقین پیدا کر دیتا ہے کہ میں اس مقام کا ہرگز اہل نہیں ہوں۔ (کہ غریبوں و فقیروں کے ساتھ نماز پڑھوں) لیکن چونکہ تارک الدنیا ہوں۔ خواہشاتِ نفس کا شکار نہیں ہوتا ہوں اس لئے آخری صف میں نماز پڑھتا ہوں۔ آپ ایسے اشخاص کو کبھی صفِ اوّل میں نہ دیکھیں گے۔

شیطان نماز جماعت کے پیش نماز و مامومین کو چھوڑ کر کبھی فرادیٰ (اکیلے) نماز پڑھنے

Presented by www.ziaraat.com

والے کو پہچاننے میں شک جاتا ہے۔ اس طرح کہ اس کو گھر یا بازار سے نکال کر مسجد کے ایک گوشہ میں پہونچا دیتا ہے۔ جہاں وہ سب سے الگ تھلگ اپنی نماز میں مشغول رہتا ہے کسی کو عادل نہیں سمجھتا اس لئے کسی کے پیچھے نماز نہیں پڑھتا اور لوگوں کی موجودگی میں بڑے لمبے چوڑے ذکر کے ساتھ رکوع وسجود کرتا ہے اور بڑی لمبی نماز پڑھتا ہے۔ یہ شخص باطن میں بدمست ونشۂ تکبر میں چور ہے۔ یہ لوگوں کو سمجھانا چاہتا ہے کہ میں اتنا مقدس ومحتاط ہوں کہ نماز جماعت نہیں پڑھتا صرف اس ڈر سے کہ کہیں میری کوئی نماز غیر عادل کے پیچھے نہ ہو جائے۔ اس کے علاوہ یہ شخص ریا کاری وتکبر میں گرفتار ہے۔ شرعی مسائل سے بھی واقف نہیں ہے کیونکہ خود اس کا مرجع تقلید بھی غالباً صحت اقتدار کے لئے حسن ظاہر کے علاوہ دوسری شرط نہیں کرتا ہوگا۔

لیکن مسئلہ یہ نہیں ہے وہ تو ریاکاری کرنا چاہتا ہے اور لوگوں کے دلوں میں اپنی قدر ومنزلت بڑھانا چاہتا ہے۔ اسی طرح ہمارے سارے کام شیطان کے زیر تصرف ہوتے ہیں۔ اور شیطان ملعون جس دل میں بھی پاکیزگی نہیں پاتا اسی کو اپنا گھر بنا لیتا ہے۔ اور اس کے تمام ظاہری وباطنی اعمال کو جلا دیتا ہے۔ اور ہم کو اعمال حسنہ کے باوجود جہنمی بنا دیتا ہے۔

تیسری فصل

اخلاص کی دعوت

لہٰذا میرے عزیز! اپنے کاموں میں اور زیادہ دقت سے کام لو۔ اپنے نفس سے اپنے ہر عمل کا حساب لو اور ہر کام سے پہلے اس سے پوچھو کہ اس کا یہ اقدام خیرات اور امور شریفہ کے لئے ہے (یا نہیں)؟ وہ نماز شب کے مسائل کیوں پوچھ رہا ہے؟ وہ مسئلہ سمجھنے کے لئے یا مسئلہ بیان کرنے کے لئے پوچھ رہا ہے؟ یا اپنے کو نماز شب پڑھنے والوں کی شکل میں لوگوں کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہے؟ وہ آخر اپنے زیارتی سفر کو کیوں کسی نہ کسی طرح لوگوں کے سامنے بیان کرتا ہے؟ انتہا یہ ہے سفر زیارت کی تعداد بھی بتاتا ہے۔ پوشیدہ طور سے دیئے گئے صدقہ کو کیوں کسی پر ظاہر کرتا ہے؟ جس راستہ سے ممکن ہوتا ہے اس کا ذکر کر کے لوگوں کو بتاتا ہے۔ اگر یہ کام خدا کے لئے ہے اور اس کا مقصد یہ ہے کہ اس کو دیکھ کر دوسرے بھی اس کی پیروی کرنے

Presented by www.ziaraat.com

لگیں اور وہ "اَلدَّالُّ عَلَی الْخَیْرِ کَفَاعِلِہٖ"[۲۱] کا مصداق بننا چاہتا ہے تب تو درست ہے۔ اور اس کو اس اقدام پر شکر خدا کرنا چاہیئے کہ اس کو خدا نے ایسا صاف ضمیر اور پاک دل عطا کیا ہے۔ لیکن متوجہ رہنا چاہیئے کہ کہیں نفس نے اس کو دھوکہ نہ دیا ہو۔ اور ریاکاری کو تقدس کی صورت میں نہ پیش کیا ہو۔ لیکن اگر یہ کام خدا کے لئے نہیں ہے تو پھر اس کا اظہار نہیں کرنا چاہیئے کیونکہ ایسی صورت میں وہ "سمعہ" لوگوں کو سنانے کے لئے ہو جائے گا۔ اور ریاکاری کے شجرہ ملعونہ کا پھل سمعہ ہوتا ہے۔ خداوند منان اس عمل کو قبول نہیں کرتا۔ خدا اپنے ملائکہ کو حکم دیتا ہے کہ اس عمل کو سجین میں ڈال دو۔

نفس کی مکاریوں کی برائیوں سے خدا کی پناہ مانگنی چاہیئے کیونکہ نفس کی مکاریاں بہت ہی دقیق ہوتی ہیں۔ البتہ ہم کو اجمالاً اتنا ضرور معلوم ہے کہ ہمارے اعمال خالص نہیں ہیں۔ اور اگر ہم (واقعی) خدا کے بندے ہیں تو پھر شیطان کا ہمارے اوپر اتنا قابو کیوں ہے؟ جبکہ اس نے خدا سے عہد کر لیا ہے کہ "تیرے مخلص بندوں سے کوئی تعلق نہ رکھوں گا اور ان کی طرف ہاتھ بھی نہ بڑھاؤں گا۔"[۲۲]

ہمارے شیخ بزرگوار[۲۳] دام ظلہ۔ کے بقول شیطان درگاہ خداوندی کا ایک کتا ہے اگر کوئی خدا والا ہوتا ہے تو اس پر نہیں بھونکتا اور نہ اس کو کوئی اذیت پہونچاتا ہے۔ جیسے دنیا میں کسی مالک مکان کا کتا، مالک کے شناسا لوگوں پر نہیں بھونکتا (اسی طرح) شیطان جس کو خدا والا نہیں پاتا اس کو بارگاہ ایزدی تک پہونچنے نہیں دیتا۔ اس لئے اگر تم دیکھو کہ شیطان تم سے کچھ سروکار رکھتا ہے تو یقین کر لو تمہارے افعال خلوص سے خالی تھے، خدا کے لئے نہیں تھے۔

اگر آپ (واقعی مخلص ہیں تو آپ کے دل سے حکمت کے چشمے پھوٹ کر آپکی زبان پر کیوں نہیں جاری ہوئے جبکہ آپ بخیال خود چالیس سال سے قربتاً الی اللہ عمل کر رہے ہیں۔ حالانکہ حدیث شریف میں آیا ہے "جو شخص چالیس صبح خدا سے اخلاص برتے اس کے دل سے حکمت کے چشمے پھوٹ کر اس کی زبان پر جاری ہو جاتے ہیں"[۲۴] اس لئے یہ جان لیجئے کہ ہمارے اعمال خدا کے لئے نہیں ہیں اور ہم خود بھی اس کی طرف متوجہ نہیں ہیں۔ اور یہی درد بے درمان ہے۔

ان اہل طاعت و عبادت، جمعہ و جماعت، علم و دیانت کی حالت پر روئے ہو کہ جب سلطان آخرت خیمے لگائے گا اور یہ لوگ اپنے کو اہل گناہان کبیرہ پائیں گے بلکہ اہل کفر و

Presented by www.ziaraat.com

شرک سے بھی بدتر اپنے کو دیکھیں گے اور اپنے نامۂ اعمال کو سیاہ سے سیاہ تر پائیں گے۔

اس شخص کی حالت پر وائے ہو جو اپنی نماز و اطاعت کے باوجود جہنم میں جائے گا۔ الامان (والحفیظ) اس شخص سے جو اپنے صدقہ و زکات، نماز و روزہ کی صورتوں کو اتنی بدمنظر و بدہیئت پائے گا جس سے زیادہ بُری صورت کا تصور بھی نہیں ہو سکتا ہے۔

اے (ریاکار) تو تو مشرک ہے۔ (کاش تو صرف گنہگار ہوتا) کیونکہ اہلِ معصیت کو خدا انشاء اللہ اپنے فضل و کرم سے بخش دے گا۔ لیکن مشرک اگر بغیر توبہ کئے مر جائے تو اس کی بخشش کا سوال ہی نہیں ہے۔[۳۶]

حدیثوں میں تو سُنا ہی ہوگا کہ خدا کا ارشاد ہے۔ "ریاکار مشرک ہے" جو شخص لوگوں کے دلوں میں اپنی قدر و منزلت بڑھانے کے لئے اپنی دینی ریاست، اپنی امامت، اپنی تحصیل، اپنی تدریس، نماز و روزہ مختصر یہ کہ تمام اعمالِ صالحہ کو اسی نیت (ریاکاری) سے بجالائے وہ مشرک ہے۔ اور بموجب روایات اہلِ بیت علیہم صلوٰت اللہ علیہم۔ و بموجب آیۂ شریفہ کبھی بھی بخشا نہیں جائے گا۔ پس کاش تو اہلِ گناہِ کبیرہ ہوتا، متجاہر بالفسق ہوتا، ظاہری محترم چیزوں کی بے حرمتی کرتا اور موحد ہوتا مشرک نہ ہوتا!

لہٰذا اے عزیز ذرا فکر کر اور اپنے لئے کوئی چارہ پیدا کر اور یہ جان لے کہ ناچیز لوگوں کے سامنے شہرت کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ لوگوں کے دل اتنے مختصر ہیں کہ اگر چڑیا کھا جائے تو اس کا بھی پیٹ نہ بھرے۔[۳۷] اس کی کوئی قدر و منزلت نہیں ہے۔ اور اس ضعیف مخلوق میں قدرت ہو بھی کیا سکتی ہے۔ قدرت تو صرف اور صرف بارگاہ قدس ربوبیت میں پیدا ہوتی ہے، فاعل علی الاطلاق اور مسبب الاسباب وہی ذاتِ مقدس احدیت ہے۔ تمام مخلوق مل کر بھی ایک مکھی نہیں پیدا کر سکتی اور اگر پھر ان سے کوئی چیز اچانک لے جائے تو یہ مخلوق واپس نہیں لے سکتی۔[۳۸] قدرت صرف خدا کے پاس ہے تمام موجودات میں وہی مؤثر ہے۔ جس زحمت و ریاضت سے بھی ممکن ہو اپنے صفحۂ دل پر قلمِ عقل سے لکھ لے۔ لا موثر فی الموجود الا اللہ: کائنات میں خدا کے علاوہ کوئی مؤثر نہیں ہے۔

توحید عملی کو۔ جو توحید کا پہلا درجہ ہے۔ جس طرح بھی ممکن ہو دل میں جاگزیں کر اور دل کو مومن و مسلم بنا، اور کلمہ لا الٰہ الا اللہ کی اپنے دل پر مہر لگالے۔ اور قلب کی صورت کو کلمۂ توحید کی صورت میں کر دو۔ اور منزلِ اطمینان تک پہونچا کر اس کو سمجھا دو، لوگ کسی بھی قسم کا نفع و

Presented by www.ziaraat.com

نقصان نہیں پہونچا سکتے، نفع و نقصان پہونچانے والا صرف خدا ہے۔ نابینائی اور اندھے پن کو اپنی آنکھوں سے دور کرو کہیں ایسا نہ ہو کہ:

"رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِیْ اَعْمٰی" [29] (پالنے والے مجھے کیوں اندھا محشور کیا) کے مصداق بن جاؤ، اور جس دن سرائر ظاہر ہوں گے اس دن تم اندھے محشور ہو۔ خدا کا ارادہ تمام ارادوں پر غالب ہے۔

اگر تمہارا دل اس کلمۂ طیبہ کا اطمینان حاصل کرلے اور اس عقیدہ کو تسلیم کرلے تب تو امید ہے کہ تمہارا انجام بخیر ہو، اور شرک و ریا، کفر و نفاق کی جڑیں تمہارے دل سے کٹ جائیں۔ اور یہ بھی سمجھ لو کہ یہ عقیدہ حکم عقل و شرع (دونوں) کے مطابق ہے یہاں جبر کا توہم نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے بعض وہ لوگ جو اس کے مبادی و مقدمات سے مطلع نہ ہوں اور جن کے کان ان مطالب سے ناآشنا ہوں وہ اس کو جبر خیال کریں حالانکہ اس کا جبر سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ توحید ہے اور جبر شرک ہے۔ یہ ہدایت ہے جبر گمراہی ہے (پس یہ جبر کیسے ہو سکتا ہے؟) یہاں پر جبر و قدر کا بیان مناسب نہیں ہے۔ البتہ جو اس کے اہل ہیں ان پر مطلب واضح ہے اور دوسروں کو ان مطالب میں دخل دینے کا حق نہیں ہے بلکہ صاحب شریعت نے ان مطالب میں داخل ہونے سے ممانعت فرمائی ہے۔ [30]

بہر حال ہر وقت خصوصاً تنہائیوں میں تضرع و زاری کے ساتھ اپنے خدائے مہربان سے دعا کرو کہ تم کو نور توحید کی ہدایت کرے، اور تمہارے دل کو بتپرستی کے نور سے منور کرے، تاکہ تمام دنیا سے تم آزاد ہو جاؤ اور ہر چیز کو ناچیز سمجھو، (اسی طرح) اس ذات مقدس سے دعا کرو کہ تمہارے اعمال کو خالص کرے اور تمہاری راہ خلوص و مروت کی طرف ہدایت فرمائے۔ اب اگر تم صاحب حال ہو جاؤ تو اس بندۂ ضعیف و کاہل حقیقت سے خالی کے لئے جس نے اپنی پوری زندگی ہوا و ہوس میں گزار دی اور کدورات معاصی و امراض قلبی کی وجہ سے اس کا دل ایسا ہو گیا ہے کہ نہ کوئی نصیحت اثر کرتی ہے نہ کوئی آیت و روایت اثر کرتی ہے اور نہ کوئی دلیل و برہان سے اس کا دل متاثر ہوتا ہے۔ اپنی دعاؤں میں التجا کرنا شاید تمہاری دعا سے راہ نجات پیدا ہو سکے۔ کیونکہ خدا مومن کو اپنی بارگاہ سے خالی ہاتھ واپس نہیں کرتا اور اس کی دعاؤں کو بھی قبول کرتا ہے۔ رد نہیں کرتا ہے۔ [31]

ان مطالب کے ذکر کے بعد جنھیں تم خود بھی جانتے ہو اور یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔

Presented by www.ziaraat.com

اپنے دل کو پابند بناؤ۔ اپنی حرکات و سکنات اپنے اعمال و رفتار کے بارے میں دقت نظر سے کام لو۔ دل میں چھپی ہوئی باتوں کی تفتیش کرو۔ اور اس سے سختی کے ساتھ اسی طرح حساب کرو جس طرح دنیا کے کاروباری شریک ایک دوسرے سے حساب میں سختی کرتے ہیں۔ جس عمل میں ریاکاری و دکھاوے کا شبہہ بھی ہو اس کو چھوڑ دو چاہے وہ عمل کتنا ہی شریف ہو۔ یہاں تک کہ اگر واجبات کو بھی ظاہراً خالص نہیں ادا کر سکتے تو مخفی طریقہ سے بجالاؤ۔ حالانکہ واجبات کا علی الاعلان بجالانا مستحب ہے۔ بلکہ اس واجب میں ریاکاری کا اتفاق کم ہوتا ہے۔ زیادہ تر خصوصیات و زوائد و مستحبات میں ریا ہوتا ہے۔

بہر صورت حدیث کامل اور قلب سے شدید مجاہدہ کر کے اس کو شرک کے شائبہ سے پاک کرو۔ کہیں خدانخواستہ اسی عالم میں دنیا سے چلے جاؤ تو سارا کام خراب ہوگا اور پھر تمہاری نجات کی کوئی امید نہ رہے گی۔ اور خدا بھی تم پر غضب ناک ہوگا۔

چنانچہ وسائل میں قرب الاسناد کے حوالہ سے منقول ہے اور سلسلہ سند حضرت علیؑ تک منتہی ہوتا ہے۔ حضرت علیؑ فرماتے ہیں۔

فَإِنَّهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ: مَنْ تَزَيَّنَ لِلنَّاسِ بِمَا يُحِبُّ اللّٰهُ وَبَارَزَ اللّٰهَ فِي السِّرِّ بِمَا يَكْرَهُ اللّٰهُ، لَقِيَ اللّٰهَ وَهُوَ عَلَيْهِ غَضْبَانُ لَهُ مَاقِتٌ۔[۳۲]

"جو شخص لوگوں کے لئے اپنے کو ایسی چیز سے مزین کرے جو خدا کو محبوب ہو اور باطن میں ایسی چیز ہو جس کو خدا ناپسند کرتا ہو تو وہ خدا سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ خدا اس پر غضب ناک و وحشت ناک ہوگا۔"

اس حدیث میں دو احتمال ہیں۔

۱ــــ اعمال صالحہ لوگوں کو دکھانے کے لئے کرے اور اعمال قبیحہ باطن میں بجالائے۔

۲ــــ لوگوں کو صرف پیکر عمل دکھائے اور باطن میں ریاکاری کا قصد رکھتا ہو۔

دونوں صورتوں میں ریاکاری کو شامل ہے کیونکہ واجبات و راجحات کا بغیر قصد ریا بجالانا سبب غضب نہیں ہو سکتا۔ بلکہ دوسرے معنی کو بہتر کہا جا سکتا ہے کیوں کہ اعمال قبیحہ کو علناً بجالانا زیادہ برا ہے۔ بہر حال خدا نہ کرے کہ مالک الملوک اور ارحم الراحمین کسی انسان پر

Presented by www.ziaraat.com

غضب ناک ہو جائے۔ اعوذ باللہ من غضب الیم۔

چوتھی فصل

حدیث علوی کا بیان

میں اس بحث کو اس حدیث پر ختم کرتا ہوں جس کو کافی میں حضرت علیؑ سے اور جناب صدوق رضوان اللہ علیہ نے اس کو امام جعفر صادقؑ سے نقل کیا ہے۔ یہ حدیث رسولخداؐ کی وصیتوں میں سے ہے اور وہ یہ ہے:

«بِإِسْنَادِهِ عَنْ أَبِي عَبْدِاللّٰهِ (ع) قَالَ: قَالَ أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ عَلَيْهِ السَّلَام: ثَلَاثُ عَلَامَاتٍ لِلْمُرَائِي: يَنْشَطُ إِذَا رَأَى النَّاسَ؛ وَيَكْسَلُ إِذَا كَانَ وَحْدَهُ؛ وَيُحِبُّ أَنْ يُحْمَدَ فِي جَمِيعِ أُمُورِهِ.»[۳۴]

حضرت علیؑ فرماتے ہیں: ریاکار کی تین علامتیں ہیں۔

۱ــــ لوگوں کو دیکھ کر خوش ہوتا ہے۔

۲ــــ تنہائی میں سست ہوتا ہے۔

۳ــــ تمام امور میں اپنی تعریف کو پسند کرتا۔

یہ بری عادت کبھی اتنی مخفی ہوتی ہے کہ خود انسان اس بات سے بے خبر ہوتا ہے کہ وہ باطناً اہل ریا میں سے ہے وہ تو یہی گمان کرتا ہے کہ اس کا عمل خالص ہے۔ اس لئے (ہمارے ائمہؑ نے) اس کے لئے علامتوں کا ذکر کیا ہے تاکہ انسان ان علامتوں کی بنا پر اپنے باطن کے بارے میں اطلاع حاصل کرے اور پھر اس کا علاج کر ڈالے۔ (اس کا طریقہ یہی ہے) کہ جب تنہا ہو تو دیکھے اس کا نفس طاعات کی طرف مائل ہے (کہ نہیں؟) اور اگر تنہائی میں عبادت کرتا بھی ہے تو باقاعدہ کرتا ہے یا عمل کے ہاتھ پاؤں کو توڑ دیتا ہے پاک و پاکیزہ عمل نہیں کرتا۔ لیکن جب مسجدوں میں یا مجمع عام میں مشغول ہوتا ہے تو بڑے نشاط و مسرور دلچسپی و حضور قلب کے ساتھ بجالاتا ہے۔ بڑے طولانی رکوع و سجود کرتا ہے۔ مستحبات سے لیکر اس کے اجزاء و شرائط کو بہت

Presented by www.ziaraat.com

اچھی طرح انجام دیتا ہے۔

اگر انسان اس بات کی طرف ذرا بھی متوجہ ہو اور اپنے نفس سے سوال کرے کہ آخر اس کی کیا علت ہے کہ وہ عبادات کا مقدس جال بچھا کر اپنے آپ کو لوگوں کی توجہ کا مرکز بنانا چاہتا ہے؟ ممکن ہے وہ اپنے آپ کو اطمینان دلانے کی کوشش کرے کہ ایسا نہیں ہے مثلاً یہ کہے کہ چونکہ نماز کا ثواب مسجد میں زیادہ ہے یا جماعت میں بہت زیادہ ہے (اس لئے مجمع میں پڑھتا ہوں) یا مثلاً اگر جماعت و مسجد نہیں ہے تو اس طرح تاویل کر سکتا ہے۔ عمل کو نیک لوگوں کی موجودگی میں بجالانا چاہیئے تاکہ دوسرے لوگ بھی دیکھ کر پیروی کریں اور دوسروں کو بھی رغبت ہو۔

(نفس) انسان کو ہر طریقہ سے دھوکہ دیتا ہے یہ کوئی سرور و نشاط نہیں ہے یہ صرف وہ قلبی بیماری ہے جس میں بے چارہ انسان مبتلا ہے۔ وہ چونکہ اپنے کو صحیح و سالم سمجھتا ہے اس لئے علاج و معالجہ کی فکر نہیں کرتا، ویسے بھی جو مریض اپنے کو صحت مند سمجھتا ہو اس سے امید صحت منقطع ہو جاتی ہے۔ اس کی بدبختی یہ ہے کہ اپنے باطن میں عبادت گزاری کی تمائل کا میلان رکھتا ہے اور اپنے اس گناہ سے نہ صرف یہ کہ خود غافل ہے بلکہ ایک گناہ کو عبادت سمجھ کر اظہار کرتا ہے اور اس کے ساتھ اپنی خود نمائی کو مذہب کی ترویج کا نام دیتا ہے۔ حالانکہ مستحبات کا خلوت میں بجالانا مستحب ہے۔

آخر نفس کیوں ہمیشہ یہ چاہتا ہے کہ اس کو علی الاعلان کیا جائے؟ عمومی مجمع میں ہی خوفِ خدا سے گریہ کرنے میں اس کو کیوں خوشی و مسرت حاصل ہوتی ہے؟ لیکن تنہائی میں وہ چاہے جتنا اپنے اوپر جبر کرے اس کی آنکھ تر نہیں ہوتی (یہ آخر کیوں؟)

خوفِ خدا مجمع ہی میں کیوں پیدا ہوتا ہے؟ شبِ قدر میں چند ہزار لوگوں کے درمیان ہی کیوں نالہ و فغاں سوز و گداز پیدا ہوتا ہے؟ (مجمع عام میں) سورکعت نماز پڑھنی، دعائے جوشنِ کبیر و صغیر کا پڑھنا، چند پاروں کی تلاوت کرنے سے نہ اس کے ابرو پر خم آتا ہے نہ خستگی کا احساس ہوتا ہے (یہ کیوں؟) اگر واقعی انسان کے تمام امور رضائے الٰہی کے لئے یا طلبِ رحمت یا خوفِ جہنم یا شوقِ جنت میں ہیں تو پھر اس کو اپنے کاموں پر لوگوں کی مدح سرائی کی توقع کیوں ہے؟ اس کے کان لوگوں کی زبان کی طرف اور دل لوگوں کی گفتگو کی طرف کیوں لگا رہتا ہے؟ کہ دیکھوں کہ کون اس کی مدح کرتا ہے؟ کون یہ کہتا ہے، آقا کتنے مقدس آدمی ہیں اوّل وقت کے پابند اور مستحبات کے دلدادہ ہیں۔

Presented by www.ziaraat.com

حاجی آقا کتنے اچھے آدمی ہیں معاملات میں تو جناب ایسے ہیں اور ویسے ہیں۔ اگر ان کی نظر میں خدا ہے تو اس افزائی محبت کا کیا مطلب ؟ اور جنت و دوزخ نے اس عمل پر مجبور کیا ہے تو کسی کے کہنے سے دلچسپی کیوں ؟ متوجہ رہیئے کہ یہ محبت اسی شجرۂ خبیثہ ریا کا پھل ہے۔ جب تک ممکن ہے اس کے اصلاح کی کوشش کرو اور اگر ممکن ہو تو اپنے کو اس قسم کی محبتوں سے خالص کرلو۔

تنبیہ

ہم یہاں پر ایک مطلب کی طرف تنبیہ کرنا چاہتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ تمام نفسانی صفات کے لئے۔ خواہ وہ صفات حسنہ ہوں یا صفات خبیثہ۔ بہت سے مرتبے ہیں ایک مرتبہ تو یہ ہے کہ ان حسنات سے متصف ہونا اور برائیوں سے منزہ ہونا خاصانِ خدا اور عرفاء باللہ کے لئے مخصوص ہے۔ (یہ بہت اہم مرتبہ ہے) دیگر اشخاص کے لئے وہ صفات خبیثہ جو خاصانِ خدا کے لئے باعثِ نقص ہے۔ ان کے لئے نہیں ہیں۔ بلکہ ایک اعتبار سے ان کے لئے باعثِ کمال ہیں۔ (جیسا کہ کہا گیا ہے حسنات الابرار سیئات المقربین) اسی طرح جو چیزیں دیگر اشخاص کے لئے حسنات ہیں وہ خاصانِ خدا کے لئے باعثِ نقص ہیں۔

ان چیزوں میں سے ایک ریا ہے کہ ہر دست میں اسی موضوع پر گفتگو کر رہا ہوں۔ اخلاص صرف خاصانِ خدا کا درجہ ہے دوسرے لوگ اس میں شریک نہیں ہو سکتے۔ عوام الناس اگر اس اخلاص کے کسی درجہ تک پہونچ بھی جائیں تو درجہ اخلاص تک نہ پہونچنا ان کے لئے نقص نہیں ہے۔ اور نہ یہ کمی ان کے ایمان و اخلاص کے لئے نقصان رساں ہے۔ مثلاً عوام الناس فطری طور سے اس بات کی طرف مائل ہیں کہ ان کے خیرات کا اظہار لوگوں کے سامنے ہو۔ چاہے وہ خیرات اس نیت سے نہ کرتے ہوں لیکن چونکہ ان کے نفس کی تخلیق ہی اس محبت پر ہے لہٰذا وہ ایسا کرتے ہیں تو ان کی یہ خواہش ان کے عمل کے بطلان کا سبب نہیں ہے اور نہ موجب شرک و کفر ہے۔ اگرچہ یہی چیز اولیاء خاصانِ خدا کے لئے باعثِ نقص ہے اور ولی اللہ اور عارف باللہ کی نظر میں شرک و نفاق ہے۔ مطلق شرک سے پاکیزگی اور اس کے تمام مراتب سے اخلاص یہ ابتدائی مقامات اولیا میں سے ہے۔ اس کے دیگر مقامات بھی ہیں جن کا تذکرہ یہاں پر مناسب نہیں ہے۔ بلکہ ہمارے ائمہؑ کا یہ فرمانا۔ ہماری عبادت آزاد لوگوں کی عبادت ہے ہم نہ جنت کی طمع میں اور نہ جہنم کے خوف سے اس

Presented by www.ziaraat.com

کی عبادت کرتے ہیں۔[35] یہ بھی ولایت کا ابتدائی اور معمولی درجہ ہے۔ ائمہ معصومینؑ کی عبادتوں میں ایسے حالات ہیں جو ہماری اور آپ کی عقل میں نہیں سما سکتے۔

ہمارے اس بیان سے اس حدیث میں جو حضرت علیؑ اور رسولِ خدا سے منقول ہے اور اس حدیث میں جو زرارہ نے امام باقرؑ سے نقل کیا ہے جمع کیا جا سکتا ہے۔ زرارہ والی روایت یہ ہے:

«مُحَمَّد بْنِ يعقوب بِإِسْنَادِهِ عَنْ أَبِي جَعْفَر، عَلَيْهِ السَّلَامُ، قَالَ سَأَلْتُهُ عَنِ الرَّجُلِ يَعْمَلُ الشَّيْءَ مِنَ الخَيْرِ فَيَرَاهُ إِنْسَانٌ فَيَسُرُّهُ ذَلِكَ. قَالَ: لَا بَأْسَ؛ مَا مِنْ أَحَدٍ إِلَّا وَهُوَ يُحِبُّ أَنْ يَظْهَرَ لَهُ فِي النَّاسِ الخَيْرُ إِذَا لَمْ يَكُنْ صَنَعَ ذَلِكَ لِذَلِكَ.[36]»

(بخذف الاسناد) زرارہ کہتے ہیں: میں نے حضرت امام باقرؑ سے ایک شخص کے بارے میں پوچھا کہ ایک شخص کوئی اچھا کام کرتا ہے اور جب اس کے اچھے کام کو کوئی دیکھتا ہے تو اسے یہ بات بہت مسرور کرتی ہے! حضرت نے فرمایا: کوئی حرج نہیں ہے دنیا میں ہر شخص اس بات کو دوست رکھتا ہے کہ لوگوں میں اس کا (کارِ) خیر ظاہر ہو بشرطیکہ اس نے اس کارِ خیر کو اسی نیت سے نہ کیا ہو" (یعنی لوگوں کو دکھانے کے لئے نہ کیا ہو)

دونوں حدیثوں میں سے ایک کے اندر تعریف کو ریا کی علامت قرار دیا گیا ہے اور دوسری میں خیرات کے ظاہر ہونے والی خوشی سے نفی بأس کیا گیا ہے اور یہ اشخاص کے مراتب میں اختلاف کی بنا پر ہے۔ ایک دوسری وجہ جمع بھی ہے مگر اس سے اعراض کر لیا گیا ہے۔

تتمہ

"سمعہ" کا مطلب لوگوں کو اپنی طرف کھینچنے (اور شہرت) کے لئے لوگوں کے کانوں تک اپنی خوبیوں کو پہونچانا ہے۔ یہ بھی چونکہ شجرہ خبیثہ ریا ہی سے تعلق رکھتا ہے اسی لئے ہم نے اس کو بھی ریا کے ساتھ ہی ذکر کر دیا۔ اس کے لئے الگ باب قائم نہیں کیا۔

Presented by www.ziaraat.com

دوسری حدیث کی توضیحات

۱:۔ اصولِ کافی جلد ۲ ص ۲۹۳، کتاب ایمان وکفر باب ریا حدیث ۳

۲:۔ فقہا نے نیت نماز کی بحث میں ریا کو مورد بحث قرار دیا ہے ملاحظہ ہو جواہر الکلام جلد ۹ ص ۱۸۰-۱۹۵، کتاب الصلوٰۃ بحث نیت، عروۃ الوثقیٰ ص ۲۰۸-۲۱۰ کتاب الصلوٰۃ فصل نیت، تحریر الوسیلہ جلد ۱ ص ۱۴۰-۱۴۱ کتاب الصلوٰۃ بحث نیت،

۳:۔ یہی حدیث فصل "ایمان علم کے علاوہ ہے" میں ہے۔

۴:۔ اصولِ کافی جلد ۲ ص ۲۹۵ کتاب ایمان وکفر، باب ریا حدیث ۹

۵:۔ سورہ ھمزہ آیت ۶ سے

۶:۔ خداوندِ عالم کا ارشاد ہے: «وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَحُولُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهِ» (یہ جان لو کہ خدا انسان اور اس کے دل کے درمیان حائل ہو جاتا ہے) (انفال ۲۴) اور «وَإِنَّ الْقُلُوبَ بَيْنَ إِصْبَعَيْنِ مِنْ أَصَابِعِ اللَّهِ، يُقَلِّبُهَا كَيْفَ يَشَاءُ سَاعَةً كَذَا وَسَاعَةً كَذَا وَأَنَّ الْعَبْدَ رُبَّمَا وُفِّقَ لِلْخَيْرِ (تمام قلوب خدا کے دو انگلیوں کے درمیان ہیں وہ جس طرح چاہتا ہے ان کو گردش دیتا ہے کبھی ادھر کبھی ادھر اور بسا اوقات بندہ کار خیر کی توفیق پا لیتا ہے) بحار الانوار جلد ۲، ص ۴۸، کتاب العشرۃ باب ۴۰ حدیث ۹

۷:۔ اصولِ کافی جلد ۲ ص ۲۹۴، کتاب ایمان وکفر، باب ریا حدیث ۴

۸:۔ یہ اس آیت کی طرف اشارہ ہے «يَوْمَ يَنْظُرُ الْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ يَدَاهُ وَيَقُولُ الْكَافِرُ يَا لَيْتَنِي كُنْتُ تُرَابًا» جس دن انسان اپنے پہلے بھیجے ہوئے اعمال کو دیکھے گا اور کافر کہے گا کاش میں مٹی ہوتا (سورہ نبا آیت ۴۰)

۹:۔ متنِ حدیث یہ ہے «إِنَّ الْمَلَكَ لَيَصْعَدُ بِعَمَلِ الْعَبْدِ مُبْتَهِجاً بِهِ، فَإِذَا صَعِدَ بِحَسَنَاتِهِ يَقُولُ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ: اجْعَلُوهَا فِي سِجِّينٍ إِنَّهُ لَيْسَ إِيَّايَ أَرَادَ بِهَا» اصولِ کافی جلد ۲ ص ۲۹۴، کتاب ایمان وکفر باب ریا حدیث ۷۔

Presented by www.ziaraat.com

۱۰:۔ سورہ روم آیت ۳۰/

۱۱:۔ سورۃ آلِ عمران آیت ۹۷

۱۲:۔ یہ آیۂ مبارکہ «قُل لَّا أَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَىٰ» (سورۂ شوریٰ آیت ۲۳) اے رسولؐ ان سے کہہ دیجئے میں تم سے اپنے قرابت داروں کی محبت کے علاوہ کوئی اجرِ رسالت نہیں چاہتا۔

۱۳:۔ سورۃ الحجرات آیت ۱۷-۱۸

۱۴:۔ سورہ عنکبوت آیت ۶۹

۱۵:۔ احیاء العلوم الدین جلد ۳ ص ۱۶، شرح عجائب القلب، عوالی اللئالی جلد ۴ ص ۷، (ولکن یسنی)۔ بحارالانوار جلد ۵۵ ص ۲۹، کتاب السماء والعالم باب العرش والکرسی وحملتہا، المحجۃ البیضاء جلد ۵ ص ۲۷۔

۱۶:۔ حدیث ۲ حاشیہ ۶

۱۷:۔ علم الیقین جلد ۱ ص ۲۸۱

۱۸:۔ اسی کتاب کے صفحہ ۱۲ پر

۱۹:۔ متنِ حدیث یہ ہے «مِنَ الْحَيِّ الْقَيُّومِ الَّذِي لَا يَمُوتُ إِلَى الْحَيِّ الْقَيُّومِ الَّذِي لَا يَمُوتُ. أَمَّا بَعْدُ فَإِنِّي أَقُولُ لِلشَّيْءِ كُنْ فَيَكُونُ وَقَدْ جَعَلْتُكَ تَقُولُ لِلشَّيْءِ كُنْ فَيَكُونُ» علم الیقین ج ۲ ص ۱۰۱۱۔

۲۰:۔ اسی کتاب کے صفحہ ۱۰۰ پر

۲۱:۔ حدیث ۱۔ پاورقی ۵۶

۲۲:۔ بحارالانوار جلد ۹۳ ص ۱۷ (کتاب زکوٰۃ وصدقہ) باب ۲۰ حدیث ۱

۲۳:۔ یہ اس آیت کی طرف اشارہ ہے «قَالَ رَبِّ بِمَا أَغْوَيْتَنِي لَأُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِي الْأَرْضِ وَلَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ» (حجر/ ۳۹-۴۰) (شیطان نے) کہا: اے میرے خدا چونکہ تو نے مجھے راستہ سے الگ کیا اس لئے میں بھی دنیا میں ان کے لئے (دنیا کو) زینت بخشش دکھاؤں گا اور سب ہی کو بہکاؤں گا۔ البتہ تیرے خالص بندوں کو نہ بہکا سکوں گا۔

۲۴:۔ مُراد مرحوم آیت اللہ شاہ آبادی ہیں۔

۲۵:۔ بحارالانوار جلد ۶۷ ص ۲۴۲۔ باب اخلاص کتاب ایمان وکفر حدیث ۱۰۔

۲۶:۔ یہ اس آیۂ مبارکہ: «إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَن يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ» (یقیناً خدا شرک کو نہیں بخشے گا۔ اس کے علاوہ کو بخش سکتا ہے۔) نساء/ ۴۸-۱۱۶- کی طرف اشارہ ہے۔

۲۷:۔ قال ابوعبداللہؑ: «يَا ابْنَ آدَمَ، لَوْ أَكَلَ قَلْبُكَ طَائِرٌ لَمْ يُشْبِعْهُ» اے ابن آدم تیرے دل کو اگر ایک چڑیا کھالے تو اس کا بھی پیٹ نہ بھرے گا۔ اصول کافی جلد ۱ ص ۹۲ (کتاب توحید) باب النہی عن الکلام فی الکیفیۃ حدیث ۸۔

۲۸:۔ یہ اس آیۂ مبارکہ کی طرف اشارہ ہے: «إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ لَن يَخْلُقُوا ذُبَابًا وَلَوِ اجْتَمَعُوا لَهُ وَإِن يَسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْئًا لَّا يَسْتَنقِذُوهُ مِنْهُ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوبُ.» (حج/ ۷۳) تم لوگ خدا کو چھوڑ کر جن کو پکارتے ہو وہ سب کے سب اکٹھا ہو کر بھی ایک مکھی نہیں پیدا کر سکتے اور اگر مکھی ان سے کچھ چھین لے تو یہ لوگ اس کو اس سے چھڑا نہیں سکتے۔ (عجیب بات ہے) پکارنے والا اور جس کو پکارا گیا ہے دونوں کمزور ہیں۔

Presented by www.ziaraat.com

۲۹:- پالنے والے مجھے کیوں اندھا محشور کیا۔ (سورہ طٰہٰ / ۱۲۵)

۳۰:- امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں، ایک شخص نے حضرت علیؑ سے "قدر" کے بارے میں پوچھا تو حضرتؑ نے فرمایا: "بَحرٌ عَمِیقٌ فَلَا تَلِجْهُ۔" یہ بہت گہرا سمندر ہے اس میں داخل نہ ہو۔ اس نے دوبارہ پھر پوچھا تو حضرت علیؑ نے فرمایا: طَرِیقٌ مُظْلِمٌ فَلَا تَسْلُكْهُ، یہ بہت تاریک راستہ ہے اس پر چلنے کی کوشش نہ کرو۔ اس نے تیسری بار پھر پوچھا تو حضرت علیؑ نے فرمایا: سِرُّ اللّٰهِ فَلَا تَتَكَلَّفْهُ۔ "یہ خدا کا راز ہے اپنے کو مشکل میں نہ ڈال۔ بحارالانوار جلد ۵ ص ۹۷۔ (کتاب العدل والمعاد) باب اقتضاء القدر حدیث ۲۲۔

۳۱:- امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: "مَا اَحْرَزَ عَبْدٌ یَدَهُ اِلَی اللّٰهِ الْعَزِیزِ الْجَبَّارِ اِلَّا اسْتَحْیَا اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ اَنْ یَرُدَّهَا صِفْراً حَتّٰی یَجْعَلَ فِیهَا مِنْ فَضْلِ رَحْمَتِهِ مَا یَشَاءُ فَاِذَا دَعَا اَحَدُكُمْ فَلَا یَرُدُّ یَدَهُ حَتّٰی یَمْسَحَ عَلٰی وَجْهِهِ وَرَاْسِهِ۔" جب بھی کوئی بندہ خدائے عزیز جبار کے سامنے ہاتھوں کو اٹھا کر دعا کرتا ہے تو خدا کو حیا ہاتھ واپس کرتے ہوئے شرم آتی ہے یہاں تک کہ اپنی فضل و رحمت سے اس میں کچھ نہ کچھ رکھ دیتا ہے لہٰذا جب تم میں سے کوئی اپنا ہاتھ دعا کے لئے اٹھائے تو جب تک اس کو اپنے سر و چہرے پر نہ مل لے۔ نہ گرائے۔ اصول کافی جلد ۲ ص ۴۷۱ (کتاب دعا) "باب ان من دعا استجیب لہ" حدیث ۲۔

۳۲:- وسائل الشیعہ جلد ۱ ص ۵۰ کتاب طہارت (ابواب مقدمہ عبادات) باب ۱۱۔ حدیث ۱۴۔

۳۳:- حدیث ۱، پاورقی ۳۲۔

۳۴:- اصول کافی جلد ۲ ص ۲۹۵، کتاب ایمان و کفر باب ریا حدیث ۸۔

۳۵:- "اَلْعِبَادَةُ ثَلَاثَةٌ: قَوْمٌ عَبَدُوا اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ خَوْفاً فَتِلْكَ عِبَادَةُ الْعَبِیدِ وَقَوْمٌ عَبَدُوا اللّٰهَ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی طَلَبَ الثَّوَابِ فَتِلْكَ عِبَادَةُ الْاُجَرَاءِ وَقَوْمٌ عَبَدُوا اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ حُبّاً لَهُ فَتِلْكَ عِبَادَةُ الْاَحْرَارِ وَهِیَ اَفْضَلُ الْعِبَادَةِ" "عبادت تین قسم کی ہوتی ہے۔ ۱: ایک قوم خدا کی عبادت (جہنم کے) خوف سے کرتی ہے یہ غلاموں والی عبادت ہے۔ ۲: کچھ لوگ خدائے تبارک و تعالیٰ کی عبادت ثواب کی خاطر کرتے ہیں یہ مزدوروں کی عبادت ہے (ہاں) کچھ لوگ خدا سے محبت کی بنا پر اس کی عبادت کرتے ہیں۔ یہ آزاد لوگوں کی عبادت ہے اور یہی سب سے افضل عبادت ہے۔ وسائل جلد ۱ ص ۴۵ "ابواب مقدمۃ العبادات" باب ۹ حدیث ۱، اور اصول کافی جلد ۲ ص ۱۳۱، کتاب ایمان و کفر "باب عبادت" حدیث ۵۔

۳۶:- اصول کافی جلد ۲ ص ۲۹۵، کتاب ایمان و کفر "باب ریا حدیث ۸۔

Presented by www.ziaraat.com

تیسری حدیث

«بِالسَّنَدِ الْمُتَّصِلِ إِلَى مُحَمَّدِ بْنِ يَعْقُوب، عَنْ عَلِيِّ بْنِ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَسْبَاطٍ، عَنْ أَحْمَدَ بْنِ عُمَرَ الْحَلَّالِ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ سُوَيْدٍ، عَنْ أَبِي الْحَسَنِ، عَلَيْهِ السَّلَامُ، قَالَ: سَأَلْتُهُ عَنِ الْعُجْبِ الَّذِي يُفْسِدُ الْعَمَلَ. فَقَالَ الْعُجْبُ دَرَجَاتٌ: مِنْهَا أَنْ يُزَيَّنَ لِلْعَبْدِ سُوءُ عَمَلِهِ فَيَرَاهُ حَسَناً، فَيُعْجِبُهُ وَيَحْسَبُ أَنَّهُ يُحْسِنُ صُنْعاً. وَمِنْهَا أَنْ يُؤْمِنَ الْعَبْدُ بِرَبِّهِ فَيَمُنَّ عَلَى اللّٰهِ تَعَالَى وَلِلّٰهِ عَلَيْهِ فِيهِ الْمَنُّ.»[1]

ترجمہ: "علی بن سوید کہتے ہیں، میں نے حضرت امام موسیٰ کاظمؑ سے اس عجب کے بارے میں پوچھا جو عمل کو فاسد کر دیتا ہے تو حضرت نے فرمایا: عجب کے (کئی) درجے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ اس کا بُرا عمل اس کے لئے باعث زینت ہو پس وہ شخص اس عمل کو اچھا سمجھے اور اس کی وجہ سے اس میں عجب پیدا ہو جائے اور اس کو گمان ہو کہ اس نے اچھا عمل کیا ہے اور ان میں سے ایک یہ ہے کہ بندہ اپنے خدا پر ایمان لائے اور اس ایمان لانے کو خدا پر احسان کرتا سمجھے۔ حالانکہ ایمان لانے میں خدا کا بندے پر احسان ہے" (نہ کہ بندے کا خدا پر احسان ہے۔)

Presented by www.ziaraat.com

شرح: علمائے کرام رضوان اللہ علیہم کے نزدیک عجب (خود پسندی) کا مطلب "اپنے اچھے عمل کو بڑا سمجھنا اور زیادہ خیال کرنا اور اس پر خوشی و مسرور ہونا" ہے اور اس عمل پر ناز کرنا اور اپنے کو حد تقصیر سے خارج سمجھنا ہے لیکن اس عمل پر خوش ہونا اور خدائے بزرگ و برتر کے لئے تواضع و فروتنی کرنا اور اس کو توفیق پر خدا کا شکر ادا کرنا اور مزید توفیق کرنا، عجب نہیں بلکہ ممدوح ہے۔[۲]

محدث عظیم الشان علامہ مجلسیؒ صاحب ثرثاء محقق کبیر، دانش مند بزرگ شیخ اجل بہاء الدین عاملیؒ کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں: بیشک اعمال صالحہ کرنے والے۔ مثلاً روزہ رکھنے والے شب بیداری کرنے والے وغیرہ حضرات کے دل میں ان اعمال سے ایک مسرت و سرور پیدا ہوتا ہے پس اگر یہ مسرت و سرور اس وجہ سے ہے کہ خدا نے اس کو اتنی بڑی نعمت عطا کی ہے کہ اس سے یہ اعمال صالحہ سرزد ہوتے ہیں اور اسی کے ساتھ وہ ان کی کمیوں اور نقائص کی طرف سے خوفزدہ بھی ہو کہ کہیں یہ نعمت مجھ سے چھین نہ لی جائے اس لئے خدا سے اس میں مزید اضافہ طلب کرے تو یہ مسرت و سرور عجب نہیں ہے۔ لیکن اگر یہ مسرت و سرور اس وجہ سے ہو کہ اس نے ان اعمال کو کیا ہے اور اس کے اندر یہ صفت پائی جاتی ہے اور اپنے ان اعمال کو بہت اہمیت دے اور ان پر اعتماد و بھروسہ کرے اور اپنے کو حد تقصیر سے خارج سمجھے اور اس کی انتہا یہ ہو جائے کہ گویا وہ خدا پر ان اعمال کی وجہ سے احسان جتا رہا ہے تو یہی مسرت و سرور عجب ہے۔ انتہیٰ۔[۵]

فقیر (مؤلف کتاب) کہتا ہے:

خود پسندی کی جو تفسیر (ہمارے علمائے) کی ہے صحیح ہے۔ لیکن عمل کو عمل قلبی و عمل جوارحی سے عام ماننا چاہیئے۔ کسی ایک سے مخصوص نہیں کرنا چاہیئے اسی طرح اچھے اور برے عمل سے بھی اعم ماننا چاہیئے کیونکہ عجب جیسے اعمال جوارح پر ہوتا ہے۔ اسی طرح اعمال قلب و باطن پر بھی ہوتا ہے اور ان کو فاسد و برباد کر دیتا ہے۔ اور جس طرح نیک خصلت والا خود پسند ہوتا ہے۔ بری عادتوں والا بھی اپنی عادت پر گھمنڈ کرتا ہے جیسا کہ اس حدیث شریف میں دونوں کی تصریح کر دی گئی ہے اور دونوں کا ذکر کر دیا گیا ہے کیونکہ یہ بات اغلب لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ ہے اور جب یہ بات واضح ہو گئی تو ہم اگر خدا نے چاہا تو دونوں کا ذکر کریں گے۔

نیز یہ بھی معلوم ہونا چاہیئے کہ جس مسرت و سرور سے خود پسندی کی نفی کی گئی ہے اور اس کو صفات ممدوحہ میں شمار کیا گیا ہے اس کا انحصار خود شخص کی حالت و نوعیت پر ہے جیسا کہ آئندہ کسی فصل میں بیان کیا جائے گا۔[۶]

Presented by www.ziaraat.com

نیز حدیث شریف کے مطابق خود پسندی کے درجات ہیں جن کو ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

پہلا درجہ ——— ایمان اور معارفِ حقہ پر خود پسندی۔ اس کے مقابلہ میں کفر و شرک اور عقائدِ باطلہ پر گھمنڈ ہے۔

دوسرا درجہ ——— صفاتِ پسندیدہ و ملکاتِ فاضلہ پر عُجب، اس کے مقابلہ میں بُرے اخلاق اور بُرے ملکات پر گھمنڈ ہے۔

تیسرا درجہ ——— اعمالِ صالحہ اور افعالِ حسنہ پر عُجب، اور اس کے مقابلہ میں اعمالِ قبیحہ اور بُرے افعال پر خود پسندی ہے۔

ان کے علاوہ بھی عُجب کے درجات ہیں مگر اس جگہ کے لئے ان کی خاص اہمیت نہیں ہے۔ ہم انشاء اللہ ان کے درجات اور ان کے اسباب اور ان کے علاج کے سلسلہ میں چند فصلوں میں سب کا ذکر کریں گے۔ وبہ نستعین

پہلی فصل

خود پسندی کے مرتبے

یہ جان لو کہ ان سابق الذکر درجات میں بھی خود پسندی کے کئی درجے اور مرتبے ہوتے ہیں۔ بعض تو بہت ہی واضح اور روشن ہوتے ہیں کہ انسان تھوڑی سی توجہ اور التفات سے اس کو سمجھ لیتا ہے۔ (البتہ) بعض اتنے دقیق و باریک ہوتے ہیں کہ جب تک انسان ان کی مکمل تفتیش نہ کرے اور بڑی دقتِ نظر سے کام نہ کرے اس کا ادراک نہیں کر سکتا۔ اور بعض مرتبہ بعض دیگر مرتبوں سے شدید و سخت تر و مہلک تر ہوتے ہیں۔

پہلا مرتبہ: جو سب سے بڑا اور جس کی ہلاکت سب سے زیادہ ہے وہ یہ ہے کہ انسان اپنے ایمان اور اچھی خصلتوں کا احسان اپنے دل نعمت اور مالک الملوک پر رکھے اور اپنے دل میں گمان کرے کہ میرے ایمان کی وجہ سے خدا کی مملکت میں وسعت یا دین خدا میں رونق پیدا ہو گئی یا اس کی ترویج شریعت یا ارشاد و ہدایت یا اس کے امر بمعروف و نہی

Presented by www.ziaraat.com

از منکر یا اجرائے حدود یا اس کے محراب و منبر کی وجہ سے دینِ خدا کی رونق بڑھ گئی یا یہ گمان کرے کہ (مسلمانوں کی جماعت میں میرے آنے سے یا امام حسین علیہ السلام کی مجلس میں شرکت کرنے سے دین کی رونق بڑھ گئی۔ اور اسی طرح وہ خدا و امام مظلوم و رسولِ خدا پر احسان رکھے خواہ زبان سے نہ بھی کہے (مگر) دل میں یہ احساس رکھے (تو یہ عُجب کی سب سے بڑی قسم ہے۔)

اسی طرح بندگانِ خدا پر امورِ دینی کے سلسلہ میں احسان جتانا مثلاً واجبی و مستحبی صدقہ دینے میں، کمزوروں اور فقیروں کی مدد کرنے احسان جتانا یہ بھی عُجب کے پہلے مرتبہ میں شامل ہے۔ البتہ یہ صفت گرطری کبھی اتنی مخفی ہوتی ہے کہ خود انسان اس کو نہیں سمجھ پاتا۔ خدا کا اپنے بندوں پر احسان جتانا اور بندوں کا خدا پر کسی قسم کا احسان نہ ہونے کی تفصیل دوسری حدیث کی شرح میں گزر چکی۔

دوسرا مرتبہ: یہ ہے کہ دل میں موجود خود پسندی کی وجہ سے خداوندِ عالم سے ناز و نخرے کرنا۔ یہ احسان جتانے والے عُجب کے علاوہ ہے اگرچہ بعضوں نے دونوں میں کوئی فرق نہیں کیا ہے۔

اس مرتبہ والا شخص اپنے کو محبوبِ خدا سمجھتا ہے اور اپنے کو خدا کے مقرب بندوں اور سابقین میں شمار کرتا ہے۔ اور اگر کہیں اولیائے حق یا محبوبین و محبین یا سالکین و مجذوبین کا ذکر کیا جائے تو یہ اپنے دل میں اپنے کو بھی انھیں لوگوں میں شمار کرتا ہے۔ لیکن ہو سکتا ہے کسرِ نفسی کر کے اس کے خلاف کا اظہار کرے۔ یا اپنے لئے اس مقام کے اثبات کی خاطر اس طرح نفی کرے کہ اس سے اثبات لازم آئے اور اگر خدا اس کو کسی بلا میں مبتلا کر دے تو ابتلاء للولاء۔ (بلا تو دوستوں ہی کے لئے ہوتی ہے) کا نعرہ لگائے۔ عرفاء و صوفی و اہلِ سلوک و ریاضت جو ارشاد و ہدایت کے مدعی ہوتے ہیں وہی لوگ عُجب کے اس درجہ سے بہ نسبت دوسروں کے زیادہ قریب ہوتے ہیں۔

تیسرا درجہ یہ ہے کہ: اپنے ایمان یا اعمال یا ملکات کی وجہ سے اپنے کو ثواب کا مستحق سمجھتا ہو۔ اور خدا کے لئے واجب جانتا ہو کہ اس کو اس دنیا میں عزیز رکھے اور آخرت میں بلند مرتبہ کرے اور اپنے کو مومن و پاک باز و صاف دل خیال کرتا ہو۔ اور جب کہیں ان مومنین کا ذکر آجائے جو غیب پر ایمان رکھتے ہیں تو اپنے سر کو اس طرح حرکت دے جیسے کہ وہ خود بھی انھیں میں

Presented by www.ziaraat.com

ہے ہے اور دل میں یہ سوچے کہ اگر خدا ہمارے ساتھ انصاف کرے تو میں بھی اجر و ثواب کا مستحق ہوں۔ بلکہ بعض تو ایسے بے حیا و بے شرم ہوتے ہیں کہ اس باطل کلام کی تصریح بھی لفظاً کر دیتے ہیں۔ اور اگر کبھی کسی بلا میں گرفتار ہو گئے تو دل میں خدا پر اعتراض کرتے ہیں اور خدائے عادل کے کاموں پر تعجب کرتے ہیں کہ اس نے مومن پاک کو مبتلا بہ بلا کیوں کیا اور منافق کو رزق (و نعمت) کیوں دی؟ اور باطن میں خدا اور اس کی تقدیر ات پر غضب ناک ہوتے ہیں مگر ظاہر میں اظہار رضامندی کرتے ہیں۔ اپنے غصہ کا اظہار اپنے ولی نعمت پر کرتے ہیں اور مخلوق پر رضا بہ قضا کا اظہار کرتے ہیں اور جب سنتے ہیں کہ خدا دنیا میں مومنین کو مبتلائے مصیبت کرتا ہے تو اپنے دل کو تسلی دے دیتے ہیں اور یہ نہیں جانتے کہ منافق بھی کثیر تعداد میں مبتلا ہیں۔ نہ ہر مبتلا مومن ہے۔ (نہ ہر غیر مبتلا منافق ہے)

چوتھا درجہ: عُجب کا ایک درجہ یہ بھی ہے کہ وہ اپنے کو دوسروں سے ممتاز و بہتر سمجھتا ہے۔ غیر مومنین سے اس لئے کہ وہ مومن ہے اور مومنین سے اس لئے کہ وہ خود کامل الایمان ہے اور جو لوگ اچھے اوصاف کے مالک نہیں ہیں ان سے صفاتِ حسنہ سے متصف ہونے کی وجہ سے اور اس کے مقابل والوں سے اپنے کو اس لئے بہتر سمجھتا ہے کہ خود تمام واجبات کا پابند ہے اور تمام محرمات کا تارک ہے اور عوام الناس سے اپنے کو اس لئے کامل و ممتاز سمجھتا ہے کہ وہ مستحبات کو بھی بجالاتا ہے۔ جمعہ و جماعات و دیگر مناسک اور ترکِ مکروہات کا پابند بھی ہے۔

اپنے اوپر اور اپنے اعمال پر اعتماد و بھروسہ کرتا ہے اور دوسرے لوگوں کو ناقص و ناچیز سمجھتا ہے۔ تمام لوگوں کو ذلت کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور اپنے دل میں یا زبان سے تمام بندگانِ خدا کی سرزنش کرتا ہے اور طعن و طنز کرتا ہے۔ ہر شخص کو رحمتِ الٰہی سے دور جانتا ہے اور رحمتِ حق کو صرف اپنے لئے اور اپنے جیسے کچھ لوگوں کے لئے مخصوص سمجھتا ہے۔ اس درجہ کا آدمی ایسا ہوتا ہے کہ لوگوں کے کسی بھی عمل صالح پر نکتہ چینی کئے بغیر رکتا نہیں ہے۔ اور اپنے دل میں اس پر خدشہ کرتا ہے اور اپنے اعمال کو ان تمام خدشات و مناقشات سے پاک جانتا ہے۔ لوگوں کے اعمالِ حسنہ کو ہیچ و پوچ سمجھتا ہے اور اگر وہی عمل خود کرے تو اس کی بڑی اہمیت سمجھتا ہے۔ لوگوں کے معمولی عیوب بھی دیکھ لیتا ہے اور اپنے بڑے سے بڑے عیب سے بھی غافل رہتا ہے۔ یہ سب عُجب کی علامتیں ہیں اگرچہ خود انسان ان سے غافل ہے۔ عُجب

Presented by www.ziaraat.com

کے اور بھی درجات ہیں۔ بعض کا میں نے خود ذکر نہیں کیا اور بعض سے مجبوراً غفلت برتی ہے۔

دوسری فصل

فسادیوں کا عجب

کفار، منافقین، مشرکین، ملحدین، برے اخلاق والے، پست ملکات والے، گنہگار و نافرمان لوگ کبھی اس نوبت تک پہونچ جاتے ہیں کہ اپنے کفر و زندقہ، برے اخلاق، ہلاک کرنے والے اعمال پر تکبر و مسرت و فخر و مباہات کرنے لگتے ہیں اور اس طرح اپنے کو آزاد، اور توہم پرستی و غیر پرستی سے الگ سمجھ کر حریت فکر و ضمیر کا دعویٰ کرتے ہیں اور اپنے اسی عقیدے کو مردانگی خیال کرتے ہیں اور ایمان باللہ کو توہم پرستی، دینداری کو تنگ نظری خیال کرتے ہیں، اخلاق حسنہ و ملکات فاضلہ کو بے چارگی اور کمزوری نفس شمار کرتے ہیں، اعمال حسنہ و مناسک اور عبادات کو ضعف نفس اور اختلال حواس سمجھتے ہیں۔

اور اس آزادی اور (بخیال خود) بے اعتقادی و بے اعتنائی شریعت کو لائق مدح و ستائش خیال کرتے ہیں۔ اخلاقی معائب اور بری خصلتیں جو ان کے دل میں جڑ پکڑ چکی ہیں اور وہ ان سے مانوس ہو چکے ہیں اور ان کی آنکھیں ان چیزوں کی عادی اور کان ان سے بھر چکے ہیں ان کی نظروں میں یہی چیزیں باعث زینت ہیں اور انھیں کو وہ لوگ کمال سمجھتے ہیں چنانچہ اس حدیث شریف میں اسی جگہ اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ جہاں ارشاد ہے کہ: ان کے درجات میں سے ایک درجہ یہ ہے کہ بندے کی نظر میں اس کا برا عمل اچھا معلوم ہونے لگے اور باعث زینت بن جائے اور یہ خدا کے اس قول کی طرف اشارہ ہے:

﴿أَفَمَنْ زُيِّنَ لَهُ سُوءُ عَمَلِهِ فَرَآهُ حَسَنًا﴾

"بھلا وہ شخص جسے اس کا برا کام (شیطانی اغوا سے) اچھا کر دکھایا گیا ہو اور وہ اسے اچھا سمجھنے لگا ہو (کبھی مومن نیکوکار کے برابر ہو سکتا ہے؟ ہرگز نہیں)" جیسے فرمایا گیا ہے کہ اسکو گمان ہے کہ وہ اچھا عمل کرتا ہے۔ الخ۔ یہ خدا کے اس قول کی طرف اشارہ ہے:

﴿قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا. الَّذِينَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ

Presented by www.ziaraat.com

الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعاً. أُولٰئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ وَلِقَائِهِ فَحَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْناً۔

"(اے رسولؐ) تم کہہ دو کہ کیا ہم ان لوگوں کا پتہ بتادیں جو لوگ اعمال کی حیثیت سے بہت گھاٹے میں ہیں (یہ) وہ لوگ (ہیں) جن کی دنیاوی زندگی کی سعی و کوشش سب اکارت ہو گئی اور وہ اس خام خیالی میں ہیں کہ وہ یقیناً اچھے اچھے کام کر رہے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے اپنے پروردگار کی آیتوں سے اور (قیامت کے دن) اس کے سامنے حاضر ہونے سے انکار کیا تو ان سب کا کیا کرایا اکارت ہو گیا۔ تو ہم اس کے لئے قیامت کے دن میزان حساب بھی قائم نہ کریں گے۔" (اور ان کو سیدھے جہنم میں بھیج دیں گے)

لوگوں کا یہ گروہ جاہل و بے خبر ہے مگر اپنے کو عالم و مطلع خیال کرتا ہے یہ گروہ سب سے زیادہ بے چارہ اور بدبخت ہے۔ نفوس کا علاج کرنے والے اطباء اس کے علاج سے عاجز ہیں۔ دعوت و نصیحت کا اثر اس گروہ پر ہوتا ہی نہیں ہے بلکہ کبھی تو نصیحت کا اثر الٹا ہو جاتا ہے۔ یہ گروہ نہ برہان کو سنتا ہے نہ انبیاء کی ہدایت اور حکماء کے برہان اور علماء کے موعظہ پر کان دھرتا ہے۔ نفس کے شرور اور اس کے مکائد سے خدا کی پناہ مانگنی چاہیئے۔ نفس انسان کو گناہ سے کفر کی طرف کھینچ لے جاتا ہے اور کفر سے عُجب کی طرف اور وہ کفر تک پہونچا دیتا ہے۔

نفس و شیطان بعض گناہوں کو چھوٹا کر کے دکھانے کی وجہ سے انسان کو معصیت پر آمادہ کر دیتے ہیں اور پھر دل میں اس کو معمولی سمجھ کر انسان اس سے بڑی معصیت میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اور تکرار کے بعد اس کی بھی اہمیت گھٹ جاتی ہے اور پھر انسان بڑی سی بڑی معصیت میں مبتلا ہوتا رہتا ہے۔ اسی طرح انسان قدم بہ قدم آگے بڑھتا جاتا ہے اور بڑی سے بڑی معصیت انسان کی نظر میں چھوٹی نظر آنے لگتی ہے اور پھر نوبت یہ آجاتی ہے کہ کسی بھی معصیت کی کوئی اہمیت اس کی نظر میں باقی نہیں رہتی اور شریعت و قانون الٰہی، رسولؐ اور خدا اس کی نظر میں میں الفاظ بے معنیٰ ہو کر رہ جاتے ہیں اور وہ کفر و زندقہ تک پہونچ جاتا ہے اور پھر الٰہ پر اتر آتا ہے ممکن ہے آئندہ فصلوں میں اس کا ذکر آئے۔

Presented by www.ziaraat.com

تیسری فصل

شیطان کی مکاریاں

جس طرح عجب والے گناہ میں ایک درجہ سے ترقی کر کے دوسرے درجہ تک اور اسی طرح وہ کفر و زندقہ کے درجہ تک پہونچ جاتے ہیں اسی طرح طاعتوں میں تکبر کرنے والے تکبر کے ناقص درجہ سے بڑھتے بڑھتے اس کے کامل درجہ تک ترقی کر جاتے ہیں۔ نفس کی مکاری ہو یا دل میں شیطانی خیالات یہ سب (دفعتاً نہیں ہوتے بلکہ) ایک اصول و میزان کے ماتحت انجام پاتے ہیں۔ اگر آپ متقی اور دل میں خوفِ خدا رکھنے والے ہیں تو کسی طرح یہ ممکن نہیں ہے کہ آپ کا نفس (امارہ) آپ کو زنا یا کسی کے قتل پر (فوراً) آمادہ کر دے یا جس کے اندر کبھی شرافت اور طہارتِ نفس ہے اس کو چوری یا ڈکیتی پر آمادہ کر دے۔

اسی طرح ابتدائے امر میں یہ بھی ممکن نہیں ہے کہ شیطان تم سے کہے اپنے عقیدہ و عمل میں خدا پر احسان رکھو یا اپنے کو محبوبین، مجبین، و مقربین بارگاہ میں شمار کرنے لگو۔ (وہ تو شروع میں بالکل پست درجہ سے تمہارے دل میں وسوسہ پیدا کرنا شروع کرے گا اور (پہلے) تم کو مستحبات و وظائف و اذکار کی پابندی پر سختی سے آمادہ کرے گا اور اسی ضمن میں کسی گنہگار کی حالت کو جو تمہارے مناسب حال ہو تمہارے سامنے پیش کرے گا اور تمہارے کان میں کہے گا کہ تم عقل و شرع دونوں اعتبار سے اس گنہگار سے بہتر ہو۔ اور تمہارے اعمال بحمداللہ تمہاری نجات کے سبب ہیں اور تم بحمداللہ پاک و پاکیزہ ہو، گناہوں سے بری ہو۔

اسی طرح (تمہارے ذہن میں یہ بات بٹھا کر) اس کو دو فائدے حاصل ہوں گے۔

۱ ـــــ بندگانِ الٰہی کے ساتھ تم کو بدبین کر دے گا۔

۲ ـــــ تمہارے اندر خود پسندی پیدا ہو جائے گی اور یہ دونوں صفتیں نہ صرف یہ کہ ہلاک کرنے والی ہیں بلکہ فساد کی جڑ ہیں۔

تم اپنے نفس اور شیطان سے کہو: ہو سکتا ہے اس گنہگار میں کوئی ایسا ملکہ ہو یا کوئی دوسرے ایسے اعمال ہوں کہ خدا کی رحمت اس کے شاملِ حال ہو جائے۔ اور اس ملکہ اور عمل

Presented by www.ziaraat.com

کافور اس کی ہدایت کا سبب بن جائے اور اس کا انجام بخیر ہو جائے۔ (نیز) یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ خدا نے اس کو گناہ میں اس لئے مبتلا کر دیا ہو کہ یہ خود پسندی، جو گناہ سے زیادہ بدتر ہے، سے بچ جائے۔ جیسا کہ کافی کی ایک حدیث میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ حضرتؑ نے فرمایا:

«عَنْ أَبِي عَبْدِاللّٰهِ، عَلَيْهِ السَّلَامُ، قَالَ: إِنَّ اللّٰهَ عَلِمَ أَنَّ الذَّنْبَ خَيْرٌ لِلْمُؤْمِنِ مِنَ الْعُجْبِ، وَلَوْلَا ذٰلِكَ مَا ابْتَلَى مُؤْمِناً بِذَنْبٍ أَبَداً»

"چونکہ خدا کو علم ہے کہ مومن کے لئے گناہ خود پسندی سے بہتر ہے (اس لئے اس کو گناہ میں مبتلا کرتا ہے) ورنہ اگر ایسا نہ ہوتا تو مومن ہرگز گناہ میں مبتلا نہ ہوتا) اور اس بدبینی کی وجہ سے کہیں میرا انجام خراب نہ ہو جائے۔"

ہمارے شیخ بزرگ عارف کامل شاہ آبادیؒ روحی فداہ۔ فرمایا کرتے تھے: اپنے دل میں کافر کو بھی سرزنش و ملامت نہ کرو۔ ہو سکتا ہے نور فطرت اس کو ہدایت کر دے اور تمہاری یہ سرزنش و ملامت تمہارے کام کو بدانجام نہ بنا دے۔

امر بمعروف و نہی از منکر قلبی سرزنش و ملامت کے علاوہ ہے بلکہ فرماتے تھے: جن کافروں کے بارے میں معلوم نہ ہو کہ کفر کی حالت میں اس دنیا سے گئے ہیں ان پر بھی لعنت نہ کرو۔ ہو سکتا ہے مرتے وقت ہدایت یافتہ ہو گئے ہوں۔ اور ان کی روحانیت تمہاری ترقی میں مانع نہ ہو۔ مختصر یہ کہ نفس اور شیطان پہلے تو آپ کو عُجب کے پہلے مرحلہ میں داخل کرتے ہیں اور پھر رفتہ رفتہ کر کے دوسرے مرحلہ میں اور پھر بڑھتے بڑھتے انسان کو اس جگہ پہونچا دیتے ہیں جہاں پہونچ کر وہ اپنے عقائد و اعمال کا احسان اپنے ولی نعمت، مالک الملوک پر رکھنے لگتا ہے اور پھر اس کا انجام اس آخری درجہ تک پہونچ جاتا ہے۔

چوتھی فصل

خود پسندی کے مفاسد

یہ جان لو کہ خود پسندی بذات خود تو ہلاکت میں سے ہے ہی (مگر یہ) انسان کے

Presented by www.ziaraat.com

عقاید و اعمال کو بھی برباد کر دیتی ہے۔ چنانچہ راوی نے اس خود پسندی کے بارے میں پوچھا جو اعمال کو فاسد کر دیتی ہے تو امامؑ نے فرمایا: خود ایمان کے اندر ایک درجہ عُجب کا ایسا رکھا گیا ہے۔ اور اس سے پہلے والی حدیث میں آپ نے فرمایا کہ خود پسندی گناہ سے بدتر ہے اور اسی لئے خدا بندہ مومن کو گناہ میں مبتلا کر دیتا ہے تاکہ وہ عُجب سے بچ جائے۔

خود رسولِ خداؐ نے بھی ہلاک کرنے والی چیزوں میں خود پسندی کو بھی شمار کرایا ہے۔[13]

امالی صدوقؒ میں سند روایت حضرت علیؑ تک پہونچا کر حضرت علیؑ کا قول نقل کیا ہے کہ:

«مَنْ دَخَلَهُ الْعُجْبُ هَلَكَ»[14]

"جس کے اندر خود پسندی پیدا ہو گئی وہ ہلاک ہو گیا" برزخ اور مابعد الموت عجب کی صورت جتنی ہولناک و وحشت ناک ہوتی ہے کسی اور چیز کی اتنی وحشت ناک صورت نہیں ہوتی۔ ہو سکتا ہے رسولِ خداؐ نے حضرت علیؑ کو جو یہ وصیت فرمائی ہے کہ:

«وَلَا وَحْدَةَ أَوْحَشُ مِنَ الْعُجْبِ»[15]

"عجب سے زیادہ کسی بھی تنہائی کی وحشت اتنی نہیں ہوتی" اس سے اسی کی طرف اشارہ مقصود ہو۔

حضرت موسیٰ بن عمران۔ علیٰ نبینا و آلہ و علیہ السلام نے شیطان سے پوچھا: مجھے وہ گناہ بتاؤ کہ اگر اولادِ آدمؑ اس کا ارتکاب کرے تو اس پر مسلط ہو جاتا ہے؟ شیطان نے کہا: جب وہ اپنی ذات پر عُجب و گھمنڈ کرتا ہے اور اپنے عمل کو بڑی اہمیت دیتا ہے اور اپنے گناہ کو ہیچ سمجھتا ہے۔ (تو پھر میں اس پر قابو پا لیتا ہوں)[16]

خداوندِ عالم نے حضرت داؤدؑ سے فرمایا:

اے داؤدؑ گناہگاروں کو بشارت و خوشخبری دو اور صدیقین کو ڈراؤ۔ جناب داؤدؑ نے کہا: کیسی بشارت دوں ان کو۔ اور کیونکر ڈراؤں ان کو؟ خدا کا حکم ہوا: گنہگاروں سے کہہ دو کہ میں ان کی توبہ کو قبول کر لوں گا اور ان کے گناہوں کو بخش دوں گا اور صدیقوں کو اس بات سے ڈراؤ کہ اپنے اعمال پر عُجب و گھمنڈ نہ کریں۔ کیونکہ کوئی ایسا بندہ نہیں ہے جس سے میں حساب لینے پر اتر آؤں تو وہ ہلاک نہ ہو جائے۔[17]

میں خدا کی پناہ مانگتا ہوں حساب میں مناقشہ کرنے میں کیونکہ مناقشہ در حساب تو صدیقین کیا ان سے بھی بزرگ حضرات کو ہلاک کر دے گا۔

Presented by www.ziaraat.com

جناب شیخ صدوقؒ رحمۃ اللہ علیہ نے خصال میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ حضرت نے فرمایا "شیطان کہتا ہے: اگر میں تین چیزوں میں اولادِ آدمؑ پر غالب آجاؤں تو پھر مجھے کوئی فکر نہیں کہ وہ کیا کرتا ہے۔ کیونکہ اس کے بعد کا کوئی نیک عمل قبول نہیں ہوتا۔" (اور وہ چیزیں یہ ہیں)

۱ ـــــ وہ اپنے عمل کو بہت زیادہ سمجھنے لگے۔
۲ ـــــ اپنے گناہوں کو بھول جائے۔
۳ ـــــ اس میں عجب و غرور پیدا ہو جائے۔[۱۸]

خود پسندی ان مفاسد کے علاوہ جن کا ذکر کیا جا چکا یہ ایک ایسا خبیث درخت ہے کہ اس کے تمام پھل کبائر اور ہلاک کرنے والے ہوتے ہیں۔ اور جس دل میں یہ جڑ پکڑ لیتا ہے اس شخص کو کفر و شرک اور اس سے اوپر درجہ تک پہونچا دیتا ہے۔

اس کی ایک خرابی یہ ہے کہ خود پسند انسان اپنے گناہوں کو معمولی سمجھنے لگتا ہے۔ بلکہ ایسا شخص کبھی اپنے نفس کے اصلاح کی کوشش نہیں کرتا۔ اپنے کو ہمیشہ پاک و پاکیزہ خیال کرتا ہے۔ اس کی کبھی فکر ہی نہیں کرتا کہ اپنے کو گناہوں سے پاک کرے۔ غرور و تکبر اور خود پسندی کا پردہ اپنی برائیوں کے بارے میں کبھی سوچنے ہی نہیں دیتا۔ اور یہ ایسی مصیبت ہے جو انسان کو تمام کمالات سے روک دیتی ہے اور برائیوں کے اقسام میں مبتلا کر دیتی ہے۔ اور انسان کو ہلاکتِ ابدی کے گڑھے میں گرا دیتی ہے۔ ماہرین نفسیات بھی اس کے علاج سے عاجز ہو جاتے ہیں۔

دوسری خرابی یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنے اعمال اور اپنے نفس پر بھروسا اعتماد کرنے لگتا ہے جس کے نتیجہ میں بے چارہ جاہل انسان اپنے کو خدا سے (بھی) مستغنی سمجھنے لگتا ہے اور خدا کے فضل و کرم کی طرف متوجہ نہیں ہوتا اور اپنی چھوٹی سی عقل میں خدا پر واجب جانتا ہے کہ اس کو اجر و ثواب دے گا۔ اور یہاں تک گمان کرتا ہے کہ اگر خدا نے عدل سے کام لیا تو میں ثواب کا مستحق ہوں گا اس کا ذکر انشاء اللہ بعد میں آئے گا۔[۱۹]

ایک (تیسری) خرابی یہ بھی ہوتی ہے کہ ایسا شخص خدا کے بندوں کو حقارت کی نظر سے دیکھتا ہے۔ اور لوگوں کے اعمال کو حقیر شمار کرتا ہے چاہے دوسروں کے اعمال اس کے اعمال سے بہتر ہوں یہ بھی انسان کی ہلاکت کا ایک طریقہ ہے اور اس کے راستہ کا کانٹا ہے۔

اور (چوتھی) خرابی یہ ہے کہ خود پسندی اور عجب انسان کو ریاکار بنا دیتا ہے۔ اس

Presented by www.ziaraat.com

لئے کہ جو شخص اپنے اعمال کو حقیر خیال کرے گا، اخلاق کو فاسد سمجھے گا، لوگوں کو کسی قابل نہ شمار کرے گا وہ اپنے اعمال و صفات اور اپنی ذات پر غرور و تکبر نہ کرے گا۔ بلکہ وہ تو خود ہی جب اپنے کو اور اپنی تمام چیزوں کو برا سمجھے گا تو ان کی نمائش نہ کرے گا اور خود نمائی بھی نہ کرے گا۔ زشت و فاسد متاع کو کوئی بھی شخص بازار میں نہیں لاتا۔ ہاں اگر خود کو کامل اور اپنے اعمال کو قابل سمجھے گا تو ان کی نمائش کی بھی فکر کرے گا اور خود فروشی کی بھی سعی کرے گا۔

دوسری حدیث میں ریاکاری کے مفاسد کا ذکر ہو چکا ہے انھیں مفاسد کو عجب و خود پسندی کے لئے بھی مفاسد سمجھنا چاہیئے۔ اخلاقی برائیوں میں سے ایک ہلاک کرنے والی برائی خود پسندی بھی ہے اور یہ خود پسندی انسان کو تکبر میں بھی مبتلا کر دیتی ہے (خدا نے چاہا تو اس کا بھی ذکر بعد میں آئے گا۔)

اس خود پسندی کے بالواسطہ یا بلاواسطہ اور دوسرے مفاسد بھی ہیں جن کی تشریح تطویل کا سبب بن جائے گی۔

پس خود پسند کو یہ بات بھی معلوم ہونی چاہیئے کہ خود پسندی دیگر برائیوں کی جڑ ہے اور یہ ایسے امور کو جنم دیتی ہے جن میں سے ہر ایک بذات خود ہلاکت ابدی اور خلود فی النار کا مستقل سبب ہے۔ اگر کوئی شخص ان مفاسد کو اچھی طرح سمجھ لے اور دقت نظر سے کام لے اور رسول اکرمؐ اور ان کے اہل بیتؑ کے اخبار و آثار کی طرف رجوع کرے تو اپنے لئے واجب سمجھ کر نفس کی اصلاح کے درپے ہو کر اپنے کو اس برائی سے پاک کرے گا اور باطن نفس سے اس کی جڑوں کو اکھاڑ پھینکے گا کہ کہیں خدانخواستہ اسی بری صفت کے ساتھ دوسرے عالم میں منتقل ہو جائے۔

جب اس کی دنیاوی آنکھیں بند ہو جائیں گی اور برزخ و قیامت کا سورج طلوع ہو گا تو وہ دیکھے گا کہ گناہ کبیرہ کرنے والوں کا حال بھی اس سے بہتر ہے۔ گناہان کبیرہ کرنے والوں کو بھی رحیم آخرت نے اپنی دریائے رحمت میں غرق کر دیا ہے یا تو ان کی ندامت و پشیمانی کی بنا پر یا اس اعتماد و بھروسہ کی وجہ سے جو ان کو فضل و کرم پروردگار سے تھا، لیکن چونکہ یہ شخص اپنے کو مستقل سمجھتا تھا اور باطن میں اپنے کو خدا کے فضل و کرم سے بے نیاز سمجھتا تھا اس لئے خدا نے اس کے ساتھ حساب میں سختی کی اور اس کو اس کی خواہش کے مطابق میزان عدل پر لا کر سمجھا دیا کہ اس نے کوئی عبادت احق کے لئے نہیں کی تھی۔ اس کی تمام عبادتیں ساحت الٰہی سے دور تھیں اس کے سارے اعمال و عقائد باطل و ناچیز تھے اور آج وہی موجب ہلاکت و سبب عذاب

Presented by www.ziaraat.com

الیم و علت خلود در جحیم ہو گئے۔

خدانہ کرے پروردگار کسی کے ساتھ انصاف پر اُتر آئے۔ اگر ایسا ہو جائے تو اولین و آخرین میں سے کسی کو نجات نہیں مل سکتی۔ ائمہ معصومین علیہم السلام اور انبیائے کرامؑ اپنی مناجات میں ہمیشہ فضل خداوندی کی دعا کرتے تھے۔ عدل و مناقشہ در حساب سے خوف زدہ رہتے تھے۔[20] خاصان درگاہ الٰہی اور ائمہ معصومین صلوات اللہ علیہم کی مناجات میں اپنی تقصیر کا اعتراف اور حق بندگی کے ادا نہ کر سکنے کا اعتراف برابر موجود ہے۔[21] افضل ممکنات و اقرب موجودات آخری رسولؐ کائنات فرمایا کرتے تھے:

«ما عَرَفْناکَ حَقَّ مَعْرِفَتِکَ، وَما عَبَدْناکَ حَقَّ عِبادَتِکَ»[22]

"جو تیری معرفت کا حق ہے وہ ہم نہ کر سکے جو تیری عبادت کا حق ہے ہم اس سے عاجز رہے۔" جب ان کا یہ حال ہے تو دوسرے لوگوں کا کیا حال ہوگا؟

یہ حضرات عظمت الٰہی کے عارف تھے ممکن کی واجب سے کیا نسبت ہے؟ اس کو جانتے تھے۔ ان حضرات کو معلوم تھا کہ دنیا کی عمر کے برابر اگر خدا کی اطاعت و عبادت تحمید و تسبیح کی جائے جب بھی خدا کی نعمتوں کا شکریہ ادا نہیں کیا جا سکتا۔ چہ جائیکہ ذات و صفات حق کی مدح و ثنا کون کر سکتا ہے؟ یہ حضرات جانتے تھے کہ کسی موجود کے پاس کچھ نہیں ہے۔ حیات، قدرت، علم و قوت، دیگر کمالات سب اس کے کمال کے سایہ و ظل ہیں اور ممکن بالغیر محض ہے وہ تو دوسرے کے سایہ سے استفادہ کرتا ہے خود مستقل نہیں ہے۔ ممکن کے پاس کون سا کمال ہے جو کمال فروشی کرے گا؟ اس کے پاس کون سی قدرت ہے جو عمل فروشی کرے گا؟ وہ حضرات عارف باللہ تھے۔ جمال و جلال الٰہی کے عارف تھے وہ لوگ شہود و عیان کے ذریعہ اپنے نقص و عجز کو اور کمال واجب کا مشاہدہ کرتے تھے یہ تو ہم بے چارے لوگ ہیں جن کے یہاں جہالت و نادانی، غفلت و خود پسندی، قلب و قالب کے معصیتوں کا پردہ ہمارے چشم و گوش پر عقل و ہوش پر اس طرح پڑا ہوا ہے کہ سلطنت قاہرہ حق کے مقابلہ میں اپنے لئے بھی استقلال و شیئیت کے قائل ہیں!

اے بے چارے ممکن۔ اے اپنے اور اپنے خالق کی نسبت سے بے خبر! اے ممکن اپنے مالک الملوک کے فرائض سے غافل! یہی جہالت و نادانی تمام بدبختیوں کا سبب ہوئی اور اسی نے ہم کو تمام ظلمتوں اور کدورتوں میں مبتلا کر دیا۔ خرابی کار از سر منشا ہے اور آلودگی آب از سرچشمہ ہے ہماری چشمہائے معرفت اندھی ہیں۔ ہمارے دل مُردہ ہیں اور یہی تمام معصیتوں کا سبب ہے اور (مشکل یہ ہے

Presented by www.ziaraat.com

کہ ہم اس کی اصلاح کی فکر میں بھی نہیں ہیں۔

معبود تو ہم کو توفیق عنایت فرما، تو ہم کو ہمارے فرائض سے واقف کر، تو نے اپنے انوارِ معارف سے اولیاء عرفا کے قلوب کو لبریز کر دیا۔ اس کی ایک چھوٹ ہمارے حصہ میں بھی نصیب فرما، تو اپنی قدرت و سلطنت کی دستوں سے ہم کو بھی مطلع فرما، ہمارے عیوب کی ہم کو نشاندہی کر دے، تو الحمدللہ رب العالمین کے معنی کو ہم غافلوں کو۔ جو تمام محامد کو مخلوق کی طرف نسبت دیتے ہیں۔ سمجھا تو ہمارے دلوں کو اس بات سے آشنا کر دے کہ کوئی تعریف مخلوق کے لئے نہیں ہے، تو ہمارے اوپر۔

﴿ما أصابكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ وَما أصابكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَفْسِكَ.﴾[۳۳]

"جب تم کو کوئی فائدہ پہونچے تو (سمجھو کہ) خدا کی طرف سے ہے اور جب تم کو کوئی تکلیف پہونچے تو (سمجھو کہ) خود تمہاری وجہ سے ہے۔" کی حقیقت کو واضح فرما، کلمہ مبارکہ توحید کو ہمارے گندے اور سخت دلوں میں جاگزیں فرما، ہم اہلِ حجاب و ظلمت ہیں ہم اہلِ شرک و نفاق ہیں، ہم خود خواہ و خود پسند ہیں۔ معبود تو حبِ نفس اور حبِ دنیا کو ہمارے دلوں سے باہر کر دے تو ہم کو خدا خواہ و خدا پرست بنا دے۔ إنَّكَ عَلىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ۔[۳۴]

"بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے۔"

پانچویں فصل

عجب کا سرچشمہ حبِ نفس ہے

عجب ایک ایسی برائی ہے جو حبِ نفس سے پیدا ہوتی ہے۔ چونکہ انسان کی تخلیق ہی حبِ نفس پر ہے اور تمام انسانی خطاؤں اور اخلاقی برائیوں کا سرچشمہ حبِ نفس ہے۔ اس لئے انسان اپنے چھوٹے موٹے اعمال کو بھی بہت بڑا سمجھتا ہے اور اپنے کو ان اعمال کی بنا پر خاصانِ خدا میں شمار کرنے لگتا ہے اور انھیں ناقابل و ہیچ اعمال کے بل بوتے پر اپنے کو مستحق ثنا اور لائق مدح خیال کرنے لگتا ہے۔ حد یہ ہے کہ کبھی اس کے بُرے اعمال بھی اس کی نظر میں اچھے معلوم ہونے لگتے ہیں۔

اگر اس نے دوسرے کو دیکھا کہ اس کے اعمال اس کے اعمال سے کہیں بہتر اور اچھے ہیں تو ان کو کوئی اہمیت نہیں دیتا۔ بلکہ لوگوں کے اچھے اعمال کی توجیہ بھی ایسی کرتا ہے کہ گویا وہ بُرے اعمال

Presented by www.ziaraat.com

ہیں اور اپنے بُرے اعمال کو اس طرح پیش کرتا ہے جیسے وہ بہت اچھے اعمال ہوں۔ مخلوقِ خدا کے بارے میں ہمیشہ بدبین ہوتا ہے لیکن اپنے بارے میں بہت خوش بین ہوتا ہے۔ اپنے اسی حُبِ نفس کی بنا پر ایک معمولی سے عمل کو جس میں ہزاروں کثافتیں بھری ہوتی ہیں۔ اور خدا سے دور کرنے والے عناصر ہوتے ہیں "رحمتِ الٰہی کا طلب گار اور مستحق سمجھتا ہے۔

اس لئے مناسب ہے کہ یہاں پر ہم تھوڑا سا نیک اعمال کے بارے میں بھی غور و فکر کریں اور جو عبادتی افعال ہم سے سرزد ہوتے ہیں ان کو عقل کی کسوٹی پر جانچ کر بہ نظرِ انصاف دیکھیں کہ کیا ان اعمال کی وجہ سے ہم مستحق مدح و ثنا اور مستحق ثوابِ رحمت ہیں یا ملامت و عقاب اور غضب و عذاب کے مستحق ہیں؟ اور اگر خدا ہمارے انھیں اعمال کی بنا پر جو ہماری نظر میں اچھے ہیں ہم کو آتشِ قہر و غضب میں جلائے تو یہ صحیح ہے اور مطابق عدل ہے؟

اس لئے میں آپ ہی سے ایک سوال کرکے آپ ہی کو حکم بھی بناتا ہوں اور غور و فکر کے بعد آپ سے مبنی بر انصاف فیصلہ کا خواہش مند ہوں۔ وہ سوال یہ ہے: اگر رسولِ اکرم جو صادق و مصدق ہیں۔ آپ کو یہ خبر دیں کہ تم چاہے پوری عمر خدا کی عبادت کرو، اوامر و نواہی کی اطاعت کرو، شہوات و خواہشاتِ نفس کو ترک کر دیا پوری عمر ان سب باتوں کے خلاف کرو، عبادت نہ کرو، غرقِ مے ناب رہو، نغمہ و سرور کی محفلیں جماؤ۔ آخرت میں تمہارے درجات میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔ ہر حال میں جنت ملے گی اور تم اہلِ بہشت سے ہوگے۔ عذابِ الٰہی سے بچوگے نماز پڑھو نہ پڑھو، زنا کرو نہ کرو، اس سے کوئی فرق پڑنے والا نہیں ہے۔ البتہ خدا کی مرضی یہ ہے کہ تم عبادت کرو، اسکی مدح و ثنا کرو، اپنی شہوتوں اور میل نفسانی کو چھوڑ دو مگر ایسا کرنے پر نہ کوئی اجر ملے گا نہ ثواب ملے گا تو ایسی صورت میں ہم آپ اہلِ معصیت میں ہوتے یا اہلِ عبادت ہیں؟ آپ صرف خوشنودیٔ خدا کے لئے شہوتوں کو ترک کر دیتے، نفسانی لذتوں کو اپنے اوپر حرام قرار دے لیتے یا نہیں؟ آپ مستحبات جمعہ و جماعات کی طرف رغبت کرتے یا شہوتوں اور لہو و لعب ہی میں پڑے رہتے؟ ریاکاری و ظاہر سازی کے بغیر ایک منصفانہ نظر میں آپ کا کیا جواب ہوگا؟

(آپ کچھ کہیں یا نہ کہیں مگر) میں اپنی طرف سے اور اپنے جیسے دیگر افراد کی طرف سے آپ کو بتاتا ہوں کہ اس صورت میں ہم اہلِ معصیت سے ہوتے اور اطاعتوں کو ترک کرتے خواہشاتِ نفس کی پیروی کرتے۔ پس اس سے نتیجہ یہ نکلا کہ ہمارا تمام کام نفسانی لذتوں اور پیٹ بھرنے و جنسی خواہش کو پورا کرنے سے متعلق ہے۔ ہم شکم پرست بھی ہیں اور شہوت پرست بھی۔ یہاں جو

Presented by www.ziaraat.com

ترکِ لذت کرتے ہیں وہ بھی بڑی لذتوں کے حصول کے لئے کرتے ہیں۔ ہمارا نقطۂ نظر اور ہماری اُمیدوں کا مرکز بساطِ شہوت کو بچھانا ہے۔ نماز جو قربِ الٰہی کی معراج ہے ہم صرف جنت کی عورتوں سے تقرب حاصل کرنے کے لئے کرتے ہیں اس کا قربِ الٰہی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ امرِ الٰہی کی اطاعت سے مربوط نہیں ہے۔ رضائے الٰہی سے تو ہزاروں فرسخ دور ہے۔

اے معارفِ الٰہیہ سے بے خبر تو اپنی شہوت و غضب کے علاوہ کسی اور چیز کو سمجھ ہی نہیں سکتا اے شخصِ مقدس تو اوراد و وظائف و مستحبات و واجبات کا پابند ضرور ہے مکروہات و محرمات کے قریب بھی نہیں پھٹکتا، اخلاقِ حسنہ سے متصف ہے، بُری عادتوں سے بچتا بھی ہے۔ مگر اپنے اعمال کو ذرا انصاف کی ترازو میں رکھ کر دیکھ کہ کیا تو ان اعمال کو صرف نفسانی خواہشات کی تکمیل، زمردیں تخت پر بیٹھنے، شوخ و شنگ حورانِ بہشتی سے ہم آغوش ہونے، حریر و دیبا کے لباس پہننے، بہترین و شاندار محلوں میں رہنے کی نفسانی خواہش و آرزو کی بنا پر نہیں کرتا؟ کیا یہ سب خود خواہی اور نفس پرستی کے لئے نہیں ہے؟ کیا اس کو خدا کے لئے اور حق کی پرستش کہا جا سکتا ہے؟

آپ جن مزدوروں سے کام لیتے ہیں ان میں اور آپ میں کیا فرق ہے؟ اگر وہ مزدور کہنے لگیں کہ ہم نے تو مالک کی خوشنودی کے لئے کام کیا ہے تو کیا تمام لوگوں کے ساتھ آپ بھی ان کی تکذیب نہیں کریں گے؟ کیا آپ کا اسی طرح یہ کہنا کہ: ہم تقربِ خدا کے لئے نماز پڑھتے ہیں جھوٹ نہیں ہے؟ آپ کی نماز خدا سے قربت کے لئے ہے یا حورانِ بہشتی سے تقرب کے لئے ہے؟

میں کھل کر کیوں نہ کہہ دوں کہ عرفا اور اولیاء خدا کے نزدیک ہماری تمام عبادتیں گناہ کبیرہ ہیں۔ اے شخص تو خدا کے سامنے اس کے ملائکۂ مقربین کے سامنے مرضیٔ خدا کے خلاف عمل کرتا ہے اور جو عبادت تقربِ حق کے لئے معراج ہے اس کو نفسِ امارہ کی خاطر بجالاتا ہے اور شیطان کے لئے بجالاتا ہے اور پھر بھی تیری بے حیائی کی انتہا یہ ہے کہ خدا اور اس کے ملائکۂ مقربین کے سامنے عبادت میں جھوٹ و افترا پردازی و منت گزاری کرتا ہے اور ناز و نخرے، عجب و گھمنڈ کرتا ہے۔ تجھے شرم نہیں آتی کہ میری اور تیری عبادت میں اور اہلِ معصیت کی معصیت میں کیا فرق رہا؟ کیونکہ اہلِ معصیت بھی ریاکاری کرتے ہیں اور ہم و تم بھی کرتے ہیں پھر فرق ہی کیا رہا؟ اس لئے ریاکاری شرک ہے اور اس کی برائی صرف اس وجہ سے ہے کہ خدا کے لئے نہیں ہے۔ (اسی طرح) ہماری تمام عبادتیں شرک محض ہیں ان میں خلوص و اخلاص کا شائبہ تک نہیں ہے بلکہ رضائے الٰہی تو بطور اشتراک بھی اس میں مدخلیت نہیں رکھتی۔ ہم تو صرف حکم سیری و جنسی تکمیل کیلئے ہی سب کچھ کرتے ہیں

Presented by www.ziaraat.com

میرے دوست جو نماز عورت حاصل کرنے کے لئے پڑھی جائے۔ چاہے وہ عورت دنیا ہو یا جنت کی حور ہو۔ وہ نماز خدا کے لئے نہیں ہے۔ جو نماز حصول دنیا یا حصولِ آخرت کے لئے ہو وہ بہرحال خدا کے لئے نہیں ہے۔ پس کیوں (ایسی نمازوں پر) ناز و غمزہ دکھاتے ہو، عشوہ و ناز کرتے ہو۔ خدا کے بندوں کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہو، اپنے کو خاصانِ خدا میں کیوں شمار کرتے ہو؟ تم تو اسی نماز کی بدولت عذاب کے مستحق ہو۔ ستر ہاتھوں والی زنجیر کے لائق ہو۔[25] پس تم اپنے کو قرض خواہ کیوں خیال کرتے ہو؟ اور اسی عُجب و ناز و نخرے میں اپنے لئے دوسرے عذاب بھی مہیا کرتے ہو؟

تمہاری ڈیوٹی یہ ہے کہ اپنے اوپر معین کئے گئے اعمال کو بجالاتے رہو اور یہ بھی پیشِ نظر رہے کہ یہ اعمال خدا کے لئے نہیں ہیں۔ بلکہ جنت میں جانا صرف خدا کے فضل و کرم اور رحم و مہربانی پر موقوف ہے۔ اور بندوں کی ضعف و کمزوری کی وجہ سے خدا ان کے شرک میں ایک حد تک تخفیف کر دیتا ہے اور اپنی رحمت و مغفرت کی بنا پر ان پر پردے ڈال دیتا ہے۔ (لہٰذا) تم اس پردے کو تو چاک نہ ہونے دو۔ اور ان گناہوں پر جو مغفرتِ حق کے پردے پڑے ہوئے ہیں جن کو عبادات کہا جاتا ہے کم از کم اسی طرح باقی رہنے دو۔ ورنہ اگر یہ پردہ ہٹ گیا اور میزانِ عدل کی زد میں تمہارے اعمال آگئے تو گناہ گاروں کی معصیت کی بدبو سے کہیں زیادہ تمہاری عبادتوں کی بدبو ہو گی۔

میں نے اس سے پہلے ثقۃ الاسلام کلینیؒ[26] کی کافی والی روایت کی طرف اشارہ کیا تھا جس کو امام جعفر صادقؑ سے نقل کیا گیا ہے اور یہاں پر میں تیمناً و تبرکاً اس حدیث کے بعض الفاظ کا بھی ذکر کرنا چاہتا ہوں۔

«عَنْ أَبِي عَبْدِاللّٰهِ فِي حَدِيثٍ، قَالَ (أَيْ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ) «قَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ لِدَاوُدَ يَا دَاوُدُ بَشِّرِ الْمُذْنِبِينَ وَأَنْذِرِ الصِّدِّيقِينَ قَالَ كَيْفَ أُبَشِّرُ الْمُذْنِبِينَ وَأُنْذِرُ الصِّدِّيقِينَ؟ قَالَ: يَا دَاوُدُ بَشِّرِ الْمُذْنِبِينَ أَنِّي أَقْبَلُ التَّوْبَةَ وَأَعْفُو عَنِ الذَّنْبِ، وَأَنْذِرِ الصِّدِّيقِينَ أَنْ لَا يُعْجِبُوا بِأَعْمَالِهِمْ، فَإِنَّهُ لَيْسَ عَبْدٌ أَنْصِبُهُ لِلْحِسَابِ إِلَّا هَلَكَ»[27]

"حضرت امام جعفر صادقؑ رسولِ خداؐ سے نقل کرتے ہیں کہ: خداوندِ عالم نے جناب

Presented by www.ziaraat.com

حضرت داؤدؑ سے فرمایا: "اے داؤد گنہگاروں کو بشارت دیدو اور صدیقین کو خوف دلاؤ۔ داؤدؑ نے کہا: گنہگاروں کو کس طرح بشارت دوں اور صدیقین کو کس طرح ڈراؤں؟ ارشاد ہوا: گناہ گاروں سے کہہ دو میں ان کی توبہ قبول کرلوں گا اور ان کے گناہوں کو معاف کردوں گا اور صدیقین کو اس طرح ڈراؤ کہ وہ اپنے اعمال پر عجب نہ کریں کیونکہ جس بندے کا میں حساب لینے بیٹھوں گا وہ ہلاک ہوجائے گا"

جب صدیقین ہلاک ہوسکتے ہیں جو گناہ و معصیت سے پاک ہیں تو ہم اور آپ کس شمار و قطار میں ہیں؟ اور یہ سب تو اس وقت ہے جب ہمارے اور آپ کے اعمال ان دنیاوی، ریاکاری سے پاک ہوں جو حرام ہلاک کرنے والی ہیں۔ اور شاید ایسا کم ہی اتفاق ہوتا ہے کہ ہمارا عمل ریاکاری سے خالی ہوتا ہو۔ جانے دیجئے نہ کہنا ہی بہتر ہے۔

اب اگر اس کے بعد بھی عجب کی کوئی جگہ باقی ہے تب تو غرہ و ناز ضرور کرو۔ لیکن اگر انصافاً شرمندگی و خجالت اور اعتراف تقصیر کی جگہ ہے تو پھر ہر اس عبادت کے بعد جس کو تم بجالائے ہو اور واقعی اس کے لئے کوشش کی ہے اور پروردگار کے حضور میں جھوٹ بولے ہو اور ان نسبتوں سے جو تم نے اپنی طرف غلط دی ہے۔ توبہ و استغفار کرو۔ کیا نماز میں داخل ہونے سے پہلے تم نے جو یہ کہا تھا:

"وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ حَنِيفًا وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ، إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ۔"[28]

"میں نے اپنے چہرے کو اس خدا کی طرف باطل سے کترا کے کیا ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور میں مشرکین میں سے نہیں ہوں بے شک میری نماز، مناسک، میری زندگی میری موت سب اس خدا کے لئے ہے جو رب العالمین ہے"

وہ جھوٹ نہیں ہے اس سے توبہ کی ضرورت نہیں ہے؟ کیا واقعاً تم خالق آسمان و زمین کی طرف متوجہ ہوئے ہو؟ کیا تم سچے مسلمان اور شرک سے خالص ہو؟ کیا تمہاری نماز، عبادت، زندگی، موت سب خدا کے لئے ہے؟ کیا یہ باعث شرم نہیں ہے کہ نماز میں تم الحمدللہ رب العالمین کہتے ہو۔ (اور عملاً ایسا نہیں کرتے ہو)؟ کیا واقعی تم تمام محامد کو خدا ہی کے لئے سمجھتے ہو؟ کیا تمہارا رب العالمین کہنا جھوٹ نہیں ہے؟ جبکہ تم اسی دنیا میں ربوبیت کو دوسروں کے لئے ثابت کرتے ہو۔ تو کیا یہ بات توبہ کے قابل نہیں ہے؟ کیا ایاک نعبد و ایاک نستعین جو تم کہتے ہو اس پر تم کو شرم آتی ہے؟ کیونکہ کیا تم خدا کی عبادت کرتے ہو یا شکم و جنسی خواہش کی؟

Presented by www.ziaraat.com

کیا تم خدا کو چاہتے ہو یا حور العین کو؟ کیا واقعی خدا سے مدد چاہتے ہو یا اپنے امور میں ایسی چیز کو خدا سمجھتے ہو جو نظروں میں نہیں ہے؟ تم حج کے لئے جاتے ہو اس سے تمہارا مقصد و مقصود کیا ہے؟ تمہارا مطلب و مطلوب خانۂ خدا ہے یا خدا ہے؟ جیسا کہ شاعر نے کہا ہے۔

وَمَا حُبُّ الدِّيَارِ شَغَفْنَ قَلْبِي؟[۳۹]

"کیا تم واقعی خدا کے آثار جمال و جلال کو تلاش کر رہے ہو؟ (یا کسی اور چیز کو؟)

آپ امام حسینؑ کے لئے مجلس عزا برپا کرتے ہیں۔ سر و سینہ پیٹتے ہیں تو کیا یہ امام مظلوم کے لئے ہے؟ یا اپنی آرزو و امید کو پوری کرنے کے لئے ہے؟ کہیں تمہارا شکم تو تم کو آمادہ نہیں کرتا ہے کہ امام حسینؑ کی مجلس عزا برپا کرو؟ کہیں ریاکاری تو تم کو نماز جماعت پر آمادہ نہیں کرتی ہے۔ کیا کہیں خواہش نفس تو مناسک و عبادات کی طرف نہیں کھینچتی؟

میرے بھائی نفس و شیطان کی مکاریوں میں بہت زیادہ غور کرو۔ یہ تم کو ایک خالص عمل بھی نہیں کرنے دیں گے اور یہی اعمال غیر صالح جن کو خدا اپنے فضل و کرم سے قبول کر لیتا ہے۔ نفس و شیطان اس کو اس قابل بھی نہ رکھیں گے کہ منزل تک یہ پہونچا سکیں، یہ دونوں ایسا کام کریں گے جس سے یہ عجب و بے جا ناز و نخرے تمہارے سارے اعمال کو برباد کر دیں گے اور یہ نفع بھی تمہاری جیب سے نکل جائے گا۔ اور انتم خدا اور رضائے حق سے بھی دور ہو جاؤ، اور عذاب ابدی اور آتش قہر تمہارا مقدر بن جائے۔ تم یہ گمان کرتے تھے کہ تمہارے یہ سڑے گلے گندے اور ٹوٹے پھوٹے لولے لنگڑے اعمال "جو ریا اور سمعہ جیسی ہزاروں دوسری ایسی آلودگیوں سے ملوث ہیں جن میں سے ہر ایک خود بطور مستقل قبولیت اعمال سے مانع ہے" کے ذریعہ خداوند عالم پر استحقاق پیدا کر لو گے؟ یا مجبورین و مقربین میں سے ہو جاؤ گے؟ اے مجبین کی حالت سے بے خبر! اے مجبین اور ان کی آتش دل سے بے خبر بد بخت شخص! اے مخلصین کے سوز و گداز اور ان کے نور اعمال سے غافل! کیا تجھے یہ گمان تھا کہ ان کے اعمال بھی میرے اور تیرے جیسے ہیں تم کو تو یہی خیال ہوگا کہ حضرت علیؑ اور ہماری نماز میں بس اتنا فرق ہے کہ وہ ولا الضالین کے مد کو ذرا لمبا کر دیتے ہوں گے؟ یا ان کی نماز ہماری نماز سے زیادہ صحیح تھی یا ان کی قرأت ہماری قرأت سے بہتر تھی یا ان کا رکوع و سجدہ ذکر و ورد زیادہ طولانی ہوتا تھا یا پھر ان حضرت کو یہ امتیاز تھا کہ ایک رات میں کئی سو رکعت نماز پڑھتے تھے؟ یا حضرت سید الساجدینؑ کی مناجات ہماری اور تمہاری مناجات کی طرح تھی؟ کیا وہ بھی حور العین، گلابی اور انار کی خاطر

Presented by www.ziaraat.com

گریہ وزاری کرتے تھے؟ انھیں بزرگ ہستیوں کی قسم "وَاِنَّهٗ لَقَسَمٌ عَظِيمٌ" اور یقیناً یہ عظیم قسم ہے۔ اگر ہم سب مل کر ایک بار بھی حضرت علیؑ کی طرح لاالٰہ الااللہ کہہ سکیں تو ناممکن ہے۔ میرے سر پر خاک اگر میں خیال کروں کہ یہ کہہ کر میں نے ولایتِ علیؑ کے مقام کی معرفت کا حق ادا کر دیا۔ مقام حضرت علیؑ کی قسم اگر۔ رسولؐ کے علاوہ جو حضرت علیؑ اور دوسروں کے بھی مولاؑ ہیں۔ ملائکہ مقربین اور انبیائے مرسلین بھی حضرت علیؑ کی طرح ایک تکبیر کہنا چاہیں تو نہیں کہہ سکتے۔ ان کے دل کا حال ان کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

اے عزیز! اس قدر لاف زنی مت کر، خدا کی محبت کا اتنا دعویٰ نہ کر۔ اے عارف! اے صوفی، اے حکیم، اے مجاہد، اے عبادت گزار، اے فقیہ، اے مومن، اے مقدس، اے گرفتارانِ بے چارگی، اے حبِ نفس اور اس کی آرزوؤں کے غلامو! تم سب بے بس ہو۔ لاچار ہو، خلوص و خدا خواہی سے میلوں دور ہو، اپنے سے اتنا زیادہ حسن ظن نہ رکھو، اس قدر ناز و نخرے نہ کرو، ذرا اپنے دلوں سے پوچھو دیکھو وہ خدا خواہ ہے یا خود خواہ ہے؟ موحد ہے اور ایک ذات کا طالب ہے یا مشرک ہے؟ پس یہ عُجب یعنی چہ؟ اپنے عمل پر اتنا خوش ہونا کیا معنیٰ رکھتا ہے؟ بالفرض کوئی ایسا عمل ہو جس کے اجزاء و شرائط مکمل ہوں، ریاکاری، عُجب، شرک و دیگر مفسدات سے خالی ہو جب بھی اس کا مقصد اگر تکمیل خواہشِ شکم و قوتِ جنسی ہی تو ہے پھر اس میں یہ صلاحیت و قابلیت کہاں سے پیدا ہو گئی کہ تحویل ملائکہ میں دیدیا جائے؟ ایسے اعمال کو تو نظروں سے چھپانا چاہیئے یہ اعمال قبائح اور فجائع کا مجموعہ ہیں ان پر شرمندہ ہونا چاہیئے ان کو پوشیدہ رکھنا چاہیئے (نہ کہ ان پر فخر کرنا چاہیئے۔)

پروردگارا ہم بے چارے (اور کمزور) لوگ شیطان اور نفسِ امارہ کے شر و سے تیری پناہ مانگتے ہیں۔ معبود تو خود ہی ہم کو محمدؐ و آلِ محمدؐ کے طفیل میں ان کی مکاریوں سے محفوظ رکھ!

Presented by www.ziaraat.com

تیسری حدیث کی توضیحات

۱: اصولِ کافی جلد ۲، ص ۳۱۳، کتاب ایمان و کفر، باب عجب" حدیث ۳۔

۲: جامع السعادت جلد ۱، ص ۸۔ ۳۵۷، المحجۃ البیضاء جلد ۶، ص ۷۔ ۲۷۶۔

۳: اس کی تفصیل حدیث اوّل کے توضیحات ۳ میں ملاحظہ ہو۔

۴: اس کی تفصیل حدیث اوّل کے توضیحات ۱۶ میں دیکھیے۔

۵: مرآۃ العقول جلد ۱، ص ۲۱۸، کتاب ایمان و کفر" باب عجب، ذیل حدیث ۱۔

۶: ص ۱۰۰۔

۷: یہ کلام احادیث سے ماخوذ ہے کہ دنیا کی بلاؤں کو کسی شخص کی ایمان داری اور خدا کی محبت پر دلیل قرار دیا جائے۔ چنانچہ امام محمد باقرؑ فرماتے ہیں: "یبتلی المرء علی قدر خبہ" انسان اپنے خدا کی محبت کے برابر بلا میں گرفتار ہوتا ہے۔ اور امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں: "وما أحب اللہ قوماً إلا ابتلاھم"۔ خدا کسی گروہ کو دوست نہیں رکھتا مگر یہ کہ اس کو بلاؤں میں مبتلا کر دیتا ہے۔ بحار الانوار جلد ۶۴، ص ۲۲۶، کتاب ایمان و کفر، باب شدۃ ابتلاء المومن۔

۸: سورۂ فاطر آیت ۸۔

۹: سورۂ کہف آیت ۱۰۳۔ ۱۰۵۔

۱۰: اصولِ کافی جلد ۲ ص ۳۱۳ کتاب ایمان و کفر باب عجب حدیث ۱۔

۱۱: ملاحظہ ہو حدیث اوّل توضیحات۔ ۵۱

۱۲: قال رسول اللہ: "ثلاث مہلکات: شح مطاع، وھوی متبع، وإعجاب المرء بنفسہ۔ وھو مخبط للعمل، وھو داعیۃ المقت من اللہ سبحانہ"۔ تین چیزیں (انسان کو) ہلاک کرنے والی ہیں۔ ۱: اطاعت کیا

Presented by www.ziaraat.com

جانے والا بخل ۲: پیروی کی جانے والی خواہش ۳: انسان کی خود پسندی۔ یہ نیک کاموں کو برباد کر دیتی ہے۔ خدا کے غضب کو بھڑکاتی ہے۔ بحار الانوار جلد ۶۹، ص ۲۱۴، کتاب ایمان و کفر، باب ۱۷، حدیث ۳۷۔

۱۳: وسائل الشیعہ جلد ۱، ص ۷۸، ابواب مقدمہ عبادات، کتاب طہارت، باب ۲۲، حدیث ۸۔

۱۴: «وَلاَ مَالَ أَعْوَدُ مِنَ الْعَقْلِ. وَلاَ وَحْدَةَ أَوْحَشُ مِنَ الْعُجْبِ» عقل سے زیادہ کوئی مال سودمند نہیں ہے۔ عجب سے زیادہ کسی بھی تنہائی کی وحشت اتنی نہیں ہوتی، وسائل الشیعہ جلد ۱، ص ۷۷، کتاب طہارت، ابواب مقدمہ عبادات باب ۲۳۔ حدیث ۱۴۔

۱۵: «فَأَخْبِرْنِي بِالذَّنْبِ الَّذِي إِذَا أَذْنَبَهُ ابْنُ آدَمَ اسْتَحْوَذَتْ عَلَيْهِ؟ قَالَ: إِذَا أَعْجَبَتْهُ نَفْسُهُ وَاسْتَكْثَرَ عَمَلَهُ وَصَغُرَ فِي عَيْنِهِ ذَنْبُهُ.» اصول کافی جلد ۲، ص ۳۱۴، کتاب ایمان و کفر باب عجب حدیث ۸۔

۱۶: توضیح ۔ ۲۷، ص ۱۰۳

۱۷: ملاحظہ ہو حدیث اوّل توضیحات ۳۲۔

۱۸: «قَالَ إِبْلِيسُ لَعَنَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ لِجُنُودِهِ: إِذَا اسْتَمْكَنْتُ مِنِ ابْنِ آدَمَ فِي ثَلاَثٍ لَمْ أُبَالِ مَا عَمِلَ فَإِنَّهُ غَيْرُ مَقْبُولٍ مِنْهُ: إِذَا اسْتَكْثَرَ عَمَلَهُ، وَنَسِيَ ذَنْبَهُ وَدَخَلَهُ الْعُجْبُ.» خصال باب ۳، ص ۱۱۲، حدیث ۸۶۔

۱۹: ص، ۱۰۰

۲۰: چنانچہ امام سجاد دعائے ابوحمزہ ثمالی میں فرماتے ہیں: «لَسْتُ أَتَّكِلُ فِي النَّجَاةِ مِنْ عِقَابِكَ عَلَى أَعْمَالِنَا بَلْ بِفَضْلِكَ عَلَيْنَا لِأَنَّكَ أَهْلُ التَّقْوَى وَالْمَغْفِرَةِ.» تیرے عذاب سے بچنے کے لئے میں اپنے اعمال پر بھروسہ نہیں کر سکتا۔ بلکہ تیرے اس فضل پر بھروسہ کرتا ہوں جو تیرا میرے اوپر ہے اس لئے کہ تو ہی تقویٰ اور بخشنے کا سزاوار ہے۔

۲۱: چنانچہ امام سجاد فرماتے ہیں: «وَلاَ يَبْلُغُ مَبْلَغاً مِنْ طَاعَتِكَ وَإِنِ اجْتَهَدَ إِلاَّ كَانَ مُقَصِّراً دُونَ اسْتِحْقَاقِكَ بِفَضْلِكَ فَاشْكُرْ عِبَادِكَ عَاجِزٌ عَنْ شُكْرِكَ وَأَعْبَدُهُمْ عَنْ طَاعَتِكَ.» لاکھ کوشش کے باوجود کوئی تیری اطاعت کے درجہ تک نہیں پہونچ سکتا۔ مگر یہ کہ تیرے فضل و کرم کے استحقاق کے مقابلہ میں بہرحال مقصر ہوگا۔ تیرے بندوں میں سب سے زیادہ شاکر بندہ بھی تیرا شکریہ ادا کرنے سے عاجز ہے۔ اور سب سے زیادہ عبادت کرنے والا بھی تیری اطاعت میں کوتاہی کرتا ہے۔ صحیفہ سجادیہ، دعائے ۲، امام چہارم کی ۱۵ درمناجاتوں میں مناجات عارفین۔

۲۲: مرآۃ العقول جلد ۸ ص ۱۴۶، کتاب الایمان والکفر، باب الشکر، حدیث ۸۔

۲۳: سورۂ نساء آیت ۷۹۔

۲۴: سورۂ آل عمران آیت ۔ ۲۶۔

۲۵: یہ اس آیت کی طرف اشارہ ہے۔ «خُذُوهُ فَغُلُّوهُ ثُمَّ الْجَحِيمَ صَلُّوهُ ثُمَّ فِي سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُونَ ذِرَاعاً فَاسْلُكُوهُ.» سورہ حاقہ، آیت ۳۰، ۳۲) اسے گرفتار کر کے طوق پہنا دو، پھر اسے جہنم میں جھونک دو۔ پھر ایک زنجیر میں جو ستر گز کی ہے اس کو خوب جکڑ دو۔

Presented by www.ziaraat.com

۲۶: ملاحظہ ہو حدیث اول کی توضیح ۲۴۔

۲۷: اصول کافی جلد ۱ ص ۲۳۴ کتاب ایمان وکفر باب عجب حدیث ۸۔

۲۸: سورہ انعام آیت ۷۹۔

۲۹: اصل اس طرح ہے: «وَمَا حُبُّ الدِّيَارِ شَغَفْنَ قَلْبِي وَلَكِنْ حُبُّ مَنْ سَكَنَ الدِّيَارَا». حبیب میں دیارِ لیلیٰ کی دیواروں کی طرف سے گزرتا ہوں تو کبھی اس دیوار کو کبھی اس دیوار کو چومتا ہوں۔ دیار کی محبت میں میرا دل مشغول نہیں ہے۔ میرا دل تو اس میں لگا ہے جو اس دیار میں ساکن ہے۔ جامع الشواہد (جلد ۲ ص ۲۴۴ باب الود بعد الطیم) میں ہے کہ اس کا قائل معلوم نہیں ہے۔

۳۰: یہ اس آیت سے ماخوذ ہے: «وَإِنَّهُ لَقَسَمٌ لَوْ تَعْلَمُونَ عَظِيمٌ». سورۂ واقعہ آیت ۷۶۔

www.ziaraat.com
Sabeel-e-Sakina

Presented by www.ziaraat.com

چوتھی حدیث

«بالسَّنَدِ الْمُتَّصل إلى مُحَمَّدِبْن يعقُوبَ عَنْ عليّ بْنِ إبراهيمَ، عَنْ مُحَمَّد بْنِ عيسى، عَنْ يونُسَ، عَنْ أبان، عَنْ حَكِيم، قالَ: سَألتُ أبا عَبْدِاللّٰهِ، عَلَيْهِ السَّلام، عَنْ أدْنى الْإلْحادِ فَقالَ: إنَّ الْكِبْرَ أدْناهُ.»

ترجمہ:

"حکیم نے کہا: میں نے حضرت امام جعفر صادقؑ سے الحاد کے سب سے پست ترین درجہ کے بارے میں پوچھا تو حضرتؑ نے فرمایا: سب سے پست درجہ تکبر ہے۔

شرح:

تکبر کا مطلب یہ ہے کہ انسان کے اندر ایک ایسی نفسانی حالت (وکیفیت) پیدا ہوجائے جس کی وجہ سے وہ اپنے کو دوسرے سے اونچا اور بڑا سمجھنے لگے اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان سے ایسے اعمال و آثار ظاہر ہونے لگتے ہیں کہ لوگ کہتے ہیں: یہ شخص تکبر کرتا ہے۔

تکبر عُجب کے علاوہ ہے۔ بلکہ جیسا کہ میں نے پہلے ذکر کیا یہ بُری و خبیث صفت

Presented by www.ziaraat.com

عُجب سے پیدا ہوتی ہے اور یہ عُجب ہی کا پھل ہے کیونکہ عُجب کا مطلب خود پسندی ہے اور تکبر کا مطلب دوسروں پر اپنی بڑائی جتانا اور فخر کرنا ہے۔ انسان جب اپنے اندر کوئی کمال دیکھتا ہے تو اس کے اندر ایک سرور، ناز و عشوہ سا پیدا ہو جاتا ہے اور اسی کو عُجب کہتے ہیں اور جب اس میں یہ احساس ہوتا ہے کہ دوسرے کے اندر یہ متوہم کمال نہیں ہے تو پھر اس کے اندر ایک دوسری کیفیت پیدا ہو جاتی ہے یعنی بڑکپن اور احساسِ برتری اور اسی حالت و کیفیت کو تکبر کہتے ہیں۔ اور یہ ساری چیزیں قلب اور باطن کے اندر پیدا ہوتی ہیں البتہ ان کا اثر ظاہر میں ہوتا ہے اب یہ اثر خواہ ہیئت بدن میں ہو یا قول یا فعل میں ہو (سب ہی) تکبر کہلاتا ہے۔ مختصر یہ ہے کہ خود بین انسان خود خواہ ہو جاتا ہے اور جب خود خواہی میں اضافہ ہو جاتا ہے تو خود پسند ہو جاتا ہے اور جب خود پسندی سے لبریز ہو جاتا ہے تو خود فروشی کرنے لگتا ہے۔

یہ بات واضح کر دوں کہ صفات نفسانیہ خواہ نقص و رذائل کی طرف ہوں یا کمال و فضائل کی طرف یہ بہت باریک اور آپس میں مخلوط ہوتے ہیں۔ لہٰذا اس اعتبار سے ایک دوسرے میں فرق کرنا بہت ہی مشکل چیز ہے۔ اور زیادہ امکان اس بات کا ہے کہ ان صفات کی حد بندی میں علمائے اعلام کے درمیان شدید اختلاف واقع ہو یا پھر صفت وجدانی کی کوئی ایسی تعریف ممکن نہ ہو جس میں خدشہ نہ ہو۔ اس لئے سب سے بہتر طریقہ یہی ہے کہ ان چیزوں کو وجدان کے حوالہ کر دیا جائے اور اپنے کو مفہوم تراشی کی قید سے آزاد کر لیا جائے اور اصل مقصد و مقصود کے بارے میں گفتگو کی جائے۔

اسلئے یہ معلوم ہو جانا چاہیئے کہ عُجب کیطرح تکبر کے بھی درجات ہیں اور عجب کے بعض وہ درجات جنکی نظیر بھی ہے لیکن وہاں انکی زیادہ اہمیت نہیں تھی اس لئے ذکر نہیں کئے گئے تھے" مگر یہاں ان کی اہمیت ہے اس لئے یہاں پر ذکر کئے جائیں گے۔ لیکن وہ چیزیں جن کی شبیہ عُجب میں گزر گئی ان کے چھ درجے ہیں۔

۱ ——— ایمان و عقائد حقہ کی بنا پر تکبر اور اس کا مقابل کفر اور عقائد باطلہ پر تکبر ہے۔

۲ ——— ملکات فاضلہ اور صفات حمیدہ کی بنا پر تکبر اس کا مقابل بداخلاقی اور ملکات خبیثہ پر تکبر ہے۔

۳ ——— مناسک و عبادات اور اعمال صالحہ کی بنا پر تکبر اس کے مدِ مقابل گناہوں اور بُرے افعال پر تکبر کرنا ہے۔

Presented by www.ziaraat.com

ان میں سے ہر ایک کے لئے جہاں یہ امکان ہے کہ اس درجہ کے عجب کی پیداوار ہے وہاں اس کا بھی امکان ہے کہ ان کے پیدائش کے اسباب دوسرے ہوں۔ جن کی طرف اشارہ کیا جائے گا۔؟

مگر یہاں پر جس تکبر سے بالخصوص بحث کی جائے گی وہ ایسا تکبر ہے جو امورِ خارجیہ کی وجہ سے ہوتا ہے مثلاً حسب و نسب، مال و منال، (حسن و جمال، فضل و کمال) سیادت و ریاست وغیرہ اور ہم انشاء اللہ چند فصلوں کے اندر بعض مفاسدِ رذیلہ اور ان کے معالجہ کی طرف حتی القدور اشارہ کریں گے۔ اور خداوندِ عالم سے دعا کرتے ہیں کہ ہمارے اندر اور دوسروں کے اندر بھی اس کے اثر کی توفیق مرحمت فرمائے۔

پہلی فصل

تکبر کے درجات کا بیان

یہ جان لو کہ دوسرے اعتبار سے تکبر کے کئی درجے ہیں۔

۱ ——— خدا سے اکڑنا۔

۲ ——— انبیاء، رسولوں، اولیا صلوات اللہ علیہم سے تکبر کرنا اور اکڑنا۔

۳ ——— احکامِ الٰہی سے تکبر کرنا اس کا انجام بھی خدا سے تکبر کرنا ہے۔

۴ ——— بندگانِ خدا سے تکبر کرنا اس کی بھی بازگشت اہلِ معرفت کے نزدیک خدا سے تکبر کی طرف ہے۔

سب سے بڑا اور بڑا مہلک تکبر خدا سے تکبر کرنا ہے۔ یہ تکبر کا سب سے بڑا درجہ ہے۔ اہلِ کفر و جحود اور الوہیت کے دعویداروں میں یہ تکبر پیدا ہوتا ہے اور کبھی تو یہ تکبر بعض اہلِ دیانت کے اندر بھی پیدا ہو جاتا ہے۔ جس کا ذکر مناسب نہیں ہے اور یہ نہایت جہالت و نادانی اور ممکن کا اپنی حد اور واجب الوجود کے مقام کو نہ جاننے سے ہوتا ہے۔

انبیا اور اولیا سے تکبر کرنا۔ اس تکبر کا اتفاق انبیا کے زمانہ میں بہت ہوتا تھا۔ خود خداوندِ عالم نے اس زمانہ کے لوگوں کی حالت کو بتایا ہے۔ (مثلاً) ارشاد ہوتا ہے۔

Presented by www.ziaraat.com

﴿أَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا﴾[۳]

(بنی اسرائیل کے سرکش لوگ آپس میں کہنے لگے) کیا ہم اپنے جیسے دو آدمیوں (موسیٰ و ہارون) پر ایمان لائیں؟ (اور کفار قریش کے سرکش لوگ اپنی قوم سے کہنے لگے):

﴿لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْآنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيمٍ﴾[۴]

(یہ قرآن ان دو بستیوں (مکہ و طائف) کے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہیں نازل کیا گیا)

اور صدر اسلام میں اولیائے خدا کے ساتھ بہت زیادہ تکبر کیا گیا۔ خود اس زمانہ میں بھی بعض نام نہاد مسلمانوں کے اندر یہ تکبر پایا جاتا ہے۔

احکام الٰہی کے سلسلہ میں تکبر کبھی تو بعض اہل معصیت کے اندر پیدا ہو جاتا ہے۔ مثلاً لباس احرام وغیرہ کو اپنے شایان شان نہ سمجھتے ہوئے حج کو چھوڑ دینا، سجدہ کو اپنی شان کے خلاف سمجھتے ہوئے نماز ترک کر دینا یہ تکبر نہیں ہے تو پھر کیا ہے؟ اور کبھی یہ تکبر بعض اہل مناسک و عبادت اور اہل علم و دیانت کے اندر بھی پیدا ہو جاتا ہے۔ مثلاً از روئے تکبر اذان کو ترک کر دینا یا اپنے جیسے اور اپنے سے کمتر والے سے حق بات کو سن کر قبول نہ کرنا۔

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ انسان ایک مطلب کو اپنے دوست یا اپنے جیسے آدمی سے سنتا ہے تو بڑی شدت کے ساتھ اس کی تردید کرتا ہے اور کہنے والے پر طعن و طنز کرتا ہے لیکن اسی مطلب کو اگر کسی دینی بزرگ یا دنیاوی بزرگ سے سنتا ہے تو فوراً قبول کر لیتا ہے بلکہ یہ بھی ممکن ہے کہ شروع میں بڑی سختی سے تردید کر دے لیکن بعد میں پھر اسی سختی کے ساتھ قبول بھی کرے۔ ایسا شخص حق کا طلب کرنے والا نہیں ہے۔ اس کے تکبر نے حق کے اوپر پردہ ڈال رکھا ہے اور بڑوں سے چاپلوسی نے اس کو گونگا و بہرا بنا دیا ہے یاد رکھئے یہ بڑوں سے چاپلوسی ممدوح کی تواضع والی صفت نہیں ہے۔

تکبر کی ایک قسم یہ بھی ہے کہ ایسے علوم یا کتاب کو نہ پڑھائے جو اس کی شان کے مناسب نہ ہو۔ یا جو لوگ کوئی عنوان ظاہری نہیں رکھتے ان کو نہ پڑھائے۔ یا تھوڑی سے جماعت کو نہ پڑھائے (اسی طرح) چھوٹی سی مسجد میں جماعت نہ پڑھانا اور تھوڑی تعداد پر یہ جانتے ہوئے بھی کہ رضائے الٰہی اسی میں ہے قناعت نہ کرنا (بھی تکبر ہے)

البتہ کبھی یہ مطلب اتنا دقیق ہوتا ہے کہ خود متکبر اس بات کو نہیں سمجھ پاتا کہ اس کی یہ صفت بر بنائے تکبر ہے۔ ہاں اگر وہ اصلاح نفس پر اتر آئے اور نفس کی مکاریوں کو سمجھنے میں

Presented by www.ziaraat.com

بہت دقتِ نظر سے کام لے (تو شاید سمجھ لے)

بندگانِ الٰہی سے تکبر میں سب سے زیادہ بُرا تکبر وہ ہے جو علمائے باللہ اور دانشمندوں سے برتا جائے کیونکہ اس کے مفاسد سب سے زیادہ اور اس کا ضرر سب سے بڑھا ہے، فقیروں کے ساتھ نہ اُٹھنا بیٹھنا، مجلسوں، محفلوں، راستوں، برتاؤ میں سب پر تقدم کرنا بھی تکبر ہے اور یہ تکبر اشراف و اعیان کے تمام طبقوں سے لے کر علما اور محدثین تک میں پایا جاتا ہے۔ (اسی طرح) مالداروں سے لے کر فقیروں تک میں پایا جاتا ہے۔ ہاں خدا کسی کی حفاظت کرے تو اور بات ہے۔ تواضع، چاپلوسی، تکبر، انکارِ نفس میں فرق و تمیز کرنا بہت مشکل ہے۔ انسان کو خدا کی پناہ مانگنی چاہیئے تاکہ وہ ہدایت کرے۔ اور اگر انسان (واقعی) اپنی اصلاح کرنے پر اتر آئے اور مطلوب کی جانب رواں دواں ہو جائے تو خداوندِ عالم اپنی رحمتِ واسعہ کے ذریعہ اس کی رہنمائی کرتا ہے اور سفر کو آسان کر دیتا ہے۔

دوسری فصل

تکبر کا اصلی سبب

یوں تو تکبر کے بہت سے اسباب ہیں مگر سب کی بازگشت اس بات کی طرف ہے کہ انسان کو یہ وہم پیدا ہو جاتا ہے کہ اس کے اندر ایک کمال ہے اور اس توہم کمال کی وجہ سے اس کے اندر عُجب پیدا ہو جاتا ہے جو حُبِّ نفس سے مل کر دوسروں کے کمال (کے سمجھنے) کا حجاب بن جاتا ہے اور وہ شخص دوسروں کو اپنے سے ناقص سمجھنے لگتا ہے اور یہی چیز ترفعِ قلبی یا ظاہری کا سبب بن جاتی ہے۔ مثلاً علمائے عرفان کے اندر کبھی ایسا ہو جاتا ہے کہ کوئی شخص اپنے کو اہلِ معارف و شہود سمجھنے لگتا ہے اور اصحابِ قلوب میں سے اپنے کو شمار کرنے لگتا ہے اور دوسروں پر اپنا بڑکپن ظاہر کرتا ہے، حکماء و فلاسفہ کو قشری، فقہاء و محدثین کو ظاہر بین اور باقی تمام لوگوں کو جاہل سمجھتا ہے۔ اور تمام بندگانِ خدا کو حقارت کی نظر سے دیکھتا ہے۔ اور خود فنا فی اللہ و بقاء باللہ کی ڈینگ مارنے لگتا ہے اور اپنے لئے اس کے تحقق و ثبوت کا ڈنکا بجانے لگتا ہے۔ حالانکہ معارفِ الٰہیہ کا تقاضا ہے کہ موجودات کے بارے میں خوش بین ہو (اگر یہ خود صاحبِ معرفت ہوتا تو موجودات

Presented by www.ziaraat.com

کے لئے خوش بین ہوتا) اگر معرفت الٰہی اس کے شامہ میں پہونچ چکی ہوتی تو جلال و جمال حق کے مظاہر کے ساتھ تکبر نہ کرتا۔ چنانچہ مقام بیان و علم میں وہ خود اپنی اس حالت کے خلاف تصریح کرتا ہے اور یہ صرف اس وجہ سے ہے کہ اس کے دل میں معارف کا وجود ہی نہیں ہے اور نہ بے چارہ مقام ایمان تک پہونچ سکا ہے۔ مگر عرفان کا دم بھرتا ہے اور عرفان کا کوئی حصہ اس کے پاس نہیں ہے مگر ثبوت و تحقق کے بارے میں گفتگو کرتا ہے۔

حکماء میں بھی ایسے اشخاص ہوتے ہیں جو اپنے کو عالم بہ حقائق (اشیاء) اور صاحب برہان جانتے ہیں اور اپنے کو خدا، اس کے ملائکہ، اس کی کتابوں، اس کے رسولوں پر یقین رکھنے والا شمار کرتے ہیں، مخلوقات الٰہی کو نظر حقارت سے دیکھتے ہیں، کسی بھی علم کو علم نہیں سمجھتے، تمام بندگان خدا کو علم و ایمان میں ناقص جانتے ہیں اور اپنے دل ہی دل میں ان پر تکبر کرتے ہیں، بلکہ ظاہر میں بھی لوگوں کے ساتھ تحوت و تکبر کا برتاؤ کرتے ہیں۔ حالانکہ مقام ربوبیت کا علم اور ممکن کا احتیاج اس کے برخلاف کا مقتضی ہے۔ اور حکیم (دراصل) وہی ہوتا ہے جو مبدء و معاد کا علم رکھنے کی وجہ سے ملکۂ تواضع رکھتا ہو۔ بہ نص قرآن پروردگار عالم نے جناب لقمان کو حکمت عطا فرمائی تو انھوں نے اپنے بیٹے کو جو دستور و حکم دیئے ہیں قرآن ان کی حکایت کرتے ہوئے کہتا ہے:

﴿وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ﴾[۲۰]

"لوگوں کے سامنے (غرور سے) اپنا منہ نہ پھلانا، اور زمین پر اکڑ کر نہ چلنا، کیونکہ خدا کسی اکڑنے والے اور اترانے والے کو دوست نہیں رکھتا"

(عویداران ارشاد و تصوف (اور مدعیان) تہذیب باطن کے اندر بھی ایسے اشخاص پیدا ہو جاتے ہیں جو لوگوں کے ساتھ متکبرانہ برتاؤ کرتے ہیں، اور علما و فقہا اور ان کے ماننے والوں کے بارے میں بدبین ہوتے ہیں، حکماء و علما پر طعن و طنز کرتے ہیں، اپنے اور اپنے ماننے والوں کے علاوہ سب ہی کو اہل ہلاکت سمجھتے ہیں، چونکہ ان کا دامن علم سے خالی ہے اس لئے علوم کو راستہ کا کانٹا خیال کرتے ہیں۔ اور اہل علم کو سالکین کے راستہ کا شیطان جانتے ہیں۔ حالانکہ وہ اپنے لئے جس مقام کے مدعی ہیں اس کا تقاضا اس کے برخلاف کا ہے۔ (اس لئے کہ) مخلوق کے ہادی اور گمراہوں کے مرشد کو مہلکات و موبقات سے مبرا ہونا چاہیئے۔ اور (یہ) سمجھ کر حال جو ہم

Presented by www.ziaraat.com

محو ہو کر بندگانِ خدا سے تکبر نہ کرنا چاہیئے۔ اور نہ ہی ان کے بارے میں بدبین ہونا چاہیئے۔

فقہاء، علمائے فقہ و حدیث اور ان کے طلاب میں بھی کبھی ایسے لوگ پیدا ہو جاتے ہیں جو لوگوں کو حقیر سمجھتے ہیں اور ان سے تکبر کرتے ہیں اور اپنے کو تمام اکرام و احترام کا مستحق سمجھتے ہیں۔ اور اپنے لئے ضروری سمجھتے ہیں کہ ہر شخص ان کی اطاعت کرے۔ وہ جو کہدیں بے چوں و چرا اس کو قبول کر لیا جائے وہ اپنے کو کسی کے سامنے جوابدہ نہیں سمجھتے بلکہ ساری دنیا کو اپنے سامنے جواب دہ سمجھتے ہیں۔ ۷ اپنے اور اپنے جیسے چند لوگوں کے علاوہ کسی کو اہلِ بہشت سے نہیں سمجھتے، جس علم کے جس طبقہ کا بھی ذکر آجائے اس پر لعن طعن کرتے ہیں۔ اپنے علم کے علاوہ، حالانکہ ان کے پاس علم نہیں ہوتا، تمام علوم کو بے سمجھے بوجھے رد کر دیتے ہیں اور سبب ہلاکت خیال کرتے ہیں، علما اور تمام علوم کو نادانی کی بنا پر رد کر دیتے ہیں۔ اور ایسا ظاہر کرتے ہیں گویا ان کی دیانت داری ان کو ان سب کی تردید پر مجبور کر رہی ہے اور ان کی توہین و تذلیل پر آمادہ کر رہی ہے۔ حالانکہ علم و دیانت اس قسم کے اخلاق و اطوار سے مبرا ہے۔ بغیر جانے بوجھے جو بات کہی جائے شریعت نے اس کو حرام قرار دیا ہے۔ مسلمان کے احترام کو واجب قرار دیا ہے۔ ۸ مگر اس قسم کے اشخاص علم و دین سے بے خبر، خدا اور رسولؐ کے قول کے برخلاف اپنی باتوں کو دین قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ سلف و خلف کے بزرگ علما کی سیرت اس کے ہمیشہ خلاف رہی ہے۔

یہ حال تو علوم شرعیہ کا ہے جس کا ہر علم اس بات کا مقتضی ہوتا ہے کہ علما کے اندر تواضع ہونی چاہیئے اور دلوں سے تکبر کی جڑ کو اکھاڑ کر پھینک دینا چاہیئے۔ (ویسے دنیا کا) کوئی علم نہ تکبر سکھاتا ہے نہ فروتنی کا مخالف ہے اور چونکہ مذکورہ بالا اشخاص کا علم ان کے عمل کے مطابق نہیں ہے (اسی لئے تکبر پیدا ہوتا ہے) اور ہم اسی کو بیان ۹ کرنا چاہتے ہیں تمام علوم کے علما، مثلاً علم طب، ریاضی، طبیعی" اور باریک صنعتوں کے ماہرین جیسے بجلی کے میکینک وغیرہ میں بھی تکبر زیادہ پیدا ہوتا ہے۔ یہ لوگ اپنے علم کے علاوہ دوسرے علوم کو چاہے وہ جو ہو کچھ بھی نہیں سمجھتے (بلکہ) دوسرے علوم کے ماہرین کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اور ہر فن کا ماہر یہی سمجھتا ہے کہ اصل علم وہی ہے جو اس کے پاس ہے۔ اور یہ حضرات ظاہر بظاہر اور دل میں بھی لوگوں کے ساتھ تکبر کا برتاؤ کرتے ہیں حالانکہ وہ علم اس کا مقتضی نہیں ہے۔

ہے غیر اہلِ علم جیسے بعض اہلِ مناسک و عبادات وہ بھی لوگوں کے ساتھ

Presented by www.ziaraat.com

تکبر کا برتاؤ کرتے ہیں۔ اور لوگوں کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں اور حقیر خیال کرتے ہیں۔ تمام لوگوں کا تو ذکر کیا ہے علما کو بھی اہلِ نجات نہیں جانتے۔ جب کبھی علم کی بات آتی ہے وہ کہتے ہیں۔ عمل کے بغیر علم کا کیا فائدہ؟ اصل چیز تو عمل ہے (یعنی) وہ عمل جو وہ کرتے ہیں اور اسی عمل کو اہمیت دیتے ہیں۔ اس کے علاوہ ہر طبقہ کے لوگوں کو تکبر و عُجب کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ حالانکہ اگر یہ لوگ واقعی اہلِ عبادت و اخلاص ہوتے تو ان کا عمل خود ان کی اصلاح کرتا۔ نماز فحشاء و منکر سے روکتی ہے اور مومن کی معراج ہے مگر یہ پچاس سال سے نماز پڑھنے والا واجب و مستحب اعمال کا پابند صفتِ کبر میں گرفتار۔ جوالحاد ہے۔ اور عُجب کا اسیر۔ جو دیگر منکرات سے شدید تر ہے۔ شیطان اور اس کی عادتوں سے نزدیک ہے۔ (آخر یہ کیسے ہوا؟) جو نماز فحشاء سے نہ روک سکے، قلب کی حفاظت نہ کر سکے۔ بلکہ کثرتِ نماز سے دل برباد ہو جائے وہ نماز، نماز نہیں ہے۔ جو نماز سختی سے پابندی کرنے کے بعد بھی شیطان اور اس کے خاص صفت تکبر سے نزدیک کر دے وہ نماز، نماز نہیں ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ یہ نماز کی خاصیت ہو بلکہ یہ علم و عمل سے حاصل شدہ تکبر کی وجہ سے ہے۔

ان کے علاوہ اور جن چیزوں سے تکبر پیدا ہوتا ہے ان کی بھی بازگشت اپنے اندر ایک تو ہی کمال کی پیدائش اور دوسرے کے یہاں اس کے فقدان کی طرف منجر ہوتا ہے۔ مثلاً ایک شخص اپنے عالی نسب اور بلند حسب کی بنا پر اس شخص پر تکبر کرے جس میں یہ نہ ہو۔ یا صاحبِ حُسن و جمال فاقدِ حُسن و زیبائی پر تکبر کرے یا طالبِ حُسن و زیبائی پر تکبر کرے۔ یا ایسا شخص جس کے پیرو بہت ہوں، امدگار بے انتہا ہوں، صاحبِ قبیلہ ہو۔ بہ کثرت شاگرد رکھتا ہو وہ ایسے پر فخر کرے جو ان تمام چیزوں سے محروم ہو۔ پس کم از کم سببِ تکبر کمال متوہم ہے اور اس تو ہمی کمال پر خوش ہونا اور عُجب کا تکبر کا باعث ہونا اور دوسرے کا اس سے خالی ہونا بھی سببِ تکبر ہے۔ مزید یہ ہے کہ فاسد اخلاق اور بُرے اعمال و کردار والے بھی کبھی دوسروں کے مقابلہ میں تکبر کرتے ہیں۔ کیوں کہ اپنے اندر کی صفات کو (خواہ وہ بُری ہوں) وہ ایک قسم کا کمال تصور کرتے ہیں۔

یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ خود متکبر آدمی بعض اسباب کی بنا پر اظہارِ تکبر سے پرہیز کرتا ہے۔ اور اس پر کوئی ترتیب اثر نہیں دیتا۔ مگر اس خبیث درخت کی جڑیں اس کے دل میں موجود رہتی ہیں۔ اس لئے اس کے آثار کبھی کبھی ظاہر ہو جاتے ہیں اور یہ اس وقت ہوتا ہے جب

Presented by www.ziaraat.com

وہ اپنی طبعی حالت سے خارج ہوجاتا ہے۔ مثلاً جب وہ غصہ میں بے قابو ہوجائے۔ اس وقت اپنی عظمت و کبریائی کا بیان شروع کردیتا ہے اور اپنی پونجی۔ خواہ وہ علم ہو یا عمل ہو یا کچھ اور۔ کو دوسرے کے سامنے ظاہر کردیتا ہے اور اس پر فخر کرنے لگتا ہے۔

اور کبھی اسبابِ خارجی کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اپنے تکبر کا اظہار کر بیٹھتا ہے۔ اور اور شدتِ تکبر کی وجہ سے اس کے ہاتھوں سے لگام چھوٹ جاتی ہے۔ پس کبھی تو اس کے اعمال و حرکات و سکنات میں تکبر کا اظہار ہونے لگتا ہے۔ مثلاً مجالس میں جاتے وقت سب پر مقدم ہونا چاہے اور جاتے و نکلتے وقت دوسروں پر سبقت لے جانے کی کوشش کرے فقیروں کو اپنے پاس پھٹکنے نہ دے، ان کی نشستوں اور مجلسوں میں شرکت نہ کرے۔ اپنے اردگرد احترام کا ایک ہالا بنالے۔ راستہ چلنے میں، لوگوں کے سوال کا جواب دینے میں، اور دوسرے کاموں میں تکبر کرنے لگے، اور بعض محققین۔ جن کے بہت سے اصول مطالب کو ہم نے اس حدیث میں ان سے لے کر ترجمہ کیا ہے۔ نے فرمایا ہے کہ اس عالم میں تکبر کا سب سے کم درجہ یہ ہے کہ لوگوں کی طرف سے منہ پھیرلے، گویا ان سے اعراض کرنا چاہتا ہے۔

اور عابد میں سب سے کم درجہ تکبر کا یہ ہے کہ لوگوں کو دیکھ کر صورت بگاڑے اور چین بہ جبین ہوجائے۔ گویا یا تو لوگوں سے پرہیز کرنا چاہتا ہے یا لوگوں پر غضب ناک ہے۔ حالانکہ بے چارے کو یہ بھی نہیں معلوم کہ تقویٰ پیشانی میں نہیں ہوا کرتا اور نہ صورت بگاڑنے میں ہوتا ہے۔ اور نہ لوگوں سے اعراض کرنے اور چہرے کو پلٹا لینے میں ہوتا ہے۔ اور نہ گردن کو ٹیڑھی کرنے اور سر کو جھکانے میں ہوتا ہے نہ دامن سمیٹ کر چلنے میں ہوتا ہے تقویٰ تو صرف دل میں ہوتا ہے۔ حضور سرورِ کائنات نے فرمایا:

"تقویٰ یہاں ہے اور اپنے سینہ کی طرف اشارہ فرمایا"

کبھی تکبر اس کی زبان سے ظاہر ہوتا ہے۔ اور دوسروں سے فخر و مباہات کرنے سے ظاہر ہوتا ہے اور اپنے نفس کی پاکیزگی بیان کرنے سے ہوتا ہے۔ جیسے کوئی عبادت گزار مقام تفاخر میں کہے: میں نے تو فلاں عمل کیا ہے۔ اور اس سے اپنے عمل کو بڑا شمار کرنا اور دوسروں کے اعمال کی تنقیص کرنا مراد ہو۔ کبھی متکبر تصریح نہیں کرتا مگر ایسی بات کرتا ہے جس کا لازمہ اپنے نفس کا تزکیہ ہوتا ہے۔ (یا جیسے) ایک عالم دوسرے سے کہے: تم کو کیا معلوم! میں نے فلاں کتاب اتنی مرتبہ پڑھی ہے۔ کتنے ہی سال مجامع علمی میں رہا ہوں، اساتید و اساطین فن کو دیکھا

Presented by www.ziaraat.com

ہے۔ بڑی بڑی تحقیقیں اُٹھائی ہیں، کتابوں کی کتابیں لکھ ڈالی ہیں، تصنیف و تالیف اتنی کی ہے جو بیشمار ہے اور اسی طرح کی باتیں۔ پس ہر حالت میں نفس اور اس کی مکاریوں سے برابر خدا کی پناہ حاصل کرنی چاہیئے۔

تیسری فصل

تکبر سے پیدا ہونے والی برائیاں

یہ جان لو کہ تکبر وہ بُرائی ہے جو نہ صرف اپنے اندر بہت سی برائیاں رکھتی ہے بلکہ اس سے دوسری بے شمار برائیاں بھی پیدا ہوتی ہیں۔ یہ صفت جہاں انسان کے ظاہری و باطنی کمالات میں رُکاوٹ بنتی ہے اور دینوی و اُخروی مسرتوں کے حصول سے مانع ہوتی ہے۔ وہیں بغض اور دشمنی کا بھی وسیلہ بنتی ہے اور انسان کو خلقِ خدا کی نظروں سے گرا دیتی ہے۔ اور انسان دوسروں کی نظروں میں حقیر و ذلیل ہو جاتا ہے۔ اور پھر دوسرے لوگ بھی اس کے ساتھ اسی طرح برتاؤ کرنے لگتے ہیں اور اس کو ذلیل و رسوا کرنے لگتے ہیں۔

حضرت امام جعفر صادقؑ کی ایک حدیث کافی میں ہے اس میں حضرت فرماتے ہیں: ہر بندے کے مُنہ میں ایک لگام ہے اور ایک فرشتہ اس کی نگرانی پر معین ہے۔ جب بندہ تکبر کرتا ہے۔ فرشتہ کہتا ہے: تواضع کر خدا تجھے ذلیل کرے۔ پس وہ شخص ہمیشہ اپنی نظر میں سب سے بڑا ہے اور لوگوں کی نظروں میں سب سے چھوٹا ہے۔ اور جب بندہ تواضع کرتا ہے تو اس لگام کو جو اس کے مُنہ میں ہے بلند کرتا ہے اور کہتا ہے تو بلند ہو جا! خدا نے تجھ کو اعلیٰ و بلند کیا۔ ایسا آدمی اپنی نظر میں سب سے چھوٹا ہے مگر لوگوں کی نظروں میں سب سے بڑا ہوتا ہے۔"

اے عزیز جو دماغ تیرے پاس ہے وہی دوسروں کے پاس بھی ہے۔ اگر تم فروتنی کرو گے تو قہری طور سے لوگ تمہارا احترام کریں گے اور تم کو بڑا مانیں گے۔ اور اگر تکبر کرو گے تو تمہاری ترقی کا راستہ مسدود ہو جائے گا۔ اور لوگوں کو قدرت حاصل ہو گئی تو تم کو ذلیل و رسوا کریں گے اور تمہاری کوئی پرواہ بھی نہ کریں گے۔ اور اگر قدرت نہ حاصل ہو سکی تو دل ہی دل

Presented by www.ziaraat.com

میں تم کو رسوا کریں گے اور ان کی نظروں میں تم ذلیل ہو گے تمہارا کوئی احترام نہ ہوگا۔ تم تواضع اور انکساری سے لوگوں کے دل جیت لو۔ جب دل تمہارے پاس ہوگا تو اس کے آثار خود بخود ظاہر ہوں گے۔ اور اگر تمہاری طرف سے دل پلٹ گئے تو اس کے آثار تمہارے مقصد کے خلاف ہونگے

فرض کرو تم احترام طلب ہو اور بزرگی چاہتے ہو تو تم وہی راستہ اختیار کرو جو ادھر لے جاتا ہو یعنی لوگوں سے تواضع اور خوش اخلاقی سے پیش آؤ۔ غرور اور تکبر کا نتیجہ تمہارے مطلب کے خلاف ہی نکلے گا۔ دنیا جو ایک آسان چیز ہے وہ تمہارے ہاتھ آئے گی نہیں۔ بلکہ اس کے برخلاف نتیجہ نکلے گا۔ اس کے علاوہ تمہارے برے اخلاق کے نتیجہ میں آخرت میں بھی تمہاری ذلت و خواری کے اسباب فراہم ہوں گے۔

جس طرح اس دنیا میں تم نے لوگوں کو حقیر شمار کیا اور بندگان خدا پر اپنی برتری جتائی اور ان کے سامنے اپنی عزت، عظمت، جلال اور حشمت کا مظاہرہ کیا۔ اسی طرح آخرت میں یہ بڑائی ذلت و رسوائی کا سبب ہوگی۔

چنانچہ کافی کی حدیث شریف میں آیا ہے:

«بِإِسْنَادِهِ عَنْ دَاوُدِ بْنِ فَرْقَدٍ عَنْ أَخِيهِ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا عَبْدِاللّٰهِ، عَلَيْهِ السَّلَامُ، يَقُولُ: إِنَّ الْمُتَكَبِّرِينَ يُجْعَلُونَ فِي صُوَرِ الذَّرِّ يَتَوَطَّأُهُمُ النَّاسُ حَتّٰى يَفْرُغَ اللّٰهُ مِنَ الْحِسَابِ.»[۱۲]

"داؤد بن فرقد کے بھائی کہتے ہیں: میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام کو فرماتے ہوئے سنا: تکبر کرنے والوں کو کمزور چونٹیوں کی طرح قرار دے دیا جائے گا۔ جب تک خدا بندوں کے حساب سے فارغ نہ ہو جائے اس وقت تک لوگ ان کو روندتے رہیں گے۔"

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے اصحاب کو وصیت کرتے ہوئے یہ بھی فرمایا:

«قَالَ: إِيَّاكُمْ وَالْعَظَمَةَ وَالْكِبْرَ فَإِنَّ الْكِبْرَ رِدَاءُاللّٰهِ، عَزَّ وَجَلَّ؛ فَمَنْ نَازَعَ اللّٰهَ رِدَاءَهُ، قَصَمَهُ اللّٰهُ وَأَذَلَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ.»[۱۳]

"خبردار تکبر اور بڑائی نہ کرنا۔ اس لئے کہ تکبر ذات خدا کے لئے مخصوص ہے۔ اور جو شخص

Presented by www.ziaraat.com

خدا سے اس میں جھگڑا کرے گا۔ خدا اس کو برباد کر دے گا اور قیامت میں ذلیل کرے گا۔" اور جب خدا کسی کو ذلیل کرے تو معلوم نہیں اس کے ساتھ کیا برتاؤ کرے اور وہ شخص کس حال میں مبتلا ہو؟ کیونکہ آخرت کے امور دنیاوی امور سے فرق کرتے ہیں۔ آخرت کی ذلت دنیا کی ذلت سے مناسبت رکھتی ہے جیسے وہاں کی نعمتوں اور عذاب اور دنیا کی نعمتوں اور عذاب میں فرق ہے وہاں کی نعمت ہمارے تصورات سے بالا ہے وہاں کا عذاب ہمارے حوصلے سے خارج ہے۔ وہاں کی کرامت ہمارے خیال سے مافوق ہے۔ وہاں کی ذلت و خواری کا ہم تصور بھی نہیں کر سکتے اور تکبر کا آخری انجام جہنم ہے۔

ایک حدیث میں ہے: «اَلْکِبْرُ مَطَایَا النَّارِ» "کبر جو شخص تکبر کی سواری پر سوار ہے وہ سواری اس کو جہنم میں لے جائے گی" اور جب تک اس شخص میں اس صفت کا اثر باقی ہے۔ وہ جنت کی صورت نہیں دیکھ سکتا۔

چنانچہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے کہ حضورؐ نے فرمایا:

«لَنْ یَدْخُلَ الْجَنَّةَ مَنْ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ مِنْ کِبْرٍ.»[15]

"جس شخص کے دل میں رائی کے دانے برابر بھی تکبر ہو وہ ہرگز جنت میں نہیں جا سکتا۔"

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام اور حضرت امام جعفر صادقؑ نے بھی تقریباً یہی فرمایا ہے[16] اور کافی کی حدیث میں حضرت امام محمد باقرؑ نے فرمایا:

«اَلْعِزُّ رِدَائِي وَالْکِبْرُ إِزَارُهُ؛ فَمَنْ تَنَاوَلَ شَیْئاً مِنْهُ أَکَبَّهُ اللّٰهُ فِي جَهَنَّمَ.»[17]

"اس حدیث کا ماحصل یہ ہے کہ عزت و کبریائی صرف خدا کے لئے ہے۔ جو کوئی اس میں حصہ بنائے گا خدا اس کو منہ کے بل جہنم میں پھینک دے گا" اور جو جہنم متکبرین کے لئے ہے وہ علاوہ اس جہنم کے ہے جو عام لوگوں کے لئے ہے۔

اب میں اس کمترین حدیث کو یہاں ذکر کرنا چاہتا ہوں جس حدیث کی یہی جگہ ہے۔ حالانکہ اس کا ترجمہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے۔

«مُحَمَّدُ بْنُ یَعْقُوبَ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ إِبْرَاهِیمَ، عَنْ أَبِیهِ، عَنِ ابْنِ أَبِي عُمَیْرٍ، عَنِ ابْنِ بُکَیْرٍ، عَنْ أَبِي عَبْدِاللّٰهِ، عَلَیْهِ السَّلَامُ، قَالَ: إِنَّ فِي جَهَنَّمَ لَوَادِیاً لِلْمُتَکَبِّرِینَ یُقَالُ لَهُ «سَقَرُ» یَشْکُو إِلَى اللّٰهِ، عَزَّ وَجَلَّ، شِدَّةَ حَرِّهِ وَسَأَلَهُ أَنْ یَأْذَنَ لَهُ أَنْ یَتَنَفَّسَ؛ فَتَنَفَّسَ فَأَحْرَقَ جَهَنَّمَ.»[18]

Presented by www.ziaraat.com

یہ حدیث بہت معتبر ہے بلکہ مثل صحیح ہے۔ ابن بکیر نے امام صادقؑ سے نقل کیا کہ حضرت صادقؑ نے فرمایا: "جہنم میں متکبرین کے لئے ایک (مخصوص) وادی ہے جس کو سقر کہتے ہیں اس وادی نے خدا سے اپنی شدت حرارت کی شکایت کی اور خدا سے اجازت مانگی کہ اس کو ایک مرتبہ سانس لینے کی اجازت مرحمت فرمائی جائے۔ (اجازت ملنے کے بعد) اس نے ایک مرتبہ جب سانس لی تو پورا جہنم جل گیا۔"

میں خدا کی پناہ اس جگہ سے چاہتا ہوں کہ جو خود دار عذاب ہے مگر اپنے حرارت کی شکایت کرتی ہے۔ اور اپنے ایک تنفس سے جہنم کو جلا دیتی ہے۔ آتش آخرت کی شدت حرارت و سختی کا ہم اس عالم میں ادراک نہیں کر سکتے۔ اس لئے کہ عذاب کے شدت و ضعف کے اختلاف کا سبب ایک تو خود ادراک کی قوت و ضعف ہوا کرتی ہے کہ مدرک جتنا قوی اور ادراک جتنا کامل اور خالص ہوگا اتنا ہی درد و الم کا ادراک زیادہ ہوگا۔

دوسرے اختلاف کا سبب مادے پر ہوتا ہے کہ وہ حرارت جہنم کا اثر کس حد تک قبول کرتے ہیں۔ کیونکہ حرارت کے قبول کرنے میں مادوں میں اختلاف ہوتا ہے۔ مثلاً جست اور سیسہ کے مقابلہ میں سونا اور لوہا حرارت کو زیادہ قبول کرتے ہیں۔ اور یہ دونوں لکڑی اور کوئلے کے مقابلہ میں حرارت کو زیادہ جذب کرتے ہیں اور یہ سب چیزیں گوشت و پوست کے مقابلہ میں حرارت کو قبول کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

تیسرا فرق: حس کرنے کی صلاحیت کا باہمی تفاوت بھی ہوا کرتا ہے۔ مثلاً انسانی دماغ جو ہڈیوں وغیرہ کے مقابلہ میں حرارت کو کم قبول کرتا ہے مگر اس پر حرارت کا اثر اس لئے کہیں زیادہ ہوتا ہے کہ اس کی قوت حس بہت تیز ہوتی ہے۔

چوتھا سبب اختلاف خود حرارت کی کمی اور زیادتی ہوتی ہے مثلاً اگر آگ ۱۰۰ درجہ سینٹی گریڈ پر ہوگی تو زیادہ شدید اور جلانے والی ہوگی بہ نسبت اس آگ کے جو ۵۰ درجہ سینٹی گریڈ پر ہو۔

پانچواں سبب اختلاف یہ بھی ہوتا ہے کہ حرارت پیدا کرنے والے مادے اور اس کو قبول کرنے والے مادے کے درمیان کتنا ربط اور کتنا فاصلہ ہے مثلاً آگ ہاتھ کے قریب رکھی جائے یا ہاتھ پر رکھی جائے تو دونوں کے جلانے میں فرق ہوگا۔

یہ پانچوں اسباب جن کا اوپر ذکر کیا گیا اس دنیائے فانی میں بہت ہی زیادہ ناقص ہیں۔

Presented by www.ziaraat.com

اور عالمِ آخرت میں اپنی پوری قوت اور پورے کمال پر ہوں گے۔ (ہی نہیں) اس دنیا میں ہمارے تمام ادراکات اور احساسات ناقص وضعیف اور بے شمار پردوں میں چھپے ہیں۔ جن کا ذکر موجب تطویل ہونے کے ساتھ اس مقام کے مناسب نہیں ہے۔

آج ہماری آنکھیں ملائکہ، بہشت، جہنم کو نہیں دیکھ سکتیں، ہمارے کان برزخ و اہلِ برزخ و قیامت و اہلِ قیامت کی عجیب و غریب آوازوں کو نہیں سن سکتے، ہم وہاں کی حرارت کا احساس نہیں کر سکتے، یہ خود ان چیزوں کا نقص ہے۔ آیات و اخبارِ اہلِ بیت صلوات اللہ علیہم ان مطالب سے صراحتاً و کفایتاً بھرے پڑے ہیں۔

لیکن انسان کا بدن اس دنیا میں حرارت کو برداشت کرنے والا نہیں ہے۔ اگر اس دنیا کی آگ میں جو (آخرت کی آگ کے مقابلہ میں بہت ہی) سرد ہے۔ ایک گھنٹہ بھی رہ جائے تو جل کر خاکستر ہو جائے گا۔ لیکن خدائے قادر اسی بدن کو قیامت میں اس طرح خلق کرے گا کہ آتشِ جہنم میں بقول حضرت جبرئیلؑ اہلِ جہنم کی ستر ہاتھ زنجیر میں سے صرف ایک کڑی اس دنیا میں لائی جائے تو اس کی شدتِ حرارت سے دنیا کے تمام پہاڑ پگھل جائیں۔[19] ہمیشہ باقی رہے گا اور کبھی نہ پگھلے گا نہ ختم ہو گا۔ قیامت میں انسانی بدن کی صلاحیت بھی اس دنیا سے قابلِ قیاس نہیں ہے۔

(اسی طرح) اس دنیا میں جسم و روح کا جو رابطہ ہے وہ بہت ہی ضعیف و ناقص ہے۔ اس عالم میں اس کی گنجائش ہی نہیں ہے کہ روح اس میں اپنی قوتوں کا اظہار کر سکے۔ البتہ عالمِ آخرت روح کے ظہور کی مملکت ہے۔ وہاں روح کا جسم کے ساتھ فاعلیت اور خلاقیت کا رشتہ ہے اور یہ رشتہ اپنی جگہ پر ثابت و قائم رہے گا۔[20] اس لئے یہ ارتباط کی انتہائی مشکل اور مکمل ترین درجہ ہے۔

اور اس دنیا کی آگ وہ تو ایک افسردہ اور ٹھنڈی قسم کی آگ ہے۔ اور ایک عارضی چیز ہے جس میں خارجی چیزیں اور غیر خالص چیزیں ملی ہوئی ہیں۔ لیکن جہنم کی آگ (معاذ اللہ) خالص ہے۔ اس میں کسی چیز کی ملاوٹ نہیں ہے۔ وہ جوہر قائم بالذات ہے۔ حتی اور مرید ہے۔ وہ باشعور ہے۔ اہلِ جہنم کو جلائے گی اور جتنا اس کو حکم دیا گیا اس کی اعتبار سے جہنمیوں کو فشار دیگی جبرئیل امین جو صادق و مصدق ہیں ان کا قول آپ نے جہنم کے بارے میں پڑھ ہی لیا۔ قرآن اور روایاتِ انبیا جہنم کی صفات سے پُر ہیں۔

Presented by www.ziaraat.com

البتہ آتشِ جہنم کے انسانی جسم پر اثر انداز ہونے کی اس دنیا میں کوئی مثال نہیں ہے۔ اس دُنیا کی تمام آگ اگر کسی انسان کو گھیر لے تب بھی وہ صرف ظاہری سطح ہی کا تو لحاظ کر سکتی ہے۔ لیکن آتشِ جہنم کا حصار اتنا وسیع ہے کہ وہ اپنے تمام متعلقات کے ساتھ انسان کے ظاہر و باطن اور اس کے تمام حواس کے وسائل کا احاطہ کرے گی۔ یہ وہ آگ ہے جو دل و روح اور قویٰ کو بھی جلا دے گی۔ اور پھر ان میں ایک ایسا اتحاد پیدا ہو جائے گا جس کی اس دنیا میں کوئی نظیر نہیں ہے۔

پس معلوم ہوا کہ اس دنیا میں موجبات عذاب کسی بھی طرح فراہم نہیں ہیں۔ نہ یہاں کا مادہ وہ صلاحیت رکھتا ہے کہ حرارت کا پورا اثر قبول کر سکے۔ نہ یہاں کی حرارت پوری طرح کسی پر اپنا اثر ڈال سکتی ہے اور نہ ہی مکمل ادراک ہو سکتا ہے۔ وہ آتش جس کے سانس لینے سے پورا جہنم جل جائے۔ ہم نہ اس کا ادراک کر سکتے ہیں نہ تصور کر سکتے ہیں۔ مگر یہ کہ خدانا خواستہ ہم لاشمار شکبروں میں ہونے لگے۔ اور اس ناہنجار صفت کا علاج کئے بغیر ہم اس دنیا سے کوچ کر جائیں۔ اور دوسری دُنیا میں اپنی آنکھوں سے دیکھیں۔

﴿ فَلَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِينَ ﴾

"پس تکبر کرنے والوں کا کتنا برا ٹھکانا ہے۔"

چوتھی فصل

تکبر کے اسباب

ان امور کے علاوہ جن کا ذکر کیا جا چکا ہے۔ تکبر کے دیگر اور بھی اسباب ہیں۔

۱ ـــــ چھوٹے دماغ کا ہونا۔

۲ ـــــ قابلیت و صلاحیت (کا فقدان) یا کمی۔

۳ ـــــ پس فطرتی۔

۴ ـــــ کم حوصلگی یہ اسباب بھی تکبر کا سبب بن جایا کرتے ہیں۔

مختصر یہ کہ جب آدمی کم ظرف ہوتا ہے تو اپنے اندر ایک کمال دیکھنے کے ساتھ ہی

Presented by www.ziaraat.com

یا ایک امتیاز کا مشاہدہ کرتے ہی اس کو یہ گمان ہو جاتا ہے کہ اب وہ بھی ایک مقام و مرتبہ کا مالک ہو گیا۔ حالانکہ اگر وہ بہ نظر انصاف یا بہ نظر اعتبار دیکھتا کہ جو امتیاز اسے حاصل ہوا ہے یا جس کمال سے وہ متصف ہوا ہے تو وہ خود ہی سمجھ لیتا کہ جس کو اس نے کمال سمجھا ہے اور جس پر تکبر و افتخار کر رہا ہے وہ درحقیقت کمال ہی نہیں ہے یا اگر ہے بھی تو دوسروں کے کمالات کے مقابلہ میں قابلِ اعتناء نہیں ہے۔ (اور وہ یہ سمجھ جاتا) کہ یہ مُنہ تو طمانچے مار مار کر سُرخ کیا گیا ہے۔

یعنی "اِسْتَسْمَنَ ذَاوَرَم۔ ۲۲

مثلاً ایک عارف جو اپنے عرفان کی وجہ سے دوسروں کو حقارت کی نظر سے دیکھتا ہے اور تکبر کرتا ہے اور دوسروں کو قشری و ظاہری کہتا ہے اس کے پاس بھی ایک ان مفہومات کے "مجموعے جو حقائق کے لئے سدِّ راہ اور حجاب بنے ہوتے ہیں" کے علاوہ معارفِ الٰہیہ میں سے کیا ہے؟ اور زرق و برق دلفریب اصطلاحات کا بھلا معارفِ الٰہیہ سے کیا ربط ہے؟ یہ چیزیں خدا شناسی، اسماء و صفات کے علم سے کوسوں دور ہیں۔ معرفت قلبی صفت ہے میرے نظریہ کے مطابق یہ تمام کے تمام علوم عملی ہیں۔ محض مفاہیم کا سمجھ لینا اور اصطلاحات کا وضع کر لینا علم نہیں ہے۔ میں نے اپنی اس کم عمری و کم علمی کے باوجود ان اصطلاحی عرفا اور دیگر علوم کے علما کے درمیان، اسی علم و عرفان کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ ایسے اشخاص بھی دیکھے ہیں کہ ان اصطلاحات نے ان کے دلوں پر کوئی بھی اثر نہیں کیا۔ بلکہ اُلٹا اثر کیا ہے۔

اے عزیز! بقول تمہارے عرفان باللہ قلب کو اسماء و صفات کی تجلیات کا محل اور جلوۂ ذات کا مرکز بناتا ہے۔ اور سلطانِ حقیقی کے نزولِ اجلال کے قابل ہونے کی فضیلت عطا کرتا ہے۔ کثافت و گندگیوں کے رنگ برنگ مختلف آثار کو مٹا دیتا ہے۔ تعینات کے زنگ کو دور کر دیتا ہے۔

وَإِنَّ الْمُلُوكَ إِذَا دَخَلُوا قَرْيَةً أَفْسَدُوهَا وَجَعَلُوا أَعِزَّةَ أَهْلِهَا أَذِلَّةً۔ ۲۳

"بادشاہ لوگ جب کسی بستی میں داخل ہوتے ہیں تو اس کو اُجاڑ دیتے ہیں اور وہاں کے معزز لوگوں کو ذلیل و رسوا کر دیتے ہیں"

اور (جب قلب پر سلطانِ حقیقی کا قبضہ ہو جاتا ہے تو) وہ قلب کو احدی اور احدی بنا دیتا ہے۔ پس تم نے آخر کیوں اپنے قلب کو اپنے ہی جمال میں محو (نظارہ) بنا دیا ہے۔ اور تمام رنگینیوں کو سمیٹ کر تعینات و اضافات کا میلہ لگا رکھا ہے؟ تم نے اپنے دل کو کیوں حق اور اس

Presented by www.ziaraat.com

کے اسماء کے تجلیات سے غافل بنا رکھا ہے۔؟ آخر تم نے اپنے قلب کو کیوں شیطان کی منزل بنا کر بندگانِ الٰہی اور خاصانِ درگاہِ حق اور جمالِ محبوب کے جلووں کو حقارت و پستی کی نظر سے دیکھنا شروع کر دیا ہے؟ اے (نام نہاد) عارف تیری حالت پر افسوس ہے تیری حالت تو سب سے بدتر ہے اور حجت تیرے اوپر تمام ہے (تعجب ہے) تو حق کے ساتھ تکبر کرتا ہے۔ تو اسماء و صفات و تجلیات ذات کے سامنے بھی فرعونیت کا مظاہر کرتا ہے؟

اے مفاہیم کے رٹو طوطے مائے حقیقتوں سے گمراہ! ذرا غور تو کر تیرے پاس معارف کا کیا علم ہے؟ ذات و صفاتِ حق کا اثر تو اپنے میں کتنا پاتا ہے؟ علم موسیقی، آوازوں کی ہم آہنگی، شاید تیرے علم سے زیادہ دقیق ہو، علم ہیئت، ٹیکنالوجی، تمام علوم طبیعی، سائنسی اور ریاضی اصطلاحات اپنی پیچیدگی و نزاکت کے اعتبار سے شاید تیرے علم کے مساوی ہوں۔ جس طرح یہ علوم عرفانِ خدا سے تعلق نہیں رکھتے اسی طرح تیرا علم بھی اعتبارات و مفاہیم و اصطلاحات کے پردوں میں چھپا ہوا ہے نہ اس سے کوئی کیفیت پیدا ہو سکتی ہے نہ حال ۱۲ بلکہ شریعت علم کے اعتبار سے طبیعی، ریاضی علوم تیرے علم سے بہتر ہیں۔ کیونکہ ان سے کچھ نہ کچھ حاصل تو ہوتا ہے مگر تیرا علم نہ صرف یہ کہ لاحاصل ہے بلکہ کبھی اس کا الٹا اثر ہوتا ہے۔

جیومیٹری کا ماہر اپنے علم سے انجینئرنگ میں فائدہ اٹھاتا ہے، سنار اپنی صنعت کا فائدہ اٹھاتا ہے۔ لیکن تو اپنے علم سے دنیاوی فائدہ تو درکنار معرفت بھی نہیں حاصل کر سکتا تیری آنکھوں پر پڑا ہوا پردہ اتنا دبیز ہے کہ تجھے مقامِ احدیت کی جھلک بھی نہیں دکھائی دیتی۔ تو ایسی گھنگھور گھٹاؤں میں گھرا ہوا ہے کہ اسماء و صفات کا ایک کرشمہ بھی نظر نہیں آتا اور غیر متناہی کثرت (کے شور و غل) میں ایک گنگناہٹ بھی نہیں سن سکتا اور انھیں اصطلاحات کی بھول بھلیوں میں تجھے حقائق و معارف کا راستہ بھی نہیں دکھائی دیتا۔ اس کے باوجود تو اسی سرمائے پر علمائے حق کے سامنے افتخار و تکبر کرتا ہے، جو معرفت دل کی کدورت بڑھا دے وہ معرفت نہیں ہے، ان معارف پر وائے ہو جو اپنے مالک کے انجام کو شیطان کا وارث بنا دیں۔

تکبر شیطان کا خاصہ ہے اس نے تیرے باپ آدم علیہ السلام سے تکبر کیا تھا جس کی بنا پر درگاہِ الٰہی سے نکالا گیا اور تو کو آدموں، آدم زادوں سے تکبر کرتا ہے۔ لہٰذا تو بھی راندۂ دربار کیا جائے گا۔

اسی سے تمام علوم کی حقیقت کو سمجھ لو کہ حکیم اگر (واقعی) حکیم ہے اور حق تعالیٰ کے

Presented by www.ziaraat.com

مقام کو اپنی نسبت، اپنے مقام اور دوسروں کی نسبت سے سمجھتا ہے تو اس کے دل سے غرور چلا جائے گا۔ اور وہ اس برائی سے آزاد ہو جائے گا۔ لیکن یہ بے چارہ انھیں مفاہیم و اصطلاحات کے پیچھے دوڑنے والا اسی دھوکہ میں رہتا ہے کہ (اصل) حکمت یہی ہے۔ اور صرف وہی ان کا ماہر، حکیم و عالم ہے (اسی لئے) کبھی وہ اپنے کو صفات واجب سے متصف سمجھنے لگتا ہے اور کہتا ہے حکیم (ہونا) خدا کی صفت ہے۔

وَالْحِكْمَةُ هِيَ التَّشَبُّهُ بِالْإِلٰهِ۔[۳۵]

"اور کبھی اپنے کو انبیاء و مرسلین کے زمرے میں شمار کرنے لگتا ہے اور:

وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ[۳۶]

کا راگ الاپنے لگتا ہے اور کبھی اَلْحِكْمَةُ ضَالَّةُ الْمُؤْمِنِ[۳۷] وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا[۳۸] کی تلاوت کرنے لگتا ہے۔ (حالانکہ) اس کا دل حکمت سے بے خبر خیرات سے ہزاروں میل دور، اور حکمت سے بے بہرہ ہے۔

حکیم الٰہی، اسلام کے بہت بڑے فلسفی جناب محقق دماد[۳۹] رضوان اللہ علیہ فرماتے ہیں: حکیم وہ ہے جس کا بدن (درحقیقت) اس کے لئے لباس ہو۔ جب چاہے اس کو پہن لے جب چاہے اتار دے۔ (سوچئے) وہ کیا فرماتے تھے اور ہم کیا کہتے ہیں؟! انھوں نے حکمت سے کیا سمجھا تھا اور ہم نے کیا سمجھا ہے؟! پس تو چند (رٹی ہوئی) اصطلاحوں اور مفاہیم پر ناز کرتا ہے اور لوگوں سے غرور سے پیش آتا ہے یہ تیری کم ظرفی و کم حوصلگی ہے اور کم علمی ہے۔

وہ جو شخص اپنے کو لوگوں کا مرشد اور ہادی سمجھتا ہے اور مسند ارشاد و تصوف پر براجمان ہے اس کا حال ان دو گروہوں سے بدتر مگر ناز و نخرہ پیش تر ہے۔ اس نے اصطلاحات کا ذخیرہ ان دونوں گروہوں سے چرا کر اپنی متاع کو ان سے سجا لیا ہے تاکہ بازار میں اس کے اونچے دام لگیں، ان کے وسیلہ سے اس نے بندگانِ خدا کے دلوں کو حق سے منحرف کر کے اپنا گرویدہ بنا لیا ہے اور ان سادہ لوح اور پاک دل حضرات کو علماء اور دیگر لوگوں کا مخالف بنا دیا ہے، اپنے بازار کو چمکانے کے لئے جان بوجھ کر یا بلا سوچے سمجھے چند جاذب نظر اصطلاحات سے بیچارے عوام کو پھنسا لیا ہے۔ اس کو یہ غلط فہمی ہو گئی ہے کہ "مجذوب علی شاہ" یا "محبوب علی شاہ" (نام رکھ لینے) سے حال و جذب کی کیفیت خود بخود پیدا ہو جاتی ہے۔

اے طالب دنیا! اے مفاہیم کے چور تیری یہ کارکردگی جو توہم پر مبنی ہے۔ اس قدر

Presented by www.ziaraat.com

غرور و تکبر کی چیز تو نہیں ہے۔ (تو) بے چارہ تو اپنے چھوٹے دماغ اور پست حوصلہ ہونے کی وجہ سے دھوکہ میں رہا۔ اپنے آپ کو صاحب مقام سمجھتا رہا۔ تو نے حُبِّ نفس و دنیا کو چرائے ہوئے مفاہیم، اضافات و اعتبارات سے ملا کر ایک ناہنجار چیز کو جنم دیا اور ان سب کو ملا کر ایک عجیب معجون تیار کیا اور نرالا مفہوم بنایا۔ اور پھر (ستم بالائے ستم) ان تمام عیوب کے ساتھ اپنے کو مرشد خلائق اور نجات اُمت کا (ضامن و) ہادی اور سرشریعت کا مالک سمجھتا رہا۔ بے شرمی کی انتہا یہ ہو گئی کہ اپنی حدوں سے بڑھ کر اپنے کو ولایت مطلقہ کا حامل سمجھنے لگا۔ اور یہ بھی استعداد و قابلیت کی کمی سینہ کی تنگی اور دل کی کوتاہی کی وجہ سے ہے۔

تو فقہ و حدیث و دیگر علوم شریعہ کا طالب علم ہو کر بھی چند اُن اصطلاحوں کے علاوہ جو اصول و حدیث میں رائج ہیں کچھ بھی تو نہیں جانتا۔ اگر اس علم نے جو تمام کا تمام عمل ہے تمہارے اندر کوئی اضافہ نہیں کیا، تمہاری کوئی اصلاح نہیں کی بلکہ (اس کے بجائے) عملی و اخلاقی مفاسد بڑھا دیئے تو تمہارا کام دیگر تمام علوم کے علما سے پست و ناچیز ہے۔ بلکہ تمام عوام کے کاموں سے بھی بدتر ہے۔ یہ عرضی مفاہیم، اور حرفی معانی اور بے فائدہ بحثیں۔ جن میں سے اکثر کا دینِ خدا سے کوئی تعلق نہیں ہے، نہ علوم میں ان کا شمار ہے۔ جن کا تم نے ثمرہ علمیہ نام دے رکھا ہے۔ ایسی نہیں ہیں کہ تم ان پر اترائو اور غرور کرو، خدا شاہد ہے:

وَکَفیٰ بِہٖ شَہِیداً:

"اور یہ بہت بڑی گواہی ہے۔" کہ اگر علم کا یہی نتیجہ ہے اور وہ تم کو ہدایت نہیں کر سکتا، اخلاقی و عملی مفاسد کو تم سے دور نہیں کر سکتا تو سب سے پست درجہ کا مشغلہ بھی اس سے بہتر ہے۔ کیوں کہ ان کا فائدہ تو فوری ہوتا ہے اور ان میں دنیاوی و اخروی مفاسد بھی کم ہیں۔ اور تم کو نتیجہ میں وبال (و جنجال) کے علاوہ کچھ نہ ملے اور اخلاقی مفاسد و بُرے اعمال کے علاوہ کوئی ثمرہ نہ ہو۔ (تو اس علم کا کیا فائدہ؟) پس علمی اعتبار سے بھی تو تمہارا علم باعثِ تکبر نہیں ہے۔ بس چونکہ تمہارے علم کا افق بہت ہی زیادہ کوتاہ ہے اس لئے دو چار علمی اصطلاحوں کو اِدھر اُدھر (استعمال) کر کے تم اپنے کو بہت بڑا عالم اور تمام لوگوں کو جاہل سمجھنے لگتے ہو اور ملائکۂ مقربین کے پیروں کو روندنے لگتے ہو۔ ۳۱ مجالس میں دوسروں کے لئے جگہوں کو اور گلیوں، کوچوں میں راستوں کو لوگوں کے لئے تنگ کرنے لگتے ہو۔

اور ان سب میں ذلیل و حقیر وہ شخص ہے جو ظاہری امور جیسے مال و منال، حشم و خدم

Presented by www.ziaraat.com

پر تکبر کرے یہ بے چارہ تو آدمیت کے تمام اخلاق اور انسانی آداب سے بھی دور ہے اس کا ہاتھ تمام علوم و معارف سے خالی ہے، لیکن چونکہ اس نے بھیڑ کی اون کا لباس پہن رکھا ہے اور اس کا باپ فلاں بن فلاں ہے لہٰذا وہ لوگوں پر غرور کرتا ہے۔ کشتی کو تباہ ذہنیت اور تاریک قلب والا آدمی ہے کہ تمام کمالات سے منہ موڑ کر بہترین لباس اور زیب و زینت کو چھوڑ کر ٹوپی اور قبا کی خوبصورتی پر فاتح ہے۔ یہ بے چارہ تمام انسانی بلندیوں سے بے بہرہ اور حقیقتوں سے ناواقف ہونے کے باوجود اپنے آپ کو صاحب مقام و رتبہ سمجھتا ہے۔ یہ تو اتنا نالائق ہے کہ اگر کوئی دنیاوی اعتبار سے اس سے ذرا اونچا ہو تو اس سے ایسا برتاؤ کرتا ہے جیسے غلام اپنے آقا سے کرتا ہے۔ ہاں یہ صحیح ہے کہ جس کی نظر میں صرف دنیا ہی دنیا ہو وہ دنیا اور اہل دنیا کا غلام ہی ہوتا ہے اور اس کا معبود وہی ہے جس کے پاس دنیا ہو۔

بہر حال غرور کے قوی ترین عوامل میں سے ایک کوتاہی فکر اور صلاحیت کی کمی ہے اسی لئے جو چیز کمال نہیں ہے یا کمال سمجھے جانے کے لائق نہیں ہے اس میں شدت کے ساتھ اثر پیدا کرتی ہے اور اس میں عجب و غرور پیدا کر دیتی ہے۔ اس کے اندر حب نفس اور حب دنیا جتنا زیادہ ہوگی یہ چیزیں اس میں زیادہ اثر انداز ہوں گی۔

Presented by www.ziaraat.com

پانچویں فصل

تکبر کا علاج

اب جبکہ غرور کے مفاسد تم کو معلوم ہو چکے تو اب نفس کے علاج کی فکر کرو، اور دل کو کدورت سے پاک کرنے کی ہمت کرلو اور آئینہ دل کو اس غبار غلیظ سے صاف کر ڈالو اور اگر تم (واقعی) قوت ارادی اور کشادگی قلب کے مالک ہو اور (ابھی) حُبِّ دنیا تمہارے دل میں مضبوط نہیں ہوئی اور زیبائش دنیا تمہارے قلب میں جلوہ فگن نہیں ہوئی اور چشم انصاف کھلی ہے تو گزشتہ فصل ہی اس کے علمی علاج کے لئے کافی ہے۔

اور اگر ابھی تم اس مرحلے میں نہیں پہونچے ہو تو اپنے حالات میں تھوڑا غور و فکر کرو، ہو سکتا ہے تمہارا دل بے دار ہو جائے۔ اے انسان تو ابتدا میں کچھ نہ تھا، تو لامتناہی زمانوں تک

Presented by www.ziaraat.com

پر وہ عدم میں تھا، عدم سے بدتر تھا اور صفحۂ وجود سے مٹانے کا تو کوئی سوال ہی نہیں تھا۔ پھر جب تیری پیدائش سے ارادۂ حق کا تعلق ہوا تو چونکہ ناقص القابلیہ تھا اور پست و ناچیز تھا اور فیض کے قبول کی تیرے اندر صلاحیت نہ تھی اس لئے تجھ کو اس عالم مادی۔ جو محض بالقوۃ تھا اور خالص صفت (ونا توانی) کے کچھ نہ تھا۔ سے عنصری اور جسمانی۔ جو ذلیل ترین موجودات اور پست ترین کائنات ہے۔ صورت میں لایا، اور پھر وہاں سے نطفہ۔ یہ وہ چیز ہے کہ اگر تمہارے ہاتھ میں لگ جائے تو تم اس کو بہت ہی گندہ سمجھو گے اور بڑی زحمت سے پاک کرو گے۔ کی صورت میں لایا۔ اور اس نطفہ کو نہایت ہی گندی اور پلید چیز یعنی خبیثین کے اندر جگہ دی اور پھر اس کو جیتاب کی نالیوں کے ذریعے نہایت ہی بری اور زشت حالت میں یعنی رحم مادر میں پہونچا۔ اور تجھ کو ایسی جگہ رکھا جس کے ذکر سے بھی تمہیں (کراہت) و نفرت ہوگی۔ جہاں پر تجھے علقہ اور مضغہ کی صورت عطا کی۔ اور ایسی چیز تیری غذا قرار دی گئی (خون حیض اسی لئے عموماً حمل کے زمانہ میں عورتوں کو حیض نہیں آیا کرتا الا ماشذ و ندر جس کے سننے سے بھی تجھ کو وحشت ہوگی۔ اور شرم آئے گی لیکن چونکہ سب ہی اس مصیبت میں مبتلا ہیں اس لئے شرم نہیں آتی۔

وَالبَلِیَّۃُ إِذَا عَمَّت طَابَت۔ "مصیبت جب عام ہو جاتی ہے تو خوشگوار بن جاتی ہے" بلکہ فارسی زبان میں اس سے ملتی جلتی چیز کو اس طرح بھی کہا گیا ہے۔ مرگ انبوہ جشنے دارد

ان تمام تبدیلیوں کے دوران تو ایک حقیر ترین اور پست ترین موجودات میں سے تھا۔ تمام ظاہری و باطنی ادراکات سے خالی اور تمام کمالات سے تہی دست تھا۔ پھر جب خدا نے اپنی وسیع رحمت سے تجھ کو زندگی بخشی اس وقت بھی تیرے اندر زندگی اتنی ناقص تھی کہ تو ایک کیڑے سے بھی بدتر تھا اور یہ سب تیری قابلیت کی نقص کی وجہ سے تھا۔ پھر بتدریج خداوند عالم نے زندگی اور آثار زندگی تیرے اندر زیادہ فرمایا۔ یہاں تک کہ تم دنیا میں پست ترین راستہ سے اور پست ترین حالات میں اس (کشادہ) فضا میں آنے کے لائق ہوئے، اور اس وقت بھی تم اپنی صلاحیتوں کو کام میں لانے کے اعتبار سے تمام حیوانات کے بچوں سے زیادہ کمزور و پست تھے۔ پھر خدا نے اپنی قدرت کاملہ سے تم کو ظاہری اور باطنی قوتوں سے نوازا، لیکن پھر بھی تو اتنا ضعیف و ناتوان تھا کہ اپنی کسی قوت کو نہ استعمال کر سکتا تھا نہ اپنی صحت کی حفاظت کر سکتا تھا۔ نہ اپنی زندگی و طاقت کی حفاظت کر سکتا تھا۔ اور بڑا ہونے کے بعد بھی ان چیزوں پر قادر نہیں ہے بلکہ خوبصورتی و جوانی کو بھی محفوظ رکھنے پر قدرت نہیں رکھتا، اگر کوئی مصیبت یا بیماری تجھ پر پڑے تو اس،

Presented by www.ziaraat.com

کو اپنے سے دور نہیں کر سکتا۔

مختصر یہ ہے کہ اب بھی تمہارے بس میں کچھ نہیں ہے۔ اگر ایک دن بھی بھوکا رہنا پڑ جائے تو تم کوئی بھی مُردار اور گندی چیز کھانے پر تیار ہو جاؤ گے۔ اگر پیاس کا غلبہ ہو جائے تو کوئی بھی گندا اور ناپاک پانی پینے پر تیار ہو جاؤ گے۔ اسی طرح ہر معاملہ میں تم ایک ایسے بندۂ ذلیل ہو جو کسی چیز پر قادر نہیں ہے۔ اور اگر تم اپنا قیاس دنیا کی دوسری موجودات اور ان کے کمالات سے کرو تو دیکھو گے کہ صرف تم ہی نہیں بلکہ پورا کرۂ ارض بلکہ یہ پورا تمہارا نظام شمسی اس عالم طبیعی کے مقابلہ میں پست ترین نظام ہے۔ اور کائنات میں سب سے چھوٹا کرہ ہے۔ اس کی تو کوئی قدر و قیمت ہی نہیں ہے۔

میرے عزیز تم نے ابھی اپنے سوا دیکھا ہی کیا ہے؟ اور اگر دیکھا بھی ہے تو جانچا پرکھا نہیں ہے۔ تم (پہلے) اپنے آپ اور اپنے تمام سرمایۂ حیات کا اپنے شہر سے مقابلہ کرو، پھر اپنے شہر کا اپنی مملکت و حکومت سے مقابلہ کرو، اور پھر اپنی حکومت کا مقابلہ دوسرے تمام ممالک سے کرو جن میں سے ایک فیصد کو بھی تم نے نہ دیکھا ہوگا نہ سنا ہوگا۔ اور پھر ان تمام کا مقابلہ پوری دنیا کی زمین سے کرو۔ اور پوری زمین کا مقابلہ نظام شمسی سے اور اس کے دیگر ان وسیع و عریض سیاروں سے کرو جو سورج کی شعاعوں سے فیضیاب ہوتے ہیں۔ پھر اس نظام شمسی کا جو ہمارے اور تمہارے افکار کی حدوں سے کہیں زیادہ وسیع ہے۔ ان دوسرے نظام ہائے شمسی سے مقابلہ کرو جن کے سامنے ہمارا سورج اپنے تمام سیاروں سمیت ایک چھوٹا سا ذرہ ہے۔ کیوں کہ ان میں سے ہر ایک سورج ہمارے سورج اور اس کے سیاروں کے مجموعہ سے کہیں زیادہ وسعت رکھتا ہے اور ان میں سے اب تک جیسا کہ کہا جاتا ہے۔ جو دریافت ہو چکا ہے وہ کئی ملین کہکشاؤں پر مشتمل ہے۔ اور نزدیک ترین اور سب سے چھوٹی کہکشاں میں کئی ملین نظام شمسی موجود ہیں۔ جن میں سب سے چھوٹا نظام شمسی ہمارے سورج سے کروڑوں گنا بڑا ہے اور نورانی تر ہے۔ اور یہ سب عالم مادی ہے کہ جس کی مقدار ان کے خالق کے سوا کوئی نہیں جانتا اور ارباب اکتشافات اب تک اس کی ایک تھوڑی سی مقدار کو کشف کر سکے ہیں۔ اور یہ تمام عالم اجسام، عالم ماوراء الطبیعہ کے مقابلہ میں قابل حس بھی نہیں ہیں۔ اور اس عالم میں ایسی بھی دنیائیں ہیں جو انسانی فکروں میں سما نہیں سکتیں۔ اس عالم وجود میں ہمارے اور تمہارے اسباب زندگی یہی ہیں (اس سے زیادہ اس میں ہمارا تمہارا کوئی حق نہیں ہے۔)

Presented by www.ziaraat.com

پھر جب خدا تم کو اس دنیا سے اٹھانا چاہتا ہے تو تمہاری تمام قوتوں کو حکم دیتا ہے کہ وہ کمزور ہو جائیں، تمہارے سارے ادراکات کو حکم دیتا ہے کہ اپنی کارکردگی روک دیں، تمہارے کارخانۂ وجود کو معطل کر دیتا ہے، سماعت، بصارت، طاقت، قدرت کو تم سے (واپس) لے لیتا ہے، اور پھر تم ایک جامد (لاش) ہو جاتے ہو، اور چند روز کے بعد تمہاری گندگی اور عفونت سے لوگوں کے مشام کو اذیت ہونے لگتی ہے (بدبو ناقابلِ برداشت ہو جاتی ہے) لوگ تمہاری شکل و صورت سے بھاگنے لگتے ہیں، اور ایک مدت کے تمام اعضاء ایک ایک کر کے گلنے سڑنے لگتے ہیں اور پھر بکھر جاتے ہیں یہ تو تمہارے جسم کا حال ہے۔ مال و منال و حشمت کی بے اعتباری تو اور زیادہ واضح ہے۔

(لیکن برزخ کا حال تو خدا ہی جانتا ہے) اگر تم نے خدانا خواستہ اس کی اصلاح نہ کی تو خدا جانتا ہے کہ تمہاری کیا صورت ہوگی اور کیسی حالت ہوگی۔ کیونکہ اس دنیا والوں کے حواس ان کے دیکھنے، سننے اور سونگھنے سے قاصر ہیں۔ تم نے فشارِ قبر، وحشت، تاریکی (وغیرہ) کے بارے میں جو کچھ بھی سن رکھا ہے اس دنیا کی وحشت و تاریکی کا اس پر قیاس ہی نہیں کیا جا سکتا اور اگر کیا جائے تو وہ قیاس باطل ہے۔ پروردگار ہم نے اپنے ہاتھوں سے اپنے لئے جو کچھ کر رکھا ہے اس پر ہماری فریاد کو سن کر فریاد رسی کر۔

عذابِ قبر جو عذابِ آخرت کا نمونہ ہوگا۔ جس سے بچنے کے لئے بعض روایات کی بنا پر ہمیں شفاعت کرنے والوں کی شفاعت بھی نصیب ۳۲ نہ ہوگی۔ خدا جانے وہ کیسا عذاب ہوگا؟ آخرت کا حال تو تمام سابقہ حالتوں سے بدتر اور وحشت ناک ہوگا۔ آخرت کا دن! حقائق کے ظاہر ہونے کا، سرائر کے منکشف ہونے کا، اخلاق و اعمال کے مجسم ہونے کا، حساب (و کتاب) کا دن ہوگا، وہ ذلت و رسوائی کا دن ہوگا۔ موقف میں کھڑا ہونے کا دن ہوگا۔ یہ ہے قیامت!

اب قیامت کے بعد جہنم ہے اس کا بھی حال معلوم ہے۔ جہنم کے بارے میں کچھ معلوم کرنا چاہتے ہو؟ (تو سنو) عذابِ جہنم صرف آتش ہی نہیں ہے۔ تمہاری آنکھوں کے سامنے اس کا ایک ہولناک دروازہ کھول دیا جائے گا۔ اگر وہ ہولناک دروازہ اس دنیا میں کھول دیا جائے تو تمام دنیا والے ہلاک ہو جائیں۔ اسی طرح ایک دروازہ تمہارے کان کے لئے اور ایک تمہاری ناک کی طرف کھولا جائے گا۔ جن میں سے ایک بھی اگر اس مادی دنیا کے رہنے والوں کے کھولا جائے تو سب کے سب اس کی شدتِ عذاب سے ہلاک ہو جائیں گے۔

Presented by www.ziaraat.com

آخرت کی حقیقت سے آگاہ ایک عالم کا کہنا ہے جس طرح جہنم کی گرمی کمال شدت پر ہے۔ اسی طرح اس کی سردی بھی اپنی شدت کے کمال پر پہونچی ہوئی ہے۔ اور خدا شدید گرمی اور شدید سردی کو یکجا کرنے پر قادر ہے۔ ۳۴ یہ ہمارا انجام ہے۔ پس جس کی ابتدا عدم ہو اور غیر متناہی ہو اور جب سے وہ اس دنیا میں قدم رکھے اس کے تمام تغیرات برے ہوں اور جن حالات میں وہ زندگی بسر کرے وہ ایک سے بڑھ کر ایک شرم آور ہوں، اس کی دنیا ۳۱ اس کا برزخ، اس کی آخرت ہر ایک دوسرے سے بدتر ہے اور رسوا کن ہو وہ بھلا کس چیز پر تکبر و غرور کر سکتا ہے؟ یا کس جمال و کمال پر فخر کر سکتا ہے؟ پس معلوم ہوا کہ غرور صرف جہالت و نادانی کی بنا پر ہوا کرتا ہے۔ جس کی جہالت زیادہ ہوگی، عقل کم ہوگی اس کا غرور زیادہ ہوگا۔ اور جس کا علم زیادہ ہوگا روح بزرگ ہوگی، سینہ کشادہ ہوگا وہ متواضع اور فروتنی کرنے والا ہوگا۔

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ کا علم چونکہ وحی الٰہی سے ماخوذ تھا اور ان کی روح اتنی بزرگ تھی کہ تن تنہا ملیونہا ملیون آدمیوں کے روح پر بھاری تھی۔ اس لئے آپ نے جاہلی عادتوں اور ادیانِ باطلہ کو پیروں سے کچل دیا تھا اور تمام آسمانی کتابوں کو منسوخ کر دیا تھا اور اسی لئے آپ کی ذات گرامی پر دائرۂ نبوت کا خاتمہ ہو گیا، بحکم خدا حضور پر نور سلطان دنیا و آخرت ہونے کے ساتھ جمیع عوالم پر تصرف فرما بھی تھے۔ بندگانِ الٰہی کے ساتھ آپ کا تواضع سب سے زیادہ تھا۔ آپ کو یہ بات سخت ناگوار تھی کہ آپ کے اصحاب آپ کی تعظیم کے لئے کھڑے ہوں، جہاں بھی تشریف لے جاتے تھے سب سے آخر میں بیٹھتے تھے۔ زمین پر بیٹھ کر کھانا تناول فرماتے تھے اور زمین ہی پر نشست و برخاست رکھتے تھے فرمایا کرتے تھے: میں خدا کا بندہ ہوں لہٰذا غلاموں کی طرح کھاتا ہوں، اور غلاموں ہی کی طرح بیٹھتا ہوں۔ ۳۵

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے تھے: آنحضرتؐ بے پالان کے گدھے پر بیٹھنے کو دوست رکھتے تھے اور بندگانِ الٰہی کے ساتھ پست (معمولی) جگہوں پر کھانا تناول فرمانے کو دوست رکھتے تھے، اور فقراء کو اپنے دونوں ہاتھوں سے دینے میں خوشی محسوس کرتے تھے۔ آپ جب بھی گدھے پر سوار ہوتے تھے اپنے پیچھے اپنے غلام یا کسی اور کو بٹھا لیتے تھے۔ ۳۶ اور آنحضرتؐ کی سیرت میں یہ بھی ہے کہ اپنی بیویوں کے ساتھ گھریلو کاموں میں ہاتھ بٹاتے تھے۔ گوسفندوں کو اپنے ہاتھ سے دوہتے تھے، اپنے کپڑوں اور جوتیوں کو خود ہی ٹانک لیتے تھے، فقراء و مساکین کے ساتھ اٹھتے اور بیٹھتے تھے اور ان کے ساتھ کھانا کھاتے تھے۔ ۳۷ اپنے خادم کے ساتھ چکی پیستے تھے، آٹا خمیر کرتے

Presented by www.ziaraat.com

تھے اپنا سامان خود اٹھاتے تھے۔ ان جیسی اور ان سے بالاتر چیزوں کے بارے میں آنحضرتؐ کی یہی سیرت تھی۔ تواضع آپ کی مخصوص صفت تھی حالانکہ آنحضرتؐ مقامات معنوی کے ذرا ہونے کے ساتھ ساتھ سلطنت ظاہری پر بھی فائز تھے۔ اسی طرح حضرت علیؑ بھی رسول خداؐ کی پیروی میں ان تمام امور کو انجام دیا کرتے تھے اور آپؑ کی سیرت بالکل رسول خداؐ کی سیرت تھی۔[۳۸]

لہٰذا میرے عزیز! اگر تجھے غرور کمال معنوی پر ہے تو رسول خداؐ اور آئمہؑ کے مراتب کا تصور کر جو سب ہی سے بلند مرتبہ تھے اور اگر ریاست و سلطنت پر تکبر ہے تو وہ حضرات سلطنت حقیقی کے مالک تھے۔ لیکن سب سے زیادہ متواضع تھے۔ پس اس حقیقت کو تسلیم کر لو کہ تواضع اور انکسار علم و معرفت کی پیداوار ہے اور غرور و سرکشی جہالت و نادانی کی پیداوار ہے۔ اس ننگ جہل و پستی کو اپنے سے دور کر کے انبیاء کے صفات اپنے اندر پیدا کرو، شیطانی صفات سے چھٹکارا حاصل کر، خدا کی کبریائی میں اس سے جھگڑا نہ کر، اس لئے کہ حق سے جھگڑا کرنے والا اس کے قہر و غضب کا نشانہ بنتا ہے اور منہ کے بل آتش جہنم میں ڈال دیا جاتا ہے۔

اگر تم اپنے نفس کے اصلاح میں کامیاب ہو جاؤ تو تھوڑی سی احتیاط و پابندی کے بعد اس راستہ پر چلنا تمہارے لئے آسان ہو جائے گا۔ ہمت مردانہ، آزادی فکر، بلندی نظر سے کام لو تو اچانک پیش آجانے والے خطرات سے بھی محفوظ رہو گے، نفس امارہ اور شیطان پر غلبہ حاصل کرنے اور راہ نجات حاصل کرنے کے لئے صرف ایک ہی راستہ ہے کہ نفس امارہ و شیطان کی خواہشات کے برخلاف ہمیشہ عمل کرتے رہو۔

نفس کی سرکوبی کے لئے اس سے بہتر کوئی راستہ نہیں ہے کہ متواضعین کی صفت کو اپنا لو، اور ان کے کردار و سیرت کے سانچے میں اپنے کو ڈھال لو۔ تمہارا غرور چاہے جس درجہ کا ہو اور علم و عمل کے جس کسی مخصوص شاخ میں تمہاری چاہے جتنی مہارت ہو کچھ دنوں تک اپنی نفسانی خواہشات کے خلاف عمل کرتے رہو، اور ساتھ میں غرور کے نظری و عملی خطرات کو پیش نظر رکھتے ہوئے ان کے دنیاوی اور اخروی نتائج پر غور بھی کرو تو امید ہے کہ تمہاری راہ آسان ہو جائے اور تم اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاؤ۔ (مثلاً) اگر نفس کی خواہش ہے کہ صدر مجلس کو اپنی طرف متوجہ کر کے اپنے ہم چشموں پر فوقیت حاصل کرو تو تم اس کے برخلاف عمل کرو، اگر فقیروں اور مسکینوں کے ساتھ نشست و برخاست کو دل نہیں چاہتا تو دل کی ناک رگڑ دو اور فقیروں کے ساتھ اٹھو بیٹھو، کھاؤ (پیو) سفر کرو، مذاق کرو۔ ویسے یہ بھی ممکن ہے کہ نفس تم سے بحث کرے اور کہے: تم ایک

Presented by www.ziaraat.com

باعزت آدمی ہو تو دینِ شریعت کے لئے اپنی عزت و وقار کو باقی رکھو، فقیروں کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے سے لوگوں کے دلوں میں تمہاری وقعت کم ہو جائے گی، اپنے ماتحتوں سے ہنسی مذاق کرنے سے تمہارے وقار کو دھچکہ لگے گا۔ محفلوں میں پیچھے بیٹھنے سے تمہاری عزت و احترام میں بٹہ لگ جائے گا۔ اور پھر تم باقاعدہ اپنے شرعی وظیفہ پر عمل نہیں کر پاؤ گے۔ (اگر نفس ایسا کہے) تو سمجھ لو کہ یہ سب شیطان اور نفس کی مکاریوں اور چالبازیاں ہیں۔ (کیوں کہ) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا احترام و وقار ریاست و حکومت کے اعتبار سے تم سے کہیں زیادہ تھا مگر ان کی سیرت وہ تھی جو تم نے چند سطروں پہلے پڑھی۔

میں نے اپنے زمانہ میں خود اپنے علما کے اندر ایسے اشخاص کو دیکھا ہے جو شیوں کی ایک حکومت بلکہ ایک اقلیم پر کامل طور سے ریاست رکھتے تھے لیکن ان کی سیرت رسول اکرم کی سیرت جیسی تھی۔ جناب استاد معظم و فقیہ مکرم حاج شیخ عبدالکریم یزدی حائری ۲۹ جون ۱۳۴۰ ہجری سے ۱۳۵۵ ہجری تک اقلیم شیعہ پر ریاست تامہ اور مرجعیت کاملہ رکھتے تھے ہم سبھوں نے دیکھا ہے کہ ان کی سیرت کیسی تھی وہ اپنے نوکروں چاکروں کے ساتھ ایک ہی دسترخوان پر کھانا کھاتے تھے، زمین پر بیٹھتے تھے۔ چھوٹے چھوٹے طلاب سے عجیب و غریب مذاق فرمایا کرتے تھے۔ آخری عمر میں جب ان کی صحت گر چکی تھی تو مغرب کے بعد بغیر عبا اپنے سر کے گرد ایک مختصر سا پٹکا لپیٹ کر پیروں میں چپل پہن کر گلی میں ٹہلنے نکلا کرتے تھے۔ اس سے لوگوں کے دلوں میں ان کا وقار (کم نہیں ہوا بلکہ) بڑھ گیا اور ان کی عزت و احترام میں کوئی کمی نہیں آئی۔

ان مرحوم کے علاوہ بھی قم کے علما میں کئی ایسے محترم اشخاص تھے جن کے اندر اس قسم کے تکلفات نہیں تھے جن میں شیطان نے ہم کو مبتلا کر رکھا ہے وہ حضرات اپنی ضرورت کی چیزوں کو بازار سے خود ہی خریدتے تھے اپنے گھروں کے لئے خزانہ آب سے خود ہی پانی لاتے تھے۔ اپنے گھریلو کاموں میں حصہ بٹاتے تھے مقدم و مؤخر کی ان کی نظر میں کوئی اہمیت نہیں تھی۔ صدر نشینی و خاک نشینی دونوں ان کی نظروں میں یکساں تھیں۔ ان کی تواضع و انکساری پر لوگوں کو حیرت ہوتی تھی۔ ان کی عظمت لوگوں کی نظروں میں بہت تھی، دلوں میں ان کا احترام بہت زیادہ تھا۔

بہرحال (یہ بات طے شدہ ہے کہ) رسول اکرم اور حضرت علیؑ کی سیرت پر عمل کرنا انسان کو چھوٹا نہیں بناتا۔ لیکن انسان کو نفس کی مکاریوں سے چوکنا رہنا چاہیئے کہ کہیں اپنے جال میں پھنسا کر کسی اور راستے سے تم کو بیچ نہ دے۔ مثلاً تم بعض لوگوں کو دیکھو گے کہ وہ مجلس میں بالکل آخر میں

Presented by www.ziaraat.com

اس طرح بیٹھیں گے کہ حاضرین کو سمجھائیں، میرا مقام تو بہت اونچا ہے۔ لیکن انکساری کی وجہ سے میں یہاں بیٹھا ہوں۔ اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص جس کو اپنے بلند مرتبہ ہونے کا خیال ہوتا ہے ایسے شخص کو اپنے آپ سے آگے بٹھا دیتا ہے جس کی حیثیت سب ہی کی نظروں میں اس سے کم ہوتی ہے اور اس کو آگے بڑھانے والے کا مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ لوگ سمجھ جائیں کہ اس کا یہ عمل محض انکساری و فروتنی کی وجہ سے ہے۔ اس قسم کے سینکڑوں نفس کے مکائد ہیں جن میں غرور کے علاوہ ریاکاری اور دھوکہ بھی شامل ہو جاتا ہے۔

نفس کی اصلاح اسی وقت ممکن ہو سکتی ہے جبکہ خالص ارادے سے مجاہدہ کیا جائے اسی طرح نفس کی اصلاح اسی وقت ممکن ہو سکتی ہے جب تمام صفاتِ نفسانیہ اصلاح کے قابل ہوں۔ مگر شروع میں زحمت ضرور ہوتی ہے۔ البتہ اگر کوئی نفس کی اصلاح کرنے کو طے ہی کر لے تو پھر اس میدان میں اترنے کے بعد مسئلہ سہل و آسان ہو جاتا ہے۔ اصل چیز اصلاح اور بہتری کا سچا اور پکا ارادہ کرنا ہے اور خوابِ غفلت سے بیدار ہونا ہے۔

www.ziaraat.com
Sabeel-e-Sajjad

Presented by www.ziaraat.com

انسانیت کی پہلی منزل بیداری ہے

انسانیت کی سب سے پہلی منزل خوابِ غفلت سے بیداری اور سکرِ طبیعت سے ہوشیاری ہے اور یہ سمجھنا ہے کہ انسان ایک مسافر ہے اور ہر مسافر کے لئے زاد و راحلہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور انسان کا زاد و راحلہ اس کی اچھی خصلتیں ہیں۔ اس سفر پُر خطر، راہ تاریک و باریک (صراط) تلوار سے تیز تر، بال سے باریک تر کی سواری ہمت مرد مانہ ہے۔ اس گھٹا ٹوپ اندھیرے کا نور ایمان اور اچھی عادتیں ہیں۔ اگر کسی نے سستی برتی تو اس صراط سے گزر نہیں سکے گا۔ منہ کے بل جہنم میں گرے گا۔ خاک ذلت و رسوائی کے برابر ہو جائے گا۔ ہلاکت کی چٹان سے ٹکرا کر پاش پاش ہو جائے گا اور جو اس صراط سے نہیں گزر سکے گا وہ صراط آخرت سے بھی نہیں گزر سکے گا۔

اے عزیز! ذرا ہمت کر اور جہالت و نادانی کے پردے کو تار تار کر کے اس بھیانک اندھیرے سے نجات حاصل کر۔ حضرت مولائے متقیان، راہنمائے حقیقی مسجد میں اس طرح نالہ و فریاد کرتے تھے کہ مسجد کے پڑوس میں رہنے والے بھی سنتے تھے:

«تَجَهَّزُوا رَحِمَكُمُ اللّٰهُ، فَقَدْ نُودِيَ فِيكُمْ بِالرَّحِيلِ!» خدا تم پر رحم کرے

Presented by www.ziaraat.com

سامانِ سفر درست کرلو اس لئے کہ کوچ کا نقارہ بج چکا ہے۔ نفسانی کدورات، تقوائے قلب، اعمالِ صالحہ، صفائے باطن، ہر عیب سے پاک و پاکیزہ ہونے کے علاوہ اس راہ میں کوئی توشہ کام نہ آئے گا۔

بالفرض اگر تم ایمان کی ظاہری صورت رکھنے والے ناقص (گروہ سے) ہو تو اپنے کو اس کھوٹ سے خالص کرلو تاکہ نیکوکاروں اور صالحین کے گروہ میں سے ہو جاؤ۔ (اس کے علاج کا طریقہ یہ ہے کہ) نفس کو عتاب و ملامت کی بھٹی میں رکھو، آتشِ پشیمانی میں اس کو پگھلا کر توبہ و ندامت کی آگ کے ذریعہ جلا دو۔ اسی طرح خدا کی طرف واپسی کا ایک طریقہ ہے۔ اسی دنیا میں تم خود ہی اپنا علاج کرلو۔ ورنہ عذابِ الٰہی کی بھٹی وَنَارُ اللّٰهِ الْمُوقَدَةُ[۴۲] میں تم کو پگھلایا جائے گا۔ اور خدا ہی جانے آخرت کی کتنی صدیاں اس کی اصلاح کے لئے درکار ہوں گی۔ اس دنیا میں پاک ہونا سہل و آسان ہے یہاں پر تبدیلیاں اور تغیرات بہت تیزی سے واقع ہوتے ہیں۔ لیکن آخرت میں تغیرات دوسرے ڈھنگ سے ہوتے ہیں۔ اور نفسانی ملکات میں سے کسی ایک ملکہ کے زوال کے لئے صدیوں کی ضرورت ہوتی ہے۔

لہٰذا میرے بھائی جب تک عمر و جوانی، طاقت و اختیار باقی ہے نفس کی اصلاح کرلے۔ یہاں کے جاہ و شرف کی فکر نہ کرو، ان وقتی چیزوں کو روند ڈالو۔ تم آدمؑ کی اولاد ہو اس لئے شیطان کی صفت کو اپنے سے دور کردو، ممکن ہے شیطان غرور کو دیگر رذیل صفتوں کے مقابلہ میں زیادہ اہمیت دے۔ کیونکہ یہ خود اس کی وہ صفت ہے جس کی وجہ سے درگاہ خدا سے اس کو نکالا گیا تھا۔ اسی لئے وہ چاہتا ہے ہر عارف، عامی، عالم، جاہل کو اپنا ہم مسلک بنالے۔ (اور پھر) جب اس بری صفت میں مبتلا ہو کے عالمِ آخرت میں اس سے ملاقات کروگے تو تم کو اس کی ملامت کا بھی سامنا کرنا پڑے گا اور وہ تم سے کہے گا: اے آدم زادے کیا انبیاء نے تجھے نہیں بتایا تھا کہ تیرے باپ سے تکبر کی وجہ میں بارگاہِ ایزدی سے نکالا گیا۔ اپنی تعظیم اور آدمؑ کی تحقیر کی وجہ سے ملعون قرار دیا گیا پھر تم نے اپنے کو اس بلا میں کیوں گرفتار کرلیا؟

اس وقت تم کو عذابوں، گرفتاریوں، حسرتوں، ندامتوں میں مبتلا ہونے کے علاوہ جن میں سننے کی بھی تاب لانا مشکل ہے" دنیا کی ذلیل ترین مخلوق اور پست ترین موجود کی لعنت و ملامت بھی سننی پڑے گی۔ (دیکھو) شیطان نے خدا کے ساتھ تکبر نہیں کیا تھا اس نے تو جناب آدمؑ کے ساتھ جو بہر حال ایک مخلوقِ خدا تھے۔ یہ کہہ کر تکبر کیا تھا: خَلَقْتَنِي مِنْ نَارٍ وَ خَلَقْتَهُ مِنْ طِينٍ۔[۴۳] مجھے

Presented by www.ziaraat.com

آگ (جیسی بلند چیز) سے پیدا کیا اور آدمؑ کو مٹی (جیسی پست چیز) سے شیطان نے اسی بنا پر اپنے کو برتر اور آدمؑ کو پست تر سمجھا تھا۔ (مگر) تم نے تو شیطان کے فریب میں آکر خود آدمؑ کے بیٹوں کو اپنے سے کمتر سمجھتا ہے۔ تم بھی تو احکامِ الٰہی سے سرپیچی کرتے ہو۔ خدا نے فرمایا: انکساری کرو، تواضع کرو، مگر تم بندگانِ الٰہی کے ساتھ تکبر کرتے ہو، اترائے ہو (جب ایسا ہے تو) صرف شیطان ہی پر کیوں لعنت کرتے ہو؟ اپنے خبیث نفس کو بھی لعنت میں شریک کرو کیونکہ اس صفت میں تیرا نفس بھی تو شیطان کا شریک ہے۔ تم خود شیطان کے مظہر ہو (بلکہ) شیطان مجسم ہو۔ ہوسکتا ہے تمہاری قیامتی اور برزخی صورت بھی شیطان ہو، اس لئے کہ آخرت میں صورتوں کا معیار ملکاتِ نفس ہیں لہٰذا تم شیطان بھی ہوسکتے ہو چیونٹی بھی ہوسکتے ہو۔ عالمِ آخرت کا معیار یہاں سے مختلف ہے۔

چھٹی فصل

حسد بھی کبھی غرور کا مبداء ہوتا ہے

یہ بات سمجھ لو کہ کبھی محرومِ کمال صاحبِ کمال سے تکبر کرنے لگتا ہے جیسے فقیر امیر سے جاہل عالم سے تکبر کرے اسی طرح یہ بھی سمجھ لو کہ جس طرح کبھی عُجب (خود پسندی) تکبر کا سرچشمہ بنتا ہے اسی طرح حسد بھی غرور و تکبر کا کبھی مبداء بن جاتا ہے۔ اور ممکن ہے جب انسان اپنے میں وہ کمال نہ پائے جو دوسرے کے اندر ہے تو وہ دوسرے سے حسد کرنے لگے اور پھر یہ حسد دوسرے سے غرور و تکبر کا سبب بن جائے۔ اور پھر وہ اس صاحبِ کمال کی جس طرح چاہے تذلیل و توہین کرے۔

کافی شریف میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے حدیث مروی ہے کہ حضرتؑ نے فرمایا: ہر نسل کے شریر اشخاص میں تکبر کا پایا جانا ممکن ہے۔ اس کے بعد کچھ گفتگو کرنے بعد فرمایا: رسولِ خدا مدینہ کی بعض گلیوں سے گزر رہے تھے کہ ایک سیاہ فام عورت آٹا پیس رہی تھی اس سے کہا گیا کہ رسولِ خدا کے راستہ سے ہٹ جا۔ اس نے جواب دیا کہ راستہ کشادہ ہے۔ بعض اصحاب نے اس کو ہٹانا چاہا مگر رسولِ خدا نے فرمایا: اس کو چھوڑ دو کہ یہ متکبر ہے۔ ۴۴

کبھی بعض اہلِ علم کے اندر بھی یہ صفت پیدا ہو جاتی ہے اور وہ یہ عذر پیش کرتے ہیں کہ مالداروں کے ساتھ تواضع اچھی بات نہیں ہے اور نفسِ امارہ ان سے کہتا ہے مالداروں کے ساتھ

Presented by www.ziaraat.com

انکساری برتنا اور ان کو ناقص کر دیتا ہے۔ (دراصل) اس غریب کو باریک فرق کا پتہ ہی نہیں ہے کہ مالداروں سے تواضع ان کی مالداری کی بنا پر کرنا اور ہے اور کسی اور بات (مثلاً علم) کی وجہ سے انکساری کرنا اور ہے۔ اگر حبِ دنیا اور جذبۂ طلبِ شرف و جاہ انسان کو تواضع پر آمادہ کرتا ہے تو یہ عادت تواضع نہیں ہے یہ تو تملق و چاپلوسی ہے اور نفسانی رذائل میں سے ہے ایسے اخلاق والا شخص کبھی بھی فقیروں کی تواضع نہیں کرتا۔ ہاں اگر فقیروں سے کوئی طمع وابستہ ہے یا کسی نقیر تر کا سراغ ملتا ہے تب وہ فقیروں کی بھی تواضع کرتا ہے۔

اور کبھی فطری تواضع انسان کو دوسرے کے احترام اور اس کے ساتھ انکساری سے پیش آنے پر مجبور کرتی ہے۔ چاہے وہ دوسرا شخص فقیر ہو یا مالدار، یا اس سے کوئی غرض وابستہ ہو یا نہ ہو۔ یعنی اس کی تواضع بے لوث ہوتی ہے اس کی روح پاک و پاکیزہ ہوتی ہے۔ جاہ و شرف (کی طمع) نے اس کو اپنا اسیر نہیں کیا ہے تو یہ تواضع فقیروں اور امیروں (دونوں) کے لئے خوب ہے۔ یعنی ہر شخص کا احترام کیا جانا چاہئے۔ لیکن اہل جاہ و شرف کے ساتھ تمہارا تکبر کرنا اور ان کی تحقیر کرنا اس وجہ سے نہیں ہے کہ تم تملق و چاپلوسی نہیں کرتے بلکہ یہ صرف حسد کی وجہ سے ہے اور تم اپنے کو دھوکہ دے رہے ہو۔ اسی لئے اگر تم کسی کو غیر متوقع طور سے اپنا احترام کرتے ہوئے دیکھو تو اس کے ساتھ تواضع و انکساری سے پیش آؤ۔

بہر حال نفس کی مکاریوں سے بچو۔ کیونکہ وہ اپنا جال اس ہوشیاری سے بچھاتا ہے کہ انسان کو خدا کی پناہ کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہے۔ والحمد للہ اولاً و آخراً۔

Presented by www.ziaraat.com

چوتھی حدیث کی توضیحات

۱۔ اصولِ کافی، جلد ۲، ص ۳۰۹، کتاب ایمان و کفر، باب کبر حدیث ۱۔

۲۔ ص ۱۱۲

۳۔ سورۂ مومنون آیت۔ ۴۷۔

۴۔ سورۂ حزف، آیت ۲۱۔

۵۔ ﴿وَلَقَدْ آتَيْنَا لُقْمَانَ الْحِكْمَةَ أَنِ اشْكُرْ لِلَّهِ﴾۔ ہم نے لقمان کو حکمت عطا کی تاکہ اپنے اللہ کا شکر ادا کریں۔ سورۂ لقمان آیت ۱۲۔

۶۔ سورۂ لقمان، آیت ۱۸۔

۷۔ سورۂ انبیاء آیت ۲۲۔

۸۔ یہ حکم "بنی اسرائیل/ ۲۶ اور سورۂ نور/ ۱۵" میں ہے اسی طرح اصولِ کافی (کتاب فضل العلم) "باب النہی عن القول بغیر علم" میں بھی ہے اور اس سلسلہ میں ۸ حدیثیں آئی ہیں اور مسلمانوں کے مال، خون، عزت کے احترام میں بہت سی آیات وارد ہوئی ہیں۔ منجملہ ان کے یہ ہے ﴿حُرْمَةُ النَّبِيِّ وَالْمُؤْمِنِ أَعْظَمُ مِنْ حُرْمَةِ الْبَيْتِ﴾۔ رسولؐ و مومن کا احترام خانہ کعبہ کے احترام سے زیادہ ہے۔ وسائل جلد ۱۰، ص ۴۲۴، اصولِ کافی کتاب ایمان و کفر میں مومن کے سلسلہ میں بہت سی احادیث وارد ہوئی ہیں۔ مثلاً "حق المؤمن علی اخیہ ولواد حقہ" (باب من اذی المسلمین واحتقرہم) و (باب من طالب عثرات المؤمنین)

۹۔ اسی حدیث میں

۱۰۔ بحار الانوار جلد ۷۰، ص ۱۹۸-۱۹۹ "کتاب ایمان و کفر" (باب کبر)۔ مراۃ العقول جلد ۱۰، ص ۱۹۰ "کتاب ایمان و کفر" (باب کبر) وعَنْ أنس قال: كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ (ص) يَقُولُ: اَلْإِسْلَامُ عَلَانِيَةٌ وَالْإِيمَانُ فِي الْقَلْبِ، قَالَ

Presented by www.ziaraat.com

ثُمَّ يُشِيرُ بِيَدِهِ إِلَى صَدْرِهِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، قَالَ ثُمَّ يَقُولُ: اَلتَّقْوَى هٰهُنَا: اَلتَّقْوَى هٰهُنَا۔ "انس کہتے ہیں، رسولؐ خدا نے فرمایا: اسلام ظاہر ہے اور ایمان قلب میں ہے۔ انس کہتے ہیں: پھر رسولؐ نے اپنے ہاتھ سے اپنے سینہ کی طرف تین مرتبہ اشارہ فرمایا اور کہا: تقویٰ یہاں ہے، تقویٰ یہاں ہے۔ مسند ابن حنبل جلد ۳، ص ۱۲۴۔

۱۱۔ "عَلِيُّ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنِ ابْنِ أَبِي عُمَيْرٍ، عَنْ بَعْضِ أَصْحَابِهِ، عَنْ أَبِي عَبْدِاللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ: مَا مِنْ عَبْدٍ إِلَّا وَفِي رَأْسِهِ حَكَمَةٌ وَمَلَكٌ يُمْسِكُهَا، فَإِذَا تَكَبَّرَ قَالَ لَهُ: اتَّضِعْ وَضَعَكَ اللّٰهُ فَلَا يَزَالُ أَعْظَمَ النَّاسِ فِي نَفْسِهِ وَأَصْغَرَ النَّاسِ فِي أَعْيُنِ النَّاسِ وَإِذَا تَوَاضَعَ رَفَعَهُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ، ثُمَّ قَالَ لَهُ، إِنْتَعِشْ نَعْشَكَ اللّٰهُ فَلَا يَزَالُ أَصْغَرَ النَّاسِ فِي نَفْسِهِ وَأَرْفَعَ النَّاسِ فِي أَعْيُنِ النَّاسِ۔" اصولِ کافی جلد ۲ ص ۳۱۲، "کتاب ایمان و کفر" باب کبر، حدیث ۱۶ (ترجمہ گزر چکا ہے)۔

۱۲۔ اصولِ کافی جلد ۲، ص ۳۱۱، "کتاب ایمان و کفر" باب کبر حدیث ۱۱۔

۱۳۔ وسائل الشیعہ جلد ۱۱، ص ۳۰۰، ابواب جہاد النفس، باب ۵۸، حدیث ۹۔

۱۴۔ وسائل الشیعہ جلد ۱۱، ص ۳۰۱، ابواب جہاد النفس، باب ۵۸، حدیث ۱۳۔

۱۵۔ وسائل الشیعہ جلد ۱۱، ص ۳۰۷، ابواب جہاد النفس، باب ۶۰، حدیث ۶۔

۱۶۔ اصولِ کافی جلد ۲، ص ۳۱۰، کتاب ایمان و کفر (باب کبر) حدیث ۶۔ معانی الاخبار شیخ صدوق ص ۱۴۱۔ باب معنی کبر، حدیث ۲، ثواب الاعمال و عقاب الاعمال ص ۲۶۴، عقاب المتکبرین حدیث ۴۔

۱۷۔ اصولِ کافی جلد ۲ ص ۳۰۹، کتاب ایمان و کفر، باب کبر، حدیث ۳، ثوابِ اعمال و عقابِ اعمال ص ۲۶۴، عقابِ متکبرین حدیث ۱۔

۱۸۔ اصولِ کافی جلد ۲ ص ۳۱۰، کتاب ایمان و کفر، باب کبر، حدیث ۱۰، ثوابِ اعمال و عقابِ اعمال ص ۲۶۵، عقابِ متکبرین حدیث ۷۔

۱۹۔ "... وَلَوْ أَنَّ ذِرَاعاً مِنَ السِّلْسِلَةِ الَّتِي ذَكَرَهَا اللّٰهُ تَعَالَى فِي كِتَابِهِ وُضِعَ عَلَى جَمِيعِ جِبَالِ الدُّنْيَا لَذَابَتْ عَنْ حَرِّهَا۔" بحار جلد ۸، ص ۳۰۵، "کتاب العدل والمعاد"، باب النار، حدیث ۶۴، تفسیر برہان جلد ۴، ص ۲۷۹، تفسیر آیۃ ۳۲ الحاقہ (ترجمہ گزر چکا ہے)

۲۰۔ اسفار اربعہ جلد ۸، ص ۱۲، ۱۳۔ ۱۴۳۔ ۱۵۴۔ ۱۵۵۔ السفر الرابع یا سوم، فصل ۱۱۔ ۱۵

۲۱۔ سورۂ نحل آیت ۲۹۔

۲۲۔ تاج العروس، جلد ۹، ص ۲۴۹۔ میں مادہ سمن کے ضمن میں اِسْتَمْنَتَ ذَاوَرَمٍ کے ضمن میں آیا ہے۔

۲۳۔ سورۂ نمل آیت ۳۴۔

۲۴۔ بوداشو اس طرح ہے ؎ علم رسمی سربہ سر قیل است و قال ۔ نہ ازاں کیفیتی حاصل نہ حال۔ کشکول بہائی جلد ۱ ص ۲۰۹۔

۲۵۔ حکمت کے معنی خدا کے مانند ہونے کے ہیں۔ اسفار اربعہ جلد ۱، ص ۲۲۔

۲۶۔ ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ سورۂ بقرہ آیت ۱۲۹۔

۲۷۔ حکمت گمشدہ مومن ہے، نہج البلاغہ فیض الاسلام ص ۱۱۱۲، حکمت ۷۷۔

Presented by www.ziaraat.com

۲۸۔ جس کو حکمت دی گئی اس کو خیر کثیر دیدیا گیا۔ (سورۂ بقرہ، آیت ۲۶۹)

۲۹۔ میر محمد باقر بن شمس الدین محمد معروف بہ میر داماد۔ (۱۰۴۱ھ ق) اصفہان میں پیدا ہوئے نجف اشرف میں دفن ہوئے۔ مذہب امامیہ کے کم نظیر دانشمند، بہت بڑے فلسفی، جامع معقولات و منقولات تھے۔ بعض فقہی و حدیثی مشکلات کے حل کرنے میں بے مثال تھے۔ فلسفہ بوعلی کا رواج اگیارہویں صدی ہجری میں اشراق کی اہمیت، ملا صدرا کی حکمت متعالیہ کے زمین کے ہموار کرنے کا سہرا آپ ہی کے سر ہے۔ آپ کی تالیفات میں قبسات، تقدیسات، اسدۃ المتقی، من لایحضرہ الفقیہ پر حاشیہ ہے۔ شاعری میں اپنا تخلص اشراق کرتے تھے۔

۳۰۔ خدا کی گواہی کافی ہے۔ (سورۂ نساء، آیت ۱۶۶)

۳۱۔ یہ طلاب علوم دینی کی فضیلت پر دلالت کرنے والی حدیثوں کی طرف اشارہ ہے ملاحظہ ہو حدیث ۲۶۔ اسی کتاب کی۔

۳۲۔ مصیبت جب عام ہو جاتی ہے تو خوشگوار بن جاتی ہے۔

۳۳۔ «قُلْتُ لِأَبِي عَبْدِاللّٰهِ(ع): إِنِّي سَمِعْتُكَ وَأَنْتَ تَقُولُ كُلُّ شِيعَتِنَا فِي الْجَنَّةِ عَلَى مَا كَانَ فِيهِمْ. قَالَ صَدَقْتُكَ كُلِّهِمْ وَاللّٰهِ فِي الْجَنَّةِ. قَالَ قُلْتُ: جُعِلْتُ فِدَاكَ، إِنَّ الذُّنُوبَ كَثِيرَةٌ كِبَارٌ. فَقَالَ: أَمَّا فِي الْقِيَامَةِ فَكُلُّكُمْ فِي الْجَنَّةِ بِشَفَاعَةِ النَّبِيِّ الْمُطَاعِ، أَوْ وَصِيِّ النَّبِيِّ؛ وَلٰكِنِّي وَاللّٰهِ أَتَخَوَّفُ عَلَيْكُمْ فِي الْبَرْزَخِ، قُلْتُ: وَمَا الْبَرْزَخُ؟ قَالَ: الْقَبْرُ مُنْذُ حِينِ مَوْتِهِ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ.» راوی کہتا ہے: میں نے امام جعفر صادقؑ سے عرض کیا کہ میں نے سنا ہے کہ آپ فرماتے ہیں: ہمارے شیعہ اپنی برائیوں کے باوجود بھی جنت میں جائیں گے؟ فرمایا: میں نے تم سے سچ کہا ہے خدا کی قسم سارے شیعہ جنت میں جائیں گے۔ میں نے کہا: میں آپ پر قربان جاؤں۔ گناہ بہت ہیں اور بڑے گناہ بھی ہیں۔ حضرت نے فرمایا: جہاں تک قیامت کا مسئلہ ہے تو نبی کریمؐ یا ان کے وصی کی شفاعت کی بنا پر تم سب جنت میں جاؤ گے۔ لیکن بخدا میں تمہارے لئے برزخ سے ڈرتا ہوں!" میں نے عرض کیا: برزخ کیا ہے؟ فرمایا "قبر موت سے لے کر قیامت تک۔" فروع کافی جلد ۳ ص ۲۴۲ (کتاب جنائز) باب ما یتعلق بموضع القبر، حدیث ۳۔

۳۴۔ فتوحات مکیہ جلد ۱، فصل ۱، باب ۶۱۔

۳۵۔ متعدد روایات میں رسولِ خداؐ کی رفتار و کردار کے بارے میں ذکر آیا ہے۔ ان میں سے کچھ اس کتاب میں بھی ہے۔

«عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ لَمْ يَكُنْ شَخْصٌ أَحَبَّ إِلَيْهِمْ مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ(ص) وَكَانُوا إِذَا رَأَوْهُ لَمْ يَقُومُوا إِلَيْهِ لِمَا يَعْرِفُونَ مِنْ كَرَاهِيَتِهِ. عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ(ص) يَجْلِسُ عَلَى الْأَرْضِ وَيَأْكُلُ عَلَى الْأَرْضِ وَيَعْتَقِلُ الشَّاةَ وَيُجِيبُ دَعْوَةَ الْمَمْلُوكِ...» وَيَقُولُ(ص): أَنَا عَبْدٌ آكُلُ كَمَا يَأْكُلُ الْعَبْدُ وَأَجْلِسُ كَمَا يَجْلِسُ الْعَبْدُ» کتاب مکارم الاخلاق ص ۱۲ فصل دوم۔

۳۶۔ «وَكَانَ يَجْلِسُ عَلَى الْأَرْضِ وَيَنَامُ عَلَيْهَا وَيَأْكُلُ عَلَيْهَا وَكَانَ يَخْصِفُ النَّعْلَ وَيَرْقَعُ الثَّوْبَ وَيَفْتَحُ الْبَابَ وَيَحْلُبُ الشَّاةَ وَيَعْقِلُ الْبَعِيرَ فَيَحْلِبُهَا، وَيَطْحَنُ مَعَ الْخَادِمِ إِذَا أَعْيَى... وَيَخْدِمُ فِي مِهْنَةِ أَهْلِهِ وَيَقْطَعُ اللَّحْمَ، وَإِذَا جَلَسَ عَلَى الطَّعَامِ جَلَسَ مُحَقِّراً... يَرْكَبُ مَا أَمْكَنَهُ مِنْ فَرَسٍ أَوْ بَغْلَةٍ أَوْ حِمَارٍ وَيَرْكَبُ الْحِمَارَ بِلَا سَرْجٍ وَعَلَيْهِ الْبِغَارُ يُجَالِسُ الْفُقَرَاءَ وَيُؤَاكِلُ الْمَسَاكِينَ وَيُنَاوِ

Presented by www.ziaraat.com

لُهم بیدہ۔" بحار الانوار جلد ۲۱ ص ۲۲۲ "تاریخ نبیؐ" "باب مکارم اخلاقہ" حدیث ۲۲۔

۳۸۔ کشف الغمۃ فی معرفۃ الائمۃ، جلد ۱، ص ۱۷۲۔ ۱۷۳ (فی وصف زھدہ فی الدنیا)

۳۹۔ آیت اللہ العظمیٰ حاج شیخ عبدالکریم حائری یزدی (۱۲۷۶۔ ۱۳۵۵ھ ق) چودھویں صدی ہجری میں شیعوں کے مرجع تقلید تھے۔ مقدمات تک پڑھنے کے بعد نجف اشرف و سامراء کا سفر کیا۔ وہاں میرزائے بزرگ شیرازی، میرزا محمد تقی شیرازی آخوند خراسانی، سید کاظم یزدی، سید محمد اصفہانی نشاری سے شرف تلمذ حاصل کیا۔ سن ۱۳۳۲ھ ق میں اراک واپس آئے اور ۱۳۴۰ھ ق میں قم تشریف لائے، وہاں کے بزرگوں کے اصرار اور استفادہ پر بنا کر کے وہیں قیام پذیر ہو گئے۔ اور حوزہ علمیہ قم کی بنیاد ڈالی۔ آپ کے درس میں بڑے بڑے علما تشریف لاتے تھے۔ خود امام خمینیؒ بھی ان میں سر فہرست تھے۔ آپ کی تالیفات میں درر الفوائد (در اصول) الصلوۃ (در فقہ) النکاح، الرضاع، المواریث وغیرہ ہیں۔

۴۰۔ چنانچہ حدیث نبوی میں ہے "اَلصِّراطُ اَدَقُّ مِنَ الشَّعْرِ وَ اَحَدُّ مِنَ السَّیْفِ وَ اَظْلَمُ مِنَ اللَّیْلِ۔" علم الیقین جلد ۲، ص ۹۶۹، (المقصد الرابع فی معنی الصراط) یہی مطلب امام جعفر صادقؑ کی روایت میں بھی ہے۔ امالی صدوق ص ۱۷۲، مجلس ۳۴ حدیث ۴، بحار الانوار جلد ۸، ص ۶۵، (کتاب العدل والمعاد) باب ۲۲، حدیث ۲۔

۴۱۔ نہج البلاغہ خطبہ ۱۹۵۔

۴۲۔ حدیث دوم حاشیہ ۵۔

۴۳۔ سورۂ اعراف آیت ۱۲، سورہ ص ۷۶۔

۴۴۔ متن حدیث (اصل کتاب سے کچھ اضافہ کے ساتھ) یہ ہے۔

«عَنْ اَبِی عَبْدِاللّٰهِ عَلَیْهِ السَّلام، قَالَ سَمِعْتُهُ یَقُولُ: اَلْکِبْرُ قَدْ یَکُونُ فِی شِرَارِ النَّاسِ مِنْ کُلِّ جِنْسٍ، وَالْکِبْرُ رِدَاءُ اللّٰهِ، فَمَنْ نَازَعَ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ رِدَاءَهُ لَمْ یَزِدْهُ اللّٰهُ اِلَّا سَفَالاً، اِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهِ مَرَّ فِی بَعْضِ طُرُقِ الْمَدِینَةِ وَسَوْدَاءُ تَلْقُطُ السِّرْقِینَ. فَقِیلَ لَهَا: تَنَحَّی عَنْ طَرِیقِ رَسُولِ اللّٰهِ فَقَالَتْ: اِنَّ الطَّرِیقَ لَمُعْرَضٌ، فَهَمَّ بِهَا بَعْضُ الْقَوْمِ اَنْ یَتَنَاوَلَهَا، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهِ: دَعُوهَا فَاِنَّهَا جَبَّارَةٌ۔» اصول کافی جلد ۲ ص ۳۰۹۔ کتاب ایمان و کفر، باب کبر، حدیث ۲۔

Presented by www.ziaraat.com

پانچویں حدیث

«بالسند المُتّصل إلى مُحَمَّدِبْنَ يعقوبَ عَنْ عليّ بْنِ إبْراهيم، عَنْ مُحَمَّد بْنِ عيسى، عَنْ يُونُسَ، عَنْ داوُدَ الرَّقّي، عَنْ أبي عَبْدِاللّٰهِ، عَلَيْهِ السَّلام، قالَ قالَ رَسُولُ اللّٰهِ، صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَآلِهِ: قالَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ لِمُوسى بْنِ عِمْرانَ: يا ابْنَ عِمْرانَ لا تَحْسُدَنَّ النّاسَ عَلى ما آتَيْتُهُمْ مِنْ فَضْلي، وَلاَ تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إلى ذٰلِكَ، وَلاَ تُتْبِعْهُ نَفْسَكَ؛ فَإنَّ الْحاسِدَ ساخِطٌ لِنِعَمي صادٌّ لِقِسْمي الَّذي قَسَمْتُ بَيْنَ عِبادي وَمَنْ يَكُ كَذٰلِكَ فَلَسْتُ مِنْهُ وَلَيْسَ مِنّي.»[1]

ترجمہ: داؤد نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ حضرتؑ نے فرمایا: رسولِ خداؐ نے ارشاد فرمایا: کہ خداوندِ عالم نے جناب موسیٰ بن عمران سے کہا: اے موسیٰ میں نے لوگوں پر جو اپنا فضل کیا ہے اس پر کسی سے حسد نہ کرنا۔ اور نہ اپنی آنکھوں سے ان چیزوں کو ذخیرہ کرنا۔ اور نہ اپنی ذات کو اس کے پیچھے لگا دینا۔ کیونکہ حسد کرنے والا میری نعمتوں پر غضب ناک ہے اور جو کچھ میں نے اپنے بندوں کو تقسیم کیا ہے اس سے روگردانی کرنے والا ہے۔ اور جو ایسا ہے میں اس سے نہیں ہوں اور نہ وہ مجھ سے ہے۔

Presented by www.ziaraat.com

شرح: حسد اس نفسانی حالت کو کہتے ہیں جس کی بنا پر وہ (حاسد) دوسروں کے کمال کے چھن جانے اور متوہم نعمت کے سلب ہو جانے کی تمنا کرتا ہے۔ خواہ خود اس کے اندر وہ نعمت ہو یا نہ ہو۔ اور (زوال کے بعد) چاہے وہ نعمت اس کو ملے یا نہ ملے۔ (صاحبِ نعمت سے زائل ہو جائے) حسد غبطہ کے علاوہ دوسری چیز ہے۔

غبطہ: کا مطلب یہ ہے وہ متوہم نعمت جو دوسرے کے یہاں ہے اس کو حاصل ہو جائے چاہے صاحبِ نعمت کے پاس رہے یا نہ رہے۔ میں نے کمال اور متوہم نعمت کی قید اس لئے لگائی ہے کہ حاسد جس چیز کے زوال کی تمنا کرتا ہے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ واقعی کمال یا نعمت ہو۔ کیونکہ بسا اوقات بہت سی چیزیں بالذات نقائص اور رذائل میں سے ہوتی ہیں لیکن حاسد ان کے زوال کی تمنا اس لئے کرتا ہے کہ اس کی نظر میں وہ کمال ہے۔ یا کوئی چیز انسانی نقائص اور حیوانی کمالات سے ہوتی ہے اور حاسد چونکہ درجہ حیوانیت میں ہے اس لئے اس کو کمال سمجھتا ہے اور اس کے زوال کی تمنا کرتا ہے۔ مثلاً بعض لوگ قتل و خونریزی کو ہنر سمجھتے ہیں اور جب کسی کو اس میں ماہر دیکھتے ہیں تو اس سے حسد کرنے لگتے ہیں جیسے بعض لوگ بے ہودہ گوئی اور فحش کلامی کو کمال سمجھتے ہیں اور جس میں یہ ہنر دیکھتے ہیں اس سے حسد کرنے لگتے ہیں۔ پس معیار توہم کمال اور توہم نعمت ہے۔ خود کمال و نعمت معیار نہیں ہے۔ مختصر یہ ہے کہ جو شخص دوسرے کے اندر کسی نعمت کو دیکھ کر تمنائے زوال کرے وہ حاسد ہے چاہے واقعی وہ شئی نعمت ہو یا نعمت نہ ہو۔

اقسامِ حسد

۱۔۔۔ حاسد کے اعتبار سے ۲۔۔۔ محسود کے اعتبار سے ۳۔۔۔ خود حسد کے اعتبار سے حسد کی چند قسمیں ہیں اور چند درجے ہیں۔

۱۔۔۔ محسود کے اعتبار سے کبھی تو کمالات عقلیہ پر کبھی اس کے خصال حمیدہ پر کبھی اس کے مناسک و اعمالِ صالحہ کی بنا پر حسد کیا جاتا ہے اور کبھی امورِ خارجیہ مثلاً مال و منال عظمت و حشمت وغیرہ کی بنا پر محسود سے حسد کیا جاتا ہے۔ یا مذکورہ چیزوں کے مقابل جو چیزیں ہیں ان کی بنا پر حسد کیا جاتا ہے۔ جبکہ کمال کا توہم ہی توہم ہوتا ہے۔

۲۔۔۔ حاسد کے اعتبار سے (حسد کی صورت یہ ہے کہ) کبھی تو حاسد عداوت کی بنا پر

Presented by www.ziaraat.com

کبھی تکبر کی بناپر کبھی خوف کی بناپر کبھی ان دیگر اسباب کی بناپر حسد کرتا ہے جن کا ذکر بعد میں کیا جائیگا۔

۳۔ البتہ خود حسد کے اعتبار سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ حسد کے حقیقی درجات (اور حسد کی حقیقی) قسمیں یہ ہیں وہ پہلی والی دونوں قسمیں نہیں ہیں۔

پس شدت وضعف کے اعتبار سے حسد کے بہت سے مرتبے ہیں جو اسباب اور آثار کے اختلاف کی وجہ سے مختلف ہوتے رہتے ہیں۔ ہم انشاء اللہ اپنی طاقت بھر چند فصلوں میں حسد کے مفاسد اور اس کے علاج کے بارے میں بیان کریں گے۔ ومنہ التوفیق۔

پہلی فصل

حسد کے بعض اسباب کا ذکر

(یوں تو حسد کے بہت سے اسباب ہیں۔ لیکن سب سے اہم سبب اپنے نفس کی ذلت وگراوٹ کا احساس کرنا ہے۔ جیسے تکبر تو غالباً اس کے برخلاف ہوتا ہے۔ اگر انسان نے اپنے اندر ایک کمال کا احساس کیا اور دوسرے کو اس سے محروم سمجھا تو خود بخود اس کے نفس میں ایک قسم کی برتری وسرکشی پیدا ہوجاتی ہے اور وہ انسان تکبر کرنے لگتا ہے۔ (لیکن اس کے برخلاف) اگر دوسرے کے اندر کمال کا احساس کیا (اور اپنے کو محروم سمجھا) تو اس کے اندر ایک شکستگی وذلت وانکساری کی حالت پیدا ہوجاتی ہے جس میں اگر خارجی عوامل اور نفسانی مصلحتوں کا دخل نہ ہو تو اس کے اندر حسد پیدا ہوجاتا ہے۔

اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ دوسرے شخص کے مقابلہ میں کسی کو اپنی کمتری کا احساس ہوتا ہے ایسی صورت میں صاحب نعمت وکمال اپنے ایسے کسی دوسرے فرد یا ہم عصر سے حسد کرنے لگتا ہے۔ اس لئے یہ کہا جاسکتا ہے: نفس کی کمتری اور تنگ دلی کا (دوسرا) نام حسد ہے۔ جس کی بناپر انسان دوسرے کی کسی بھی خوبی یا کمال کے زوال کی تمنا کرتا ہے۔

چنانچہ علامہ مجلسیؒ قدس سرہ نقل فرماتے ہیں کہ: (علماء نے) حسد کے اسباب کو سات چیزوں میں منحصر قرار دیا ہے۔

اوّل۔ عداوت۔

Presented by www.ziaraat.com

دوم۔ تعزز: اس کا مطلب یہ ہے کہ (حاسد یہ خیال کرتا ہے کہ) محسود کے اندر جو کمال ہے یا اس کو جو نعمت حاصل ہے اس نعمت کی وجہ سے مجھ (حاسد) پر تکبر کر رہا ہے اور (چونکہ) حاسد میں محسود کے تکبر کے جواب کی طاقت نہیں ہے اس لئے وہ محسود سے زوالِ نعمت کی تمنا کرتا ہے۔

سوم۔ کبر: اس کی صورت یہ ہے کہ حاسد صاحبِ نعمت پر تکبر کرنا چاہتا ہے مگر جب تک محسود سے زوالِ نعمت نہ ہو جائے یہ بات ممکن نہیں ہے لہٰذا حاسد محسود سے زوالِ نعمت کی تمنا کرتا ہے۔

چہارم۔ تعجب: محسود کی عظیم نعمت پر حاسد کو تعجب ہوتا ہے اس لئے وہ زوالِ نعمت کی تمنا کرتا ہے) جیسے کہ سابق اُمتوں کی خبر دیتے ہوئے خداوند کا ارشاد ہے "مَا أَنتُمْ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا" اسی طرح ان اُمتوں نے کہا "أَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا" یعنی ان کو تعجب ہوا کہ جو شخص ہمارے ہی جیسا ہے وہ مرتبۂ وحی و رسالت پر کیسے فائز ہو گیا؟ اس لئے حسد کرنے لگے۔

پنجم۔ خوف: حاسد اس بات سے ڈرتا ہے کہ کہیں صاحبِ نعمت اپنی نعمت کی بنا پر اس کے محبوب مقاصد کے راستہ میں حائل نہ ہو جائے اس (خوف کی) وجہ سے حسد کرنے لگتا ہے۔

ششم۔ حُبِّ ریاست: یہ اس وقت ہوتا ہے جب کسی کی ریاست اس بات پر موقوف ہو جائے کہ کوئی بھی دوسرا شخص اس کے برابر نہ ہو (ورنہ وہ ریاست نہ کر سکے گا ایسی صورت میں وہ حسد کرنے لگتا ہے)

ہفتم: خبثِ طینت: یعنی کوئی ایسا بد باطن ہو کہ کسی کی نعمت کو دیکھ ہی نہ سکتا ہو۔

"انتہیٰ کلام المجلسیؒ"

اور صاحبِ کتاب کے نزدیک ان میں سے اکثر کی بلکہ سب ہی کی بازگشت احساس ذلتِ نفس و احساسِ کمتری کی طرف ہے جیسا کہ اشارہ بھی کیا جا چکا ہے اور مشہور علماء نے حسد کی جو تعریف کی ہے اس حسد کی ڈائریکٹ علت (بھی) یہی ہے۔ لیکن ہم نے حسد کے بارے میں جو یہ بات کہی ہے کہ خود یہ حالت حسد ہے یہ بات بھی مذکورہ بالا چیزوں کے مخالف نہیں ہے۔ بہر حال ان معانی کے اطراف و جوانب سے بحث کرنا خود ہمارے اور مقصودِ کتاب کے بھی خلاف ہے۔

Presented by www.ziaraat.com

دوسری فصل

حسد کے کچھ مفاسد

یہ جان لو کہ:

حسد خود دل کے مہلک امراض میں سے ہے۔ اور اسی حسد سے بہت سے ایسی قلبی امراض پیدا ہوتے ہیں جو اپنی جگہ پر خود مستقل مہلک مرض ہیں جیسے تکبر وغیرہ۔ ان میں سے ہم صرف انھیں کا ذکر کریں گے جو بہت ہی واضح ہیں۔ اور یقیناً اس کے اور بہت بُرے نتائج بھی ہیں جو مجھ جیسے لکھنے والے سے پوشیدہ ہیں۔

حسد کے مفاسد کے لئے وہی بہت کچھ ہے جس کی صادقِ مُصدق نے خبر دی ہے چنانچہ معاویہ بن وہب کی صحیحہ میں ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: "آفَةُ الدِّينِ الْحَسَدُ وَالْعُجْبُ وَالْفَخْرُ" "حسد، عُجب (خود پسندی) تکبر (یہ چیزیں) دین کے لئے آفت ہیں" اور محمد بن مسلم کی صحیحہ میں امام محمد باقرؑ سے مروی ہے: إِنَّ الرَّجُلَ لَيَأْتِي بِأَيِّ بَادِرَةٍ فَيَكْفُرُ وَإِنَّ الْحَسَدَ لَيَأْكُلُ الْإِيمَانَ كَمَا تَأْكُلُ النَّارُ الْحَطَبَ "اگر کسی نے غصہ میں کوئی لغزش۔ زبانی یا عملی۔ ہو جائے تو وہ بخش دی جاتی ہے اور حسد ایمان کو اسی طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ لکڑی کو کھا لیتی ہے" امام خمینیؒ نے لکھا کہ کوف کی تشدید سے پڑھا ہے اور یہی صحیح بھی ہے کیونکہ اگر بغیر تشدید کے پڑھا جائے تو مطلب ہوگا کہ اس لغزش کی وجہ سے وہ کافر ہو جائے گا اور یہ بعید احتمال ہے۔)

یہ بات سب ہی کو معلوم ہے کہ ایمان وہ نورِ خداوندی ہے جس کے فیض سے انسانی دل مورد تجلیاتِ خدا بن جاتا ہے۔ چنانچہ حدیثِ قدسی میں ارشاد ہے "لَا يَسَعُنِي أَرْضِي وَلَا سَمَائِي بَلْ يَسَعُنِي قَلْبُ عَبْدِيَ الْمُؤْمِنِ" (میری زمین و آسمان میں میری سمائی نہیں ہے، ہاں میرے بندۂ مومن کے دل میں میری سمائی ہے) یہ نورِ معنوی، یہ بارقہ الٰہیہ جو قلب کو تمام موجودات سے وسیع تر قرار دیتا ہے اس قلب کی تنگی و تاریکی کے منافی ہے جو دل میں اس خبیث صفت کی کدورتوں سے پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ حالات نورِ ایمان کو باطل کر دیتے ہیں، دل کو مُردہ کر دیتے

Presented by www.ziaraat.com

ہیں اور ان حالات میں جتنی قوت پیدا ہوتی ہے اتنا ہی نورِ ایمان ضعیف ہو جاتا ہے۔

مومن کے معنوی و صوری اوصاف، ظاہر و باطن میں حسد سے پیدا ہو جانے والے آثار سے منافات رکھتے ہیں۔ مومن خدا کے بارے میں خوش بین ہوتا ہے، خدا کی اس تقسیم پر جو اس نے اپنے بندوں کے درمیان فرمائی ہے راضی رہتا ہے۔ (مگر) حاسد خدا پر غضب ناک ہوتا ہے۔ تقدیراتِ الٰہی سے روگرداں ہوتا ہے۔ جیسا کہ خود حدیث شریف میں آیا ہے مومن کسی بھی مومن کی برائی نہیں چاہتا، مومنین کو عزیز رکھتا ہے۔ (لیکن) حاسد اس کے برخلاف ہوتا ہے۔ مومن پر کبھی حبِ دنیا کا غلبہ نہیں ہوتا۔ لیکن حاسد حبِ دنیا کی شدت کی وجہ سے اس رذیلت میں گرفتار ہوتا ہے۔ مومن کو خدا کے علاوہ کسی سے خوف نہیں ہوتا۔ مگر حاسد کا حزن و خوف محسود ہی کے اردگرد گھومتا رہتا ہے۔ مومن کشادہ جبین ہوتا ہے اس کی صورت سے اس کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ لیکن حاسد ہمیشہ چین بہ جبین رہتا ہے۔ مومن متواضع ہوتا ہے۔ حاسد زیادہ تر تکبر کرتا ہے۔ پس حسد ایمان کے لئے آفت و مصیبت ہے وہ ایمان کو اسی طرح جلا دیتا ہے جس طرح آگ لکڑی کو جلا دیتی ہے۔

حسد کی برائی کے لئے یہی بات کافی ہے کہ ایمان جو نجات آخرت کا سرمایہ اور دلوں کی زندگی ہے اسی کو انسان سے چھین لیتا ہے اور انسان کو بے چارہ و مفلس بنا دیتا ہے۔ (اسی طرح) حسد کے ان بڑے لوازم میں سے جو حسد سے کبھی جدا ہی نہیں ہوتے وہ ولی نعمت و خالقِ کائنات پر غضب ناک ہونا اور اس کی تقدیرات سے روگردانی کرنا ہے۔ مادی دنیا کے حجاب اندر حجاب تاریکیوں اور اس کے مفادات کے حصول میں ہمارے انہماک نے ہمارے تمام حواس پر پردہ ڈال رکھا ہے۔ ہماری آنکھوں کو اندھا اور کانوں کو بہرا بنا دیا ہے۔ نہ ہم یہ سمجھ پاتے ہیں کہ ملک الملوک پر غضب ناک ہیں اور اس کی تقدیر سے ناخوش ہیں اور نہ ہم کو یہ معلوم ہے کہ اس غصے اور بدگمانی کی سزا کے طور پر ملکوت اور دائمی مسکن میں (مسخ ہو کر) ہماری اصلی صورت کیا ہو گی؟ بس امام جعفر صادق علیہ السلام کی یہ آواز ہمارے کانوں تک پہونچتی ہے کہ "وَمَنْ يَكُ كَذٰلِكَ فَلَسْتُ مِنْهُ وَلَيْسَ مِنِّي۔" جو ایسا ہے نہ میں اس سے ہوں اور نہ وہ مجھ سے ہے" یعنی جو مجھ سے روگرداں اور ناراض ہے نہ میں اس سے ہوں نہ وہ مجھ سے ہے۔

ہم کو نہیں معلوم پروردگار کی ہم سے برائت اور اس کی بیزاری کیسی مصیبت ہے اور اس کے اندر کیا کیا بلائیں ہیں؟ جو شخص بھی ولایت حق سے خارج ہو گیا اور اس کو ارحم الراحمین کے پرچم رحمت کے نیچے سے الگ کر دیا گیا پھر اس کے لئے نجات کی کوئی بھی امید باقی نہیں ہے۔

Presented by www.ziaraat.com

شفاعت کرنے والوں کی شفاعت اس کو نصیب نہیں ہوگی۔ ﴿مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ﴾ ۹ بھلا جو شخص خدا پر غضب ناک ہے اور اس کی حفاظت ولایت سے خارج ہے ملائکہ اور اس کے مالک کے درمیان رشتۂ محبت منقطع ہے اس کی کون شفاعت کر سکتا ہے؟ ہم خود اپنے اوپر جو مصیبت لائے ہیں اور انبیاء و اولیاء کے فریاد کرنے اور خوابِ غفلت سے بیدار کرنے کے باوجود ہماری غفلت جو روز بروز بڑھتی گئی اور ہماری بدبختی زیادہ ہوتی گئی اس پر حسرت و افسوس ہے۔

علمائے آخرت کی فرمائش کے مطابق حسد کے مفاسد میں سے فشارِ قبر اور تاریکیٔ قبر بھی ہے۔ کیونکہ وہ حضرات فرماتے ہیں: اس فاسد اور ردی اخلاق کی برزخی اور قبری صورت، روحانی فشار اور قلبی کدورت کا سبب بنتی ہے جس کا نتیجہ فشار اور تاریکی قبر کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ قبر کی وسعت اور تنگی سینہ کی کشادگی اور تنگی پر موقوف ہوا کرتی ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ "رسولِ خدا سعد کے تشییع جنازہ میں شریک ہوئے جبکہ ۷۰ ہزار فرشتے سعد کے جنازہ کی مشایعت کر رہے تھے۔ رسولِ خدا نے اپنے سر کو آسمان کی طرف بلند کیا اس کے بعد فرمایا: کیا سعد جیسا آدمی بھی فشارِ قبر کا شکار ہو سکتا ہے؟ راوی نے امام علیہ السلام سے کہا: قربان جاؤں ہم کو بتایا گیا ہے کہ سعد پیشاب کرتے وقت طہارت کا خیال نہیں رکھتے تھے۔ امامؑ نے فرمایا: معاذ اللہ! سعد کے اندر ایک برائی تھی کہ اپنے اہلِ خانہ سے درشتی سے پیش آیا کرتے تھے۔" انتہیٰ ۱۰۔

حسد کی وجہ سے دل کے اندر جو تنگی، تاریکی، کدورت، فشار ہوا کرتا ہے وہ دیگر اخلاق برائیوں میں کم ہوتا ہے۔ مختصر یہ ہے کہ حاسد دنیا میں بھی عذاب میں مبتلا رہتا ہے قبر میں فشار و تاریکی میں گرفتار رہتا ہے، اور آخرت میں بھی گرفتار و بے چارہ ہوتا ہے۔ اگر حسد سے دوسرے فاسد اخلاق یا باطل اعمال پیدا نہ بھی ہوں تب بھی مذکورہ بالا مفاسد ہی کیا کم ہیں؟ ویسے بہت کم اتفاق ہوتا ہے کہ حسد سے دوسرے مفاسد نہ پیدا ہوں۔ بلکہ حسد سے اخلاقی اور اعمالی برائیاں (بہت زیادہ) پیدا ہوتی ہیں جیسے بعض مواقع پر تکبر (جیسا کہ گزر گیا) غیبت، چغلخوری، فحش، ایذاء وغیرہ کہ ان میں سے ہر ایک ہلاک کرنے والی ہے۔

اس لئے ہر عقلمند پر لازم ہے کہ کمرِ ہمت باندھ کر اپنے کو اس ننگ و عار سے اور اپنے ایمان کو اس بھڑکتی آگ اور سخت مصیبت سے نجات دے اور اپنے کو اس فکری فشار، تنگیٔ قلب، سے اسی دنیا میں جو زندگی بھر ایک مستقل اور دائمی عذاب ہے۔ نجات دے اور تاریکیٔ

Presented by www.ziaraat.com

قبر و عالم برزخ و غضب خداوند عالم سے رہائی حاصل کرے اتنا تو سوچے کہ جس چیز کے اندر اتنے مفاسد ہوں وہ بہر حال لازم العلاج ہے۔ اس کے علاوہ تمہارے حسد سے محسود کو تو کوئی نقصان نہیں پہونچے گا نہ اس کی نعمت زائل ہوگی۔ اس کے برخلاف محسود کے لئے دینوی اور اخروی منفعت ہے تم خود دیکھتے ہو وہ نعمتوں سے مالا مال ہے اور تم اس کی نعمتوں سے مبتلائے عذاب ہو۔ تمہارا عذاب میں ہونا یہ خود اس کے لئے نعمت ہے۔ اگر تم کو اس دوسری نعمت کا احساس ہو اور تم اس پر متنبہ ہو تو یہ تمہارے لئے ایک اور عذاب اور فشار کا باعث ہوگا۔ اور محسود کے لئے یہ تمہارا عذاب و فشار باعث نعمت ہوگا۔ اس طرح یہ سلسلہ بڑھتا جائے گا اور تم ہمیشہ رنج و غم و فشار میں رہو گے اور وہ (ہمیشہ) نعمت و خوشی و مسرت میں رہے گا، پھر آخرت میں بھی تمہارا حسد اس کے لئے نفع بخش ہوگا۔ خصوصاً اس وقت جبکہ حسد کے ساتھ تم نے اس پر تہمت لگائی ہو، غیبت کی ہو یا دیگر ایذاء پہونچانے والے اقدامات کئے ہوں تو تمہاری نیکیاں اس کو دیدی جائیں گی اور تم تہی دست و مفلس و بے چارہ ہو کے رہ جاؤ گے اور وہ نعمتوں اور عظمتوں کا مالک ہو جائے گا۔ البتہ اگر ان امور میں تھوڑا سا غور و فکر کرو تو اپنے کو اس رذیل صفت سے پاک کر لو گے اور نفس کو بھی اس مہلکہ سے نجات دلا سکو گے۔

(البتہ یہ کبھی) گمان نہ کرنا کہ نفسیاتی، روحانی، اخلاقی رذائل کا دور کرنا ممکن ہی نہیں ہے (کیونکہ) یہ سب وہ خام خیالی ہے کہ شیطان اور نفس امارہ نے تمہارے کان میں پھونک دیا ہے اور اس سے اس کا مقصد صرف یہ ہے کہ تم کو نجات آخرت اور اصلاح نفس کے راستہ پر چلنے سے روک دے۔ انسان جب تک اس تغیر پذیر اور لمحہ بہ لمحہ بدلتی دنیا میں رہتا ہے اس کے لئے (یہ بھی) ممکن ہے کہ تمام اوصاف و اخلاق کو بدل دے۔ اور ملکات چاہے جتنے محکم ہوں جب تک اس دنیا میں ہیں قابل تغیر و تبدل ہیں۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ شدت و ضعف کے اعتبار سے ان کے تصفیہ کرنے میں مدت درکار ہوگی اور اس میں تفاوت ہوگا۔

ہاں اگر نفس میں شروع میں کوئی صفت پیدا ہو جائے تو تھوڑی سی زحمت و ریاضت سے اس کو زائل کیا جا سکتا ہے۔ جیسے اس نئے پودے کو آسانی سے اکھاڑا جا سکتا ہے جس کی جڑیں زیادہ نہ پھیلی ہوں اور زمین میں گہرائی تک نہ گئی ہوں۔ لیکن اگر وہ صفت نفس میں جڑ پکڑ چکی ہے نفس کا ملکۂ مستقرہ بن چکی ہے تب اس کا زوال مشکل ہے مگر ناممکن نہیں ہے۔ ہاں اس کے زائل کرنے میں کافی زیادہ زحمت کرنی ہوگی۔ (جیسے) جو درخت بہت پرانا ہو چکا ہو اور اس

Presented by www.ziaraat.com

کی جڑیں مضبوط ہو چکی ہوں تو اس کا اکھاڑنا بہت مشکل ہے۔ اس لئے تم قلب و روح کے مفاسد کی جڑوں کے اکھاڑنے میں جتنی دیر کرو گے۔ اتنی ہی زیادہ زحمت و ریاضت کرنی پڑے گی۔ (لہٰذا) اے عزیز! پہلے تو اپنی مملکت ظاہر و باطن میں عملی یا اخلاقی مفاسد کو آنے ہی نہ دو۔ کیونکہ ایسا کرنا اور اس کو آنے نہ دینا بہت آسان ہے۔ لیکن آنے کے بعد اور پھلنے پھولنے کے بعد نکالنا مشکل ہوگا۔ اور نکالنے میں بھی جتنی دیری کرو گے اتنی ہی زحمت زیادہ ہوگی (کیونکہ) انسان کی داخلی "صلاحیتیں" اور قوتیں (روز بروز) کم ہوتی جاتی ہیں۔

ہمارے شیخ جلیل اور عارف بزرگوار آقای شاہ آبادی "روحی فداہ" نے فرمایا: جب تک جوانی کی طاقتیں اور ان کا نشاط باقی ہے مفاسد اخلاقی کے خلاف تم بہتر طریقہ سے جہاد کر سکتے ہو اور انسانی وظائف کو بڑی عمدگی سے ادا کر سکتے ہو۔ ان طاقتوں کو ضائع نہ ہونے دو کہ بڑھاپا آجائے (کیونکہ) بڑھاپے میں دور کرنے کی توفیق کا ہونا مشکل ہے۔ اور اگر موفق ہو بھی گئے تو اصلاح کرنے میں بڑی زحمت ہوگی۔

لہٰذا عقلمند اگر کسی چیز کے فساد کے بارے میں سوچ بچار کرے تو اگر اس کے مفاسد میں ابھی داخل نہیں ہوا ہے تو پھر اس کے کنارے بھی نہیں پھٹکے گا اور نہ اپنے کو اس میں آلودہ کریگا۔ اور اگر خدانخواستہ اس میں پھنس ہی گیا تو جلد از جلد اس کی اصلاح کرے گا اس برائی کو جڑ پکڑنے سے پہلے ختم کر دے گا۔ اور اگر خدانخواستہ اس نے جڑ پکڑ لیا ہے تو ہزاروں زحمتوں اور مشقتوں سے اس کو جڑ سے اکھاڑ پھینکے گا۔ کہ کہیں وہ اپنے ثمرہ برزخی و آخرتی کو نہ پہونچ جائے اور باقاعدہ پھل پھول جائے۔ کیونکہ اگر وہ اسی اخلاقی برائی کے ساتھ اس دنیا سے جو مادی تغیرات اور ہیولائی تبدلات کی دنیا ہے۔ منتقل ہو گیا تو پھر وہاں اس برائی کا قلع قمع کرنا اس کے بس سے باہر کی بات ہوگی۔ اور پھر کہیں برزخ یا آخرت میں یہ اس کی خلق نفسانی سے نہ بدل جائے۔ اگر ایسا ہو گیا تو پھر افسوس صد افسوس!

حضرت رسولؐ خدا نے فرمایا "اہل جنت جنت میں اور اہل دوزخ دوزخ میں اپنی نیتوں کی بنا پر ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے" اور فاسد نیت (جو برے اخلاق سے پیدا ہوتی ہے) کا اس وقت تک زائل ہونا ممکن ہے جب تک اس کا منشا نہ زائل ہو جائے۔

عالم (آخرت) میں ملکات کا ظہور اتنی شدت و قوت سے ہوتا ہے کہ اگر وہ جہنم میں ہے۔ اس کا زوال یا تو محال ہو جاتا ہے۔ اور اگر سختیوں، آتشوں، فشار کی وجہ سے زائل بھی ہو جائے تو شاید زوال کے لئے ربوبی (خدائی) صدیوں کی ضرورت ہوگی۔

Presented by www.ziaraat.com

لہٰذا اے عاقل جس چیز کی اصلاح۔ ایک ماہ یا ایک سال کی۔ تھوڑی سی محنت سے ہو سکتی ہے، اور وہ تمہارے اختیار میں بھی ہے، اور اس کی وجہ سے دنیا و آخرت کی گرفتاریوں سے نجات بھی پا سکتے ہو تو اس کو اس کی حالت پر نہ چھوڑ۔ (بلکہ اس کی اصلاح کرے) ورنہ وہ تجھے ہلاک کر دے گی۔

تیسری فصل

مفاسد اخلاق کی جڑ

اس سے پہلے ذکر کیا جا چکا ۱۲ ہے کہ ایمان جو قلب کی لذت ہے وہ علم کے علاوہ ہے کیونکہ علم عقل کی لذت ہے۔ تمام اعمالی و اخلاقی مفاسد کا سبب یہ ہے کہ قلب ایمان سے بے خبر ہے اور عقل نے برہانِ عقلی یا اخبارِ انبیاؑ کے واسطہ سے جن چیزوں کا ادراک کیا تھا ان کو قلب تک نہیں پہونچایا اور دل ان چیزوں سے غافل رہا۔

معارف میں سے ایک وہ چیز جس کی حکیم، متکلم، عوام، اہلِ شرائع (سب ہی) تصدیق کرتے ہیں اور واقعی اس میں کسی کے لئے کوئی شبہ بھی نہیں ہے وہ یہ ہے کہ: حکیم علی الاطلاق۔ جلت قدرتہ کے جنبشِ قلم سے جو بھی چیز ظاہر ہوئی ہے۔ مثلاً وجود اور اس کے کمالات بلسطِ نعمت، رزق و روزی کی تقسیم (وغیرہ) وہ سب بہترین نقشہ اور خوبصورت ترین نظام ہے اور جس نظام کل و مکمل ترین اور مصالح سے بھرپور نظام کا تصور کیا جا سکتا ہے۔ اس کے مطابق ہے۔ صرف اتنی بات ہے کہ ہر گروہ اپنی مخصوص زبان اور اپنے فن کے مخصوص اصطلاح میں اس کی حکمتِ کاملہ اور لطیفۂ الہیہ کا بیان کرتا ہے۔

۱ ——— عارف کہتا ہے: یہ دنیا جمیل علی الاطلاق کی علی الاطلاق خوبصورت ترین پرچھائیں ہے۔

۲ ——— حکیم کہتا ہے: یہ نظام سائنٹفک نظام کے عین مطابق ہے جو ہر قسم کے نقص و عیب و شر سے خالی ہے۔ اور جزئی قسم کے شر کا جو توہم ہوتا ہے۔

Presented by www.ziaraat.com

وہ موجودات کو ان کے کمالات لائقہ تک پہونچانے کے لئے ہے۔ ۱۴

۳ ——— متکلم و عالم شریعت کہتا ہے: حکیم کے تمام افعال حکمت و صلاح پر مبنی ہوتے ہیں۔ اور انسانی جزئی و محدود عقول مصالح تامہ کے ادراک سے "جو تقدیرات الٰہی میں جاری ہیں" عاجز ہیں۔ ۱۵

یہ بات سب ہی کی زبان پر جاری ہے۔ اور ہر شخص نے اپنے علم و عقل کی وسعت کے مطابق اس پر دلیلیں قائم کی ہیں۔ مگر چونکہ صرف قیل و قال کی حد تک محدود ہے اور حال و قلب کے مرتبہ تک نہیں پہونچا لہٰذا اعتراض کی زبانیں کھلی ہیں اور جس شخص کے پاس بھی لذت ایمان نہیں ہے وہ خود ہی اپنے قول و برہان کی تکذیب کر دیتا ہے۔ تمام اخلاقی مفاسد کی جڑ یہی فکر و نظر کی کوتاہی ہے۔ جو شخص حسد کرتا ہے اور دوسرے کی نعمت کے زوال کی تمنا کرتا ہے اور صاحب نعمت کی طرف سے اپنے دل میں کینہ رکھتا ہے۔ اس کو خود ہی معلوم ہے کہ وہ (واقعی) اس بات پر ایمان نہیں رکھتا کہ خداوند عالم نے مکمل صلاح کے اعتبار ہی سے یہ نعمت اس غیر کو بخشی ہے۔ مگر ہم اس کو نہیں سمجھ سکتے۔ اور وہ (یہ بھی) جانتا ہے کہ اس کو عدل الٰہی اور عادلانہ تقسیم الٰہی پر ایمان نہیں ہے۔

اے (حاسد) تو اصول میں تو کہتا ہے: خدا عادل ہے (مگر) یہ صرف زبانی دعویٰ ہے۔ عدل الٰہی پر ایمان رکھنے والا کبھی حسد کر ہی نہیں سکتا کیونکہ دونوں میں تضاد ہے۔ تو اگر اس کو عادل مانتا ہے تو اس کی تقسیم کو بھی عادلانہ تسلیم کر۔ چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے: خداوند عالم کا ارشاد ہے: میں نے اپنے بندوں میں جو تقسیم کی ہے حاسد اس سے منحرف ہے۔ میری نعمتوں (کی تقسیم) پر غضب ناک ہے۔ دل فطری طور سے عادلانہ تقسیم کے سامنے سر جھکانے پر تیار رہتا ہے اور ظلم و جور سے گریزاں رہتا ہے اور متنفر رہتا ہے۔ فطرت الٰہی جو ذات بشر کے اندر پوشیدہ اور اس کی خمیر میں شامل ہے وہ عدل سے محبت کرتی ہے اور عدل کے سامنے سرنگوں ہے۔ اور بغض و ظلم اور اس کے سامنے سر نہ جھکانے والی ہے۔ اگر فطرت نے خلاف عدل دیکھا تو سمجھ جاتی ہے اس کے مقدمات میں نقص ہے اور اگر نعمت پر غضب ناک اور تقسیم سے منحرف ہے تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ وہ حاسد تقسیم کو غیر عادلانہ سمجھتا ہے بلکہ نعوذ باللہ۔ جابرانہ سمجھتا ہے ایسا نہیں ہے کہ حاسد تقسیم خداوندی کو عادلانہ سمجھتے ہوئے اس سے اعراض کرتا ہے اور نقشۂ (کائنات) کو نظام اتم اور مصالح تامہ کے مطابق مانتے ہوئے اس پر

Presented by www.ziaraat.com

غضب ناک ہے۔ (نہیں نہیں) افسوس ہمارا ایمان ہی ناقص ہے (بلکہ) عقلی و برہانی مطالب عقل و ادراک کی حدوں سے گزر کر حدودِ قلب میں داخل ہی نہیں ہوئے۔ ایمان کہنے سننے، پڑھنے، بحث کرنے اور قیل و قال کا نام نہیں ہے۔ ایمان خلوص نیت کو چاہتا ہے۔ خدا جُو (ہی) خدا تک پہونچتا ہے۔ جس کو معارف کی طلب ہوتی ہے وہ معارف کی جستجو کرتا ہے۔ "مَنْ كَانَ فِي هٰذِهٖ أَعْمٰى فَهُوَ فِي الْآخِرَةِ أَعْمٰى وَأَضَلُّ سَبِيْلًا" [۱۴] اور جو شخص اس (دُنیا) میں اندھا بنا رہا وہ آخرت میں بھی اندھا ہی رہے گا اور گم گشتہ راہ ہوگا۔ "وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ" [۱۵] اور جسے خود خدا نے (ہدایت کی) روشنی نہ دی ہو تو اس کے لئے کہیں کوئی روشنی نہیں ہے۔"

چوتھی فصل

حسد کا عملی علاج

حسد کا تھوڑا سا علمی علاج تو گزر چکا۔ لیکن اس رسوا کُن رذیلت کا تھوڑا سا عملی علاج یہاں پر ذکر کیا جا رہا ہے۔ اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ تم پہلے محسود کے ساتھ محبت کا اظہار کرو چاہے وہ تکلفاً ہی ہو۔ اور (صرف محبت ہی نہیں بلکہ) ترتیب آثار بھی کرو۔ اور اس سے تمہارا مقصد مرض باطنی کا علاج کرنا ہو۔ تمہارا دل کہے گا اس کو تکلیف پہونچاؤ، اس کی توہین کرو، اس سے دشمنی کرو، اس کی برائیوں اور مفاسد کو اُچھالو۔ (مگر) تم اپنے دل کے خلاف عمل کرو، اس پر رحم کرو، اسکا احترام کرو، توقیر کرو، زبان کو اس کے ذکر خیر پر آمادہ کرو۔ اس کی اچھائیوں کو اپنے سامنے رکھو، دوسروں کے سامنے بیان کرو اس کے اچھے صفات کو اپنے ذہن نشین کر لو۔ اگرچہ شروع شروع میں یہ سب کرتے ہوئے تم کو تکلف کا احساس ہوگا اور یہ سب دکھاوٹ وغیر واقعی معلوم ہوگا۔ لیکن چونکہ تمہارا مقصد نفس کی اصلاح اور حسد کی بُرائی کو دور کرنا ہے اس لئے (رفتہ رفتہ) حقیقت سے نزدیک ہوتے جاؤ گے اور تھوڑا تھوڑا کر کے تکلف بھی کم ہو جائے گا اور نفس (ان باتوں کا) عادی ہو جائے گا اور اس میں حقیقت کی جھلک پیدا ہو جائے گی۔

کم سے کم نفس کے سامنے یہ پیش کرو اور اس کو سمجھاؤ کہ یہ (بھی) تو خدا کا بندہ ہے۔ ہو سکتا ہے خدا نے اس پر (محسود پر) اپنا نظر کرم کیا ہو۔ اور اپنی مخصوص نعمتوں سے اس کو نوازا ہو۔

Presented by www.ziaraat.com

خصوصاً اگر محسود اہلِ علم و دیانت ہو اور حسد بھی علم و دیانت کی وجہ سے ہو تو ایسی صورت میں حسد اور بھی قبیح ہے اور ایسے افراد سے دشمنی رکھنے کا انجام بہت ہی بُرا ہے۔ اپنے نفس کو یہ سمجھانا چاہیئے کہ یہ حضرات خدا کے مخصوص بندے ہیں۔ توفیقِ الٰہی ان کے شاملِ حال ہے اس لئے اس عظیم نعمت سے ان لوگوں کو سرفراز فرمایا ہے۔ یہ نعمت تو لوگوں کے دلوں میں اس نعمت کے رکھنے والے کے لئے محبت پیدا کرتی ہے۔ لوگوں کو ایسے شخص یا اشخاص کا احترام کرنا چاہیئے اور ان کی عزت کرنی چاہیئے۔

لیکن اگر یہ دیکھے کہ جو چیزیں نفس کے لئے باعثِ محبت و خضوع ہونا چاہئیں۔ اس کے اندر اس کے برخلاف چیزیں پیدا ہو رہی ہیں تو اس کو جان لینا چاہیئے کہ اس پر شقاوت کا غلبہ ہو چکا ہے۔ اور اس کے باطن میں تاریکی غالب آ چکی ہے اور پھر اس کے لئے ضروری ہے کہ علمی و عملی طریقہ سے اس کی اصلاح کی کوشش کرے۔ اور یہ یقین کرے کہ ایجادِ محبت کی کوشش کرے گا۔ تو جلد کامیاب ہوگا۔ کیونکہ محبت کا نور ظلمت و کدورت پر غالب ہے۔ اور خداوندِ عالم نے وعدہ فرمایا ہے کہ جہاد کرنے والوں کو ہدایت عطا کرے گا اور اپنے لطفِ خفی سے ان کی مدد کرے گا اور توفیق دے گا۔

﴿إِنَّهُ وَلِيُّ التَّوْفِيقِ وَالْهِدَايَةِ.﴾

پانچویں فصل

حدیث رفع کا ذکر

یہ سمجھ لو کہ بعض حدیثوں میں آیا ہے کہ رسولِ اکرمؐ نے فرمایا: میری اُمت سے نو چیزوں کو اٹھا لیا گیا ہے۔ ان میں سے ایک حسد ہے بشرطیکہ اس کا اظہار ہاتھ یا زبان سے نہ ہو۔ [۱۸]

لیکن اس قسم کی حدیثیں نفس سے حسد کے شجرۂ خبیثہ کو قلع قمع کر دینے سے مانع نہیں ہیں اور نہ ہی اس آتشِ ایمان سوز و آفتِ دین والی بُرائی سے روح کو پاک کرنے سے روکتی ہیں۔ کیونکہ ایسا بہت ہی کم ہوتا ہے کہ یہ مادۂ فساد نفس میں داخل ہو اور مختلف قسم کے فساد نہ پیدا کرے۔ اور اس کا کوئی بھی اثر ظاہر نہ ہو اور انسان کا ایمان محفوظ رہ جائے۔

اس کے علاوہ صحیح حدیثوں میں آیا ہے کہ حسد ایمان کو کھا لیتا ہے اور ایمان کے لئے آفت ہے۔ [۱۹] اور خداوندِ عالم نے حاسد سے برائت کی ہے اور اپنی اس سے اور اس کی اپنے سے نفی

Presented by www.ziaraat.com

فرمادی ہے۔

لہٰذا ایسے امرِ عظیم اور فسادِ مہم سے کہ جس سے انسان کی ہر چیز کو خطرہ ہے کبھی بھی غفلت نہیں برتنی چاہیئے اور حدیث رفع کی بنا پر دھوکہ نہیں کھانا چاہیئے۔ اس لئے اے فاسد! تو واقعی طور سے کوشش کر اور شجرۂ حسد کی شاخوں کو کاٹ دے۔ اپنی اصلاح کی فکر کر، خارج میں اس کے اثرات کو ظاہر نہ ہونے دے۔ تاکہ اس کی جڑ کمزور ہو جائے اور نمود ترقی نہ کر سکے۔ اور اگر ریاضت و اصلاح کی کوشش کرتے ہوئے تم کو موت آجائے تو (انشاء اللہ) رحمتِ الٰہی تمہارے شاملِ حال ہوگی، اور رسولِ اکرمؐ کی پُر برکت روحانیت اور وسیع رحمت کے طفیل میں معاف کر دیئے جاؤ گے اور اگر کچھ تھوڑا سا رہ بھی گیا ہے تو بارقۂ رحمانیت اس کو جلا کر نفس کو پاک و پاکیزہ بنا دے گی۔

البتہ حمزہ بن حمران کی جو روایت ہے: عَنْ أَبِي عَبْدِاللّٰهِ، عَلَيْهِ السَّلام، قَالَ ثَلَاثَةٌ لَمْ يَنْجُ مِنْهَا نَبِيٌّ. فَمَنْ دُونَهُ؛ اَلتَّفَكُّرُ فِي الْوَسْوَسَةِ فِي الْخَلْقِ وَالطِّيَرَةُ وَ الْحَسَدُ إِلَّا أَنَّ الْمُؤْمِنَ لَا يَسْتَعْمِلُ حَسَدَهُ. ۳۰ (امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں: تین چیزیں ایسی ہیں جن سے نبیؑ اور ان سے کمتر درجہ کے لوگ بھی محفوظ نہیں ہیں (اور وہ یہ ہیں) لوگوں کے لئے دل میں (بُرے خیالات اور) وسوسے، فال بد، حسد۔ لیکن مومن کبھی حسد سے کام نہیں لیتا۔) پس یہ روایت یا تو بطور مبالغہ وارد ہوئی ہے اور امامؑ کا مقصد ہے کہ زیادہ تر لوگ اس میں مبتلا ہیں۔ یا یہ کہ محض کثرت ابتلا کی طرف کنایہ ہے اور خود مضمون جملہ مقصود بالذات نہیں ہے اور یا یہاں حسد سے عام معنیٰ مُراد ہیں جو حسد اور غبطہ دونوں کو شامل ہے اور یہ بطور مجاز ہے۔ اور یا اس سے مُراد کفار کی ان نعمتوں کے زوال کی طرف اشارہ ہے جس کو وہ اپنے باطل مذہب کی ترویج کے لئے استعمال کرتے ہیں اور اسی کو حسد کہا گیا ہے۔ ورنہ حسد کے حقیقی معنیٰ سے انبیاء اولیا پاک ہوتے ہیں (کیونکہ) جو قلب بُرے اخلاق اور گندگیوں کا مرکز ہو وہ وحی والہام کا مورد نہیں بن سکتا۔ اور نہ خدا کے تجلیاتِ ذاتی و صفاتی کا مورد بن سکتا ہے۔ لہٰذا روایت کی وہی توجیہ ہونی چاہیئے جو میں نے کی ہے۔ یا کوئی اور توجیہ کرنی چاہیئے۔ اور یا پھر اس کے علم کو اس کے قائل۔ صلوات اللہ وسلامہ علیہ۔ کی طرف پلٹا دینا چاہیئے کہ حضرتؑ کا مقصد کیا ہے؟ وہی بہتر سمجھ سکتے ہیں۔

والحمد للہ اولاً و آخراً۔

Presented by www.ziaraat.com

پانچویں حدیث کی توضیحات

۱۔ اصولِ کافی جلد ۲ ص ۳۰۷، کتاب ایمان وکفر، درباب حسد حدیث ۶۔

۲۔ حدیث اوّل توضیح ۱۴۔

۳۔ سورۂ یٰسین آیت ۱۵۔ ترجمہ: آپ ہم جیسے انسان ہی ہیں۔

۴۔ مومنون آیت ۴۷۔

۵۔ بحارالانوار جلد ۷۰، ص ۲۴۰، کتاب ایمان وکفر، باب حسد مراۃ العقول جلد ۱۰ ص ۱۵۹ کتاب ایمان وکفر، باب حسد۔

۶۔ اصولِ کافی جلد ۲، ص ۳۰۷، کتاب ایمان وکفر باب حسد حدیث ۵۔

۷۔ اصولِ کافی جلد ۲، ص ۳۰۶ "کتاب ایمان وکفر باب حسد حدیث ۱۔

۸۔ احیاء العلوم الدین جلد ۳، ص ۱۲، عوالی اللئالی جلد ۴، ص ۷۰۔ اور حدیث دوم کے توضیحات ۱۵ میں بھی یہ حدیث ذکر کی جا چکی ہے۔

۹۔ سورۂ بقرہ ۲۵۵۔ ترجمہ "بھلا کون ایسا ہے جو خدا کی اجازت کے بغیر خدا سے (کسی کی) شفاعت کرے؟"

۱۰۔ «وَإِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ، خَرَجَ فِي جِنَازَةِ سَعْدٍ وَقَدْ شَيَّعَهُ سَبْعُونَ أَلْفَ مَلَكٍ فَرَفَعَ رَسُولُ اللّٰهِ، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ، رَأْسَهُ إِلَى السَّمَاءِ ثُمَّ قَالَ: مِثْلُ سَعْدٍ يُضَمُّ؟ قَالَ: قُلْتُ: جُعِلْتُ فِدَاكَ، إِنَّا نُحَدَّثُ أَنَّهُ كَانَ يَسْتَنْجِفُ بِالْبَوْلِ. فَقَالَ: مَعَاذَ اللّٰهِ إِنَّمَا كَانَ مِنْ زَعَارَةٍ فِي خُلُقِهِ عَلَى أَهْلِهِ.» فروع کافی جلد ۲، ص ۲۲۶، کتاب الجنائز، باب المسائلۃ فی

Presented by www.ziaraat.com

الفقر، حدیث ۹۔

۱۱۔ ملاحظہ ہو حدیث اوّل توضیح ۵۱۔

۱۲۔ امام جعفر صادقؑ اپنے آباؤ اجداد سے روایت فرماتے ہیں:

«كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ، ذَاتَ يَوْمٍ جَالِساً فِي مَسْجِدِهِ إِذْ دَخَلَ عَلَيْهِ رَجُلٌ مِنَ الْيَهُودِ فَقَالَ الْيَهُودِيُّ: فَإِنْ كَانَ رَبُّكَ لَا يَظْلِمُ فَكَيْفَ يُخَلِّدُ فِي النَّارِ أَبَدَ الْآبِدِينَ مَنْ لَمْ يَعْصِهِ إِلَّا أَيَّاماً مَعْدُودَةً؟ قَالَ: يُخَلِّدُهُ عَلَى نِيَّتِهِ. فَمَنْ عَلِمَ اللّٰهُ نِيَّتَهُ أَنَّهُ لَوْ بَقِيَ فِي الدُّنْيَا إِلَى إِنْقِضَائِهَا كَانَ يَعْصِي اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ، خَلَّدَهُ فِي نَارِهِ عَلَى نِيَّتِهِ؛ وَنِيَّتُهُ فِي ذٰلِكَ شَرٌّ مِنْ عَمَلِهِ. وَكَذٰلِكَ يُخَلِّدُ مَنْ يُخَلِّدُ فِي الْجَنَّةِ بِأَنَّهُ يَنْوِي أَنَّهُ لَوْ بَقِيَ فِي الدُّنْيَا أَيَّامَهَا لَأَطَاعَ اللّٰهَ أَبَداً؛ وَنِيَّتُهُ خَيْرٌ مِنْ عَمَلِهِ. فَبِالنِّيَّاتِ يُخَلَّدُ أَهْلُ الْجَنَّةِ فِي الْجَنَّةِ وَأَهْلُ النَّارِ فِي النَّارِ»

ایک دن رسولِ خداؐ اپنی مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک یہودی آپؐ کے پاس آیا اور اس نے بہت سے سوالات کئے ایک یہ بھی تھا کہ، بولا، اگر آپؐ کا خدا ظالم نہیں ہے تو جس شخص نے صرف چند روز گناہ کئے ہیں اس کو کیوں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جہنم میں ڈال دیتا ہے؟ آنحضرتؐ نے فرمایا: اس کو اس کی نیت کی بنا پر ہمیشہ کے لئے جہنم میں ڈال دیتا ہے۔ جس کو خدا جانتا ہے کہ اگر یہ دنیا کی آخری عمر تک بھی زندہ رہتا تو نافرمانی ہی کرتا اس کو اس کی اس نیت کی بنا پر ہمیشہ کے لئے جہنم میں رکھتا ہے۔ اور اس شخص کی یہ نیت اس کے عمل سے بدتر ہے۔ اسی طرح جس کو بہشت میں ہمیشہ کے لئے رکھتا ہے اس کی بھی یہی وجہ ہے کہ اس شخص کی نیت یہ ہوتی ہے کہ جب تک دنیا باقی ہے اگر اس میں زندہ رہتا تو اس کی اطاعت کرتا لہٰذا اس کی یہ نیت اس کے عمل سے بہتر ہے۔ پس اہلِ جنت اپنی نیت کی بنا پر ہمیشہ جنت میں اور اہلِ جہنم ہمیشہ اپنی نیت کی بنا پر جہنم میں رہیں گے۔ التوحید ص ۴۹۸، ۴۹۹، باب الافعال حدیث ۱۴۔

۱۳۔ اصل کتاب کے ص ۵۰ پر ذکر ہو چکا ہے۔

۱۴۔ ملاحظہ ہو اسفار اربعہ جلد ۷، ص ۵۵-۱۰۵ سفر سوم، موقف ہشتم فصل اثنا ۹۔

۱۵۔ کشف المراد فی شرح تجرید الاعتقاد، ص ۳۲۴ مقصد سوم فصل دوم۔

۱۶۔ سورۂ اسرا آیت ۷۲۔

۱۷۔ سورۂ نور آیت ۴۰۔

۱۸۔ اصولِ کافی جلد ۲، ص ۴۶۳، کتاب ایمان و کفر، باب رفع عن الامۃ حدیث ۲۔

۱۹۔ ملاحظہ ہو حدیث پنجم توضیح ۶-۷، اور حدیث اوّل توضیحات ۵۵۔

۲۰۔ وسائل الشیعہ جلد ۱۱، ص ۲۹۳، کتاب جہاد، باب ۵۵ حدیث ۸، روضہ کافی جلد ۸ ص ۱۰۸، حدیث ۸۶۔

Presented by www.ziaraat.com

چھٹی حدیث

«بالسَّنَدِ الْمُتَّصِلِ إِلَى مُحَمَّدِ بْنِ يَعْقُوبَ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يَحْيَى، عَنْ أَحْمَدَ بْنِ مُحَمَّدٍ، عَنِ ابْنِ مَحْبُوبٍ، عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ سِنَانٍ وَعَبْدُالْعَزِيزِ الْعَبْدِيِّ، عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ أَبِي يَعْفُورٍ، عَنْ أَبِي عَبْدِاللّٰهِ، عَلَيْهِ السَّلَامُ، قَالَ: مَنْ أَصْبَحَ وَأَمْسَى وَالدُّنْيَا أَكْبَرُ هَمِّهِ، جَعَلَ اللّٰهُ الْفَقْرَ بَيْنَ عَيْنَيْهِ وَشَتَّتَ أَمْرَهُ، وَلَمْ يَنَلْ إِلَّا مَا قُسِمَ لَهُ. وَمَنْ أَصْبَحَ وَأَمْسَى وَالْآخِرَةُ أَكْبَرُ هَمِّهِ، جَعَلَ اللّٰهُ الْغِنَى فِي قَلْبِهِ وَجَمَعَ لَهُ أَمْرَهُ.»[1]

ترجمہ: ابن ابی یعفور کہتے ہیں: حضرت امام جعفر صادقؑ نے ارشاد فرمایا:

"جو شخص صبح و شام اس حالت میں کرے کہ اس کا سب سے اہم مقصد دنیا ہو۔ تو خدا اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان فقر و ناداری لکھ دیتا ہے۔

اور اس کے سارے کام بگاڑ دیتا ہے۔ اور اپنے مقسوم کے علاوہ اس کو دنیا سے کچھ بھی نہیں ملتا۔ اور جو شخص صبح و شام اس حالت میں کرے کہ اس کا سب سے اہم مقصد آخرت ہو تو خدا اس کے دل میں مالداری و بے نیازی عطا کر دیتا ہے۔ اور اس کے تمام کاموں کو پورا کر دیتا ہے۔"

Presented by www.ziaraat.com

شرح:

ارباب علوم کے نظریات کے مطابق اور ان کے علوم و معارف کے اعتبار سے دنیا و آخرت کا اطلاق کئی معانی اور مفاہیم پر ہوتا ہے۔ علمی اصطلاحوں کے اعتبار سے ان کی حقیقت سے بحث کرنا ہمارے لئے (زیادہ) اہم نہیں ہے (اسی طرح) اصطلاحات کا سمجھنا۔ رد و قبول کرنا ان میں جرح و تعدیل کرنا بھی ہمارے مقصد سے دور ہے کیونکہ یہ چیزیں راہرو کو اصل راستہ پر گامزن ہونے سے روکتی ہیں۔[۲]

اس سلسلہ میں جو بات اہم ہے وہ مذمت شدہ دُنیا کا سمجھنا ہے تاکہ جو شخص آخرت کا طالب ہے وہ اس دُنیا سے اجتناب کرے، اور جو چیزیں انسان کو راہِ نجات تک پہونچانے میں مددگار ثابت ہوں وہ بھی ہمارے لئے اہم ہیں اور ہم انشاء اللہ ان چیزوں کو چند فصلوں کے ضمن میں بیان کریں گے۔ اور خداوندِ عالم سے اس راستہ پر چلنے کی توفیق چاہتے ہیں۔

پہلی فصل

مذموم دُنیا کے سلسلہ میں علامہ مجلسیؒ کا بیان

محقق خبیر، محدث بے نظیر، علامہ مجلسیؒ[۳] فرماتے ہیں:

آیات و احادیث کے مجموعہ سے جو بات میری سمجھ میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ جس دُنیا کی مذمت کی گئی ہے وہ ایسے اُمور سے مُرکب ہے جو انسان کو خدا کی دوستی اور اس کی اطاعت اور حصول آخرت سے روکتے ہوں۔ پس دُنیا و آخرت ایک دوسرے کے (مد) مقابل ہیں جو بھی چیز خدا کی خوشنودی اور اسکے تقرب کا سبب ہو وہ آخرت ہے چاہے بحسب ظاہر وہ دُنیا سے ہو۔ جیسے تمام وہ تجارت و زراعت و صنعت کہ جن کا مقصد اطاعتِ خدا کے لئے (اہل و) عیال کی معیشت کا انتظام کرنا، نیک کاموں میں خرچ کرنا، غریب و محتاج کی مدد کرنا، صدقہ دینا، لوگوں کی ضرورتوں کو پوری کرنا وغیرہ ہو تو یہ سب آخرت ہے چاہے لوگ اس کو دنیا (داری) سمجھتے ہوں۔ اور بدعتی ریاضتیں، ریاکاری کے اعمال چاہے اس میں ظاہری زہد و انواع مشقت ہوں پھر بھی یہ دُنیا ہے۔ (اگرچہ بظاہر امورِ آخرت میں سے ہے) کیونکہ یہ خدا سے دوری کا سبب ہیں ان سے خدا [illegible] حاصل نہیں ہوتا۔

Presented by www.ziaraat.com

جیسے کفار و مخالفین کے اعمال انتہیٰ۔ ۴

(علامہ مجلسیؒ) ایک محقق کا قول نقل کرتے ہیں کہ: تمہاری دُنیا و آخرت تمہارے دل کی دو حالتوں سے عبارت ہے۔

۱ ——— جو تم سے نزدیک ہے اور مرنے سے پہلے ہے اس کا نام دُنیا ہے۔

۲ ——— اور جو اس کے بعد آئے گا اور مرنے کے بعد ملے گا اس کا نام آخرت ہے۔ پس مرنے سے پہلے جن چیزوں میں تم کو لذت و شہوت اور نصیب ملے تمہارے حق میں وہی دنیا ہے۔ ۵

فقیر (امام خمینی طاب ثراہ) عرض کرتا ہے۔ دُنیا کا اطلاق کبھی وجود کے درجۂ تنزل پر کیا گیا ہے جو دارِ فنا اور عالم تغیر و مجاز ہے۔ اور آخرت (کا اطلاق) اس دُنیا سے اپنے باطن اور ملکوت کی طرف واپسی پر کیا جاتا ہے اور یہ (آخرت) دار ثبوت و ہمیشگی اور دار قرار ہے۔ اور یہ دونوں حالتیں ہر نفس اور ہر شخص کے لئے ثابت و محقق ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ ہر موجود کے لئے (ایک) مقام ظہور و ملک و شہود ہوتا ہے اور یہ دنیا کا مرتبۂ نازلہ و پست ہے اور (ایک) مقام بطون و ملکوت و غیب ہے اور یہ آخرت کا مرتبہ اعلیٰ ہے۔ اور دُنیا کا یہ پست و مرتبہ نازلہ اگرچہ بذات خود ناقص اور وجود کا آخری مرتبہ ہے۔ لیکن چونکہ نفوس قدسیہ کا گہوارۂ تربیت اور مقامات عالیہ کے تحصیل کی جگہ اور آخرت کی کھیتی ہے اس لئے اولیائے کرام اور آخرت کے اہل سلوک کی نظر میں مشاہد وجودیہ میں سب سے احسن اور عزیز ترین نشأۃ اور غنیمت ترین عوالم میں سے ہے اور اگر یہ مادّی دُنیا اپنے تغیرات اور طبعی حرکات جوہری و ارادی کے ساتھ موجود نہ ہوتی اور خداوند عالم اس میں قانون تبدل و تغیر کو مسلط نہ کرتا تو اس کائناتِ رنگ و بُو کے اندر کسی بھی نفس ناطقہ کو اپنے کمال تک پہونچنا نصیب نہ ہوتا اور نہ کوئی اپنے دار ثبات و قرار میں اپنی جگہ تک پہونچتا (بلکہ) دُنیائے مادہ و روح میں نقص کلی پیدا ہو جاتا۔

اور قرآن و حدیث میں جو اس دُنیا کی مذمت کی گئی ہے وہ حقیقت میں اس دُنیا کی مذمت نہیں ہے بلکہ اس دُنیا سے محبت کرنے اور اس سے قلبی لگاؤ رکھنے کی مذمت ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ انسان کے لئے دو دُنیا ہے ایک ممدوح ہے اور ایک مذموم ہے۔ اس میں جو چیز ممدوح ہے وہ یہ ہے کہ یہ دُنیا تیاری کی جگہ ہے، دار التربیت اور دار التحصیل ہے، اچھائیوں کے حاصل [illegible] اور اکتساب کمالات اور ابدی سعادت حاصل کرنے کی جگہ ہے اور تجارت

Presented by www.ziaraat.com

کی جگہ ہے (یہاں مال دیکر وہاں نفع لو) اور جب تک انسان اس دُنیا میں نہ آئے ان چیزوں کا حصول ناممکن ہے۔ چنانچہ مولی الموحدین حضرت امیر المومنین صلوات اللہ علیہ اپنے ایک خطبہ میں فرماتے ہیں۔ ایک شخص دنیا کی مذمت کر رہا تھا اس کو سُنکر آپؑ نے فرمایا۔

«إِنَّ الدُّنْيَا دَارُ صِدْقٍ لِمَنْ صَدَقَهَا، وَدَارُ عَافِيَةٍ لِمَنْ فَهِمَ عَنْهَا، وَدَارُ غِنًى لِمَنْ تَزَوَّدَ مِنْهَا، وَدَارُ مَوْعِظَةٍ لِمَنِ اتَّعَظَ بِهَا، مَسْجِدُ أَحِبَّاءِ اللّٰهِ وَمُصَلَّى مَلَائِكَةِ اللّٰهِ وَمَهْبِطُ وَحْيِ اللّٰهِ وَمَتْجَرُ أَوْلِيَاءِ اللّٰهِ. اكْتَسَبُوا فِيهَا الرَّحْمَةَ وَرَبِحُوا فِيهَا الْجَنَّةَ.»[1] "بیشک دُنیا ان لوگوں کے لئے جو باور کریں سچائی کا گھر ہے اور جو اس کی باتوں کو سمجھ لے اس کے لئے عافیت کی جگہ ہے اور جو اس سے زادِ راہ حاصل کر لے اس کے لئے مالداری کی منزل ہے اور جو اس سے وعظ و نصیحت حاصل کر لے اس کے لئے وعظ و نصیحت کا مکان ہے دُنیا دوستانِ خدا کے لئے عبادت کی جگہ خدا کے فرشتوں کے نماز پڑھنے کا مقام ہے۔ وحی الٰہی کی منزل اور اولیائے خدا کی تجارت گاہ ہے۔ اور انھیں لوگوں نے اس دنیا میں فضل و رحمت کا سودا کیا اور اسی دُنیا میں رہتے ہوئے فائدے میں جنت حاصل کی۔"

اور سورۂ نحل میں جو «وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِينَ» "پرہیزگاروں کے لئے کیا ہی اچھا ٹھکانہ ہے" آیا ہے تفسیر عیاشی میں حضرت امام محمد باقرؑ کی روایت ہے کہ اس دار المتقین سے مُراد دنیا ہے۔ پس عالمِ مُلک جو جمال و جلال کا مظہر ہے اور قدرتِ مطلقہ کے شہادت کی منزل ہے وہ ایک اعتبار سے قابلِ مذمت نہیں ہے۔ ہاں جو چیز مذموم ہے وہ خود انسان کی دُنیا ہے۔ جس پر انسان توجہ کرتا ہے اور جس سے دلبستگی و محبت رکھتا ہے کہ وہی تمام مفاسد کی منشاء اور عملی و قلبی (نافرمانیوں و) خطاؤں کا سرچشمہ ہے۔

کافی میں امام جعفر صادقؑ کی حدیث ہے «قَالَ، عَلَيْهِ السَّلَام: رَأْسُ كُلِّ خَطِيئَةٍ حُبُّ الدُّنْيَا۔»[2] "ہر برائی کی جڑ دنیا ہے" «وَعَنْ أَبِي جَعْفَرٍ، عَلَيْهِ السَّلَام: مَا ذِئْبَانِ ضَارِيَانِ فِي غَنَمٍ لَيْسَ لَهَا رَاعٍ، هَذَا فِي أَوَّلِهَا وَهَذَا فِي آخِرِهَا، بِأَسْرَعَ فِيهَا مِنْ حُبِّ الْمَالِ وَالشَّرَفِ فِي دِينِ الْمُؤْمِنِ۔»[3]

"کسی ایسے گلہ پر جس کا کوئی محافظ نہ ہو دو خونخوار بھیڑیے ایک آگے سے اور ایک پیچھے سے حملہ آور ہو کر اتنی جلدی اتنا نقصان نہیں پہونچا سکتے جتنا مال و شرف کی محبت مومن کے دین کو

Presented by www.ziaraat.com

نقصان پہونچا دیتی ہے؟

پس معلوم ہوگیا کہ دُنیا سے نگاہ اور اس سے قلبی محبت ہی مذموم دُنیا ہے۔ اس دنیا سے جتنی دلبستگی زیادہ ہوگی اتنے ہی انسان اور دار کرامت و رحمت کے درمیان پردے زیادہ ہوں گے اور قلبِ انسانی و حق کے درمیان پڑے پردے اتنے ہی دبیز ہوتے جائیں گے۔ بعض حدیثوں میں آیا ہے کہ خداوندِ عالم کے نورانی و ظلمانی ستر ہزار پردے ہوں گے!! ہو سکتا ہے یہ ظلمانی حجاب وہی دُنیا سے قلبی تعلقات والے ہوں اور یہ تعلقات جتنے زیادہ ہوتے جائیں گے پردے بھی اتنے ہی دبیز ہوتے جائیں گے اور تعلق جتنا شدید تر ہوگا، حجاب غلیظ تر ہوگا اور اس کا چاک کرنا مزید مشکل تر ہوگا۔

دوسری فصل

محبتِ دُنیا کے اسباب زیادتی

یہ جان لو کہ انسان اسی دُنیا کی مخلوق ہے اور یہی دُنیا اس کی ماں ہے اور اسی آب و خاک کی اولاد ہے (اسی لئے) اس دُنیا کی محبت اس کے نشو و نما کے زمانہ ہی سے اس کے دل میں جڑ پکڑ چکی ہے۔ انسان جتنا بڑا ہوتا جائے گا دُنیا کی محبت بھی اس کے دل میں نمو پاتی رہے گی اور چونکہ پروردگارِ عالم نے اس کو شہوانی قوتیں اور لذتوں کے ذرائع و وسائل بھی شخص اور نوع کی حفاظت کے لئے مرحمت فرمائے ہیں (لہٰذا) انسان کی دُنیا سے محبت روز افزوں اور دلبستگی زیادہ ہوتی رہتی ہے۔ نیز انسان اس دُنیا کو اپنی لذتوں اور تعیش پسندی کی جگہ سمجھتا ہے اور موت کو ان چیزوں سے محرومی کی علت سمجھتا ہے اور حکما کے براہین اور انبیا صلوات اللہ علیہم کے اخبار سے اگر آخرت کا قائل بھی ہو جاتا ہے اور آخرت کی کیفیت اور وہاں کے حالات و کمالات و زندگی کا معتقد بھی ہو جاتا ہے جب بھی اس کا دل (تو بہر حال) بے خبر ہی رہتا ہے اور وہ قبول نہیں کرتا چہ جائیکہ مقام اطمینان تک پہونچ جائے۔ اس لئے اس دُنیا کی محبت اس کے دل میں زیادہ ہو جاتی ہے۔

(اس کے علاوہ بھی) ایک بات یہ بھی ہے کہ انسان فطری طور سے بقا کی محبت رکھتا ہے اور فنا و زوال سے گریزاں و متنفر رہتا ہے اور عقل کی تصدیق کے باوجود کہ یہ دُنیا عالمِ فنا ہے

Presented by www.ziaraat.com

اور (محض) گزرگاہ ہے اور وہ عالم (عالم آخرت) باقی و سرمدی ہے پھر بھی موت کو فنا گمان کرتا ہے اور چونکہ سب سے اعلیٰ بات یہ ہے کہ دل قبول کرے بلکہ اس کا مرتبہ کمال یہ ہے کہ اطمینان کی منزل حاصل ہو جائے جیسے حضرت ابراہیمؑ نے خدا سے مرتبۂ اطمینان کا سوال کیا تھا اور خدا نے وہ درجہ ان کو مرحمت بھی فرما دیا تھا۔ ۱۲ پس اگر یہ درجہ انسان کو حاصل ہو جائے تو پھر وہ دنیا سے ہرگز محبت نہ کرے گا۔ لیکن ہمارے دلوں کی طرح (دیگر) قلوب آخرت پر یا ایمان نہیں رکھتے۔ اگرچہ عقلی تصدیق رکھتے ہیں اور (اگر) ایمان رکھتے ہیں تو) اطمینان نہیں رکھتے (اس لئے) اس دُنیا میں بقا کو دوست رکھتے ہیں اور موت اور اس دُنیا سے نکلنے کو ناپسند کرتے ہیں۔ (لیکن) اگر دلوں کو یہ اطلاع ہو جائے کہ یہ دُنیا تمام عوالم میں سب سے پست اور دارِ فنا و زوال و تغیر ہے اور عالم نقص و ہلاکت ہے اور موت کے بعد کی دُنیائیں سب کی سب باقی و ابدی و دارِ کمال و ثبات و حیات اور منزل مسرت و خوشی ہیں تو فطری طور سے موت کے بعد والے عالم سے محبت کرنے لگیں اور اس دنیائے دَوں سے نفرت کرنے لگیں گے اور اگر کوئی اس سے بھی اونچا چلا جائے اور شہود و وجدان کی منزل تک پہونچ جائے اور اس دنیائے فانی کی باطنی صورت اور اس سے علاقہ و روابط کو دیکھے (اس طرح) اس دنیائے باقی کی باطنی صورت اور اس سے تعلقات و روابط کو دیکھ لے تو یہ فانی دُنیا اس کی نظروں میں بہت سخت و دشوار ہو جائے گی اور اس سے نفرت پیدا ہو جائے گی اور اس کا جی چاہنے لگے گا کہ اس ظلمانی دُنیا کے قید خانہ اور زمان (و مکان) کی زنجیروں سے اس کو چھٹکارا مل جائے۔ چنانچہ اولیا کے کلمات میں اس کی طرف اشارہ موجود ہے۔

آقاؤں کے آقا (حضرت علیؑ) فرماتے ہیں «وَاللّٰهِ لَابْنُ أَبِي طَالِبٍ آنَسُ بِالْمَوْتِ مِنَ الطِّفْلِ بِثَدْيِ أُمِّهِ۔» ۱۲ "خدا کی قسم ابوطالب کا فرزند موت سے اس سے کہیں زیادہ مانوس ہے جتنا کوئی بچہ پستان مادر سے مانوس ہوتا ہے" کیونکہ مولائے کائنات نے چشم ولایت سے اس دنیا کی حقیقت کا مشاہدہ کر لیا تھا اور دونوں عالم کے عوض میں بھی رحمتِ باری کے پڑوس کو چھوڑنے پر آمادہ نہ تھے اور اگر مصالح (پروردگار) کا تقاضا نہ ہوتا تو یہ نفوس طاہرہ ایک لمحہ بھی طبیعت کے تاریک قید خانہ میں توقف نہ فرماتے اور خود عالم کثرت میں آنا اور ظاہری دُنیا اور ملکی تدبیرات میں مشغول ہونا بلکہ ملکوتی تائیدات کے باوجود بھی یہ چیزیں محبین و مجذوبین کے لئے ایسے رنج و غم کا باعث ہیں کہ ہم اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔

اولیائے الٰہی کے نالہ و فریاد زیادہ تر محبوب کی جُدائی اور درد فراق کی وجہ سے ہوا کرتے

Presented by www.ziaraat.com

ہیں۔ چنانچہ ان حضرات نے اپنی مناجاتوں میں اس کی طرف اشارہ بھی فرمایا ہے۔ ۱۵ حالانکہ ان کے یہاں ملکی و ملکوتی حجاب بھی نہیں تھے وہ (عالم مادی کے) جہنم سے اوپر اُٹھ چکے تھے اس جہنم کی آگ خاموش تھی روشن نہ تھی۔ ۱۶ ان کے دلوں میں مادی و دنیاوی تعلقات بھی نہیں تھے۔ ان کے دلوں میں گناہ کا شائبہ بھی نہ تھا۔ (اس سب کے باوجود) وہ حضرات اس دُنیا میں رہنے ہی کو ایک لذت سمجھتے تھے۔ ان کی نظروں میں فطری لذتیں بھی چاہے کتنی ہی کم ہوں خدا اور بندے کے درمیان حجاب تھیں۔

چنانچہ حضرت رسولِ خدا سے مروی ہے کہ حضور نے فرمایا وَلَيُغَانُ عَلَى قَلْبِي وَإِنِّي لَأَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ فِي كُلِّ يَوْمٍ سَبْعِينَ مَرَّةً۔ ۱۷ "میرے دل پر بلکا سا غبار چھا جاتا ہے اور میں (اسی لئے) روزانہ ستّر مرتبہ اپنے خدا کی بارگاہ میں استغفار کرتا ہوں"۔

ہو سکتا ہے ابوالبشر کی خطا اسی فطری چیز کا نتیجہ رہی ہو۔ دنیا کی تدبیر گندم کی احتیاج بھی تو فطری بات تھی (البتہ) یہ چیزیں اولیا اور مجذوبین (و خاصانِ خدا) کے لئے گناہ ہیں۔ (عام لوگوں کے لئے گناہ نہیں ہیں) اور اگر حضرت آدمؑ اسی جذبۂ الٰہی پر باقی رہتے اور اس مادی دُنیا میں نہ آتے تو یہ ساری بساطِ رحمت ہی نہ پھیلائی جاتی (اور نہ اس دُنیا کا وجود ہوتا)

اس بحث کو اسی جگہ پر ختم کرتا ہوں اگرچہ اتنا بھی اس کتاب کے اعتبار سے کچھ زیادہ ہی ہو گیا۔

تیسری فصل

دُنیاوی لذتوں کی دلوں میں تاثیر اور اس کے مفاسد

یہ بات جان لو کہ نفس کو اس دُنیا سے جو لذت حاصل ہوتی ہے اس کا دِل میں اثر ہوتا ہے کیونکہ وہ تاثر عالمِ ملکوت و طبیعت سے ہوتا ہے اور دُنیا سے متعلق ہونے کی وجہ سے ہوتا ہے اور پھر ان لذتوں میں جتنا اضافہ ہوتا جاتا ہے دل اس سے اتنا ہی متاثر ہوتا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کا دل اس دُنیا اور زیبائشِ دنیا میں ڈوب جاتا ہے اور پھر اسی سے بہت سے مفاسد پیدا ہوتے ہیں۔ انسان کی ساری خطاؤں اور گناہوں اور معصیتوں میں گرفتاری کی علت

Presented by www.ziaraat.com

یہی (دنیا سے) محبت دوستی ہے۔ جیسا کہ کافی شریف کی حدیث میں گزر چکا۔[۱۸]

اور ان بزرگ مفاسد میں جیسا کہ ہمارے شیخ عارف الہروی خداہ فرمایا کرتے تھے۔ یہ بھی ہے کہ اگر قلبِ انسانی محبتِ دُنیا کی صورت اختیار کرلے اور دُنیا سے اس کی انسیت بہت بڑھ جائے تو مرتے وقت اس کو یہ احساس ہوتا ہے کہ خدا اس کو اس کے محبوب سے جُدا کر رہا ہے اور اس کے اور اس کے مطلوبات کے درمیان افراق ڈال رہا ہے اور وہ پھر اس دُنیا سے اس طرح رخصت ہوتا ہے کہ اس کے دل میں خدا کا بغض بھرا ہوتا ہے اور یہ کرشمہ الفاظ انسان کو بیدار کرنے کے لئے کافی ہیں کہ وہ اپنے دل کی طرف بہت زیادہ متوجہ رہے۔

خدا نہ کرے کوئی شخص اپنے ولی نعمت اور حقیقی مالک الملوک سے غصہ و نفرت رکھتا ہو کیونکہ اس غصہ اور دشمنی کی صورت کا علم خدا کے سوا کسی کو نہیں ہوتا ہے۔

اسی طرح ہمارے شیخ بزرگوار دام ظلہ نے اپنے والدِ ماجد سے نقل فرمایا کہ وہ اپنے ایک بیٹے سے بہت زیادہ محبت فرماتے تھے اس لئے عمر کے آخری حصہ میں اس محبت سے بہت وحشت ناک تھے۔ پھر کچھ دنوں کی ریاضت کے بعد اس سے چھٹکارا حاصل کیا اور خوشحال ہو گئے۔ اس کے بعد اس دارِ فانی سے کوچ کر گئے۔ رضوان اللہ علیہ۔

وفي الكافي بإسناده عن طلحة بن زيد، عن أبي عبدالله، عليه السلام، قال: مثل الدنيا كمثل ماء البحر كلما شرب منه العطشان ازداد عطشا حتى يقتله.[۲۰]

"یعنی حضرت صادقؑ نے فرمایا: دُنیا کی مثال سمندر کے پانی کی طرح ہے پیاسا جب بھی اس سے پانی پیتا ہے اس کی پیاس بھڑک اٹھتی ہے اور وہ (پانی پیتے پیتے) ہلاک ہو جاتا ہے۔"

دنیا کی محبت انسان کو ہلاکتِ ابدی تک پہونچا دیتی ہے اور یہی محبتِ دنیا ظاہری و باطنی برائیوں کی جڑ ہے۔ حضرت رسولِ خداؐ سے مروی ہے: "تم سے پہلے والوں کو درہم و دینار نے ہلاک کیا تھا اور تم کو بھی یہی دینار و درہم ہلاک کرنے والے ہیں۔"[۲۱]

تھوڑی دیر کے لئے فرض کر لیجئے کہ انسان کوئی بھی گناہ نہیں کرتا۔ اگرچہ یہ فرض بعید ہے بلکہ محال عادی ہے۔ پھر بھی دُنیاوی تعلقات دُنیا سے محبت ہی اسبابِ گرفتاری ہے۔ بلکہ قبر اور برزخ میں طولانی مدت تک رہنے اور کم مدت تک قیام کرنے کا دار مدار انھیں دُنیاوی

Presented by www.ziaraat.com

تعلقات پر ہوتا ہے کہ یہ تعلقات جتنے کم ہوں گے انسان کی قبر اور عالم برزخ روشن تر ہونگے اور انسان کو اس میں کم قیام کرنا پڑے گا اسی لئے بنا بر بعض روایات اولیائے خدا تین دن سے زیادہ قبر میں نہیں رہتے اور یہ تین دن بھی اسی فطری و جبلی دنیاوی تعلق کی بنا پر ہوتا ہے

حُبِّ دُنیا اور اس سے تعلقات کے مفاسد میں سے یہ بھی ہے کہ انسان موت سے ڈرتا ہے اور یہ خوف جو دنیا کی محبت اور اس سے تعلقات کی بنا پر پیدا ہوتا ہے بہت ہی مذموم ہے اور یہ خوف مرجع کے خوف کے علاوہ ہے۔ (کیونکہ) خوفِ آخرت و مرجع تو مومنین کے صفات میں سے ہے اور موت کی سب سے بڑی سختی یہی رفع تعلقات اور موت سے خوف ہے۔

اسلامی دنیا کے بزرگ ترین محقق اور بے نظیر مدقق سید عظیم الشان (میر باقر) داماد ۲۲ کرم اللہ وجہہ اپنی بے نظیر کتاب (قبسات) میں اس کے باب میں تحریر فرماتے ہیں:

«لَا تُخَافِتْكَ الْمَوْتُ، فَإِنَّ مَرَارَتَهُ فِي خَوْفِهِ. ۲۲۹ موت سے نہ ڈرو اس لئے کہ موت کی تلخی اس سے ڈرنے ہی میں ہے۔»

حُبِّ دُنیا کے بزرگ ترین مفاسد میں یہ بھی ہے کہ وہ انسان کو شرعی ریاضتوں، عبادتوں اور مناسک سے روک دیتی ہے اور مادیت کے پہلو کو تقویت دیتی ہے اور طبیعت انسانی کو روح کی اطاعت سے روک دیتی ہے اور روح کی نافرمانی پر آمادگی کے ساتھ عزم انسانی کو کمزور کر دیتی ہے، حالانکہ شرعی عبادتوں اور ریاضتوں میں سب سے اہم راز یہی ہے کہ بدن اور اس کی طبعی قوتوں اور جنبۂ ملک کو روح کے تابع و مطیع کر دے اور اس طرح کہ نفس کا حکم ان میں کار فرما ہو جائے اور محض ارادہ کے ساتھ بدن کو جس کام پر آمادہ کرنا چاہے آمادہ کر دے اور جس سے چاہے روک دے۔ انسانی جسم کی دُنیا اور اس کی ظاہری قوتیں اس طرح تابع و مقہور و مسخر ہو جائیں کہ بغیر کسی مشقت و تکلف کے جس کام کو کرنا چاہے کریں۔ پُر مشقت عبادتوں کے فضائل و اسرار میں سے ایک بات یہ بھی ہے کہ ان عبادتوں سے یہ مقصد جلد ہی حاصل ہو جاتا ہے اور انسان ان عبادتوں کی بنا پر صاحب عزم قوی و محکم ہو جاتا ہے۔ بدن اور اس کی ظاہری و باطنی قوتوں کی حکومت کی مثال خدا کے ملائکہ کے مثل ہو جاتی ہیں (یعنی) جس طرح ملائکہ نافرمانی نہیں کرتے اور خدا جو حکم دیدے اس کی اطاعت کرتے ہیں اور جس سے روک دے رُک جاتے ہیں اور اس سلسلہ میں ان کو کوئی زحمت یا تکلف نہیں ہوتا۔ بس اسی طرح بدن کی ظاہری و باطنی قوتوں کو تابع ہونا چاہیئے۔ انسانی ملک کی قوتیں اگر روح کی مسخر ہو جائیں تو ان میں بھی تکلف و زحمت کا خاتمہ ہو جاتا ہے اور راحت سے

Presented by www.ziaraat.com

بدل جاتے ہیں اور ملک کے ساتوں اقلیم ملکوت کے تابع ہوجاتے ہیں اور ساری قوتیں خادم ہوجاتی ہیں۔

میرے عزیز اس بات کو سمجھ لو کہ دوسری دنیا کے لئے عزم محکم اور قوی ارادہ بہت ہی ضروری ولازم ہے۔ بہشت کے اونچے مراتب کا معیار جن کا شمار بہترین بہشتوں میں کیا جاتا ہے وہ انسان کا ارادہ و عزم ہی ہے کہ انسان کے اندر جب تک مضبوط ارادہ اور عزم قوی نہ پیدا ہوجائے وہ بہشت اور اس بلند مقام تک نہیں پہونچ سکتا۔

حدیث شریف میں ہے:

"جب اہل جنت میں ثابت و مستقر ہوجائیں گے تو پروردگار عالم کی طرف سے ایک تحریر آئے گی جس کا مضمون یہ ہوگا۔

"یہ تحریر ہمیشہ باقی رہنے والے خدا کی طرف سے (اپنے) زندہ جاوید بندوں کے لئے ہے۔ میں ایسا ہوں کہ جس چیز کے لئے حکم دیدوں کہ ہوجائے وہ ہوجاتی ہے۔ آج سے تم کو بھی ایسا بناتا ہوں کہ جس چیز کے لئے حکم کروگے کہ وہ ہوجائے تو وہ ہوجائے گی۔"[۲۴]

اب ذرا سوچو یہ کون سا مقام اور کون سی سلطنت اور کیسی قدرت الٰہی ہے کہ (اب انسانی ارادہ) ارادۂ الٰہی کا مظہر ہے وہ معدومات کو لباس وجود عطا کرسکتا ہے۔ تمام جسمانی جنتوں سے یہ قدرت اور نفوذ ارادہ بہتر ہے اور بالاتر ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ تحریر عبث و بیکار تو نہیں ہے۔

جس کا ارادہ حیوانی شہوتوں کا تابع ہوگا، جس کا عزم مُردہ و بجھا ہوا ہوگا وہ اس مقام تک کبھی نہیں پہونچ سکے گا۔ خدا کا کام عبث نہیں ہوا کرتا۔ جب یہ دُنیا نظام و ترتیب اسباب و مسببات کے تابع ہے تو پھر آخرت میں بھی یہی ہوگا۔ بلکہ عالم آخرت تو نظام (و ترتیب) اسباب و مسببات کے لئے زیادہ لائق و سزاوار ہے۔ نفوذ ارادہ کا انتظام اسی دُنیا سے کرلینا چاہیئے۔ (کیونکہ) یہ دُنیا آخرت کی کھیتی ہے اور تمام نعمت ہائے بہشتی اور عذاب ہائے جہنمی کا سرچشمہ یہی دنیا ہے۔

بس جس طرح شرعی عبادتوں اور مناسک کی خود ایک اخروی اور ملکوتی صورت ہوا کرتی ہے۔ اس کے علاوہ یہ چیزیں بہشت جسمانی اور اس کے حور و غلمان و قصور کی تعمیر کا ذریعہ بھی ہوتی ہیں اور یہ بات برہان و حدیث کے مطابق بھی ہے[۲۵] اسی طرح ہر عبادت کا اثر نفس میں ہوتا ہے اور رفتہ رفتہ کرکے وہ نفس (روح) کے ارادے کو تقویت دیتی ہے یہاں تک کہ اس کی قدرت مکمل ہوجاتی ہے۔ اسی لئے عبادت میں چاہے جتنی مشقت ہو وہ مرغوب ہے۔ افضل الاعمال احمزہا[۲۶] (سخت ترین

Presented by www.ziaraat.com

اعمال ہی افضل ترین اعمال ہیں) مثلاً کڑکڑاتے جاڑے میں رات کو خوابِ ناز سے اُٹھ کر خدا کی عبادت کرنا روح کو قوائے بدنی پر تسلط عطا کرتا ہے اور ارادہ کو تقویت بخشتا ہے اور شروع میں جو زحمت و ناگواری کا احساس ہوتا ہے اور مشکل معلوم ہوتا ہے وہ رفتہ رفتہ کرکے کم ہوجاتی ہے اور زحمت کا بھی احساس ختم ہوجاتا ہے اور بدن پر روح کی قدرت میں اضافہ ہوجاتا ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ جو لوگ اس طرح کی عبادت کرتے ہیں وہ بغیر کسی زحمت و تکلیف کے اس عمل کو انجام دیتے ہیں لیکن چونکہ ہم کاہلی برتتے ہیں اور عمل نہیں کرتے اس لئے ہمارے لئے مشکل اور شاق ہوتا ہے۔ اگر ہم بھی چند مرتبہ زحمت کریں تو یہی زحمت راحت سے بدل جائے گی۔ بلکہ ہم لوگ شہوات دنیوی سے جتنی لذت اٹھاتے ہیں خدا کے عبادت گزار بندے عبادت سے اس سے کہیں زیادہ لذت محسوس کرتے ہیں (خلاصہ یہ ہے کہ) عبادت کرنے سے نفس عادی ہوجاتا ہے۔ وَالْخَیْرُ عَادَۃٌ۔

اس عبادت کے کئی فائدے ہیں،

۱ــــ ان عبادتوں کی صورت آخرت میں اتنی حسین وجمیل ہوتی ہے جس کی نظیر اس دُنیا میں نہیں ہے اور نہ اس کا یہاں پر تصور کیا جاسکتا ہے۔

۲ــــ روح صاحبِ عزم واقتدار ہوجاتی ہے اور روح کا صاحبِ اقتدار ہوجانا بھی بکثرت نتائج کا حامل ہے ایک کا تو آپ نے ذکر سن ہی لیا۔ دوسرا فائدہ یہ ہے کہ انسان رفتہ رفتہ کرکے ذکر و فکر و عبادت سے مانوس ہوجاتا ہے اور شاید یہی مجاز انسان کو حقیقت سے نزدیک کردیتا ہے اور مالک الملوک کی طرف قلبی توجہ ہوجاتی ہے اور محبوب حقیقی کے جمال سے محبت پیدا ہوجاتی ہے اور قلبی محبت و تعلقات دنیا و آخرت دونوں سے کم ہوجاتے ہیں۔

اور اگر (کہیں) جذبۂ ربوبی پیدا ہوجائے اور (بے خودی کی) حالت پیدا ہوجائے اور عبادت کا نکتۂ حقیقی اور تذکر و تفکر کا سرِّ واقعی حاصل ہوجائے اور دونوں عالم اس کی نظروں سے گرجائیں اور جلوۂ دوست دوئیت کے غبار کو دل سے دور کردے تو پھر خدا کے علاوہ کوئی نہیں جانتا کہ ایسا بندہ کس کرامت کا مالک ہے؟

اور جس طرح شرعی عبادات و ریاضات و مناسک و ترکِ شہوات سے عزم و ارادہ پیدا ہوتا ہے اور انسان صاحبِ عزم و ارادہ ہوجاتا ہے۔ اسی طرح گناہ بھی طبیعت پر غلبہ حاصل کرکے انسان کے عزم و ارادہ کو ناقص کردیتا ہے۔ چنانچہ اس کا تھوڑا سا ذکر پہلے بھی کیا جاچکا ہے۔

Presented by www.ziaraat.com

چوتھی فصل

کسی بھی صاحب وجدان سے یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کہ انسان اپنی اصلی فطرت اور ذاتی جبلت کی بنا پر کمال تام مطلق کا عاشق ہوتا ہے اور اس کے دل کا ایک حصہ جمیل علی الاطلاق اور کامل من جمیع الوجوہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور یہ وہی فطرت الٰہی ہے جس پر خداوند عالم نے بنی نوع انسان کو خلق فرمایا ہے اور اسی حب کمال کے (بل بوتے) پر انسان کو ملک و ملکوت کے ارادہ کی قوت مرحمت ہوتی ہے اور عشاق کو کمال مطلق تک پہونچنے کے اسباب نصیب ہوتے ہیں۔ لیکن ہر شخص اپنے حال و مقام کے اعتبار سے کسی بھی چیز میں اپنے لئے تشخیص کمال کرتا ہے اور اس کا دل اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ (مثلاً) اہل آخرت، آخرت کے درجات و مقامات میں (ترقی کو) کمال سمجھتے ہیں اس لئے ان کے دل اسی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں اور اہل اللہ جمال حق میں کمال اور کمال حق میں جلال دیکھ کر کہہ اٹھتے ہیں:

«وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ.»[۲۷]

"میں نے اپنے چہرہ کو خالق زمین و آسمان کی طرف متوجہ کیا" اور کبھی "لِيَ مَعَ اللّٰهِ حال"[۲۸] ہمارے اللہ کے ساتھ کچھ "اور ہی" حالات ہیں اور ان کے دل میں وصال کی محبت اور جمال کا عشق ہوتا ہے۔

(لیکن) چونکہ اہل دنیا کمال کو دنیاوی لذتوں میں سمجھتے ہیں اور دنیا کی خوبصورتی ان کی نظروں میں بھا گئی ہے (اس لئے) فطری طور سے اسی کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ مگر ان تمام باتوں کے باوجود چونکہ فطری توجہ اور ذاتی عشق کمال مطلق ہی سے متعلق ہوتا ہے اور دیگر تعلقات عرضی اور خطادر تطبیق قسم کے ہوتے ہیں (لہٰذا) انسان کے پاس چاہے ملک و حکومت آجائے اور نفسانی کمالات یا دنیاوی خزانے یا ریاست و سلطنت مل جائے (پھر بھی) اس کا شوق روز افزوں بڑھتا ہی رہتا ہے آتش عشق بھڑکتی ہی رہتی ہے۔ مثلاً شہوت پرست کی چاہے جتنی خواہشیں پوری ہو جائیں الذائذ حاصل ہو جائیں پھر بھی اس کی خواہش یہی ہوتی ہے اور دل یہی چاہتا ہے کہ جو خواہشات ہماری دسترس سے باہر ہیں وہ بھی حاصل ہو جائیں۔

اسی طرح ریاست طلب آدمی اگر زمین کا کچھ حصہ اس کے قبضہ میں آجائے تو وہ دوسرے

Presented by www.ziaraat.com

حصہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اگر پورا کرہ ارض اس کے قبضہ میں آجائے تو دیگر کروں کی طرف پرواز کرنا چاہتا ہے اور ان کو بھی اپنے زیر نگیں لانے کی کوشش میں لگ جاتا ہے مگر اس بے چارے کو یہ پتہ نہیں ہے کہ فطرت کا تقاضا کچھ اور ہے۔ عشق فطری تو محبوب مطلق سے متعلق ہے۔ تمام جوہری، مادی، ارادی حرکتوں اور تمام قلبی توجہات اور نفسانی میلانات کا محور تو جمیل علی الاطلاق ہی ہے۔ مگر خود وہ لوگ اس کو نہیں سمجھ پاتے۔ یہ محبت و عشق یہ شوق و اشتیاق سب کے سب براق معراج اور رفرف وصول ہیں۔ مگر لوگ ان کو غلط جگہ استعمال کرتے ہیں اور بے جا قید و بند میں گرفتار کر دیتے ہیں۔

مختصر یہ ہے کہ ہم خود ہی اپنے اصلی مقصد سے دور ہو گئے ہیں، مقصد یہ ہے کہ چونکہ انسان قلباً کمال مطلق کی طرف مائل ہوتا ہے۔ اس لئے وہ جتنی دنیاوی دولت اور زیبائش دنیا جمع کرتا ہے اس کا دل اتنا ہی اس میں متوجہ ہو جاتا ہے اور چونکہ اس نے یہ سمجھ لیا ہے کہ یہی دنیا اور زیبائش دنیا کمال ہے اس لئے اس طرف اس کی طمع بڑھتی ہے اور اس کا عشق زیادہ ہوتا ہے اور دنیا کی احتیاج فزوں تر ہوتی ہے اور فقر و نیازمندی اس کا نصب العین ہو جاتا ہے۔ برخلاف اہل آخرت کے کہ ان کی توجہ دنیا کی طرف ہوتی ہی نہیں وہ لوگ آخرت کی طرف جتنا متوجہ ہوتے ہیں اتنا ہی اس دنیا سے ان کی توجہ کم ہوتی جاتی ہے یہاں تک کہ پوری دنیا سے بے نیاز ہو جاتے ہیں اور ان کے دل میں استغنا پیدا ہو جاتا ہے اور دنیا و زیبائش دنیا کو وہ حقارت ناچیز خیال کرنے لگتے ہیں۔ جیسے اہل اللہ دونوں دنیا سے مستغنی ہوتے ہیں اور دونوں سے قطع تعلق کر لیتے ہیں وہ صرف غنی علی الاطلاق کی طرف احتیاج رکھتے ہیں اور جلوہ غنی بالذات ان کے دل کے آئینہ میں جلوہ گر ہوتا ہے۔

هَنِيئًا لَّهُم ۲۹ ان کو یہ چیز گوارا ہو۔

پس (ابتدا میں ذکر کی گئی) حدیث میں اسی بات کی طرف اشارہ ہو سکتا ہے جس کی اب تک شرح کی گئی کہ معصوم فرماتے ہیں: جو شخص صبح و شام اس حالت میں کرے کہ اس کا سب سے بڑا مقصد دنیا ہو تو خدا اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان فقر لکھ دیتا ہے اور جو اس حالت میں صبح و شام کرے کہ سب سے اہم ترین مقصد اس کا آخرت ہو تو خدا اس کے دل میں استغنا پیدا کر دیتا ہے۔

ظاہر ہے جس شخص کی پوری قلبی توجہ آخرت پر ہو گی۔ اس کی نظروں میں امور دنیا اور اس کی تمام دشواریاں حقیر و آسان معلوم ہوں گی وہ شخص اس دنیا کو ختم ہونے والی، تغیر پذیر اور اپنی گزرگاہ

Presented by www.ziaraat.com

اور تربیت گاہ سمجھے گا۔ دنیا کی کسی سختی یا خوشی پر توجہ نہیں دے گا۔ اس کی ضروریات کم ہو جائیں گی۔ دنیا اور دنیا والوں کی طرف اس کی احتیاج کم (سے کم) ہو جائے گی بلکہ وہ اس منزل پر پہونچ جائے گا جہاں احتیاج ہی نہ ہوگی اور (پھر) اس کے امور منظم ہو جائیں گے اس کے کاموں میں نظم و ترتیب پیدا ہو جائے گی۔ قلبی و ذاتی غنا حاصل ہو جائے گا۔

اور اگر تم نے اس دنیا کی طرف عظمت و محبت کی نگاہ ڈالی اور تمہارا دل اس سے عقیدتمند ہو گیا تو محبت ہی کے اعتبار سے تمہارے احتیاجات زیادہ ہو جائیں گے اور تمہارے ظاہر و باطن میں فقر و احتیاج نمایاں ہو جائے گا۔ تمہارے امور پراگندہ و درہم و برہم ہو جائیں گے، تمہارا دل منزلزل و شک و خوفزدہ ہو جائے گا اور تمہارے امور تمہارے حسب دلخواہ نہیں ہوں گے، تمہاری آرزو و حرص روز افزوں فزوں تر ہوتی جائے گی۔ غم و حسرت کا تمہارے اوپر غلبہ ہو جائے گا، یاس و حیرت تمہارے دل میں جڑ پکڑ لے گی۔ چنانچہ حدیث میں بعض انھیں معانی کی طرف اشارہ بھی کیا گیا ہے۔

۱۔ «روی فِي الكَافِي بِإِسْنَادِهِ عَنْ حَفْصِ بْنِ قُرْطٍ، عَنْ أَبِي عَبْدِاللّٰهِ، عَلَيْهِ السَّلَام، قَالَ: مَنْ كَثُرَ اشْتِبَاكُهُ بِالدُّنْيَا، كَانَ أَشَدَّ لِحَسْرَتِهِ عِنْدَ فِرَاقِهَا.»[۳۰]

"جو کوئی اپنے آپ کو اس دنیا سے بہت زیادہ ملوث کرے گا اس کو دنیا سے جدا ہوتے وقت اتنا ہی زیادہ افسوس ہوگا۔"

۲۔ «وَعَنِ ابْنِ أَبِي يَعْفُور قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا عَبْدِاللّٰهِ، عَلَيْهِ السَّلَام، يَقُولُ: مَنْ تَعَلَّقَ قَلْبُهُ بِالدُّنْيَا، تَعَلَّقَ قَلْبُهُ بِثَلَاثِ خِصَالٍ: هَمٍّ لَا يَفْنَى، وَأَمَلٍ لَا يُدْرَكُ، وَرَجَاءٍ لَا يُنَالُ.»[۳۱]

"یعنی جس کا دل دنیا سے وابستہ ہوگا۔ اس کے دل میں تین صفتیں ہوں گی۔ ۱: زائل نہ ہونے والا غم ۲: نہ پوری ہو سکنے والی خواہش ۳: نہ ملنے والی امید۔"

لیکن اہل آخرت جیسے جیسے دار کرامت حق سے نزدیک ہوتے جاتے ہیں ان کا دل اتنا ہی مسرور و مطمئن ہوتا جاتا ہے، دنیا و مافیہا سے گریزاں و متنفر ہوتا جاتا ہے۔ اگر خداوند عالم نے ان کے لئے اس دنیا میں رہنے کی مدت معین نہ کر دی ہوتی تو وہ ایک سکنڈ بھی اس دنیا میں نہ رہتے۔ چنانچہ مولائے کائنات ۳۲ فرماتے ہیں: پس وہ لوگ اس عالم میں اہل دنیا کی طرح رنج و غم نہیں اٹھاتے اور آخرت میں بحار رحمت الٰہی میں ڈوبے رہتے ہیں «جَعَلَنَا اللّٰهُ وَإِيَّاكُمْ مِنْهُمْ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ»[۳۲] "خدا ہم کو اور تم کو بھی انھیں لوگوں میں قرار دے۔ انشاء اللہ۔"

Presented by www.ziaraat.com

پس اے عزیز! اس وقت تم نے برائیوں کے اس لطف سے پیدا ہونے والے مفاسد کا ذکر سنا اور یہ سمجھ لیا کہ انسان کو یہ محبت ہلاکت سے دوچار کر دیتی ہے اور اس کے ایمان کو اس سے بے لیتی ہے اور اس کی دنیا و آخرت کو درہم برہم کر دیتی ہے۔ (لہٰذا) تم دامنِ ہمت کو کمر سے باندھ لو اور جتنا ممکن ہو اس دنیا سے دل بستگی کو ختم کرو اور ریشۂ محبت کو جڑ سے اکھاڑ دو، اور اس چند روزہ زندگی کو ناچیز سمجھ لو اور عذاب سے بھری ہوئی نعمتوں اور رنج و غم کو حقیر سمجھو اور خدا سے دعا کرو کہ تم کو توفیق عطا کرے اور تمہاری مدد کرے اور اس رنج و زحمت سے تم کو چھٹکارا دلائے اور تمہارے دل کو اپنے دارِ کرامت سے مانوس کر دے (وَمَا عِنْدَاللّٰهِ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى.) ۲۴ خدا کے پاس جو ہے وہ خیر ہے اور ہمیشہ باقی رہنے والا ہے۔"

www.ziaraat.com
Sabeel-e-Sakina

Presented by www.ziaraat.com

چھٹی حدیث کی توضیحات

۱۔ اصول کافی جلد ۲ ص ۳۱۹، کتاب ایمان و کفر، باب حُبّ الدنیا، حدیث ۱۵۔

۲۔ خواب نوشین بامداد رحیل باز دارد پیادہ را از سبیل

۳۔ حدیث ۱، توضیح ۱۴۔

۴۔ بحار الانوار جلد ۷۰، ص ۶۲، کتاب ایمان و کفر، باب حُبّ دُنیا و ذمہا، مراۃ العقول جلد ۸ ص ۲۶۳ کتاب ایمان و کفر، باب ذم دنیا و زہد فیہا۔

۵۔ مراۃ العقول جلد ۱۰ ص ۲۶۴، کتاب ایمان و کفر، باب حُبّ دُنیا۔

۶۔ نہج البلاغہ فیض الاسلام، ص ۱۱۲۸، "حکمت" ۱۲۶

۷۔ (سورۂ نحل، آیت ۳۰/)

۸۔ ابو نصر محمد بن مسعود بن محمد بن عیاشی تمیمی، بزرگ ترین شیعہ علما میں سے تھے۔ تیسری صدی ہجری کے حدیث و تفسیر روائی کے ایک ستون تھے۔ بڑے بڑے محدثین نے ان سے روایت کی ہے۔ مثلاً شیخ کشی صاحب رجال، شیخ جعفر بن محمد عیاشی (ان ہی کے صاحبزادے) آپ کی تالیف بہت ہیں۔ شیخ طوسیؒ نے دو سو سے زیادہ کا شمار کیا ہے۔ آپ کی مشہور تالیفات میں کتاب التفسیر، کتاب الصلوٰۃ، کتاب الطب، کتاب معرفۃ الناقلین، کتاب الغیبہ ←

Presented by www.ziaraat.com

۹۔ عن ابن مسکان عن ابی جعفر علیہ السلام فی قولہ "ونعم دار المتقین" قال: الدنیا، تفسیر عیاشی جلد ۲، ص ۲۵۸۔

۱۰۔ دُنیا کی دوستی ہر گناہ کی جڑ ہے، اصول کافی جلد ۲ ص ۳۱۵، کتاب ایمان و کفر، باب حب الدنیا والحرص علیہا، حدیث ۱۔

۱۱۔ حدیث ۱۔ توضیح ۵۹۔

۱۲۔ "عن النبی (ص) إنَّ لِلّٰہِ تبارک وتعالی سبعین الف حجاب من نور وظلمۃ۔" بحار الانوار، جلد ۵۵، ص ۴۵، کتاب السماء والعالم باب ۵، ذیل حدیث ۱۳۔

۱۳۔ یہ اس آیت کی طرف اشارہ ہے۔ "وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ أَرِنِي كَيْفَ تُحْيِي الْمَوْتَىٰ قَالَ أَوَلَمْ تُؤْمِن قَالَ بَلَىٰ وَلَٰكِن لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِي" ترجمہ: جب ابراہیمؑ نے کہا پالنے والے مجھے دکھا دے کہ تو مُردوں کو کیونکر زندہ کرتا ہے۔ خدا نے کہا کیا تم (یہ) ایمان نہیں لائے؟ ابراہیمؑ نے کہا: ایمان تو لایا ہوں مگر یہ اطمینانِ قلب کے لئے ہے۔

۱۴۔ نہج البلاغہ خطبہ ۵ ص ۴۸۔

۱۵۔ حضرت علیؑ نے دُعائے کمیل میں فرمایا "إلٰہی وربّی هبني صبرتُ علی عذابک فکیف أصبرُ علی فراقک۔" خداوندا۔ اگر میں نے تیرے عذاب پر صبر بھی کر لیا تو تیرے فراق کو کیونکر برداشت کروں گا؟ مصباح المتہجد وسلاح المتعبد، ص ۵۸۷، شب نیمہ شعبان کے اعمال کے ضمن میں۔

۱۶۔ یہ اس حدیث کی طرف اشارہ ہے "وَلِهٰذَا لَمَّا سُئِلَ بَعْضُ أَئِمَّتِنَا عَنْ عُمُومِ الْآيَةِ الْمَذْكُورَةِ (مریم/ ۷۱) وَجُزْنَاهَا وَهِيَ خَامِدَةٌ" اسی لئے جب بعض امام علیہ السلام سے آیت کے عموم کے بارے میں پوچھا گیا تو معصوم نے فرمایا: ہم اس سے گزر چکے وہ تو خاموش تھی۔ علم الیقین جلد ۲ ص ۹۷۱۔

۱۷۔ مستدرک الوسائل جلد ۵، ص ۳۲۰، کتاب الصلاۃ، ابواب الذکر، باب ۳۲، حدیث ۲۴۔

۱۸۔ ص ۔ ۱۶۸

۱۹۔ اس سے مُراد مرحوم آیۃ اللہ شاہ آبادی ہیں۔ حدیث ۱، توضیح ۵۱۔

۲۰۔ اصول کافی جلد ۲، ص ۱۳۶، کتاب ایمان و کفر، باب ذم الدنیا والزہد فیہا، حدیث ۲۴۔

۲۱۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ "إنَّ الدِّينارَ والدِّرهمَ أهلكا من كان قبلكم وهما مهلكاكم۔" اصول کافی جلد ۲، ص ۳۱۶، کتاب ایمان و کفر، باب حب الدنیا والحرص علیہا، حدیث ۶۔

۲۲۔ حدیث ۴۔ توضیح ۲۹۔

۲۳۔ قبسات، ص ۴۷۹۔

۲۴۔ حدیث ۲، توضیح ۱۹۔

۲۵۔ حدیث ۲۲، توضیح ۱۸۔

۲۶۔ بحار الانوار جلد ۶۷، ص ۱۹۱، کتاب ایمان و کفر، باب ۵۳، ذیل حدیث ۲۔

۲۷۔ سورۂ انعام آیت ۷۹۔

Presented by www.ziaraat.com

۲۸۔ اربعین مجلسی ص ۱۷۱ شرح حدیث ۱۵۔
۲۹۔ ترجمہ گزر چکا ہے۔
۳۰۔ اصول کافی جلد ۲، ص ۳۲، کتاب ایمان و کفر، باب حب الدنیا، حدیث ۱۶۔
۳۱۔ اصول کافی جلد ۲، ص ۳۲، کتاب ایمان و کفر، باب حب الدنیا، حدیث ۱۷۔
۳۲۔ حضرت علی خطبہ ہمام میں فرماتے ہیں «وَلَوْلاَ الْأَجَلُ الَّذِي كَتَبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ لَمْ تَسْتَقِرَّ أَرْوَاحُهُمْ فِي أَجْسَادِهِمْ طَرْفَةَ عَيْنٍ شَوْقاً إِلَى الثَّوَابِ وَخَوْفاً مِنَ الْعِقَابِ.» اگر خداوند عالم نے ان کے لئے مہلت نہ معین کی ہوتی تو ثواب کے شوق اور عقاب کے خوف سے ان کی روحیں ان کے جسموں میں نہ ٹھہرتیں۔
۳۳۔ ترجمہ گزر چکا ہے۔
۳۴۔ (قصص/۶، شوریٰ/۳۶)

www.ziaraat.com
Sabeel-e-Sakina

Presented by www.ziaraat.com

ساتویں حدیث

«بِالسَّنَدِ الْمُتَّصِلِ إِلَى مُحَمَّدِ بْنِ يَعْقُوبَ عَنْ عَلِيِّ بْنِ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عِيسَى، عَنْ يُونُسَ، عَنْ دَاوُدَ بْنِ فَرْقَدٍ قَالَ: قَالَ أَبُو عَبْدِاللّٰهِ، عَلَيْهِ السَّلَامُ: اَلْغَضَبُ مِفْتَاحُ كُلِّ شَرٍّ.»[1]

ترجمہ: داؤد بن فرقد کہتے ہیں: امام جعفر صادقؑ نے فرمایا "تمام برائیوں کی کنجی غصہ ہے۔"

شرح: محقق کبیر احمد بن محمد معروف بہ ابن مسکویہ[2] اپنی کتاب طہارۃ الاعراق یہ کتاب بہت عمدہ اور حسن ترتیب و حسن بیان میں بے مثال ہے، میں تحریر فرماتے ہیں جس کا ترجمہ تقریباً یہ ہے:

ابن مسکویہ نے غضب کی تعریف اس طرح کی ہے۔ غضب در حقیقت اس نفسانی حرکت کا نام ہے جس کی بنا پر خواہشِ انتقام کے لئے خونِ دل میں ایک جوش و ہیجان پیدا ہو جاتا ہے۔ پھر جب یہ حرکت سخت ہو جاتی ہے تو غصہ کی آگ بھڑک اٹھتی ہے اور خونِ قلب کا جوش پورے دل پر غالب آجاتا ہے اور دماغ کی تمام شریانوں (رگوں) میں ایک تاریک و مضطرب دھواں [illegible] جس سے عقل کی حالت تباہ و برباد ہو جاتی ہے اور اس کا عمل کمزور ہو جاتا ہے۔

Presented by www.ziaraat.com

بقولِ حکما غصہ کی حالت میں انسان کی مثال اس غار کی سی ہو جاتی ہے جس میں آگ جلانے کے بعد وہ شعلوں سے بھر جائے اور دھواں اس میں پھنس کر آگ کے شعلوں کے ساتھ اسی میں محدود ہو کر رہ جائے (باہر نہ نکل سکے) اور سیٹی کی سی آواز نکلنے لگے اور شدت اشتعال کی وجہ سے اس میں آواز سی گونجنے لگے اس وقت اس کا علاج مشکل اور خاموش کرنا بہت دشوار ہو جاتا ہے اور اس کی حالت یہ ہو جاتی ہے کہ بجھانے کے لئے جو چیز اس میں ڈالی جائے وہ بھی اسی کا جزء بن جاتی ہے اور مادے میں مزید شدت پیدا کر دیتی ہے۔ اسی لئے انسان (غصہ کے وقت) رشد و ہدایت سے اندھا ہو جاتا ہے، وعظ و پند (سننے سے) بہرا ہو جاتا ہے۔ بلکہ موعظہ غصہ میں اضافہ کا سبب بن جاتا ہے (جلتی پر تیل کا کام دیتا ہے) اور غصہ کی حالت میں انسان کا کوئی علاج نہیں رہ جاتا۔" اس کے بعد (ابن مسکویہ) فرماتے ہیں: بقراط[3] کہتا ہے: جو کشتی طوفانِ باد (و باراں) میں گھر جائے اور دریا کی موجیں اس کو ایسے بھنور میں ڈال دیں جہاں دریائی پہاڑ ہوں اس کے بعد بھی اس کشتی کے بچاؤ کے لئے مجھ کو کہیں زیادہ اُمید ہے بہ نسبت اس غصہ کے بچاؤ سے جب انسان کی آتش غیظ و غضب بھڑک اُٹھے کیونکہ ایسی صورت میں اس سے بچاؤ کی کوئی اُمید نہیں ہے۔ کیونکہ جو بھی صورت اختیار کی جائے گی۔ مثلاً وعظ و نصیحت کرو یا فروتنی کرو، گریہ وزاری کرو۔ اس کا شعلہ اور بھی بھڑکے گا اور مادے میں اضافہ ہوگا۔ انتہیٰ[4]

پہلی فصل

قوت غضبیہ کے فوائد

قوت غضبیہ خدا کی ایک عظیم نعمت ہے۔ جس کی وجہ سے دُنیا و آخرت کی تعمیر کی جا سکتی ہے اور اس کی وجہ سے خاندانی نظام، نوع اور شخص کے بقاء کی حفاظت کی جا سکتی ہے۔ ایک بہترین معاشرہ اور مثالی سوسائٹی کی تشکیل میں اس کو بہت زیادہ مدخلیت ہے۔ اگر حیوان کے اندر یہ قوت نہ ہوتی تو وہ قدرتی خطرات سے اپنی حفاظت نہ کر پاتا اور زوال و اضمحلال کی نذر ہو جاتا اور اگر انسان کے اندر یہ قوت نہ ہوتی تو انسان کمالات اور ترقیوں سے محروم ہو جانے کے علاوہ افراط و تفریط کی بنا پر ایسی اخلاقی برائیوں اور نقائص کا شکار ہو جاتا جن پر بہت سے مفاسد اور عیوب مُرتب ہوتے ہیں مثلاً ڈر، کمزوری، سُستی، کاہلی، طمع، بے صبری، بے استقلالی اور یہ صفات وہاں ہوتے کہ جہاں نہ ہونا ضروری ہے۔

Presented by www.ziaraat.com

(اسی طرح) آرام طلبی، پیچھے پیچھے سے رہنے اور لوگوں کے دباؤ کو قبول کر لینے کی عادت، ظلم کے سامنے سر جھکانے کی خصلت، اپنے یا خاندان والوں کو پیش آنے والے رذائل و فضائح کو (خاموشی سے) برداشت کر لینے کی صفت، بے غیرتی، کم ہمتی یہ سب چیزیں انسان میں (اگر قوت غضبیہ نہ ہوتی تو) پیدا ہو جاتیں۔ بلکہ قرآن نے تو خود مومنین میں اس صفت کے ہونے پر مدح فرمائی ہے:

﴿أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ﴾ ۵

امر بمعروف و نہی از منکر کو بروئے کار لانا، حدود و تعزیرات کا جاری کرنا، دوسری دینی و عقلی سیاستوں پر عمل کرنا اس قوت غضبیہ کے بغیر ناممکن ہے۔ اس لئے جو لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ قوۂ غضبیہ کو ختم کر دینا یا اس کو خاموش کر دینا نفس کا کمال اور اس کے لئے معراج ہے وہ غلطی پر ہیں اور بہت بڑی خطا (و گناہ عظیم) کے مرتکب ہیں اور حد کمال اور مقام اعتدال (کے درمیان حد فاصل) سے غافل ہیں۔

ان بے چاروں کو یہ بھی پتہ نہیں ہے کہ خداوند عالم نے تمام انواع حیوانات میں اس شریف قوت کو بیکار نہیں خلق فرمایا ہے۔ خدا نے تو تمام اولاد آدم میں اس قوت کو ملکی و ملکوتی زندگی کا سرمایہ اور خیرات و برکات کی کنجی قرار دیا ہے۔ اگر یہ قوت نہ ہوتی تو انسان دشمنان دین کے ساتھ نہ جہاد کر سکتا نہ خانوادۂ نظام بشری کی حفاظت کر سکتا نہ جان و مال و ناموس اور دیگر نوامیس البیہ کی (حمایت و) سیانت کر سکتا۔ (بلکہ) انسان کا سب سے بڑا دشمن خود اس کا نفس ہے اس سے بھی جہاد نہ کر سکتا۔ ۶ اور نہ ہی ظلم و تعدی سے اپنے کو بچا سکتا اور نہ ہی حدود و سرحدوں (کا دفاع کر پاتا نہ) موذی و ضرر رساں چیزوں سے اپنی حفاظت کر سکتا نہ معاشرے کی۔

اسی لئے حکما نے اس قوت کی کمی اور سستی کو دور کرنے کے لئے علاج تجویز کئے ہیں۔ اس کو بیدار کرنے اور حرکت میں لانے کے لئے علمی و عملی معالجے معین کئے ہیں (مثلاً) اہم اور خطرناک امور کے لئے اقدام کرنا، میدان جنگ میں جانا اور دشمنان خدا سے جہاد کے لئے اپنے کو پیش کرنا۔ وغیرہ (بلکہ) بعض فلسفیوں سے منقول ہے کہ وہ لوگ خطرناک جگہوں پر جا کر ٹھہرتے تھے اور اس طرح اپنے نفوس کو عظیم خطرات میں ڈال دیتے تھے، دریا میں شدید طوفان کے وقت کشتی میں سوار ہو کر ادھر ادھر چکر لگاتے تھے تاکہ ان کے نفوس کو خطرات و خوف سے نجات حاصل ہو جائے اور کسالت و سستی سے رہائی حاصل کر سکے۔ ۷

بہر صورت انسان و حیوان کے باطن میں قوت غضبیہ موجود ہے اور خدا نے اس میں اس

Presented by www.ziaraat.com

کو ودیعت کیا ہے بس اتنی بات ضرور ہے کہ بعض اشخاص میں یہ قوت خاموش و افسردہ ہے جیسے خاکستر کے اندر چنگاری! اس لئے ہر شخص پر لازم ہے کہ اگر اپنے اندر خاموشی، سستی، بے غیرتی کو محسوس کرے تو (فوراً) اس کے مخالف چیزوں سے علاج کر کے اپنے نفس کو اس حال سے باہر لا کر اس کو معتدل بنائے تاکہ شجاعت کا مستحق بنے اور شجاعت ملکات فاضلہ اور صفات حسنہ میں سے ہے۔ اس کے بعد (انشاء اللہ) اس سے بھی بحث کی جائے گی۔

دوسری فصل

غصہ میں افراط کی مذمت

جس طرح غصہ کا حدِ اعتدال سے کم ہونا صفات رذیلہ میں سے ہے اور بہت سے مفاسد کا سبب ہے "جیسا کہ آپ نے پڑھا" اسی طرح حدِ اعتدال سے تجاوز کرنا بھی اخلاقی برائیوں اور فساد کا سبب ہوا کرتا ہے۔ کافی کی ایک حدیث اس کے فساد پر دلالت کرنے کے لئے کافی ہے:

عَنْ أَبِي عَبْدِاللّٰهِ، عَلَيْهِ السَّلام، قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ: اَلْغَضَبُ يُفْسِدُ الْإِيمَانَ كَمَا يُفْسِدُ الْخَلُّ الْعَسَلَ۔[۸] "امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں: رسولِ خدا نے فرمایا: غصہ ایمان کو اسی طرح فاسد کر دیتا ہے جس طرح سرکہ شہد کو خراب کر دیتا ہے۔"

کیونکہ اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ انسان غصہ کی شدت میں دینِ خدا سے پلٹ جایا کرتا ہے اور نورِ ایمان کو بجھا دیتا ہے، غصہ کی آگ اور اس کی تاریکی عقائد حقہ کو جلا دیتی ہے۔ بلکہ کفر تک پہونچا کر اس کی ہلاکت ابدی کا سبب بن جاتی ہے اور پھر انسان اس وقت متوجہ ہوتا ہے جب ندامت و پشیمانی کا بھی کوئی فائدہ نہیں رہ جاتا۔

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہی آتش غضب جو دل میں لگتی ہے وہ شیطان کی چنگاری ہو جیسا کہ حضرت امام محمد باقرؑ نے فرمایا: إِنَّ هٰذَا الْغَضَبَ جَمْرَةٌ مِنَ الشَّيْطَانِ تُوقَدُ فِي قَلْبِ ابْنِ آدَمَ۔[۹] "یعنی یہ آتشِ غضب شیطان کی وہ چنگاری ہے جس کو اس نے اولادِ آدم کے دل میں بھڑکائی ہے" (اور) اس عالم میں یہ غصہ آتشِ غضبِ الٰہی کی صورت میں نمودار ہوگا جیسا کہ امام محمد باقرؑ

Presented by www.ziaraat.com

نے کافی کی ایک حدیث میں فرمایا ہے "مَكْتُوبٌ فِي التَّوْرَاةِ فِيمَا نَاجَى اللّٰهُ، عَزَّ وَجَلَّ، بِهِ مُوسٰى: يَا مُوسٰى، أَمْسِكْ غَضَبَكَ عَمَّنْ مَلَّكْتُكَ عَلَيْهِ أَكُفُّ عَنْكَ غَضَبِي۔" خداوندِ عالم نے جناب موسیٰؑ کو جو اسرار بتائے اس کے ضمن میں توریت کے اندر لکھا ہے کہ خدا نے موسیٰؑ سے کہا: اے موسیٰ جن لوگوں پر میں نے تم کو مسلط کیا ہے ان پر اپنے غصہ کو روکو (غصہ نہ کرو) تاکہ میں اپنے غصہ کو تم سے روکوں (اور تم پر غصہ نہ کروں) یاد رکھو آتشِ غضبِ الٰہی سے زیادہ دردناک کوئی آتش نہیں ہے جیسا کہ حدیث ہے کہ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام سے ان کو حواریوں نے پوچھا: تمام چیزوں سے سخت تر کون سی چیز ہے؟ حضرت عیسیٰؑ نے فرمایا: غضبِ خدا۔ انھوں نے پھر پوچھا اے ابنِ مریم ہم کس طرح غضبِ خدا سے اپنے کو بچا سکتے ہیں؟ فرمایا: غصہ نہ کرکے!۔"

اس سے معلوم ہوا کہ غضبِ خدا ہر چیز سے زیادہ سخت ہے اور شدید ہے اور اس کے غصہ کی آگ سب سے زیادہ جلانے والی ہے اور غصہ کی صورت اس عالم میں وہی ہے جو اس عالم میں غضبِ خدا کی صورت ہوگی اور جس طرح غصہ دل سے ظاہر ہوتا ہے۔ ہو سکتا ہے آتشِ غضبِ الٰہی جس کا مبدأ غصہ اور دیگر قلبی برائیاں ہیں۔ (بھی) باطن قلب سے ظاہر ہو کر تمام ظاہر کو گھیرے اور انسان کے حواسِ خمسۂ ظاہری، آنکھ، کان، زبان وغیرہ) سے دردناک شعلے ظاہر ہوں۔ بلکہ یہ حواسِ خمسہ وہ دروازے ہوں جو جہنم میں کھلتے ہوں۔ انسانی اعمال کے جہنم اور جسمانی دوزخ کی آگ انسان کے ظاہری بدن کو اپنی لپیٹ میں لے کر پھر اس کے باطن کا رُخ کرتی ہے۔ پس انسان ان دونوں جہنموں کے درمیان فشار و عذاب میں مبتلا ہے۔ ایک جہنم تو وہ ہے جو قلب کے اندر سے ظاہر ہو کر ام الدماغ کے راستہ سے اس کی آگ اور شعلے پورے بدن کو اپنے لپیٹ میں لے لیگا اور دوسرا جہنم وہ ہے جو اعمالِ قبیح اور افعال کی ظاہری شکل (صورت) کا نتیجہ ہوگا۔ یہ ظاہر باطن کی طرف صعود کرے گا اور انسان انھیں دونوں جہنموں میں گرفتارِ عذاب و فشار ہوگا۔

خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ جلنے اور جل کر پگھلنے کے علاوہ اور کیسے کیسے فشاروں اور کیسی کیسی زحمتوں کا سامنا ہوگا۔ تم خیال کرتے ہوگے کہ جہنم (کے شعلوں) کا احاطہ اتنا ہی ہے کہ جتنا تم (عموماً) تصور کرتے ہو؟ (نہیں ایسا نہیں ہے) یہاں (کے شعلے) صرف ظاہر اور سطح کا احاطہ کرتے ہیں۔ لیکن وہاں (کے شعلے) اندر، باہر، سطح اور عمق کا احاطہ کر لیتے ہیں اور اگر خدانخواستہ غصہ کسی انسان کا ایسا ملکہ راسخہ بن جائے کہ جس کی آخری فصل غصہ کی صورت ہو جائے تب تو مصیبت اور بڑھ جائے گی (کیونکہ)

Presented by www.ziaraat.com

برزخ و قیامت میں اس کی صورت ایسے درندہ کی ہوگی جس کی اس دُنیا میں کوئی مثال نہیں ہے۔ اس لئے کہ (اس عالم میں) انسان کی جو درندہ والی شکل ہوگی اس کا قیاس دنیا کے کسی حیوان پر کیا ہی نہیں جاسکتا۔ جس طرح اپنے منفرد کمال کی بنا پر کوئی (جاندار) بھی اس عجوبۂ دہر (انسان) کی برابری نہیں کرسکتا۔ اسی طرح نقص و کمزوری کی انتہا میں اور صفات رذیلہ و ملکاتِ خبیثہ کے اعتبار سے بھی کوئی موجود اس کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ اسی انسان کے لئے «أُولٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ»[12] "وہ لوگ تو جانور بلکہ اس سے بھی زیادہ گمراہ و بدتر ہیں" آیا ہے اور انسان ہی کی سنگدلی کے بارے میں «فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ أَوْ أَشَدُّ قَسْوَةً»[13] (یہ مثلِ پتھر کے سخت ہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ سخت ہیں) آیا ہے۔

آپ نے جو کچھ بھی پڑھا یہ اس شعلۂ سوزناک سے پیدا ہونے والے فساد کا ایک شمہ ہے اور بھی اس صورت میں کہ جب اس سے دوسرے گناہ اور فساد نہ پیدا ہوں۔ (کیونکہ) یہ اندھیرا پھیلانے والی آتش ہے جو انسان کے دنیائے باطن میں بھر جاتی ہے اور محبوس اور دم گھٹنے والی فضا میں کر نورِ ایمان کو بجھا دیتی ہے۔ جس طرح باہم پیچیدہ اور گلا گھونٹنے والا شعلہ کالے دھوؤں میں لپٹ کر نور کو خاموش اور بجھا دیتا ہے اور یہ بات بعید ہی نہیں بلکہ (عادۃً) ناممکنات میں سے ہے کہ غصہ کی شدت اور شعلۂ غضب کے بھڑکتے ہوئے (عالم میں) انسان گناہوں بلکہ ہلاک کرنے والی چیزوں سے نجات حاصل کرسکے۔ (بلکہ) اکثر ایسا دیکھا گیا ہے کہ ایک منٹ کے غصہ اور ملعون شیطانی چنگاری کے شدتِ اشتعال کے وقت انسان نیستی اور ہلاکت کی چٹان پر گر پڑتا ہے اور نعوذ باللہ انبیا و مقدسات کو گالی دینے لگتا ہے نفسِ مظلوم کو قتل کر دیتا ہے، حرمات کی ہتک کا گنہگار ہوتا ہے اور اپنی دنیا و آخرت کو برباد کرلیتا ہے۔ جیسا کہ کافی کی ایک حدیث شریف میں ہے:

«عَنْ أَبِي عَبْدِاللّٰهِ، عَلَيْهِ السَّلَام، فِي حَدِيثٍ كَانَ أَبِي يَقُولُ: أَيُّ شَيْءٍ أَشَدُّ مِنَ الْغَضَبِ؟ إِنَّ الرَّجُلَ لَيَغْضَبُ فَيَقْتُلُ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللّٰهُ وَيَقْذِفُ الْمُحْصَنَةَ.»[14]

"یعنی امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: میرے والدِ ماجد فرمایا کرتے تھے: غصہ سے زیادہ کون سی شئی شدید ہے؟ انسان غصہ میں نفسِ محترمہ کو قتل کر دیتا ہے اور شوہر دار عورت پر افترا بازی کرتا ہے۔"

زیادہ تر بڑے بڑے فتنے اور بُرے امور اسی غصہ کی وجہ سے واقع ہوتے ہیں۔ ہر

Presented by www.ziaraat.com

انسان کو اپنے سلامتی کی حالت میں غصہ کی حالت سے خوفزدہ رہنا چاہیئے اور جو اس آتش سوزاں کا شکار ہو اس کو سکون کی حالت میں اس کے علاج کی فکر کرنی چاہیئے اور اس کے ابتدائی اسباب و شدت غصہ میں اس کے مفاسد و اثرات اور آخر میں اس کے مفاسد کے بارے میں (ٹھنڈے دل سے) نجات حاصل کرنے کے لئے غور و فکر کرنی چاہیئے۔ اس کو یہ سوچنا چاہیئے کہ جس قوت کو خداوند عالم نے نظام عالم کی حفاظت، نوع و شخص کی بقا کے لئے، نظام خانوادگی کو مرتب کرنے کے لئے، بنی نوع انسان کی (ترقی) کے لئے حدود و حقوق کی حفاظت کے لئے مرحمت فرمایا ہے اور جس کے زیر سایہ ظاہر و باطن کے نظام، عالم غیب و شہادت کی اصلاح ہونی چاہیئے۔ اگر انسان اس قوت کو اس کے برخلاف اور مرضئ الٰہی کے مخالف اور مقاصد پروردگار کے برعکس صرف کرے تو اس نے کتنی بڑی خیانت کی ہے اور کن ملامتوں کا مستحق ہے اور کن سزاؤں کا سزاوار ہے، کتنا ظالم[15] و جاہل ہے کہ اس نے خدا کی دی ہوئی امانت خدا کو واپس نہ کی (اور یہ سب ایسے گناہان کبیرہ ہیں جن کی سزاؤں کا تصور بھی محال ہے۔)

یہ تو بہت آسان ہے کہ انسان اس قوت کو دشمنی اور غضب الٰہی مول لینے میں خرچ کر دے۔ مگر (یہ بھی سوچ لے) کہ ایسے شخص کو غضب الٰہی سے امان نہیں ملے گی۔ اس لئے غصہ سے پیدا ہونے والے بُرے اخلاق و اعمال کے بارے میں غور و فکر کرے اور یہ ایسی بُری عادت ہے کہ جس میں ہر انسان ہمیشہ ہمیشہ مبتلا ہو سکتا ہے اور پھر دُنیا میں تو زحمت و مصیبت میں مبتلا رہے اور آخرت میں عذاب و عقاب میں گرفتار رہے۔

اس کے اخلاقی مفاسد میں سے ایک بات یہ ہے کہ بندگان خدا سے کینہ پیدا ہو جاتا ہے بلکہ کبھی تو انبیاء و اولیاء سے کینہ کا سبب بن جاتا ہے۔ حد یہ ہے کہ کبھی ذات مقدس واجب الوجود جو ولی النعم ہے اس سے بھی کینہ پیدا ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں اس کی قباحت و فساد کس درجہ عظیم ہے! میں خدا کی پناہ چاہتا ہوں نفس سرکش کے اس سرکشی سے کہ ایک لمحہ اس کی لگام ڈھیلی چھوڑ دی جائے تو انسان کو خاک مذلت میں گرا دیتا ہے اور ہلاکت ابدی تک پہونچا دیتا ہے۔

اسی طرح غصہ کی ایک برائی حسد ہے کہ جس کی تھوڑی سی برائیاں حدیث پنجم میں بھی بیان کی جا چکی ہیں۔ ان دونوں کے علاوہ دیگر (بے حساب) اخلاقی برائیاں غصہ سے پیدا ہوتی ہیں۔

اور غصہ کے اعمال مفاسد کی تو کوئی انتہا ہی نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کفر بکنے لگے یا (نعوذ باللہ) انبیاء و اولیاء کو دشنام دینے لگے، حرمات الٰہی کی بے حرمتی کر دے، نوامیس محترمہ کی بے عزتی کر دے،

Presented by www.ziaraat.com

پاکیزہ نفوس کو قتل کردے، مظلوم گھرانہ کو خاک مذلت میں پہونچادے، خاندانی نظام کو برباد کردے، رازوں کو فاش کردے، پردوں کو درمیان سے اٹھادے، اس کے علاوہ دیگر برائیاں بھی ہیں جس کا انسان غصہ میں ارتکاب کر بیٹھتا ہے۔ اسی لئے اس علت کو "نفسانی امراض کی ماں" کہا جاسکتا ہے اور ہر برائی کی کنجی قرار دیا جاسکتا ہے اور غصہ کے مقابلہ میں (اچھی بات یہ ہے کہ) غصہ کو پی لینا ہے، آتشِ غضب کو بجھادینا ہے اور یہی جوامع الکلم ہے اور تمام محاسن کا نقطۂ ارتکاز ہے اور مجموعۂ کرامات ہے۔ چنانچہ کافی میں ہے:

«عِدَّةٌ مِنْ أَصْحَابِنَا، عَنْ أَحْمَدَبْنِ مُحَمَّدِ بْنِ خَالِدٍ، بِإِسْنَادِهِ عَنْ أَبِي عَبْدِاللّٰهِ، عَلَيْهِ السَّلَام، قَالَ سَمِعْتُ أَبِي يَقُولُ: أَتَى رَسُولَ اللّٰهِ رَجُلٌ بَدَوِيٌّ، فَقَالَ: إِنِّي أَسْكُنُ الْبَادِيَةَ، فَعَلِّمْنِي جَوَامِعَ الْكَلَامِ. فَقَالَ: آمُرُكَ أَنْ لَا تَغْضَبَ، فَأَعَادَ عَلَيْهِ الْأَعْرَابِيُّ الْمَسْأَلَةَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، حَتَّى رَجَعَ الرَّجُلُ إِلَى نَفْسِهِ، فَقَالَ: لَا أَسْأَلُ عَنْ شَيْءٍ بَعْدَ هَذَا؛ مَا أَمَرَنِي رَسُولُ اللّٰهِ إِلَّا بِالْخَيْرِ قَالَ وَكَانَ أَبِي يَقُولُ: أَيُّ شَيْءٍ أَشَدُّ مِنَ الْغَضَبِ؟ إِنَّ الرَّجُلَ لَيَغْضَبُ فَيَقْتُلُ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللّٰهُ وَيَقْذِفُ الْمُحْصَنَةَ.»[۴]

"امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں: میں نے اپنے والد کو فرماتے ہوئے سنا کہ: ایک بادیہ نشین عرب رسولِ خداؐ کے پاس آکر بولا: میں بادیہ نشین ہوں مجھے جوامع الکلم کی تعلیم فرمائیے (یعنی ایسی چیز جس کے الفاظ کم اور معانی زیادہ ہوں) رسولِ خداؐ نے فرمایا: میں تجھ کو حکم دیتا ہوں کہ غصہ نہ کرنا۔ اس شخص نے تین مرتبہ یہی سوال کیا اور آخر میں اپنے آپ سے کہنے لگا میں اب اس کے بعد کوئی سوال نہیں کروں گا کیونکہ رسولِ خداؐ نے مجھے خیر ہی کا حکم دیا ہے۔ امام صادقؑ فرماتے ہیں: میرے باپ فرماتے تھے: غصہ سے زیادہ کون سی چیز سخت ہے؟ انسان کو جب غصہ آجاتا ہے تو نفسِ محترمہ کو قتل کر دیتا ہے اور شوہردار عورت پر (زنا کا) الزام لگاتا ہے۔"

پس ہر عقلمند انسان کا فریضہ ہے کہ سکونِ نفس اور عدم غصہ کی حالت میں غصہ کے مفاسد اور غصہ پی لینے کے فوائد میں غور و فکر کرکے اپنے لئے لازم قرار دے لے کہ ہر قیمت اور ہر رنج و زحمت کے باوجود اس آتشِ غضب اور شعلۂ فروزاں کو اپنے دل سے بجھا کر اپنے دل کو اس کی کدورت و ظلمت سے پاک کرے گا اور یہ کام خواہشِ نفس کے خلاف اقدام کرنے و عمل کرنے

Presented by www.ziaraat.com

اور غصہ کے نتائج میں غور و فکر کرنے اور نفس کو نصیحت کرنے سے ممکن ہو سکتا ہے اور اس طرح وہ فاسد اخلاق، بُرے ملکات کو اپنے نفس سے دور کر سکتا ہے اور تمام محاسن و ملکاتِ حسنہ کو اپنے دل میں جگہ دے کر اپنی روح کو اس سے مزین کر سکتا ہے۔

تیسری فصل

غصہ بھڑکنے کی صورت میں اس کا علاج

آتشِ غضب کے بھڑکنے کی صورت میں بھی اس کے لئے دو علاج "علمی و عملی" ہیں۔

۱۔ علمی طریقہ:۔ ذکر شدہ امور میں غور و فکر کرنا بھی ایک علمی و نظری علاج ہے۔

۲۔ عملی طریقہ:۔ سب سے عمدہ طریقہ انصرافِ نفس اپنی خواہش نفس کو نظر انداز کرنا ہے اور یہ غصہ کے ابتدائی مرحلہ میں ممکن ہوتا ہے۔ کیونکہ غصہ آگ کی طرح تھوڑا تھوڑا کر کے بھڑکتا اور شدید ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ جب اس کا تنور گرم ہو جاتا ہے اور اس کے شعلے لپکنے لگتے ہیں تب انسان اپنے آپ سے بے قابو ہو جاتا ہے اور عقل و ایمان کا نور بجھ جاتا ہے۔ چراغِ ہدایت خاموش ہو جاتا ہے اور پھر انسان بے چارہ و ذلیل ہو جاتا ہے (اس لئے) انسان کو چاہیئے کہ غصہ بھڑکنے سے پہلے اور آتشِ غضب کے شعلہ آور ہونے سے قبل اپنے کو دوسرے کاموں میں لگا دے (مثلاً) جس جگہ غصہ کے اسباب فراہم ہوئے ہیں وہاں سے چلدیتا، یا اپنی حالت میں تغیر پیدا کرلے (مثلاً) بیٹھا ہے تو کھڑا ہو جائے، کھڑا ہے تو بیٹھ جائے یا ذکرِ الٰہی میں مشغول ہو جائے۔ بلکہ بعض حضرات ایسی صورت میں ذکرِ خدا کو واجب جانتے ہیں۔ یا کسی اور کام میں مشغول ہو جائے۔ بہر حال ابتدا میں اس پر قابو پالینا بہت آسان ہے اور اس کے دو فائدے ہیں۔

۱۔ ایسی صورت میں اپنے نفس کو سکون میں لائے اور شعلۂ غضب کو دھیما کر دے۔

۲۔ نفس کے بنیادی علاج کی طرف توجہ کرے۔ اگر کچھ دن انسان اپنی حالت کو قابو میں رکھے اور نفس سے اسی طرح کے معاملات کرے تو اس میں بالکل تغیر پیدا ہو جائے گا اور وہ معتدل پسند ہو جائے گا۔

بعض احادیث میں اس مطلب کی طرف اشارہ بھی کیا گیا ہے۔ چنانچہ کافی میں ہے:

Presented by www.ziaraat.com

«بِإِسْنَادِهِ عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ إِنَّ هٰذَا الْغَضَبَ جَمْرَةٌ مِنَ الشَّيْطَانِ تُوقَدُ فِي قَلْبِ ابْنِ آدَمَ. وَإِنَّ أَحَدَكُمْ إِذَا غَضِبَ إِحْمَرَّتْ عَيْنَاهُ وَانْتَفَخَتْ أَوْدَاجُهُ وَدَخَلَ الشَّيْطَانُ فِيهِ، فَإِذَا خَافَ أَحَدُكُمْ ذٰلِكَ مِنْ نَفْسِهِ، فَلْيَلْزَمِ الْأَرْضَ؛ فَإِنَّ رِجْزَ الشَّيْطَانِ لَيَذْهَبُ عَنْهُ عِنْدَ ذٰلِكَ.»[۱۸]

"حضرت باقر العلوم علیہ السلام نے فرمایا: بیشک غصہ ابن آدمؑ کے دل میں چمکتی ہوئی چنگاری ہے۔ تم میں سے جب کوئی غصہ میں آتا ہے تو اس کی آنکھیں سرخ ہو جاتی ہیں اور گلے کی رگیں پھول جاتی ہیں اور شیطان اس میں داخل ہو جاتا ہے۔ (یعنی اس پر شیطان کا پورا عمل دخل ہو جاتا ہے) اس لئے جب تم میں سے کسی کو ایسا خطرہ محسوس ہو تو (اگر کھڑے ہو تو زمین پر) بیٹھ جاؤ کیونکہ اس طرح شیطانی پلیدی دور ہو جائے گی۔"

«وَبِإِسْنَادِهِ عَنْ مَيْسَرٍ قَالَ: ذُكِرَ الْغَضَبُ عِنْدَ أَبِي جَعْفَرٍ، عَلَيْهِ السَّلَامُ، فَقَالَ: إِنَّ الرَّجُلَ لَيَغْضَبُ فَمَا يَرْضَى أَبَداً حَتّٰى يَدْخُلَ النَّارَ فَأَيُّمَا رَجُلٍ غَضِبَ عَلٰى قَوْمٍ وَهُوَ قَائِمٌ فَلْيَجْلِسْ مِنْ فَوْرِهِ ذٰلِكَ، فَإِنَّهُ سَيَذْهَبُ عَنْهُ رِجْزُ الشَّيْطَانِ، وَأَيُّمَا رَجُلٍ غَضِبَ عَلٰى ذِي رَحِمٍ فَلْيَدْنُ مِنْهُ فَلْيَمَسَّهُ، فَإِنَّ الرَّحِمَ إِذَا مُسَّتْ سَكَنَتْ.»[۱۹]

"راوی کہتا ہے: حضرت امام محمد باقرؑ کی مجلس میں غصہ کا ذکر آگیا تو حضرتؑ نے فرمایا: جب انسان کو غصہ آجاتا ہے تو وہ غصہ انسان کو جہنم پہونچائے بغیر راضی نہیں ہوتا۔ پس تم میں سے اگر کسی کو کسی قوم پر غصہ آجائے اور وہ کھڑا ہو تو فوراً بیٹھ جائے تاکہ وسوسۂ شیطان دور ہو جائے اور جس کو کسی رشتہ دار پر غصہ آجائے تو وہ اس کے قریب جاکر اپنے کو اس سے مس کرے اس لئے کہ رحم کو جب مس کیا جاتا ہے تو وہ غصہ ختم ہو جاتا ہے۔"

اس حدیث سے غصہ کا دو عمل علاج حاصل ہوا۔

۱۔ ایک تو عمومی علاج ہے یعنی (کھڑے سے) بیٹھ جانا اور اپنی حالت میں تغیر پیدا کرنا۔ جیسا کہ دوسری حدیث میں ہے کہ اگر بیٹھے ہوئے غصہ آجائے تو کھڑا ہو جائے۔ اور عامہ کے یہاں روایت ہے کہ رسولِ خدا کو جب غصہ آتا تھا تو آپؐ کھڑے ہوتے تھے تو بیٹھ جاتے تھے اور بیٹھے

Presented by www.ziaraat.com

ہوتے تھے تو لیٹ جاتے تھے اس طرح آپ کا غصہ ختم ہو جاتا تھا۔[21]

۲۔ دوسرا علاج خصوصی ہے جو صرف قرابت داروں سے متعلق ہے کہ اگر ایک قربت دار کو دوسرے قرابت دار پر غصہ آجائے تو فوراً اس کو جا کر مس کرے غصہ ختم ہو جائے گا یہ سب تو طریقہ علاج اس شخص کا ہے جس کو غصہ آجائے اور وہ خود اپنا علاج کرنا چاہے۔

اور اگر دوسرے لوگ اس غصہ میں آئے ہوئے شخص کا علاج کرنا چاہیں تو اگر غصہ ابھی ابتدائی منزل میں ہے تو کسی اس علمی یا عملی طریقہ سے علاج کریں جس کا ذکر ہو چکا ہے۔ لیکن اگر غصہ میں شدت ہو تو نصیحت نہ کریں۔ کیونکہ نصیحت سے برعکس نتیجہ نکلے گا اور اس کا علاج اس طرح مزید دشوار ہو جائے گا۔ البتہ اس کو کسی ایسے شخص سے ڈرایا جائے جس کا اس پر رعب و دبدبہ ہو۔ اس لئے کہ انسان کو صرف انھیں لوگوں پر غصہ آتا ہے جن کے مقابلہ میں وہ اپنے آپ کو طاقتور سمجھتا ہے یا کم از کم اپنے برابر کا سمجھتا ہے۔ لیکن جن لوگوں کو اپنے اوپر غالب سمجھتا ہے ان پر غصہ نہیں کرتا۔ بلکہ اس کے دل میں خون جوش مارتا ہے اور باطنی اشتعال کا سبب بنتا ہے اور انسان اندر ہی اندر گھٹتا رہتا ہے اور اس کے دل میں ایک حزن و ملال پیدا ہو جاتا ہے۔ اس لئے غصہ کی شدت و اشتعال کا علاج بہت ہی مشکل و دشوار ہے۔ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْہُ

چوتھی فصل

غصہ کا علاج اس کے اسباب کی بیخ کنی کر کے

غصہ کے بنیادی علاجوں میں ایک تو غصہ میں لانے والے اسباب کے مادے کا قلع قمع کر دینا ہے۔ ویسے غصہ میں لانے والے اسباب تو بہت ہیں مگر میں یہاں صرف ان کا ذکر کروں گا جو اس کتاب کے مناسب ہوں گے۔

ایک سبب حُبِّ نفس ہے اور اسی حُبِّ نفس سے حُبِّ مال، حُبِّ جاہ، حُبِّ شرف، حُبِّ نفوذِ ارادہ، حبِ بسط قدرت بھی پیدا ہوتی ہے اور یہ سب نوعاً آتشِ غضب کو ہیجان میں لانے والے اسباب ہیں۔ کیونکہ جس شخص کو ان چیزوں سے محبت ہوتی ہے وہ ان چیزوں کو بھی بہت اہمیت دیتا ہے اور ان چیزوں کے لئے اس کے دل میں زیادہ وقعت پیدا ہوتی ہے۔ ان میں سے

Presented by www.ziaraat.com

کسی کی راہ میں اگر اس کے لئے رکاوٹ پیدا ہو جائے یا مزاحمت کا احتمال بھی پیدا ہو جائے تو وہ بے موقع غصہ میں آجاتا ہے اور جوش و خروش کا مظاہرہ کرنے لگتا ہے اور پھر اپنے اوپر قابو نہیں رکھ پاتا اور حرص و طمع اور دیگر وہ برائیاں جو حُبِّ نفس و جاہ کی بنا پر دل میں پیدا ہوتی ہیں اس کے ہاتھ سے لگام چھین لیتی ہیں اور نفس کے تمام کاموں کو عقل و شرع کے راستہ سے منحرف کر دیتی ہیں۔

البتہ اگر ان چیزوں سے اس کی محبت شدید نہ ہو تو پھر وہ ان امور کو اہمیت نہیں دیتا اور ترکِ حُبِّ جاہ و شرف اور اس طرح کی دوسری چیزوں سے دور رہنے پر حاصل ہونے والے دلی سکون اور انس سے پیدا شدہ اطمینان کو فوقیت دیتا ہے اور پھر وہ عدالت کے خلاف قدم نہیں اٹھاتا اور بغیر کسی تکلف و زحمت کے سختی و ناملائمات کو بربادی سے برداشت کرتا ہے اور صبر کی لگام بھی اس کے ہاتھ سے نہیں چھوٹنے پاتی اور نہ وہ بے موقع بے اندازہ غصہ کرتا ہے اور اگر حُبِّ دنیا اس کے دل سے نکل جائے اور یہ فاسد مادہ بالکلیہ ختم ہو جائے تو دل کی تمام برائیاں رخصت ہو جائیں گی اور ان کی جگہ مملکت روح میں اخلاقی خوبیاں لے لیں گی۔

دوسرا سبب غصہ کے بھڑکنے کا یہ ہوتا ہے کہ انسان اپنی جہالت و نادانی کی وجہ سے غصہ اور اس سے حاصل ہونے والی برائیوں کو کمال سمجھتا ہے اور ان کا شمار محاسن میں کرتا ہے جبکہ یہ چیزیں عظیم ترین نقائص اور بدترین رذائل ہوتی ہیں۔ چنانچہ بعض جوانمرد انھیں برائیوں کو شجاعت و شہامت و بزرگی خیال کرتے ہیں اور اس کی تعریف و توصیف کرتے ہیں کہ میں نے ایسا کر دیا ویسا کر دیا۔ ایسے جوان شجاعت کو، جو مومنین کی عظیم ترین صفات میں سے ہے اور صفات حسنہ میں سے ہے بدترین صفت اور ہلاک کرنے والی صفتِ غضب میں فرق نہ کرنے کی وجہ سے اشتباہ کرتے ہیں۔

اس لئے پہلے آپ یہ سمجھ لیں شجاعت غضب کے علاوہ دوسری چیز ہے۔ شجاعت کے اسباب و مبادی آثار و خواص غصہ کے اسباب و مبادی، آثار و خواص سے بالکل الگ ہوتے ہیں۔ (مثلاً) شجاعت کا مبداء قوتِ نفس اور اس کا اطمینان، اعتدال، ایمان اور زیبائش دنیا و اس کی پستی و بلندی کی طرف سے لاپرواہی ہوا کرتی ہے۔

لیکن غصہ نفس کی کمزوری اور اس کے تزلزل، ایمان کی سستی، مزاج روح کے عدم اعتدال، محبتِ دنیا اور دنیا کو اہمیت دینے، لذائذ نفسانیہ کے ہاتھ سے نکل جانے کے خوف سے پیدا ہوتا ہے۔ اسی لئے غصہ مردوں کے مقابلہ میں عورتوں کو تندرست لوگوں کے مقابلہ میں بیماروں کو

Presented by www.ziaraat.com

بڑوں کے مقابلہ میں بچوں میں اور جوانوں کے مقابلہ میں بوڑھوں میں زیادہ ہوتا ہے اور شجاعت اس کے بالکل برعکس ہے۔ جن لوگوں میں اخلاقی کمزوریاں زیادہ ہوتی ہیں ان کو بہ نسبت ان لوگوں کے جن میں اخلاقی خوبیاں ہوتی ہیں زیادہ غصہ آتا ہے۔ چنانچہ آپ خود دیکھئے اگر کوئی بخیل کے مال و منال سے متعرض ہو تو دوسروں کے بہ نسبت اس کو غصہ بہت زیادہ آتا ہے۔ یہ چیزیں تو شجاعت و غضب کے اسباب و مبادی کے لحاظ سے تھیں۔ مگر یہ دونوں (شجاعت و غضب) آثار کے اعتبار سے بھی مختلف ہیں۔

(مثلاً) غصہ ور آدمی شدت غیظ و غضب کی حالت میں دیوانوں کی طرح بے عقل و بے لگام ہو جاتا ہے۔ پھاڑ کھانے والے حیوانوں کی طرح انجام کو سوچے بغیر، غور و فکر کئے بغیر، حکم عقل کے خلاف اقدام کرتا ہے۔ زشت و قبیح افعال و کردار اس سے سرزد ہونے لگتے ہیں۔ اس کو اپنی زبان ہاتھ پیر اور دیگر اعضا پر قابو نہیں رہ جاتا۔ لب و دہن، چشم (و پلک) کو اس بُری طرح استعمال کرتا ہے کہ اگر اسی غصہ کی حالت میں اس کے ہاتھ میں آئینہ دیدیں تو وہ خود اپنی بدصورتی پر نادم و شرمندہ ہو جائے گا۔ بعض غصہ ور لوگ تو بے شعور حیوانوں بلکہ جمادات پر بھی غصہ کرتے ہیں، ہوا، زمین، برف باد و باراں، (بلکہ) سارے حادثات کو، اگر ان کے مرضی کے مطابق نہ ہوں تو، گالی دینے لگتے ہیں، کبھی قلم و کتاب، کاسہ و کوزہ پر اپنا غصہ اُتارنے لگتے ہیں (مثلاً) ان کو توڑنے لگتے ہیں، پھاڑنے لگتے ہیں۔

لیکن بہادر آدمی ان تمام اُمور میں اس کے برخلاف ہوتا ہے۔ اس کے تمام افعال غور و فکر کے ساتھ، میزان عقل کے مطابق اور اطمینان نفس کے ساتھ ہوا کرتے ہیں۔ غصہ کی جگہ پر غصہ کرتا ہے۔ بردباری کی جگہ بردباری کرتا ہے، ہر چیز اس کو غصہ میں مبتلا نہیں کر سکتی۔ غصہ کے موقع پر بھی بقدر ضرورت غصہ کرتا ہے اور بڑی سمجھ بوجھ اور عقل سے انتقام لیتا ہے۔ وہ یہ سمجھتا ہے کس سے انتقام لے، کتنا انتقام لے اور کس طرح انتقام لے۔ کس کو معاف کر دے۔ کس سے غض بصر کرلے غصہ کے وقت بھی عقل کی لگام اس کے ہاتھ میں ہوتی ہے وہ غصہ میں بھی بُری بات نہ منہ سے نکالتا ہے نہ اعضا و جوارح سے بُرے افعال کی طرف جلدی کرتا ہے۔ اس کے تمام کام عقل و شرع کے مطابق اور عدل و انصاف پر مبنی ہوتے ہیں وہ اگر اقدام بھی کرتا ہے تو اس طرح کہ آخر میں پشیمان نہ ہو۔

لہٰذا سمجھ دار انسان کو ایسا نہیں کرنا چاہیئے کہ شجاعت جو انبیاء اولیا اور مومنین کے صفات

Presented by www.ziaraat.com

میں سے ہے اور نفس کے فضائل و کمالات میں سے ہے اور غصہ جو شیطانی صفت ہے خناس کا وسوسہ ہے رذائلِ نفسانی میں سے ہے قلبی نقائص میں سے ہے کے درمیان کوئی فرق ہی نہ کرے اور اشتباہ میں مبتلا رہے۔ مگر (حقیقت یہ ہے کہ) جہل و نادانی کا حجاب، حبِ نفس و دنیا کا حجاب انسان کے چشم و گوش بند کر دیتا ہے اور اس کو بے چارہ بنا دیتا ہے اور ہلاک کر دیتا ہے۔

(علمائے کرام نے) غصہ کے دیگر اسباب بھی ذکر کئے ہیں مثلاً عُجب، افتخار، تکبر، ریاکاری، چمچیڑپن، مذاق وغیرہ لیکن ہر ایک کی تفصیل موجبِ طول مقام و مقال و ملالتِ حال ہوگی اور شاید باواسطہ یا بلاواسطہ یہ تمام کے تمام یا زیادہ تر کی بازگشت انھیں دو مبداء کی طرف ہو۔ جن کا ہم نے ذکر کیا ہے۔ (اس لئے ان کا ذکر نہ کرنا ہی بہتر ہے) والحمدللہ۔

www.ziaraat.com
Sabeel-e-Sakina

Presented by www.ziaraat.com

ساتویں حدیث کی توضیحات

۱۔ اصولِ کافی جلد ۲، ص ۳۰۳، کتاب ایمان و کفر، باب الغضب، حدیث ۳۔

۲۔ احمد بن محمد بن یعقوب مسکویہ (۳۲۰-۴۲۱ھ ق) مشہور اسلامی طبیب و فلسفی تھے۔ طب علمی و عملی، لغت، ادب، فنون شعر و کتابت، منطق و ریاضیات خصوصاً علم اخلاق میں بہت مشہور تھے آپ کے آثار میں: ترتیب السعادۃ، تہذیب الاخلاق و تطہیر الاعراق، جاویدان خرد، آداب الفرس والعرب، تجارب الامم و تعاقب الھمم ہیں۔

۳۔ بقراط (۴۶۰-۳۷۷ ق۔م) میں یونان کے جزیرہ کوس میں پیدا ہوا یہ شخص مشہور ترین طبیب اور قدیم فلاسفہ میں بہت مشہور ہے یہ شخص امراض کے لئے صرف دو نشانہ غذا و ہوا کا قائل تھا۔

۴۔ تہذیب الاخلاق و تطہیر الاعراق (مطبوعہ مصر) ص ۱۶۲۔

۵۔ (مومنین) کافروں پر سخت اور آپس میں ایک دوسرے پر مہربان ہیں۔ (فتح / ۲۹)

۶۔ یہ اس حدیث کی طرف اشارہ ہے «أعدیٰ عَدُوِّکَ نَفْسُکَ الَّتِي بَیْنَ جَنْبَیْکَ» تمہارا سب سے بڑا دشمن تو تمہارا نفس ہے جو تمہارے دونوں پہلوؤں کے درمیان ہے۔ عوالی اللئالی جلد ۴ ص ۱۱۸، بحار الانوار جلد ۶۷ کتاب ایمان و کفر، باب ۴۵، حدیث ۱۔

۷۔ تہذیب الاخلاق و تطہیر الاعراق (مطبوعہ مصر) ص ۱۷۲۔

۸۔ اصولِ کافی جلد ۲، ص ۳۰۲، کتاب ایمان و کفر، باب غضب، حدیث ۱۔

۹۔ اصولِ کافی جلد ۲، ص ۳۰۴-۳۰۵، کتاب ایمان و کفر، باب غضب، حدیث ۱۲۔

۱۰۔ اصولِ کافی جلد ۲، ص ۳۰۳، کتاب ایمان و کفر، باب غضب، حدیث ۷۔

۱۱۔ «عَنْ أَبِي عَبْدِاللّٰہِ (ع) قَالَ: قَالَ الْحَوَارِیُّونَ لِعِیسٰی (ع) «أَيُّ الْأَشْیَاءِ أَشَدُّ؟ قَالَ أَشَدُّ الْأَشْیَاءِ غَضَبُ اللّٰہِ عَزَّ وَجَلَّ، قَالُوا: بِمَا نَتَّقِي غَضَبَ اللّٰہِ؟ قَالَ بِأَنْ لَا تَغْضَبُوا۔» وسائل الشیعہ جلد ۱۱،

Presented by www.ziaraat.com

ص، ۲۸۹، ابواب جہاد نفس، باب ۵۲، حدیث ۱۵۔

۱۲۔ اعراف/۱۷۹۔

۱۳۔ سورۂ بقرہ، آیت ۱۷۴۔

۱۴۔ اصول کافی جلد ۲، ص ۳۰۲، کتاب ایمان و کفر، باب غضب، حدیث ۴۔

۱۵۔ یہ سورۂ احزاب کی ۷۲ ویں آیت کی طرف اشارہ ہے اور وہ یہ ہے۔

﴿إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَنْ يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا﴾۔ بے شک ہم نے (روز ازل) اپنی امانت کو سارے آسمان اور زمین پہاڑوں کے سامنے پیش کیا تو انھوں نے اس کے اٹھانے سے انکار کیا اور اس سے ڈر گئے اور آدمی نے اس کو اٹھا لیا۔ یقیناً انسان (اپنے حق میں) بڑا ظالم اور نادان ہے۔

۱۶۔ اصول کافی جلد ۲، ص ۳۰۲، کتاب ایمان و کفر، باب غضب، حدیث ۴۔

۱۷۔ شیخ حر عاملی نے اپنی کتاب وسائل الشیعہ میں غصہ کی حالت میں ذکر خدا کو واجب جانا ہے۔ وسائل الشیعہ جلد ۱۱، ص ۲۹۱، کتاب الجہاد، ابواب جہاد نفس، باب ۸۴۔

۱۸۔ اصول کافی جلد ۲، ص ۳۰۲-۳۰۵، کتاب ایمان و کفر، باب غضب، حدیث ۱۲۔

۱۹۔ اصول کافی جلد ۲، ص ۳۰۲، کتاب ایمان و کفر، باب غضب، حدیث ۲۔

۲۰۔ ﴿عَنْ أَبِي عَبْدِاللّٰهِ، عَلَيْهِ السَّلَامُ، عَنْ آبَائِهِ، عَلَيْهِمُ السَّلَامُ، أَنَّهُ ذُكِرَ عِنْدَهُ الْغَضَبُ، فَقَالَ: إِنَّ الرَّجُلَ لَيَغْضَبُ حَتّٰى مَا يَرْضٰى أَبَدًا وَيَدْخُلُ بِذٰلِكَ النَّارَ وَأَيُّمَا رَجُلٍ غَضِبَ وَهُوَ قَائِمٌ فَلْيَجْلِسْ، فَإِنَّهُ سَيَذْهَبُ عَنْهُ رِجْزُ الشَّيْطَانِ؛ وَإِنْ كَانَ جَالِسًا فَلْيَقُمْ﴾ امام جعفر صادقؑ نے اپنے باپ سے روایت کی ہے کہ ان کے سامنے غصہ کا ذکر آگیا تو حضرت باقرؑ نے فرمایا: بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ کسی طرح راضی ہی نہیں ہوتے اور اس کے سبب سے جہنم میں جاتے ہیں اگر کوئی حالت قیام میں غصہ میں مبتلا ہو جائے تو اس کو بیٹھ جانا چاہیئے اور اگر بیٹھا ہوا ہے اور غصہ آجائے تو کھڑا ہو جانا چاہیئے کہ اس طرح شیطان کی پلیدی اس سے دور ہو جائے گی۔ مراۃ العقول جلد ۱۰، ص ۱۴۶، کتاب ایمان و کفر، باب غضب، شرح حدیث ۲۔

۲۱۔ ﴿عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ (ص) إِذَا غَضِبَ وَهُوَ قَائِمٌ جَلَسَ وَإِذَا غَضِبَ وَهُوَ جَالِسٌ اِضْطَجَعَ فَيَذْهَبُ غَيْظُهُ﴾۔ مراۃ العقول جلد ۱۰، ص ۱۴۶، باب الغضب، مسند احمد بن حنبل جلد ۵، ص ۱۵۲، ابوذر سے نقل کرتے ہیں: رسولؐ خدا نے غصہ کی صورت میں ہم کو یہ دستور دیا ہے۔

Presented by www.ziaraat.com

آٹھویں حدیث

«بِسَنَدِي الْمُتَّصِلِ إِلَى مُحَمَّدِ بْنِ يَعْقُوبَ عَنْ عَلِيِّ بْنِ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنِ النَّوْفَلِي، عَنِ السَّكُونِي، عَنْ أَبِي عَبْدِاللّٰهِ، عَلَيْهِ السَّلَام، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ: مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ حَبَّةٌ مِنْ خَرْدَلٍ مِنْ عَصَبِيَّةٍ، بَعَثَهُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَعَ أَعْرَابِ الْجَاهِلِيَّةِ.»

ترجمہ: سکونی امام جعفر صادقؑ کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں کہ امامؑ نے فرمایا: رسولِ خدا کا ارشاد ہے جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر عصبیت ہوگی۔ خدا اس کو روزِ قیامت جاہلی عربوں کے ساتھ اُٹھائے گا۔

شرح: قدیم فارسی میں "خردل" کو "اسپندان" کہتے تھے لیکن آجکل خردل (رائی) کہتے ہیں۔ خردل ایک مشہور دوا ہے جس کے بہت سے خواص ہیں۔ اسی سے مشمع ۲ بنایا جاتا ہے۔ (اور جو شخص عصبیت رکھے اس کو عصبی کہا جاتا ہے)۔

عصبی: اس شخص کو کہتے ہیں جو اپنے رشتہ داروں کے ظلم کی حمایت کرے اور "عصبۃ" پدری رشتہ داروں کو کہتے ہیں۔ کیونکہ رشتہ دار باپ کو اپنے گھیرے میں لے لیتے ہیں اور باپ ان کی وجہ سے شدید ہو جاتا ہے۔ "عصبیت" اور "تعصب" کے معنیٰ "حمایت کرنے" کے ہیں اور

Presented by www.ziaraat.com

دفاع کرنے کے ہیں۔ یہ تو اہلِ لغت کے کلمات تھے جن کا ذکر کیا گیا۔

فقیر (امام خمینی قدہ) عرض کرتا ہے۔ عصبیت ایک نفسانی و باطنی صفت ہے جس کے آثار میں سے اپنے رشتہ داروں (بلکہ) مطلق متعلقین کی حمایت و دفاع کرنا ہے۔ متعلقین میں چاہے وہ لوگ ہوں جو دینی، مذہبی یا مسلکی تعلق رکھتے ہوں یا وطنی و آبی و خاکی تعلق رکھتے ہوں یا کسی اور قسم کا تعلق رکھتے ہوں سب ہی مُراد ہیں مثلاً ہم پیشہ ہوں، اُستادی شاگردی کا تعلق ہو یا اور کوئی۔

عصبیت اخلاقِ فاسدہ اور ملکاتِ رذیلہ میں سے ہے اور اس سے بہت سے اخلاقی و اعمالی مفاسد پیدا ہوتے ہیں۔ عصبیت بذات خود مذموم ہے چاہے وہ حق کے لئے ہو یا کسی دینی امر کے لئے ہو بشرطیکہ اس کا مقصد اظہارِ حق نہ ہو۔ بلکہ اس کا مقصد اپنا یا اپنے ہم مسلک یا اپنے سے وابستہ کسی شخص کا غلبہ ہو۔

لیکن اظہارِ حق کرنا، حقیقت کی ترویج کرنا، مطالبِ حقہ کا اثبات کرنا اور اس کی حمایت کرنا یہ سب چیزیں یا تو عصبیت نہیں ہیں اور اگر عصبیت ہیں تو قابلِ مذمت نہیں ہیں۔ اس کا معیار اغراض و مقاصد کے فرق پر ہے۔ اگر نفس و شیطان کی مدخلیت ہے تو مذموم ہے اور اگر حق و رحمان کی مدخلیت ہے تو مذموم نہیں ہے۔

دوسرے لفظوں میں یوں سمجھئے: انسان اپنے سے وابستہ لوگوں اور تعلق رکھنے والوں کی جو حمایت کرتا ہے اور ان کا جو دفاع کرتا ہے اگر اس کا مقصد صرف اظہارِ حق اور باطل کو فنا کرنا ہے تو یہ عصبیت ممدوح ہے اور حق و حقیقت کی حمایت ہے اور بہترین صفاتِ کمالِ انسانی ہے اور سیرتِ انبیاء و اولیاء ہے اور اس کی پہچان یہ ہے کہ جدھر حق ہو اس کی حمایت کرتا ہو چاہے حق والا آدمی اس سے وابستہ بھی نہ ہو۔ بلکہ چاہے اس کا دشمن ہو۔ ایسا شخص حقیقت کی حمایت کرنے والا ہے اور فضیلت کے طرفداروں میں سے ہے، مدینۂ فاضلہ کے حمایت کرنے والوں میں ہے، معاشرہ کا ایک اچھا ممبر ہے اور معاشرے کی برائیوں کا اصلاح کرنے والا ہے۔ لیکن اگر اس کی نفسانیت اور اس کی قوتیت اس کو اس بات پر آمادہ کرتی ہے کہ اگر اپنے رشتہ داروں یا وابستگان میں سے ہے تب تو چاہے وہ لوگ باطل پر ہوں پھر بھی ان کا ساتھ دیتا ہے اور ان کی حمایت کرتا ہے تو اس شخص کے اندر ملکۂ خبیثہ ہے، جاہلی عصبیت ہے۔ فاسد معاشرے کا ممبر ہے اخلاط صالحہ کو فاسد کرنے والا ہے اور اس کا شمار جاہلیت والے عربوں میں ہے۔ جاہلی عرب سے مُراد وہ بادیہ نشین عرب ہیں جو اسلام سے پہلے تھے جب تاریکی و جہالت و نادانی کا دور دورہ تھا ان لوگوں میں عصبیت

Presented by www.ziaraat.com

بہت زیادہ تھی بلکہ واقعہ یہ ہے کہ مطلق عرب میں دوسرے لوگوں کے بہ نسبت تعصب کچھ زیادہ ہی ہوتا ہے بس اس خبیث صفت سے وہ لوگ مستثنیٰ تھے جنھوں نے نورِ ہدایت سے ہدایت حاصل کرلی تھی۔ چنانچہ حدیث شریف میں حضرت امیرالمومنینؑ سے منقول ہے کہ خداوندِ عالم چھ گروہوں کو چھ چیزوں پر عذاب کرے گا۔

۱ــــ عربوں کو عصبیت پر ۲ــــ زمینداروں کو تکبر پر ۳ــــ امیروں کو ظلم و ستم پر
۴ــــ فقہا کو حسد پر ۵ــــ تاجروں کو خیانت پر ۶ــــ دیہاتیوں کو نادانی پر۔[۳]

پہلی فصل

عصبیت کے مفاسد

اہلِ بیتؑ کی حدیثوں سے پتہ چلتا ہے کہ عصبیت ایک مہلک و سبب سوءِ عاقبت و خروج از ایمان ہے اور شیطان کے بُرے اخلاق میں سے ہے۔ کافی میں صحیح سند کے ساتھ امام جعفر صادقؑ نے فرمایا:

: مَنْ تَعَصَّبَ أَوْ تُعُصِّبَ لَهُ فَقَدْ خَلَعَ رِبْقَ الْإِيمَانِ مِنْ عُنُقِهِ.[۴]

"جو شخص تعصب کرتا ہے یا اس کے لئے تعصب کیا جاتا ہے اس کے گلے سے ایمان کی رسی کھول دی جاتی ہے۔" یعنی وہ ایمان سے خارج ہوجاتا ہے اور جس کے لئے تعصب کیا جاتا ہے وہ بھی تعصب کرنے والے کے عمل پر چونکہ راضی رہتا ہے لہٰذا اس کی جزا میں بھی شریک ہوتا ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے: "جو شخص کسی قوم کے فعل پر راضی رہتا ہے وہ بھی اسی قوم میں شمار کیا جاتا ہے۔"[۵] لیکن اگر راضی نہ ہو بلکہ اس سے متنفر ہو تو پھر اس قوم کے ساتھ شریک ہونے میں حدیث کا مفہوم شامل نہیں ہے۔

«وَ عَنْ أَبِي عَبْدِاللّٰه، عَلَيْهِ السَّلام، قَالَ: مَنْ تَعَصَّبَ، عَصَبَهُ اللّٰهُ بِعِصَابَةٍ مِنَ النَّارِ»[۶] "جو تعصب برتے گا۔ خدا اس کے سر پر آگ لپیٹ دے گا۔"

«وعَنْ عَلِيِّ بْنِ الحسين، عَلَيْهِمَا السَّلام، قَالَ: لَمْ يَدْخُلِ الْجَنَّةَ حَمِيَّةٌ غَيْرُ حَمِيَّةِ حَمْزَةَ بْنِ عَبْدِالْمُطَّلِبِ؛ وَذٰلِكَ حِينَ أَسْلَمَ غَضَباً لِلنَّبِيِّ.»[۷]

Presented by www.ziaraat.com

"جناب امام زین العابدینؑ فرماتے ہیں: بہشت میں جناب حمزہ بن عبد المطلب کے علاوہ کوئی عصبیت داخل نہیں ہوئی کہ جب آپ نے رسولِ خدا کے لئے عصبیت برتی تھی۔" جناب حمزہ کے اسلام لانے کا واقعہ کئی طریقوں سے منقول ہے جو ہمارے مقصد سے خارج ہے۔[۸]

خلاصہ یہ ہے کہ ایمان "جو نورِ الٰہی ہے اور خداوندِ عالم کی وہ غیبی خلعت ہے جو اس نے اپنے خاص بندوں، مخلصین بارگاہ، مخصوصانِ محفلِ انس کو مرحمت فرمایا ہے" ایسی خصلت کے منافی ہے جو حق و حقیقت کو پامال کرتی ہو، راستی و درستی کو زیر پائے جہل و نادانی رگڑتی ہو۔

(یاد رکھئے) اگر دل کے آئینہ میں خود خواہی، اقرباپرستی، جاہلیت کی بے موقع عصبیت کا زنگ لگ جائے تو اس میں نورِ ایمان کا جلوہ نہیں دکھائی دے گا اور وہ دل پروردگار کی خلوت گاہ خاص نہیں ہو سکتا، صرف اسی شخص کا دل جلوہ گاہِ ایمان و معرفت ہو سکتا ہے اور اسی شخص کی گردن میں حبلِ متین اور ایمان کی مضبوط رسی ہو سکتی ہے اور وہی شخص حقائق و معارف کا گرو ہو سکتا ہے جو قواعد دینی کا پابند، قوانین عقلی کا اسیر، عقل و شرع کے ساتھ حرکت کرنے والا ہو، عادتوں اور خلق (بے جا) مانوساتِ وجود اس کو ڈرا نہ سکیں اور صراطِ مستقیم سے بھٹکا نہ سکیں۔ اسی شخص کو اسلام و ایمان کا دعویٰ کرنا زیب دیتا ہے جو حقیقتوں کو تسلیم کرتا ہو، حقیقتوں کے سامنے سرِ تسلیم خم کرتا ہو، اپنے مقاصد کو چاہے وہ کتنے ہی بلند و برتر ہوں اپنے ولی نعمت کے مقاصد میں فنا کر دیتا ہو، اپنے اور اپنے ارادہ کو مولائے حقیقی کے ارادے پر فدا کر دیتا ہو۔ ایسا شخص جاہلی عصبیت سے بھی بری ہو سکتا ہے اور قلبی طور سے حقائق کی طرف متوجہ ہو سکتا ہے۔ جہالت و عصبیت کے دبیز پردے اس کی آنکھوں کے حجاب نہیں بن سکتے۔ وہ اظہارِ حقیقت اور اعلائے کلمۂ حق کے لئے اپنے تمام تعلقات و روابط کو زیر پا رکھ سکتا ہو اور اپنے ولی نعمت کی بارگاہ میں تمام عادتوں اور قرابتوں کو قربان کر سکتا ہو اور اگر اسلامی و جاہلی عصبیت میں ٹکراؤ ہو جائے تو اسلامی عصبیت و حق خواہی کو مقدم کرنے کی جرأت رکھتا ہو۔

حقائق کی معرفت رکھنے والا انسان اس بات کو اچھی طرح جانتا ہے کہ تمام تعصبات و ارتباط و تعلقات ایک عرضی اور زائل ہونے والی چیز ہے۔ صرف خالق و مخلوق کے درمیان کا رابطہ اور اس سلسلہ میں تعصب ایک ذاتی اور غیر قابلِ زوال ہے اور یہی عبد و معبود کا تعلق تمام ارتباطات سے محکم اور تمام حسب و نسب سے بالاتر ہے۔

حدیث میں آیا ہے کہ رسولِ خدا نے فرمایا: میرے حسب و نسب کے علاوہ قیامت میں

Presented by www.ziaraat.com

سارے حسب ونسب منقطع ہوجائیں گے۔ متنِ حدیث اس طرح ہے۔

"کُلُّ حَسَبٍ وَنَسَبٍ مُنْقَطِعٌ یَوْمَ الْقِیَامَةِ إِلَّا حَسَبِي وَنَسَبِي۔"[۹۰]

یہ بات مخفی نہیں ہے کہ آنحضرتؐ کا حسب ونسب روحانی ہے اور باقی ہے اور تمام جاہلی عصبیتوں سے دور ہے۔ حضورؐ کے روحانی حسب ونسب کا ظہور اُس عالم میں بیشتر اور اس کا کمال بہت زیادہ واضح ہوگا۔ مگر یہ جسمانی ملکی ارتباطات جو بشری عادتوں کی بنا پر ہوتے ہیں وہ ذرا سی چیز پر منقطع ہوجایا کرتے ہیں۔ دوسری دُنیا میں ان کی کوئی قدر وقیمت نہیں ہوتی ہے۔ ہاں اگر کوئی ارتباط نظامِ ملکوتی الٰہی کے تحت ہو اور میزان قواعدِ شرعی وعقلی کے زیرِ سایہ ہو تو پھر اس کے لئے بھی انقطاع وانفصام کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا ہے۔

دوسری فصل

عصبیت کی ملکوتی صورت

بعض گزشتہ حدیثوں کی شرح کرتے ہوئے یہ بات گزر چکی کہ برزخی وقیامتی وملکوتی صورتوں کا معیار ان کے ملکات اور ان کی قوت (وضعف) کے مطابق ہوگا اور وہی عالم (قیامت) حکومتِ نفس کے ظہور کی جگہ ہوگی اور مُلکِ بدن (وہاں پر) نفس کی نافرمانی نہیں کرسکے گا اور (یہ بھی بیان کیا جاچکا کہ) ہوسکتا ہے اُس عالم میں انسان کسی حیوان یا شیطان کی صورت میں محشور ہو اور یہ حدیث جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی عصبیت ہوگی خدا اس کو اعرابِ جاہلیت کی صورت میں اُٹھائے گا۔ بھی اس ذکر شدہ مطلب کی طرف اشارہ ہوسکتی ہے۔

جو شخص اس خبیث صفت (تعصب) کے ساتھ دُنیا سے جائے گا۔ شاید وہ اپنے کو ایسے اعرابِ جاہلیت کی صورت میں دیکھے کہ جس کا نہ وحدانیتِ خدا پر عقیدہ ہو نہ رسالت ونبوت کا معتقد ہو۔ (بلکہ) ان لوگوں کی جو بھی صورت ہو اپنے کو اسی صورت پر محشور پائے گا اور اس کو یہ بھی احساس نہ ہوگا کہ دُنیا میں وہ عقائدِ حقہ کا اظہار کرتا تھا اور اُمتِ محمدؐ میں اس کا شمار ہوتا تھا۔ جیسا کہ حدیث میں ہے: "اہلِ جہنم رسولِ خدا کا نام بھی بھول جائیں گے اور اپنا تعارف بھی نہ کراسکیں گے۔ ہاں جب ارادۂ الٰہی ان کی نجات سے متعلق ہوگا" تب ان کو نام آنحضرتؐ یاد آئے گا۔

Presented by www.ziaraat.com

اور چونکہ یہ خُلق (عصبیت) بعض احادیث کی بنا پر شیطان کے خواص میں سے ہے شاید اسی لئے اعراب جاہلیت اور عصبیت جاہلیت رکھنے والا انسان (دونوں) شیطان کی صورت پر محشور ہوں گے۔ کافی کی صحیح حدیث میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے۔

قَالَ إِنَّ الْمَلَائِكَةَ كَانُوا يَحْسَبُونَ أَنَّ إِبْلِيسَ مِنْهُمْ، وَكَانَ فِي عِلْمِ اللّٰهِ أَنَّهُ لَيْسَ مِنْهُمْ؛ فَاسْتَخْرَجَ مَا فِي نَفْسِهِ بِالْحَمِيَّةِ وَالْعَصَبِ، فَقَالَ: «خَلَقْتَنِي مِنْ نَارٍ وَخَلَقْتَهُ مِنْ طِينٍ.»"

یعنی ملائکہ کو گمان تھا کہ شیطان انھیں میں سے ہے اور خدا جانتا تھا کہ شیطان ملائکہ میں سے نہیں ہے۔ لہٰذا شیطان کے دل میں جو بات تھی اس کو اس کے تعصب و عصبیت کے ذریعہ اگلوالی اور شیطان نے (اظہار کرتے ہوئے) کہہ ہی دیا: مجھ کو تو نے آتش سے پیدا کیا ہے اور آدمؑ کو مٹی سے!"

پس میرے عزیز یہ بات سمجھ لو کہ تعصب شیطان کی صفت ہے اور اس کا مغالطہ اور باطل قیاس اسی حجاب (تعصب) کی بنا پر تھا۔ یہ تعصب ایسا حجاب ہے جو تمام حقائق کو ختم کر دیتا ہے بلکہ تمام رذائل کو محاسن کی صورت میں پیش کرتا ہے اور دوسروں کے تمام محاسن کو عیب بنا کر ظاہر کرتا ہے اور یہ تو آپ بھی جانتے ہیں کہ انسان جب تمام چیزوں کو غیر واقعی صورت میں پیش کرے تو اس کا انجام کیا ہوتا ہے؟ یہ عصبیت خود تو ایک ایسی خبیث صفت ہے جو انسان کو ہلاک کر دیتی ہے لیکن خود اس کی وجہ سے اتنے نفسانی رذائل اور اعمالی و اخلاقی مفاسد پیدا ہوتے ہیں کہ ان کا ذکر بھی موجب ملال ہے۔

اس لئے جو عقلمند انسان اس خبیث صفت کے مفاسد کو سمجھ لے اور صادق و مصدق رسول اکرمؐ و ان کے اہل بیت گرامیؑ کی بات مانتا ہو کہ یہ صفت انسان کو ہلاک کر دیتی اور جہنم رسید کر دیتی ہے۔ اس کو اس کا علاج کرنا چاہیئے اور اگر خدانخواستہ اس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی تعصب ہے تو اپنے کو اس سے پاک کر لینا چاہیئے تاکہ اس دنیا سے عالم آخرت کی طرف جاتے ہوئے پاک و پاکیزہ ہو اور صاف و شفاف نفس کے ساتھ جائے۔ مگر یہ بھی سمجھ لے کہ وقت بہت کم ہے کیونکہ معلوم نہیں موت کب آجائے۔!

اے لکھنے والے کے نفس خبیث ہو سکتا ہے لکھتے ہی وقت موت آجائے اور تجھ کو ان تمام اخلاقی رذائل کے ساتھ اسی وقت اس عالم کی طرف منتقل کر دے جہاں سے واپسی ممکن

Presented by www.ziaraat.com

نہیں ہوا کرتی۔ پس اے عزیز! اے اس مؤلف کی کتاب کے مطالعہ کرنے والے عبرت حاصل کر اس مؤلف کی حالت سے جو اس وقت منوں مٹی کے نیچے دبا ہوا دوسرے عالم میں اپنے بُرے اعمال اور بُرے اخلاق (کی پاداش) میں گرفتار ہے۔ جب فرصت کا زمانہ تھا تو اس نے ہوا و ہوس اور بطالت میں اس سرمایۂ الٰہی کو ضائع و برباد کر دیا۔ تم بھی متوجہ رہو ایک دن ہماری طرح تم کو بھی بلاوا آنا ہے مگر تم خود نہیں جانتے وہ کون سا دن ہے۔ ہو سکتا ہے وہ یہی دن ہو جب تم اس کتاب کے پڑھنے میں مشغول ہو۔ اگر تم نے لیت و لعل سے کام لیا تو فرصت گنوا دو گے۔

اے برادران امور میں دیری نہ کرو یہ امور دیر کرنے کے قابل نہیں ہیں۔ نہ معلوم کتنے صحیح و سالم آدمی ناگہانی موتوں کی وجہ سے اس دُنیا سے چل بسے اور نہ جانے ان کا انجام کیا ہوا؟ اس لئے فرصت کو ہاتھ سے جانے نہ دو اور ایک (ایک) سانس کو غنیمت سمجھو کیونکہ کام بہت اہم ہے اور سفر بہت خطرناک ہے اگر تمہارا ہاتھ اس عالم سے، جو مزرعۂ آخرت ہے، کوتاہ ہو گیا تو پھر سمجھ لو کام ہاتھ سے نکل گیا اور پھر تم نہ اپنے نفس کی اصلاح کر سکو گے اور نہ ذلت و عسرت و حیرت و عذاب کے علاوہ کچھ نتیجہ تم کو ملے گا۔

اولیائے خدا کو ایک منٹ بھی سکون نہیں تھا اس پُرخطر سفر کے بارے میں ہمیشہ فکر کرتے رہتے تھے۔ امام زین العابدینؑ جو معصوم تھے ان کے حالات حیرت انگیز ہیں۔ حضرت علیؑ کے نالہائے شب کتنے متحرک تھے حالانکہ آپؑ ولیٔ مطلق تھے۔ نہ معلوم ہم کو کیا ہو گیا ہے کہ ہم اس سے غافل ہیں؟ آخر شیطان کے علاوہ کون ہے جس نے ہم کو اطمینان دلا رکھا ہے جس کی وجہ سے ہم آج کا کام کل پر ٹال دیتے ہیں اور شیطان کی تو (دلی) خواہش ہے کہ اپنے اصحاب و انصار کی تعداد میں اضافہ کرے اور ہم کو اپنے اخلاق میں ڈھال کے اپنے اور اپنے ماننے والوں کے گروہ میں محشور کرے۔ شیطان ملعون ہمیشہ امورِ آخرت کو ہماری نظروں میں سہل و آسان کر کے پیش کرتا ہے اور ہم کو "رحمتِ خدا" اور "شفاعت شافعین" کے وعدہ کا سہارا دے کر خدا کی یاد اور اس کی اطاعت سے غافل کر دیتا ہے۔

لیکن افسوس یہ جھوٹی اشتہا ہے اور اس ملعون کا دامِ مکر و حیلہ ہے۔ ابھی تو رحمتِ خدا نے تیرا احاطہ کر رکھا ہے۔ ابھی تو تم رحمت و صحت و سلامتی، زندگی و امن و ہدایت و عقل و فرصت اور اصلاحِ نفس کی راہ نمائی میں ہزاروں مختلف رحمتوں کے خدائی سمندر میں غوطہ زن ہو۔ مگر پھر بھی ان چیزوں سے استفادہ کر کے خدا کی اطاعت کے بجائے شیطان کی اطاعت کرتے ہو۔ اگر تم نے اس

Presented by www.ziaraat.com

دنیا میں ان رحمتوں سے کوئی فائدہ نہ اٹھایا تو آخرت میں بھی خدا کی بے پناہ رحمتوں سے بے بہرہ ہی رہو گے اور شفاعت کرنے والوں کی شفاعت سے محروم رہو گے۔ شفاعت کرنے والوں کی شفاعت کا جلوہ اس دنیا میں ان کی ہدایت ہے اور اس عالم باطن میں شفاعت کی ہدایت ہے۔ اگر تم نے ہدایت سے فائدہ نہ اٹھایا تو شفاعت سے بھی فائدہ نہ اٹھا سکو گے۔ جتنی ہدایت حاصل کرو گے اتنی ہی شفاعت نصیب ہو گی۔ رسولؐ خدا کی شفاعت رحمتِ حق مطلق کی طرح ہے جس میں قبولیت کی صلاحیت ہو گی وہی فائدہ اٹھا سکے گا۔

اور اگر خدانخواستہ شیطان نے اپنے حیلوں بہانوں سے تمہارے ہاتھ سے ایمان اچک لیا تو پھر تم میں نہ قابلیتِ رحمت رہے گی اور نہ ہی شفاعت نصیب ہو سکے گی۔ جی ہاں رحمتِ حق تو دونوں عالم میں بھری ہے اگر تم واقعی طالب رحمت ہو تو اس دنیا کی پے در پے رحمتوں سے جو دوسری دنیاؤں کے لئے رحمت کی بیج بھی ہے" کیوں استفادہ نہیں کرتے ہو۔ تمام اولیا و انبیائے خدا نے تجھ کو خوانِ نعمت کی طرف بلایا سبھوں نے مہمانخانۂ الٰہی کی طرف دعوت دی مگر تم نے اس کو قبول نہ کیا ایک وسوسہ خناسی اور ایک شبہۂ شیطانی کی بنا پر تم نے سب سے کنارہ کشی اختیار کر لی۔ تم نے تو کتابِ خدا کے محکمات اولیا و انبیا کے احادیث متواترات، عقولِ عقلا اور حکما کے براہین قطعیہ کو شیطانی خطرات، نفسانی خواہشات پر قربان کر دیا۔ اس غفلت اور اندھے پن و بہرے پن و جہالت پر میرے اور تمہارے اوپر وائے ہو۔

تیسری فصل

اہلِ علم کا تعصب

جاہلی عصبیت میں سے ایک عصبیت ایسے مطالب علمیہ پر ضد کرنا اپنی یا اپنے استاد یا اپنے شیخ کی بات پر اڑے رہنا بھی ہے جو کسی احقاقِ حق یا ابطال کے لئے بھی نہ ہو۔ ظاہر ہے اس قسم کی عصبیت بعض اعتبار سے بری اور بعض دیگر اعتبار سے بمقابلہ دیگر عصبیات زیادہ ہی ناروا ہے (اسباب جہات تعصب یہ ہو سکتے ہیں)۔

۱۔ تعصب کے اعتبار سے بُری بات ہے مثلاً اہلِ علم جو بنی نوع بشر کے مربی اور شجرۂ

Presented by www.ziaraat.com

نبوت و ولایت کی شاخ ہیں۔ امور کی برائیوں پر مطلع ہیں، اخلاقِ فاسدہ کے انجام سے باخبر ہیں۔ اگر خدانخواستہ ان میں سے کوئی عصبیتِ جاہلیت رکھتا ہو اور شیطانی صفاتِ رذیلہ سے متصف ہو تو اس پر سب سے زیادہ حجت تمام ہوگی اور سب سے زیادہ اس سے مواخذہ کیا جائے گا۔

(ذرا سوچئے) کیا جو شخص اپنے کو لوگوں کے لئے چراغِ ہدایت، محفلِ انس کی شمع، راہِ سعادت کا راہنما، صراطِ آخرت کا رہبر کہلاتا ہو۔ اگر وہ خدانخواستہ اپنے قول پر عامل نہ ہو، اس کا ظاہر اس کے باطن کے مخالف ہو، اہلِ ریا و نفاق ہو، علمائے سوء اور عالمِ بلا عمل میں اس کا شمار ہو تو کیا اس کی سزا بہت بڑی اور اس کا عذاب سب سے زیادہ نہ ہوگا؟ قرآنِ مجید نے ایسے لوگوں کی مثال بیان کی ہے:

«بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِ اللَّهِ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ.» [۲]

"جن لوگوں نے خدا کی آیتوں کو جھٹلایا ان کی بہت بُری مثال ہے اور خدا ظالم لوگوں کو منزلِ مقصود تک نہیں پہونچاتا۔"

اس لئے اہلِ علم کے لئے بہت ضروری ہے کہ ان مقامات کا احترام کریں اور اپنے کو ان مفاسد سے بالکل پاک کریں تاکہ وہ اپنی اصلاح کے ساتھ معاشرے کی بھی اصلاح کر سکیں اور ان کا وعظ اثر انداز ہو ان کی نصیحت دلوں میں بیٹھ جائے۔ (یاد رکھو) عالم اگر فاسد ہو جائے تو پوری اُمت فاسد ہو جاتی ہے اور جو فساد دوسرے فسادات کا مادّہ بنے اور جو غلطی دوسری غلطیوں کو جنم دے وہ ولی نعمت کی بارگاہ میں غیر متعدی و جزئی فساد سے کہیں زیادہ بزرگ و بالاتر ہے۔

۲۔ اہلِ علم کے اندر اس تعصب کی ایک قباحت خود علم کی وجہ سے بھی ہے کیونکہ یہ تعصب علم کے ساتھ خیانت کرنا اور علم کی حق ناشناسی ہے جو شخص اس عظیم امانت کے بوجھ کو اٹھائے اور اس خلعت کو پہنے اس کو تو اس کی حرمت کا بہت زیادہ خیال رکھنا چاہئے اور صحیح و سلامت اس کے مالک کے سپرد کر دینا چاہئے۔ اور اگر کہیں تعصب جاہلی کر بیٹھے تب تو اس نے خیانت کے ساتھ ظلم و تعدی کا بھی ارتکاب کیا اور یہ خود ایک بہت بڑی غلطی ہے۔

۳۔ اس تعصب کی ایک قباحت مدِ مقابل کی طرف سے بھی ہوتی ہے۔ اس لئے کہ علمی مباحث میں مدِ مقابل بھی اہلِ علم ہی ہوا کرتا ہے اور وہ بھی ایک الٰہی امانت ہے اس کا احترام واجب ہے اس کی بے احترامی حرماتِ الٰہی کی بے احترامی ہے اور بہت بڑی ہلاکت ہے اور یہی بے موقع عصبیت کبھی انسان کو اہلِ علم کی بے حرمتی پر آمادہ کر دیتی ہے۔ (اور علمی مباحثہ میں دونوں

Presented by www.ziaraat.com

طرف یہ خطرہ موجود رہتا ہے۔) میں اس عظیم گناہ سے خداوندِ عالم کی پناہ چاہتا ہوں۔

۴۔ عصبیت کی ایک قباحت و برائی متعصب لہ کی طرف سے بھی ہوا کرتی ہے جو انسان کا اُستاد اور شیخ ہوا کرتا ہے اور (ظاہر ہے کہ) اُستاد کی بے حُرمتی موجب عقوق ہوا کرتی ہے۔ کیونکہ مشائخ عظام اور اساطین کرام خدا ان کے چہروں کو تر و تازہ رکھے ۱۲ حق کی طرفداری اور باطل سے گریز کی طرف مائل رہتے ہیں اور اس شخص پر بہت غصہ کرتے ہیں جو جاہلی عصبیت کی بنا پر حق کشی کرے یا باطل کی ترویج کرے۔ (یہ بات اپنے ذہنوں میں رکھئے کہ) عقوق روحانی عقوق جسمانی سے کہیں زیادہ بالاتر ہے۔ جس طرح روحانی ولادت کا حق، جسمانی ولادت کے حق سے کہیں زیادہ عظیم و بالاتر ہوتا ہے۔

لہٰذا تمام اہلِ علم۔ خدا ان کی عظمت و شرف میں اضافہ کرے، پر واجب و لازم ہے کہ اپنے کو اخلاقی و اعمالی مفاسد سے بالکل مبرّا رکھیں اور اعمالِ حسنہ و اخلاقِ کریمانہ کے لباس سے ہمیشہ اپنے کو مزین رکھیں۔ اپنے کو اس عظیم منصب سے ہرگز جدا نہ کریں جو خداوندِ عالم نے ان کو مرحمت فرمایا ہے: کیونکہ ایسا کرنے پر جو گھاٹا ہوگا۔ اس کا علم خدا کے سوا کسی کو نہیں ہو سکتا۔

والسلام

Presented by www.ziaraat.com

آٹھویں حدیث کی توضیحات

۱۔ اصول کافی جلد ۲، ص ۳۰۸، کتاب ایمان و کفر، باب العصبیہ، حدیث ۳۔

۲۔ مشتع: شیع یا موم ملی ہوئی چیز، روئی کا باریک ٹکڑا جس پر چپ لگا کر ایک دوا مل دیتے ہیں تھوڑی سی گرمی پاتے ہی یہ جسم سے چپک جاتی ہے اسی کو شتا بلی کہتے ہیں فرہنگ معین جلد ۲، ص ۱۵۴۴۔

۳۔ «عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ أَسْلَمَ الجبليّ بِإِسْنَادِهِ يَرْفَعُهُ إِلَى أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ، عَلَيْهِ السَّلَام، قَالَ: إِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَ جَلَّ يُعَذِّبُ سِتَّةً بِسِتَّةٍ: الْعَرَبَ بِالْعَصَبِيَّةِ، وَالدَّهَاقِنَةَ بِالْكِبْرِ وَ الْأُمَرَاءَ بِالْجَوْرِ وَالْفُقَهَاءَ بِالْحَسَدِ وَالتُّجَّارَ بِالْخِيَانَةِ، وَأَهْلَ الرَّسْتَاقِ بِالْجَهْلِ.» خصال جلد ۱، ص ۳۲۵، باب ستہ، حدیث ۱۴۔

۴۔ اصول کافی جلد ۲، ص ۳۰۷، کتاب ایمان و کفر، باب العصبیہ، حدیث ۱۔

۵۔ «وَقَالَ عَلَيْهِ السَّلَام: الرَّاضِي بِفِعْلِ قَوْمٍ كَالدَّاخِلِ فِيهِ مَعَهُمْ. وَعَلَى كُلِّ دَاخِلٍ فِي بَاطِلٍ إِثْمَانِ: إِثْمُ الْعَمَلِ بِهِ، وَإِثْمُ الرِّضَا بِهِ.»

کسی قوم کے فعل پر راضی رہنے والا اس شخص کے مثل ہے جو ان کے ساتھ کام میں شریک ہوا اور جو شخص ناجائز کام میں کسی کا ساتھ دے تو اس پر دو گناہ ہیں، گناہ کرنے کا اور اس پر رضامندی کا نہج البلاغہ، فیض الاسلام، حکمت ۱۴۶، ص ۱۱۵۳۔

۶۔ اصول کافی جلد ۲ ص ۳۰۸، کتاب ایمان و کفر، باب العصبیہ، حدیث ۴۔

۷۔ اصول کافی جلد ۲ ص ۳۰۸، کتاب ایمان و کفر، باب العصبیہ، حدیث ۵۔

۸۔ جناب حمزہ کے اسلام لانے کا قصہ ان کتابوں میں دیکھا جا سکتا ہے: اصول کافی جلد ۲، ص ۳۰۸۔ کتاب ایمان و کفر، باب العصبیہ حدیث ۵۔ بحار الانوار جلد ۱۰، ص ۲۸۵، کتاب ایمان و کفر، باب العصبیہ حدیث ۴۔

Presented by www.ziaraat.com

الصحیح من سیرۃ النبی الاعظم جلد ۲، ص ۷۵، سیرۃ النبی جلد ۱، ص ۲۳۳، اُسد الغابۃ، جلد ۲، ص ۱۴۹، الاستیعاب جلد ۱، ص ۱۷۵۔

۹۔ بحار الانوار، جلد ۲۵، (کتاب الامامۃ) (باب ان الائمۃ من ذریۃ الحسین علیہ السلام) ص ۲۲۹، وسائل جلد ۱۴، ص ۲۱، "کتاب النکاح" (ابواب مقدمات نکاح) باب ۸، حدیث ۵، دوسری عبارتوں کے ساتھ بھی یہ حدیث آئی ہے۔

۱۰۔ علم الیقین، جلد ۲، ص ۱۰۴۲ - ۱۰۴۳، میں فیض کاشانی نے اسی مفہوم کی روایت نقل فرمائی ہے۔

۱۱۔ اصول کافی جلد ۲، ص ۴۰۸، کتاب ایمان و کفر، باب العصبیہ حدیث ۶۔

۱۲۔ ۱۳۔ کا ترجمہ اصل حدیث میں گزر چکا ہے۔

www.ziaraat.com
Sabeel-e-Sakina

Presented by www.ziaraat.com

نویں حدیث

«بالسندِ المتصل إلى ثِقَةِ الإسلامِ مُحَمَّدِ بْنِ يَعْقُوبَ الكُلَيْنِي، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يحيى، عَنْ أحمد بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عيسى، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِنَانٍ، عَنْ عون القلانسي، عَنِ ابْنِ أبي يعفور، عَنْ أبي عَبْدِاللهِ، عَلَيْهِ السَّلام، قالَ: مَنْ لَقِيَ الْمُسْلِمِينَ بِوَجْهَيْنِ وَلِسانَيْنِ، جاءَ يَوْمَ الْقِيامَةِ وَلَهُ لِسانانِ مِنْ نارٍ.»[1]

ترجمہ: حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: جو مسلمان سے دو منہ و دو زبان کے ساتھ ملاقات کرے وہ قیامت میں اس طرح آئے گا کہ (اس کے منہ میں) آگ کی دو زبانیں ہوں گی۔

شرح: مسلمانوں سے "دو روئی" کے ساتھ ملاقات کرنے کا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنی ظاہری حالت و ظاہری صورت کو اپنی باطنی قلبی حالت کے برخلاف پیش کرے مثلاً ظاہر میں یہ اظہار کرے کہ میں تمہارا دوست اور محب ہوں تم سے خلوص رکھتا ہوں۔ لیکن دل میں اور باطن میں اس کے بالکل برخلاف ہو۔ جن لوگوں کے سامنے اظہارِ دوستی و محبت کرے۔ انھیں لوگوں کے پیٹھ پیچھے ان کی برائی کرے۔

Presented by www.ziaraat.com

اسی طرح "دوزبانی" ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جس سے بھی ملاقات کرے اس کی مدح و تعریف کرے یا دوستی و چاپلوسی کا اظہار کرے۔ لیکن اس کے پس پشت اس کی تکذیب کرے اور اس کو جھٹلائے۔ اس کی غیبت کرے۔ اس تفسیر کے اعتبار سے پہلی صفت (دوروئی) عملی نفاق ہے اور دوسری صفت (دوزبانی) قولی نفاق ہے۔ ہو سکتا ہے حدیث کا مطلب نفاق کے بڑی صفت کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہو اور چونکہ یہ دونوں صفتیں منافقین کی بہت ہی واضح اور مخصوص صفات میں سے ہیں اس لئے صرف انھیں دونوں (دوروئی و دوزبانی) کا ذکر کیا گیا ہے اور نفاق جو نفسانی رذیلہ اور خبیث ملکہ ہے اس کے آثار میں سے ذو وجہین و ذو لسانین ہونا ہے اور اس کے مراتب و درجات ہیں جن کو ہم انشاء اللہ چند فصلوں کے ضمن میں مراتب کے ذکر کے ساتھ ان کے مفاسد اور طریقۂ علاج کا بھی ذکر اپنے مقدور بھر کرنے کی کوشش کریں گے۔

پہلی فصل

نفاق کے مراتب

یہ بات جان لینی چاہیئے کہ دیگر اوصاف اور ملکات شریفہ و خبیثہ کی طرح نفاق کے بھی شدت و ضعف کے اعتبار سے درجات و مراتب ہیں اور جس سے بری صفت کا انسان علاج نہ کرے (بلکہ) اس کی پیروی کرے تو اس بری صفت میں شدت پیدا ہوتی جائے گی۔ (اسی طرح یہ نفاق بھی ہے۔) اور برائیوں کی شدت کے مراتب اسی طرح غیر متناہی ہیں جس طرح خوبیوں کی شدت کے مراتب غیر متناہی ہیں۔

انسان اگر نفس امارہ کو اس کی حالت پر چھوڑ دے اور اس کے فساد کی طرف ذاتی میلان اور نفسانی نامناسب چیزیں اور شیطان کی مدد و خناس کے وسوسہ کے ساتھ خود بھی فساد کی طرف مائل ہو جائے تو پھر دونوں کی برائیاں روز بروز شدید اور زیادہ ہوتی جائیں گی اور پھر نوبت یہاں تک پہونچ جائے گی کہ وہ رذیل صفت جس کی اس نے پیروی کی تھی نفس کی صورت جوہری اور فصل اخیر بن جاتی ہے اور پھر اس کے ظاہر و باطن کی تمام مملکت اس کے زیر فرمان ہو جاتی ہے اور اس کے بعد اگر وہ رذیل صفت نفاق کی طرح شیطانی صفت ہوتی ہے یعنی اس ملعون

Presented by www.ziaraat.com

کی مخصوص صفت ہوتی ہے جیسا کہ قرآن نے خبر دی ہے:

﴿وَقَاسَمَهُمَا إِنِّي لَكُمَا لَمِنَ النَّاصِحِينَ﴾ ۲۱ شیطان نے آدمؑ و حوا کے لئے قسم کھائی کہ میں تم دونوں کو نصیحت کرنے والوں میں ہوں، (حالانکہ یہ بالکل جھوٹ تھا) تو پھر نفس کی پوری مملکت شیطان کے تابع ہو جاتی ہے اور نفس کی اخری صحت اور ذات کا باطن اور اس کا جوہر (سب ہی) شیطان کی صورت اختیار کر لیتا ہے اور اس دنیا میں انسانی صورت میں زندگی بسر کرنے کے باوجود بھی اس دنیا میں اس کی ظاہری صورت شیطان کی سی ہو جائے گی۔

اس لئے اگر انسان نے اس صفت کی روک تھام نہ کی اور نفس کو آزاد چھوڑ دیا تو تھوڑے ہی دنوں کے بعد وہ لگام توڑ کے اپنی پوری ہمت اور تمام ارادے کو اسی بُری صفت کے لئے مخصوص کر دے گا اور پھر جس سے ملے گا نفاق سے ملے گا، جس سے ربط ضبط رکھے گا نفاق کے ساتھ رکھے گا۔ اس کی نظر میں شخصی منفعت، خود خواہی اور خود پرستی کے علاوہ کچھ نہ ہوگا، وہ صداقت، خلوص، ہمت، مردانگی ساری ہی چیزوں کو اپنے پیروں کے نیچے روند دے گا۔ اس کی حرکات و سکنات و تمام امور میں دورنگی کا اثر ہوگا اور کسی بھی فساد، قباحت و وقاحت (بے شرمی) سے پرہیز نہ کرے گا اور ایسا شخص بشریت و انسانیت سے دور، شیطانوں کے ساتھ محشور ہوتا ہے۔

ابھی تک جو کچھ عرض کیا گیا یہ خود جوہر نفاق میں شدت و ضعف کے اعتبار سے تھا۔ اب یہ بھی واضح کر دیا جائے کہ نفاق جن چیزوں سے تعلق رکھتا ہے اس کے اعتبار سے بھی اس کے درجات میں تفاوت پایا جاتا ہے۔ کیونکہ کبھی تو نفاق دینِ خدا کے بارے میں ہوتا ہے، کبھی نیک ملکات میں پایا جاتا ہے اور اخلاقِ فضائل میں بھی پایا جاتا ہے، کبھی اعمالِ صالحہ میں نفاق پایا جاتا ہے اور مناسکِ الٰہیہ میں بھی نفاق پایا جاتا ہے۔ کبھی عادی امور میں، کبھی عرفی متعارفات میں نفاق پایا جاتا ہے۔ اسی طرح کبھی انسان رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمہ ہدیٰ کے ساتھ نفاق برتتا ہے، کبھی اولیاء، علماء مومنین کے ساتھ نفاق برتتا ہے، کبھی مسلمانوں کے ساتھ، کبھی غیر مسلموں یعنی بندگانِ الٰہی کے ساتھ نفاق برتتا جاتا ہے۔

یہ ضرور ہے کہ یہ سب برائی، بے حیائی، قباحت میں ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ اگرچہ اصل خباثت و برائی میں سب ہی شریک ہیں اور سب ہی ایک خبیث درخت کے پھول، پتے ہیں۔

Presented by www.ziaraat.com

دوسری فصل

نفاق ایک ایسی بُری صفت ہے کہ کوئی بھی شریف آدمی اپنے کو اس سے متصف ہونا پسند نہیں کرتا ہے۔ منافق معاشرۂ انسانیت سے خارج ہوتا ہے بلکہ کسی بھی حیوان کے مشابہ نہیں ہوتا۔ یہ اپنے ہم چشموں اور امثال واقران میں رسوا و ذلیل ہوتا ہے اور آخرت میں دردناک عذاب میں گرفتار ہوتا ہے۔ جیساکہ خود حدیث شریف میں آیا ہے کہ عالم آخرت میں منافق کی حالت یہ ہوگی کہ دو آتشین زبانوں کے ساتھ محشور ہوگا۔ مخلوقِ خدا کے سامنے ذلیل و رسوا ہوگا، انبیاء و مرسلین، ملائکہ مقربین کی موجودگی میں سرافگندہ و ذلیل ہوگا اور اسی روایت سے شدتِ عذاب کا بھی استفادہ ہوتا ہے۔ اس لئے اگر جوہرِ بدن جوہرِ آتش ہوگیا تو الم و تکلیف کا احساس شدید تر ہو جائے گا۔ میں خدا کی اس کی شدت سے پناہ مانگتا ہوں۔

دوسری حدیث میں حضرت رسولؐ خدا سے مروی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا: "منافق قیامت میں اس طرح آئے گا کہ اس کے پیچھے ایک زبان آتش کی اور ایک زبان آتش کی اس کے آگے ہوگی اور اس کے پورے جسم میں آگ لگی ہوگی اور پھر یہ اعلان کیا جائے گا کہ یہ وہ شخص ہے جو منافق تھا اس کے دنیا میں دو چہرے اور دو زبانیں تھیں اور روزِ قیامت اسی ذریعہ سے مشہور ہوگا" اور اس پر ذیل کی آیت شریفہ دلالت کرتی ہے:

"وَيَقْطَعُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَنْ يُوصَلَ وَيُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ أُولَٰئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوءُ الدَّارِ ۴" اور جن چیزوں کے قائم کرنے کا خدا نے حکم دیا ہے اس کو توڑ ڈالتے ہیں اور زمین پر فساد پھیلاتے ہیں انھیں کے لئے لعنت ہے اور بُرا گھر (جہنم) ہے۔"

نفاق بہت سے ایسے مہالک و مفاسد کی جڑ ہے جو انسان کی دنیا و آخرت دونوں کو تباہ و برباد کر سکتی ہے۔ جیسے فتنہ برپا کرنا، چغلخوری کرنا، غیبت کرنا، مومن کو اذیت کرنا، مومن کو گالی دینا، ہتکِ حرمت کرنا، مومن کے راز کو فاش کرنا وغیرہ کہ انھیں سے ہر ایک انسان کی ہلاکت کے لئے ایک مستقل سبب ہے (یہ سب بُری چیزیں نفاق سے پیدا ہوتی ہیں) فتنہ کے سلسلہ میں قرآن کا ارشاد ہے: "اَلْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ" ۵ فتنہ قتلِ نفس سے زیادہ شدید ہے۔ چغلخوری کے لئے امام محمد باقرؑ نے فرمایا "مُحَرَّمَةٌ اَلْجَنَّةُ عَلَى الْقَتَّاتِيْنَ الْمَشَّائِيْنَ بِالنَّمِيْمَةِ" ۶ یعنی

Presented by www.ziaraat.com

چغلخوروں کے لئے بہشت حرام ہے جن کا مقصد چغلخوری کے لئے آنا جانا ہے۔" غیبت کے لئے رسولؐ خدا کا ارشاد ہے: "غیبت زنا سے بھی بدتر ہے۔" (اسی طرح دوسری چیزوں کے لئے آیات و احادیث وارد ہوئی ہیں)

یہ بات بھی ذہن نشین کر لینا چاہیئے کہ نفاق کے ذیل میں یہ چیزیں بھی آتی ہیں۔ کنایات، اشارات، زبان سے لوگوں کی برائی بیان کرنا، آنکھوں، اشاروں سے برائی بیان کرنا یعنی آنکھ مارنا، کسی کو بدنام کرنا وغیرہ۔ یہ سب چیزیں لوگوں سے متعلق ہوتی ہیں۔ بایں معنی کہ ان کے سامنے اظہار دوستی کرنا (اور پس پشت برائی کرنا)۔

انسان کو اپنے حال، اعمال، طور طریقوں سے بہت ہی چوکنا رہنا چاہیئے کیونکہ نفس کی مکاریاں اور شیطان کے مکر و فریب ہی دقیق ہوتے ہیں۔ بہت کم لوگ اس سے بچ پاتے ہیں۔ ممکن ہے انسان ایک بے موقع اشارہ یا ایک بے جا کنایہ سے اہل نفاق میں شمار ہونے لگے اور پھر شاید آخری عمر تک اس خبیث رذیلت میں گرفتار رہے اور اس کے باوجود اپنے کو صحیح و سالم پاک چاکیزہ سمجھتا رہے۔ لہٰذا انسان کو ایک دلسوز حکیم حاذق کی طرح اور شفیق اور اپنے اعمال و اطوار اور نفس کے حالات پر مطلع تیماردار کی طرح اپنی دیکھ بھال رکھنی چاہیئے اور کسی وقت بھولے سے بھی اس نگرانی میں کوتاہی نہ کرے اور یہ سمجھ لے کہ قلبی امراض سے زیادہ کوئی بھی مرض مخفی و مستور نہیں ہوتا اور نہ اس سے زیادہ ہلاک کرنے والا ہوتا ہے اور خود انسان سے زیادہ شفیق و دل سوز اپنے بارے میں کوئی بھی تیماردار نہیں ہوا کرتا۔

تیسری فصل

نفاق کا علاج

اس بڑی بیماری کا علاج دو طرح کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ نظری، یعنی نفاق سے جو فسادات مرتب ہوتے ہیں ان کے بارے میں غور و فکر کی جائے کیونکہ اس دنیا میں اگر کوئی منافق مشہور ہو گیا تو وہ لوگوں کی نظروں سے گر جاتا ہے عوام و خواص میں رسوا ہو جاتا ہے تمام اقران و امثال میں ذلیل ہو جاتا ہے۔ لوگ اس کو اپنی مجلس سے

Presented by www.ziaraat.com

بھگا دیتے ہیں اور اپنی محفلوں سے باہر کر دیتے ہیں۔ ایسا شخص کسب کمالات اور مقامات عالیہ تک نہیں پہونچ پاتا۔

انسان کے لئے ضروری ہے کہ اس ننگ شرف سوز سے اپنے کو پاک رکھے تاکہ اس قسم کی ذلتوں اور رسوائیوں میں گرفتار نہ ہو سکے۔ اسی طرح دوسرے عالم میں بھی کرے۔ جو کثیف اسرار کا عالم ہے۔ (جہاں ذلت و رسوائی اس کی مقدر ہے) اس دنیا میں لوگوں سے جن چیزوں کو چھپا رکھا ہے آخرت میں ان کے چھپانے پر قادر نہیں ہے۔ وہاں پر بڑی بدصورتی اور آتشی دو زبانوں کے ساتھ محشور ہوگا اور منافقوں و شیطانوں کے ساتھ معذب ہوگا۔

۲۔ عملی: عقلمند انسان ان مفاسد کو دیکھ کر اور اس نفاق کے لئے برائی و پلیدی کے علاوہ کوئی اور نتیجہ حاصل نہ کر کے اپنے لئے ضروری قرار دے لیتا ہے کہ اس نفاق کو کسی طرح اپنے سے دور کرے اور مرحلہ عملی میں داخل ہو جائے جو علاج نفس کا دوسرا طریقہ ہے اور وہ اس طرح کہ ایک مدت تک انسان بڑی دقت نظر کے ساتھ اپنے تمام حرکات و سکنات کو دیکھتا رہے اور اپنے اعمال میں بہت باریک بینی سے کام لے۔ نفس کی تمام آرزوؤں اور خواہشات کے خلاف عمل کرے اور نفس سے جہاد کرے اور اپنے تمام اقوال و افعال کو ظاہر و باطن میں بہت اچھا کرے۔ ظاہر داری اور دھوکہ بازی کو عملاً بالائے طاق رکھ دے اور ان حالتوں کے درمیان اپنے خدا سے توفیق طلب کرتا رہے کہ مجھے نفس امارہ اور اس کی خواہشات پر غلبہ عطا فرما اور میرے اس اقدام و علاج میں میری مدد فرما۔ (کیونکہ) خداوند عالم کا فضل و کرم اپنے بندوں پر بے انتہا ہے۔ جو شخص بھی خدا کی طرف یا اپنی اصلاح کی طرف قدم اٹھاتا ہے خدا اس کی مدد کرتا ہے۔ اب اگر وہ کچھ دنوں تک اسی حال پر رہا تو امید ہے کہ نفس میں پاکیزگی پیدا ہو جائے اور نفاق و دورو ئی کی کدورت اس سے زائل ہو جائے اور اس کے دل کا آئینہ اور باطن اس خبیث صفت سے پاک ہو جائے اور حقیقی نعمت کی رحمت و لطف کا مستحق ہو جائے۔ کیونکہ دلیلوں سے بھی ثابت ہے اور تجربہ میں بھی آیا ہے کہ نفس جب تک اس عالم میں ہے اپنے کئے ہوئے افعال و اعمال سے متاثر ہوتا ہے چاہے اچھے اعمال ہوں یا برے۔ ہر عمل کا ایک (مخصوص) اثر نفس پر مرتب ہوتا ہے۔ اگر عمل نیک و صالح ہے تو اس کا اثر نورانی و کمالی ہوگا اور اگر اس کے برخلاف ہے تو ظلمانی اور ناقص ہوگا یہاں تک کہ قلب یا تو بالکلیہ نورانی ہو جائے گا یا بالکلیہ ظلمانی ہو جائے گا اور انسان یا تو اشقیا کے زمرے میں شمار ہونے لگے گا یا سعید حضرات کی فہرست میں گنا جانے لگے گا۔ اس لئے جب تک

Presented by www.ziaraat.com

اس منزلِ عمل اور دارِ زراعت میں ہے اپنے اختیار سے اپنے قلب کو سعادت یا شقاوت کی طرف لے جاسکتا ہے اور ہم اپنے اعمال و افعال کے گروی ہیں۔

﴿فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ.﴾ ۸

چوتھی فصل

نفاق کی بعض قسموں کا بیان

اے عزیز جان لو:

نفاق و دورو ئی و دوزبانی کا ایک درجہ تو خود خداوند عالم کے ساتھ ہوتا ہے (یعنی) انسان اپنے حقیقی ولی نعمت اور مالک الملوک کے ساتھ نفاق برتے اور ہم لوگ اس دُنیا میں اس مرض کے اندر مبتلا ہیں اور اس سے غافل ہیں اور جہالت و نادانی کے دبیز پردے، نفس پرستی، حُبِ دنیا و خود خواہی و تاریکی کے موٹے حجاب اس طرح ہم کو چھپائے ہوئے ہیں کہ کشف سرائر اور رفع حجاب اور عالم طبیعت سے کوچ کرنے اور دارِ غرور سے رختِ سفر باندھنے اور غفلت انگیز نشہ کے اُترنے سے پہلے اس کی طرف متوجہ ہونا بہت ہی بعید معلوم ہوتا ہے۔

ابھی تو ہم خوابِ غفلت میں پڑے ہیں، طبیعت کا نشہ، ہوا و ہوس کی مستی نے ہم کو اسیر کر رکھا ہے تمام برائیاں، بُرے اخلاق و اعمال فاسد طور طریقے ہماری نظر میں خوبصورت معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن جب ہم خواب سے بیدار ہوں گے اور اس مستی و سرگرمی سے ہوش میں آئیں گے تو موقع ہاتھ سے نکل چکا ہوگا، منافقوں اور دو چہرے و دوزبانوں والوں کے گروہ میں شمار ہو کر دوآتشین زبانوں اور دو بُری صورتوں کے ساتھ محشور ہوں گے اور چاہے جتنا فریاد کریں رَبِّ ارْجِعُونِ ۹ کہیں۔ جواب کلّا (ہرگز نہیں) آئے گا۔

یہ دورو ئی ایسی ہی ہے جیسی ہم اور آپ تمام عمر کلمۂ توحید کا اظہار کرتے ہیں، اسلام و ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں۔ بلکہ (اپنی اپنی خواہش کے مطابق خدا کی) محبت و محبوبیت کا دعویٰ کرتے ہیں۔ (مثلاً)

۱۔ اگر عوام الناس میں سے ہیں تو اسلام و ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں یا پھر زہد و خلوص کا

Presented by www.ziaraat.com

یقین دلاتے ہیں۔

۲۔ اور اگر اہل علم و فقہا میں سے ہیں تو اپنے کمال اخلاص کا دعویٰ کرتے ہیں اور خلافت و ولایت رسولؐ کا ادعا کرتے ہیں اور رسولِ خداؐ کے اس قول "اَللّٰھُمَّ ارْحَمْ خُلَفَائِیْ" "پروردگار میرے خلفا پر رحم فرما" اور صاحب الامر روحی لہ الفدا کے اس قول "اِنَّھُمْ حُجَّتِیْ" "یہ علما تمہارے اوپر میری طرف سے حجت ہیں" اور ائمہ ہدیٰ کے دیگر ان اقوال سے جو علما و فقہا کی شان میں کہے گئے ہیں تمسک کرتے ہیں۔

۳۔ اور اگر علوم عقلیہ کے جاننے والوں میں ہیں تو اپنے ایمان کے حقیقی و برہانی ہونے کے مدعی ہوتے ہیں اور اپنے آپ کو علم الیقین، عین الیقین، حق الیقین کا مالک سمجھتے ہیں اور دوسرے لوگوں کو ناقص العلم و ناقص الایمان شمار کرتے ہیں اور آیاتِ قرآنی و احادیث شریفہ کو اپنی شان میں نازل شدہ سمجھتے ہیں۔

۴۔ اور اگر اہل عرفان و تصوف سے ہیں تو معارف و جذبہ، محبت، فنا فی اللہ، بقا باللہ کا دعویٰ کرتے ہیں اور ولایت امر کے مدعی ہوتے ہیں اور اسی قسم کے جتنے بھی جالب نظر الفاظ ہیں سب کو اپنی طرف منسوب کر لیتے ہیں۔

اسی طرح ہم میں سے ہر شخص و ہر گروہ زبان قال اور ظہور حال سے اپنے لئے کسی نہ کسی درجہ کا دعویٰ کرتا ہے اور رائج الوقت حقیقت کی نمائش کرتا ہے۔ اب اگر یہ ظاہر باطن کے موافق ہوا اور یہ علن، سر کے مطابق ہوا اور وہ اپنے دعویٰ میں سچا ثابت ہوا تو اس کو اور تمام ارباب نعمت کو ان کی نعمتیں مبارک ہوں۔ ۱۲ ورنہ اگر وہ رائٹر (مترجم) کی طرح روسیاہ، بدصورت ہوا تو اس کو جان لینا چاہیئے کہ وہ منافقوں کے زمرے میں اور دو چہروں اور دو زبانوں والوں کے گروہ میں ہے۔ اس کو اپنا علاج کرنا چاہیئے اور جب تک وقت ہاتھ سے نہیں گیا ہے اپنی بدبختی اور اپنی ذلت و رسوائی کے دن کے بارے میں غور کرنا چاہیئے۔

اے میرے عزیز اور اسلام کے دعویدار دوست! کافی میں حضرت رسولِ خداؐ سے مروی ہے:

"اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ یَدِہٖ وَلِسَانِہٖ۔" ۱۲

"وہ شخص مسلمان ہے جس کے ہاتھ و زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔" (اب سوچئے) ہم کو اور آپ کو کیا ہو گیا ہے کہ اپنی طاقت بھر اور جتنا ہم سے ہو سکتا ہے اپنے زیر دستوں

Presented by www.ziaraat.com

پر ظلم کرنا جائز سمجھتے ہیں اور ان کو ایذا دینے اور ان پر ظلم کرنے سے کوئی دریغ نہیں کرتے۔ اگر اپنے ہاتھوں سے اذیت نہیں پہونچا سکتے تو ان کی موجودگی میں ورنہ ان کی عدم موجودگی میں تیغ زبان سے ان کے رازوں کو فاش اور ان کے پردے پڑے ہوئے عیوب کو چاک کرتے ہیں۔ ان پر تہمت لگاتے ہیں ان کی غیبت کرتے ہیں۔ پس جب ہمارے ہاتھوں اور زبانوں سے مسلمان محفوظ نہیں ہیں تو ہمارا اسلام کا دعویٰ حقیقت کے مخالف ہے اور ہمارا قلب ہمارے ظاہر کے مخالف ہے۔ اس لئے ہم منافقوں کے زمروں میں ہیں۔

اے ایمان و خضوع قلب کے مدعی! اگر تم بارگاہ ذوالجلال میں کلمۂ توحید پر ایمان رکھتے ہو اور تمہارا دل یکتا پرست اور ایک ہی کا طالب ہے اور خدائے تبارک و تعالیٰ کے علاوہ کسی کے لئے الوہیت کا قائل نہیں ہے۔ اگر تمہارا ظاہر باطن کے اور باطن ظاہر کے موافق ہے تو پھر اہل دنیا کے لئے تمہارے دل میں اتنا خضوع (و خشوع) کیوں ہے؟ تم اہل دنیا کی پوجا کیوں کرتے ہو؟ اس کا مطلب اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے کہ تم ان کو اس عالم میں موثر سمجھتے ہو اور ان کے ارادہ کو نافذ جانتے ہو، زر و زور کو موثر خیال کرتے ہو؟ اس کائنات میں جس چیز کو تم موثر و کارکن نہیں سمجھتے وہ صرف ارادۂ باری تعالیٰ ہے۔ تم تمام اسباب ظاہری کے سامنے سرنگوں ہو مگر موثر حقیقی اور تمام اسباب کے مسبب سے غافل ہو۔ ان تمام باتوں کے باوجود کلمۂ توحید کے ساتھ ایمان کا دعویٰ کرتے ہو۔ یقیناً تم بھی مومنین کی فہرست سے خارج اور منافقین کے گروہ میں شامل ہو کر منافقین کے ساتھ محشور ہوگے۔

اے زہد و اخلاص کے مدعی! اگر تم واقعی مخلص ہو اور خدا اور اس کے دار کرامت کے لئے لذائذ دنیا سے برستے ہو تو پھر تم کو کیا ہو گیا ہے کہ جب لوگ تمہاری مدح و ثنا کرتے ہیں اور کہتے ہیں: فلاں اہل صلاح و سداد ہے۔ تو تم خوش ہوتے ہو، اپنے دل میں ناز و نخرے کرتے ہو، اہل دنیا کی ہم نشینی اور اس کی زیبائش پر جان دیتے ہو، فقراء و مساکین سے فرار کرتے ہو؟ ایسی صورت میں تم سمجھ لو کہ تمہارا زہد و اخلاص حقیقی نہیں ہے۔ دنیا سے زہد صرف دنیا کے لئے کرتے ہو، تمہارا دل حق کے لئے خالص نہیں ہے، تم اپنے دعویٰ میں جھوٹے ہو اور تم منافق ہو۔

اے ولی اللہ کی طرف سے ولایت اور رسول اللہ کی طرف سے خلافت کے مدعی! اگر تم (کتاب احتجاج میں نقل شدہ حدیث کے) مطابق ہو کہ:

«صائناً لِنَفسِهِ، حافِظاً لِدِينِهِ، مُخالِفاً عَلى هَواهُ، مُطِيعاً لِأَمرِ مَولاهُ.»[1]

Presented by www.ziaraat.com

معصوم نے فقہا کی صفت بیان فرمائی ہے کہ فقیہ اپنے نفس کی صیانت کرنے والا، اپنے دین کی حفاظت کرنے والا، خواہشاتِ نفس کا مخالف، اپنے مولیٰ کے حکم کی اطاعت کرنے والا ہونا چاہیئے اور اگر تم اپنے کو شجرِ ولایت و رسالت کا پتہ سمجھتے ہو اور دنیا کی طرف مائل نہیں ہو اور بادشاہوں امیروں سے تقرب کے خواہاں نہیں ہو، فقرا کی ہم نشینی کو عیب نہیں سمجھتے ہو، تب تو تم اسم با مسمیٰ ہو اور لوگوں کے درمیان خدا کی حجت ہو۔ ورنہ تم علمائے سوء میں سے ہو، گروہ منافقین میں سے ہو اور دیگر وہ گروہ جن کا ذکر ہو چکا ان سے بھی بدتر ہو اور تمہارا عمل خراب تر اور تمہاری دنیا تباہ تر ہے۔ اس لئے کہ علما پر خدا کی حجت زیادہ مکمل ہوتی ہے۔

اے حکمتِ الٰہی، حقیقتوں اور مبداء و معاد کا علم رکھنے کے مدعی! اگر تم حقائق کا علم رکھتے ہو، اسباب و مسببات کے ارتباط کا علم رکھتے ہو، اگر واقعی برزخی صورتوں، بہشت و دوزخ کے حالات سے باخبر ہو، تو تم کو ایک سیکنڈ کے لئے بھی آرام نہیں کرنا چاہیئے۔ ہمہ وقت عالم باقی کے تعمیر میں مشغول رہنا چاہیئے اور اس دنیا اور اس کے لذائذ سے فرار کرنا چاہیئے۔ تم تو جانتے ہو کہ کتنی مصیبتیں درپیش ہیں، کتنی تاریکیاں اور طاقت فرسا عذاب سامنے ہیں۔ پھر تم الفاظ و مفاہیم کے حجاب سے باہر قدم کیوں نہیں نکالتے ہو اور دلائل و براہین حکمیہ نے تمہارے دل میں مکھی کے پر کے برابر بھی اثر کیوں نہیں کیا؟ ایسی صورت میں جان لو کہ تم مومنین کے زمرہ سے خارج اور حکما کی فہرست سے باہر ہو اور منافقین کی صفوں میں محشور ہو۔ جس شخص نے اپنی پوری عمر اور ساری ہمت علوم مابعد الطبیعات کے حصول میں صرف کر دی ہو مگر اپنے آپ کو طبیعی زندگی کے نشہ سے باہر نہ لا سکا ہو اس پر وائے ہو، کم از کم ایک حقیقت ہی اس کے دل میں بیٹھ جاتی۔

اے محبت و فنا، جذب و سلوک اور معرفت کے مدعی! اگر تو واقعی اللہ والوں اور اصحابِ قلوب اور نیک کام کرنے والوں میں سے ہے تو ھنیئاً لک۔ مگر تیری بے ہوشی کے عالم میں کی ہوئی ۱۵ باتیں، تیری رنگ آمیزیاں ۱۶، تیرے بڑے بڑے بانگ دعوے یہ سب چیزیں حبِ نفس اور وسوسۂ شیطان کی نشانیاں ہیں اور خدا سے محبت و جذبۂ عشق کے دعوے کی مخالف ہیں۔

«إِنَّ أَوْلِيَائِي تَحْتَ قِبَابِي لَا يَعْرِفُهُمْ غَيْرِي.» ۱۷ تم اگر (واقعی) اولیائے حق اور مجبین و مجذوبین میں سے ہو تو خدا اس کو جانتا ہے۔ لوگوں سے اس قدر اظہارِ مقام و مرتبہ نہ کر۔ بندگانِ خدا کے کمزور دلوں کو ان کے خالق کی طرف سے ہٹا کر اس کی مخلوق کی طرف متوجہ نہ کر۔ بندگانِ الٰہی کے قلوب خدا کا گھر ہیں ان کو ان سے غصب کرنے کی کوشش نہ کر، یہ جان لے کہ یہ (کمزور) بندے

Presented by www.ziaraat.com

خدا کو عزیز ہیں، ان کے دلوں کی بڑی قیمت ہے۔ ان کو محبتِ خدا میں صرف ہونا چاہیئے۔ خانۂ خدا کو ایک کھیل نہ بنا، اس کے ناموس پر دست درازی نہ کر "فَإِنَّ لِلْبَيْتِ رَبًّا" ۱۸ (بیشک گھر کا ایک مالک ہے) اگر تو اپنے دعوے میں سچا نہیں ہے تو تیرا شمار منافقین میں ہے۔ خیر چھوڑیئے۔ اس سے زیادہ طول کلام مجھ جیسے سیاہ رو کے لئے مناسب نہیں ہے۔

اے راقم الحروف کے نفس لئیم! تو کہتا ہے کہ روزِ سیاہ کے لئے کوئی فکر کرنی چاہیئے اور اس بدبختی سے اپنے کو نجات دلانا چاہیئے۔ اگر تو سچ کہتا ہے اور تیرا دل تیری زبان کے ساتھ ہے اور تیرا ظاہر و باطن ایک ہے تو پھر تو اتنا کیوں غافل ہے؟ اور تیرا دل اتنا سیاہ کیوں ہے؟ نفسانی شہوات تیرے اوپر غالب کیوں ہیں؟ موت کے سفر پُر خطر سے تو کیوں بالکل بے فکر ہے۔ تیری عمر گزر گئی مگر ہوا و ہوس سے تو دست بردار ہونے پر تیار نہیں ہے۔ پوری عمر شہوت و غفلت و بدبختی میں گزار دی۔ عنقریب موت آجائے گی اور تجھ کو تیرے بُرے اعمال و اخلاق میں گرفتار کرے گی۔ تو تو ایک واعظ غیر متعظ ہے اور منافقین کے زمرے میں شامل ہے۔ خطرہ تو اس بات کا ہے کہ اگر تو اسی حال میں مر جائے تو آتش کی دو زبانوں اور آتش کی دو صورتوں کے ساتھ محشور ہوگا۔

پروردگارا! ہم کو اس طویل خواب سے بیدار کر دے۔ مستی اور بے خودی سے ہوشیار کر دے۔ میرے دل کو نورِ ایمان سے جلا دے، میری حالت پر رحم فرما، ہم اس میدان کے مرد نہیں ہیں، تو خود ہی ہماری دستگیری فرما، شیطان کے چنگل اور ہوائے نفس کے پنجہ سے نجات دے بحق لولاک محمدؐ و آلہ الطاہرین۔ صلوات اللہ علیہم اجمعین۔

Presented by www.ziaraat.com

نویں حدیث کی توضیحات

۱۔ اصول کافی جلد ۲، ص ۲۳۲، کتاب ایمان و کفر، باب ذی اللسانین" حدیث ۱۔

۲۔ (اعراف/۲۱)

۳۔ عَنْ زَيْدِ بْنِ عَلِي، عَنْ آبَائِهِ عَنْ عَلِي، عَلَيْهِمُ السَّلَامُ، قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ، صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ: يَجِيءُ عُتُوُّ الْقِيَامَةِ ذُو الْوَجْهَيْنِ، ذَالِعاً لِسَانُهُ فِي قَفَاهُ وَآخَرُ مِنْ قُدَّامِهِ، يَلْتَهِبَانِ نَاراً حَتَّى يُلْهِبَا جَسَدَهُ. ثُمَّ يُقَالُ لَهُ: هَذَا الَّذِي كَانَ فِي الدُّنْيَا ذَا وَجْهَيْنِ وَلِسَانَيْنِ. يُعْرَفُ بِذَلِكَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔" ثواب الاعمال و عقاب الاعمال، ص ۲۱۶، عقاب من کان ذا وجھین و لسانین"۔

۴۔ سورۂ رعد آیت ۲۵۔

۵۔ بقرہ/۱۹۱۔

۶۔ اصول کافی جلد ۲، ص ۳۶۹، کتاب ایمان و کفر، باب الغیبۃ، حدیث ۲۔

۷۔ وَيَا أَبَاذَرٍ، إِيَّاكَ وَالْغِيبَةَ فَإِنَّ الْغِيبَةَ أَشَدُّ مِنَ الزِّنَا. قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ وَلِمَ ذَاكَ بِأَبِي أَنْتَ وَأُمِّي؟ قَالَ: لِأَنَّ الرَّجُلَ يَزْنِي فَيَتُوبُ إِلَى اللَّهِ فَيَتُوبُ اللَّهُ عَلَيْهِ، وَالْغِيبَةُ لَا تُغْفَرُ حَتَّى يَغْفِرَهَا صَاحِبُهَا۔" اے ابوذر، غیبت نہ کرنا، اس لئے کہ غیبت کا (گناہ) زنا سے زیادہ شدید ہے۔ میں (ابوذر) نے کہا: اے رسولؐ خدا آپ پر میرے ماں باپ فدا ہوں، ایسا کیوں ہے؟ رسولؐ نے فرمایا: اس لئے کہ انسان زنا کر کے اکثر اوقات توبہ کر لیتا ہے اور خدا اس کی توبہ قبول کر لیتا ہے لیکن غیبت کو اس وقت تک بخشا نہیں جاتا جب تک وہ شخص نہ بخش دے جس کی غیبت کی گئی ہے۔ بحار جلد ۷۴، ص ۸۹، کتاب الروضۃ، باب مواعظ النبیؐ۔

۸۔ جو شخص ذرہ برابر نیکی کرے گا اس کی جزا پائے گا اور جو ذرہ برابر برائی کرے گا اس کی سزا پائے گا۔ (زلزال/۷، ۸)

Presented by www.ziaraat.com

۹۔ خداوند مجھے (دنیا میں) واپس بھیج دے (مومنون/ ۹۹)

۱۰۔ رسولِ خدا کی دعا میں ہے: خداوندا میرے جانشینوں پر رحمت نازل کر۔ وسائل الشیعہ جلد ۱۸، ص ۱، کتاب القضاء باب ۸۔

۱۱۔ حضرت صاحب علیہ السلام کی توقیع مبارک میں ہے:

«وَأَمَّا الْحَوَادِثُ الْوَاقِعَةُ، فَارْجِعُوا فِيهَا إِلَى رُوَاةِ حَدِيثِنَا؛ فَإِنَّهُمْ حُجَّتِي عَلَيْكُمْ، وَأَنَا حُجَّةُ اللّٰهِ عَلَيْهِمْ.»

"لیکن پیش آنے والے واقعات میں تم لوگ ہماری حدیث کے راویوں کی طرف رجوع کرنا۔ اس لئے کہ وہ لوگ ہماری طرف سے تمہارے اوپر حجت ہیں اور میں خدا کی طرف سے ان کے اوپر حجت ہوں۔ وسائل الشیعہ جلد ۱۸ ص ۹۰ کتاب القضاء، ابواب صفات قاضی، باب ۱۱، حدیث ۹۔

۱۲۔ تمام اربابِ نعمت کو ان کی نعمتیں مبارک ہوں۔

۱۳۔ اصولِ کافی جلد ۲، ص ۲۴۵، کتاب ایمان و کفر، "باب المؤمن و علاماتہ و صفاتہ"، حدیث ۱۹۔

۱۴۔ احتجاج جلد ۲، ص ۴۵۸، باب احتجاجات امام حسن عسکریؑ۔

۱۵۔ صاحب تاج العروس تحریر کرتے ہیں: لفظ "شطحات" صوفیوں کے یہاں مشہور ہے۔ ان کی اصطلاح میں اس کا مطلب ہے: حالتِ بے خودی اور غلبہ شہودِ حق کے وقت ان کے منہ سے نکلی ہوئی باتیں کہ اس وقت یہ لوگ حق کے علاوہ کچھ نہیں دیکھتے۔ تاج العروس (مطبوعہ مصر) جلد ۲، ص ۱۷۲، اور صاحب دستور العلماء فرماتے ہیں: "شطح" اس بات کو کہتے ہیں جو مستی اور سلطانِ حقیقت کے غلبہ کے وقت کہی جاتی ہے اور یہ وہ کلمات ہوتے ہیں جن سے ہیجان اور بے ہودگوئی کی بُو آتی ہے اور اس کا ظاہر علم کا مخالف اور حد معروف سے خارج ہوتا ہے۔ دستور العلماء، جلد ۲، ص ۲۱۴۔

حضرت امام خمینی قدس سرہ نے کتاب مصباح الھدایہ میں عنقاد شطح کے بارے میں ایک باریک بینی کا اظہار فرمایا ہے۔ چنانچہ موصوف فرماتے ہیں:

«وَالشَّطَحِيَّاتُ كُلُّهَا مِنْ نُقْصَانِ السَّالِكِ وَالسُّلُوكِ.»

(یعنی شطحیات سب کی سب سالک و سلوک کی کوتاہی ہے) مصباح الہدایہ، ص ۲۰۷۔

۱۶۔ تلوین: یعنی بندے کا اپنے حالات میں بدلنا۔ ایک حال سے دوسرے حال کی طرف پلٹ جانا۔ ابوالقاسم قشیری کہتے ہیں: تلوین۔ ارباب احوال کی صفت ہے اور تمکین اہلِ حقائق کی صفت ہے۔ انسان جب تک "طریق" میں رہتا ہے صاحب تلوین ہوتا ہے۔ فرہنگ اصطلاحات و تعبیرات عرفانی، ص ۲۵۷؛ عبدالرزاق کاشانی اصطلاحات میں کہتے ہیں: تلوین دگرگونی احوالِ عبد کا نام ہے۔ بہت سے افراد کی نظر میں یہ "مقام ناقص" ہے۔ لیکن ہماری نظر میں کامل ترین مقام ہے۔ اس منزل پر بندہ کی حالت خداوند کے کلام کی شان کے مثل ہو جاتی ہے۔ کل یوم ہو فی شان۔ شیخ محی الدین نے بھی اصطلاحات صوفیہ میں یہی بات کہی ہے۔ لیکن امام خمینی قدس سرہ نے تلوین کو نقص شمار کیا ہے کمال نہیں شمار کیا ہے۔

۱۷۔ میرے اولیا میرے قبتوں کے نیچے ہیں۔ میرے علاوہ ان کو کوئی نہیں پہچانتا۔ اسرار الشریعۃ و الطور الطریقۃ و انوار الحقیقۃ، ص ۱۹۷، مصباح الھدایۃ و مفتاح الکفایۃ ص ۲۸۷، مرصاد العباد، ص ۱۲۷۔

Presented by www.ziaraat.com

۱۔ اس گھر کا بھی ایک مالک ہے۔ ابرہہ جب خانۂ کعبہ کو برباد کرنے کے لئے آیا تھا اور جناب عبدالمطلبؑ نے اس سے جاکر اپنے اور دوسروں کے تقریباً سو اونٹوں کی واپسی کا مطالبہ کیا تھا جن کو ابرہہ کے لشکر نے پکڑ لیا تھا تو ابرہہ نے کہا، مجھے تعجب ہے تم سید القریش ہو کر اونٹوں کے مطالبہ کے لئے آگئے مگر خانہ کعبہ کے نہ گرانے کی مجھ سے خواہش نہ کی۔

تو جناب عبدالمطلبؑ نے فرمایا: میں اونٹوں کا مالک ہوں۔ اس لئے اس کا مطالبہ کرتا ہوں۔ رہا کعبہ کا مسئلہ تو، اس بیت رب خانۂ کعبہ کا بھی ایک مالک ہے جو اس کی حفاظت کرے گا۔

بحارالانوار جلد ۱۵، ص ۱۳۱۔ ۱۳۶، "تاریخ نبیناؐ" باب ۱۔ حدیث ۷۔ ۱، سیرت ابن ہشام جلد ۱، ص ۶۵۔

دسویں حدیث

«بِالْأَسْنَادِ الْمُتَّصِلَةِ إِلَى رَئِيسِ الْمُحَدِّثِينَ، مُحَمَّدِ بْنِ يَعْقُوبَ، رِضْوَانُ اللّٰهِ عَلَيْهِ، عَنِ الْحُسَيْنِ بْنِ مُحَمَّدٍ، عَنْ مُعَلَّى بْنِ مُحَمَّدٍ، عَنِ الْوَشَّاءِ عَنْ عَاصِمِ بْنِ حُمَيْدٍ، عَنْ أَبِي حَمْزَةَ، عَنْ يَحْيَى بْنِ عُقَيْلٍ قَالَ: قَالَ أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ، عَلَيْهِ السَّلَامُ: إِنَّمَا (إِنِّي ن خ) أَخَافُ عَلَيْكُمْ إِثْنَتَيْنِ: إِتِّبَاعُ الْهَوَى، وَطُولُ الْأَمَلِ. أَمَّا إِتِّبَاعُ الْهَوَى فَإِنَّهُ يَصُدُّ عَنِ الْحَقِّ وَأَمَّا طُولُ الْأَمَلِ، فَيُنْسِي (فَإِنَّهُ يُنْسِي ن خ) الْآخِرَةَ.»[1]

ترجمہ: یحییٰ بن عقیل کہتے ہیں: حضرت علیؑ نے فرمایا: میں تم سے دو باتوں کے لئے ڈرتا ہوں۔ ۱: خواہشات کی پیروی ۲: لمبی امیدیں۔ خواہشات کی پیروی حق سے روک دیتی ہے اور امید کی درازی آخرت کو بھلا دیتی ہے۔

شرح "ھویٰ" کے معنیٰ لغت میں "دوست رکھنے" اور خواہش کے ہیں۔ البتہ متعلق کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں ہے۔ خواہ اچھی و ممدوح چیز ہو یا بری اور مذموم چیز ہو۔ (خواہش کا تعلق دونوں سے ہو سکتا ہے) لیکن زیادہ تر اس کا استعمال مذموم چیزوں کی خواہش میں ہوتا ہے

Presented by www.ziaraat.com

اور اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ نفس غالباً ہوس رانی اور مذموم شہوتوں کی طرف مائل ہوا کرتا ہے اور یا اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر عقل و شرع مہار نہ ہو تو فطرتاً نفس باطل شہوتوں اور نفسانی خواہشوں کی طرف مائل ہوا کرتا ہے۔ البتہ بعض محققین[2] نے جو اس میں حقیقتِ شرعیہ[4] کا احتمال دیا ہے وہ بعید ہے۔

اور "صد" کے معنیٰ روکنا، اعراض کرنا، موڑنا کے ہیں اور سب ہی مناسب ہیں۔ لیکن یہاں پر روکنے اور منع کرنے کے معنیٰ میں ہے۔ کیونکہ صد جو اعراض کے معنیٰ میں ہوتا ہے وہ لازم ہے۔ (جو یہاں نامناسب ہے) ہم انشاءاللہ دو مقام کے ضمن میں ان دونوں خصلتوں کے فساد اور پیروی خواہشات کس طرح حق سے روکتی ہے اور درازی اُمید کس طرح آخرت کو بھلا دیتی ہے کا ذکر کریں گے اور خداوندِ عالم سے توفیق کے طلب گار ہیں۔

پہلا مقام

خواہشِ نفس کی پیروی کی مذمت

اس میں چند فصلیں ہیں:

پہلی فصل

انسان ابتدائے اُمر میں حیوان بالفعل ہے اس کا بیان

یہ جان لو کہ نفسِ انسانی ایک اعتبار سے جس کا ذکر ابھی ہمارے مقصد سے خارج ہے۔ توحید بلکہ تمام عقائدِ حقہ پر پیدا کیا گیا ہے۔ لیکن چونکہ ابتدائے ولادت سے اسی دنیا میں اور اسی عالم میں قدم رکھتے ہی نفسانی میلانات اور حیوانی خواہشات کے درمیان نشوونما پاتا ہے اس لئے ہم نوعِ انسان کے حالات سے بحث کریں گے۔ "جو لوگ مؤید من اللہ ہوتے ہیں اور حافظ قدسی کی حمایت میں ہوتے ہیں چونکہ وہ لوگ نوادر وجود میں سے ہیں اس لئے وہ ہمارے حساب میں نہیں ہیں اور نہ ہم ان کا ذکر یہاں کریں گے۔"

Presented by www.ziaraat.com

یہ بات اپنی جگہ پر دلیلوں سے ثابت ہے کہ اوّلِ پیدائش میں انسان مٹی مراحل کے بعد ایک کمزور حیوان ہے جس میں قابلیتِ انسانیت کے علاوہ دیگر حیوانات سے کسی قسم کا کوئی فرق نہیں ہوتا اور وہ صلاحیت و قابلیت بھی بالفعل معیارِ انسانیت نہیں ہے۔

پس انسان اس دنیا میں وارد ہونے کے ابتدائی مرحلوں میں کسی بھی معیار سے ایک حیوان بالفعل ہے اور شریعتِ حیوانات جو غضب و شہوات کا ایک ادارہ ہے، کے علاوہ کسی بھی میزان کے ماتحت نہیں ہے اور چونکہ اس عجوبۂ دہر کی ذات تمام چیزوں کی جامع یا قابل ہے اس لئے ان دونوں قوتوں کی، جو شیطانی صفات ہیں۔ تشفی کے لئے دیگر شیطانی صفات، مثلاً جھوٹ، دھوکہ بازی، چغلخوری وغیرہ کو کام میں لاتا ہے اور انھیں تینوں قوتوں کے ذریعہ اور یہ تینوں مفسدات و مہلکات کی جڑ ہیں۔ ترقی کرتا ہے اور یہ قوتیں بھی انسان کے اندر روز بروز ترقی کرتی ہیں۔ اب اگر اس انسان کی ایک مربی و معلّم کے زیرِ اثر تربیت نہ کی جائے تو وہ بلوغ و رشد کی حد پر پہونچنے کے بعد ایک عجیب و غریب حیوان بن جاتا ہے جو مذکورہ بالا صفات میں تمام حیوانوں اور شیطانوں پر گوئے سبقت لے جاتا ہے اور حیوانیت و شیطانیت میں سب سے قوی اور سب سے کامل ہو جاتا ہے۔ اب اگر اسی حالت میں ایک زمانہ گزر جائے اور وہ ان تینوں چیزوں میں خواہش نفس کی پیروی کے علاوہ اور کچھ نہ کرے تو پھر معارفِ الٰہیہ، اخلاقِ فاضلہ اور اعمالِ صالحہ میں سے کسی ایک کا بھی اس میں ظہور نہ ہوگا۔ بلکہ اس کے تمام فطری انوار بھی خاموش ہو جاتے ہیں۔

پس تمام حق کے مراتب ان تین مقامات سے یعنی معارفِ الٰہیہ و اخلاقِ و ملکاتِ فاضلہ و اعمالِ صالحہ کہ جن کا ذکر ہو چکا ہے خارج نہیں ہیں۔ (یہ سب) خواہشاتِ نفسانی کے پیروں تلے روند دیئے جاتے ہیں اور نفسانی میلانات و حیوانی خواہشات اس کو اس قابل نہیں رہنے دیتے کہ اس میں حق کا کوئی بھی مرتبہ جلوہ گر ہو سکے۔ خواہشاتِ نفس کی گندگی و تاریکی عقل و ایمان کے انوار کو خاموش کر دیتی ہے اور دوسری طاقت جو انسانی ولادت ہے اس کو حاصل نہیں ہو پاتی۔ وہ اسی حال میں رہ جاتی ہے اور حق و حقیقت سے ممنوع ہو جاتی ہے یہاں تک کہ اس دنیا سے اسی حال میں کوچ کر جائے اور اس دوسری دنیا میں کشفِ حقیقت ہو جائے۔ (اس وقت تک) وہ اپنے کو حیوان یا شیطان کے علاوہ کچھ نہیں پاتا۔ اور انسان و انسانیت کو (بھولے سے بھی) نہیں یاد کرتا اور اس حال میں بے انتہا تاریکیوں، عذابوں میں مبتلا رہتا ہے۔ جب تک خدا چاہے۔

پس خواہشاتِ نفس کی مکمل پیروی کا نتیجہ یہ ہے کہ یہ پیروی حق سے مکمل طور سے روک

Presented by www.ziaraat.com

دیتی ہے اور یہیں سے یہ بات بھی سمجھ میں آجاتی ہے کہ حق سے رک جانا خواہشِ نفس کے متابعت کا نتیجہ ہے اور آدمی جتنی پیروی کرے گا اسی قدر حق سے دور رہے گا۔ مثلاً ایسا انسان اگر انبیا کی تعلیم علما و مربیان کی تربیت کے واسطے سے اوّل ولادت میں اس کی مملکتِ انسانیت ان تین قوتوں سے ہم آغوش ہوگئی اور ان کی ترقی و تکامل کے ساتھ اس کی بھی ترقی ہوگئی اور تحتِ تربیت واقع ہوگئی اور رفتہ رفتہ کرکے انبیا و اولیا کی قوتِ مربیہ کے تابع ہوگئی تو ممکن ہے اس پر سوائے اس کے کچھ نہ گزرے کہ انسان کی قوت کاملہ جو اس میں بطور استعداد و قابلیت ودیعت کی گئی ہے وہ منزلِ فعلیت میں آجائے اور ظاہر ہوجائے اور مملکت کی تمام قوتیں شانِ انسانیت کی طرف پلٹ آئیں اور شیطان اس کے ہاتھ پر ایمان لے آئے۔ جیسا کہ حضورِ اکرمؐ کے ہاتھ پر ایمان لایا تھا کہ حضورؐ نے فرمایا، "اِنَّ شَیْطَانِیْ آمَنَ بِیَدِیْ" میرا شیطان میرے ہاتھ پر ایمان لایا اور اس کی حیوانیت اس کی انسانیت کے اس طرح تابع ہوجائے کہ مرکبِ مرتاض راہوار عالمِ کمال و ترقی ہو اور براقِ آسمان راہِ آخرت کی طرف روانہ ہو اور کبھی سرکشی نہ کرے۔

اور جب شہوت و غضب کی جگہ عدالت و شرع لے لیتی ہیں تو مملکت کے اندر عدالت کا ظہور ہوتا ہے اور حکومت عادلۂ حقہ کی تشکیل ہوتی ہے جس میں قوانینِ حقہ کی حکومت ہوتی ہے اور اس کا کارکن بھی حق ہوتا ہے۔ اس حکومت میں حق کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھایا جاتا اور وہ باطل وجود سے بالکل خالی ہوتی ہے۔

پس جس طرح حق کے روکنے کا معیار خواہشات کی پیروی ہے اسی طرح جلبِ حق کا معیار عقل و شرع کی متابعت و پیروی ہے اور ان دونوں منزلوں، خواہشاتِ نفس کی مکمل پیروی اور عقل و شرع کی مکمل پیروی کے درمیان غیر متناہی منازل ہیں باین عنوان کہ خواہشِ نفس کی پیروی میں جو قدم اور جتنے قدم بھی اٹھائے جائیں گے اسی اندازہ سے حق سے دوری اور حقیقت سے دوری، انوارِ کمالِ انسانیت اور اسرارِ وجودِ انسانیت محجوب ہوتے جائیں گے اور اس کے برعکس جو قدم خواہشِ نفس کے خلاف اٹھے گا اسی قدر حجاب دور ہوگا اور نورِ حق ظاہر ہوگا۔

دوسری فصل

خواہشِ نفس کی پیروی کی مذمت

خداوندِ عالم خواہشاتِ نفس کی مذمت میں فرماتا ہے:

Presented by www.ziaraat.com

«وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ.» ۵ اور نفسانی خواہش کی پیروی نہ کرو ورنہ یہ پیروی تمھیں خدا کی راہ سے بہکا دے گی۔ دوسری آیت میں ارشاد ہوتا ہے:

«وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰاهُ بِغَيْرِ هُدًى مِنَ اللّٰهِ.» ۶ اور جو شخص خدا کی ہدایت کو چھوڑ کر اپنی ہوا و ہوس کی پیروی کرے اس سے زیادہ گمراہ کون ہوگا؟"

کافی شریف میں امام محمد باقرؑ سے مروی ہے: آپؑ نے فرمایا۔

«قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ: يَقُولُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ: وَعِزَّتِي وَجَلَالِي وَعَظَمَتِي وَكِبْرِيَائِي وَنُورِي وَعُلُوِّي وَارْتِفَاعِ مَكَانِي لَا يُؤْثِرُ عَبْدٌ هَوَاهُ عَلَى هَوَايَ إِلَّا شَتَّتُّ عَلَيْهِ أَمْرَهُ وَلَبَّسْتُ عَلَيْهِ دُنْيَاهُ وَشَغَلْتُ قَلْبَهُ بِهَا، وَلَمْ أُوتِهِ مِنْهَا إِلَّا مَا قَدَّرْتُ لَهُ. وَعِزَّتِي وَجَلَالِي وَعَظَمَتِي وَنُورِي وَعُلُوِّي وَارْتِفَاعِ مَكَانِي لَا يُؤْثِرُ عَبْدٌ هَوَايَ عَلَى هَوَاهُ إِلَّا اسْتَحْفَظْتُهُ مَلَائِكَتِي وَكَفَّلْتُ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِينَ رِزْقَهُ، وَكُنْتُ لَهُ مِنْ وَرَاءِ تِجَارَةِ كُلِّ تَاجِرٍ وَأَتَتْهُ الدُّنْيَا وَهِيَ رَاغِمَةٌ.»

رسولِ خدا کا ارشاد ہے: "خداوند عالم فرماتا ہے: اپنے عزت و جلال، عظمت و کبریا، نور و بلندی اور ارتفاعِ منزلت کی قسم کھاتا ہوں جو بندہ اپنی خواہش کو میری خواہش پر مقدم کرے گا میں اس کے امور کو پراگندہ کروں گا اور اس کی دنیا کو درہم برہم کر دوں گا۔ اس کے دل کو دُنیا میں مشغول بنا دوں گا اور اس کو صرف اتنی ہی دُنیا دوں گا جو اس کے لئے مقدر کر چکا ہوں اور (اپنی) عزت و جلال، عظمت و نور، بزرگی و رفعتِ مکان کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جو بندہ میری خواہش کو اپنی خواہش پر مقدم کرے گا میرے ملائکہ اس کی حفاظت کریں گے، آسمان و زمین اس کی روزی کے متکفل ہوں گے اور میں اس کے لئے ہر تاجر کی تجارت کے پیچھے ہوں گا۔"

یعنی میں اس کے لئے تجارت کروں گا اور اس کو روزی پہونچاؤں گا اور دنیا اس کے پاس ذلیل و مطیع ہو کر آئے گی۔ یعنی باوجود یہ کہ اس شخص کا دل دُنیا کی طرف مائل نہ ہوگا پھر بھی دنیا اس کے پاس آئے گی اس طرح وہ ذلیل و خوار ہوگی۔

یہ حدیث شریف محکمات میں سے ہے اور اس کا مضمون خود شاہد ہے کہ یہ علم پروردگار

Presented by www.ziaraat.com

عالم کے شیریں چشمے سے ہے اگرچہ سند کے اعتبار سے کمزور ہے ویسے میں فعلاً اس کی شرح کرنے کے درپے نہیں ہوں۔

اس حدیث کے علاوہ جس کی ہم شرح کر چکے مولاالمومنین حضرت علیؑ سے منقول ہے۔

«أنَّ أخوفَ ما أخافُ عَلَيكُمْ اثنتانِ: اتِّباعُ الهَوىٰ...» ۸ "سب سے زیادہ وہ چیز جس کے بارے میں میں تم لوگوں سے خوف رکھتا ہوں وہ دو ہیں ۱۔ خواہشات کی پیروی ۲ ..... بقیہ فرمائش ابن عقیل کی حدیث کے مطابق ہے۔

کافی شریف میں امام جعفر صادقؑ سے منقول ہے:

«إحذَرُوا أهْوائَكُمْ كَما تَحْذَرُونَ أعْداءَكُمْ؛ فَلَيسَ شَيءٌ أعْدىٰ لِلرِّجالِ مِنْ اتِّباعِ أهْوائِهِمْ وَحَصائِدِ أَلْسِنَتِهِمْ.» ۹

"اپنی خواہشات سے اسی طرح ڈرو جس طرح اپنے دشمنوں سے ڈرتے ہو۔ لوگوں کے لئے خواہش نفس کی پیروی سے زیادہ کوئی چیز دشمن تر نہیں ہے اور ان کی زبانوں سے نکلے ہوئے جملوں سے زیادہ کوئی دشمن تر نہیں ہے۔"

میرے عزیز! یہ جان لو کہ خواہش نفس اور تمنائے نفس کی کوئی حد وانتہا نہیں ہے۔ اگر کسی نے اس کے لئے ایک قدم اٹھایا تو وہ چند مزید قدم اٹھانے پر مجبور ہے۔ اگر ایک خواہش نفس کی پیروی کرلی تو چند اور کی پیروی کرنے پر مجبور ہوگا۔ اگر خواہش نفس کے سامنے ایک دروازہ کھول دیا تو پھر بہت سے دروازے اس کے سامنے کھولنے پڑیں گے اور کبھی ایک نفس کی پیروی کی وجہ سے چند مفسدوں اور اس سے ہزاروں مہلکوں میں مبتلا ہو سکتے ہو۔ یہاں تک کہ خدانخواستہ آخر وقت میں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حق کے تمام راستے تمہارے لئے بند ہو جائیں۔ جیسا کہ خداوند عالم نے قرآن مجید میں اس کی خبر دی ہے۔ ۱۰

البتہ خود امیرالمومنین، ولی امر، مولا مشکل کشا، مرشد کامل، مشکل پذیر، راہنمائے انسانیت نے اس سے اظہار خوف فرمایا ہے۔ بلکہ روح مکرم رسول اکرمؐ و ائمہ ہدیٰؑ نے بھی اضطراب و وحشت کا اظہار فرمایا کہ کہیں درخت نبوت وولایت کے پتے خزاں رسیدہ ہو کر گرنے نہ لگیں۔ حضرت رسولؐ فرماتے ہیں «تَناكَحُوا تَناسَلُوا، فَإنِّي أُباهِي بِكُمُ الأُمَمَ وَلَوْ بِالسِّقْطِ.» ۱۱

"آپس میں نکاح کرو اور نسل بڑھاؤ کیونکہ میں تمہاری وجہ سے سابق امتوں پر فخر کروں گا

Presented by www.ziaraat.com

حتیٰ ساقط شدہ بچوں کے ذریعہ۔"

اور یہ معلوم ہے کہ اگر انسان کسی ایسے خوفناک راستہ میں پڑ جائے جہاں یہ خطرہ ہو کہ انسان ہلاک ہو جائے گا اور اس کے والدِ حقیقی (یعنی رسولِ خدا) سے عاق ہونے کے اسباب پیدا ہو جائیں گے اور رحمۃ للعالمین اس سے ناراض ہو جائیں گے تو (سوچو) وہ کتنا بدبخت شخص ہے اور پس پردہ کتنی مصیبتیں اور گرفتاریاں ہیں۔ پس اگر رسولؐ اللہ سے آشنائی رکھتے ہو اور مولا علیؑ سے محبت رکھتے ہو اور ان کی اولادِ طاہرینؑ کو دوست رکھتے ہو تو ان کے مبارک قلوب کو خوف و اضطراب سے باہر لاؤ۔

قرآن مجید کے سورۂ ہود میں ہے "فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ۔"[12] "پس (اے رسولؐ) جیسا کہ آپؐ کو حکم دیا گیا ہے اور آپؐ کے ساتھ وہ لوگ بھی جنھوں نے کفر سے توبہ کی ہے ثابت قدم رہیئے۔"

حدیث میں آیا ہے کہ رسولِ خدا نے فرمایا "شَيَّبَتْنِي سُورَةُ هُودٍ لِمَكَانِ هٰذِهِ الْآيَةِ"[13] "مجھے سورۂ ہود کی اس آیت نے بوڑھا کر دیا۔" شیخ عارف کامل شاہ آبادی[14] روحی الفداہ نے فرمایا کہ: یہ آیہ مبارکہ سورۂ شوریٰ[15] میں بھی آیا ہے لیکن وہاں پر وَمَنْ تَابَ مَعَكَ نہیں آیا ہے اسی لئے حضرت رسولؐ نے سورۂ ہود کے ذکر کو مخصوص فرمایا کیونکہ سورۂ ہود میں خدا نے استقامتِ اُمّت کا بھی حکم دیا ہے اور آنحضرتؐ کو یہ خوف تھا کہ ہو سکتا ہے یہ کام نہ ہو سکے ورنہ خود آنحضرتؐ استقامت رکھتے تھے بلکہ حضور اسم حکیم (عدل) کے مظہر تھے۔

لہٰذا اے میرے بھائی! اگر آپ اپنے کو آنحضرتؐ کے پیروکاروں میں سمجھتے ہیں اور اس ذاتِ مقدس کا اپنے کو مورد و مامور یت مانتے ہیں تو اپنے بُرے اعمال کی وجہ سے ان کو شرمندہ و شرمسار نہ کیجئے۔ آپ خود دیکھئے اگر آپ کی اولاد یا دیگر آپ سے وابستہ لوگ بُرے و نامناسب اور ایسے کام کریں جو آپ کی شان کے خلاف ہوں۔ تو آپ لوگوں کے سامنے کتنا شرمندہ ہوں گے۔ یہ جان لیں کہ رسولِ خدا اور حضرت علیؑ اس اُمّت کے حقیقی باپ ہیں۔ اس کے لئے خود آنحضرتؐ نے فرمایا "أَنَا وَعَلِيٌّ أَبَوَا هٰذِهِ الْأُمَّةِ۔"[16] "میں اور علیؑ اس اُمّت کے باپ ہیں۔ اس لئے جب ہم کو محضرِ ربوبیت میں پیش کیا جائے گا اور ان حضرات کی موجودگی میں ہمارا حساب لیا جائے گا اور ہمارے نامۂ عمل میں بدی و بُرائی کے علاوہ کچھ نہ ہوگا تو ان حضرات کو کتنا گراں گزرے گا اور خدا و ملائکہ و انبیا کے سامنے یہ حضرات کس قدر شرمندہ ہونگے! ہم نے ان حضرات پر کتنا بڑا ظلم کیا ہے اور کس مصیبت میں مبتلا ہو گئے ہیں اور خدا معلوم ہمارے ساتھ کیا معاملہ کرے گا؟

Presented by www.ziaraat.com

پس اے ظالم و جاہل انسان! تو خود اپنے اوپر تو ظلم کرتا ہی ہے اور تیرے اولیائے نعمت جنھوں نے تیری ہدایت کے لئے اپنی جان و مال و راحت کو قربان کر دیا اور بڑی مصیبتوں کو برداشت کیا اور بڑی بیداری سے جن کو قتل کیا گیا، جن کے زن و فرزند کو اسیر کیا گیا، ان کی زحمتوں کا شکریہ ادا کرنے کے بجائے ان پر اس طرح کا ظلم کرتا ہے اور خیال کرتا ہے کہ تو نے صرف اپنے اوپر ظلم کیا۔ ذرا خوابِ غفلت سے بیدار ہو اور اپنی جگہ شرم کر اور ان بزرگوں کو چھوڑ دے ان کے لئے وہی مظالم بہت کافی ہیں جو دشمنانِ دین کے ہاتھوں ان کو پہونچ چکے ہیں (اب تو تو ظلم نہ کر) تم تو دوستی کا دعویٰ کرتے ہو۔ تم ان پر ظلم نہ کرو کیوں کہ دوست اور مدعی دوستی کی طرف سے ظلم ناگوار تر اور بہت ہی بُرا ہے۔

تیسری فصل

خواہشاتِ نفسانیہ کی تعداد

یہ جان لینا چاہیئے کہ مراتب و متعلقات کے اعتبار سے نفسانی خواہشات مختلف و گوناگوں ہیں اور کبھی تو اتنی دقیق ہوتی ہیں کہ خود انسان اس بات سے غافل ہوتا ہے کہ یہ کید شیطانی اور خواہش نفسانی ہے ہاں اگر اس کو متوجہ کر دیا جائے اور اس غفلت سے ہوشیار کر دیا جائے تو متوجہ ہو جاتا ہے۔ مگر ان تمام اختلافات کے باوجود راہِ حق کے روکنے اور خدا کے راستے سے منع کرنے میں سب شریک ہیں۔ البتہ ان کے مرتبوں میں تفاوت ہے: چنانچہ باطل خواہشات والے، سونے وغیرہ سے خدا بنانے والے، جیسا کہ خدا نے فرمایا ہے: «أَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلٰهَهُ هَوَاهُ.» "بھلا تم نے اس شخص کو بھی دیکھا جس نے نفسانی خواہشات کو خدا بنا رکھا ہے"

اس کے علاوہ دیگر آیات میں بھی ارشاد ہے۔ دوسری طرح سے خدا سے باز رہتے ہیں اور اباطیلِ شیطانی و خواہشاتِ نفسانی کی پیروی کرنے والے اپنے باطل عقائد میں یا فاسد اخلاق میں دوسری طرح حق سے محجوب رہتے ہیں۔ گناہانِ صغیرہ و کبیرہ کرنے والے مہلکات و موبقات بجالانے والے اپنے درجات کے اعتبار سے دوسری طرح حق سے باز رہتے ہیں، مباح چیزوں میں خواہشات کی پیروی کرنے والے اور اس میں زیادہ مشغول رہنے والے وہ دوسری طرح راہِ حق و حقیقت سے محجوب ہوتے ہیں اور اہلِ عبادت و ظاہری اطاعت کرنے والے (جو کچھ بھی) عالمِ آخرت کی آبادی اور سہیبِ سایہ کی آرزو کرنے اور درجاتِ (عالیہ) تک پہونچنے کے لئے یا عذاب و درکات (جہنم)

Presented by www.ziaraat.com

سے بچنے کے لئے کرتے ہیں وہ حق وراہِ حق سے دوسری طرح سے ممنوع ہوتے ہیں۔ ظہورِ قدرت نفس اور جذبِ صفات تک پہونچنے کے لئے جو لوگ ریاضت اور تہذیبِ نفس کرتے ہیں وہ کسی اور طرح سے حق اور اس کے لقا سے محروم ہو جاتے ہیں۔

اہلِ معارف و سلوک و جذبات اور مقاماتِ عارفین کہ جن کا مقصد لقائے حق اور وصول بمقام قرب کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہوتا۔ وہ بھی کسی دوسرے طریقہ سے حق و تجلیاتِ خاص سے محروم رہتے ہیں۔ کیونکہ خود ان کے اندر بھی تلوین (تلون) اور خودی کے آثار باقی ہیں۔ اس کے علاوہ دیگر مراتب بھی ہیں جس کا ذکر یہاں پر مناسب نہیں ہے۔

لہٰذا مراتب مذکورہ کے جو اہل ہیں ان میں سے ہر ایک کو اپنی حالت کی تفتیش کرنی چاہیئے۔ اور اپنے کو خواہشاتِ نفسانی سے پاک و پاکیزہ رکھے تاکہ راہِ حق سے باز نہ رہ سکے اور راہِ سلوک حقیقت سے گمراہ نہ ہو سکے اور رحمت و مہربانی کے دروازے جہاں بھی ہوں اس کے لئے کھل سکیں۔

واللہ وَلِیُّ الْھِدَایَۃِ وَالتَّوْفِیق۔

دوسرا مقام

لمبی اُمیدوں کا بیان

اس میں دو فصلیں ہیں۔

پہلی فصل

لمبی اُمیدیں آخرت بھول جانے کا سبب ہیں

انسانیت کی منزلوں میں سب سے پہلی منزل بیداری ہے۔ چنانچہ اہلِ سلوک بزرگوں نے سالکوں کی منزلوں کے (سلسلہ) میں بیان کیا ہے [۱۸] اور اس منزل کے لئے شیخ عظیم الشان شاہ آبادی نے فرمایا ہے کہ وہ دس بیت ہیں کہ سر دست ہم کو شمار نہیں کرنا چاہتے۔

Presented by www.ziaraat.com

لیکن جس چیز کا بیان ضروری ہے وہ یہ ہے کہ انسان جب تک اس بات پر متنبہ نہ ہوگا کہ وہ (ایک) مسافر ہے اور مسافر کے لئے سفر اور مقصد کا ہونا ضروری ہے اور یہ بھی ضروری ہے کہ وہ (یہ بھی سمجھے کہ) اس مقصد کی طرف وہ حرکت کرنے پر مجبور ہے اور حصولِ مقصد ممکن ہے (اس وقت تک) اس کے اندر عزم پیدا نہ ہوگا اور نہ وہ صاحبِ ارادہ ہوگا۔ ان تمام امور کے لئے بیان و شرح کی ضرورت ہے اگر ہم اس کا ذکر کریں تو کلام طویل ہو جائے گا۔

یہ بات ملحوظِ خاطر رہے کہ اس بیداری کا سب سے بڑا مانع جو مقصد کے بھولنے کا سبب اور لزوم سفر کے بھولنے (کی عظیم علت) ہے اور جو انسان کے عزم و ارادہ کو مار ڈالتی ہے وہ انسان کا یہ گمان ہے کہ (ابھی) سفر کے لئے وقت وسیع ہے۔ اگر آج مقصد کی طرف حرکت نہ کر سکا تو کل حرکت کرے گا اور اگر اس ماہ سفر نہ کر سکا تو آئندہ ماہ کرے گا یہ لمبی اُمیدیں، درازیٔ توقع، ظنِ بقاء، اُمیدِ حیات اور وسعتِ وقت کی اُمید انسان کو اصل مقصد یعنی آخرت اور آخرت کی طرف لزومِ سفر، اور زادِ راہ اکٹھا کرنے سے روک دیتی ہے اور انسان بالکلیہ آخرت کو فراموش کر دیتا ہے اور مقصد انسان کی یاد سے نکل جاتا ہے۔

اور خدا نہ کرے کہ کسی کو دور دراز کا پُرخطر سفر درپیش ہو اور وقت تنگ ہو اور ساز و سامان و ہمراہی ضروری ہوں مگر اس کے پاس کچھ نہ ہو اور ان تمام چیزوں کے باوجود اصل مقصد سے باہر چلا جائے تو ظاہر ہے کہ اگر یہ بھول جائے تو نہ زاد و راحلہ یاد آئے گا نہ اس کی فکر ہوگی نہ اس کا کوئی انتظام کرے گا اور مجبوراً جب سفر درپیش ہوگا تو یہ بیچارہ ہو جائے گا اور اس سفر میں گر جائے گا اور ہلاک ہو جائے۔

دوسری فصل

پس اے عزیز! یہ جان لو کہ ایک پُرخطر لازمی سفر درپیش ہے جس کا ساز و سامان و افراد و جماعت اور جس کا زاد و راحلہ علم اور نفع بخش عمل ہے مگر وقتِ سفر معلوم نہیں ہے کہ کیا ہے؟ ہو سکتا ہے بہت تنگ ہو اور فرصت کا وقت نکل چکا ہو!

انسان کو معلوم نہیں کہ کس وقت کوچ کا نقارہ بج جائے گا اور مجبوراً سفر کرنا پڑے گا یہ لمبی (لمبی) اُمیدیں جو ہم اور آپ رکھتے ہیں یہ حُبِّ نفس اور شیطانی جال اس ملعون کا شاہکار ہے

Presented by www.ziaraat.com

کہ جس نے ہم کو عالمِ آخرت سے اس طرح روک رکھا ہے کہ ہم کو اس کی کوئی فکر ہی نہیں ہے۔ اگر ہم کو سفر کے خطرات کا اور موانع کا احساس ہو جائے تو توبہ و انابت کے ذریعہ اس کی اصلاح کر کے حق کی طرف رجوع نہ کر سکیں اور کسی بھی قسم کے زاد و راحلہ کے اکٹھا کرنے کی فکر نہ کریں اور ناگاہ موت آجائے اور ہم کو بغیر زاد و راحلہ کے اور بغیر تیاری کے سفر پر مجبور کر دے۔

ہم نہ عمل صالح رکھتے ہیں اور نہ علم نافع حالانکہ عالم آخرت کی گاڑی کا دار مدار انھیں دونوں پہیوں پر ہے اور ہم نے کسی ایک کا انتظام نہیں کیا اور اگر عمل بھی کیا ہے تو خالص و بے ملاوٹ نہیں ہے بلکہ ہزاروں موانع کے ساتھ اس کو بجالائے ہیں اور اگر علم حاصل کیا ہے تو لاحاصل و بے فائدہ کہ خود یا تو لغو و باطل ہے یا پھر راہِ آخرت کے لئے بہت بڑا روڑا ہے۔

اگر ہمارا یہ علم و عمل سود مند ہوتا تو سالہا سال سے جس کے پیچھے لگے ہوئے ہیں اس کا ہمارے اندر کچھ واضح اثر تو ہوتا۔ ہمارے اطوار و اخلاق میں کچھ تفاوت تو (پیدا ہوا) ہوتا۔ آخر کیا بات ہے کہ ہمارے چالیس پچاس سالہ علم و عمل نے ہمارے دلوں میں اس کے برخلاف اثر کیا اور ہمارے دلوں کو سنگ خارا سے زیادہ سخت تر کر دیا؟ نماز جو مومن کی معراج ہے ہم کو اس سے کیا فائدہ حاصل ہوا؟ وہ خوف و خشیت جو علم کے لئے لازمی ہے وہ کہاں ہے؟ اگر ہم خدانخواستہ اسی حال میں مر گئے تو بہت بڑا خسارہ اور بہت بڑی حسرت ہمارے سامنے ہوگی جو زائل ہونے والی نہیں ہوگی۔

پس نسیانِ آخرت ان چیزوں میں سے ہے کہ اگر حضرت ولی اللہ اعظم "امیر المومنینؑ" اس سے اور اس کے موجب "یعنی لمبی اُمیدوں" سے ہمارے بارے میں ڈرتے تھے تو حق بجانب تھے کیونکہ ان کو معلوم تھا یہ سفر کتنا پُرخطر ہے اور انسان کو چاہیئے کہ ایک لمحہ سکون نہ حاصل کرے ہر وقت زاد و راحلہ کے جمع کرنے میں لگا رہے ایک سیکنڈ بھی نہ بیٹھے۔ کیونکہ اگر اس عالم کو بھول گیا اور سو گیا اور یہ نہ سمجھ سکا کہ ایسا بھی ایک عالم ہے اور ایسا بھی ایک سفر درپیش ہے تو اس پر کیا گزرے گی اور کن بدبختیوں میں گرفتار ہوگا۔ (سوچا بھی نہیں جا سکتا)۔

بہتر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہاں پر تھوڑے سے حضرت علیؑ اور حضرت رسولؐ افضل مخلوقات و معصوم از خطا و نسیان و لغزش و طغیان کا ذکر کر کے غور و فکر کریں کہ ہم کس حال میں ہیں اور وہ حضرات کس حالت میں تھے۔ سفر کی خطرناکی نے ان حضرات سے راحت و آرام چھین لیا تھا اور ہماری جہالت نے ہمارے اندر نسیان پیدا کر دیا ہے۔ حضرت ختمی مرتبت نے اتنی ریاضت کی تھی

Presented by www.ziaraat.com

اور عبادتوں میں راتوں کو اتنے کھڑے رہا کرتے تھے کہ پاہائے مبارک ورم کر گئے اور قرآن نے فرمایا:
«طٰهٰ مَا أَنزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لِتَشْقَىٰ.» ۱۹-۲۰ "اے طٰہٰ (اے رسولؐ) ہم نے تم پر قرآن اس لئے نہیں نازل کیا کہ تم اس قدر مشقت اٹھاؤ۔"

رہا حضرت علیؑ کا خوف خدا اور ان کی عبادت تو سب ہی کو معلوم ہے۔ لہٰذا یہ جان لو کہ سفر بہت ہی پُرخطر ہے اور ہمارے اندر جو نسیان و فراموشی ہے وہ شیطان و نفس کے مکائد سے ہے اور یہ آرزوئیں اور لمبی اُمیدیں ابلیس کے بزرگ جال ہیں اور نفس کا بہت بڑا جال ہے۔ لہٰذا اس خواب سے بیدار ہو جاؤ اور ہوشیار ہو جاؤ۔

یہ جان لو کہ تم مسافر ہو اور تمہارا ایک مقصد ہے اور تمہارا مقصد دوسرا عالم ہے۔ تم چاہو یا نہ چاہو تو تم کو بہرحال اس عالم سے لے جائیں گے۔ اگر زاد و راحلہ کا انتظام کر لیا ہے تو اس سفر میں درماندہ نہ ہو گے اور اس سفر میں بے چارہ نہ ہو گے۔ ورنہ فقیر و بیچارہ و بینوا ہو گے اور ایسی شقاوت میں مبتلا ہو گے جس میں سعادت نہ ہو گی ایسی ذلت میں گرفتار ہو گے جس میں عزت نہ ہو گی۔ ایسی فقیری کی طرف جاؤ گے جس کے بعد کوئی مالداری نہیں ہو گی۔ ایسے عذاب میں پھنسو گے جس میں کبھی راحت نہ ہو گی۔ ایسی آگ (میں جلو گے) جو خاموش نہ ہو گی ایسا فشار ہو گا جو کبھی دور نہ ہو گا۔ ایسا حزن و اندوہ ہو گا جس کے پیچھے کبھی خوشحالی نہ ہو گی۔ ایسی حسرت و ندامت ہو گی جس کی انتہا نہ ہو گی۔

اے میرے عزیز! ذرا دیکھو تو خدا سے مناجات کرتے ہوئے (دعائے کمیل) میں مولاؑ کیا عرض کرتے ہیں: «أَنْتَ تَعْلَمُ ضَعْفِي عَنْ قَلِيلٍ مِنْ بَلَاءِ الدُّنْيَا وَعُقُوبَاتِهَا.» معبود تو جانتا ہے کہ میں دنیا کے تھوڑے سے عقوبات اور بلاؤں (کے اٹھانے) سے عاجز ہوں۔ پھر آگے چل کر مولاؑ فرماتے ہیں:

«وَهٰذَا مَا لَا تَقُومُ لَهُ السَّمٰوَاتُ وَالْأَرْضُ.» ۲۱ "اور یہ تو وہ چیز ہے کہ اس کا اٹھانا آسمانوں اور زمین کے بس کا (بھی) نہیں ہے۔" (سوچو) یہ کون سا عذاب ہے کہ آسمان و زمین اس کے اٹھانے کی طاقت نہیں رکھتے (مگر) وہ تیرے لئے مہیا کیا گیا ہے۔ لیکن تو پھر نہیں جاگتا بلکہ روز بروز نسیان و خوابِ غفلت میں پڑا رہتا ہے بلکہ یہ خواب زیادہ ہوتا جاتا ہے۔

ہاں اے دلِ غافل! خوابِ غفلت سے اٹھ سفرِ آخرت کے لئے آمادہ ہو جا۔ «فَقَدْ نُودِيَ فِيكُمْ بِالرَّحِيلِ.» ۲۲ "صدائے الرَّحیل گونج اٹھی ہے۔" کوچ کرنے کی آواز بلند ہو چکی

Presented by www.ziaraat.com

ہے۔ حضرت ملک الموت کے کارندے اپنے کاموں میں مشغول ہو چکے ہیں اور تجھ کو ہر سکنڈ عالم آخرت کی طرف ہنکا رہے ہیں۔ اس کے باوجود تم غافل و نادان ہو۔

وَاللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ التَّجَافِيَ عَنْ دَارِ الْغُرُورِ وَالْإِنَابَةَ إِلَى دَارِ السُّرُورِ وَالْإِسْتِعْدَادَ لِلْمَوْتِ قَبْلَ حُلُولِ الْفَوْتِ۔ [۲۳]

"پالنے والے میں تجھ سے دھوکہ والے گھر (دنیا) سے دوری کا سوال کرتا ہوں اور دارِ سرور (جنت) میں آنے کی اور موت کے آنے سے پہلے اس کی استعداد کی دعا کرتا ہوں۔

www.ziaraat.com
Sabeel-e-Sakina

Presented by www.ziaraat.com

دسویں حدیث کی توضیحات

۱۔ اصولِ کافی جلد ۲ ص ۳۳۵۔ ۳۳۶ "کتاب ایمان وکفر" باب اتباع الھویٰ، حدیث ۲

۲۔ "حقیقت شرعیہ" ایک عنوان لفظی ہے کہ شارع نے اس کو معنای لغوی کے علاوہ کسی نئے معنیٰ میں بغیر قرینہ استعمال کیا ہو۔ دوسرے لفظوں میں اس کو اصلی اور پہلے معنیٰ سے الگ کردیا ہو۔

۳۔ مراۃ العقول جلد ۱۰ ص ۳۱۲، کتاب ایمان وکفر، باب اتباع الھویٰ حدیث ۱

۴۔ اس حدیث کا مضمون عوالی اللئالی، جلد ۴ ص ۹۷، اور علم الیقین، جلد ۱ ص ۲۸۲ میں آیا ہے۔

۵۔ ص/۳۹۔

۶۔ سورۂ قصص/۵۰۔

۷۔ اصولِ کافی جلد ۲ ص ۳۳۵، کتاب ایمان وکفر" باب اتباع الھویٰ۔ حدیث ۲۔

۸۔ نہج البلاغہ فیض خطبہ ۲۸ ص ۸۹۔

۹۔ اصولِ کافی جلد ۲ ص ۳۳۵، کتاب ایمان وکفر" باب اتباع الھویٰ حدیث ۱۔

۱۰۔ سورۂ جاثیہ کی آیت ۲۳، سورۂ قصص کی آیت۔ ۵۰، سورۂ روم آیت ۱۰ کی طرف رجوع فرمایئے۔

۱۱۔ بحار جلد ۱۰۳ ص ۲۲۰، باب اوّل از ابواب النکاح، حدیث ۲۴ میں اس طرح ہے: "تناکحوا تکثروا، فانی اباھی بکم الامم یوم القیامۃ ولو بالسقط" اور مستدرک الوسائل میں ہے: تناکحوا تناسلوا باھی بکم الامم یوم القیامۃ: جلد ۱۴، ص ۱۵۲، ابواب مقدمات نکاح باب ۱ حدیث ۱۷۔

۱۲۔ سورۂ ھود/۱۱۲

۱۳۔ علم الیقین جلد ۲، ص ۹۷۱، اور مجمع البیان میں اوپر والی آیت کے ذیل میں اور (کشاف جلد ۲ ص ۴۳۲) پر بھی

Presented by www.ziaraat.com

اس کے مشابہ آیا ہے۔

۱۴۔ حدیث ۱۔ توضیح ۵۱۔

۱۵۔ (سورۂ شوریٰ/ ۱۵)

۱۶۔ بحار جلد ۳۶، ص ۱۱، تاریخ امیر المومنین باب ۳۶، باب ۲۶، حدیث ۱۲۔

۱۷۔ سورۂ جاثیہ/ ۲۳۔ ترجمہ گزر چکا ہے۔

۱۸۔ منازل السائرین ص ۸، قسم البدایات (باب یقظۃ)۔

۱۹۔ صادقینؑ سے مروی ہے، کَانَ رَسُولُ اللہ (ص) إِذَا صَلّٰی، قَامَ عَلٰی أَصَابِعِ رِجْلَیْہِ حَتّٰی تَوَرَّمَتْ، فَأَنْزَلَ اللہ تبارک وتعالیٰ (طٰہٰ) "تفسیر قمی جلد ۲ ص ۵۸۔

۲۰۔ سورۂ طٰہٰ/ ۱-۲۔

۲۱۔ دُعائے کمیل، مصباح المتہجد ص ۵۸۷۔

۲۲۔ نہج البلاغہ خطبہ ۱۹۵۔

۲۳۔ اعمال ماہ رمضان کے سلسلہ میں شب ۲۷ ویں کی یہی دُعا تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ امام سجادؑ سے وارد ہوئی ہے۔ اقبال ص ۲۲۸، المراقبات فی اعمال السنۃ ص ۱۵۵، مفاتیح الجنان اعمال شب ۲۷ ماہ رمضان۔

www.ziaraat.com
Sabeel-e-Sakina

Presented by www.ziaraat.com

گیارہویں حدیث

«بالسندِ المُتَّصِلِ إلى مُحَمَّد بن يعقُوبَ، عَنْ مُحَمَّد بن يَحْيى، عَنْ أحمدَ بْنِ مُحَمَّد، عَنِ ابْنِ محبوب، عَنْ عليِّ بن رِئاب، عَنْ زُرارةَ، قالَ سَألتُ أبا عَبْدِاللّٰه، عَلَيْهِ السَّلامُ، عَنْ قَولِ اللّٰه عَزَّ وَجَلَّ: «فِطرَتَ اللّٰهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا.» قالَ فَطَرَهُم جَمِيعاً عَلى التَّوْحِيدِ»

ترجمہ: زرارہ کہتے ہیں: میں نے امام جعفر صادقؑ سے خدا کے اس قول: "فطرت اللہ التی فطر الناس علیہا" کے بارے میں سوال کیا تو حضرتؑ نے فرمایا: "یعنی سب کو توحید پر خلق فرمایا۔"

شرح: اہل لغت و تفسیر کہتے ہیں "فطرت" کے معنیٰ "خلقت" کے ہیں (چنانچہ) صحاح میں ہے: "الفطرة" بالکسر "الخلقة" فطرۃ "ف" کے زیر کے ساتھ اس کے معنیٰ ہیں خلقت۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ "فطرت" (فَطَرَ) سے ماخوذ ہو جس کے معنیٰ شق کرنے اور پارہ کرنے کے ہیں کیونکہ (خلقت) پردۂ عدم اور حجاب غیب کو پارہ کرنے کو کہا جاتا ہے۔ اسی معنیٰ کے اعتبار سے روزہ دار کے کھانے کو "افطار" کہا جاتا ہے۔ کیونکہ وہ بھی امساک کے ہیئت اتصالیہ کو پارہ کرتا ہے۔

Presented by www.ziaraat.com

بہر حال لغوی معنیٰ سے بحث ہمارے مقصد سے خارج ہے۔ خلاصۂ (کلام) یہ ہے کہ حدیث شریف سورہ روم کی آیۂ شریفہ کی طرف اشارہ ہے۔ (اور وہ آیۂ مبارکہ یہ ہے)۔

«فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفاً فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لاَ تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لاَ يَعْلَمُونَ.»[۲]

"ہم انشاء اللہ چند فصلوں اور مقامات کے ضمن میں اس فطرت اور اس کی کیفیت اور لوگوں کا کس طرح فطرتِ توحید پر (مخلوق ہونا ہے ان) سب کی طرف ایک اجمالی اشارہ کریں گے۔

پہلی فصل

فطرت کے معنیٰ

اس فطرت سے مُراد جس پر خدا نے لوگوں کو پیدا کیا ہے وہ حالت وہیئت ہے کہ جس پر خدا نے مخلوق کو قرار دیا ہے اور یہ ان چیزوں کے وجود کا لازمہ ہے اور ان چیزوں میں سے ہے کہ جس سے اصل خلقت کا خمیر تیار کیا گیا ہے اور بعد میں معلوم ہوگا کہ فطرت ہائے الٰہی ان الطاف میں سے ہے جن کو خدا نے صرف بنی نوع انسان کے لئے مخصوص کیا ہے۔ دیگر موجودات میں یا تو اس قسم کی فطرتیں موجود ہی نہیں ہیں یا اگر ہیں تو ناقص ہیں ان موجودات کا ان میں حصّہ بہت ہی کم ہے۔

یہ بات سمجھ لینی چاہیئے کہ اگرچہ اس حدیث میں اور دوسری ۲ حدیثوں میں بھی فطرت کی تفسیر توحید سے کی گئی ہے مگر یہ (درحقیقت) از قبیل بیان مصداق ہے یا پھر کسی چیز کی تفسیر اس کے اشرف ترین جزو سے کی گئی ہے اور عموماً اہلِ بیت سلام اللہ علیہم کی تفسیریں اسی قبیل کی ہیں اور اگر کسی جگہ پر مقامی مصداقی مناسبت کی وجہ سے مثلاً ذکر ہوا ہے تو جاہل لوگ خیال کرتے ہیں امامؑ کے کلام میں (معاذ اللہ) تعارض ہے۔ اب رہی یہ بات کہ یہاں پر بھی ایسا ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ آیۂ شریفہ میں (دین) کو فطرت اللہ سے تعبیر کیا گیا ہے اور دینِ توحید! کے علاوہ دیگر معارف کو بھی شامل ہے۔ عبداللہ بن سنان ۲ کی صحیحہ میں "اسلام" سے تفسیر کی گئی ہے حسنہ زرارہ ۵ میں اس کی تفسیر "معرفت" سے کی گئی ہے اور مشہور حدیث کل مَوْلُودٍ يُولَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ میں یہودیت، نصرانیت، مجوسیت کے مقابلہ

Presented by www.ziaraat.com

میں (فطرت کا) ذکر کیا گیا ہے۔[6] نیز اسی حسنہ زرارہ میں حضرت ابو جعفرؑ نے فطرت کی تفسیر "معرفت" سے فرمائی ہے۔

پس ان سب سے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ فطرت (کی لفظ) صرف توحید سے مخصوص نہیں ہے۔ بلکہ اس کا تعلق ان تمام معارف حقہ سے ہے جن پر خداوند عالم نے اپنے بندوں کو خلق فرمایا ہے۔

دوسری فصل

احکام فطرت کی تشخیص

یہ بات معلوم ہونی چاہیئے کہ جو چیزیں احکام فطرت میں سے ہیں چونکہ وہ لوازم وجود اور اصل طینت و خلقت کے خمیر میں سے ہیں اس لئے اس میں کسی کو اختلاف نہ ہونا چاہیئے (بلکہ) عالم و جاہل، جنگلی و متمدن، شہری و بدو، سب ہی کو اس میں متفق ہونا چاہیئے۔ کوئی عادت یا مذہب یا طریقہ کسی بھی قسم کا ہو نہ اس میں کوئی خلل اندازی کر سکتا ہے نہ رخنہ پیدا کر سکتا ہے نہ (اپنے لئے کوئی) راستہ بنا سکتا ہے۔ شہروں، خواہشوں، مانوس چیزوں، آراء، عادتوں کے اختلاف سے احکام عقلیہ تک میں اختلاف پیدا ہو جاتا ہے مگر یہ چیزیں فطریات میں اثر انداز نہیں ہو پاتیں۔ سمجھ میں اختلاف، قوت ادراک کی کمی و زیادتی فطریات کو متاثر نہیں کر پاتی اور اگر کوئی چیز ایسی نہیں ہے تو وہ فطری نہیں ہے اس کو فطریات سے خارج جاننا چاہیئے۔ اسی لئے آیت میں ہے، "فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا" یعنی وہ کسی گروہ کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔ نیز ارشاد رب العزت ہے، "لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ" کوئی بھی چیز اس کو متغیر و تبدیل نہیں کر سکتی۔ دوسری چیزیں عادتوں وغیرہ سے بدل جاتی ہیں۔ (مگر فطرت الٰہی نہیں بدلتی)

لیکن تعجب خیز امر یہ ہے کہ ابتدائے آفرینش سے لے کر آخر دنیا تک باوجود یہ کہ فطریات میں اختلاف نہیں ہے لیکن عموماً لوگ اس بات سے غافل ہیں کہ باہم متفق ہیں بلکہ گمان کرتے ہیں کہ اختلاف رکھتے ہیں۔ ہاں اگر متنبہ کر دیا جائے تب سمجھتے ہیں کہ ہم تو مخالفت کی صورت میں بھی موافق تھے۔ چنانچہ بعد میں انشاء اللہ اس کی وضاحت ہوگی اور آیت کے ذیل میں "وَلٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ۔" سے اسی بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

Presented by www.ziaraat.com

ہم نے اوپر جو ذکر کیا اس سے واضح ہو گیا کہ احکام فطرت تمام بدیہی احکام سے زیادہ بدیہی تر ہیں۔ کیونکہ تمام احکام عقلیہ میں ہمارے پاس کوئی ایسا حکم نہیں ہے کہ جس میں کوئی اختلاف نہ کرے (یا) اختلاف نہ کیا ہو۔ ظاہر ہے کہ جو چیز ایسی ہو وہ اوضح ضروریات اور ابدہ بدیہیات ہوگی اور جو چیز اس کا لازمہ ہوگی وہ بھی ایسی ہی ہوگی۔ لہٰذا اگر توحید یا دیگر معارف احکام فطرت یا اس کے لوازم میں سے ہوں تو ان کو سب سے زیادہ بدیہی ہونا چاہیئے اور سب سے واضح و ضروری ہونا چاہیئے: «وَلٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ.»

تیسری فصل

احکام فطریات کی طرف اجمالی اشارہ

یہ جان لو کہ شیعہ، سُنی تمام مفسرین نے اپنے اپنے طریقہ سے دین یا توحید کے فطری ہونے کی کیفیت کو بیان کیا ہے۔ ہم یہاں پر ان کی رائے کے مطابق گفتگو نہیں کریں گے بلکہ شیخ عارف کامل شاہ آبادی، دام ظلہ جو اس میدان میں منفرد ہیں، کے محضر مبارک سے جو کچھ استفادہ کیا ہے اس کو بیان کریں گے۔ اگرچہ ان میں کی بعض چیزیں بطور اشارہ بعض محققین اہل معارف کی کتابوں میں موجود ہیں اور بعض تو خود قاصر کی نظر سے گزری ہیں۔

پس یہ جان لینا چاہیئے کہ الٰہی فطرتوں میں ایک فطرت خود اصل وجود باری تعالیٰ ہے۔ ایک فطرت توحید ہے۔ ایک فطرت یہ ہے کہ خداوند عالم ستمع جمیع کمالات ہے۔ ایک فطرت یوم معاد ہے۔ ایک نبوت ہے۔ ایک وجود ملائکہ و روحانیین و انزال کتب اور طرق ہدایت کا اعلام کرنا ہے۔ البتہ ان مذکور شدہ چیزوں میں بعض تو احکام فطرت سے ہیں مگر بعض لوازم فطرت سے ہیں۔ خدا، ملائکہ (آسمانی) کتابوں، رسولوں، قیامت، دین قیم و مستقیم پر ایمان لانا سلسلۂ بشر کے پوری زندگی میں حق ہے۔

ان میں سے بعض وہ چیزیں جو حدیث شریف سے مناسبت رکھتی ہیں ہم ان کا ذکر کریں گے اور (اس سلسلہ میں) خدا سے توفیق کے خواہاں ہیں۔

Presented by www.ziaraat.com

پہلا مقام

وجودِ خدا فطری ہے

ہمارا مقصد ایک مقدمہ کی وضاحت کے بعد معلوم ہو جائے گا۔

مقدمہ

ایک وہ فطری بات جو تمام بنی نوع انسان کے خمیر میں شامل ہے اور دُنیا کا کوئی بھی فردِ بشر اس کی مخالفت نہیں کر سکتا اور نہ عادتوں، مذہبوں، مسلکوں، اخلاق وغیرہ کے اختلاف سے اس میں کوئی تغیر پیدا ہو سکتا ہے اور نہ خلل پیدا ہو سکتا ہے اور وہ ہے فطرتاً "کمال سے عشق"۔

آپ بشر کی جس زندگی میں قدم رکھیں، جس گروہ و ملت سے سوال کریں کمال سے عشق و محبت اس کی خمیر میں پائیں گے اور دیکھیں گے کہ اس کا دل کمال کی طرف متوجہ ہے۔ بلکہ نوع انسان کی ہر فرد جا ہے وہ جس چیز میں بھی مشغول ہو اس کے تمام حرکات، سکنات، زحمتیں، انتھک کوششیں اس چیز کے لئے صرف اس وجہ سے تھیں اور ہیں کہ اس کو اس چیز کے کمال سے عشق تھا۔

ہاں تشخیص کمال اور یہ کہ کس چیز میں کمال ہے اور محبوب و معشوق کہاں ہے؟ اس میں البتہ لوگوں میں اختلاف ہے۔ ہر شخص نے اپنے معشوق کو ایک الگ چیز میں پایا ہے اسی کو اُمیدوں کا مرکز بنایا ہے اور دل و جان سے اس کو چاہا ہے (مثلاً) اہلِ دُنیا، دُنیا اور زیبائشِ دُنیا کو کمال سمجھتے ہیں اور اپنے معشوق کو دُنیا میں پاتے ہیں لہٰذا اس کے حاصل کرنے کے لئے جان و دل سے عاشقانہ خدمت کرتے ہیں اور جو شخص بھی جس رشتہ میں ہے چونکہ اسی کو کمال سمجھتا ہے لہٰذا اسی کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ اسی طرح صنعت والے اور اہلِ علوم اپنے دماغ کی وسعت کے اعتبار سے جس چیز کو کمال سمجھتے ہیں اس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور اسی کو اپنا معشوق سمجھتے ہیں۔ اہلِ آخرت و ذکر و فکر دوسری چیز کو معشوق سمجھتے ہیں۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ سب کمال کی طرف متوجہ ہیں اور جب اس کمال کو کسی موجود یا

Presented by www.ziaraat.com

موہوم میں مشخص کر لیتے ہیں تو اسی سے عشق کرتے ہیں۔ لیکن یہ بھی جان لینا چاہیئے کہ ان تمام چیزوں کے باوجود ان میں سے کسی سے محبت و عشق جن کے بارے میں گمان ہے کہ ان سے محبت کرتا ہے " (حقیقی) نہیں ہے اور جس کے بارے میں (محبت کا) خیال ہے وہ معشوق اور کعبۂ اُمید نہیں ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ جو شخص بھی اپنی فطرت کی طرف رجوع کرے گا تو اس کا دل گواہی دیگا کہ وہ شخص جس کی بھی طرف متوجہ ہے اگر اس کو اس سے بالاتر مل گیا تو اس کا دل بالاتر کی طرف پلٹ جائے گا اور دوسرے کامل تر کی طرف متوجہ ہو جائے گا اور جب اس کامل تر تک رسائی ہوگی اور اس کے بعد اس سے بھی اکمل مل جائے گا تو وہ کامل تر کو چھوڑ کر اکمل کی طرف متوجہ ہو جائے گا۔ بلکہ آتشِ عشق و سوز و اشتیاق روز بروز بڑھتا ہی جائے گا۔

مثلاً آپ ایک جمالِ دل فریب و رخسارِ زیبا کی طرف مائل تھے اور آپ نے اس کو کسی معشوق میں دیکھا لہٰذا دل کو اس کے کوچہ کی طرف روانہ کر دیا۔ اب اگر اس سے جمیل تر چہرہ آپ کی نظروں میں آگیا تو قہراً اس کی طرف متوجہ ہو جائیں گے یا کم از کم دونوں کو چاہیں گے مگر اس سے بھی آتشِ شوق خاموش نہیں ہوگی بلکہ زبانِ حال اور لسانِ فطرت سے آپ یہی کہیں گے: چیزے نیست ورنہ خریدار ہر شم " یعنی میں کچھ نہیں ہوں ورنہ ان چھ جہت سے آنے والیوں کا خریدار ہوتا۔ بلکہ آپ ہر جمیل کے خریدار ہوں گے۔ بلکہ صرف احتمال کی بنا پر شوق پیدا ہو جاتا ہے۔ اگر آپ یہ احتمال دیں کہ آپ کے پاس جو خوبصورت و دلفریب محبوبائیں ہیں یا جن کو آپ نے دیکھا ہے ان سے بھی زیادہ خوبصورت ایک دوسری جگہ ہے تو آپ کا دل وہاں کے سفر کے لئے آمادہ ہو جائیگا۔ " من در میان جمع و دلم جائے دیگر است " (میں تو جمع میں ہوں مگر میرا دل دوسری جگہ ہے) بلکہ صرف اُمید پر اشتیاق پیدا ہو جاتا ہے۔ بہشت کے اوصاف اگر آپ سُنیں اور (حوروں کے) دلکش رخسار کا ذکر سُنیں تو چاہے خدانخواستہ اس کا عقیدہ نہ بھی رکھتے ہوں پھر بھی آپ کی فطرت کہے گی کاش ایسی بہشت اور ایسا محبوب ہمارے نصیب میں ہوتا۔ اسی طرح جو لوگ سلطنت اور نفوذِ قدرت و وسعتِ ملک کو کمال سمجھتے ہیں اور اس کے شائق ہوتے ہیں۔ جب ایک سلطنت ان کے قبضہ میں آجاتی ہے تو دوسری سلطنت کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ اب اگر وہ بھی ان کے قبضہ میں آجائے تو اس سے بلند و بالا کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ (بلکہ) اگر ایک قطر پر قبضہ کر لیں تو دوسرے اقطار کی طرف مائل ہوتے ہیں۔ بلکہ آتشِ شوق روز افزوں بڑھتی ہی رہتی ہے اور اگر اتفاق سے تمام روئے زمین پر سلطنت و حکومت حاصل کر لیں تو دوسرے کُروں پر (اگر) احتمال دیں کہ وہاں بھی بساطِ سلطنت ہے تو ان کا دل

Presented by www.ziaraat.com

اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے کہ اے کاش ان عوالم کی طرف بھی پرواز ممکن ہوتی اور ہم ان کو بھی اپنے زیر نگیں لے آتے۔ یہی صورت تمام اہلِ صناعات و علوم کی ہے۔

خلاصۂ کلام یہ ہوا کہ تمام سلسلۂ بشر چاہے جس رشتہ و طریقہ کا ہو وہ جس درجہ تک پہونچے گا اس کا شوق اس سے کامل تر کی طرف متعلق ہوگا مگر آتشِ شوق کسی منزل پر ٹھہرے گی نہیں بلکہ ہر خوب سے خوب تر کو دیکھ کر اس کی طرف متوجہ ہو جائے گی۔ پس اسی نورِ فطرت نے ہم کو بتایا تمام سلسلۂ بشر کے قلوب انتہائے بلادِ افریقہ کے بسنے والوں سے لے کر دنیا کے متمدن ترین ممالک تک اور طبیعی و مادی لوگوں سے لے کر اہلِ ملل و نحل تک سب ہی فطرۃً ایک ایسے کمال کے متمنی ہیں جس میں کوئی نقص نہ ہو اور ایسے جمال کے عاشق ہیں۔ جس میں کوئی عیب نہ ہو اور ایسے علم کے خواہش مند ہیں جس میں جہل نہ ہو، ایسی قدرت و سلطنت کے طالب ہیں جس کے ہمراہ عاجزی نہ ہو، ایسی زندگی کے دلدادہ ہیں جس کے لئے موت نہ ہو، یعنی ہر ایک کا معشوق "کمالِ مطلق" ہے۔ تمام موجودات اور بشری خانوادہ ایک دل و ایک زبان ہو کر (چیخ چیخ کر) کہہ رہے ہیں کہ ہم "کمالِ مطلق" کے عاشق ہیں۔ ہم "جلال و جمالِ مطلق" سے محبت رکھتے ہیں۔ ہم "قدرتِ مطلقہ" اور "علمِ مطلق" کے طالب ہیں۔ (اب آپ ہی بتائیے) کیا ذاتِ مقدس مبداء عالم جلّت عظمتہ کے علاوہ عالمِ تصور و خیال میں بھی اس پورے سلسلۂ کائنات اور تجویزات عقلیہ و اعتباریہ میں کوئی ایسا موجود ہے جو کمالِ مطلق اور جمالِ مطلق رکھتا ہے؟ اور کیا بے نقص جمیل علی الاطلاق اس محبوب مطلق کے علاوہ کوئی اور ہے؟

اے وادیٔ حیرت کے سرگشتہ لوگو! اے گمراہی کے جنگلوں کے گمراہ لوگو! نہیں (نہیں) بلکہ اے شمعِ جمالِ جمیلِ مطلق کے پروانو! بے عیب و بے زوال محبوب کے عاشقو! ذرا تھوڑا سا کتابِ فطرت کی طرف رجوع کرو، اپنی کتابِ ذات کی ورق گردانی کرو تو دیکھو گے) کہ قدرتِ فطرت اللہی کے قلم سے اس میں لکھا ہوا ہے: «وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ.» "کیا یہ «فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا» فطرت توجہ بہ محبوبِ مطلق ہے؟ کیا یہ نہ بدلنے والی فطرت «لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ» فطرتِ معرفت ہے؟ اس فطری عشقِ خداداد اور اس امانتِ الٰہی کو کب تک باطل خیالات میں اِدھر اُدھر صرف کرتے رہو گے؟ اگر تمہارا محبوب بھی ناقص جمال اور محدود کمال ہوتا تو پھر اس کے حصول کے بعد تمہاری آتشِ شوق بجھی کیوں نہیں؟ اور شعلۂ شوق زیادہ کیوں ہوا؟

Presented by www.ziaraat.com

ہاں (ذرا) خوابِ غفلت سے اٹھو، خوشخبری دو، خوشی مناؤ کہ تمہارا محبوب ایسا ہے جس کو زوال نہیں! ایسا معشوق ہے جس میں نقص نہیں، ایسا مطلوب ہے جس میں عیب نہیں ایسا منظور ہے جس کا نور طلعت «اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ» [۱۳] ہے، ایسا محبوب ہے کہ جس کے احاطہ کی وسعت «لَوْ دَلَّيْتُمْ بِحَبْلٍ إِلَى الْأَرَضِينَ السُّفْلٰى لَهَبَطْتُمْ عَلَى اللّٰهِ.» [۱۴] ہے۔

پس تمہارا یہ فعلی عشق معشوق فعلی کو چاہتا ہے۔ یہ خیالی اور وہمی نہیں ہو سکتا، اس لئے کہ ہر موہوم ناقص ہوتا ہے اور فطرتِ کامل کی طرف متوجہ ہوتی ہے۔ لہٰذا عاشقِ فعلی اور عشقِ فعلی بغیر معشوق کے نہیں ہو سکتا اور ذاتِ کامل کے علاوہ کوئی ایسا معشوق نہیں ہے جو فطرت کا متوجہ الیہ ہو۔ اس لئے کامل مطلق کے عشق کا لازمہ کامل مطلق کا وجود ہے اور یہ بات پہلے واضح کی جا چکی کہ فطرت اور اس کے لوازم کے احکام سب کے سب تمام بدیہیات سے واضح روشن تر ہیں۔ «أَفِي اللّٰهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ» [۱۵]

دوسرا مقام

توحید اور خدا کے دوسرے صفات فطری ہیں

پروردگارِ عالم کی توحید اور اس کی ذات کا تمام صفاتِ کمال کا مستجمع ہونا بھی فطریات سے ہے۔ مقام اول میں جو کچھ ذکر کیا گیا ہے اس کی طرف توجہ کرنے سے یہ بات معلوم ہو جائے گی۔ لیکن ہم یہاں پر ایک دوسری دلیل سے اسی مطلب کو ثابت کریں گے۔

یہ جان لو کہ ان فطرتوں میں کہ جن پر خدا نے لوگوں کو پیدا کیا ہے ایک فطرت نقص سے نفرت بھی ہے۔ انسان جب کسی میں عیب یا نقص پاتا ہے تو اس سے متنفر ہوتا ہے۔ پس عیب و نقص فطرت کے لئے اسی طرح باعثِ نفرت ہے۔ جس طرح کمال مطلق باعث تعلق ہے۔ اس لئے فطرت ہمیشہ "واحد" اور "احد" کی طرف متوجہ ہوگی کیوں کہ کثرت و مرکب ناقص ہوا کرتا ہے اور کثرت غیر مورد نہیں ہوتی ہے۔ (پس جب یہ معلوم ہوا کہ کثرت و مرکب ناقص ہے) تو یہ فطرت کے لئے قابلِ نفرت ہوگی نہ کہ قابلِ توجہ! پس ان دونوں فطرتوں، تعلقِ فطرت بہ کمال اور نفرتِ فطرت از نقص سے توحید بھی ثابت ہوتی ہے بلکہ یہ بھی ثابت

Presented by www.ziaraat.com

ہوجاتا ہے کہ خدا جمیع کمالات کا مستجمع اور تمام نقائص سے مبرا و منزہ ہے اور سورۂ توحید جو خدا کی نسبت کو بیان کرتا ہے وہ (ہمارے شیخ "بزرگوار" کے حسب فرمائش) ہویتِ مطلقہ ہے جس کی طرف فطرت متوجہ ہوا کرتی ہے اور سورۂ توحید کے شروع میں کلمہ "ہو" کہہ کر چھ صفت پر دلیل کی طرف اشارہ ہے جو "ہو" کے بعد مذکور ہے۔ چونکہ ذاتِ پروردگار ہویت مطلقہ ہے اور ہویتِ مطلقہ کو کامل مطلق ہونا چاہیئے ورنہ پھر ہویت محدودہ ہوجائیں گی اور "جب کامل مطلق ہے تو" مستجمع جمیع کمالات (بھی) ہے۔ پس (لفظِ ہو) کے بعد لفظ "اللہ" ہے اور خدا جامع جمیع کمالات ہونے کے ساتھ بسط (بھی) ہے ورنہ ہویت مطلقہ نہ ہوگی۔ اس کے بعد "احد" ہے اور احدیت کا لازمہ واحدیت ہے اور چونکہ ہویت مطلقہ جامع جمیع کمالات ہے (اس لئے) تمام نقائص سے مبرا ہوگی کیونکہ تمام نقائص کی بازگشت ماہیت کی طرف ہوا کرتی ہے۔

اس کے بعد ذات خدا "صمد" ہے۔ درمیان خالی نہیں ہے اور چونکہ ہویت مطلقہ ہے اس لئے کوئی نہ اس سے پیدا و منفصل ہوسکتا ہے اور نہ وہ کسی سے متولد و منفصل ہوسکتا ہے بلکہ وہ تمام چیزوں کا مبداء اور تمام اشیاء موجودات کا مرجع ہے۔ مگر (ہاں) انفصال نام کی کوئی چیز نہیں ہے جو مستلزم نقص ہو۔ نیز ہویت مطلقہ کا کوئی کفو بھی نہیں ہے۔ کیونکہ کمالِ صرف میں تکرار کا تصور نہیں ہوسکتا۔ پس سورۂ مبارکہ توحید فطرت کے احکام سے ہے اور اس میں خدا کی نسبت ہے۔

تیسرا مقام

معاد فطریات سے ہے

معاد کا وجود بھی ان فطریات میں ہے جو انسانی خمیر میں شامل ہے اور یہ بھی پہلے دو مقامات کی طرح مختلف طریقوں اور متعدد فطرتوں سے ثابت ہے مگر ہم یہاں پر صرف بعض کی طرف اشارہ کریں گے۔

الٰہی فطرتوں میں سے تمام افرادِ بشر کو جن پر پیدا کیا گیا ہے ان میں سے ایک راحت و آرام سے عشق کی فطرت ہے۔ کہ اگر آپ تمام متمدن و تو حش، تدین و بیدینی کے ادوار کا

Presented by www.ziaraat.com

مطالعہ کریں گے اور تمام افراد عالم کی طرف مراجعہ کریں گے خواہ وہ عالم ہوں یا جاہل، شریف ہوں یا کمینے، جنگلی ہوں یا شہری اور سوال کریں گے کہ یہ مختلف تعلقات کیسے ہیں، یہ مختلف خواہشیں کیسی ہیں، زندگی کے اندر یہ زحمتیں یہ مشقتیں کیوں لوگ برداشت کرتے ہیں تو سب ہی متفق ہو کر بیک زبان فطری صریحی طور سے جواب دیں گے کہ ہم لوگ یہ سب اپنی راحت کے لئے کرتے ہیں، ہمارا آخری مقصد انتہائی آرزو مطلق راحت و استراحت بے شائبہ زحمت و مشقت ہے اور چونکہ ہر شخص چاہتا ہے ایسی راحت ملے جو مخلوط بہ زحمت نہ ہو اور ایسی استراحت سے جو مخلوق بہ رنج و عذاب نہ ہو۔ اسی گمشدہ معشوق کو ہر شخص کسی چیز میں گمان کرتا ہے اسی لئے جس کے بارے میں گمان کرتا ہے وہی اس کا محبوب ہے اور اسی سے تعلق پیدا کرتا ہے۔ حالانکہ تمام عالم ملک اور پوری دنیا میں ایسی راحت و مطلقہ نہیں پائی جاتی اور نہ ہی ایسی غیر مخلوط استراحت ممکن ہے۔ اس دنیا کی تمام نعمتیں زحمتوں سے بھرپور اور روح فرسا رنج سے معمور ہیں۔ دنیا کی تمام لذتیں کرشکن آلام (و مصائب) سے گھری ہیں، درد و رنج (و غم) تعب و حزن و اندوہ (و ہم) اس پورے عالم کو اپنے پیٹ میں لئے ہیں۔ انسانی زندگی میں ایک آدمی بھی ایسا نہیں ملے گا جس کا رنج اس کی راحت کے برابر ہو۔ اس کی نعمت و تعب و نقمت کے مساوی ہو، چہ جائیکہ خالص راحت اور مطلق استراحت!

پس ثابت ہوا کہ بنی نوع انسان کا معشوق اس دنیا میں موجود نہیں ہے۔ (اسی طرح) عشق فطری جبلی فعلی بھی تمام سلسلہ بشر میں بغیر معشوق فعلی موجود ممکن نہیں ہے۔ لہٰذا (اس) دار تحقق اور عالم وجود میں ایک ایسا عالم ہونا چاہیئے جس کی راحت میں رنج و تعب شامل نہ ہو، اس میں استراحت مطلق بغیر کسی درد و زحمت کے ہو۔ اس کی خوشی خالص ہو، حزن و اندوہ کا شائبہ بھی اس میں نہ ہو اور وہ دار نعیم حق و عالم کرامت ذات مقدس ہے۔

اس عالم کو آزاد فطرت اور نفوذ ارادہ سے بھی ثابت کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ یہ دونوں چیزیں بھی ہر فطرت بشر میں پائی جاتی ہیں۔ چونکہ اس عالم کے مواد، اس دنیا کے اوضاع اور اس کی زحمتیں اور اس کی تنگی انسانی حریت اور اس کے نفوذ ارادہ کو برداشت نہیں کر سکتیں اس لئے دار وجود میں ایک ایسے عالم کا وجود ضروری ہے جہاں (حریت ہو) ارادہ کا نفوذ ہو اور اس عالم کے مواد نفوذ ارادہ سے شرکشی نہ کر سکتے ہوں اور انسان اس عالم میں فعال مایشاء اور حاکم مایرید ہو اور حسب اقتضائے فطرت ہو۔

Presented by www.ziaraat.com

پس عشق براعت اور عشق بہ حرتیت یہ دو ایسے بازو ہیں جو نہ بدلنے والی فطرۃ اللہ کے مطابق انسان کے اندر ودیعت کئے گئے ہیں۔ جن کے ذریعہ سے انسان ملکوتِ اعلیٰ اور عالمِ قربِ الٰہی تک کی پرواز کرتا ہے۔

یہاں پر کچھ دیگر مطالب بھی ہیں (مگر وہ) اس کتاب سے مناسبت نہیں رکھتے اور نبوتوں کے اثبات، بعثتِ رسل، ارسالِ کتب قسم کے معارفِ حقہ کے اثبات کے لئے دوسری فطرتیں بھی ہیں۔ بلکہ ان تمام فطرتوں سے جن کا ذکر گزر چکا تمام معارف کو ثابت کیا جاسکتا ہے۔ لیکن اتنے ہی پر اکتفاء کرتے ہیں تاکہ اس سے زیادہ ذکر کرنے پر اپنے مقصود سے خارج نہ ہو جائیں۔ اور حدیث شریف کی نامناسب شرح نہ ہو جائے۔

یہاں تک (کی تحریر) سے معلوم ہو گیا کہ علم مبداء و کمالات، اس کی وحدانیت، یوم معاد کا علم اور عالمِ آخرت کا علم (یہ سب) فطریات سے ہے۔ والحمدللہ

www.ziaraat.com Sabeel-e-Sakina

Presented by www.ziaraat.com

گیارہویں حدیث کی توضیحات

۱۔ اصولِ کافی جلد ۲، ص ۱۲ "کتاب ایمان وکفر" باب فطرت خلق بر توحید، حدیث ۲۔

۲۔ پس تم باطل سے کترا کر اپنا رُخ دین (اسلام) کی طرف کئے رہو۔ یہی خدا کی فطرت ہے جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے۔ خدا کی آفرینش میں کوئی تبدیلی نہیں ہے لیکن بہت سے لوگ نہیں جانتے۔ سورۂ روم/ ۳۰۔

۳۔ اصولِ کافی جلد ۲، ص ۱۲۔ ۱۳ "کتاب ایمان وکفر" باب فطرۃ الخلق علی التوحید، حدیث ۱۔ ۵، التوحید ص ۳۲۸۔ ۳۳۱، باب ۵۳، احادیث ۱۔ ۲۔ ۴۔ ۸ تفسیر برہان جلد ۳ ص ۲۶۱۔ ۲۶۳، ذیل آیہ ۳۰ سورۂ روم۔

۴۔ «عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ سِنَانٍ، عَنْ أَبِي عَبْدِاللّٰهِ(ع) قَالَ سَأَلْتُهُ عَنْ قَوْلِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ: «فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا» مَا تِلْكَ الْفِطْرَةُ؟ قَالَ هِيَ الْإِسْلَامُ. فَطَرَهُمُ اللّٰهُ حِينَ أَخَذَ مِيثَاقَهُمْ عَلَى التَّوْحِيدِ قَالَ «أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ» وَفِيهِ الْمُؤْمِنُ وَالْكَافِرُ» عبداللہ بن سنان نے امام جعفر صادقؑ سے روایت کی ہے کہ وہ کہتے ہیں میں نے فطرتِ اللہ التی الخ کے بارے میں پوچھا اس سے کون سی فطرت مُراد ہے؟ امامؑ نے فرمایا: اس سے اسلام مُراد ہے خداوندِ عالم نے جب توحید پر ان سے عہد و پیمان لیا اور کہا: کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں۔ حالانکہ اس میں مومن و کافر سب ہی موجود تھے۔ اصولِ کافی جلد ۲ ص ۱۲ "کتاب ایمان وکفر" باب فطرت خلق بر توحید، حدیث ۲۔

۵ «عَنْ زُرَارَةَ، عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ(ع) قَالَ سَأَلْتُهُ عَنْ قَوْلِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ: «حُنَفَاءَ لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِينَ بِهِ». قَالَ الْحَنِيفِيَّةُ مِنَ الْفِطْرَةِ الَّتِي فَطَرَ اللّٰهُ النَّاسَ عَلَيْهَا؛ لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ قَالَ فَطَرَهُمْ عَلَى الْمَعْرِفَةِ بِهِ،... وَقَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ(ص) كُلُّ مَوْلُودٍ يُولَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ. يَعْنِي الْمَعْرِفَةَ بِأَنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ خَالِقُهُ. كَذَلِكَ قَوْلُهُ: «وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ اللّٰهُ». زرارۃ نے امام محمد باقرؑ سے

Presented by www.ziaraat.com

روایت کی ہے کہ وہ کہتے ہیں، میں نے امام باقرؑ سے حنفاء للہ غیر مشرکین بہ کے بارے میں پوچھا تو فرمایا: اسلام اسی فطرت پر ہے جس پر خدا نے لوگوں کو پیدا کیا ہے اس کی آفرینش میں کوئی تبدیلی نہیں ہے۔ (معصومؑ) نے فرمایا معرفتِ خدا پر لوگوں کو پیدا کیا... اور فرمایا: رسولِ خدا کا ارشاد ہے: ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے۔ یعنی اس معرفت پر کہ اس کا خالق خدا ہے۔ اسی طرح خدا کا قول ہے: اگر تم ان سے پوچھو گے کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا تو وہ (فوراً) کہہ دیں گے خدا نے پیدا کیا ہے۔ اصول کافی جلد ۲ ص ۱۲-۱۳ (کتاب ایمان و کفر) باب فطرت خلق بر توحید) حدیث ۴۔

۶۔ «و قالَ (ص): کُلُّ مَوْلُودٍ یُولَدُ عَلی فِطْرَةٍ حَتّی یَکُونَ أَبَوَاهُ یُهَوِّدَانِهِ وَ یُنَصِّرَانِهِ وَ یُمَجِّسَانِهِ» ہر بچہ فطرتِ توحید پر پیدا ہوتا ہے۔ پس اس کے والدین اس کو یہودی یا نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔ عوالی اللئالی جلد ۱ ص ۳۵، فصل چہارم، حدیث ۱۸۔

۷۔ حدیث ۱۔ توضیح ۵۱۔

۸۔ رشحات البحار، ص ۲۸-۲۱۔ «کتاب انسان و فطرت»

۹۔ یہ حافظ کا شعر ہے۔ پورا شعر اس طرح ہے:

شہر یست پُر کرشمہ و حوراں رشش جہت — چیزیم نیست ورنہ خریدار ہر ششم

۱۰۔ یہ سعدی کا شعر ہے پورا اس طرح ہے۔

ہرگز وجود حاضر و غائب شنیدہ ای — من در میان جمع و دلم جائے دیگر است

۱۱۔ میں نے اپنا چہرہ اس کی طرف کر لیا ہے۔ جس نے بہت سے آسمان اور زمین پیدا کی ہے۔ سورۂ انعام/۷۹۔

۱۲۔ خدا آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔ سورۂ نور، ۳۵۔

۱۳۔ اگر تم کو رسی میں باندھ کر زمین کی گہرائی میں پہونچا دیا جائے تو تم خدا ہی تک پہونچو گے۔ علم الیقین جلد ۱ ص ۵۴، مقصد اول، باب ۳، فصل ۵۔

۱۴۔ کیا زمین و آسمانوں کے پیدا کرنے والے خدا کے بارے میں شک ہے؟ (سورۂ ابراہیمؑ/۱۰)

۱۵۔ اس سے مراد مرحوم شاہ آبادی ہیں۔ حدیث ۱۔ توضیح ۵۱۔

Presented by www.ziaraat.com

بارہویں حدیث

«بِسَنَدِي الْمُتَّصِلِ إِلَى مُحَمَّدِ بْنِ يَعْقُوبَ، رِضْوَانُ اللّٰهِ عَلَيْهِ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنِ النَّوْفَلِيِّ، عَنِ السَّكُونِيِّ، عَنْ أَبِي عَبْدِاللّٰهِ، عَلَيْهِ السَّلَامُ، قَالَ كَانَ أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَقُولُ: نَبِّهْ بِالتَّفَكُّرِ قَلْبَكَ؛ وَجَافِ عَنِ اللَّيْلِ جَنْبَكَ؛ وَاتَّقِ اللّٰهَ رَبَّكَ.»[1]

ترجمہ: امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: حضرت علیؑ فرمایا کرتے تھے: اپنے دل کو تفکر کے ذریعہ آگاہ کرو، اپنے پہلو کو رات سے، یعنی رات کو بستر سے دور کرو، اپنے خدا سے ڈرو!

شرح: (کان یقول) کا مفہوم (قال) اور (یقول) کے علاوہ ہے۔ کان یقول سے استمرار و دوام سمجھ میں آتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے حضرت علیؑ مکرر یہ فرمایا کرتے تھے۔

(تنبیہ) کا مطلب غفلت سے آگاہ کرنا اور خواب سے بیدار کرنا ہے۔ اس حدیث میں دونوں معنیٰ مناسب ہیں۔ اس لئے کہ دل تفکر سے پہلے غفلت سے بھرے اور خواب میں ہوتے ہیں لیکن تفکر کے ذریعے غفلت سے ہوشیار اور خواب سے بیدار ہو جاتے ہیں اور خواب و بیداری (اسی طرح) غفلت و ہوشیاری، ملک بدن اور ملکوت نفس (بھی) باہم مختلف ہوتے ہیں۔ بسا

Presented by www.ziaraat.com

اوقات چشم ظاہر بیدار اور جنبۂ ملک ہوشیار ہوتا ہے اور چشم بصیرت و باطن، خواب گران میں اور جنبۂ ملکوت نفس غفلت و بے ہوشی میں ہوتا ہے۔

تفکر: کے معنیٰ فکر کو کام میں لانا ہے۔ یعنی امور معلومہ کو اس طرح ترتیب دیا جائے کہ امر مجہول معلوم ہو جائے اور یہ تفکر عام ہے مقامات سالکین کو بھی شامل ہے۔ اس لئے کہ خواجہ انصاری ؒ نے اس کی تعریف اس طرح کی ہے:

«إِعْلَمْ أَنَّ التَّفَكُّرَ تَلَمُّسُ الْبَصِيرَةِ لِاسْتِدْرَاكِ الْبُغْيَةِ.»

"بصیرت قلب اور چشم ملکوت کا اپنے مطلوب کے ادراک کے لئے جستجو کرنا" اور (سب ہی کو) معلوم ہے کہ مطلوبات قلوب معارف ہوا کرتے ہیں۔ اس لئے اس حدیث میں بھی "تفکر" سے مراد ایک خاص معنیٰ ہیں جو دلوں اور ان کی زندگی کی طرف راجع ہیں۔

(قلب) اس کے اطلاقات اور اصطلاحات بیشمار ہیں (مثلاً) اطباء اور عام لوگوں کے نزدیک اس کا اطلاق گوشت کے اس ٹکڑے پر ہوتا ہے جو صنوبری شکل کا ہوتا ہے اور جس کے قبض و بسط سے شریانوں (رگوں) میں خون دوڑتا ہے اور اس کے اندر روح حیوانی ایک بخار لطیف پیدا کرتا ہے۔ حکما کے نزدیک نفس کے بعض مقامات پر بولا جاتا ہے۔ اصحاب عرفان اس کے لئے مراتب و مقامات کے قائل ہیں۔ ان کی اصطلاحات میں غور کرنا (ہمارے) وظیفہ سے خارج ہے۔ قرآن و احادیث میں مختلف مقامات پر ان متداول معانی میں استعمال ہوا ہے جو عوام و خواص کے درمیان رائج ہیں۔ چنانچہ: «إِذِ الْقُلُوبُ لَدَى الْحَنَاجِرِ» میں اطباء والے معنیٰ میں استعمال ہوا ہے۔ «لَهُمْ قُلُوبٌ لَا يَفْقَهُونَ بِهَا.» میں حکما کے یہاں جو معنیٰ مشہور ہیں اس میں استعمال ہوا ہے۔ «إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَذِكْرَىٰ لِمَن كَانَ لَهُ قَلْبٌ أَوْ أَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيدٌ» میں اصطلاح عرفا کے لحاظ سے استعمال ہوا ہے اور حدیث میں (تفکر) کی مناسبت سے وہ معنیٰ مقصود ہے جو حکما کے درمیان متداول ہے۔ لیکن (قلب) عرفاء کی اصطلاح کے اعتبار سے (تفکر) کے معنیٰ سے مناسبت نہیں رکھتا۔ خصوصاً بعض مراتب کے اعتبار سے تو بالکل ہی نامناسب ہے جیسا کہ اہل اصطلاح جانتے ہیں۔

قول معصوم: «قوله: جافِ عَنِ اللَّيلِ جَنبَكَ.» (جفا) کے معنیٰ بُعد کے ہیں اور «وَجافاهُ عَنهُ، فَتَجافا جَنبُهُ عَنِ الفِراشِ» کے معنیٰ اُچٹ جانے کے ہیں۔ جیسا کہ صحاح (جوہری) میں ہے اور "مجافاۃ" کے معنیٰ رات کی طرف نسبت دینے کے ہیں اور اس حدیث میں

Presented by www.ziaraat.com

مجاز در اسناد ہے اور یا پھر رات کو اد عاتاً بستر قرار دیا ہے اور یا پھر حقیقت در کلمہ اور اسناد ہے اور فرق صرف ارادۂ جدی و استعمالی میں ہے جیسا کہ (خود) مطلق مجازات میں (علما نے) احتمال دیا ہے۔ شیخ فقیہ و اصولی، ادیب متبحر، آقا شیخ محمد رضا اصفہانی نے (جلیۃ الحال) میں اس میں کافی تفصیل سے بیان فرمایا ہے۔[8]

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ یہ رات کو عبادت کے لئے بستر سے اٹھنے کے لئے کنایہ ہے۔ اس کے بعد انشاء اللہ تقویٰ اور اس کے مراتب کا بیان ہوگا اور ہم انشاء اللہ چند فصلوں کے ضمن میں اس حدیث شریف کے مناسبات کا ذکر کریں گے۔

پہلی فصل

فضیلتِ تفکر کا بیان

(یہ) جان لو کہ تفکر کی بہت فضیلت ہے۔ تفکر ابواب معارف کی کنجی ہے۔ کمالات و علوم کے خزانوں کی کلید ہے۔ سلوک انسانیت کا حتمی و لازمی مقدمہ ہے۔ قرآنِ مجید اور حدیث شریف میں اس کی تعظیم بلیغ اور تمجید کامل کی گئی ہے۔ غور و فکر نہ کرنے والوں کی تکذیب اور ان پر طعنہ زنی کی گئی ہے۔ کافی میں حضرت امام جعفر صادقؑ کا قول منقول ہے:

«أَفْضَلُ الْعِبَادَةِ إِدْمَانُ التَّفَكُّرِ فِي اللّٰهِ وَفِي قُدْرَتِهِ.»[9]

اس کے بعد اس حدیث کا ذکر آیا ہے۔ ایک دوسری حدیث میں ایک ساعت کے تفکر کو ایک شب کی عبادت سے بہتر کہا گیا ہے۔[10] حدیثِ نبویؐ میں ہے ایک ساعت کا تفکر ایک سال کی عبادت سے بہتر ہے۔[11] اور ایک دوسری حدیث میں ساٹھ سال سے بہتر بتایا گیا ہے۔[12] ایک اور میں ۷۰ سال کی عبادت سے بہتر کہا گیا ہے۔[13] بعض علمائے فقہ و حدیث نے ہزار سال کی حدیث بھی نقل کی ہے۔ بہر صورت تفکر کے مراتب و درجات ہیں اور ہر مرتبہ کے لئے نتیجہ یا نتائج ہیں۔ ہم ان میں سے بعض کا ذکر کریں گے۔

۱۔ اوّل خدا اس کے اسماء و صفات و کمالات کے بارے میں غور و فکر!

اس سے وجودِ حق و انواع تجلیات اور اعیان و مظاہر کا علم ہوتا ہے۔ فکر کا

Presented by www.ziaraat.com

سب سے افضل اور علوم کا سب سے اعلیٰ مرتبہ اور برہان کا سب سے مضبوط درجہ ہے۔ کیونکہ ذاتِ علت میں غور کرنے اور اس کے مطلق علم و مسببات و معلولات کے سبب میں تفکر کرنے سے پیدا ہوتا ہے اور یہ قلوب صدیقین کا نقشۂ تجلیات ہے اسی لئے اس کو "برہانِ صدیقین" کہا جاتا ہے۔ کیونکہ صدیقین مشاہدہ ذات سے اسماء و صفات کا مشاہدہ کرتے ہیں اور اسماء کے آئینہ میں اعیان و مظاہر کا مشاہدہ کرتے ہیں اور برہان کی اس قسم کو "برہانِ صدیقین" کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اگر کوئی صدیق اپنے مشاہدات کو بصورت برہان لانا چاہیئے اور اپنے ذوق و شہود میں جو پایا ہے اس کو الفاظ کے قالب میں ڈھالنا چاہے تو اسی طرح ہوگا یہ مطلب (ہرگز) نہیں ہے کہ جو بھی اس برہان سے ذات اور اس کی تجلیات کا علم حاصل کرلے وہ صدیقین میں سے ہے۔ یا یہ کہ صدیقین کے معارف از قسم براہین ہیں۔ (ہاں اگر براہین کو فرض بھی کیا جائے تو وہ) مخصوص قسم کے براہین ہیں۔ افسوس ان کے علوم از قسم تفکر نہیں ہیں۔ اور نہ ہی ان کے مشاہدات کو برہان و مقدمات برہان سے کوئی مشابہت ہے۔ جب تک قلب برہان کے حجاب میں رہتا ہے اور اس کا قدم قدم تفکر ہوتا ہے۔ (اس وقت تک تو وہ) صدیقین کے اوّل درجہ تک نہیں پہونچا ہوتا۔ مگر جب وہ علم و برہان کے گاڑھے و گہرے حجاب سے نکل آتا ہے اور تفکر سے کوئی سروکار نہیں رہتا اور کسی برہان کے واسطہ کے بغیر بلکہ کسی موجود کے واسطہ کے بغیر انجام کار اور انتہائے سلوک میں جمیلِ مطلق کے جمال کا مشاہدہ کرنے لگے اور دائمی و سرمدی لذت تک پہونچ جائے اور دنیا و مافیہا سے قطع تعلق کرلے، اور قبضۂ کبریائی کے نیچے فنائے کلی کے ساتھ باقی رہ جائے اور اس کا کوئی نام و نشان باقی نہ رہ جائے، وہ مجہولِ مطلق ہوجائے۔ مگر یہ کہ حق کا لطف و کرم اس کے شاملِ حال ہوجائے اور (خدا) اس کو اس کے مملکت اور ممالک وجود میں وجودِ ذات کی وسعت کی مقدار کے اعتبار سے ثابت کردے اور اس رجوع میں جلال و جمال کے سبحات اس کے لئے ظاہر ہوجائیں اور وہ آئینہ ذات میں اسماء و صفات کا مشاہدہ کرنے لگے اور مظاہر کی کیفیت سلوک اور رجوع بہ ظاہر کا اس کے دل پر کشف ہونے لگے۔ تب وہ لباس نبوت سے نوازا جاتا ہے اور اسی جگہ انبیاء و رسولوں کے درجات کا تفاوت ظاہر ہوجاتا ہے اور دائرۂ رسالت کی وسعت و تنگی اور مبعوث منہ اور مبعوث الیہ کی حقیقت ان کے لئے اس مقام منکشف ہوجاتی ہے۔

اس مقام پر مزید تفصیل اس کتاب کے مناسب نہیں ہے اس لئے اس کے بعد

Presented by www.ziaraat.com

برہان صدیقین سے بھی صرف نظر کرتا ہوں۔ اس لئے کہ اس کے مقدمات ہیں جن کی شرح کرنے سے کتاب کو طول ہو جائے گا۔

تتمیم

خدا کے بارے میں جائز و ناجائز تفکر

یہ (بات) سمجھ لیجئے کہ ہم نے جو کہا ہے: ذات و اسماء و صفات کے بارے میں تفکر ممکن ہے۔ (حالانکہ) جاہل گمان کرتا ہے کہ حسب روایات ذات میں (تو) تفکر ممنوع ہے۔ (پھر کیسے کہہ دیا کہ ممکن ہے؟) "دراصل" وہ یہ نہیں جانتا کہ جو تفکر ممنوع ہے وہ کنہ ذات اور اس کی کیفیت کے بارے میں ہے جیسا کہ روایات سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے اور کبھی تو (ائمہؑ نے) نااہل کو بھی بعض معارف میں غور و فکر سے روک دیا ہے کیونکہ اس کے مقدمات بہت دقیق ہوتے ہیں۔ چنانچہ حکما بھی ان دونوں مقامات پر موافق ہیں۔ کنہ ذات کے بارے میں استحالہ (تو) اُن کی کتابوں میں (دلائل و) براہین سے ثابت ہے۔[۱۴] اور اس میں غور و فکر سب ہی کے نزدیک مسلم ہے۔ لیکن ان علوم میں دخول کے شرائط اور نااہل کو تعلیم سے ممانعت یہ ان کی کتابوں میں مذکور ہے اور اس کی وصیت ان کی کتابوں کے اوائل یا اواخر میں تحریر ہے۔ جیسا کہ اسلام کے دو بزرگ فلسفی اور دو امام فن جناب شیخ ابو علی سینا[۱۵] اور صدر المتالہین[۱۶] نے اشارات[۱۷] کے آخر اور اسفار[۱۸] کے شروع میں اس سلسلہ میں وصیت بلیغ فرمائی ہے۔ وہاں پر مراجعہ فرمائیے۔

لیکن اثبات وجود باری و (اثبات) توحید و تقدیس و تنزیہ باری تعالیٰ کے لئے ذات الٰہی میں غور و فکر کرنا (یہ تو) ارسال انبیا کا مقصد اور عرفا کی اُمیدوں کا مرکز تھا۔ قرآن مجید اور احادیث بھری پڑی ہیں کہ ذات و کمالات و اسماء و صفات ذات مقدس کا علم حاصل کیا جائے اور ملحدین اسماء کی تو خدا بھی مذمت کرتا ہے۔ حکما کی کتابیں ہوں یا متکلمین کی کسی نے بھی اثبات ذات و اسماء و صفات کے بارے میں غور کرنے کے لئے اس قدر نہیں کہا جتنا قرآن مجید اور حدیثوں کی معتبر کتابوں، مثلاً اصول کافی، توحید شیخ صدوقؒ (وغیرہ) نے کہا ہے۔ انبیاء کے منقولات اور حکما کی کتابوں میں صرف اصطلاحات اور اجمال و تفصیل کا فرق ہے۔ جیسے کہ فقہ اور ان احادیث کے

Presented by www.ziaraat.com

اندر جو مسائل فقہ کو بیان کرتی ہیں صرف اصطلاحات اور اجمال و تفصیل کا فرق ہے اصل معنی میں کوئی فرق نہیں ہے۔

لیکن مصیبت یہ ہے کہ آخری دور میں کچھ جاہل پیدا ہو گئے ہیں جو نہ کچھ دیکھتے ہیں نہ پرکھتے ہیں، کتاب و سنت سے جاہل ہیں بس صرف اپنی بازار کو چمکانے کے لئے اپنی جہالت کی بنا پر مبدا و معاد کے علم کو باطل قرار دیتے ہیں، معارف (الٰہی) میں غور و فکر جو انبیا و اولیا کا انتہائی مقصد ہے اور کتاب و سنت اس سے بھری پڑی ہے اس کو حرام سمجھتے ہیں اور اہل معرفت پر ہر قسم کی تہمت اور ان کو نامزا کہنے میں کوئی باک نہیں سمجھتے، بندگان الٰہی کے دلوں کو مبداء و معاد سے موثر مسلمانوں کی جماعت میں تفرقہ پیدا کر دیا اور اگر ان لوگوں سے پوچھا جائے کہ یہ سب لوگوں کو کافر قرار دینے اور فاسق قرار دینے سے کیا فائدہ! تو وہ لوگ «لاَ تَتَفَكَّرُوا فِي ذَاتِ اللّٰهِ.» والی حدیث کا سہارا لیتے ہیں۔ یہ بے چارے دو جہت سے اشتباہ و جہالت میں مبتلا ہیں۔

۱۔ ایک یہ ہے کہ ان کو گمان ہے کہ حکما کنہ ذات میں غور و فکر کرتے ہیں۔ حالانکہ وہ لوگ کنہ ذات میں تفکر کو محال (و ناجائز) جانتے ہیں اور یہ چیز حکما کے یہاں دلیل و برہان سے ثابت ہے۔

۲۔ دوسرے یہ کہ حدیث کا مطلب نہ سمجھ کر یہ گمان کر لیا کہ ذات مقدس کے بارے میں مطلقاً کوئی گفتگو و غور و فکر نہ کی جائے۔

میں اب چند روایتوں کو ذکر کر کے، نظر قاصر کے مطابق اس میں جمع کروں گا اور حکم کو انصاف بناؤں گا اگرچہ یہ بات شرح حدیث اور ہماری قرار داد سے قدرے خارج ہے لیکن ابطال باطل اور رفع شبہہ کے لئے یہ ضروری ہے:

«كافي بإسناده عَنْ أَبِي بصير، قال قال أبو جعفر، عَلَيْهِ السَّلَامُ: تَكَلَّمُوا فِي خَلْقِ اللّٰهِ وَلا تَتَكَلَّمُوا فِي اللّٰهِ، فَإِنَّ الْكَلَامَ فِي اللّٰهِ لاَ يَزْدَادُ صَاحِبُهُ إِلاَّ تَحَيُّراً.»

(کافی میں ابوبصیر کے اسناد سے روایت ہے وہ کہتے ہیں: امام محمد باقرؑ نے فرمایا: مخلوقات خدا کے بارے میں کلام کرو۔ لیکن خدا کے بارے میں کلام نہ کرو کیونکہ خدا کے بارے میں کلام کرنے والے کو اور متحیر کر دیتا ہے۔)

اس حدیث کی دلالت خود ہی اس بات پر ہوتی ہے کہ تکلم سے مراد کنہ ذات

Presented by www.ziaraat.com

اور اس کی کیفیت کے بارے میں گفتگو کرتا ہے۔ کیونکہ جو علت بیان کی گئی ہے اسی سے پتہ چل جاتا ہے۔ ورنہ اثبات ذات و کمالات، توحید و تنزیہ سے بحث کرنا تحیر کا سبب نہیں ہوا کرتا اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ ممانعت ان لوگوں کے لئے ہو جن کے لئے ان مقامات میں بحث کرنا سبب تحیر ہوتا ہو۔ مرحوم علامہ مجلسیؒ [۲۱] نے بھی ان دونوں احتمالوں کا ذکر کیا ہے مگر جو تقریب استدلال ہم نے ذکر کی ہے اس کا ذکر نہیں کیا ہے۔ [۲۲]

«وَفِي رِوَايَةٍ أُخْرَى عَنْ حَرِيزٍ: تَكَلَّمُوا فِي كُلِّ شَيْءٍ، وَلَا تَتَكَلَّمُوا فِي ذَاتِ اللّٰهِ» [۲۳] دوسری روایت جو حریز سے مروی ہے اس میں ہے "ہر چیز کے بارے میں کلام کرنا (مگر) ذات خدا کے بارے میں کلام نہ کرنا"۔ اسی مضمون کی اور اسی سے ملتی جلتی دیگر روایات بھی آئی ہیں، لیکن سب کا ذکر کرنا ضروری تو نہیں ہے۔

کافی میں امام محمد باقرؑ سے مروی ہے:

«وَفِي الْكَافِي عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ، عَلَيْهِ السَّلَامُ، قَالَ إِيَّاكُمْ وَالتَّفَكُّرَ فِي اللّٰهِ؛ وَلَكِنْ إِذَا أَرَدْتُمْ أَنْ تَنْظُرُوا إِلَى عَظَمَتِهِ، فَانْظُرُوا إِلَى عَظِيمِ خَلْقِهِ.» [۲۴]

"خبردار خدا کے بارے میں غور و فکر نہ کرنا۔ لیکن اگر تم اس کی عظیم عظمت کو دیکھنا چاہو تو اس کی عظیم مخلوق کے بارے میں نظر (و فکر) کرو"۔ اس حدیث کا بھی ظاہر یہی ہے کہ کنہ ذات میں غور و فکر نہ کرو۔ کیونکہ حدیث کے ذیل میں ہے اگر تم عظمت حق میں (نظر و فکر) کرنا چاہو تو عظمت مخلوق سے عظمت خالق پر استدلال کرو اور یہ بطور مثال ہے اور نوع مردم کے لئے ہے جن کی معرفت کا طریقہ یہی ہے کہ مخلوق میں غور و فکر کرتے ہیں۔

یہ اور اسی قسم کی دوسری حدیثیں جو اسی مطلب کے قریب ہیں اور تکلم و تفکر کی ممانعت پر دلالت کرتی ہیں ان کے بارے میں معلوم ہو گیا کہ بالذات ہمارے مطلوب پر دلالت نہیں کرتیں۔ کافی کی ایک حدیث جو باب تفکر کے سلسلہ میں آئی ہے وہ ہمارے مقصد کو اچھی طرح واضح کرتی ہے۔ چنانچہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

«أَفْضَلُ الْعِبَادَةِ إِدْمَانُ التَّفَكُّرِ فِي اللّٰهِ وَفِي قُدْرَتِهِ.» [۲۵]

"سب سے افضل عبادت خدا اور اس کی قدرت میں غور و فکر کرتے رہنا ہے"۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تفکر در حق اور اثبات ذات اور قدرت و سایر اسماء و صفات میں تفکر نہ صرف یہ کہ منعی نہیں ہے بلکہ تمام عبادتوں میں افضل ہے۔

Presented by www.ziaraat.com

کافی میں وارد ہوا ہے کہ حضرت امام زین العابدینؑ سے توحید کے بارے میں پوچھا گیا تو حضرتؑ نے فرمایا:

((سُئِلَ عليُّ بن الحسين، عَلَيْهِما السَّلام، عَنِ التَّوحيد، فَقالَ إِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ عَالِمٌ أَنَّهُ يَكُونُ فِي آخِرِ الزَّمانِ أَقْوامٌ مُتَعَمِّقُونَ، فَأَنْزَلَ اللّٰهُ تَعالى))

"خداوندِ عالم جانتا تھا کہ آخری زمانے میں ایک عمیق نظر رکھنے والے لوگ ہوں گے" اس لئے اس نے «قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ» اور سورۂ الحدید کی آیات «وَهُوَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ» «فَمَنْ رَامَ وَرَاءَ ذٰلِكَ فَقَدْ هَلَكَ.» [۲۶] نازل کیں۔ اب جو اس کے ماوراء کا خواہش مند ہے وہ ہلاک ہوا۔" اس حدیث سے پتہ چلا کہ یہ آیاتِ شریفہ جو توحید و تنزیہ حق و بعث و رجوع موجودات الی اللہ کے سلسلہ میں وارد ہوئی ہیں وہ گہری نظر رکھنے والوں اور دقیق فکر والوں کے بارے میں نازل ہوئی ہیں۔ کیا اس کے بعد بھی کہا جا سکتا ہے کہ خدا کے بارے میں غور و فکر حرام ہے؟ کیا کوئی عارف یا حکیم ان معارف سے زیادہ جو سورۂ حدید کے اوّل میں بیان کئے گئے ہیں لا سکا ہے؟ ان کے معرفت کی انتہا یہ ہے کہ: «سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ» [۲۷] تک پہونچا سکیں۔ کیا «هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ.» [۲۸] سے بہتر خدا کی صفت اور اس کی ذات کے جلوؤں کو بیان کیا جا سکتا ہے؟

دوست کے مقدّس جان کی قسم! اگر اس آیت کے علاوہ حقیقتِ قرآن پر کوئی اور آیت نہ بھی ہوتی جب بھی اہلِ دل کے لئے یہی کافی تھی۔ آپ ذرا قرآنِ مجید، رسولِ اکرمؐ اور ان کے معصوم سلام اللہ علیہم خلفا کے خطبوں، آثار و اخبار کو ملاحظہ فرمائیے۔ معارف کے جس قسم کا تصور ہو سکتا ہے۔ ہر موضوع پر ان کے ایسے بیانات موجود ہیں کہ کوئی حکیم و عارف اس سے بہتر بیان نہیں کر سکتا۔ ان حضرات کے کلماتِ توصیفِ حق اور ذات و صفاتِ خدا پر استدلالات سے بھرے ہیں اور اتنا کہ ہر گروہ اپنے فہم کے اعتبار سے ان سے استفادہ کر سکتا ہے۔

پس ان روایات کے مجموعہ سے معلوم ہوا کہ ذاتِ باری کے سلسلہ میں صرف ایک تفکر ممنوع ہے یعنی کنہ ذات اور اس کی کیفیت میں تفکر کرنا جیسا کہ کافی کی حدیث میں ہے: «مَنْ نَظَرَ فِي اللّٰهِ كَيْفَ هُوَ هَلَكَ» [۲۹] یا پھر دونوں قسموں جو حدیثیں غور و فکر سے روکتی ہیں اور اجازت دیتی ہیں۔ میں اس طرح جمع کیا جا سکتا ہے کہ جن لوگوں کے دل برہان سننے کی طاقت

Presented by www.ziaraat.com

نہیں رکھتے اور اس قسم کے مباحث میں داخل ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتے ان کو روکا گیا ہے اور خود روایات میں اس جمع پر دلالت موجود ہے۔ لیکن جو لوگ اہل ہیں ان کے لئے راجح بلکہ ان مباحث میں داخل ہونا افضل ترین عبادت ہے۔

بہرحال ہم اپنے مقصد سے خارج ہو گئے۔ لیکن اس فاسد مطلب اور ناحق و غیر پسندیدہ تہمت کا ذکر کئے بغیر چارہ بھی نہیں تھا۔ کیوں کہ یہ چیزیں آخری زمانہ میں زبانوں پر آنے لگی ہیں اور (میرے ذکر کا مقصد یہ ہے کہ) شاید کسی کا دل اس سے متاثر ہو جائے۔ اگر ایک شخص بھی اس کو قبول کرلے تو میرے لئے کافی ہے۔

«وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَإِلَيْهِ الْمُشْتَكٰى»

دوسری فصل

مصنوعات میں تفکر

تفکر کے درجات میں سے ایک خدا کی لطیف صفتوں کے بارے میں اس مضبوطی کے بارے میں، مخلوقات کے دقائق کے بارے میں اتنا غور و فکر کرنا جس قدر بشری طاقت کے بس میں ہے۔ اس کا نتیجہ صانع حکیم اور مبداء کامل کے علم (کی صورت میں ظاہر) ہوتا ہے۔ یہ طریقہ صدیقین کے برہان کے برعکس ہوتا ہے۔ کیونکہ وہاں پر مبداء برہان حق تعالیٰ ہوتا ہے۔ اس کے علم سے تجلیات و مظاہر و آیات کا علم حاصل ہوتا ہے اور یہاں پر مبداء برہان مخلوقات ہوتی ہیں۔ ان کے واسطہ سے مبداء و صانع کا علم حاصل ہوتا ہے اور یہ برہان عوام کے لئے ہے۔ ان کو برہان صدیقین سے کوئی رابطہ ہی نہیں ہے اس لئے ہو سکتا ہے بہت سے لوگ اس کا انکار کردیں کہ خدا کے سلسلہ میں براہ راست خدا کا علم ہو سکتا ہے اور علم بہ خدا سبب ہوتا ہے کہ اس سے مخلوقات کا علم حاصل ہو۔

خلاصہ یہ ہے کہ خدا کی دقیق و لطیف صفتوں کے بارے میں تفکر اور نظام تخلیق کی مضبوطی (کے بارے میں سوچنا) نفع بخش علوم اور اعمال قلبی کے فضائل (میں ہونے کے ساتھ) تمام عبادتوں سے افضل ہے کیونکہ اس کا نتیجہ اشرف نتائج ہے۔ اگرچہ تمام عبادتوں کا اصلی راز

Presented by www.ziaraat.com

اور اصلی نتیجہ معارف کا حصول ہے لیکن رازوں کا کشف کرنا اور اس کا نتیجہ ہم کو حاصل نہیں ہو سکتا (بلکہ) اس کے کچھ اہل ہیں کہ ہمہ عبادت ان کے لئے مشاہدہ یا مشاہدات کی بیج بن جاتی ہے بہرحال لطیف صنعت اور اسرار خلقت در حقیقت ابھی تک کسی کے لئے میسر نہیں ہوا۔ اس کی بنیاد اتنی مضبوط اور محکم ہے اور اس کا نظام اتنا خوبصورت اور از روئے اسلوب اتنا مکمل ہے کہ ہر موجود کے اندر چاہے وہ کتنا ہی حقیر معلوم ہوتا ہو۔ اگر بشر اپنے ان (تمام) علمی کمالات کے ساتھ جو اس نے صدیوں میں حاصل کئے ہیں (بڑی) دقت (نظر سے دیکھے) تب بھی اس کے ہزار حصوں میں سے ایک حصہ پر اطلاع نہیں حاصل کر سکتا۔ چہ جائیکہ اس پورے خوبصورت نظام کلی کو اپنے زیر فکر و نظر کرے اور اپنے ناقص و جزئی افکار سے ان (حقائق) کے لطائف و دقائق کو سمجھ لے۔

میں اس وقت آپ حضرات کی توجہ تخلیق کے بعض اُن دقائق کی طرف موڑنا چاہتا ہوں۔ جو نسبتاً عقلوں سے نزدیک اور محسوسات میں شمار ہوتی ہیں۔ اس اجمال کی تفصیل آپ خود حاصل کر لیں۔

میرے عزیز آفتاب اور زمین کے درمیان جو معین مسافت ہے اور زمین کی جو مخصوص حرکت اپنے گرد اور سورج کے گرد ہے اس نسبت کو دیکھو اور اس میں غور کرو کہ مدار معین پر زمین کی گردش سے جو شب و روز اور فصلیں حاصل ہوتی ہیں وہ کتنی مضبوط صنعت اور کتنی مکمل حکمت پر (مشتمل) ہے۔ اگر یہ اس ترتیب سے نہ ہوتی یعنی سورج نزدیک ہوتا یا دور ہوتا تو پہلی صورت میں (شدت) حرارت سے اور دوسری صورت میں (شدت) برودت سے زمین کے اندر نہ معدنیات پیدا ہوتے اور نہ زمین پر نبات و حیوان کی زندگی ممکن ہوتی اور اگر اسی نسبت سے زمین ساکن ہوتی تو نہ فصول ہوتے نہ دن رات اور زمین کا تمام حصہ یا زیادہ حصہ قابل تکوین نہ ہوتا۔

اور اسی پر اکتفا نہیں کی گئی۔ اوج (زمین کی سورج سے سب سے زیادہ دوری) شمال کی طرف واقع ہے تاکہ حرارت زیادہ نہ ہو جائے اور مخلوقات کو نقصان نہ پہونچے اور حضیض (زمین کی سورج سے سب سے زیادہ نزدیکی) جنوب کی طرف واقع ہے تاکہ شدت سرما سے زمین پر بسنے والوں کو ضرر نہ پہونچ جائے۔

پھر اس پر بھی اکتفا نہیں کی گئی (بلکہ) چاند کو جو زمینی موجودات کی تربیت میں بہت اثر رکھتا ہے۔ حرکت میں زمین کے مخالف رکھا گیا اس طرح کہ سورج جب زمین کے شمالی حصہ میں ہے

Presented by www.ziaraat.com

تو چاند جنوبی حصہ میں ہوگا اسی طرح اس کے برعکس ساکنین زمین کے لئے اس سے اور اس طرح سے فائدہ کا ہونا ایک محسوس امر ہے اور بدیہی ہے لیکن ان کے لطائف و دقائق کو خدا کے علاوہ کوئی نہیں جان سکتا کیونکہ خدا ہی کا علم سب پر محیط ہے۔

اتنی دور جانے کی ضرورت نہیں ہے اگر کوئی اپنی (ہی) تخلیق میں اپنے علم و طاقت بھر فکر کرے۔ (پہلے تو خود اپنے ظاہری مدرکات کے بارے میں غور کرے جن کو محسوسات و مدرکات کے مطابق بنایا گیا ہے) تو معلوم ہوگا کہ اس کائنات کے اندر ہر قسم کے مدرکات کے لئے ایک ان کو درک کرنے والی قوت بھی بنائی گئی ہے۔ مگر اس کی وضع و ترتیب اتنی عقل کو حیرت میں ڈالنے والی ہے اور ایسے معنوی امور پر مشتمل ہے کہ ظاہری حواس سے اس کا ادراک کرنا ممکن نہیں ہے۔ (بلکہ) ان کے ادراک کے لئے باطنی حواس قرار دیئے گئے ہیں۔

علم روح اور نفس کی روحانی قوتوں کو چھوڑیئے ان پر انسان کو اطلاع ہی نہیں ہو سکتی۔ آپ علم بدن و تشریح اور فطری جسم اور ہر ظاہری و باطنی عضو کے خواص کو پیش نظر رکھتے ہوئے فکر کیجئے۔ دیکھئے کتنا منظم نظام اور عجیب و غریب ترتیب ہے۔ حالانکہ سینکڑوں صدیوں سے علم انسانی ہزار حصوں میں سے ایک حصہ تک بھی رسائی حاصل نہ کر سکا اور تمام علما نے بزبانِ فصیح اپنی عاجزی کا اظہار کر دیا۔ حالانکہ یہ انسانی بدن دیگر زمینی موجودات کے مقابلہ میں ایک ذرہ بے مقدار ہے اور زمین اپنے تمام موجودات سمیت نظام شمسی کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں ہے اور ہمارا پورا نظام شمسی دیگر شمسی نظاموں کے مقابلہ میں اس کی کوئی قدر محسوس نہیں ہے اور تمام یہ کلی و جزئی نظامات اتنے مرتب و منظم بنائے گئے ہیں کہ کوئی ذرہ برابر ان پر اعتراض نہیں کر سکتا اور تمام انسانی عقول اس کی (عمیق) و دقیق بناوٹ میں سے کسی معمولی سی بناوٹ کو سمجھنے سے قاصر ہے۔

(اب آپ سوچئے) کیا اس غور و فکر کے بعد آپ کی عقل اس بات پر یقین کرنے کے لئے کہ "اس کائنات کے اندر) ایک قادر، حکیم، عالم ایسا موجود ہے جس کا کوئی مثل و نظیر نہیں ہے اور اسی نے اس حکمت و نظام و ترتیب محکم کے ساتھ موجودات کو پیدا کیا؟ کسی اور چیز کی بھی محتاج ہے؟ (کیا یہ چیزیں کافی نہیں ہیں؟) «أَفِي اللَّهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ.» ۲۱

کیا یہ تمام منظم صنعت جس کے سمجھنے سے انسانی عقلیں عاجز ہیں بے ربط اور خود بخود

Presented by www.ziaraat.com

پیدا ہو گئیں ہیں؟

اندھی ہو جائیں وہ دل کی آنکھیں جو حق کو نہ دیکھ سکیں اور جمیل کے جمال کو ان موجودات میں مشاہدہ نہ کر سکیں، فنا ہو جائے وہ شخص جو ان آثار و نشانیوں کو دیکھ کر (بھی) شک و تردید میں مبتلا رہے۔ لیکن وہ انسان بے چارہ کیا کرے جو اوہام میں گرفتار ہے؟ اگر آپ اپنی تسبیح لوگوں کو دیکھا کر کہیں کہ یہ خود بخود (لڑی میں) پروئی ہے تو لوگ آپ کی عقل پر خندہ زن ہوں گے۔ اسی طرح جیسی گھڑی کو نکال کر یہی دعویٰ اس کے بارے میں کیجئے (تو سچ بتائیے) کیا لوگ آپ کو عاقلوں کی فہرست سے خارج کریں گے کہ نہیں؟ اور آپ کو پاگل کہیں گے کہ نہیں؟ کیا اس سادہ جزئی نظام کو کسی نے علل و اسباب کے رشتہ سے خارج جانا ہے؟ (اگر جانا ہے تو) لوگوں نے مجنوں مانا ہے اور حقوق عقلا سے محروم جانا ہے۔

پس اس شخص کے ساتھ کیا (برتاؤ) کرنا چاہیئے جو اس نظام کائنات کو نہیں بلکہ اس انسان اور اس کے روح و بدن کے نظام کے بارے میں مدعی ہے کہ (یہ تو) خود بخود پیدا ہو گیا؟ کیا اس کے بعد بھی اس کو فہرست عقلا میں شمار کیا جا سکتا ہے؟ کون بے وقوف اس سے زیادہ احمق ہے؟ «قُتِلَ الْإِنسَانُ مَا أَكْفَرَهُ.» [۳۲] وہ انسان مردہ باد ہو جو علم سے زندہ نہ ہو اور اپنے بحر ضلالت میں غوطہ زن رہے۔

تیسری فصل

احوالِ نفس میں تفکر

تفکر کا ایک درجہ احوالِ نفس میں غور و فکر کرنا ہے کیونکہ اس سے بے شمار نتیجے اور بہت سے معارف حاصل ہوتے ہیں۔ اس وقت ہماری نظر دو نتیجوں کی طرف ہے۔

۱۔ یوم معاد کا علم۔

۲۔ بعثتِ رسل و انزال کتب یعنی نبوت عامہ اور شرائع حقہ۔

نفس کی ایک حالت "تجرد" ہے۔ بڑے بڑے حکما نے جتنی توجہ نفس کے مجرد ہونے پر کی ہے۔ بہت کم کسی حکمت کے مسئلہ پر اتنی اہمیت دی ہے اور نہ اس طرح کسی مسئلہ کو براہین

Presented by www.ziaraat.com

سے واضح کیا ہے۔ میں اس وقت اس کو تفصیلی طور پر ثابت کرنے کے درپے نہیں ہوں۔ (صرف) بعض ان دلیلوں پر اکتفا کروں گا جن کے مبادی بہت زیادہ مشکل نہ ہوں اور اس کے بعد مقصد کا ذکر کروں گا۔ پس (اب ادلہ کا) ذکر کرتا ہوں۔

۱۔ اطباء اور علم اعضاء کی معرفت رکھنے والے علما کا اتفاق ہے اور تجربہ (بھی شاہد ہے کہ تمام اجزائے بدن اعم الدماغ، ادراک کا مرکز اور نفس کی قوتوں کے ظہور کی جگہ سے لے کر بدن کے آخری اجزاء تک (یعنی صلب کی ہڈی تک) ۲۵ یا ۳۰ سال کے بعد سے کمزور ہونے لگتے ہیں اور کمزوری و ضعف کے افق سے نزدیک ہونے لگتے ہیں۔ خود ہمارا تجربہ ہے کہ پورے بدن میں ضعف و شکستگی کا غلبہ ہو جاتا ہے۔ لیکن اسی وقت سے یعنی ۳۰، ۴۰ سال کے بعد سے روحانی قوتیں اور عقلی ادراک کامل در دبہ ترقی ہونے لگتا ہے۔ لہٰذا اس سے ثابت ہوا کہ عقل کے قوائے ادراکیہ جسمانی نہیں ہیں (بلکہ مجرد ہیں) اس لئے کہ اگر یہ قوا جسمانی ہوتے تو دیگر جسمانی اعضا کی طرح کمزور ہونے لگتے۔

"دفع توہم" یہ وہم نہ کرنا چاہیئے کہ بکثرت فکری قوتوں کے استعمال کرنے اور عقلی قوتوں کے تجربات کی وجہ سے عقلی قوتیں قوی ہو گئی ہیں۔ (مجرد ہونے کی وجہ سے قوی نہیں ہوئی ہیں) (تو اس کا جواب یہ ہے کہ ایسا نہیں ہے) کیونکہ تمام جسمانی قوتیں کثرت استعمال و کثرت کار کی وجہ سے کمزور و ضعیف ہو جاتی ہیں۔ نہ کہ قوی و طاقتور ہو جائیں اور یہ خود دلیل ہے کہ عقلی قوتیں نہ جسم ہیں نہ جسمانی ہیں۔

اور یہ اعتراض کرنا کہ بڑھاپے میں فکری قوتیں بھی ناقص ہو جاتی ہیں غلط ہے۔ اس لئے کہ پہلی بات تو یہی ہے کہ کوئی بھی جسمانی قوت بڑھاپے تک روبہ ترقی نہیں ہوتی کہ ہم یہ کہہ سکیں جسم کا فلاں حصہ ادراکات عقلیہ کا محل ہے اور بڑھاپے تک روبہ ترقی ہے لیکن اب چونکہ وہ حصہ کمزور ہو گیا اس لئے قوتِ فکر بھی کمزور ہو گئی۔

دوسری بات یہ ہے کہ (اگر ایسا ہے تو) بڑھاپے میں فکر بھی کمزور ہو جائے گی کیونکہ وہ بھی جسم میں حلول کئے ہے۔ یا جسمانی قوتوں کی محتاج ہے۔ لیکن خالص ادراکات اور ملکاتِ فاضلہ یا فیضہ بھی اس وقت پہلے سے قوی ہو جاتے ہیں۔ اگرچہ ان کا اظہار یا ظہور کم ہوتا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ہمارے دعویٰ کو ثابت کرنے کے لئے ۴۰۔۵۰ سال کی وہی قوتِ ادراک ہی کافی ہے۔

۲۔ اس نقضی اعتراض کا جواب یہ ہے کہ نفس جب ملکِ بدن سے اپنا (بوریا) بستر

Presented by www.ziaraat.com

باندھنے لگتا ہے اور اس کی قوتیں اس کے باطن ذات کی طرف رجوع کرتی ہیں تو تمام وہ قوتیں جو عالم جسم و جسمانی سے نزدیک و قریب ہیں وہ تھکن اور سستی کی طرف مائل ہو جاتی ہیں اور جو دور ہیں وہ دیر میں کمزور ہوتی ہیں برخلاف عالم ملکوت و تجرد کی قوتیں وہ قوی تر ہو جاتی ہیں۔ یہ (دوسری) دلیل ہے کہ نفس نہ جسم ہے نہ جسمانی ہے۔

۳۔ نفس کے افعال، آثار، خواص مطلق اجسام کے افعال و آثار و خواص کے برخلاف ہوتے ہیں اور یہ (تیسری) دلیل ہے کہ نفس جسم نہیں ہے۔ مثلاً ہم کو بداہتاً معلوم ہے کہ ایک جسم ایک صورت سے زیادہ قبول نہیں کرتا۔ اگر دوسری صورت قبول کرنا چاہے تو پہلی صورت کے ختم ہونے کے بعد ہی ممکن ہے مثلاً اگر ایک کاغذ کے اوپر ایک تصویر بنی ہے تو جس جگہ تصویر بنی ہے بالکل اسی جگہ دوسری تصویر نہیں بن سکتی جب تک پہلی تصویر مٹا نہ دی جائے اور یہ حکم تمام اجسام میں عقلی طور سے جاری ہے۔ لیکن نفس کے اندر ایک وقت میں متعدد و متضاد صورتیں منتقش ہو سکتی ہیں بغیر پہلی صورت کے زائل ہوئے۔

۴۔ ہر جسم میں متناہی و محدود صورتوں کو نقش کیا جا سکتا ہے۔ لیکن نفس کے اندر غیر متناہی و غیر محدود صورتیں نقش ہو سکتی ہیں اس اعتبار سے نفس غیر متناہی امور پر حکم کر سکتا ہے۔

۵۔ جسم کی صورت زائل ہونے کے بعد جب تک اس صورت کے لئے از سر نو سبب پیدا نہ ہو دوبارہ وہ صورت پیدا نہیں ہوگی۔ لیکن نفس سے جو صورتیں غائب ہو جاتی ہیں وہ کسی خارجی سبب کے بغیر پلٹ آتی ہیں۔

پس معلوم ہوا کہ نفس اپنے خواص و آثار و افعال میں تمام اجسام کے برخلاف ہے لہٰذا (نفس) مجرد ہے اور جسم و جسمانیات کے قسم سے نہیں ہے۔

۶۔ مجردات میں فساد نہیں پیدا ہوتا (یعنی وہ فاسد نہیں ہوتے) جیسا کہ اپنی جگہ پر براہین سے ثابت کیا جا چکا ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ جب تک مادہ قابلہ نہ ہو اس میں فساد نہیں ہوتا اور مجرد میں مادہ قابلہ ہوتا ہی نہیں۔ کیونکہ مادہ قابلہ جسم کے لوازم سے ہے۔ پس مادہ فاسد نہیں ہو سکتا۔

بس اسی سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ بدن کے خراب ہو جانے کے بعد اور نفس کے بدن سے جدا ہو جانے کے بعد (بھی) نفس خراب نہیں ہوتا بلکہ دوسرے عالم میں باقی رہتا ہے اس کے لئے فنا نہیں ہے۔ نفوس دار رواح کے لئے قیامت سے پہلے یہ معاد روحانی ہے جو ان کے لئے اس وقت حاصل رہتا ہے جب تک ارادۂ الٰہی پھر بدنوں سے متعلق ہو جانے کا نہ ہو۔ ہم اس وقت ان لوگوں کی

Presented by www.ziaraat.com

رد کر رہے ہیں جو مطلق معاد کے منکر ہیں اسی لئے ہم نے مطلق معاد کو ثابت کیا ہے اور سابقہ بیانات سے یہ بات واضح ہو گئی۔

یہ جان لینا چاہیئے کہ نفوس کے لئے (بھی) صحت و بیماری، اصلاح و فساد، سعادت و شقاوت ہے لیکن ان کے راستوں کا جان لینا اور ان کے مفاسد و مصالح کی باریکیوں کو سمجھ لینا خدا کے علاوہ کسی کے بس کی بات نہیں ہے بلکہ بہترین نظام میں جو نظام احسن ہے اس کے علاوہ کوئی چارۂ کار نہیں ہے۔

اور اس سے پہلے یہ معلوم ہو چکا ہے کہ اس نظام کا تنظیم کرنے والا حکیم علی الاطلاق اور تمام چیزوں کا واقف ہے (اس لئے) سعادت و شقاوت، ہدایت (و ضلالت) راہ صلاح و فساد، نفوس کے علاج کے طریقوں کا تعلیم نہ دینا محال ہے یا مہمل چھوڑ دینا بھی محال ہے کیونکہ مہمل چھوڑ دینے اور تعلیم نہ دینے کی صورت میں یا تو علم میں یا پھر قدرت میں نقص لازم آئے گا اور یا بخل بلاوجہ کا ظلم لازم آئے گا اور یہ معلوم ہے کہ خدا ان تمام برائیوں سے مبرا ہے اور وہ کامل علی الاطلاق اور مفیض (فیض پہونچانے والا) علی الاطلاق ہے۔ (اگر یہ مان لیا جائے کہ اس نے) سعادت و شقاوت کے راستوں کو بتانے میں اہمال کیا ہے تو حکمت میں خلل عظیم اور نظام و مملکت میں فساد و اختلال بزرگ لازم آئے گا اس لئے کامل نظام کے اندر ضروری ہے کہ سعادت و شقاوت کے راستوں (اور ہدایت و گمراہی کے طریقوں) کو بتایا جائے۔

اس بیان سے دو واضح نتیجے نکلتے ہیں۔

۱۔ شریعت: یعنی نفسانی امراض کے علاج کا نسخہ خدا کے علاوہ کسی کے پاس نہیں ہے۔

۲۔ خداوند عالم اس نسخے کے اعلام (و تعلیم) پر مجبور ہے اور (اس کے تعلیم کی صورت صرف وحی والہام ہے) چونکہ اتنے بڑے مقصد اور دقیق علم کامل کہ جس کے ادراک سے عقل عقلاء عاجز ہے اور ملک و ملکوت کا رابطہ اور باطن نفس کے اندر صور ملکیہ کی تاثیر کو کوئی نہیں جانتا اس لئے وحی والہام کے ذریعہ اس کا ہونا ضروری ہے یعنی اس کی تعلیم خدا کی طرف سے ہونی چاہیئے اور یہ (بھی) واضح ہے کہ تمام افراد بشر اس خلعت کے قابل نہیں ہیں اور نہ اس مقام کی استعداد رکھتے ہیں اور نہ اس فریضہ کو انجام دے سکتے ہیں۔ ہر چند صدیوں میں کہیں ایک ایسا شخص پیدا ہوتا ہے جو اتنے عظیم عہدہ کا لائق و سزاوار ہوتا ہے اور ایسے عظیم مقصد کو پورا کر سکتا ہے۔ (ایسے شخص کو) خدا بشر کو سعادت و شقاوت کے راستے سمجھانے کے لئے بھیجتا ہے (تاکہ) لوگوں کو ان کی صلاح

Presented by www.ziaraat.com

سے آگاہ کرے۔ اسی کو "نبوت عامہ" کہا جاتا ہے۔

جب گفتگو یہاں تک پہونچی ہے تو ضمناً میں ایک ایسا مطلب بیان کرنا چاہتا ہوں جو میری نظر میں بدیہیات میں شمار کئے جانے کے لائق ہے اور وہ یہ ہے۔

ہم کو بدیہی طور سے معلوم ہے کہ انسانوں کے درمیان خدا کی طرف سے ایک شریعت ہونی چاہیئے اور جب ہم ان شریعتوں کی طرف نظر کرتے ہیں جو نوعِ بشر کے درمیان رائج ہیں تو ان میں تین شریعتیں دیگر شریعتوں سے عمدہ و بہتر نظر آتی ہیں۔

۱ــــ شریعت یہود ۲ــــ شریعتِ نصاریٰ ۳ــــ شریعت اسلام

(مگر) تین مقامات پر شریعت اسلام بدیہی طور دوسری شریعتوں سے کامل تر ہے اور انھیں مقامات پر شریعتوں کی بنیاد اور تشریع کا مدار ہے۔ (اور وہ تینوں چیزیں یہ ہیں۔)

۱ــــ عقائدِ حقہ و معارف الٰہیہ، توصیف و تنزیہ خدا، معاد و اس کی کیفیت، ملائکہ کا علم، توصیف و تنزیہ انبیاء علیہم السلام اور یہی عمدہ و اصل شرائع ہیں۔

۲ــــ خصالِ حمیدہ و اصلاحِ نفس و اخلاقِ فاضلہ۔

۳ــــ فردی و اجتماعی اعمالِ قابلیہ اعمالِ سیاسیہ، اعمالِ مدنیہ وغیرہ۔

بلکہ انصاف پسند اگر بے غرض ہو کر دیکھے تو پتہ چلے گا کہ یہود و نصاریٰ کی شریعتوں کی اسلام سے کوئی نسبت ہی نہیں ہے۔ انسان کی پوری زندگی میں اتنا مضبوط قانون اور (اتنی جامع) شریعت کا وجود نہیں ہے اور یہ خود ہی اسلام کے حقانیت کی سب سے بڑی دلیل ہے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ نبوت عامہ اور یہ کہ خدا نے انسان کے لئے ایک شریعت معین فرمائی اور لوگوں کو ہدایت کے راستے سمجھائے اور ان سب کو ایک منظم نظام کے تحت قرار دیا۔ ان تمام باتوں کو ثابت کرنے کے بعد دین اسلام کی حقانیت ثابت کرنے کے لئے کسی مقدمہ کی ضرورت نہیں ہے۔ بس صرف اسلام کو دیکھ کر اسلام اور دیگر ادیان و شرائع میں جن مرحلوں میں بنی نوع انسان کے احتیاج کا تصور ہو ان تمام مراحل میں معارفِ حقہ اور ملکاتِ نفسانیہ کے سلسلہ میں مقابلہ کر کے دیکھ لیا جائے تاکہ نوعی و شخصی وظائف اور اجتماعی و فردی تکلیفوں کا اندازہ ہو سکے۔

"اَلْاِسْلَامُ یَعْلُو وَلَا یُعْلٰی عَلَیْہِ" کا ایک مطلب یہ بھی ہوتا ہے۔ اس لئے کہ انسانی عقل چاہے جتنی ترقی کرے اور عقلوں کے ادراکات چاہے جتنے زیادہ ہو جائیں جب وہ اسلام کے دلائل و براہین پر نظر کریں گے تو (اسلام کے) نورِ ہدایت کے سامنے سرنگوں ہو جائیں گے اور دنیا کی کوئی

Presented by www.ziaraat.com

دلیل اسلام پر غالب نہیں آسکے گی۔

اثبات برہان خاتم المرسلین کا خلاصہ یہ ہوا کہ جس طرح تخلیق کائنات کی مضبوطی اور اس کی حسن ترتیب و بہترین نظم ہم کو یہ بتاتا ہے کہ ایک ایسا موجود ہے جو اس کی تنظیم کرتا ہے۔ جس کا علم اس کی باریکیوں، لطائف و جلائل پر محیط ہے۔ اسی طرح ایک شریعت کے احکام کا اتقان، حسن نظام، ترتیب کامل، تمام مادی و معنوی، دینوی و اخروی، اجتماعی و فردی کا مکمل طور سے متکفل ہونا بھی ہم کو یہ بتاتا ہے کہ اس کا منظم کرنے والا اور اس کے چلانے والے کا علم بھی محیط ہوگا اور وہ بھی افراد بشر کی ضرورتوں سے واقف ہوگا اور چونکہ یہ بات بدیہی ہے کہ یہ سارا کام ایک ایسے انسان کے عقل قوتوں کا ہرگز مرہون نہیں ہو سکتا۔ جس نے کسی کے سامنے زانوئے ادب تہہ نہ کیا ہو، جس کی تاریخ زندگی ہر قوم و ملت کے مورخین نے لکھی ہو، جو ایک ایسے ماحول میں تربیت پایا ہوا ہو جو کمالات و معارف سے عاری ہو، ایسا شخص اتنا کامل نظام نہیں بنا سکتا۔ اس لئے یقیناً غیب اور ماوراء الطبیعۃ سے اس شریعت کی تشریع ہوئی ہے اور وحی و الہام کے ذریعہ اس (نبی) اُمی کو پہونچایا گیا ہے۔ «وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى وُضُوحِ الْحُجَّةِ.»

میرا ارادہ تھا کہ تفکر کے دوسرے مقام کا ذکر کروں یعنی عالم ملک کی فکر کے بارے میں بحث کروں جس کا نتیجہ "زہد" ہے۔ لیکن چونکہ سابق مقامات میں عنان قلم کو چھوٹ دے دی تھی اور مطالب طولانی (بلکہ) خارج از موضوع ہو گیا تھا۔ لہٰذا اس سے صرف نظر کیا۔

چوتھی فصل

شب بیداری

اب حدیث شریف کے دو فقروں کا بیان ہمارے ذمہ رہ گیا جس میں فرمایا ہے:

«جَافِ عَنِ اللَّيْلِ جَنْبَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ رَبَّكَ.» "مولا امیر المومنین حضرت علی سلام اللہ علیہ نے قلبی اعمال اور تنبیہ کرنے والے تفکرات اور تقوائے الٰہی کے پہلو بہ پہلو شب بیداری کو اور بستر سے عبادت کے لئے دوری کو قرار دیا ہے۔ اور یہ (نماز شب) کی فضیلت و اہمیت پر دلیل ہے۔ چنانچہ احادیث میں اس عمل کی بہت تمجید و بزرگی بیان کی گئی ہے اور ائمہ و مشائخ عظام و علمائے کرام کی

Presented by www.ziaraat.com

یہ سیرت رہی ہے کہ ہمیشہ اس کے (نمازِ شب کے) پابند رہے ہیں، رات کے آخری حصے میں بیداری کو عبادت سے قطع نظر کرتے ہوئے بھی بہت اہمیت دیتے تھے۔ کتاب وسائل الشیعہ جو مذہب امامیہ کی عظیم ترین کتاب ہے اور جس پر مذہب کا دار مدار ہے اور جو فقہا و علما کی مرجع ہے۔ میں نمازِ شب کی فضیلت میں ۴۱ حدیثیں اور اس کے ترک کے مکروہ ہونے پر چند حدیثوں کو ذکر کیا ہے اور پھر سابق و لاحق (مستحب و مکروہ) کے لئے حوالے بھی نقل کئے ہیں[۳۴] اور دعاؤں وغیرہ کی کتابوں میں بے حد و بے حساب حدیثیں ذکر کی گئی ہیں۔ لیکن ہم حصولِ برکت کے لئے چند حدیثوں کے ذکر پر اکتفا کرتے ہیں۔

«عَنِ الكَافِي بِإِسْنَادِهِ عَنْ مُعَاوِيَةَ بن عَمَّارٍ، قَالَ سَمِعتُ أَبَا عَبْدِاللّٰهِ، عَلَيْهِ السَّلَامُ، يَقُولُ كَانَ فِي وَصِيَّةِ النَّبِيِّ، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ، لِعَلِيٍّ قَالَ يَا عَلِيُّ أُوصِيكَ فِي نَفْسِكَ بِخِصَالٍ فَاحْفَظْهَا. ثُمَّ قَالَ اَللّٰهُمَّ أَعِنْهُ... إِلَى أَنْ قَالَ وَعَلَيْكَ بِصَلَاةِ اللَّيْلِ وَعَلَيْكَ بِصَلَاةِ اللَّيْلِ وَعَلَيْكَ بِصَلَاةِ اللَّيْلِ»[۳۵]

کافی میں باسناد خود معاویہ بن عمار سے روایت ہے وہ کہتے ہیں: "میں نے امام جعفر صادقؑ کو فرماتے ہوئے سنا کہ رسولِ خداؐ نے حضرت علیؑ کو جو وصیت فرمائی تھی اس میں فرمایا تھا: اے علیؑ میں تم کو تمہاری ذات کے بارے میں چند باتوں کی وصیت کرتا ہوں ان کو محفوظ کر لو۔ اس کے بعد فرمایا: پروردگارا علیؑ کی مدد کر..... یہاں تک کہ فرمایا: نمازِ شب کی پابندی کرو، نمازِ شب کی پابندی کرو، نمازِ شب کی پابندی کرو۔" حدیث کی ابتدا و انتہا سے کمالِ اہمیت سمجھ میں آتی ہے۔

«وَ عَنِ الْخِصَالِ بِإِسْنَادِهِ عَنْ أَبِي عَبْدِاللّٰهِ، عَلَيْهِ السَّلَامُ، قَالَ قَالَ النَّبِيُّ، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ، لِجِبْرَئِيلَ: عِظْنِي. فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ عِشْ مَا شِئْتَ فَإِنَّكَ مَيِّتٌ؛ وَأَحْبِبْ مَا شِئْتَ فَإِنَّكَ مُفَارِقُهُ؛ وَاعْمَلْ مَا شِئْتَ فَإِنَّكَ مُلَاقِيهِ؛ وَاعْلَمْ، أَنَّ شَرَفَ الْمُؤْمِنِ قِيَامُهُ بِاللَّيْلِ، وَعِزَّهُ كَفُّهُ عَنْ أَعْرَاضِ النَّاسِ.»[۳۶]

بسندِ خود بحوالہ خصال حضرت امام جعفر صادقؑ سے (مروی) ہے کہ آپؑ نے فرمایا: رسولِ خداؐ نے جبرئیلؑ سے کہا: مجھے وعظ و نصیحت کرو! جبرئیلؑ نے کہا: اے محمدؐ جتنا جی چاہے

Presented by www.ziaraat.com

زندہ رہو مگر مرنا ہے۔ جس سے جی چاہے محبت کرو مگر اس سے جدا ہونا ہے، جو عمل چاہے کرو اسی سے پالا پڑتا ہے۔ یہ جان لیجئے کہ مومن کا شرف شب بیداری (نمازِ شب) میں ہے اور اس کی عزت لوگوں کے آبرو کی حفاظت میں ہے۔"

«وَفِي الْمَجَالِسِ بِإِسْنَادِهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ، فِي حَدِيثٍ: فَمَنْ رُزِقَ صَلَاةَ اللَّيْلِ مِنْ عَبْدٍ، أَوْ أَمَةٍ، قَامَ لِلّٰهِ مُخْلِصاً، فَتَوَضَّأَ وُضُوءاً سَابِغاً، وَصَلَّى اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ بِنِيَّةٍ صَادِقَةٍ وَقَلْبٍ سَلِيمٍ وَبَدَنٍ خَاشِعٍ وَعَيْنٍ دَامِعَةٍ، جَعَلَ اللّٰهُ تَعَالَى خَلْفَهُ سَبْعَةَ صُفُوفٍ مِنَ الْمَلَائِكَةِ، فِي كُلِّ صَفٍّ مَا لَا يُحْصِي عَدَدَهُمْ إِلَّا اللّٰهُ، أَحَدُ طَرَفَيْ كُلِّ صَفٍّ بِالْمَشْرِقِ وَالْآخِرُ بِالْمَغْرِبِ؛ فَإِذَا فَرَغَ، كَتَبَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ لَهُ بِعَدَدِهِمْ دَرَجَاتٍ.»[۳۷]

مجالس میں بسند خود ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں:

"رسولِ خدا نے ایک حدیث میں فرمایا: جس بندے یا کنیز کو نمازِ شب کی توفیق ہو اور وہ خلوص کے ساتھ (بستر سے) اُٹھے۔ کامل وضو کرے اور قلب سلیم و سچی نیت (اور خشوعِ بدن) گریہ کناں آنکھوں سے خدا کے لئے نمازِ شب پڑھے۔ تو خدا اس کے پیچھے ملائکہ کی سات صفوں کو قرار دیتا ہے اور ہر صف میں اتنے ملک ہوتے ہیں جن کی تعداد خدا کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔ ہر صف کا ایک سرا مشرق میں اور ایک مغرب میں ہوتا ہے اور جب وہ نماز سے فارغ ہوتا ہے تو خدا ان ملائکہ کی تعداد کے مطابق اس شخص کے لئے درجات لکھ دیتا ہے۔"

«وَعَنِ الْعِلَلِ بِإِسْنَادِهِ إِلَى أَنَسٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ، يَقُولُ: الرَّكْعَتَانِ فِي جَوْفِ اللَّيْلِ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا.»[۳۸]

علل میں باسناد خود انس سے (روایت کی) ہے وہ کہتے ہیں: "میں نے رسولِ خدا کو فرماتے ہوئے سنا کہ: آدھی رات کو دو رکعت نماز مجھے دُنیا و مافیہا سے محبوب ہے۔"

بہت سی احادیث میں ہے کہ نمازِ شب مومن کا شرف ہے اور جس طرح مال و اولاد دنیا کی زینت ہیں۔ نمازِ شب آخرت کی زینت ہے۔[۳۹]

Presented by www.ziaraat.com

«وَعَنِ الْعِلَلِ بِإِسْنَادِهِ إِلَى جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ الْأَنْصَارِيِّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ، يَقُولُ: مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ إِبْرَاهِيمَ خَلِيلاً إِلَّا لِإِطْعَامِ الطَّعَامِ وَالصَّلَاةِ بِاللَّيْلِ وَالنَّاسُ نِيَامٌ.» ۴۰

علل میں باسناد خود جابر بن عبداللہ انصاری سے روایت کی ہے کہ وہ کہتے ہیں:
"میں نے رسولِ خدا کو فرماتے ہوئے سُنا کہ آپؐ فرما رہے تھے: خداوندِ عالم نے جناب ابراہیمؑ کو کھانا کھلانے اور جب لوگ سوتے تھے اس وقت نمازِ شب پڑھنے کی وجہ سے خلیل بنایا۔"

اگر نمازِ شب کے لئے صرف یہی ایک حدیث ہوتی جب بھی اس کے اہل کے لئے کافی تھی۔ لیکن ہم جیسے نااہلوں کے لئے نہیں۔ ہم لوگوں کو نہیں معلوم کہ "خلت" کون سی خلوت ہے؟ اور خدا کسی بندے کو دوست بنائے تو اس کا کیا مرتبہ ہے۔ عقولِ انسانی اس کے تصور سے بھی عاجز ہیں۔ اگر خلیلِ خدا کو تمام بہشت دے دیئے جائیں تو وہ ان کی طرف نظر بھی نہ کریں گے۔ تم بھی اگر کوئی عزیز محبوب رکھتے ہو یا محبوب دوست رکھتے ہو اور وہ تمہارے پاس آجائے تو تم بھی کسی ناز و نعمت سے غفلت نہ برتو گے اور جمالِ محبوب اور لقائے دوست کی وجہ سے تمام چیزوں سے بے پرواہ ہو جاؤ گے۔ حالانکہ یہ مثال نامناسب ہے اور دونوں میں بعد المشرقین کا فرق ہے۔

«وَعَنْ عَلِيِّ بْنِ إِبْرَاهِيمَ فِي تَفْسِيرِهِ بِإِسْنَادِهِ عَنْ أَبِي عَبْدِاللّٰهِ، عَلَيْهِ السَّلَامُ، قَالَ مَا مِنْ عَمَلٍ حَسَنٍ يَعْمَلُهُ الْعَبْدُ إِلَّا وَلَهُ ثَوَابٌ فِي الْقُرْآنِ إِلَّا صَلَاةَ اللَّيْلِ؛ فَإِنَّ اللّٰهَ لَمْ يُبَيِّنْ ثَوَابَهَا لِعِظَمِ خَطَرِهِ عِنْدَهُ، فَقَالَ»

علی بن ابراہیم نے اپنی تفسیر میں باسناد خود امام جعفر صادقؑ سے روایت کی ہے کہ حضرتؑ نے فرمایا: "بندہ جو کچھ بھی نیک عمل کرتا ہے قرآن میں اس کا ثواب ہے سوائے اس نمازِ شب کے! اس کی عظمت کی بنا پر خدا نے اس کا ثواب نہیں بیان کیا۔" چنانچہ ارشاد ہے:
«تَتَجَافَى جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ خَوْفاً وَطَمَعاً وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ. فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَا أُخْفِيَ لَهُمْ مِنْ قُرَّةِ أَعْيُنٍ جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ»
"رات کے وقت" ان کے پہلو بستروں سے آشنا نہیں ہوتے اور (عذاب کے) خوف اور

Presented by www.ziaraat.com

(رحمت کی) اُمید پر اپنے پروردگار کی عبادت کرتے ہیں اور ہم نے جو کچھ عطا کیا ان میں سے خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔ ان لوگوں کی کارگزاریوں کے بدلے میں کیسی کیسی آنکھوں کی ٹھنڈک ان کے لئے ڈھکی چھپی رکھی ہے۔ اس کو تو کوئی جانتا ہی نہیں ہے۔

اب خداوندِ عالم نے جو قرۃ العین "آنکھوں کی ٹھنڈک" ذخیرہ فرمایا ہے اور چھپا رکھا ہے۔ جس پر کوئی شخص مطلع نہیں ہے آخر وہ کیا ہے اور کیا ہو سکتا ہے؟ اگر وہ از قسم انہار جاریہ، بلند قصور (خوبصورت حور) بہشت کی دیگر نعمتیں مُراد ہوتیں تو دیگر اعمال کی طرح ان کو بھی بیان کر دیتا اور ملائکہ اس پر مطلع ہوتے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کچھ اور ہے اس کی عظمت اس سے زیادہ ہے کہ کسی کے گوش زد کی جائے۔ خصوصاً اس دُنیا کے رہنے والوں کے لئے۔ اُس عالم کے نعمتوں کا قیاس اس دنیا کی نعمتوں پر نہ کرو۔ یہ سوچو بھی نہیں کہ وہاں کی بہشت جاغات یہاں کی بہشت جاغات ہی کی طرح ہیں بس ذرا وہ زیادہ وسیع و عریض ہیں۔ وہاں دارِ کرامت حق اور مہمانخانۂ الٰہی ہے۔ یہاں کی پوری دُنیا وہاں کے بہشتی حور العین کے ایک بال کے بھی برابر نہیں ہے۔ خداوندِ عالم نے نماز شب پڑھنے والے کی جزا میں ان چیزوں کی تفصیل نہیں فرمادی۔ مقامِ تعظیم میں ان کا ذکر کیا ہے۔

لیکن افسوس ہمارا ایمان کمزور ہے ہم اہلِ یقین نہیں ہیں ورنہ ناممکن تھا کہ ہم اس طرح غافل نہ رہتے اور صبح تک خوابِ خرگوش میں پڑے نہ رہتے اور اگر شب بیداری انسان کو حقیقت دستر نماز سے آگاہ کر دے اور انسان حق کے ذکر و فکر سے مانوس ہو جائے اور راتوں کو نماز اس کی عادت بن جائے یعنی راتیں اس کے معراج کی سواری بن کر قربِ خدا کا ذریعہ بن جائیں تو خدا کے جمالِ جمیل کے علاوہ اس کی کوئی دوسری جزا ممکن نہیں ہو سکتی۔

ہم اہلِ غفلت کی حالت پر روئے ہو کہ آخر عمر تک خواب (غفلت) سے بیدار نہیں ہوتے اور طبیعت کی مستی پر باقی رہتے ہیں بلکہ ہر (آنے والا) دن ہماری مستی و غفلت کو بڑھاتا ہی رہتا ہے۔ ہم حیوانی چیزوں، کھانے، پینے، جماع کے علاوہ کچھ سمجھتے ہی نہیں اور جو بھی کرتے ہیں، چاہے وہ عبادت ہی ہو وہ شکم و قوتِ شہویہ کے لئے کرتے ہیں۔ کیا تم خیال کرتے ہو کہ خلیل الرحمٰن کی نماز ہماری نماز کی طرح تھی؟ خلیل نے اپنی حاجت جبرئیل سے نہ طلب کی اور ہم اپنی حاجتوں کو اگر گمان کر لیں کہ حاجت روا ہے۔ شیطان سے طلب کرتے ہیں۔

(ان سب باتوں کے باوجود) مایوس نہیں ہونا چاہیئے ہو سکتا ہے ایک مدت تک شب بیداری کرنے اور اس سے مانوس ہونے اور اس کے عادی ہونے کے بعد رفتہ رفتہ کرکے

Presented by www.ziaraat.com

خدا ہماری دستگیری کرے اور ایک لطف خفی کے ساتھ غلعت رحمت سے نوازدے۔ لیکن اجمالاً یہ ہے کہ ستر عبادت سے غافل نہ ہو اور سب کو صرف تجوید اور ظاہری تصحیح سے پڑھنے پر صرف مت کرو۔ (بلکہ مخلص بنو) اور اگر مخلص نہیں بن سکتے تو کم از کم اس قرۃ العین کی تلاش کرو جس کو خدا نے چھپا رکھا ہے اور فقیر عاصی، حیوان سیرت جو تمام درجات کو چھوڑ کر حیوانیت پر قناعت کر بیٹھا ہے اگر ممکن ہو تو اس کے لئے دعا کرو اور پوری توجہ و خلوص نیت سے کہو:

«اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِي التَّجَافِيَ عَنْ دَارِ الْغُرُورِ وَالْإِنَابَةِ إِلَى دَارِ الْخُلُودِ وَالْإِسْتِعْدَادَ لِلْمَوْتِ قَبْلَ حُلُولِ الْفَوْتِ.» ۴۴

"پالنے والے ہم کو دارِ غرور سے دور رکھ اور دارِ خلود کی توفیق عطا کر اور فوت سے پہلے موت کی استعداد عطا کر۔

پانچویں فصل

در تقویٰ

"تقویٰ" وقایۃ سے (مشتق) ہے جس کے معنیٰ حفاظت و نگہداری کے ہیں اور عرف اور روایات کی زبان میں "خدا کے اوامر و نواہی کی مخالفت سے اپنے نفس کو بچانا اور رضائے الٰہی کی پیروی کرنا" کے ہیں۔ ویسے زیادہ تر اس لفظ کا استعمال محرمات میں پڑ جانے کے ڈر سے مشتبہ چیزوں سے بھی نفس کو مکمل طریقہ سے محفوظ رکھنا کے ہوتے ہیں۔ «وَمَنْ أَخَذَ بِالشُّبُهَاتِ، وَقَعَ فِي الْمُحَرَّمَاتِ وَهَلَكَ مِنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُ.» ۴۵ اور جو شخص شبہات میں پڑ جاتا ہے وہ محرمات میں مبتلا ہو جاتا ہے اور نہ معلوم جگہ سے ہلاک ہوتا ہے۔ «وَمَنْ رَتَعَ حَوْلَ الْحِمَى يُوشِكُ أَنْ يَقَعَ فِيهِ.» ۴۶ اور جو شخص حمیٰ کے ارد گرد چراتا ہے اس کے حمیٰ میں چرانے کا زیادہ احتمال ہوتا ہے۔

یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ تقویٰ اگرچہ مدارجِ کمال میں سے نہیں ہے۔ لیکن تقویٰ کے بغیر کسی منزل تک پہونچنا بھی ممکن نہیں ہے۔ اس لئے کہ جب تک نفس محرمات کی گندگی سے آلودہ رہتا ہے نہ باب انسانیت میں داخل ہوتا ہے اور نہ اس راہ کا سالک ہوتا ہے اور جب تک لذتوں

Presented by www.ziaraat.com

کا عادی اور نفسانی خواہشات اور لذتوں کی مٹھاس اس کے کام (ودیعت) میں ہے۔ وہ انسانی کمالات کا پہلا مقام حاصل نہیں کر سکتا (چہ جائیکہ اس سے بلند و بالا) اور جب تک محبتِ دنیا اور دنیا کے روابط اس کے دل میں باقی ہیں وہ متوسطین و زاہدین کے درجہ تک نہیں پہونچ سکتا اور جب تک حُبِّ نفس اس کی ذات میں پوشیدہ ہے مخلصین و مجبین کے درجہ تک نہیں پہونچ سکتا اور جب تک مُلک و ملکوت کی کثرت اس کے قلب میں ظاہر ہے۔ مجذوبین کے درجات تک نہیں پہونچ سکتا اور جب تک کثراتِ اسماء اس کے باطن ذات میں متجلی ہے فنائے کلی نہیں پا سکتا اور جب تک قلب مقامات کی طرف التفات رکھتا ہے مقام فنا تک نہیں پہونچ سکتا اور جب تک تلوین درکار ہے مقامِ تمکین تک نہیں پہونچ سکتا اور ذاتِ اسمِ ذاتی کے مقام تک اس کے اسرار کے سلسلہ میں ازلی و ابدی تجلی نہیں کرتی۔ پس تقوائے عامہ محرمات سے بچنا ہے اور تقوائے خاصہ شبہات سے بچنا اور علائق دنیا سے (قطعِ تعلق) زہد اور حُبِّ نفس سے پرہیز مخلصوں کا کام ہے، کثراتِ ظہورِ افعال سے اجتناب مجذوبوں کا کام ہے اور کثراتِ اسماء سے قطعِ تعلق کر کے فنا حاصل ہوتا ہے اور توجہ بہ فنا سے ہٹ کر وصال ہوتا ہے اور تلوینات سے بچ کر تمکن حاصل ہوتا ہے۔

﴿فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ﴾ ۴۲

انھیں سے ہر مرتبہ کے لئے ایک شرح ہے اور ان سب کا ذکر اصطلاحات و حیرت اور مفاہیم کے حجاب میں ہم جیسے لوگوں کے لئے پوشیدہ ہو جانے کے علاوہ اور کوئی نتیجہ نہیں ہے۔ ہر میدان کے لئے کچھ اہل ہوتے ہیں۔ اب ہم آپ کی توجہ تھوڑے سے تقوے کی طرف منعطف کرانا چاہتے ہیں جو نوع کے لئے اہم ہے۔

چھٹی فصل

عام تقویٰ کا بیان

اے عزیز! اے جان لو کہ جس طرح اس بدن کے لئے صحت و مرض، علاج و معالجہ (ضروری) ہے اسی طرح نفسِ انسانی اور روحِ آدمی کے لئے بھی صحت، مرض، بیماری، سلامتی، علاج و معالجہ بھی ضروری ہے۔ صحتِ نفس کا مطلب یہ ہے کہ طریقِ انسانیت میں اعتدال اور مرض کا مطلب

Presented by www.ziaraat.com

جادہ انسانیت سے انحراف ہے۔ نفسانی امراض کی اہمیت جسمانی امراض کے مقابلہ میں ہزاروں درجہ زیادہ ہے۔ اس لئے کہ جسمانی امراض کا نتیجہ موت ہوا کرتا ہے موت کے آتے ہی نفس کی توجہ جسم سے ختم ہو جاتی ہے۔ تمام جسمانی امراض اور مادّی خرابیاں اس سے دور ہو جاتی ہیں اور کوئی بدنی مرض اور نفسانی بیماری باقی نہیں رہتی۔ لیکن اگر خدانخواستہ روحانی امراض اور نفسانی بیماری ہو تو نفس کی توجہ پہلے بدن سے ہٹ کر اپنے ملکوت کی طرف ہوگی اور یہی امراض واسقام کے پیدائش کی پہلی منزل ہے۔ دُنیا کی طرف توجہ اور اس سے تعلق کی مثال ان نشہ آور چیزوں کی طرح ہے جو انسان کو بے خود بنا دیتی ہیں اور علاقہ روح کا دنیائے بدن سے سلب ہونا ہوش میں آنے کا باعث ہونا ہے اور ہوش میں آتے ہی باطن ذات میں موجود تمام امراض اور آلام واسقام (دفعتاً) اس پر ہجوم کر بیٹھے ہیں اور تمام وہ امراض جواب تک پیچھے ہوئے تھے خاکستر میں چھپی ہوئی آگ کی طرح ظاہر ہو جاتے ہیں اور وہ امراض وآلام یا تو زائل ہی نہیں ہوتے اس کے ساتھ رہتے ہیں اور اگر زائل بھی ہوتے ہیں تو ہزاروں سال فشار وزحمت وآتش اور داغوں کے بعد زائل ہوتے ہیں۔

«آخِرُ الدَّوَاءِ الْكَيُّ». ۴۸ (آخری علاج داغ دینا ہے) ارشادِ خدا ہے:

قَالَ تَعَالٰی «يَوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِي نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوبُهُمْ وَظُهُورُهُمْ». ۴۹ "جس دن وہ (سونا چاندی) آگ میں گرم کیا جائیگا پھر اس سے ان کی پیشانیاں اور پہلو اور ان کے پشت داغے جائیں گے"

انبیاء کرام بمنزلۂ شفیق طبیب کے ہیں جو مریضوں کے حالات کے مطابق بڑی شفقت ومہربانی اور علاقہ مندی سے ان کی صحت کے لئے مختلف قسم کے نسخے لاتے ہیں اور ہدایت کے راستوں کی رہنمائی کرتے ہیں۔

ہم لوگ طبیب ہیں اور حق کے شاگرد ۵۰ روحی وقلبی اور بدنی وظاہری اعمال کی حیثیت امراض کے دواؤں کی حیثیت ہے۔ چنانچہ تقوا کی حیثیت ایسی ہی ہے جیسے بیماری میں ضرر رساں چیزوں سے پرہیز کی حیثیت ہوتی ہے۔ جب تک مریض پرہیز نہیں کرے گا نہ اچھا ہوگا نہ حکیم کے نسخہ کا کوئی اثر ہوگا۔ اسی طرح تقویٰ ہے اگر تقویٰ نہیں ہے تو روحانی امراض دور نہیں ہوں گے۔ جسمانی امراض میں تو کبھی یہ (بھی) ممکن ہو جاتا ہے کہ معمولی سی بدپرہیزی کیجئے اور دوا کھاتے رہیے تو طبیعت اور دوا کا غلبہ ہو سکتا ہے اور صحت حاصل ہو سکتی ہے اس لئے کہ طبیعت خود بھی تو صحت کی حافظ ہے اور دوا اس کی مددگار ہے۔

Presented by www.ziaraat.com

لیکن روحانی مرضوں کا مسئلہ بہت مشکل ہے وہاں تو طبیعت شروع ہی سے نفس پر غالب رہتی ہے اور نفس کا معاملہ منکوس و رو بہ فساد رہتا ہے۔ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ بِالسُّوْءِ اس لئے تھوڑی سی بد پرہیزی سے بھی مرض غالب آجاتا ہے اور چاروں طرف سے خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں یہاں تک کہ صحت بالکل ہی ختم ہو جاتی ہے۔

پس جو شخص صحتِ نفس کی طرف مائل ہو اور اپنے حال پر مہربان ہو" اپنی صحت سے دلچسپی رکھتا ہو اس کو یہ معلوم کر لینے کے بعد کہ عذابِ الیم سے چھٹکارے کا انحصار انبیاء کے دستور پر عمل کرنے پر ہے اور انبیاء کے تمام دستور و احکام کا انحصار دو چیزوں پر ہے۔

۱۔ نفس کی اصلاح کرنے والی اور اس کو صحیح و سلامت رکھنے والی چیزوں کا استعمال کرنا۔

۲۔ ضرر پہونچانے والی اور تکلیف پہونچانے والی چیزوں سے پرہیز کرنا، نیز یہ تو معلوم ہی ہے کہ نفسانی مفسدات میں حرام چیزوں کا ضرر سب سے زیادہ ہے اسی لئے ان کو حرام کیا گیا ہے اور اصلاح کرنے والی چیزوں میں واجبات کی اہمیت سب سے زیادہ ہے اسی لئے انھیں واجب کیا گیا ہے اور یہی دونوں مرحلے ہر چیز سے افضل اور ہر مقصد سے مقدم، ترقی و پیشرفت کے مقدمے، مدارج و مقاماتِ انسانی کے ترقی کے منحصر راستے ہیں۔ (تو ایسے شخص کو انھیں کی پابندی کرنی چاہیئے۔) پس اگر کسی نے ان چیزوں کی مواظبت کی تو وہی اہلِ سعادت و نجات ہے اور ان دونوں میں بھی اہم تقویٰ ہے۔

اہلِ سلوک بھی اسی مقام کو مقامِ اوّل پر مقدم شمار کرتے ہیں، روایات و آثار و نہج البلاغہ کے خطبوں کو دیکھنے سے واضح ہوتا ہے کہ حضرات معصومین علیہم السلام بھی اسی مرحلہ کو زیادہ اہمیت دیتے تھے۔ لہٰذا میرے عزیز اس سے پہلے مرحلہ کو بہت اہم سمجھو اور بڑی پابندی کرو کیونکہ اگر پہلا قدم تم نے صحیح اٹھایا اور اس بنیاد کو محکم کر لیا تو دیگر مقامات تک پہونچنے کی اُمید ہے۔ ورنہ دوسرے مقامات تک پہونچنا محال ہے اور نجات بہت ہی مشکل و دشوار ہے۔

جناب عارف بزرگوار ہمارے شیخ عالی قدر رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے: سورۂ حشر کی آخری آیتوں کو "یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ" سے لے کر آخر سورہ تک نمازوں کے بعد تعقیبات میں معنی میں غور و فکر کرتے ہوئے پڑھنا خصوصاً رات کے آخری حصہ میں جب انسان فارغ البال ہوتا ہے اصلاحِ نفس کے لئے بہت ہی مؤثر ہے اور شیطان اور نفس کے شر سے بچانے کے لئے بہت مفید ہے۔ موصوف ہمیشہ باوضو رہنے کا حکم دیتے تھے اور فرماتے تھے

Presented by www.ziaraat.com

وضو بمنزلہ فوجی لباس ہے۔ بہرحال میں خدائے ذوالجلال سے تضرع وزاری کے ساتھ دُعا کرو کہ تم کو اس مرحلہ میں توفیق عطا کرے اور ملکۂ تقویٰ کے حصول میں تمہاری مدد کرے۔

شروع میں یہ بات ذرا مشکل معلوم ہوگی۔ لیکن کچھ دنوں کی پابندی کے بعد زحمت رحمت سے بدل جائے گی اور مشقت استراحت سے بدل جائے گی بلکہ ایک خالص روحانی لذت سے بدل جائے گی اور ایسی لذت کہ اس کے اہل تمام لذتوں کے مقابلہ میں اس کو ترجیح دیں گے۔ اور (پھر یہ بھی) ممکن ہے کہ تم انشاء اللہ شدید تقویٰ اور کامل پابندی کے بعد تم اس مقام ــــ سے ترقی کر کے تقوائے خاص کے مقام تک ترقی کر لو۔ جو تقویٰ نفسانی لذات میں سے ہوگا اس لئے کہ جب روحانی لذت (کا مزہ) چکھ لوگے تو رفتہ رفتہ کر کے جسمانی لذتوں سے منصرف ہو جاؤ گے اور ان سے پرہیز کرنے لگو گے اس وقت راہ سہل و آسان ہو جائے گی اور پھر نتیجہ یہ ہوگا کہ فانی اور نفسانی لذتوں کو ہیچ سمجھنے لگو گے۔

بلکہ ان سے متنفر ہو جاؤ گے اور دُنیا کی زیب و زینت تمہاری نظروں میں ہیچ نظر آنے لگے گی اور تم محسوس کرنے لگو گے کہ اس دُنیا کی ہر لذتِ نفس پر اثر انداز ہوتی ہے اور دل پر ایک سیاہ دھبہ ڈال دیتی ہے جو اس دُنیا سے شدید انس و محبت کا سبب بن جاتا ہے اور یہ خود زمین میں ہمیشگی کا سبب بنتا ہے اور موت کے وقت ذلت و سختی و زحمت و فشار سے بدل جاتا ہے۔

کیونکہ سکرات موت اور نزع روح کی سختی انھیں دنیاوی لذتوں اور دنیاوی علاقوں کی بنا پر ہوتی ہے۔ چنانچہ اس سے پہلے بھی اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

اور جب انسان اس مطلب کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے تو اس دُنیا کی لذتیں اس کی نظروں سے بالکل ختم ہو جاتی ہیں اور وہ پوری دُنیا و زیبائش دُنیا سے بیزار ہو جاتا ہے اور بھاگنے لگتا ہے اور یہ خود مقام دوم سے ترقی کر کے مقام سوم یعنی تقویٰ کی طرف جاتا ہے۔

اس کے بعد سلوک الی اللہ کا راستہ سہل و ہموار ہو جاتا ہے اور انسانیت کا راستہ اس کے لئے وسیع اور روشن ہو جاتا ہے اور پھر رفتہ رفتہ اس کا قدم حق کا قدم اور اس کی ریاضت ہو جاتی ہے اور نفس اور اس کے اطوار و آثار سے بھاگنے لگتا ہے اور خود عشق کے اندر حق کا مشاہدہ کرتا ہے اور بہشت و حور و قصور کے وعدوں پر قناعت نہیں کرتا ہے۔ بلکہ اس کا منظور و مطلوب کوئی دوسرا ہوتا ہے۔ خود بینی و خود خواہی سے نفرت کرتا ہے۔ محبت نفس سے

Presented by www.ziaraat.com

تقویٰ کرتا ہے اور اپنی طرف توجہ کرنے سے بچتا ہے۔ خود خواہی کے قریب نہیں پھٹکتا اور یہ بہت عالی و بلند مرتبہ ہے اور خوشبوئے ولایت کے حصول کا پہلا درجہ ہے۔ خداوند عالم اپنے پہلوئے لطف میں اس کو جگہ دیتا ہے اور اس کی دستگیری کرتا ہے اور اس پر خصوصی لطف و کرم نازل کرتا ہے اور اس کے بعد سالک کے لئے جو چیزیں پیش آتی ہیں وہ تو حوصلہ تحریر سے بھی باہر ہیں۔

«وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ أَوَّلاً وَآخِراً وَظَاهِراً وَبَاطِناً، وَالصَّلاَةُ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَآلِهِ الطَّاهِرِينَ.»

www.ziaraat.com
Sabeel-e-Sakina

Presented by www.ziaraat.com

بارہویں حدیث کی توضیحات

۱۔ اصولِ کافی جلد ۲ ص ۵۴، کتاب ایمان و کفر، باب تفکر، حدیث ۱۔

۲۔ خواجہ عبداللہ بن محمد انصاری ہروی (۳۹۶ ۔ ۴۸۱) از محدثین و عرفائے بزرگ است کہ بہ شیخ ابوالحسن خرقانی ارادت داشتہ و پس از وی جانشین او گردید۔ از آثار او است۔ منازل السائرین، زاد العارفین، رسالۂ دل و جان۔

۳۔ منازل السائرین، ص ۱۳، قسم البدایات، باب تفکر۔

۴۔ "و آنہا را از روزِ قیامت بیم دہ" زمانیکہ جانہا بہ گلو رسد، جب لوگوں کے کلیجے منہ کو آجائیں گے (سورۂ مومن آیت ۱۸)

۵۔ ان کے دل تو ہیں مگر (کچھ) سمجھتے نہیں ہیں۔ (سورۂ اعراف آیت ۱۷۹)

۶۔ اس میں شک نہیں کہ جو شخص (آگاہ) دل رکھتا ہے یا کان لگا کر حضورِ قلب سے سنتا ہے اس کے لئے اس میں کافی نصیحت ہے (سورۂ ق/۳۷)

۷۔ حدیث ۱، توضیح ۲۔

۸۔ مزید اطلاع کے لئے تہذیب الاصول (تقریرات اصول امام خمینیؒ) جلد ۱ ص ۳۰، بحث حقیقت و مجاز کی طرف رجوع کیجئے۔

۹۔ خداوندِ عالم اور اس کی قدرت کے بارے میں برابر سوچتے رہنا بہترین عبادت ہے۔ اصولِ کافی جلد ۲ ص ۵۵، کتاب ایمان و کفر، باب تفکر، حدیث ۳۔

۱۰۔ «عَنِ الحَسَنِ الصَّیقَلِ قالَ قُلْتُ لِأَبِي عَبْدِاللّٰهِ (ع): تَفَکُّرُ ساعَةٍ خَیْرٌ مِنْ قِیامِ لَیْلَةٍ؟ قالَ نَعَمْ. قالَ رَسُولُ اللّٰهِ، صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهِ: تَفَکُّرُ ساعَةٍ خَیْرٌ مِنْ قِیامِ لَیْلَةٍ۔» حسن صیقل کہتے ہیں: میں نے امام صادقؑ سے عرض کیا: کیا ایک ساعت غور و فکر ایک رات کی عبادت سے بہتر ہے؟ فرمایا: ہاں!

Presented by www.ziaraat.com

رسول خدا کا ارشاد ہے: ایک ساعت فکر کرنا ایک رات کی عبادت سے بہتر ہے۔ بحار ۸۴ ص ۳۲۵، کتاب ایمان وکفر، باب تفکر حدیث ۱۶۔ اور اصول کافی کی جلد ۲ ص ۵۴ کتاب ایمان وکفر حدیث ۲ میں بھی یہی بات کہی گئی ہے۔

۱۱۔ "قال النبی (ص): فکر ساعۃ خیر من عبادۃ سنۃ۔" عوالی اللئالی جلد ۲ ص ۵۷، "السلک الرابع" حدیث ۱۵۲، اور شرح مصباح الشریعۃ ومفتاح الحقیقۃ، ص ۱۷۱، باب ۲۶ "در بیان تفکر" میں بھی یہی مطلب بیان ہوا ہے۔

۱۲۔ طریحی نے مجمع البحرین کے مادہ "فکر" میں تحریر کیا ہے: حدیث میں ہے ایک ساعت تفکر ساٹھ سال کی عبادت سے بہتر ہے۔

۱۳۔ رسول خدا نے فرمایا: ایک ساعت کا تفکر ستر سال کی عبادت سے بہتر ہے۔ اسرار الشریعۃ والطوار الطریقۃ والانوار الحقیقۃ ص ۲۰۷۔

۱۴۔ شرح اصول کافی صدر المتالہین جلد ۱ ص ۲۵۱، کتاب التوحید "باب النہی عن الکلام فی الکیفیۃ" و نقد النصوص فی شرح نقش الفصوص" جامی ص ۲۷-۲۸۔

۱۵۔ حدیث ۱، توضیح ۴۶۔

۱۶۔ محمد بن ابراہیم شیرازی (۹۷۹-۱۰۵۰) ملقب بہ صدر الدین وصدر المتالہین، معروف بہ صدرا و ملا صدرا کا شمار بزرگ حکمائے اسلامی میں ہوتا ہے۔ آپ حکمت متعالیہ کے بانی ہیں۔ فلسفہ میں بدیع و بے مثال آراء کے مالک ہیں۔ آپ کا مکتب فلسفی آپ کے بعد دوسروں کے مکاتب فلسفہ پر غالب آگیا۔ آپ کے بعد کے اکثر حکمائے اسلام آپ ہی کے مکتب کے پیرو شمار کئے جاتے ہیں۔ آپ کی سب سے اہم تصنیف اسفار اربعہ ہے۔ جس میں وسیع پیمانے پر آپ کے نظریات موجود ہیں۔ دیگر تصانیف میں: تفسیر قرآن، شرح اصول کافی، مبداء و معاد، مفاتیح الغیب، شواہد الربوبیہ، اسرار الآیات، حاشیہ بر شفاء وغیرہ ہیں۔ آپ کے اساتید میں محقق میر باقر داماد، میر فندرسکی، شیخ بہائی ہیں اور آپ کے شاگردوں میں ملا محسن فیض، عبد الرزاق لاہیجی (فیاض) وغیرہ ہیں۔

۱۷۔ اشارات، جلد ۳ ص ۴۱۹، (خاتمہ و وصیۃ)

۱۸۔ اسفار جلد ۱، مقدمہ، ص ۱۔

۱۹۔ تفسیر القرآن الکریم، جلد ۴ ص ۴۲۱، اسی طرح یہ مفہوم مختلف عبارتوں کے ساتھ نقل ہوا ہے اصول کافی جلد ۱، ص ۹۳، کتاب التوحید "باب النہی عن الکلام فی الکیفیۃ حدیث ۷، توحید صدوق ص ۴۵۴-۴۵۷، باب ۶۷، احادیث ۱، ۲، ۹۔ علم الیقین جلد ۱ ص ۹۵، الحجۃ البیضاء جلد ۸ ص ۱۹۳-۲۱۰۔

۲۰۔ کافی میں بسند خود ابو بصیر سے روایت کرتے ہیں کہ ابو بصیر نے کہا: امام باقر علیہ السلام نے فرمایا: مخلوقات خدا کے بارے میں گفتگو کرو خود (ذات) خدا کے بارے میں بات چیت نہ کرو۔ کیونکہ ذات الٰہی کے بارے میں گفتگو متکلم کے حیرانی و پریشانی کا سبب بنتا ہے۔ اصول کافی جلد ۱ ص ۹۲، کتاب توحید، باب نہی از کلام فی الکیفیۃ۔ حدیث ۱۔

۲۱۔ حدیث ۱، توضیح ۱۴۔

Presented by www.ziaraat.com

۲۲۔ مراۃ العقول جلد ۱ ص ۲۲۳ کتاب توحید باب النہی عن الکلام فی الکیفیۃ حدیث ۱۔

۲۳۔ ہر چیز کے بارے میں گفتگو کرو لیکن ذات خدا کے بارے میں گفتگو نہ کرو۔ اصول کافی جلد ۱ ص ۹۲ کتاب توحید باب النہی عن الکلام فی الکیفیۃ حدیث ایک کا آخری حصہ۔

۲۴۔ اصول کافی جلد ۱ ص ۹۲، کتاب توحید باب النہی عن الکلام فی الکیفیۃ حدیث ۷۔

۲۵۔ توضیح ۹۔

۲۶۔ حضرت سجاد سے لوگوں نے توحید کے بارے میں پوچھا تو فرمایا: خدا کو معلوم تھا کہ آخری زمانہ میں کچھ گہری فکر والے آئیں گے لہٰذا اس لئے قل ھواللہ اور سورۂ حدید کی چند آیتوں کو علیم بذات الصدور تک نازل فرمایا۔ لہٰذا جو اس سے زیادہ کا ارادہ کرے وہ ہلاک ہوگا۔ اصول کافی جلد ۱ ص ۹۱، کتاب توحید باب النسبۃ حدیث ۴۔

۲۷۔ جو چیز بھی سارے آسمان و زمین میں ہے وہ خدا کی تسبیح کرتی ہے۔ سورۂ الحدید / ۱۔

۲۸۔ وہی سب سے پہلے اور سب سے آخر ہے (اور اپنی قدرتوں سے) سب پر ظاہر اور (نگاہوں سے) پوشیدہ ہے اور سب چیزوں کو جانتا ہے۔ (سورۂ حدید / ۳)

۲۹۔ جو کوئی خدا کے چگونگی کے بارے میں سوچے گا ہلاک ہوگا۔ اصول کافی جلد ۱ ص ۹۲، کتاب توحید باب النہی عن الکلام فی الکیفیۃ، حدیث ۵۔

۳۰۔ ساری تعریف خدا کے لئے مخصوص ہے اور اس سے شکایت ہے۔

۳۱۔ (سورۂ ابراہیم / ۱۲) حدیث ۱۱، توضیح ۱۴۔

۳۲۔ انسان قتل کر دیا جائے وہ کتنا ہی ناشکر ہے۔ (سورۂ عبس / ۱۷)

۳۳۔ اسلام سب سے برتر ہے اس سے برتر تلاش نہ کیجئے وسائل الشیعہ جلد ۱۷ ص ۳۷۶، کتاب الفرائض والمواریث ابواب موانع الارث باب ۱، حدیث ۱۱۔

۳۴۔ وسائل الشیعہ جلد ۵، ص ۲۶۸۔ ۲۸۱۔ "کتاب الصلوٰۃ" ابواب بقیۃ الصلوٰۃ المندوبۃ، باب ۳۹، ۴۰۔

۳۵۔ روضۂ کافی، جلد ۸ ص ۷۹، حدیث ۳۲۔

۳۶۔ رسول خدا نے جبرئیلؑ سے کہا: مجھے کچھ نصیحت کرو، جبرئیلؑ نے کہا: اے محمدؐ چاہے جتنا زندہ رہو آخر کار مرنا ہے اور جس کو چاہے دوست رکھو مگر انجام کار اس سے جدا ہونا ہے اور جو چاہے کرو آخر الامر خدا کے یہاں اس کو دیکھو گے۔ یاد رکھو مومن کا شرف راتوں کو قیام کرنے میں ہے اور مومن کی عزت ان چیزوں سے دوری اختیار کرنے میں ہے جو لوگوں کے ہاتھ میں ہے۔ خصال باب ۱، حدیث ۱۱، وسائل الشیعہ جلد ۵ ص ۲۶۹، کتاب الصلوٰۃ "والابواب بقیۃ الصلوات المندوبۃ" باب ۳۹۔ حدیث ۲۔

۳۷۔ وسائل الشیعہ جلد ۵ ص ۲۷۵، "کتاب الصلوٰۃ" "ابواب بقیۃ الصلوات المندوبۃ" باب ۳۹، حدیث ۲۹۔

۳۸۔ علل الشرائع باب ۲۲، حدیث ۴، وسائل الشیعہ جلد ۵ ص ۲۷۵، کتاب الصلوٰۃ "ابواب بقیۃ

Presented by www.ziaraat.com

الصلوات المندوبۃ "باب ۳۹" حدیث ۳۰۔

۳۹۔ وسائل الشیعہ "کتاب الصلوٰۃ" "ابواب بقیۃ الصلوات المندوبۃ" باب ۳۹ - احادیث ۲-۲۸-۲۴۔

۴۰۔ علل الشرائع باب ۲۲، حدیث ۴، وسائل الشیعہ جلد ۵ ص ۲۷۵، ۶، کتاب الصلوٰۃ، ۳۹۔ ابواب بقیۃ الصلوات المندوبۃ، باب ۳۹، حدیث ۳۰۔

۴۱۔ وسائل الشیعہ جلد ۵، ص ۲۸۰، کتاب الصلوٰۃ "ابواب بقیۃ الصلوات المندوبۃ" باب ۴۰، حدیث ۱۳۔

۴۲۔ خداوند عالم نماز شب اور شب بیداری کے سلسلہ میں فرماتا ہے:

"إِنَّ نَاشِئَةَ اللَّيْلِ هِيَ أَشَدُّ وَطْأً وَأَقْوَمُ قِيلاً إِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحاً طَوِيلاً." سورۂ مزمل ۷۳/۶،

"یقیناً راتوں کو اٹھنا نفس کو شدید روندنا ہے اور ذکر کے لئے مناسب ہے۔ یقیناً آپ کے لئے دن میں بڑی تلاش و کوشش ہے۔ امام حسن عسکری علیہ السلام فرماتے ہیں:

(اَلْوُصُولُ إِلَى اللّٰهِ سَفَرٌ لَا يُدْرَكُ إِلَّا بِامْتِطَاءِ اللَّيْلِ.)

"خدا تک رسائی ایک سفر ہے جو مرکب شب پر سوار ہوئے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا۔ مقدمۂ سر الصلوٰۃ، ص ۱۲۔

۴۳۔ طبرسیؒ نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے: جب جناب ابراہیمؑ کو منجنیق میں رکھ کر آگ میں پھینکنا چاہا تو جبرئیلؑ حضرت ابراہیمؑ کے پاس آئے اور بولے: کیا کوئی حاجت ہے؟ ابراہیمؑ نے کہا: ہے تو مگر تم سے نہیں۔ مجمع البیان ضمن تفسیر آیت ۲۹ دیں از سورۂ انبیاء۔

۴۴۔ حدیث ۱۰، توضیح ۲۴۔

۴۵۔ اصول کافی جلد ۱ ص ۶۶ - ۶۸ "کتاب فضل العلم" "باب اختلاف الحدیث" حدیث ۱۰، اور کافی میں وَضع فی کی جگہ ارتکب المحرمات آیا ہے۔

۴۶۔ وسائل الشیعہ جلد ۱۸، ص ۱۲۲، کتاب القضاء ابواب صفات قاضی باب ۱۲، حدیث ۳۹، وسائل میں یوشک کی جگہ اوشک آیا ہے۔

۴۷۔ اے رسولؐ آپ کو جیسا کہ حکم دیا گیا ہے ثابت قدم رہیئے۔ (سورۂ ہود، آیت ۱۱۲)

۴۸۔ آخری علاج داغ دینا اور جلانا ہے۔ یہ ایک مشہور مثل ہے۔ نہج البلاغہ میں بھی (خطبہ ۱۶۸) کے اندر استعمال ہوئی ہے اور کَیّ کے معنی گرم لوہے سے داغ دینا ہے جو بعض زخموں کے لئے آخری علاج ہے۔

اس سے مراد یہ ہے کہ جب آسان طریقے ناکام ہو جائیں تو سخت طریقہ کو استعمال کرنا چاہیئے۔ امثال و حکم۔

۴۹۔ جس دن وہ (سونا چاندی) جہنم کی آگ میں گرم کیا جائے گا پھر اس سے ان کی پیشانیاں اور پہلو اور ان کے پشت داغے جائیں گے۔ (سورۂ توبہ آیت ۳۵)

Presented by www.ziaraat.com

۵۰۔ ما طبیبانیم شاگردان حق۔ بحر قلزم دید ما را فانفلق، مثنوی دفتر سوم بیت ۲۷۴۲۔
۵۱۔ یقیناً نفس برائی کا حکم دیتا ہے۔ (سورۂ یوسف، آیت ۵۳)۔
۵۲۔ مرحوم شاہ آبادی، حدیث ۱، توضیح ۵۱۔
۵۳۔ اے ایمان لانے والو! تقویٰ اختیار کرو اور ہر شخص کو دیکھنا چاہیئے کہ اس نے کل کے لئے کیا بھیجا ہے۔ (سورۂ حشر، آیت ۱۸)

تیرہویں حدیث

«بالسَّنَدِ الْمُتَّصِلِ إِلَى الشَّيْخِ الجَلِيلِ، ثِقَةِ الْإِسلامِ، مُحَمَّدِ بْنِ يَعْقُوبَ، عَنْ عِدَّةٍ مِنْ أَصْحابِنا، عَنْ أَحْمَدَ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ خالِدٍ، عَنْ غَيرِ واحِدٍ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَسباطٍ، عَنْ أَحمدِ بْنِ عُمَرِ الْحَلالِ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ سُوَيدٍ، عَنْ أَبِي الْحَسَنِ الْأَوَّلِ، عَلَيْهِ السَّلامُ، قالَ سَأَلْتُهُ عَنْ قَوْلِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ: «وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهُ!» «فَقالَ التَّوَكُّلُ عَلَى اللّٰهِ دَرَجاتٌ. مِنْها أَنْ تَتَوَكَّلَ عَلَى اللّٰهِ فِي أُمُورِكَ كُلِّها، فَما فَعَلَ بِكَ كُنْتَ عَنْهُ راضِياً، تَعْلَمُ أَنَّهُ لا يَأْلُوكَ خَيْراً وَفَضْلاً، وَتَعْلَمُ أَنَّ الْحُكْمَ فِي ذٰلِكَ لَهُ؛ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ بِتَفْوِيضِ ذٰلِكَ إِلَيهِ وَثِقْ بِهِ فِيها وَفِي غَيرِها.»[۲]

ترجمہ: علی بن سوید کہتے ہیں: میں نے حضرت امام موسیٰ کاظمؑ سے پوچھا: «وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهُ.» کا کیا مطلب ہے؟ فرمایا: "خدا پر بھروسہ کرنے کے درجات ہیں:۔ ایک تو یہ ہے کہ اپنے تمام کاموں میں خدا پر بھروسہ کرو، اس نے تمہارے ساتھ

Presented by www.ziaraat.com

جو کچھ بھی کیا اس پر خوش رہو اور یہ جان لو کہ تم سے وہ اپنے فضل و نیکی کو نہیں روکے گا اور یہ جان کو کہ اسی کا فرمان ہے (تمام امور کو) اس کے سپرد کر کے اس پر بھروسہ کرو۔ ان امور اور دیگر امور میں خدا پر اعتماد رکھو۔

شرح: حلال تشدید لام کے ساتھ (حل) روغن تل بیچنے والے کو کہتے ہیں۔ ابوالحسن اوّل امام موسیٰ کاظمؑ اور مطلق ابوالحسن سے بھی حضرت امام موسیٰ کاظمؑ مراد ہوتے ہیں۔ ابوالحسن ثانی سے امام رضاؑ مراد ہوتے ہیں اور ابوالحسن ثالث سے امام علی نقیؑ مراد لئے جاتے ہیں۔

توکل کے معنیٰ از روئے لغت اظہار عاجزی و اعتماد بر غیر کے ہیں۔ وَاتَّكَلْتُ عَلٰى فُلَانٍ فی امری کا مطلب اعتمدتہ ہے یعنی میں نے اس پر اعتماد کیا اس کی اصل اِوْتَكَلْتُ تھی۔

خبیہ کا مطلب محسبہ و کافیہ ۲ ہے۔ یَألُوکَ، اَلَا یَألُوا بمعنی تقصیر کے ہیں البتہ بعض علما نے کہا ہے: جب متعدی بدو مفعول ہوتا ہے تو منع کے معنیٰ کو متضمن ہوتا ہے یہ مطلب بھی اچھا ہے اس سے معنیٰ سلیس ہو جاتے ہیں۔ لیکن یہ لازمی نہیں ہے بلکہ تقصیر کے معنیٰ بھی درست ہوتے ہیں۔ جیسا کہ صحاح سے بھی اس کے خلاف کا استفادہ ہوتا ہے۔ صاحب صحاح کہتے ہیں:

«اَلَا یَألُو، اَیْ قَصَّرَ وَفُلَانٌ لَا یَألُوکَ نُصْحاً.» ۵ اس سے پتہ چلتا ہے کہ متعدی بدو مفعول بھی اس معنیٰ میں آتا ہے۔ توکل کا مطلب تفویض کے علاوہ ہے اور توکل و تفویض دونوں رضا اور وثوق کے مخالف ہیں۔ ہم بعد میں انشاء اللہ اس کو بیان کریں گے۔ حدیث کی ضروری چیزوں کو ہم چند فصلوں میں بیان کریں گے۔

پہلی فصل

توکل اور اس کے درجات کا بیان

مختلف مسلکوں کے اعتبار سے توکل کی مختلف تعبیریں کی گئی ہیں جو معانی کے اعتبار سے ایک دوسرے کے قریب ہیں۔ چنانچہ صاحب منازل السائرین فرماتے ہیں:

«اَلتَّوَكُّلُ كِلَةُ الْاَمْرِ كُلِّهٖ اِلٰى مَالِكِهٖ وَالتَّعْوِيْلُ عَلٰى وَكَالَتِهٖ» ۶ یعنی توکل کا مطلب تمام امور کو ان کے مالک کے حوالہ کر دینا اور اس کی وکالت پر بھروسہ کرنا ہے۔

Presented by www.ziaraat.com

بعض عرفا نے کہا ہے: «اَلتَّوَكُّلُ طَرْحُ الْبَدَنِ فِي الْعُبُودِيَّةِ وَتَعَلُّقُ الْقَلْبِ بِالرُّبُوبِيَّةِ.» "یعنی توکل کا مطلب بدن کو بندگی میں ڈال دینا اور قلب کا ربوبیت سے تعلق پیدا کر لینا ہے۔"

بعض لوگوں نے کہا ہے: «اَلتَّوَكُّلُ عَلَى اللّٰهِ إِنْقِطَاعُ الْعَبْدِ فِي جَمِيعِ مَا يَأْمُلُهُ مِنَ الْمَخْلُوقِينَ» "یعنی توکل بر خدا کا مطلب یہ ہے کہ بندہ اپنی تمام اُمیدوں کو مخلوقِ خدا سے قطع کر لے۔

خلاصۂ کلام یہ ہوا کہ تمام معانی آپس میں ایک دوسرے سے قریب ہیں اور کسی مفہوم کے بارے میں بحث کرنا ضروری نہیں اور جو بات کہنے کی ہے وہ یہ ہے کہ بندوں کے اختلاف مقام کی وجہ سے ان کے درجہ بھی مختلف ہوں گے اور چونکہ توکل کے درجات کا علم بندوں کی معرفت عبودیت کے درجاتِ علم پر موقوف ہے اس لئے ہم اس کے ذکر کرنے پر مجبور ہیں لہٰذا آپ کو یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ اصولِ معارف میں سے ایک بات یہ بھی ہے کہ ربوبیت اور مالکیت کا علم حق ہے اور کیفیتِ تصرف تمام امور کے اندر یہ بھی ذاتِ مقدس کا حق ہے اس بات کو تسلیم کئے بغیر سالکین کے مقامات حاصل نہیں ہو سکتے اور ہم اس بحث میں علمی انداز سے داخل نہیں ہوں گے کیونکہ علمی انداز ہے اس بحث کا چھیڑنا جبر و تفویض کی تحقیق پر موقوف ہے اور یہ بات اس کتاب کے مناسب نہیں ہے لہٰذا صرف لوگوں کے درجاتِ معرفت کیا ہیں اس کو بیان کریں گے۔

لوگوں کی معرفت ذاتِ مقدس پروردگارِ عالم کے بارے میں بہت ہی مختلف تفاوت ہے۔ عام موحد خدا کو مبادیٔ امور اور کلیاتِ جواہر و عناصرِ اشیاء کا خالق جانتے ہیں اور اس کے تصرف کو محدود سمجھتے ہیں احاطۂ ربوبیت کے قائل نہیں ہیں یہ لوگ زبان سے کبھی تو کہتے ہیں: مقدر امور حق ہے اور ہر چیز اس کے تحتِ تصرف ہے کوئی بھی موجود اس کے ارادے کے بغیر موجود نہیں ہو سکتا لیکن وہ لوگ اس مقام کے اہل نہیں ہیں نہ از روئے علم نہ ایمان نہ شہود نہ وجدان اس قسم کے لوگ جس میں ہم بھی داخل ہیں حق تعالیٰ کی ربوبیت کا علم نہیں رکھتے ان کی توحید ناقص ہے اور ظاہری اسباب و علل کی بنا پر ربوبیت اور سلطنت حق سے محجوب ہیں اور مقامِ توکل پر فائز نہیں ہیں صرف دعویٰ ہی دعویٰ ہے اس لئے دنیاوی امور میں کسی بھی اعتبار سے حق پر بھروسہ نہیں کرتے اور سوائے اسبابِ ظاہری اور موثرات دنیاوی کے علاوہ کسی چیز سے ارتباط پیدا نہیں کرتے اور اگر کسی طرح ضمناً خدا کی طرف توجہ کر بھی لیتے ہیں اور اس سے کوئی مقصد طلب کرتے

Presented by www.ziaraat.com

ہیں تو یہ یا تو از روئے تقلید ہوتی ہے یا از روئے احتیاط کیونکہ اس میں ان کو کوئی ضرر نہیں دکھائی دیتا اور نفع کا احتمال رہتا ہے ایسی صورت میں توکل کی بُو ان میں ہوتی ہے لیکن اگر اسباب ظاہرہ کو اپنے موافق دیکھیں تو پھر خدا اور اس کے تصرف سے بالکل غافل ہو جاتے ہیں اور یہ جو کہتے ہیں کہ توکل کسب و عمل کے منافی نہیں ہے تو یہ بات اپنی جگہ پر صحیح ہے بلکہ دلیل کے مطابق اور نقل کے موافق ہے۔ لیکن ربوبیت اور اس کے تصرف اور اس کو مستقل شمار کرنے کے منافی ہے۔

اس قسم کے لوگ جو اپنے دنیاوی کاموں میں کوئی توکل اور بھروسہ نہیں رکھتے آخرت کے معاملے میں توکل کے بارے میں بڑی ڈینگ مارتے ہیں ہر علم و معرفت یا تہذیب نفس اور عبادت و اطاعت کے بارے میں اگر سستی کرتے ہیں تو فوراً خدا کے فضل و کرم پر اعتماد اور توکل کا اظہار کرنے لگتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ بغیر کسی زحمت و عمل کے صرف "خدا بہت بڑا ہے اور ہم خدا کے فضل پر بھروسہ کرتے ہیں" کہہ دینے سے آخرت کے درجات حاصل کر لیں دنیاوی امور کے بارے میں کہتے ہیں سعی و عمل کرنا توکل اور خدا پر اعتماد کرنے کے منافی نہیں ہے اور آخرت کے امور کے بارے میں کہتے ہیں کہ سعی کرنا و عمل کرنا اعتماد اور فضل و توکل بر خدا کے منافی ہے یہ سب نفس و شیطان کی مکاری ہے کیونکہ یہ سب نہ دنیاوی اور نہ اخروی امور میں توکل کرتے ہیں اور نہ کسی پر اعتماد کرتے ہیں بس چونکہ دنیاوی امور کو اہمیت دیتے ہیں اس لئے اسباب کا سہارا لیتے ہیں اور حق اور اس کے تصرف پر اعتماد نہیں کرتے اس کے برعکس آخرت کے کاموں کو چونکہ اہمیت نہیں دیتے اور یوم معاد اور اس کی تفصیل پر حقیقی ایمان نہیں رکھتے اس لئے عذر تراشی کرتے ہیں کبھی کہتے ہیں خدا بڑا ہے کبھی خدا پر بھروسہ کرتے ہیں کبھی شفاعت کرنے والوں کی شفاعت کا سہارا لیتے ہیں حالانکہ یہ تمام چیزیں سوائے لقلقۂ زبان اور صورت بے معانی کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔

دوسرا طبقہ ان لوگوں کا ہے جو دلیل یا نقل کے ذریعہ سے عقیدہ رکھتے ہیں اور تصدیق کرتے ہیں کہ خدا مقدر امور ہے اور مسبب اسباب ہے اور دار وجود میں مؤثر ہے اور اس کی قدرت اور اس کا تصرف غیر محدود ہے یہ لوگ عقلی اعتبار سے خدا پر توکل رکھتے ہیں۔ یعنی عقلاً و نقلاً توکل کے ارکان ان کے یہاں مکمل ہیں اسی لئے یہ لوگ اپنے کو متوکل سمجھتے ہیں اور توکل کے لازم ہونے پر دلیل بھی قائم کرتے ہیں اس لئے کہ انھوں نے توکل کے [illegible] کو ثابت کیا ہے ارکان توکل یہ ہیں:

۱۔ خداوند تعالیٰ بندوں کی ضرورتوں کا عالم ہے۔

۲۔ خدا ان کے احتیاج کو دور کرنے پر قادر ہے۔

Presented by www.ziaraat.com

۳۔ اس کی ذاتِ مقدس میں بخل نہیں ہے۔

۴۔ اپنے بندوں پر رحمت و شفقت رکھتا ہے۔ لہٰذا اس کا لازمہ ہے کہ ایسے خدا پر جو عالم و قادر ہے غیر بخیل ہے بندوں پر رحیم ہے اس پر بھروسہ کیا جائے کیوں کہ وہ ان کے مصلحتوں پر نگاہ رکھتا ہے اور کسی مصلحت کو فوت نہیں ہونے دیتا اگرچہ خود بندے مصلحت اور مفسدہ میں تمیز نہیں کر سکتے! یہ گروہ اگرچہ از روئے علم متوکل ہے لیکن ایمان کے مرتبہ پر یہ بھی نہیں پہنچا اور اسی لحاظ سے امور میں متزلزل ہے اور اس کی عقل اور دل میں کش مکش ہے اور عقل مغلوب ہے۔ کیونکہ اس گروہ کے دل تو اسباب سے متعلق ہوتے ہیں اور تصرفِ حق سے محجوب ہوتے ہیں۔

تیسرا گروہ ان لوگوں کا ہے جو تصرفِ حق کو موجودات کے اندر دلوں تک پہنچاتے ہیں اور ان کے دل اس بات پر ایمان لاتے ہیں کہ مقدر امور حق تعالےٰ ہے اور وہی مالک اشیاء اور بادشاہ ہے اور قلم عقل سے دلوں کی تختیوں پر ارکانِ توکل کو لکھ لیا ہے یہ گروہ مقام توکل کا مالک ہے لیکن مراتبِ ایمان اور درجاتِ ایمان کے سلسلے میں اس گروہ کے اندر بھی بہت اختلاف ہے یہاں تک کہ یہ اطمینان و کمال کے درجہ تک پہونچ جائے اور جب ایسا ہو جائے تبھی دلوں میں توکل کا کامل درجہ ظاہر ہوتا ہے اور اسباب کے ساتھ تعلق دل بستگی نہیں پیدا ہوتی ہے اور ان لوگوں کا دل مقامِ ربوبیت تک دست انداز ہو جاتا ہے اور اس پر اطمینان و اعتماد پیدا کر لیتا ہے جیسا کہ اس عارف نے توکل کی تعریف میں کہا ہے:

بدن کو راہ عبودیت میں ڈال دینا اور قلب کار ربوبیت سے متعلق کر دینا توکل ہے یہ تمام چیزیں جو ذکر کی گئیں یہ اس صورت میں ہیں کہ قلب کثرتِ افعالی کے مقام میں واقع ہو ورنہ وہ مقامِ توکل سے گزر جائے گا اور مقصود سے خارج ہو جائے گا۔

پس معلوم ہوا کہ توکل کے درجات ہیں اور شاید حدیث میں جس درجہ کا ذکر کیا گیا ہے اس سے مراد دوسرے گروہ کا توکل ہے کیونکہ اسی کے مبادی کو علم قرار دیا گیا ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دوسرے درجات کی طرف اشارہ ہو جو دوسرے اعتبار سے ہے کیونکہ توکل کے دوسرے درجات بھی دوسری تقسیم کی بناء پر ہیں اور وہ اسی طرح ہیں کہ جس طرح اصحاب عرفان و ریاضت کے درجات ہوتے ہیں کہ کثرت سے وحدت کی طرف تھوڑا تھوڑا کر کے پہونچتے ہیں فنائے افعالی دفعتاً نہیں ہوا کرتی بلکہ تدریجاً ہوا کرتی ہے پہلے تو اپنے مقام پر ہوتی ہے اس کے بعد دیگر موجودات میں مشاہدہ کی جاتی ہے۔ اصول توکل رضا و تسلیم اور دیگر مقامات بھی بتدریج ہی ہوتے ہیں (مثلاً)

Presented by www.ziaraat.com

ممکن ہے پہلے تو تھوڑے سے امور میں اور غائب و مخفی اسباب میں توکل کرے اس کے بعد تھوڑا تھوڑا کر کے مقام مطلق تک پہونچ جائے چاہے اسباب ظاہر و جلی ہوں یا باطن و خفی ہوں اور چاہے اپنے کاموں میں ہو یا متعلقین کے یا وابستہ لوگوں کے کاموں میں ہو اسی لئے حدیث شریف میں فرمایا ہے کہ تم اپنے تمام امور میں توکل کرو۔

دوسری فصل

توکل اور رضا کا فرق

یہ جان لو کہ مقام رضا مقام توکل کے علاوہ ہے بلکہ رضا کا مرتبہ عالی تر و بلند تر ہے۔ کیونکہ متوکل صرف اپنی صلاح خیر کا طالب ہوتا ہے اور خداوند عالم کو فاعل خیر سمجھتے ہوئے اپنے خیر و صلاح کے حاصل کرنے کے لئے وکیل بناتا ہے لیکن جو شخص مقام رضا پر فائز ہوتا ہے وہ اپنے ارادہ کو ارادہ محبوب میں فنا کر دیتا ہے اپنے لئے کوئی اختیار نہیں رکھتا جیسا کہ بعض اہل سلوک سے لوگوں نے پوچھا کہ: «ما تُرِيدُ قَالَ أُرِيدُ أَنْ لَا أُرِيدَ» اس کا مطلب مقام رضا تھا۔

اور یہ جو حدیث شریف میں آیا ہے: «فما فَعَلَ بِكَ كُنْتُ عَنْهُ رَاضِيًا» (جو کچھ تمہارے ساتھ خدا کرے تم اس پر راضی رہو) اس کا مقصد مقام رضا نہیں ہے اسی لئے کہ آخر میں فرمایا ہے: یہ جان لو کہ خدا جو کچھ بھی کرتا ہے اسی میں تمہارے لئے خیر و فضل ہے گویا کہ معصوم کا مطلب یہ ہے کہ سامع کے ذہن میں مقام توکل کو ایجاد فرمائیں اسی لئے آپ نے اس کے لئے چند مقدمات ترتیب دیئے ہیں: «تَعْلَمُ أَنَّهُ لَا يَأْلُوكَ خَيْرًا وَفَضْلًا» فرمایا تم جانتے ہو کہ خدا تمہارے بارے میں کسی خیر و فضل کے سلسلے میں کمی نہیں کرے گا۔ اس کے بعد فرمایا:

«وَتَعْلَمُ أَنَّ الْحُكْمَ فِي ذَلِكَ لَهُ» اور تم یہ بھی جانتے ہو کہ اس سلسلے میں جو کچھ بھی ہے اسی کا حکم ہے البتہ جو شخص یہ جانتا ہے کہ خداوند عالم ہر چیز پر قادر ہے اور اس سے کسی خیر و فضل کو کم نہیں کرے گا اس کے لئے مقام توکل حاصل ہے کیونکہ توکل کے دو بڑے رکن وہی ہیں جن کو معصوم نے ذکر فرما دیا اب رہی دو باتیں دوسرے ارکان تو ان کے واضح ہونے کی بناء پر ان کا ذکر نہیں کیا۔ پس ان مقدمات مذکورہ اور غیر مذکورہ معلومہ سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ خدا جو

Presented by www.ziaraat.com

جو کچھ بھی کرتا ہے وہ موجب خوشنودی ورضا ہے اس لئے کہ خیر وصلاح اسی میں ہے۔ پس اس طرح مقام توکل حاصل ہوتا ہے اور اسی لئے معصوم نے اس پر یہ تفریع فرمائی ہے۔

«فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ.»

تیسری فصل

تفویض وتوکل وثقہ کا فرق

تمہیں یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ تفویض بھی توکل کے علاوہ چیز ہے جیسے کہ ثقہ کے علاوہ تفویض وتوکل ہے۔ اسی لئے سالکین کے مقامات میں ان کو جداگانہ شمار کیا جاتا ہے خواجہ فرماتے ہیں: «اَلتَّفْوِيضُ أَلْطَفُ إِشَارَةً وَأَوْسَعُ مَعْنًى مِنَ التَّوَكُّلِ. ثُمَّ قَالَ التَّوَكُّلُ شُعْبَةٌ مِنْهُ.» یعنی تفویض توکل سے زیادہ لطیف ودقیق ہے اور توکل اس کا ایک شعبہ ہے کیونکہ تفویض کا مطلب یہ ہے کہ بندہ اپنے اندر کسی حول وقوت کو نہ دیکھے بلکہ تمام امور میں اپنے کو بے تصرف اور حق کو متصرف سمجھے لیکن توکل ایسا نہیں ہے کیونکہ متوکل تصرف اور جلب خیر وصلاح میں حق کو اپنا قائم مقام کرتا ہے۔

اور تفویض زیادہ وسیع ہے اور توکل اسی کا ایک شعبہ ہے کیونکہ توکل کا تعلق صرف مصالح میں ہوتا ہے اور تفویض کا تعلق مطلق امور میں ہوتا ہے نیز توکل موجب توکل سبب کے واقع ہونے کے بعد ہوا کرتا ہے۔ یعنی وہ امر کہ جس میں بندہ خدا پر بھروسہ کرتا ہے۔ مثلاً پیغمبرؐ اور اصحاب پیغمبرؐ کا خدا پر بھروسہ کرنا مشرکین سے حفاظت کے وقت اس وقت کہ جب ان سے یہ بات کہی گئی کہ:

«إِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ إِيمَانًا وَقَالُوا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ.» لیکن تفویض وقوع سبب سے پہلے ہوا کرتی ہے جیسا کہ رسولؐ خدا سے مروی دعا کے اندر ہے: «اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْلَمْتُ نَفْسِي إِلَيْكَ وَأَلْجَأْتُ ظَهْرِي إِلَيْكَ وَفَوَّضْتُ أَمْرِي إِلَيْكَ.» البتہ کبھی وقوع سبب کے بعد بھی تفویض ہوتی ہے جیسے مومن آل فرعون کی تفویض۔ میں نے جو کچھ بھی ذکر کیا یہ مشہور عارف عبدالرزاق کاشانیؒ کی شرح کا ماحصل ہے جو جناب عارف کامل خواجہ عبداللہؒ کے کلام سے تھوڑا سا تفاوت رکھتا ہے اور ان کے کلام کا اختصار ہے۔ ویسے خواجہ کا کلام بھی

Presented by www.ziaraat.com

اس پر دلالت کرتا ہے۔

لیکن توکل کے شعبہ تفویض ہونے میں تامل ہے اور تفویض کو توکل سے عام شمار کرنا واضح قسم کا مسامحہ ہے نیز اس پر کوئی دلیل نہیں ہے کہ توکل صرف وقوع سبب کے بعد ہوا کرتا ہے بلکہ دونوں جگہوں پر توکل ہوتا ہے اور حدیث میں جو یہ آیا ہے: «فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ بِتَفْوِيضِ ذٰلِكَ إِلَيْهِ.» تو ہو سکتا ہے کہ چونکہ توکل کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ جو چیز اپنے سے متعلق ہو اس میں دوسرے کو وکیل بنا دینا اور اس کے سپرد کر دینا۔ پس حضرت یہ چاہتے ہیں کہ اس کو مقام توکل سے ترقی دے کر مقام تفویض تک پہونچا دیں اور اس کو یہ سمجھا دیں کہ خدا تصرف میں تیرا قائم مقام نہیں ہے بلکہ وہ خود اپنی ملک پر متصرف اور اپنی مملکت کا مالک ہے۔ خود خواجہ نے بھی منازل السائرین میں توکل کے تیسرے درجہ میں اس مطلب کی طرف متوجہ کیا ہے۔[15]

اور "ثقہ" توکل و تفویض دونوں کے علاوہ ہے جیسا کہ خواجہ نے فرمایا ہے!

«اَلثِّقَةُ سَوَادُ عَيْنِ التَّوَكُّلِ وَنُقْطَةُ دَائِرَةِ التَّفْوِيضِ وَسُوَيْدَاءُ قَلْبِ التَّسْلِيمِ.»[16]

ثقہ چشم توکل کی سیاہی دائرۂ تفویض کا نقطہ اور قلب تسلیم کا سویدا ہے یعنی اس کے بغیر مقامات ثلاثہ حاصل نہیں ہوتے بلکہ ان مقامات کی روح ثقہ باللہ ہے اور جب تک بندہ خدا پر وثوق نہ رکھے گا اس کا دل انہیں ہو سکتا اب پتہ چلا کہ حضرت نے توکل و تفویض کے بعد کیوں فرمایا:

«ثِقْ بِهٖ فِيهَا وَفِي غَيْرِهَا.»

Presented by www.ziaraat.com

تیرہویں حدیث کی توضیحات

۱۔ سورۂ طلاق آیت ۳۔
۲۔ اصول کافی جلد ۲، ص ۶۵ (کتاب ایمان وکفر) باب التفویض الی اللہ والتوکل علیہ، حدیث ۵۔
۳۔ اِتَّکَلْتُ عَلٰی فلان فی امری یعنی اپنے کام میں اس پر بھروسہ کیا۔ اس کی اصل اوتکلت ہے۔ حَشْبُہٗ یعنی اس کے لئے کافی ہے۔
۴۔ مرآۃ العقول جلد ۸، ص ۲۳، کتاب ایمان وکفر، باب التفویض حدیث ۵۔
۵۔ الا یا کو، کوتاہی کیا۔ اور لایالو خیرا کے بعد مطلب ہوگا خیر خواہی میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔
۶۔ منازل السائرین ص ۳۳، قسم معاملات، باب ۲۷۔
۷۔ یہ کلام ابوتراب نخشبی سے نقل ہوا ہے۔ رسالہ قشیریہ جلد ۱ ص ۴۶۸۔
۸۔ یہ کلام بایزید سے منقول ہے۔ شرح منازل السائرین ص ۸۹، قسم چہارم در اخلاق، باب "رضا"
۹۔ منازل السائرین، ص ۲۴، قسم البدایات، باب تفویض"
۱۰۔ لوگوں نے تمہارے (مقابلہ کے) واسطے (بڑا لشکر) جمع کیا ہے۔ پس ان سے ڈرتے رہو (تو بجائے خوف کے) ان کا ایمان اور زیادہ ہوگیا اور کہنے لگے (ہوگا بھی) خدا ہمارے واسطے کافی ہے اور کیا اچھا کارساز ہے۔ (سورۂ آل عمران، آیت ۱۷۳)
۱۱۔ خدایا میں نے اپنی ذات کو تیرے حوالے کیا اور تیرے اوپر بھروسہ کیا اور اپنے امور کو تیرے حوالہ کیا۔
۱۲۔ مُلّا عبدالرزاق بن جمال (جلال) الدین اسحاق کاشانی سمرقندی ملقب بہ ابوالغنائم وملقب بہ کمال الدین آٹھویں صدی ہجری کے مشہور عارفوں میں سے ہیں اور فصوص کے بڑے شارحین میں سے ہیں (۷۳۰ یا ۷۳۵) میں انتقال ہوا ان کے آثار میں اصطلاحات الصوفیۃ، تاویل الآیات یا تاویلات القرآن، شرح فصوص الحکم، شرح منازل السائرین ہے۔
۱۳۔ حدیث ۱۲، توضیح ۲۔
۱۴۔ شرح منازل السائرین ص ۷۸، باب معاملات، باب "تفویض"
۱۵۔ منازل السائرین ص ۲۴، قسم سوم در باب معاملات، باب "توکل"
۱۶۔ "ثقہ" آنکھ کی پتلی "توکل" و مرکز دائرہ "تفویض" و کانون دل "تسلیم" ہے۔ منازل السائرین، ص ۲۵ "قسم البدایات" باب ثقہ۔

Presented by www.ziaraat.com

چودھویں حدیث

«بِسَنَدِيَ الْمُتَّصِلِ إِلَى مُحَمَّدِ بْنِ يَعْقُوبَ، ثِقَةِ الْإِسْلَامِ وَعِمَادِ الْمُسْلِمِينَ، عَنْ عِدَّةٍ مِنْ أَصْحَابِنَا، عَنْ أَحْمَدَ بْنِ مُحَمَّدٍ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ حَدِيدٍ، عَنْ مَنْصُورِ بْنِ يُونُسَ، عَنِ الْحَارِثِ بْنِ الْمُغِيرَةِ، أَوْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي عَبْدِاللّٰهِ، عَلَيْهِ السَّلَامُ، قَالَ قُلْتُ لَهُ: مَا «كَانَ» فِي وَصِيَّةِ لُقْمَانَ؟ قَالَ كَانَ فِيهَا الْأَعَاجِيبُ؛ وَكَانَ أَعْجَبَ مَا كَانَ فِيهَا أَنْ قَالَ لِابْنِهِ: خَفِ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ خِيفَةً لَوْ جِئْتَهُ بِبِرِّ الثَّقَلَيْنِ لَعَذَّبَكَ؛ وَارْجُ اللّٰهَ رَجَاءً لَوْ جِئْتَهُ بِذُنُوبِ الثَّقَلَيْنِ لَرَحِمَكَ. ثُمَّ قَالَ أَبُو عَبْدِاللّٰهِ، عَلَيْهِ السَّلَامُ، كَانَ أَبِي يَقُولُ: إِنَّهُ لَيْسَ مِنْ عَبْدٍ مُؤْمِنٍ إِلَّا وَفِي قَلْبِهِ نُورَانِ: نُورُ خِيفَةٍ، وَنُورُ رَجَاءٍ، لَوْ وُزِنَ هٰذَا لَمْ يَزِدْ عَلَى هٰذَا، وَلَوْ وُزِنَ هٰذَا لَمْ يَزِدْ عَلَى هٰذَا.»

ترجمہ: راوی کہتا ہے میں نے امام جعفر صادقؑ سے کہا کہ لقمان کی وصیت کیا تھی؟

Presented by www.ziaraat.com

حضرتؑ نے فرمایا!

اس میں دلچسپ باتیں تھیں اور اس میں سب سے عجیب بات یہ تھی کہ لقمان نے اپنے بیٹے سے کہا: خدا سے اس طرح ڈرو کہ اگر تم میں جن وانس کے برابر اطاعت کر کے آؤ جب بھی تم پر عذاب کرے گا اور خدا سے ایسی اُمید رکھو کہ اگر جن وانس کے برابر گناہ کر کے آؤ جب بھی تم کو بخش دے گا۔ اس کے بعد حضرت صادقؑ نے فرمایا میرے والد ماجد کہا کرتے تھے ہر بندۂ مومن کے دل میں دو نور ہوتے ہیں خوف کا نور اور اُمید کا نور اگر اس کو اس کے مقابل میں تولا جائے تو اس کا وزن اس سے زیادہ نہیں ہوگا اور اگر اس کو اس کے مقابل میں تولا جائے تو اس کا وزن اس سے زیادہ نہیں ہوگا۔

شرح: جوہری نے اپنی صحاح کے اندر کہا ہے کہ گویا اعاجیب اعجوبہ کی جمع ہے جیسے احادیث "احدوثہ" کی جمع ہے اور بعض کہتے ہیں اعجوبہ ہر اس اچھی یا بُری چیز کو کہتے ہیں جو تعجب آور ہو اس حدیث میں اچھی چیز مُراد ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دراصل یہ ایسی چیز سے مخصوص ہے جس کا حُسن تعجب آور ہو۔ اگرچہ استعمال میں طفیلی طور پر عام مستعمل ہے۔

اور بتر عقوق کے برخلاف ہے۔ فلان یَبَرُّ خالقہٗ کا مطلب "وہ اس کی اطاعت کرتا ہے" کے ہیں جیسا کہ جوہری نے تصریح کر دی ہے۔ ثقلان سے مُراد جن وانس ہیں۔

یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ خوف ورجاء دونوں کو درجۂ کمال پر ہونا چاہیئے اور رحمتِ الٰہی سے مایوسی اور مکر سے اطمینان یہ دونوں بطورِ کلی ممنوع ہیں۔ چنانچہ بہت سی حدیثوں کی اس مطلب پر دلالت بھی ہے۔ ۳ اور قرآنِ مجید نے نص کر دیا ہے۔ ۴ دوسری چیز یہ ہے کہ ان میں سے کسی کو دوسرے پر رجحان نہیں ہے۔ خدا نے چاہا تو چند فصلوں کے ضمن میں ہم اس کو اور حدیث کے دیگر مناسبات کو ذکر کریں گے۔

پہلی فصل

انسانِ عارف کی دو نظر ہے

حقائق کے جاننے والے اور ممکن وواجب کے درمیان نسبت سے مطلع انسان کی دو نظریں ہوا کرتی ہیں۔

Presented by www.ziaraat.com

پہلی نظر: اپنا اور تمام ممکنات کا ذاتی نقص و کائنات کی سیاہ روئی جو اس کو علی الیا عیناً حاصل ہو جاتی ہے کہ ممکن سر سے پیر تک نقص کی ذلت اور ازل سے ابد تک فقر و احتیاج و امکان کے تاریک سمندر میں ڈوبا ہوا ہے اور خود کسی چیز کا مالک نہیں ہے، تاچیز محض ہے، بے آبروئے محض ہے۔ ناقص علی الاطلاق ہے بلکہ یہ تعبیر بھی اس کے لئے درست نہیں ہے۔ یہ تو تنگیٔ تعبیر و ضیق و مجال سخن کی وجہ سے ہے۔ ورنہ نقص و فقر و احتیاج تو شئی کی فرع ہے (اور انسان تو درحقیقت لاشئی ہے) اس لئے کہ تمام ممکنات و مخلوقات کے پاس اپنی کوئی چیز نہیں ہے۔ اس نظریہ سے اگر تمام عبادات و اطاعات، عوارف و معارف کو خداوند قدوس کے سامنے پیش کیا جائے تو سر جھکائے شرمندگی، ذلت و خوف کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہے کیسی اطاعت و کیسی عبادت؟ کس کی اور کس کے لئے؟ تمام محامد تو خدا کی طرف راجع ہیں۔ ممکن کا اس میں کوئی دخل ہی نہیں ہے۔ بلکہ ممکن کی دفاعت و اس کا تصرف اظہارِ محامد میں اور ثنائے حق میں نقص عارض کرنے والا ہے۔ اب میں عنانِ قلم کو یہاں سے موڑتا ہوں۔

ارشادِ خداوندی ہے:

﴿مَا أَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ وَمَا أَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَفْسِكَ.﴾[۵]

چنانچہ مقامِ اوّل میں فرماتا ہے: ﴿قُلْ كُلٌّ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ﴾[۶] اور قائل یہاں پر کہتا ہے:

پیر ما گفت خطا بر قلم صنع نرفت آفرین بر نظر پاک خطا پوشش باد

پیر کا قول تو مقامِ دوم کی طرف راجع ہے مگر خود قائل کا قول مقامِ اوّل کی طرف راجع ہے۔ بس اس نظر میں انسان کو خوف، حزن، خجالت، سرافگندگی گھیر لیتی ہے۔

دوسری نظر: کمالِ واجب اور بساطِ رحمت اور اس کے لطف و بے انتہا عنایت کی وسعت پر نظر کرنا کہ یہ گوناگوں رحمتوں اور نعمتوں کی بساط جس کا احاطہ ناممکن و محال ہے۔ یہ سب اس نے کسی استعداد و قابلیت کا لحاظ کئے بغیر عطا کئے ہیں۔ بندوں کو ان کے کسی استحقاق کے بغیر ان پر اپنے لطف و کرم کا دروازہ کھول دیا ہے۔ اس کی نعمتیں ابتداء اور بغیر کسی سوال کے ہیں، چنانچہ حضرت سید الساجدین زین العابدین نے صحیفۂ کاملہ اور دیگر دعاؤں میں بار بار اس مطلب کی طرف[۸] اشارہ فرمایا ہے۔ پس اس کی اُمید قوی ہو جاتی ہے اور اُمیدوار رحمتِ حق تک پہونچ جائیگا۔ (وہ تو ایسا) کریم ہے جس کا کرم عنایت و رحمت ہے۔ ایسا مالک الملوک ہے کہ ہمارے سوال کے بغیر اور ہماری استعداد کے بغیر ہم پر اتنی عنایتیں کی ہیں کہ تمام عقول اس کے تھوڑے سے حصہ

Presented by www.ziaraat.com

کا علم نہیں حاصل کر سکتے۔ اس کے علم سے عاجز و قاصر ہیں۔ اہلِ معصیت کا عصیان اس کی وسیع مملکت میں کوئی خلل نہیں ڈال سکتا اور اہلِ طاعت کی اطاعت اس میں کوئی اضافہ نہیں کر سکتی۔ بلکہ اس ذاتِ مقدس کا ہدایت کے راستوں کا بتانا اور عصیان سے روکنا یہ اس کی کرم نوازی اور رحمت و نعمت کی بخشش ہے اور مقاماتِ کمال و مدارجِ کمالیہ و تنزیہ تک پہونچنے کا اور برائی و نقص سے بچنے کا وسیلہ ہے۔

لہٰذا اگر ہم اس کی درگاہ عزت و جلال اور بارگاہ رحمت و کمال میں جاکر عرض کریں:

بارالہا: تو نے ہم کو لباسِ ہستی پہنایا اور ہمارے لئے تصور کرنے والوں کے تصور سے زیادہ حیات و راحت کے اسباب و وسائل پیدا کئے، تمام ہدایت کے راستے ہمیں دکھائے اور یہ تمام عنایتیں ہماری ہی صلاح کے لئے تھیں اور نعمت و رحمت کے نشر کے لئے تھیں۔ اب ہم تیرے دارِ کرامت میں، تیری بارگاہ عظمت و سلطنت میں دونوں جہاں کے گناہ لئے ہوئے آئے ہیں اور (ہم جانتے ہیں) گناہ گاروں کے گناہ نہ تیری دستگاہ کو نقصان پہونچا سکتے ہیں اور نہ تیری حکومت میں خلل پیدا کر سکتے ہیں یہ ایک مشت خاک جو تیری عظمت و جلالت کے مقابلہ میں کسی شمار و قطار کے قابل نہیں ہے اس کے ساتھ تو رحمت و عنایت کے سوا کیا کرے گا؟ کیا تیری بارگاہ سے رحمت کے علاوہ کسی اور چیز کی توقع کی جا سکتی ہے؟

پس انسان کو ہمیشہ ان دونوں نظروں میں مردد رہنا چاہیئے نہ اپنے نقص اور تقصیر و قصور بندگی کی طرف سے چشم پوشی کرنی چاہیئے اور نہ وسعت رحمت اور لطف الٰہی و نعمت و عنایت الٰہی کے مشمول ہونے سے مایوس ہونا چاہیئے۔

دوسری فصل

عبادت خدا سے ممکن کی عاجزی

اے عزیز یہ جان لو کہ "خوف" و "رجا" کے مراتب و درجات ہیں اور یہ مراتب بندوں کی معرفت و حالات کے مراتب کے اعتبار سے ہیں۔ چنانچہ عوام کا خوف عذاب سے ہے اور خواص کا خوف عتاب سے ہے اور اخص خواص کا خوف احتجاب سے ہوتا ہے۔ اس

Presented by www.ziaraat.com

وقت تو میں اس کی شرح کے چکر میں نہیں ہوں۔ سابق مطلب کے سلسلہ میں جو کچھ بھی ہے اس کو دوسرے بیان کے ساتھ ذکر کروں گا۔

پس جان لو کہ دنیا کی کوئی مخلوق خدا کی عبادت جیسی کی جانی چاہیئے ویسی نہیں کر سکتی اس لئے کہ عبادت کا مطلب اس ذاتِ مقدس کے مقام کی ثنا ہے اور ہر شخص کی ثنا اس کی معرفت کے اعتبار ہی سے ہوتی ہے اور چونکہ بندوں کے دست و اَرز و اس کی معرفتِ ذات کی عزت جلال سے در حقیقت کوتاہ ہیں۔

لہٰذا اس کے جمال و جلال کی ثنا بھی نہیں کر سکتے اور جب اشرف مخلوقات و اعرف موجودات مقامِ ربوبیت کے سلسلہ میں اعتراف عجز و قصور کرتے ہوئے فرمائے:

«ما عَبَدْناکَ حَقَّ عِبادَتِکَ وَما عَرَفْناکَ حَقَّ مَعْرِفَتِکَ.» [۹] (تو دوسروں کی کیا حقیقت ہے؟) اس حدیث میں دوسرا جملہ پہلے جملہ کی علت ہے۔ نیز فرمایا:

«وَقالَ أَنْتَ کَما أَثْنَیْتَ عَلی نَفْسِکَ.» [۱۰] پس یہ قصور ذاتی حق ممکن ہے اور علو ذاتی مخصوص ہے۔ ذاتِ کبیریا جل جلالہ کے لئے۔

اور چونکہ بندے ذاتِ مقدس کی عبادت و ثنا سے عاجز ہیں اور معرفت و بندگیٔ حق کے بغیر کوئی بھی بندہ مقاماتِ عالیہ اور مدارجِ اخرویہ تک نہیں پہونچ سکتا اور یہ بات اپنی جگہ پر علمائے آخرت کے نزدیک دلیلوں سے ثابت ہے (البتہ) عوام اس سے غافل ہیں اور اخروی مدارج کو گپ یا گپ کے مشابہ سمجھتے ہیں "تعالیٰ اللہ عن ذالک علوا کبیرا" اس لئے خداوند عالم نے اپنے لطف عمومی اور رحمتِ واسعہ کی بنا پر ان کے سامنے اپنی رحمت کا ایک دروازہ کھول دیا اور غیبی تعلیمات اور ملائکہ و انبیاؑ کے واسطہ سے وحی و الہام کر کے یہی حضرات (یعنی ملائکہ، انبیاؑ ائمہؑ) عبادت و معرفت کے دروازے ہیں۔ اپنے بندوں کو اپنی عبادت کا طریقہ سکھایا اور معرفت کا راستہ دکھایا تاکہ لوگ حتی الامکان اپنا نقصان دور کر سکیں اور تحصیلِ کمال کر سکیں اور نورِ بندگی کے پرتو سے عالم کرامتِ حق اور روح و ریحان و جنت نعیم کی دنیا تک ہدایت حاصل کر سکیں بلکہ رضائے الٰہی تک پہونچ سکیں۔

پس عبادت و عبودیت کے دروازے کو کھولنا بہت بڑی نعمت ہے کہ تمام موجودات جس کے مرہونِ منت ہیں اور اس نعمت کا شکریہ نہیں ادا کر سکتے۔ بلکہ ہر شکر ایک ایسے باب کرامت کا کھولنا ہے جس کے شکر سے انسان عاجز ہے۔ اب اگر انسان کو اس روش کا علم ہو گیا اور اس

Presented by www.ziaraat.com

کا دل اس پر مطلع ہو گیا تو وہ خود ہی اپنی تقصیر کا اعتراف کرے گا اور اگر جن و انس و ملائکہ مقربین کی (عبادت کے برابر) عبادت (بھی) بارگاہِ خداوندی میں لے جائے جب بھی خائف رہے گا اور مقصر رہے گا و نیز حق کے عارف بندے اور اس کے اولیائے خاص کہ جن کے سامنے (قضاو) قدر کا ایک راز بھی منکشف ہو گیا اور ان کا دل نورِ معرفت سے روشن ہو گیا (تو) ان کا دل خوف سے اس طرح لرزتا ہے اور ان کا قلب اس طرح متزلزل رہتا ہے کہ اگر تمام کمالات ان کے پاس جمع ہو جائیں اور تمام معارف کی کلید ان کے ہاتھوں میں دیدی جائے اور ان کے دل تجلیات سے مالامال ہو جائیں پھر بھی نہ ذرہ برابر ان کا خوف کم ہو گا اور نہ متزلزل میں کمی آئے گی۔ چنانچہ انھیں عرفا میں سے ایک کہتا ہے: سب انجام سے ڈرتے ہیں اور میں اول ہی سے ڈرتا ہوں۔" «سُبْحَانَ اللّٰهِ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ.» خدا کی پناہ مانگتا ہوں، خدا جانتا ہے کہ اس کلام سے انسان کا دل ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا ہے اور اس کا دل پگھل جائے اور وہ جنگل میں چلا جائے (تو تعجب نہیں ہے) افسوس" انسان کتنا غافل ہے۔

دوسرے یہ کہ میں نے اس سے پہلے ذکر کیا ہے۔ کسی ایک حدیث ۱۲ کی شرح کرتے ہوئے عرض کیا ہے کہ ہماری ساری عبادتیں و اطاعتیں صرف اپنی غرض کے حصول کے لئے ہوتی ہیں اور ہمارا محرک "حُبِّ نفس" ہوتا ہے اور در حقیقت دنیا کا زہد آخرت کے لئے ہوتا ہے اور یہ آزاد لوگوں کے نزدیک ایسا ہی ہے کہ جیسے دُنیا کا زہد صرف دُنیا کے لئے کیا جائے۔ پس اگر عبادتِ ثقلین کو بھی خداوندِ قدوس کے سامنے لے جائیں تو اس سے پروردگارِ عالم سے دوری کے علاوہ کسی اور چیز کا استحقاق ہم کو حاصل نہ ہو گا۔ خداوندِ عالم نے «خَلَقْتُكَ لِأَجْلِي» ۱۳ کہہ کر ہم کو اپنے بارگاہ انس کے قریب بلایا ہے اور ہماری غرض تخلیق کو اپنی معرفت قرار دی ہے۔ معارف کے راستے اور ہمیں عبودیت کی راہوں کی نشاندہی کی ہے۔ لیکن اس کے باوجود ہم شکم و فرج کے علاوہ کسی چیز کے بارے میں سوچتے ہی نہیں ہیں۔ خود خواہی و خود پسندی کے علاوہ ہمارا کوئی مقصد ہی نہیں ہے۔

لہٰذا اے بے چارے انسان تیری عبادات و مناسک تجھ کو ساحت قدس سے دور کر کے مستحق عتاب و عقاب بنا دیتی ہیں (آخر) تو کس پر اعتماد کرتا ہے؟ شدت خوفِ خدا نے تجھ کو بے آرام کیوں نہیں کیا، تیرا دل خون کیوں نہیں ہو گیا، کیا کوئی بھروسہ کی چیز رکھتا ہے؟ کیا اپنے اعمال پر وثوق و اطمینان رکھتا ہے؟ اگر ایسا ہے تو تیری حالت پر وائے ہو اور تیری اپنی معرفت اور ملاک السلوک

Presented by www.ziaraat.com

کی معرفت کی حالت پر وائے ہو، (ہاں) اگر فضل حق اور اس کی رحمت شاملہ اور ذات مقدس پر بھروسہ رکھتا ہے تب تو بہت ہی مضبوط جگہ اور محکم پناہ گاہ پر بھروسہ کیا اور صحیح بھروسہ کیا ہے۔

پروردگار، اے بارالہا! ہمارے ہاتھ ہر چیز سے کوتاہ ہیں۔ ہم خود جانتے ہیں کہ ہم ناقص و ناچیز اور تیری بارگاہ کے لائق نہیں ہیں اور نہ تیری بارگاہ قدس کے لائق کچھ رکھتے ہیں۔ سر سے پیر تک نقص سے پُر ہیں، ہمارا ظاہر و باطن معاصی و مہلکات و موبقات (ہلاک کرنے والی چیزوں) سے بھرا ہے۔ ہم کیا ہیں جو تیرے لئے اظہار ثنا کریں۔ جہاں پر تیرے اولیا کہتے ہوں:

«أَفَبِلِسَانِي هٰذَا الْكَالِّ أَشْكُرُكَ» ۱۴

"کیا اس زبان قاصر سے تیرا شکریہ ادا کروں" اور جہاں پر تیرے اولیا اپنے ضعف و قصور کا اعتراف کریں وہاں ہم گنہگاروں اور ساحت کبریا سے محجوب کیا کہہ سکتے ہیں۔ صرف لقلقۂ زبان سے یہی تو عرض کر سکتے ہیں۔ ہم تیرے رحم و کرم کے امیدوار ہیں۔ ہماری امید اور ہمارا بھروسہ تیرے فضل و کرم اور تیری عفو بخشش و جود و کرم پر ہے جیسا کہ تیرے اولیا کے زبانوں پر جاری ہے۔

«كَافِي بِإِسْنَادِهِ عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ، عَلَيْهِ السَّلَامُ، قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ: قَالَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى: «لَا يَتَّكِلُ الْعَامِلُونَ لِي عَلَى أَعْمَالِهِمُ الَّتِي يَعْمَلُونَهَا لِثَوَابِي، فَإِنَّهُمْ لَوِ اجْتَهَدُوا وَأَتْعَبُوا أَنْفُسَهُمْ أَعْمَارَهُمْ فِي عِبَادَتِي كَانُوا مُقَصِّرِينَ غَيْرَ بَالِغِينَ فِي عِبَادَتِهِمْ كُنْهَ عِبَادَتِي فِيمَا يَطْلُبُونَ عِنْدِي مِنْ كَرَامَتِي وَالنَّعِيمِ فِي جَنَّاتِي وَرَفِيعِ الدَّرَجَاتِ الْعُلَى فِي جِوَارِي؛ وَلٰكِنْ بِرَحْمَتِي فَلْيَثِقُوا وَبِفَضْلِي فَلْيَرْجُوا وَإِلَى حُسْنِ الظَّنِّ بِي فَلْيَطْمَئِنُّوا؛ فَإِنَّ رَحْمَتِي عِنْدَ ذٰلِكَ تُدْرِكُهُمْ وَمِنِّي يُبَلِّغُهُمْ رِضْوَانِي وَمَغْفِرَتِي تُلْبِسُهُمْ عَفْوِي؛ فَإِنِّي أَنَا اللّٰهُ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيمُ وَبِذٰلِكَ تَسَمَّيْتُ.» ۱۵

کافی میں امام محمد باقرؑ سے منقول ہے کہ: رسولِ خدا نے فرمایا: خداوند عالم نے فرمایا ہے: "میرے لئے عمل کرنے والے جو عمل مجھ سے ثواب حاصل کرنے کے لئے کرتے ہیں اس (عمل) پر بھروسہ نہ کریں۔ اس لئے کہ اگر وہ ساری عمر میری عبادت کریں اور اپنے نفسوں کو تعب میں ڈالیں اور (بھرپور) کوشش کریں جب بھی وہ (میری عبادت میں) مقصر رہیں گے۔ اپنی عبادت میں میری کنہ عبادت تک نہیں پہونچ سکیں گے (اور نہ ہی) اپنے مطلوب کو (یعنی) میری کرامتوں، میری

Presented by www.ziaraat.com

جنت کے درجات، میرے جوار میں بلند درجے پا سکیں گے۔ اس لئے (ان کو چاہیئے) میری رحمت پر بھروسہ کریں، میرے فضل کی اُمید کریں اور مجھ سے حُسنِ ظن رکھ کر مطمئن ہوں۔ کیونکہ اس طرح میری رحمت ان کو پالے گی اور میرا احسان ان کو میری رضا تک پہونچا دے گا اور میری مغفرت ان کو میرا (لباس) عفو پہنا دے گی۔ میں ہی وہ اللہ ہوں جو رحمان و رحیم ہے اور اسی سے میرا نام لیا جاتا ہے۔"

اسی طرح اسبابِ خوف میں سے حساب و میزان کی باریکیوں، برزخ و قیامت کی سختیوں، زندگی اور موت کے وقت پیش آنے والے خطروں، راہِ آخرت پر سلوک کی وقت بائس حق کی شدت میں غور کرتا ہے۔ (لیکن) اگر ان آیات و احادیث کو دیکھا جائے جو خدا کے وعدوں پر مشتمل ہیں تو پھر پوری اُمید ہو جاتی ہے چنانچہ حدیث بیان کرنے والوں نے بیان کیا ہے کہ قیامت کے دن خدا اپنی بساطِ رحمت کو اس طرح پھیلائے گا کہ شیطان کو بھی مغفرت کی طمع ہونے لگے گی۔[16]

بحسب روایاتِ خداوندِ عالم نے اس عالم کو جب سے خلق فرمایا۔[17] اس کی طرف نظرِ لطف نہیں ڈالا اور نہ اس میں رحمت نازل کی بس دوسرے عوالم کے مقابلہ میں ایک ذرہ کے برابر نظر فرمائی ہے اور یہ تمام نعمت و رحمتِ الٰہی، لطف و بخشش حضرت باری سر سے پیر تک سب کو گھیرے ہوئے ہے اور تمام وہ چیزیں جو پیدا ہیں یا ناپیدا ہیں سب عطا و نعمتِ الٰہی کا ایسا دسترخوان ہے کہ اگر تمام دُنیا والے اس کی نعمت و رحمت کے ایک ذرّے کا اعاظہ کرنا چاہیں تو ناممکن ہے۔ تو پھر اس عالم کا کیا حال ہوگا جو عالمِ کرامت ہے اور الٰہی مہمانخانہ ہے اور جائے رحمت و بسط رحیمیت و رحمانیت ہے۔ یہاں اگر شیطان رحمت کی طمع کرے اور اُمید عطا کرے تو اس کو حق ہے۔

لہٰذا تم بھی اپنے حُسنِ ظن کو خدا کے سلسلہ میں کامل کرو اور اس کے فضل پر بھروسہ کرو۔ «إِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعاً»[18] خدا تمام گناہوں کو بخش دیتا ہے اور سب کو اپنے بحرِ عطا و رحمت میں غرق کر دیتا ہے۔ خدا کے وعدے میں تخلف محال ہے۔ ہاں وعید میں تخلف ممکن ہے بلکہ بہت واقع ہوا ہے۔ لہٰذا اس کی رحمتِ کاملہ پر اطمینان کر کے دل کو خوش کرو۔ اگر خدا کی رحمت تمہارے شاملِ حال نہ ہوتی تو تم پیدا نہ ہوتے ہر مخلوق پر خدا کا رحم (و کرم) ہے۔

«وَسِعَتْ رَحْمَتُهُ كُلَّ شَيْءٍ»[19]

Presented by www.ziaraat.com

تیسری فصل

رجا و غرور کا فرق

لیکن میرے عزیز رجا اور غرور کے فرق کی طرف متوجہ رہو۔ ممکن ہے تم اہلِ غرور سے ہو اور گمان کرتے ہو کہ اہلِ رجا سے ہو۔ اس کی تمیز اس کے مبادی کے اعتبار سے آسان ہے۔ تم (پہلے) یہ دیکھو کہ جو حالت تمہارے یہاں پیدا ہوئی ہے اور جس کی وجہ سے تم اپنے کو طاعی سمجھتے ہو یہ حالت اوامرِ حق میں سستی کرنے کی وجہ سے اور حق و اوامرِ حق کو کوچک (و حقیر) سمجھنے کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے یا ذاتِ پروردگارِ عالم کی وسیع رحمت و عظمت پر عقیدہ رکھنے کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے؟ اب اگر اس کی بھی تمیز مشکل ہے تو آثار کے ذریعہ تمیز دینا ممکن ہے۔

اگر خدا کی عظمت دل میں ہو اور مومن کا دل پروردگار کی عطا اور رحمت کے احاطہ (کی کوشش) کرے تو اطاعت و عبودیت کے لئے آمادہ ہو سکتا ہے۔ کیونکہ منعم و عظیم کی عبادت و تعظیم فطری چیز ہے اور اس میں تخلف ناممکن ہے۔ لہٰذا اگر تم بندگی کے وظائف، طاعت و عبادت میں جدوجہد باقاعدہ کرو، اپنے اعمال پر بالکل بھروسہ نہ کرو اور اعمال کو ہیچ سمجھتے ہوئے رحمتِ حق اور فضل و عطائے پروردگار پر (بھرپور) بھروسہ رکھو، اپنے اعمال کی وجہ سے اپنے کو ہر ملامت و مذمت کا مستحق سمجھو، غضب و ناراضگی خدا کا مستحق مانو، جواد علی الاطلاق کے رحمتِ وجود پر تکیہ کرو تب مقامِ "رجا" کے دارا بنو گے پھر خدا کا شکر کرو اور اس کی ذاتِ مقدس سے دعا کرو کہ اس کو تمہارے دل میں محکم و مضبوط کر دے اور اس سے بلند مقام تم کو عنایت کرے۔

اور اگر تم نے خدانخواستہ اوامرِ الٰہی کے بارے میں سستی برتی اور اس کو ناچیز و بے حیثیت سمجھا تو یہی "غرور" ہے جو تمہارے دل میں پیدا ہوا ہے اور تیرے نفسِ امارہ اور شیطان کی مکاریوں میں سے ہے۔ اگر تیرا ایمان وسعتِ رحمت و عظمتِ خدا پر ہوتا تو تیرے اندر اس کا کچھ تو اثر نمایاں ہوتا۔ جس شخص کا عمل اس کے دعویٰ کے خلاف ہے وہ خود ہی اپنے کو جھٹلانے والا ہے۔

احادیثِ معتبرہ میں اس کلام کے شواہد بہت ہیں:

Presented by www.ziaraat.com

«كافي بإسنادِهِ عَنْ إبنِ أبي نَجْرانَ، عَمَّنْ ذَكَرَهُ، عَنْ أبي عَبْدِاللهِ، عَلَيْهِ السَّلامُ، قالَ قُلْتُ لَهُ: قَومٌ يَعْمَلُونَ بِالْمَعاصِي وَيَقُولُونَ نَرْجُو فَلا يَزالُونَ كَذلِكَ حَتّى يأتِيَهُمُ الْمَوْتُ. فَقالَ هؤُلاءِ قَوْمٌ يَتَرَجَّحُونَ فِي الأَمانِيِّ. كَذَبُوا، لَيْسُوا بِراجِينَ. إنَّ مَنْ رَجا شَيْئاً طَلَبَهُ؛ وَمَنْ خافَ مِنْ شَيْءٍ هَرَبَ مِنْهُ.»[۲۰]

راوی کہتا ہے: میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے کہا: کچھ لوگ گناہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں ہم اُمیدوار (رحمتِ حق) ہیں اور مرتے وقت تک ایسا ہی کرتے دکھتے رہتے ہیں۔ حضرت نے فرمایا: "یہ وہ لوگ ہیں جو اعتدال سے بیجا آرزو کی طرف مائل ہو گئے ہیں۔ یہ جھوٹے ہیں راجی نہیں ہیں۔ اگر کوئی کسی چیز کی اُمید رکھتا ہے تو اس کو طلب (بھی) کرتا ہے اور جو کسی سے ڈرتا ہے اس سے بھاگتا ہے۔" اسی روایت کے قریب المضمون کافی شریف کی ایک دوسری روایت بھی ہے۔

«و بإسنادِهِ عَنِ الْحُسَينِ بن أبي سارَةَ قالَ سَمِعْتُ أبا عَبْدِاللهِ، عَلَيْهِ السَّلامُ، يَقُولُ: لا يَكُونُ الْمُؤْمِنُ مُؤْمِناً حَتّى يَكُونَ خائِفاً راجِياً. وَلا يَكُونَ خائِفاً راجِياً حَتّى يَكُونَ عامِلاً لِما يَخافُ وَيَرْجُو.»[۲۱]

راوی کہتا ہے: میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام کو فرماتے ہوئے سنا: "مومن اس وقت مومن نہیں ہو سکتا جب تک خوفزدہ و اُمیدوار نہ ہو اور خوفزدہ و اُمیدوار اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک اس چیز کو بجا نہ لائے جس سے خوف کھاتا ہے اور جس کی اُمید رکھتا ہے۔"

بعض نے فرمایا ہے: جو شخص عمل نہیں کرتا اور انتظار و "رجا" کرتا ہے اس کی مثال اس شخص کی ہے جو اسباب مہیا کئے بغیر مسبب کے انتظار میں بیٹھا ہو۔[۲۲] جیسے وہ کسان جو بیج بوئے بغیر پانی دینے کی نگرانی کئے بغیر و آبیاشی کئے بغیر اور رفع موانع کئے بغیر زراعت کے انتظار میں بیٹھا رہے۔ اس کو یہ نہیں کہا جاتا کہ "اُمید رکھتا ہے" بلکہ اس کو کہا جاتا ہے احمق ہے بیوقوف ہے۔ اسی طرح جو شخص اخلاق کو درست نہ کرے یا گناہوں سے نہ بچے اور عمل کرے اس کی

Presented by www.ziaraat.com

مثال اس شخص کی ہے جو شورہ زار میں زراعت کرے۔ ظاہر ہے ایسی زراعت مطلوبہ نتیجہ نہیں دے گی۔

پس محبوب و مستحسن رجا یہ ہے کہ انسان اپنے تمام ان اسباب کو جو اس کے قبضہ میں ہیں اور خدا نے اپنی قدرت کاملہ سے اس کو عنایت فرمایا ہے اور اصلاح و فساد کے تمام طریقوں کی جو اس کو ہدایت فرمائی ہے اور ان کے مہیا کرنے کا حکم دیا ہے ان سب کو استعمال کرے اس کے بعد یہ اس دامید لگائے کہ جو اسباب اس کی طاقت سے باہر ہیں خدا اپنی سابقہ عنایتوں کی طرح ان کو فراہم کرے گا اور تمام موانع و مفسدات کو دور کرے گا۔

بس (اسی طرح) اگر بندہ اپنے دل کو بُرے اخلاق کے کانٹوں اور گناہوں کے سنگ و شورہ سے پاک کر کے اعمال کے بیج بوئے گا اور علم نافع و ایمان خالص کے صاف پانی سے آبپاشی کرے گا اور عُجب و ریا وغیرہ جو گھاس کے مانند ہیں اور جو زراعت کو سبز ہونے سے روکتے ہیں ان جیسے مفسدات و موانع سے عمل کو خالص رکھے گا اور اس کے بعد فضل خدا کے انتظار میں بیٹھے گا تب خدا اس کو ثابت (و محفوظ) رکھے گا اور اس کا خاتمہ بالخیر کرے گا اور یہ رجا مستحسن ہے جیسا کہ قرآن نے کہا ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ يَرْجُونَ رَحْمَتَ اللَّهِ﴾ ۲۴

"جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے ہجرت کی اور خدا کی راہ میں جہاد کیا وہی رحمتِ الٰہی کی رجا کرنے (کا حق) رکھتے ہیں۔

چوتھی فصل

خوف و رجا کے موازنہ کی علیت

اس حدیث کے ذیل میں مذکور ہے۔ خوف و رجا کو ایک دوسرے پر راجح نہیں کرنا چاہیئے۔ جیسا کہ یہی مضمون ابن ابی عمیر کے اس مرسلہ میں جو امام صادقؑ ہی سے مروی ہے۔ ۲۴

Presented by www.ziaraat.com

انسان جب اپنے کمال نقص اور فرائض عبودیت کی کوتاہی کو دیکھتا ہے اور راہ آخرت کی تنگی میں غور کرتا ہے تو اس کے اندر اعلیٰ درجہ کا خوف پیدا ہو جاتا ہے اور جب اپنے گناہوں کو دیکھتا ہے اور لوگوں کے حالات میں غور و فکر کرتا ہے کہ ان کی حالت ابتدا میں اچھی تھی۔ لیکن انجام میں بے ایمان اور بے عمل ہو کر گئے اور برائیوں اور بدیوں میں مبتلا ہو گئے تو اس کے اندر خوف شدید پیدا ہو جاتا ہے۔

کافی میں حضرت امام صادق علیہ السلام سے منقول ہے:

"قَالَ الْمُؤْمِنُ بَيْنَ مَخَافَتَيْنِ: ذَنْبٍ قَدْ مَضَى لَا يَدْرِي مَا صَنَعَ اللّٰهُ فِيهِ، وَعُمْرٍ قَدْ بَقِيَ لَا يَدْرِي مَا يَكْتَسِبُ فِيهِ مِنَ الْمَهَالِكِ. فَهُوَ لَا يُصْبِحُ إِلَّا خَائِفاً وَلَا يُصْلِحُهُ إِلَّا الْخَوْفُ."[۲۵]

"مومن دو خوف کے درمیان ہے۔ (ایک تو) ان گناہوں کا خوف جو ماضی میں کئے تھے جن کے بارے میں معلوم نہیں ہے کہ خدا نے اس کے بارے میں کیا کیا (دوسرے) اس عمر کے بارے میں جو باقی ہے اور معلوم نہیں اس میں کتنی ہلاکت خیز چیزوں کا ارتکاب کرے گا پس اس کی ہر صبح خوف کے ساتھ ہوتی ہے اور خوف کے علاوہ کوئی دوسری چیز اس کی اصلاح نہیں کر سکتی۔"

کافی میں حضرت رسول خدا کا جو خطبہ حضرت صادقؑ سے منقول ہے وہ بھی اسی مضمون کا ہے۔[۲۶] مختصر یہ کہ انسان انتہائے نقص و تقصیر کے درجہ پر ہے اور خدا انتہائے کمال و عظمت و جلالت و وسعت رحمت و عطا کے درجہ پر ہے اور بندہ ان دونوں نظروں کے درمیان خوف و رجا کے حد اعتدال پر ہے اور چونکہ اسمائے جلالیہ و جمالیہ یکساں قلب سالک پر جلوہ فگن ہوتے ہیں اس لئے خوف و رجا ایک دوسرے پر رجحان پیدا نہیں کر پاتے۔

بعض نے فرمایا ہے کہ بعض اوقات انسان کے لئے خوف نفع بخش ہے جیسے صحت و سلامتی کی حالت تاکہ انسان کسب کمال اور عمل صالح کی کوشش کرے۔ مگر بعض حالات میں رجا بہتر ہے جیسے موت کی علامتیں ظاہر ہونے کے بعد تاکہ انسان خدا سے ایسی حالت میں ملاقات کرے جو خدا کے نزدیک محبوب تر ہے۔[۲۷] مگر یہ قول سابق گفتگو اور حدیثوں کے مطابق نہیں ہے اس لئے کہ رجا محبوب بھی عمل و کسب آخرت پر ابھارنے والا ہے اور خوف لازم

Presented by www.ziaraat.com

ہمیشہ محبوب اور رجا دائمی کے منافی نہیں ہوا کرتا۔

بعض حضرات نے کہا ہے کہ خوف صرف دخولِ نار اور دخولِ دنیا کے لئے ہے بایں معنی کہ عبادات بجالانے کے لئے اور معاصی کو ترک کرنے کے لئے مفید ہے مگر دنیا سے نکلنے کے بعد اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے اور نہ آخرت کے فضائل نفسانیہ اور کمالات عقلیہ میں سے ہے۔

لیکن رجا کبھی منقطع ہونے والی چیز نہیں ہے یہ آخرت میں بھی باقی ہے کیونکہ بندہ رحمت حق سے جتنا زیادہ مستفید ہوگا فضلِ حق کے لئے اس کی طمع بڑھتی ہی رہے گی کیونکہ رحمت الٰہی کا خزانہ کبھی ختم ہونے والا نہیں ہے۔ پس (نتیجہ یہ نکلا کہ) خوف ختم ہونے والی چیز ہے اور رجا باقی رہنے والی چیز ہے۔[۲۸]

محدث محقق مجلسیؒ[۲۹] فرماتے ہیں: حق یہ ہے کہ بندہ جب تک دنیا میں رہتا ہے اس کے لئے خوف و رجا ضروری ہے لیکن امورِ آخرت کے مشاہدہ کے بعد کسی ایک کا دوسرے پر رجحان بہرحال پیدا ہو جاتا ہے۔[۳۰]

مولفِ کتاب فرماتے ہیں: عالمِ آخرت میں خوف و رجا کے غلبہ کے بارے میں علما نے جو کچھ فرمایا وہ رجا کے ذکر کردہ معنی کے مطابق نہیں ہے اور اگر بالفرض صحیح مان بھی لیا جائے تو اس کا تعلق متوسطین سے ہے جن کا خوف و رجا ثواب و عقاب کی بنا پر ہوتا ہے لیکن خواص اور اولیا کا حال اس کے ماسوا ہے۔ جس کا علما نے ذکر کیا ہے۔ کیونکہ عظمت و جلال اور تجلیِ اسما لطف و جمال کے مشاہدہ سے قلب میں جو خوف و رجا پیدا ہوتا ہے وہ امورِ آخرت کو دیکھنے کے بعد بھی زائل نہیں ہوتا اور نہ ایک دوسرے پر رجحان پیدا کرتا ہے۔

بلکہ آثارِ جلال و عظمت و تجلیاتِ جمال و لطف عالمِ آخرت میں زیادہ ہوتا ہے اور عظمتِ حق سے جو خوف لاحق ہوتا ہے وہ ایک روحانی لذت ہے جو آیۃ الکریمہ:

﴿أَلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللَّهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ﴾[۳۱]

"آگاہ ہو جاؤ اولیائے خدا کو حزن و خوف نہیں ہوتا" کے منافی نہیں ہے۔ اگر آپ غور کریں تو معلوم ہو جائے گا۔

اور قائل سے جو یہ نقل کیا گیا ہے کہ خوف فضائلِ نفسانیہ میں سے نہیں ہے

Presented by www.ziaraat.com

(تو یہ اشتباہ ہے) کیونکہ جو خوف جلال و عظمت الٰہی سے نہ ہو وہ فضائل نفسانیہ میں سے نہیں ہے اور یہ خوف تو کمال ہے ہاں جلال و عظمت الٰہی سے خوف کم لوگوں میں ہوتا ہے اور دوسرا زیادہ پایا جاتا ہے۔

«وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى جَمَالِهٖ وَجَلَالِهٖ وَالصَّلٰوةُ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّآلِهٖ»

www.ziaraat.com
Sabeel-e-Sakina

Presented by www.ziaraat.com

چودھویں حدیث کی توضیحات

۱۔ اصول کافی جلد ۲، ص ۶۷، "کتاب ایمان وکفر" باب خوف ورجا، حدیث ۱۔

۲۔ اسماعیل بن حماد جوہری (۳۳۲۔۳۹۳ یا ۳۹۸) اہل لغت اور عربوں کا پیشوا ہے۔ کلام واصول میں بھی متبحر تھا۔ ابو علی فارسی اور ابو سعید سیرافی سے شاگردی حاصل کی تھی۔ الصحاح اس کی مشہور ترین کتاب لغت میں ہے۔

۳۔ بحار جلد ۶۷، "کتاب ایمان وکفر" باب ۵۹ "احادیث ۲۸، ۳۶، ۴۶، ۷۱، ۷۲۔

۴۔ سورۂ اعراف/ ۹۹۔ یوسف/ ۸۷، سورۂ حجر/ ۵۶، سورۂ نحل/ ۵۶۔

۵۔ جو خیر تم کو پہنچتا ہے وہ خدا کی طرف سے ہے اور جو بدی پہونچتی ہے وہ تمہاری طرف سے ہوتی ہے۔ نساء/ ۷۹۔

۶۔ (اے رسول) کہہ دیجئے سب خدا کی طرف سے ہے۔ (سورۂ نساء/ ۷۸)

۷۔ یہ بیت حافظ کا ہے۔

۸۔ صحیفۂ سجادیہ کے بارہویں دعا میں ہے: اس لئے کہ تیرے تمام احسان تیری طرف سے تفضل ہیں کیونکہ تیری تمام نعمتیں بغیر کسی استحقاق کے ہیں اور صحیفۂ سجادیہ کے ۴۴ ویں دعا میں ہے: پس حمد تیرے لئے ہی ہے اس لئے کہ بڑی نعمتوں کا آغاز تو نے فرمایا، امام سجاد کی دعائے ابو حمزہ اور دوسری دعاؤں مثلاً دعائے افتتاح وغیرہ میں اس مضمون کو نظیر موجود ہے۔

۹۔ مرآۃ العقول جلد ۸، ص ۱۴۲، "کتاب ایمان وکفر" باب شکر۔

۱۰۔ تو اسی طرح ہے جس طرح تو نے اپنی تعریف کی ہے۔ رسول خدا کی وہ دعا جو سجدہ میں پڑھا کرتے تھے، فروع کافی جلد ۳ ص ۳۴۲، کتاب الصلوٰۃ، باب السجود بحدیث ۲۔ مصباح الشریعۃ، باب ۵، مرآۃ العقول جلد ۸، ص ۱۴۶، "کتاب ایمان وکفر" باب شکر۔

۱۱۔ یہ کلام خواجہ عبداللہ انصاری کی مناجات میں سے ہے کہ فرمایا: سب خاتمہ (وانجام) سے ڈرتے ہیں اور عبداللہ فاتحہ وابتدا سے۔

Presented by www.ziaraat.com

۱۲۔ ص ۱۰۰۔۱۰۴۔

۱۳۔ حدیث قدسی میں ہے: فرزند آدم میں نے تمام چیزوں کو تیرے لئے پیدا کیا ہے مگر تجھ کو اپنے لئے۔ علم الیقین جلد ۱ ص ۲۸۱، باب ۵ فصل ۲۔

۱۴۔ کیا اس قاصر زبان سے تیری تعریف کر سکتا ہوں! دعائے ابوحمزہ ثمالی، مصباح کفعمی، فصل ۵ ص ۵۴۱، مصباح المتہجد ص ۵۳۴۔

۱۵۔ اصول کافی، کتاب ایمان و کفر، مجلد ۲ ص ۷۱، باب حسن الظن باللہ، حدیث ۱۔

۱۶۔ امام صادقؑ نے فرمایا: جب قیامت کا دن ہوگا خدا اپنی رحمت کو نشر کرے گا، اتنا ہے کہ ابلیس بھی اس کی رحمت کی طمع کرے گا۔ بحار جلد ۷، ص ۲۸۷، کتاب عدل و معاد، باب ۱۲، حدیث ۱۔

۱۷۔ جیسا کہ روایت میں آیا ہے کہ: «فَمَا لَهَا عِنْدَ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ قَدْرٌ وَلَا وَزْنٌ، وَلَا خَلَقَ فِيمَا بَلَغَنَا خَلْقاً أَبْغَضَ إِلَيْهِ مِنْهَا، وَلَا نَظَرَ إِلَيْهَا مُذْ خَلَقَهَا.» خداوند عالم کے نزدیک دنیا کی نہ کوئی قدر ہے اور نہ اس کا کوئی وزن ہے۔ پروردگار عالم نے جن مخلوقات کو پیدا کیا ہے ان میں سے جیسا کہ ہم کو اطلاع ملی ہے دنیا سے زیادہ خدا کے نزدیک کوئی شئی مبغوض نہیں ہے اور خدا نے جب سے دنیا کو پیدا کیا ہے اس کی طرف نظر (رحمت) نہیں کی۔ بحار الانوار جلد ۷۰، ص ۱۱۰، کتاب ایمان و کفر، باب ۱۲۲۔ حدیث ۱۰۹۔

۱۸۔ سورۂ زمر آیت ۵۳۔

۱۹۔ یہ آیۂ شریفہ: «وَاكْتُبْ لَنَا فِي هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ إِنَّا هُدْنَا إِلَيْكَ قَالَ عَذَابِي أُصِيبُ بِهِ مَنْ أَشَاءُ وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ.» ہمارے لئے اس دنیا میں حسنہ مقدر فرما دے اور آخرت میں (بھی) ہم نے تیری طرف ہدایت حاصل کی ہے فرمایا میرا عذاب جس کو میں چاہوں گا اسی کو پہونچے گا (مگر) ہماری رحمت ہر چیز پر وسیع ہے، یہ اقتباس ہے (سورۂ اعراف آیت ۱۵۶)

۲۰۔ اصول کافی جلد ۲، ص ۶۸، کتاب ایمان و کفر، باب خوف و رجا حدیث ۵۔

۲۱۔ اصول کافی جلد ۲، ص ۷۱، کتاب ایمان و کفر، باب خوف و رجا حدیث ۱۱۔

۲۲۔ احیاء علوم الدین جلد ۴ ص ۱۲۹، کتاب خوف و رجا، بحث حقیقت رجا۔

۲۳۔ سورۂ بقرہ آیت ۲۱۸۔

۲۴۔ اصول کافی جلد ۲ ص ۷۱، کتاب ایمان و کفر، باب خوف و رجا حدیث ۱۲۔

۲۵۔ اصول کافی جلد ۲ ص ۷۱، کتاب ایمان و کفر، باب خوف و رجا حدیث ۱۳۔

۲۶۔ اصول کافی جلد ۲ ص ۷۰، کتاب ایمان و کفر باب خوف و رجا حدیث ۹

۲۷۔ احیاء علوم الدین جلد ۴ ص ۲۱۳، کتاب خوف و رجا، اسرار الصلوٰۃ (ملکی تبریزی) ص ۱۴۳، ۱۴۴۔

۲۸۔ مرآۃ العقول جلد ۸ ص ۲۲، کتاب ایمان و کفر، باب خوف و رجا، حدیث ۱، مجلسیؒ نے اس کلام کو بعض سے نقل کیا ہے۔

۲۹۔ حدیث ۱۔ توضیح ۱۴۔

۳۰۔ مرآۃ العقول جلد ۸ ص ۲۲، کتاب ایمان و کفر، باب خوف و رجا، حدیث ۱۔

۳۱۔ یہ جان لو کہ دوستانِ خدا کے لئے نہ کوئی خوف ہے نہ غم ہے۔ سورۂ یونس آیت ۶۲۔

Presented by www.ziaraat.com

پندرہویں حدیث

بِسَنَدِنَا الْمُتَّصِلِ إِلَى سُلْطَانِ الْمُحَدِّثِينَ، مُحَمَّدِ بْنِ يَعْقُوبَ الْكُلَيْنِيِّ رِضْوَانُ اللّٰهِ عَلَيْهِ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنِ ابْنِ مَحْبُوبٍ، عَنْ سَمَاعَةَ، عَنْ أَبِي عَبْدِاللّٰهِ، عَلَيْهِ السَّلَامُ، قَالَ: إِنَّ فِي كِتَابِ عَلِيٍّ، عَلَيْهِ السَّلَامُ: أَنَّ أَشَدَّ النَّاسِ بَلَاءً النَّبِيُّونَ، ثُمَّ الْوَصِيُّونَ، ثُمَّ الْأَمْثَلُ فَالْأَمْثَلُ. وَإِنَّمَا يُبْتَلَى الْمُؤْمِنُ عَلَى قَدْرِ أَعْمَالِهِ الْحَسَنَةِ؛ فَمَنْ صَحَّ دِينُهُ وَحَسُنَ عَمَلُهُ، اشْتَدَّ بَلَاؤُهُ. وَذٰلِكَ أَنَّ اللّٰهَ تَعَالَى لَمْ يَجْعَلِ الدُّنْيَا ثَوَاباً لِمُؤْمِنٍ وَلَا عُقُوبَةً لِكَافِرٍ. وَمَنْ سَخُفَ دِينُهُ وَضَعُفَ عَقْلُهُ قَلَّ بَلَاؤُهُ. وَإِنَّ الْبَلَاءَ أَسْرَعُ إِلَى الْمُؤْمِنِ التَّقِيِّ مِنَ الْمَطَرِ إِلَى قَرَارِ الْأَرْضِ.[1]

ترجمہ: سماعہ نے حضرت صادق علیہ السلام سے نقل کیا ہے کہ حضرت صادقؑ نے فرمایا: کتاب حضرت علیؑ میں ہے: لوگوں میں سب سے زیادہ سخت امتحان انبیا کا لیا جاتا ہے۔ اس کے بعد اوصیا کا، اس کے بعد جو نیک لوگ ہوں پھر جو ان کے بعد نیک ہوں۔ مومن اپنے اچھے

اعمال کے مطابق مبتلائے امتحان ہوتا ہے۔ پس جس کا دین صحیح ہو اور عمل اچھا ہو اس پر سخت بلا نازل ہوگی یعنی امتحان سخت ہوگا کیونکہ خدا نے مومن کے لئے دنیا کو ثواب اور کافر کے لئے عقوبت نہیں قرار دیا ہے اور جس کا دین اچھا نہ ہوگا اور اس کی عقل کم ہوگی اس پر بلا بھی کم نازل ہوگی۔ مومن متقی پر بلا اتنی تیزی سے آتی ہے جتنی تیزی سے بارش کا پانی نشیبی زمین تک نہیں پہونچتا۔

شرح: بعض نے فرمایا ہے کہ اس جیسی حدیث میں (ناس) سے مراد کامل حضرات ہیں جیسے انبیاء اوصیاء اولیاء در حقیقت یہی حضرات ناس ہیں اور ان کے علاوہ تمام لوگ (نساس) ہیں جیسا کہ حدیثوں میں ہے۔ [۲] مگر یہ بات غیر معقول ہے۔ بلکہ یہاں پر مناسب یہی ہے کہ تمام لوگوں کو مراد لیا جائے اور اس کی وجہ بھی واضح ہے۔ کافی میں اس باب کے اندر جو حدیثیں ہیں ان سے بھی یہی استفادہ ہوتا ہے اور اگر کسی حدیث میں آیا ہو کہ ناس سے کاملین مراد ہیں تو یہ صرف اسی جگہ کے لئے ہے نہ یہ کہ جہاں بھی یہ لفظ آئے وہاں کاملین مراد ہوں۔

(بلا) کے معنیٰ امتحان و اختبار کے ہیں اور یہ نیک و بد دونوں میں استعمال ہوتا ہے۔ جیسا کہ اہل لغت نے تصریح کی ہے۔ چنانچہ جوہری [۳] نے صحاح میں کہا ہے:

«وَالْبَلَاءُ الْإِخْتِبَارُ يَكُونُ بِالْخَيْرِ وَالشَّرِّ. يُقَالُ: اَبْلَاهُ اللّٰهُ بَلَاءً حَسَناً وَابْتَلَيْهُ مَعْرُوفاً.» بلا کے معنیٰ اختبار کے ہیں جو خیر و شر دونوں کے ساتھ ہوتا ہے پھر مثال بیان کی ہے۔

خداوند عالم کا ارشاد ہے: بلاء حسناً [۴] مختصر یہ ہے کہ جس چیز (مصیبت ہو یا کچھ اور) سے خدا اپنے بندے کا امتحان لے اس کو بلا اور ابتلا کہتے ہیں چاہے وہ از قبیل بیماری ہو یا فقر و فاقہ ہو یا ذلت و رسوائی ہو دنیا کا مٹ جانا ہو یا ان کے مقابل کی چیزیں ہوں۔ اس لئے کہ بسا اوقات انسان کا امتحان کثرت جاہ و اقتدار، کثرت مال و منال، ریاست و عزت و عظمت سے بھی ہوتا ہے لیکن جب بھی بلا یا بلیہ یا ابتلا یا اس قسم کے الفاظ کا مطلق ذکر ہو تو اس سے قسم اول مراد ہوا کرتی ہے۔

«اَمْثَل» کے معنیٰ اشرف و افضل کے ہیں۔ کہا جاتا ہے:

«يُقَالُ: هٰذَا أَمْثَلُ مِنْ هٰذَا. أَيْ، أَفْضَلُ وَأَدْنَى إِلَى الْخَيْرِ وَأَمَاثِلُ النَّاسِ، خِيَارُهُمْ.» یہ اس سے افضل ہے اور خیر سے قریب ہے۔ «اماثل الناس» کا مطلب ہر وہ شخص جو اوصیا کے بعد افضل و نیک ہے اس کی بلا بھی دوسروں سے زیادہ سخت ہے اور جو شخص ان کے بعد افضل ہے اس کی بلا دوسروں سے زیادہ سخت ہے اور کثرت ابتلا کے درجات فضل کے درجات

Presented by www.ziaraat.com

کے حساب سے ہیں اور اس قسم کی تعبیر فارسی میں نہیں ہے۔

اور "تخفف" رقت و خفت عقل کے معنی میں ہے جیسا کہ صحاح وغیرہ میں ہے۔

"قرار" کے معنی مستقر و جگہ کے ہیں جیسا کہ لغت سے پتہ چلتا ہے۔ (چنانچہ) قاموس میں ہے: "القرار و القرارۃ ما قر فیہ، والمطمئن من الارض۔" اس میں وجہ مناسبت تشبیہ یہ ہے کہ جس طرح بارش کے لئے زمین مستقر اور قرارگاہ ہے کہ بارش اس پر برستی ہے اور اسی پر ٹھہرتی ہے اسی طرح مومن مصیبتوں کی قرارگاہ ہے کہ اس پر مصائب پڑتے ہیں اور ٹھہر جاتے ہیں اس سے جدا نہیں ہوتے۔

انشاء اللہ اس حدیث شریف میں جن چیزوں کا ذکر ضروری ہے اس کو چند فصلوں میں بیان کروں گا۔

پہلی فصل

امتحان اور اس کے نتیجہ کا بیان
اور خدا کی طرف امتحان کی نسبت کیونکر ہے؟

یہ بات جان لینی چاہیئے کہ انسانی نفوس کے تمام ادراکات و فعلیات شروع میں اور جب اس کا تعلق بدنوں سے ہوتا ہے اور عالم ملک کی طرف ہبوط کرتے ہیں تو تمام علوم و معارف میں اور اچھے برے ملکہ میں بالقوۃ ہوتا ہے۔ پھر رفتہ رفتہ پروردگار عالم کی عنایت سے فعلیت کی طرف آنے لگتے ہیں اور شروع میں اس کے اندر بہت ہی کمزور و جزئی ادراکات پیدا ہوتے ہیں جیسے احساس لمس اور دوسرے ظاہری حواس لیکن پہلے پست پھر اس سے بھی پست قسم کے حواس سے ابتدا ہوتی ہے۔ اس کے بعد باطنی ادراکات بھی ترتیب وار اس میں پیدا ہوتے ہیں۔ لیکن یہ سب ملکات بالقوۃ ہی ہوتے ہیں اور اگر یہ کسی (معقول چیز) کے زیر اثر نہ ہوئے تو اپنی نوع کے اعتبار سے ملکات خبیثہ اس کے اندر غالب ہو جاتے ہیں اور یہ برائی کی طرف مائل ہو جاتے ہیں کیونکہ داخلی اسباب، مثلاً شہوت، غضب وغیرہ فطری طور سے اس کو ظلم و تعدی اور فسق و فجور کی دعوت دیتے ہیں اور پھر انسان تھوڑے ہی دنوں ان خواہشات کی پیروی کرنے کے بعد عجیب قسم کا حیوان

Presented by www.ziaraat.com

اور غریب قسم کا شیطان بن جاتا ہے۔

مگر چونکہ عنایت و رحمت خداوند عالم بنی آدم کے لئے روز ازل سے رہی تھی اس لئے اس نے دو قسم کے مربی اور تہذیب سکھانے والے انسان کے لئے عطا فرمائے اور یہ دونوں چیزیں انسان کے لئے تقدیر کامل کے ساتھ بمنزلہ دو بال و پر کے ہیں کہ اگر انسان چاہے تو ان کے ذریعے جہالت و نقص و برائی و شقاوت کی پستی سے نکل کر علم و معرفت و کمال و جمال و سعادت کی بلندی تک پہونچ جائے اور اپنے کو فطرت کی تنگنائے ضیق سے نکال کر ملکوت کے اعلیٰ اور وسیع فضا تک پہونچا دے اور ان دونوں مربیوں میں سے ایک مربی باطنی ہے جس کو قوت عقل و تمیز کہا جاتا ہے اور دوسرا مربی خارجی ہے جس کو نبی و رسول کہا جاتا ہے جو سعادت و شقاوت کے راستوں کی رہنمائی کرتے ہیں اور یہ دونوں ایک دوسرے کے بجائے اس مقصد کو انجام نہیں دے سکتے۔ کیونکہ انسانی عقل خود سعادت و شقاوت کے راستوں کو تلاش نہیں کر سکتی اور عالم غیب و آخرت کا راستہ نہیں پیدا کر سکتی (اسی طرح) قوت تمیز اور عقل ادراک کے بغیر انبیا کی ہدایت مؤثر نہیں ہوا کرتی۔ لہٰذا خداوند عالم نے دونوں قسم کے (خارجی و داخلی) مربی مرحمت فرما کر نفوس کے اندر چھپی ہوئی مخزون قوتوں اور استعداد کو فعلیت بخشی اور ان عظیم نعمتوں کو حق تعالیٰ نے انسان کے امتحان و اختبار کے لئے عطا فرمایا۔ اس لئے کہ نوع بشر کے افراد انھیں دونوں قوتوں سے ایک دوسرے سے ممتاز ہوتے ہیں اور شقی و سعید، مطیع و عاصی، کامل و ناقص ایک دوسرے سے جدا ہوتے ہیں جیسا کہ مولائے کائنات فرماتے ہیں:

«وَالَّذِي بَعَثَهُ بِالْحَقِّ لَتُبَلْبَلُنَّ بَلْبَلَةً وَلَتُغَرْبَلُنَّ غَرْبَلَةً.» [7]

کافی شریف میں باب تمحیص و امتحان کے اندر ابن ابی یعفور کی حضرت امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے: «لاَ بُدَّ لِلنَّاسِ مِنْ أَنْ يُمَحَّصُوا وَيُمَيَّزُوا وَيُغَرْبَلُوا وَيُسْتَخْرَجَ فِي الْغَرْبَالِ خَلْقٌ كَثِيرٌ.» [8] حضرت نے فرمایا، لوگوں کا خالص ہونا اور ان کا امتحان لیا جانا اور بہت سے لوگوں کا چھلنی سے چھان کر صاف کیا جانا اور تمیز دیا جانا ضروری ہے۔

«وَبِإِسْنَادِهِ عَنْ مَنْصُورٍ، قَالَ قَالَ لِي أَبُو عَبْدِ اللّٰهِ، عَلَيْهِ السَّلَامُ: يَا مَنْصُورُ إِنَّ هٰذَا الْأَمْرَ لاَ يَأْتِيكُمْ إِلاَّ بَعْدَ إِيَاسٍ وَلاَ وَاللّٰهِ حَتّٰى تُمَيَّزُوا وَلاَ وَاللّٰهِ حَتّٰى تُمَحَّصُوا، وَلاَ وَاللّٰهِ حَتّٰى يَشْقٰى مَنْ يَشْقٰى وَيَسْعَدَ مَنْ يَسْعَدُ.»

Presented by www.ziaraat.com

اور باسناد خود منصور سے منقول ہے کہ منصور نے کہا مجھ سے امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: اے منصور یہ امر بہت مایوس کے بعد آئے گا نہیں خدا کی قسم یہاں تک کہ تم لوگوں کو ایک دوسرے سے تمیز دیدی جائے نہیں خدا کی قسم یہاں تک کہ تم لوگ خالص ہو جاؤ نہ خدا کی قسم یہاں تک کہ شقی ہونے والا شقی اور سعید ہونے والا سعید ہو جائے۔"

ایک دوسری حدیث میں حضرت امام ابوالحسنؑ سے منقول ہے کہ حضرتؑ نے فرمایا: "تُخَلَّصُونَ كَمَا يُخَلَّصُ الذَّهَبُ" یہاں تک کہ تم لوگ اسی طرح خالص ہو جاؤ جیسے سونا خالص ہو جاتا ہے۔"

کافی شریف کے اندر "باب ابتلاء واختبار" کے اندر حضرت امام صادقؑ تک سند روایت پہونچی ہے اس میں ہے:

"ما مِنْ قَبْضٍ وَلَا بَسْطٍ إِلَّا وَلِلَّهِ فِيهِ مَشِيَّةٌ وَقَضَاءٌ وَابْتِلَاءٌ۔"[۱]

"کوئی بھی قبض و بسط (وجود میں) نہیں آتا جب تک اس کے بارے میں قضاء ابتلاء مشیت الٰہی (متعلق) نہ ہو جائے۔"

حضرت سے ایک دوسری حدیث میں منقول ہے:

"إِنَّهُ لَيْسَ شَيْءٌ فِيهِ قَبْضٌ أَوْ بَسْطٌ مِمَّا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَوْ نَهَى عَنْهُ إِلَّا وَفِيهِ لِلَّهِ عَزَّ وَجَلَّ ابْتِلَاءٌ وَقَضَاءٌ۔"[۲]

"اوامر و نواہی پروردگار میں قبض و بسط اسی وقت ہوتا ہے جب اس سے قضاء و ابتلائے الٰہی (متعلق) ہو جائے۔"

قبض کے معنی لغت میں روکنا، منع کرنا اور لینے کے ہیں اور بسط کے معنی نشر و عطا کے ہیں۔ ابتلا کے معنی امتحان کے ہیں یعنی ہر عطا، وسعت، ممانعت جو امر و نہی میں ہوتی ہے اور ہر تکلیف یہ سب امتحان کے لئے ہوتی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ بعثت انبیا اور آسمانی کتابوں کا بھیجنا (ایک تو) انسان کو امتیاز عطا کرنے کے لئے ہے اور (دوسرے) شقی و سعید، نافرمان و فرمان بردار کو ایک دوسرے سے جدا کرنے کے لئے ہے اور خدا کے اعتبار و امتحان لینے کا مطلب یہی ہے کہ انسان میں ایک دوسرے کے اندر تمیز پیدا ہو جائے۔ نہ یہ کہ خدا کو امتیاز کا علم حاصل ہو جائے۔ اس لئے کہ خدا

Presented by www.ziaraat.com

کا علم تو محیط بر تمام اشیاء ہے اور ازلی ہے اور چیزوں کے ایجاد سے پہلے ہے۔ البتہ حکمائے ابتلا و امتحان کے سلسلہ میں کافی بسط و تفصیل سے بحث کی ہے جس کا ذکر یہاں (اعتدال) سے خارج ہے۔

بس مطلقاً امتحان کے یہی دو بڑے نتیجے ہیں (یعنی) شقی و سعید میں امتیاز اس امتحان و اختبار سے بھی خدا کی حجت تمام مخلوق پر تمام ہو جاتی ہے اور ہر شخص کی ہلاکت و شقاوت، سعادت و حیات حجت و دلیل کے ماتحت ہوتی ہے اور پھر اعتراض کا راستہ ختم ہو جاتا ہے۔

(ب) جو شخص سعادت و حیات جاویدان حاصل کرلے وہ ہدایت پر ہے اور توفیق الٰہی اس کے شامل حال ہے کیونکہ تمام اسباب تحصیل (سعادت) اس کو مرحمت فرما دیئے گئے اور جو شخص تمام ہدایت کے راستوں کے فراہم اور اسباب سعادت کے اکٹھا ہونے کے بعد شقاوت و (اسباب) ہلاکت حاصل کرے اور نفس و شیطان کی پیروی کرے۔ وہ خود سے ہلاک ہوا اور شقاوت و بدبختی میں ڈوب گیا۔ خدا کی حجت بالغہ اس پر تمام ہے۔

"لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ" ۳۴

دوسری فصل

انبیاء اوصیاء مومنین کے شدید ابتلا کی وجہ

اس سے پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ انسان جو کام کرتا ہے بلکہ ملک بدن میں جو بھی ہوتا ہے اور وہ نفس کے ادراک سے متعلق ہو خواہ وہ اچھا کام ہو یا برا اس کا نفس پر ایک اثر مرتب ہوتا ہے جس کی تعبیر روایات میں "سفید نکتہ" اور "سیاہ نکتہ" سے کی گئی ہے ۱۵ (اثر بہرحال مرتب ہوتا ہے) اچھا ہے وہ چیز لذت والی ہو یا الم والی ہو مثلاً کھانے پینے، نکاح وغیرہ سے انسان کو جو لذت حاصل ہوتی ہے اس سے نفس کے اندر ایک اثر پیدا ہوتا ہے اور باطن روح میں اس چیز کے لئے ایک علاقہ و محبت پیدا ہو جاتی ہے اور نفس کی توجہ اس کی طرف زیادہ ہوتی ہے۔ اب انسان لذتوں اور خواہشوں میں جتنا غوطہ زن ہوگا نفس کی محبت اس دنیا سے زیادہ ہوگی اور اعتماد و بھروسہ بڑھے گا اور نفس کی تربیت علاقہ دنیا سے

Presented by www.ziaraat.com

بہت زیادہ ہو جائے گی اور (گویا) اس میں ریاض کرنے لگے گا اور دنیا پر اس کا اطمینان بہت سے اور بڑھ جائے گا۔ اب جتنی زیادہ اس کے ذائقہ کی لذت ہوگی اتنی ہی محبت کی جڑیں اور مضبوط ہوں گی۔ اسباب عیش و عشرت، آرام اور راحت جتنے زیادہ فراہم ہوں گے علاقۂ دنیا، دنیا کا درخت اتنا ہی تنومند ہوگا اور نفس کی توجہ جتنی دنیا کی طرف ہوگی اسی مقدار سے وہ حق اور عالم آخرت سے غافل ہوگا چنانچہ اگر نفس کی پوری توجہ دنیا کی طرف ہوگی اور اس کا مقصد مادی و دنیاوی ہو جائے گا تو وہ حق تعالیٰ اور دار کرامت سے بکلی اپنی توجہ سلب کرے گا:

﴿ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ ﴾ ۱۶ خلود فی الارض اور خواہش نفس کا پیرو ہو جائے گا:

لہٰذا لذتوں اور خواہشوں کے سمندر میں ڈوبنا قہری طور سے محبت دنیا پیدا کرتا ہے اور دنیا کی محبت دوسری چیزوں سے نفرت کا باعث بن جاتی ہے اور ملک کی طرف توجہ ملکوت سے غفلت پیدا کر دیتی ہے۔ چنانچہ اس کے برعکس کسی چیز سے برائی دیکھتا ہے اور ناپسندیدگی کا احساس کرتا ہے تو اس ادراک کی صورت نفس کے اندر ایک نفرت پیدا کر دیتی ہے اب وہ صورت جتنی قوی ہوگی باطنی نفرت بھی اس قدر شدید ہوگی مثلاً اگر کوئی ایسے شہر میں چلا جائے جہاں مرض وبائی کی اس پر بھرمار ہو، خارجی اور داخلی ناپسندیدہ چیز سے بکثرت اس کا سابقہ رہا ہو تو وہ فطری طور سے اس جگہ سے نفرت کرے گا اور وہاں نہ جائے گا۔ اب مصائب جتنے زیادہ پڑے ہوں گے نفرت و انصراف اتنا ہی زیادہ ہوگا۔ اب اگر اس کو کسی اچھے شہر کا پتہ ہوگا تو وہاں کوچ کر جائے گا اور اگر وہاں نہ جا سکتا ہوگا تو (کم سے کم) اس جگہ سے دل لگانا ضرور ہوگا اور اس کا دل وہیں لگا رہے گا۔

اس طرح اگر انسان نے اس دنیا میں مصیبت و تکلیف، بیماری و گرفتاری برداشت کی ہے، فتنوں، مشقتوں سے برابر پالا پڑتا رہا تو فطرتاً اس سے متنفر ہو جائے گا اور اس سے وابستگی بھی کم ہو جائے گی اس پر بھروسہ کم رکھے گا۔ (اسی کے ساتھ) اگر دوسرے عالم کا عقیدہ رکھتا ہوگا اور ایسی وسیع فضا کا سراغ رکھتا ہوگا جو ہر تکلیف و الم سے خالی ہو تو قہری طور سے وہاں کا سفر کرے گا اور اگر جسمانی سفر نہ کر سکا تو روحانی سفر کرے گا اور وہاں سے دل لگا بیٹھے گا اور یہ بات بہت ہی واضح ہے (اور سب ہی کو معلوم ہے) کہ تمام اعمال، اخلاق، روحانی خرابیاں دنیا کی محبت اور آخرت و خدا سے غفلت کی بنا پر پیدا ہوتی ہیں۔ دنیا کی

Presented by www.ziaraat.com

محبت بر خطا کی بنیاد ہے۔" (اس لئے) تمام روحانی، اخلاقی، عملی اصلاح خدا اور دار کرامت کی طرف توجہ اور دنیا سے بے علاقہ اور اس کی زیبائش پر بھروسہ نہ کرنے پر (موقوف) ہے۔

اس مقدمہ سے یہ معلوم ہو گیا کہ خدا کا لطف اور اس کی عنایت جس پر زیادہ ہوتی ہے اس ذات مقدس کا رحم جس کے شامل حال ہوتا ہے، وہی اس دنیا اور اس کی زیبائش سے پرہیز کرتا ہے اور فتنے و بلائیں بھی اسی شخص پر زیادہ نازل ہوتی ہیں تاکہ اس کی روح اس دنیا اور اس کی زیبائش سے نفرت کرنے لگے اور اپنے ایمان کے مطابق آخرت کی طرف متوجہ ہو اور اس کا دل بھی ادھر ہی متوجہ ہو جائے۔ شدت ابتلا کے لئے اگر اس کے علاوہ کوئی اور وجہ نہ ہوتی جب بھی یہ کافی تھی۔ حدیثوں میں بھی اس کی طرف اشارہ موجود ہے۔

چنانچہ کافی میں امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ:

"مُحَمَّدُ بْنُ يَعْقُوبَ بِإِسْنَادِهِ عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ، عَلَيْهِ السَّلَامُ، قَالَ إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى لَيَتَعَاهَدُ الْمُؤْمِنَ بِالْبَلَاءِ كَمَا يَتَعَاهَدُ الرَّجُلُ أَهْلَهُ بِالْهَدِيَّةِ مِنَ الْغَيْبَةِ، وَيَحْمِيهِ الدُّنْيَا كَمَا يَحْمِي الطَّبِيبُ الْمَرِيضَ۔" ۱۸

"خدا اپنے بندۂ مومن کو بلاؤں کا تحفہ اس طرح پیش کرتا ہے جس طرح اپنے سفر سے پلٹ کر آنے والا اپنے (اہل) و عیال کے لئے ہدیہ پیش کرتا ہے اور دنیا سے اس کو اس طرح پرہیز کرتا ہے جس طرح طبیب اپنے مریض کو پرہیز کراتا ہے۔"

دوسری حدیث میں بھی یہی مضمون آیا ہے۔ ۱۹ کسی کو یہ گمان نہ کرنا چاہئے کہ خدا کی اپنے بعض بندوں سے محبت نعوذ باللہ جزاف اور بلا وجہ ہوا کرتی ہے۔ بلکہ مومن و بندۂ خدا جو قدم بھی خدا کے لئے اٹھاتا ہے خدا کی عنایت اس کی طرف ہوتی ہے اور خدا اس سے ایک ذراع قریب ہو جاتا ہے۔ ۲۰

ایمان کے مراتب اور اسباب توفیق کے جیتا ہونے کی مثال اس انسان کی طرح ہے جو تاریک راستے میں چراغ لے کر چلتا ہو۔ وہ جو قدم بھی اٹھائے گا اس کا اگلا حصہ روشن ہو جائے گا اور وہ دوسرے قدم کے لئے رہنما ہو گا۔ (اسی طرح) انسان آخرت کے لئے جو قدم اٹھائے گا اس کا راستہ روشن ہو جائے گا پروردگار کی عنایت اس کے لئے زیادہ ہو گی عالم قرب کے اسباب اور عالم بُعد سے نفرت پیدا ہوتی جائے گی۔ چونکہ زمان تکلیف انبیاء و اولیاء کی ملاقات

Presented by www.ziaraat.com

کا علم خدا کو ازل سے ہی تھا اس لئے ان حضرات کے ساتھ خدا کی ازل سے عنایتیں بھی تھیں جیسے اگر آپ کے دو بچے ہوں اور آپ کو ان کے بچپن ہی میں معلوم ہو جائے کہ ایک ہمیشہ ایسا کام کرے گا جو آپ کی خوشنودگی کا سبب ہوگا اور دوسرا ہمیشہ ایسے امور انجام دے گا جو آپ کی ناراضگی کا سبب ہوں گے تو فطری طور سے آپ کی عنایت (توجہ) مطیع لڑکے کی طرف زیادہ رہے گی۔

خدا کے خاص بندوں کا مبتلائے مصیبت ہونے کی ایک دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ جب یہ حضرات پریشانیوں اور گرفتاریوں میں ہوتے ہیں تو بارگاہ اقدس الٰہی میں تضرع وزاری اور مناجات کرتے ہیں اس طرح ذکر و فکر سے مانوس ہو جاتے ہیں اور انسانی فطرت کے اندر یہ بات ہے کہ مصیبتوں کے وقت ہر اس چیز سے وابستگی کی کوشش کرتا ہے جس سے نجات کا احتمال ہو۔ (حالانکہ) سلامتی اور راحت کے وقت اس سے غافل رہتا ہے اور چونکہ خاصان خدا پروردگار کے علاوہ کسی اور کو نہیں جانتے لہٰذا اسی کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور دنیا سے قطع تعلق کر کے صرف اسی سے وابستگی پیدا کرتے ہیں اور خدا بھی ان لوگوں پر عنایت کرتا ہے اور انقطاع عن الخلق کے اسباب پیدا کر دیتا ہے۔ اگرچہ یہ وجہ اور اس سے پہلے والی وجہ (دونوں) انبیا اور کامل اولیا کے سلسلہ میں درست نہیں ہے کیونکہ ان حضرات کا مرتبہ اس سے کہیں بلند ہے اور ان کے قلوب ایسے نہیں ہیں کہ ان امور کے ذریعہ دنیا سے علاقہ و تعلق پیدا کریں یا ان امور کی وجہ سے ان کی توجہ یا انقطاع میں کوئی فرق پڑ سکتا ہو۔

یہ بھی ممکن ہے کہ انبیا اور کامل اولیا اپنے باطنی نور اور روحانی مکاشفات کی بنا پر کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ خدا دنیا و زیبائش دنیا کی طرف نظر لطف نہیں رکھتا اور دنیا و ما فیہا خدا کی نظر میں پست و ذلیل ہے اس بنا پر ان حضرات نے فقر کو غنا پر اور ابتلا کو راحت پر اور بلیات کو دوسری چیزوں پر مقدم کیا ہے اور احادیث شریفہ میں اس کا شاہد بھی ہے۔[۲۱]

چنانچہ حدیث میں ہے۔ جبرئیلؑ زمین کے خزانوں کی کنجیاں لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر بولے، اگر آپؐ ان کو قبول کر لیں تو آپؐ کے آخروی درجات میں کوئی کمی نہیں ہوگی مگر رسول اکرمؐ نے تواضع خدا کے لئے قبول نہ فرمایا اور فقر کو اختیار فرمایا۔[۲۲]

کافی میں حدیث کی سند امام جعفر صادق علیہ السلام تک پہونچائی کہ جس میں امام صادقؑ سے منقول ہے کہ حضرتؑ نے فرمایا:

«قالَ إنَّ الكافِرَ لَيَهُونُ عَلَى اللهِ حَتّى لَوْ سَألَهُ الدُّنيا بِما فِيها أعْطاهُ ذلِكَ..»[۲۳]

Presented by www.ziaraat.com

"کافر خدا کی نظر میں ناچیز ہے یہاں تک کہ اگر وہ دنیا و مافیہا کا سوال کرے تو خدا اس کو دیدے گا" اور یہ صرف خدا کی نظر میں دنیا کی بے وقعتی کی وجہ سے ہے۔ ایک حدیث میں ہے:

"خدا نے جب سے عالم اجسام کو پیدا کیا ہے اس کی طرف کبھی نظر لطف نہیں فرمایا"[۲۴]

مومنین کے شدت ابتلا کی وجہ وہ بھی ہے جس کا ذکر روایات میں ہے کہ مومنین کے لئے درجات ہیں اور جب تک وہ بلاؤں اور آلام و امراض میں مبتلا نہ ہوں گے ان درجات کو حاصل نہ کر سکیں گے۔[۲۵]

اب ہو سکتا ہے کہ یہ درجات دنیا سے اعراض کی صورت میں اور خدا کی طرف توجہ کی صورت میں حاصل ہوں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان بلاؤں کی ایک ملکوتی صورت ہو کہ جب تک عالم ملک میں اس کا ظہور نہ ہو اور مومن اس میں مبتلا نہ ہو اس کو حاصل نہ کر سکتا ہو۔ جیسا کہ کافی میں حدیث کی سند حضرت صادقؑ تک پہونچائی کہ جس میں امام صادقؑ سے منقول ہے:

"قال إنّه ليكون للعبد منزلة عند الله، فما يبلغها إلا بإحدى الخصلتين: إما بذهاب ماله، أو ببلية في جسده۔"[۲۶]

"خدا کے پاس بندے کی منزلت ہوتی ہے جس کو وہ دو صورتوں میں سے کسی ایک صورت سے حاصل کر سکتا ہے۔ ۱: اس کا مال چلا جائے۔ ۲: اس کے جسم پر کوئی مصیبت نازل ہو جائے۔"

امام حسینؑ کی خبر شہادت کے سلسلہ میں آیا ہے کہ آپ نے رسولؐ خدا کو خواب میں دیکھا کہ رسولؐ خدا نے مظلوم امام سے فرمایا: "تمہارے لئے بہشت میں ایک درجہ ہے جس تک رسائی صرف شہادت ہی کے ذریعہ ہو سکتی ہے۔"[۲۷]

البتہ رہو خدا میں شہادت کی ملکوتی صورت اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتی جب تک وہ ملک میں واقع نہ ہو جائے۔ جیسا کہ علوم عالیہ میں مبرہن ہے اور احادیث متواترہ میں ہے کہ ہر عمل کی دوسرے عالم میں ایک صورت ہے۔[۲۸]

کافی میں حضرت صادقؑ سے منقول ہے: "قال إنّ عظيم الأجر لمع عظيم البلاء، وما أحب الله قوماً إلا ابتلاهم۔"[۲۹] "عظیم اجر عظیم بلا سے وابستہ ہے خدا کسی

Presented by www.ziaraat.com

قوم کو اس وقت تک دوست نہیں رکھتا جب تک اس کو مبتلا نہ کر دے۔" اس مضمون کی حدیثیں بہت ہیں۔

تیسری فصل

علامہ مجلسی[۱۳۰] فرماتے ہیں: ان حدیثوں میں یعنی سُنّی و شیعہ طریقے سے وارد ہوئی وہ حدیثیں جن میں انبیاء کے ابتلا کا ذکر ہے جو بات بیان کی گئی ہے اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ جسمانی امراض اور جسمانی بیماریوں میں انبیاء و اوصیا بھی دوسرے لوگوں کی طرح ہیں بلکہ یہ حضرات اجر عظیم و تفاوت درجات کی وجہ سے دوسروں پر اولویت رکھتے ہیں مگر ان کی بیماریوں یا بلاؤں میں مبتلا ہونا ان کے عظمت مقام کے منافی نہیں ہے بلکہ یہ تو ان کے تثبیت امر کا سبب بنتا ہے۔ بلکہ ان سے صادر ہونے والے معجزات اور خارق عادت امور کے ظہور کی وجہ سے اگر ان کو بلاؤں میں مبتلا نہ کیا جائے تو لوگ ان کے بارے میں وہی سب کچھ کہنے لگیں جو عیسائی اپنے پیغمبرؑ کے بارے میں کہتے ہیں اور یہ علت خود روایات میں آئی ہے انتہیٰ۔[۱۳۱]

اور محقق مدقق طوسی، حکیم عظیم قدوسی[۱۳۲] عطر اللہ مرقدہ انبیا کو کن چیزوں سے مُبرا ہونا چاہیے اس کے ضمن میں اپنی کتاب تجرید کے اندر فرماتے ہیں: جن چیزوں سے لوگوں کو نفرت ہو (انبیا کو اس سے بری ہونا چاہیے) علمائے اسلام کے علامہ[۱۳۳] (جن کو علامہ حلی کہا جاتا ہے) اس کی شرح میں فرماتے ہیں: (انبیا کو) نفرت آور امراض مثلاً سلس (البول والغائط) جذام، برص سے اس لئے منزہ ہونا چاہیے کہ ان امراض سے لوگوں کو نفرت پیدا ہوتی ہے جو غرض بعثت کے مخالف ہے۔[۱۳۴]

مؤلف کہتا ہے: اگرچہ مقام نبوت روحانی مدارج اور نفسانی کمالات کے تابع ہوتا ہے جسم و جسمانیت سے اس کا کوئی ربط نہیں ہوتا اور جسمانی امراض اور جسمانی نقص سے روحانی کمالات میں کوئی کمی نہیں پیدا ہوتی اور نفرت آور بیماریاں انبیاء کے مرتبہ و عظمت کو گھٹا نہیں سکتیں۔ اگر اُن کو اُن کے مؤید درجات نہ بھی مانا جائے اور مؤکد کمالات نہ بھی تسلیم کیا جائے تب بھی ان بیماریوں سے ان کے مرتبے میں کوئی کمی نہیں ہوتی جیسا کہ اس سے پہلے اشارہ کیا گیا۔ (اس لئے نفرت آور امراض سے بری ہونا ضروری نہیں ہے) مگر دونوں محقق نے جو بات کہی ہے وہ بھی

Presented by www.ziaraat.com

خالی از وجہ نہیں ہے۔ اس لئے کہ عوام الناس مقامات کے درمیان تمیز نہیں دے پاتے وہ یہ سمجھتے ہیں کہ جسمانی نقص روحانی نقص کی وجہ سے ہوتا ہے یا (کم از کم) جسمانی نقص روحانی نقص کے ساتھ ہر حال ہوتا ہے بلکہ بعض نقائص کو علوِ مرتبہ اور رفعتِ شان کے منافی سمجھتے ہیں۔ اس لئے عنایت پروردگارِ عالم کا تقاضا ہے کہ جو انبیا صاحب شریعت ہوں اور مبعوث برسالت ہوں ان کو ایسے امراض سے پاک رکھے جو باعثِ وحشت و نفرت ہوتے ہیں۔ لہٰذا انبیا کا ایسے امراض میں مبتلا نہ ہونا اس وجہ سے نہیں ہے کہ اس سے مقامِ نبوت میں نقص پیدا ہو جاتا ہے بلکہ یہ فائدہ تبلیغ کو مکمل کرنے کے لئے ہے لہٰذا اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ بعض ایسے انبیا جو صاحب شریعت نہ ہوں وہ ان امراض میں مبتلا ہو جائیں اور بڑے بڑے اولیا و مومنین بھی اس قسم کے بلاؤں میں گرفتار ہوئے ہیں۔ چنانچہ حضرت ایوب، جناب حبیب نجار (وغیرہ) میں مبتلا ہوئے۔ حضرت ایوب کے سلسلہ میں تو بہت سی روایات بھی ہیں کہ وہ مبتلا ہوئے تھے۔

مثلاً تفسیر علی بن ابراہیم میں ابوبصیر کے حوالہ سے امام جعفر صادقؑ ایک لمبی حدیث کے سلسلہ میں فرمان ہے:

«فَمِنْ ذٰلِكَ مَا رُوِيَ عَنْ تفسيرِ عَلِيِّ بن إبراهيم، عَنْ أَبِي بصير، عَنْ أَبِي عَبْدِاللّٰه، عَلَيْهِ السَّلَام، فِي حَدِيثٍ طَوِيلٍ قَالَ فَسَلَّطَهُ عَلَى بَدَنِهِ مَا خَلاَ عَقْلَهُ وَعَيْنَيْهِ؛ فَنَفَخَ فِيهِ إِبْلِيْسُ فَصَارَ قُرْحَةً وَاحِدَةً مِنْ قَرْنِهِ إِلَى قَدَمِهِ، فَبَقِيَ فِي ذٰلِكَ دَهْراً طَوِيلاً يَحْمَدُاللّٰهَ وَيَشْكُرُهُ حَتّٰى وَقَعَ فِي بَدَنِهِ الدُّودُ وَكَانَتْ تَخْرُجُ مِنْ بَدَنِهِ فَيَرُدُّهَا. وَيَقُولُ لَهَا: اِرْجِعِي إِلَى مَوْضِعِكِ الَّذِي خَلَقَكِ اللّٰهُ مِنْهُ. وَنَتَنَ حَتّٰى أَخْرَجَهُ أَهْلُ الْقَرْيَةِ مِنَ الْقَرْيَةِ وَأَلْقَوْهُ فِي الْمَزْبَلَةِ خَارِجَ الْقَرْيَةِ.»[۳۵]

"خداوندِ عالم نے ابلیس کو جناب ایوب کے پورے جسم پر عقل و آنکھوں کو چھوڑ کر مسلط کر دیا۔ ابلیس نے ان کے جسم میں ایک پھونک ماری جس سے سر سے لے کر پیر تک پھوڑا ہو گیا اور جناب ایوب ایک طویل مدت تک اسی طرح رہے اور حمد و شکرِ الٰہی بجالاتے رہے یہاں تک کہ ان کے بدن میں کیڑے پڑ گئے۔ جب وہ کیڑے بدن سے گر پڑتے تھے تو حضرت ایوب اٹھا کر اسی جگہ جسم میں رکھ کر فرماتے تھے اسی جگہ واپس جاؤ جہاں سے خدا نے تم کو پیدا کیا ہے

Presented by www.ziaraat.com

(یہاں تک کہ) ان کے جسم سے (ایسی) بدبو پیدا ہو گئی کہ ان کے گاؤں والوں نے وہاں سے نکال کر ان کو گاؤں کے باہر مزبلہ (جہاں پر کثافتیں ڈالی جاتی ہیں) پر پھینک دیا۔

کافی ہی میں ابوبصیر کے حوالہ سے امام صادقؑ کی روایت ہے ابوبصیر کہتے ہیں:

«وَفِي الْكَافِي بِإِسْنَادِهِ عَنْ أَبِي بَصِيرٍ، عَنْ أَبِي عَبْدِاللّٰهِ، عَلَيْهِ السَّلَامُ، قَالَ قُلْتُ لَهُ «فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ إِنَّهُ لَيْسَ لَهُ سُلْطَانٌ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَلَى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ.» ۳۶

"میں نے امامؑ سے کہا: (قول خدا ہے) جب قرآن پڑھو تو شیطان رجیم سے خدا کی پناہ مانگ لو (ظاہر ہے) شیطان کو مومنین اور خدا پر بھروسہ کرنے والوں پر کوئی اختیار نہیں ہے"

فَقَالَ «يَا أَبَا مُحَمَّدٍ يُسَلَّطُ وَاللّٰهِ مِنَ الْمُؤْمِنِ عَلَى بَدَنِهِ وَلَا يُسَلَّطُ عَلَى دِينِهِ. قَدْ سُلِّطَ عَلَى أَيُّوبَ فَشَوَّهَ خَلْقَهُ وَلَمْ يُسَلَّطْ عَلَى دِينِهِ. وَقَدْ يُسَلَّطُ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى أَبْدَانِهِمْ وَلَا يُسَلَّطُ عَلَى دِينِهِمْ.» ۳۷

"امامؑ نے فرمایا: اے ابا محمدؑ خدا کی قسم شیطان مومن کے جسم پر مسلط ہو سکتا ہے مگر اس کے دین پر مسلط نہیں ہو سکتا۔ شیطان کو حضرت ایوب کے جسم پر مسلط کیا گیا تھا اس نے ان کے جسم کو بدصورت بنا دیا تھا لیکن ان کے دین پر مسلط نہیں کیا گیا۔ (اسی طرح) کبھی مومنین کے جسموں پر مسلط کر دیا جاتا ہے مگر ان کے دین پر مسلط نہیں کیا جا سکتا"

ناجیہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں:

«وَبِإِسْنَادِهِ عَنْ نَاجِيَةَ، قَالَ قُلْتُ لِأَبِي جَعْفَرٍ، عَلَيْهِ السَّلَامُ، إِنَّ الْمُغِيرَةَ يَقُولُ إِنَّ الْمُؤْمِنَ لَا يُبْتَلَى بِالْجُذَامِ وَلَا بِالْبَرَصِ وَلَا بِكَذَا وَلَا بِكَذَا. فَقَالَ إِنْ كَانَ لَغَافِلًا عَنْ صَاحِبِ يَاسِينَ، إِنَّهُ كَانَ مُكَنَّعًا. ثُمَّ رَدَّ أَصَابِعَهُ فَقَالَ كَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى تَكْنِيعِهِ. أَتَاهُمْ فَأَنْذَرَهُمْ، ثُمَّ عَادَ إِلَيْهِمْ مِنَ الْغَدِ فَقَتَلُوهُ. ثُمَّ قَالَ إِنَّ الْمُؤْمِنَ يُبْتَلَى بِكُلِّ بَلِيَّةٍ وَيَمُوتُ بِكُلِّ مِيتَةٍ، إِلَّا أَنَّهُ لَا يَقْتُلُ نَفْسَهُ.» ۳۸

میں نے امام محمد باقر علیہ السلام سے کہا مغیرہ کہتا ہے: مومن کبھی جذام، برص اور فلاں و فلاں بیماری میں مبتلا نہیں ہو سکتا حضرتؑ نے فرمایا: "یقیناً وہ حبیب نجار کے احوال سے

Presented by www.ziaraat.com

غافل ہے صاحب یاسین (حبیب نجار) کے یہاں تکنیع تھی پھر ان کی انگلیاں ٹھیک ہوئیں حضرتؑ نے کہا گویا میں ان کی انگلیوں کے تشنج کو دیکھ رہا ہوں۔ جناب حبیب نجار (اپنی قوم کے پاس) آئے اور ان کو خدا سے ڈرایا دوسرے دن پھر آکر ڈرایا تو ان لوگوں نے ان کو قتل کر دیا۔ (سُنو) مومن ہر بلا میں مبتلا ہو سکتا ہے اور ہر قسم کی موت مر سکتا ہے۔ پس وہ خود اپنے کو قتل نہیں کر سکتا۔"

توضیح:۔ صاحب یاسین حبیب نجار ہیں اور "تکنیع" جنون کے ساتھ اکثر نسخوں میں آیا ہے۔ اس کا مطلب بنا بر قول علامہ مجلسیؒ "تشنج و مثلہ ہونے کے ہیں۔ علامہ مجلسیؒ فرماتے ہیں: گویا جذام کی وجہ سے ان کی انگلیوں میں تشنج پیدا ہو گیا تھا" اس فرمائش میں تامل ہے۔

ان حدیثوں اور ان کے علاوہ دوسری حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ مومنین و انبیاء کبھی بعض مصلحت کی بنا پر نفرت آور امراض میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اگرچہ ان روایات کے مقابلہ میں دوسری روایتیں بھی ہیں۔ جن میں حضرت ایوبؑ کی تشویہ خلقت کی نفی کی گئی ہے اور ان کے بدن شریف میں بدبو پیدا ہونے کی بھی نفی کی گئی ہے۔[۴۰] ان روایات کو ذکر کر کے دونوں میں جمع کرنے کی کوشش کی جائے اس میں کوئی خاص فائدہ نہیں ہے۔

مختصر یہ کہ اس قسم کے امراض نہ مومنین کے لئے مُضر ہیں اور نہ ان سے انبیاء میں کوئی نقص پیدا ہوتا ہے بلکہ یہ بلندیٔ مقام اور علو مرتبہ کے سبب بنتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

چوتھی فصل

دُنیا دارِ ثواب و عقاب نہیں ہے

یہ بات معلوم ہونا چاہیئے کہ اس دُنیا کے اندر جو نقص و قصور (ضعف و کمی) ہے اس کی وجہ سے نہ یہ خداوندِ عالم کا دارِ کرامت و جائے ثواب بن سکتی ہے اور نہ ہی محلِ عذاب و عقاب بننے کی صلاحیت ہے کیونکہ خدا کا دارِ کرامت وہ عالم ہے جس میں صرف نعمت ہی نعمت ہو نقمت (و عذاب) کا تصور تک نہ ہو۔ جس میں صرف راحت ہی راحت ہو رنج و تعب کا شائبہ بھی نہ ہو اور اس دُنیا کے اندر ایسی نعمت کا امکان نہیں ہے کیونکہ یہ تو دارِ تزاحم ہے اس کی ہر نعمت کے ساتھ رنج و زحمت و نقمت مخلوط ہے۔ بلکہ حکماء نے تو یہ کہا ہے کہ لذت (لذت ہی نہیں ہے) صرف دفع الم ہے۔[۴۱]

Presented by www.ziaraat.com

بلکہ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ یہاں کی لذتیں موجب الم و تکلیف ہیں کیونکہ یہاں کی ہر لذت میں رنج و الم و تعب ہے۔ بلکہ اس دُنیا کا مادہ ہی ایسا ہے جس میں خالص رحمت اور خالص نعمت ناممکن ہے۔ اسی طرح اس دُنیا کا عذاب، زحمت، رنج و تعب بھی خالص نہیں ہے بلکہ ہر رنج و تعب کے ساتھ نعمت و نعمتیں لپٹی ہوئی ہیں۔ کوئی بھی الم و بیماری، رنج و محنت اس دُنیا کے لئے خالص نہیں ہے۔ خود اس دُنیا کے مواد عذاب خالص و مطلق کے قبول کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے اور دارِ عذاب و عقاب کا مطلب یہ ہے کہ اس میں خالص عقاب اور صرف عذاب ہو۔ اس عالم کے اسقام و آلام کا طریقہ اس عالم جیسا نہیں ہے کہ ایک عضو سے متعلق ہو دوسرے سے نہ ہو۔ ایک عضو سالم و راحت کے ساتھ ہو اور دوسرا مریض و تعب و زحمت کے ساتھ ہو۔ جس حدیث کی میں شرح کر رہا ہوں اس میں بعض چیزوں کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ ارشاد ہے:

«وَذٰلِكَ أَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَجْعَلِ الدُّنْيَا ثَوَاباً لِمُؤْمِنٍ وَلَا عُقُوبَةً لِكَافِرٍ.»

"اور اس کی وجہ یہ ہے کہ خدا نے دُنیا کو نہ تو مومن کے ثواب کی جگہ اور نہ کافر کے عقاب کی جگہ قرار دی ہے۔ یہ تو دارِ تکلیف ہے آخرت کی کھیتی ہے عالمِ کسب ہے۔ (وہاں) آخرت دارِ جزا و سزا اور (دارِ) ثواب و عقاب ہے۔"

(لہٰذا) اس دنیا میں اگر کوئی مصیبت و فحشاء کا ارتکاب کرے یا کسی پر ظلم و تعدی کرے تو جو لوگ یہ توقع رکھتے ہیں کہ خدا کو چاہیئے فوراً اس کا تدارک کر دے ظالم کا ہاتھ کاٹ دے اس کا قلع قمع کر دے وہ اس بات سے غافل ہیں کہ یہ بات خلاف ترتیب ہے۔ خدا کی سنتِ جاریہ کے مخالف ہے۔ یہ تو دارِ امتحان اور شقی و سعید، مطیع و عاصی میں امتیاز کرنے کی جگہ ہے یہ فعلیات کے ظہور کا عالم ہے۔ ملکات و اعمال کے نتائج کے ظہور و بروز کی جگہ نہیں ہے اور اگر اتفاق سے خدا کسی ظالم کو گرفتارِ بلا کر دے تو کہا جا سکتا ہے کہ یہ ظالم کے حق میں خدا کی عنایت ہے۔ اگر خدا ظالم و گنہگاروں کو ان کی حالت پر چھوڑ دے تو یہ "استدراج" ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے:

«سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُونَ. وَأُمْلِي لَهُمْ إِنَّ كَيْدِي مَتِينٌ.»[۴۲]

"ہم ان کو آہستہ آہستہ اس طرح پکڑ لیں گے کہ ان کو خبر بھی نہ ہوگی اور میں ان کو مہلت دیئے جاتا ہوں بیشک میری تدابیر مضبوط ہیں۔" ایک اور جگہ ارشاد فرماتا ہے:

«وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّمَا نُمْلِي لَهُمْ خَيْرٌ لِأَنْفُسِهِمْ إِنَّمَا نُمْلِي لَهُمْ لِيَزْدَادُوا إِثْماً وَلَهُمْ عَذَابٌ مُهِينٌ»[۴۳] "اور جن لوگوں نے کفر اختیار کیا وہ ہرگز یہ خیال نہ

Presented by www.ziaraat.com

کریں کہ جو ان کو مہلت (وفارغ البالی) دے رکھی ہے وہ ان کے حق میں بہتر ہے (حالانکہ) ہم نے مہلت (وفارغ البالی) صرف اس وجہ سے دی ہے تاکہ وہ اور خوب گناہ کرلیں اور (آخر تو) ان کے لئے رسوا کرنے والا عذاب ہے۔"

مجمع البیان میں امام صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ حضرتؑ نے فرمایا:

«أَنَّهُ قَالَ إِذَا أَحْدَثَ الْعَبْدُ ذَنْباً، جُدِّدَ لَهُ نِعْمَةٌ فَتَدَعُ الْاِسْتِغْفَارَ فَهُوَ الْاِسْتِدْرَاجُ»[۴۴]

"جب بندہ کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کو ایک نئی نعمت دے دی جاتی ہے۔ جس کی وجہ سے وہ استغفار چھوڑ دیتا ہے اور یہی استدراج ہے۔"

پانچویں فصل

شدید روحانی بلا شدید ادراک کے تابع ہے

حدیث شریف کے ذیل میں جو یہ فرمایا:

«وَمَنْ سَخُفَ دِينُهُ وَضَعُفَ عَقْلُهُ قَلَّ بَلَاؤُهُ» (جس کا دین کمزور ہو عقل ضعیف ہو اس کی بلا بھی کم ہوتی ہے) اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بلیات میں عمومیت ہے۔ یہ جسمانی اور روحانی دونوں طرح کی ہو سکتی ہے۔ اس لئے کہ کمزور عقل اور کم ادراک والے اپنی عقل و ادراک کے مطابق روحانی بلاؤں اور مکروہاتِ عقلیہ سے مامون ہیں۔ لیکن جن کی عقل کامل اور جن کا ادراک شدید ہوتا ہے وہ بمقدار کمال عقل و شدتِ ادراک روحانی بلاؤں سے بہت متاثر ہوتے ہیں۔

اب ان کا ادراک جتنا کامل اور روحانیت جتنی قوی ہوگی اتنی ہی زیادہ شدت کے ساتھ بلیات و مکروہات کا احساس بھی شدید ہوگا اور ہو سکتا ہے کہ رسولِ اکرمؐ کے اس جملہ «مَا أُوذِيَ نَبِيٌّ مِثْلَ مَا أُوذِيتُ.»[۴۵] "جتنی اذیت مجھے دی گئی کسی بھی نبی کو نہیں دی گئی" کی بازگشت اسی مطلب کی طرف ہو۔

اس لئے کہ جو شخص عظمت و جلالتِ ربوبیت کو زیادہ سمجھتا ہوگا اور خداوندِ عالم کے مرتبہ کو زیادہ پہچانتا ہوگا۔ بندوں کی نافرمانی اور احترام کے قائل نہ ہونے سے وہ زیادہ متاثر و

Presented by www.ziaraat.com

متالم ہوگا۔ اسی طرح جس کا رحم و کرم، لطف و عنایت خدا کے بندوں پر زیادہ ہوگی اس کو بندوں کی نافرمانی، انحراف، بدبختی سے اذیت بھی بہت زیادہ ہوگی اور چونکہ حضرت خاتم الانبیا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان مقامات میں اور دیگر مدارج میں بھی تمام انبیا و اولیا سے اور تمام بنی آدم سے زیادہ کامل و اکمل تھے اس لئے آپؐ کی اذیت بھی سب سے زیادہ ہوگی۔ اس کے علاوہ بھی دوسری توجیہ ہے مگر اس کا ذکر یہاں پر مناسب نہیں ہے۔

واللہ العالم وآلہ احمدؐ۔

www.ziaraat.com
Sabeel-e-Sakina

Presented by www.ziaraat.com

پندرہویں حدیث کی توضیحات

۱۔ اصول کافی جلد ۲ ص ۲۵۹، کتاب ایمان و کفر، باب شدۃ ابتلاء المومن، حدیث ۲۹۔

۲۔ مرآۃ العقول جلد ۹ ص ۲۲۱، کتاب ایمان و کفر، باب شدۃ ابتلاء المومن، حدیث ۱۔

۳۔ توضیح ۲ حدیث ۱۴

۴۔ (سورۂ انفال آیت ۱۷)

۵۔ کہا جاتا ہے دھلیک دوسرے سے اشتل ہے یعنی اس سے برتر اور خوبی سے نزدیک تر ہے ما ماثل اناس لوگوں میں برگزیدہ اور اچھے اشخاص۔

۶۔ القرار والقرارۃ جو اس میں ٹھہر جاتے یعنی زمین آرام۔

۷۔ اس خدا کی قسم جس نے رسول کو حق کے ساتھ بھیجا تم لوگ یقیناً آپس میں مخلوط کئے جاؤ گے اور ایک دوسرے سے جدا کئے جاؤ گے۔ نہج البلاغہ فیض الاسلام ص ۵۷، خطبہ ۲۱۔

۸۔ اصول کافی جلد ۱ ص ۳۷۰، کتاب الحجۃ، باب التمحیص والامتحان حدیث ۲۔

۹۔ اصول کافی جلد ۱ ص ۳۷۰، کتاب الحجۃ، باب التمحیص والامتحان حدیث ۳۔

۱۰۔ اصول کافی جلد ۱ ص ۳۷۰، کتاب الحجۃ، باب التمحیص والامتحان حدیث ۴ امام ابوالحسن نے فرمایا: جس طرح سونا خالص کیا جاتا ہے اسی طرح یہ لوگ خالص کئے جائیں گے۔

Presented by www.ziaraat.com

۱۱۔ امام صادق علیہ السّلام نے فرمایا: ہر تنگی و فراخی میں خدا کی مشیت و حکم اور امتحان ہوتا ہے۔ اصولِ کافی جلد ۱ ص ۱۵۲، کتاب توحید، باب الابتلا والاختبار، حدیث ۱۔

۱۲۔ اصولِ کافی جلد ۱ ص ۱۵۲ (کتاب توحید) باب الابتلا والاختبار، حدیث ۲۔

۱۳۔ سورۂ بقرہ آیت ۲۸۶

۱۴۔ ص/ ۱۶۷

۱۵۔ زرارہ نے حضرت امام باقر علیہ السّلام سے روایت کی ہے کہ حضرت نے فرمایا:

وَزُرَارَةُ عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ (ع) قَالَ قَالَ مَا مِنْ عَبْدٍ إِلَّا وَفِي قَلْبِهِ نُكْتَةٌ بَيْضَاءُ فَإِذَا أَذْنَبَ ذَنْباً، خَرَجَ فِي النُّكْتَةِ نُكْتَةٌ سَوْدَاءُ فَإِنْ تَابَ، ذَهَبَ ذَلِكَ السَّوَادُ وَإِنْ تَمَادَى فِي الذُّنُوبِ، زَادَ ذَلِكَ السَّوَادُ حَتَّى يُغَطِّيَ الْبَيَاضَ؛ فَإِذَا تَغَطَّى الْبَيَاضُ، لَمْ يَرْجِعْ صَاحِبُهُ إِلَى خَيْرٍ أَبَداً.

ہر بندہ کے دل میں ایک سفید نقطہ ہوتا ہے جب وہ گناہ کرتا ہے تو اس نقطہ میں سیاہی پیدا ہوجاتی ہے اگر اس نے توبہ کرلی تو سیاہی ختم ہوجاتی ہے اور اگر برابر گناہ کرتا رہا تو وہ سیاہی بڑھتے بڑھتے سفیدی کو چھپا دیتی ہے اور جب سفیدی چھپ جاتی ہے تو وہ شخص نیکی اور اچھائی کی طرف نہیں پلٹ سکتا۔ اصولِ کافی جلد ۲ ص ۲۷۳، کتاب ایمان و کفر، باب الذنوب حدیث ۲۰۔

۱۶۔ پستی کی طرف مائل ہوا اور اپنے خواہش نفس کی پیروی کی (سورۂ اعراف آیت ۱۷۶)

۱۷۔ یہ امام سجاد کی اس حدیث کی طرف اشارہ ہے جس میں فرمایا ہے: حُبُّ الدُّنْيَا رَأْسُ كُلِّ خَطِيئَةٍ. "دُنیا کی محبت ہر غلطی کی بنیاد ہے۔ اصولِ کافی جلد ۲ ص ۱۳۱، کتاب ایمان و کفر، باب ذم دنیا اور اس میں زہد، حدیث ۱۱۔

۱۸۔ اصولِ کافی جلد ۲ ص ۲۵۵، کتاب ایمان و کفر، باب شدتِ ابتلائے مومن، حدیث ۱۷۔

۱۹۔ اصولِ کافی جلد ۲ ص ۲۵۹، کتاب ایمان و کفر، باب شدتِ ابتلائے مومن، حدیث ۲۸۔

۲۰۔ حدیثِ قدسی میں ہے: مَنْ تَقَرَّبَ إِلَيَّ شِبْراً تَقَرَّبْتُ إِلَيْهِ ذِراعاً. جو مجھ سے ایک بالشت قریب ہوتا ہے اس سے میں ایک ہاتھ قریب ہوتا ہوں۔ بحار جلد ۳ ص ۳۱۳۔ کتاب التوحید باب ۱۴، کنز العمال جلد ۱ ص ۲۲۵۔ حدیث ۱۲۵۔

۲۱۔ نہج البلاغہ خطبہ ۱۵۹۔ ۲۳۴ (خطبہ قاصعہ)

۲۲۔ وَهَبَطَ مَعَ جِبْرَئِيلَ مَلَكٌ لَمْ يَطَإِ الْأَرْضَ قَطُّ، مَعَهُ مَفَاتِيحُ خَزَائِنِ الْأَرْضِ. فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ، إِنَّ رَبَّكَ يُقْرِئُكَ السَّلَامَ وَيَقُولُ هَذِهِ مَفَاتِيحُ خَزَائِنِ الْأَرْضِ؛ فَإِنْ شِئْتَ فَكُنْ نَبِيّاً عَبْداً، وَإِنْ شِئْتَ

Presented by www.ziaraat.com

فكن نبياً ملكاً. فأشار إليه جبرئيل (ع): أن تواضع يا محمّد فقال بل أكون نبياً عبداً. ثمّ صعد إلى السّماء»

"جبرئیلؑ کے ساتھ ایک ایسا ملک جو کبھی زمین پر نہیں آیا تھا، میں کے خزانوں کی چابیاں لے کر رسولؐ کے پاس آکر بولا: اے محمدؐ خدا سلام کے بعد کہتا ہے، تمہارا جی چاہے تو بندہ و نبی بنو اور جی چاہے تو نبی و بادشاہ بنو۔ جبرئیلؑ نے اشارہ سے کہا آپ تواضع سے کام لیجئے تو رسولؐ نے کہا: میں بندہ ہونا اور رسولؐ ہونا پسند کرتا ہوں۔ (یہ سنکر) فرشتہ آسمان کی طرف چلا گیا۔ اسی حدیث کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ امالی صدوق مجلس ۶۹۔ حدیث ۲۔

۲۳۔ اصول کافی جلد ۲، کتاب ایمان و کفر، باب شدت ابتلا المومن، حدیث ۲۸۔

۲۴۔ حدیث ۲۴۔ توضیح ۱۷۔

۲۵۔ بحار جلد ۴۸، ص ۱۷۴، کتاب الطہارۃ باب ۴۴ حدیث ۱۱، اسی طرح اصول کافی جلد ۲ ص ۵۵ کتاب ایمان و کفر باب شدت ابتلا المومن حدیث ۱۴ میں بھی ہے۔

۲۶۔ اصول کافی جلد ۲ ص ۲۵۷، کتاب ایمان و کفر، باب شدت ابتلا المومن حدیث ۲۳۔

۲۷۔ بحار میں ہے کہ:

«فجاءَهُ النَّبيُّ. وَهُوَ فِي مَنامِهِ فَأخذَ الْحُسَينَ وَضَمَّهُ إلى صَدْرِهِ وَجَعَلَ يُقَبِّلُ بَيْنَ عَيْنَيْهِ، وَيَقُولُ: بِأبي أنْتَ كَأنّي أراكَ مُرَمَّلاً بِدَمِكَ بَيْنَ عِصابَةٍ مِنْ هذِهِ الأُمَّةِ يَرْجُونَ شَفاعَتي، مالَهُمْ عِنْدَاللّهِ مِنْ خَلاقٍ. يا بُنَيَّ إنَّكَ قادِمٌ عَلى أبيكَ وَأُمِّكَ وَأخيكَ وَهُمْ مُشْتاقُونَ إلَيْكَ، وَإنَّ لَكَ في الْجَنَّةِ دَرَجاتٍ لاتَنالُها إلّا بِالشَّهادَةِ.»

امام حسینؑ نے سوتے میں رسولؐ خدا کو دیکھا کہ حسینؑ کو اپنے سینہ سے لگا کر پیشانی کو بوسہ دے کر فرمایا: میرا باپ تجھ پر فدا ہو جائے۔ میں تم کو اپنی اُمت کے ایک ایسے گروہ کے درمیان خون میں ڈوبا ہوا پا رہا ہوں جو میری شفاعت کے متمنی ہوں گے۔ خدا کے یہاں ان کا کوئی حصہ نہیں ہے۔ میرے لعل تم (بہت جلد) اپنے باپ بھائی اور ماں کے پاس آنے والے ہو وہ لوگ تمہارے مشتاق ہیں۔ جنت میں تمہارے لئے کچھ درجات ہیں جن کو تم شہادت کے ذریعہ حاصل کر سکو گے۔ امام حسینؑ نے مدینہ سے نکلتے وقت رسولؐ خدا کی قبر کے پاس یہ خواب دیکھا تھا۔ بحار جلد ۴۴ ص ۳۱۲، باب ۳۷، حدیث ۱۔

۲۸۔ معراج کی ایک طویل حدیث میں امام صادقؑ سے منقول ہے کہ رسولؐ خدا نے فرمایا:

«فإذا أنا بِقَوْمٍ بَيْنَ أيْديهِمْ مَوائِدُ مِنْ لَحْمٍ طَيِّبٍ وَلَحْمٍ خَبيثٍ، وَهُمْ يَأكُلُونَ الْخَبيثَ وَيَدَعُونَ الطَّيِّبَ. فَسَأَلْتُ جِبْرئيلَ مَنْ هؤُلاءِ فَقالَ الَّذينَ يَأكُلُونَ الْحَرامَ وَيَدَعُونَ الْحَلالَ مِنْ أُمَّتِكَ. قالَ ثُمَّ مَرَرْتُ بِأقْوامٍ لَهُمْ مَشافِرُ كَمَشافِرِ الإبِلِ، يُقْرَضُ اللَّحْمُ مِنْ أجْسامِهِمْ وَيُلْقى في أفْواهِهِمْ. فَقُلْتُ: مَنْ هؤُلاءِ يا جِبْرئيلُ؟ فَقالَ هُمُ الْهَمّازُونَ اللَّمّازُونَ. ثُمَّ مَرَرْتُ بِأقْوامٍ تُرَضُّ رُؤُسُهُمْ وَرُؤُوسُهُمْ بِالصَّخْرِ. فَقُلْتُ: مَنْ هؤُلاءِ يا جِبْرئيلُ؟ فَقالَ الَّذينَ يَتْرُكُونَ صَلاةَ

Presented by www.ziaraat.com

العشاء" "شب معراج میں نے ایک گروہ کو دیکھا جن کے سامنے پاکیزہ اور بلید گوشت کا خوان لگا ہوا تھا مگر وہ لوگ بلید گوشت کھا رہے تھے اور اچھا گوشت چھوڑ رہے تھے تو میں نے جبرئیل سے پوچھا: یہ کون لوگ ہیں؟ جبرئیلؑ نے کہا: آپؐ کی اُمت کے یہ وہ لوگ ہیں جو حلال چھوڑ کر حرام کھاتے ہیں رسولؐ فرماتے ہیں پھر میرا گزر ایک ایسی جماعت کے پاس سے ہوا جن کے منہ اونٹ کی طرح کے تھے ان کے جسم سے گوشت کاٹ کر ان کے منہ میں ڈالا جا رہا تھا۔ رسولؐ نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ جبرئیلؑ نے کہا: یہ چغلخور ہیں۔ اس کے بعد میرا گزر ایک ایسی جماعت کی طرف سے ہوا جن کے چہرے اور سروں کو پتھروں سے کچلا جا رہا تھا میں نے جبرئیلؑ سے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ جبرئیلؑ نے کہا: یہ وہ لوگ ہیں جو نمازِ عشا کو چھوڑ دیتے تھے۔ بحار جلد ۶ ص ۲۲۹، کتاب العدل والمعاد، باب احوال البرزخ وعذاب وسوالہ، اسی طرح علم الیقین جلد ۲ ص ۸۸۴ المقصد الرابع باب ۲ میں بھی ہے۔

۲۹۔ اصول کافی جلد ۲ ص ۲۵۲، کتاب ایمان وکفر باب شدت ابتلا المومن حدیث ۲۔

۳۰۔ حدیث ۱۔ توضیح ۱۴

۳۱۔ بحار جلد ۶۴ ص ۲۵۰، کتاب ایمان وکفر، باب شدت ابتلا المومن۔

۳۲۔ محمد بن حسن طوسیؒ جو خواجہ نصیر اور محقق طوسی (۵۹۷ - ۶۷۲) کے لقب سے مشہور ہیں اسلام کے معروف ترین حکما و دانش مندوں میں تھے۔ فلسفہ، کلام، ریاضیات، ہیئت میں تبحر رکھتے تھے آپ کے شاگردوں میں علامہ حلیؒ قطب الدین شیرازی سید عبدالکریم بن طاؤس وغیرہ تھے۔ آپ کی تصانیف میں شرح اشارات، تجرید، تحریر اقلیدس، تحریر مجسطی، اخلاق ناصری وغیرہ مشہور کتابیں ہیں۔

۳۳۔ حدیث ۱۔ توضیح ۲۴۔

۳۴۔ کشف المراد شرح تجرید الاعتقاد ص ۲۱۸۔ مقصد چہارم فی وجوب العصمۃ۔

۳۵۔ بحار جلد ۱۲ ص ۲۴۲۔ کتاب النبوۃ باب قصص ایوب حدیث ۳۔

۳۶۔ (سورۂ نحل آیت ۹۸ - ۹۹)

۳۷۔ روضہ کافی جلد ۸ ص ۲۸۸، حدیث ۴۳۳۔

۳۸۔ اصول کافی جلد ۲، ص ۲۵۴، کتاب ایمان وکفر، باب شدت ابتلا المومن، حدیث ۱۲۔

۳۹۔ مرآۃ العقول جلد ۹ ص ۲۳، کتاب ایمان وکفر، باب شدت ابتلا المومن، حدیث ۱۲۔

۴۰۔ حضرت امام جعفر صادقؑ اپنے والد بزرگوار جناب امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت فرماتے ہیں کہ:

«إِنَّ أَيُّوبَ ابْتُلِيَ سَبْعَ سِنِينَ مِنْ غَيْرِ ذَنْبٍ وَإِنَّ الْأَنْبِيَاءَ لَا يَذْنَبُونَ، لِأَنَّهُمْ مَعْصُومُونَ مُطَهَّرُونَ لَا يَذْنَبُونَ وَلَا يَرْتَكِبُونَ ذَنْباً صَغِيراً وَلَا كَبِيراً. وَقَالَ ع): إِنَّ أَيُّوبَ مِنْ جَمِيعِ مَا ابْتُلِيَ بِهِ، لَمْ تُنْتِنْ لَهُ رَائِحَةٌ؛ وَلَا قَبُحَتْ لَهُ صُورَةٌ؛ وَلَا خَرَجَتْ مِنْهُ مُدَّةٌ مِنْ دَمٍ وَلَا قَيْحٍ؛ وَلَا اسْتَقْذَرَهُ أَحَدٌ رَآهُ؛ وَلَا اسْتَوْحَشَ مِنْهُ أَحَدٌ شَاهَدَهُ؛ وَلَا تَدَوَّدَ شَيْءٌ مِنْ جَسَدِهِ. وَهَكَذَا يَصْنَعُ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ بِجَمِيعِ مَنْ يَتَأَلَّهُ مِنْ أَنْبِيَائِهِ وَأَوْلِيَائِهِ الْمُكْرَمِينَ عَلَيْهِ. وَإِنَّمَا اخْتَبَرَهُ النَّاسُ لِفَقْرِهِ وَضَعْفِهِ فِي ظَاهِرِ أَمْرِهِ لِجَهْلِهِمْ بِمَا لَهُ عِنْدَ رَبِّهِ تَعَالَى ذِكْرُهُ مِنَ التَّأْيِيدِ وَالْفَرَجِ...»

Presented by www.ziaraat.com

حضرت امام جعفر صادق اپنے والد بزرگوار جناب امام محمد باقرؑ سے روایت فرماتے ہیں کہ جناب ایوب بغیر کسی گناہ کے سات سال تک مبتلا رہے اور انبیا گناہ کرتے ہی نہیں کیونکہ وہ معصوم ہوتے ہیں، طاہر ہوتے ہیں نہ گناہ کرتے ہیں نہ کسی آلودگی میں مبتلا ہوتے ہیں نہ گناہِ صغیرہ کرتے ہیں نہ کبیرہ! معصوم نے فرمایا: اس تمام مدت میں نہ تو جناب ایوب کے بدن سے بدبو پیدا ہوئی نہ ان کی صورت قبیح ہوئی اور نہ پوری مدت میں (پھوڑے سے) خون یا پیپ نکلی اور نہ کوئی دیکھنے والا ان سے منزجر ہوا اور نہ مشاہدہ کرنے والا بیزار ہوا، نہ ان کے جسم میں کیڑے پڑے۔ خدا اسی طرح اپنے ان انبیا اور اولیا کے ساتھ کرتا ہے جو اس کے نزدیک محترم ہوتے ہیں (ہاں) جناب ایوب سے لوگ ان کے فقر و فاقہ اور بظاہر کمزوری کی وجہ سے اجتناب کرتے تھے۔ اس لئے کہ لوگوں کو معلوم نہیں تھا کہ خدا کے نزدیک ان کی کیا قدر و منزلت ہے اور خدا کی طرف سے کتنی کشائش ہے۔ بحار جلد ۱۲ ص ۳۴۸، کتاب النبوۃ باب قصص ایوب حدیث ۱۳۔

۴۱۔ مبدا و معاد (صدر المتالہین)۔
۴۲۔ (سورۂ قلم / ۴۵-۴۶)۔
۴۳۔ سورۂ آلِ عمران آیت ۱۷۸۔
۴۴۔ مجمع البیان تفسیر سورۂ قلم)
۴۵۔ الجامع الصغیر جلد ۲، ص ۴۴۱ پر لفظ مثل کے نیز ہے۔

Presented by www.ziaraat.com

سولہویں حدیث

«بِإِسْنَادِنَا الْمُتَّصِلَةِ إِلَى ثِقَةِ الْإِسْلَامِ وَالْمُسْلِمِينَ، فَخْرِ الطَّائِفَةِ الْحَقَّةِ وَمَقْدَمِيهِمْ، مُحَمَّدِ بْنِ يَعْقُوبَ الْكُلَيْنِي، رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، عَنْ عِدَّةٍ مِنْ أَصْحَابِنَا، عَنْ أَحْمَدَ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ خَالِدٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ النُّعْمَانِ، عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْكَانَ، عَنْ أَبِي بَصِيرٍ، قَالَ سَمِعْتُ أَبَا عَبْدِاللّٰهِ، عَلَيْهِ السَّلَامُ يَقُولُ: إِنَّ الْحُرَّ حُرٌّ عَلَى جَمِيعِ أَحْوَالِهِ؛ إِنْ نَابَتْهُ نَائِبَةٌ، صَبَرَ لَهَا؛ وَإِنْ تَدَاكَّتْ عَلَيْهِ الْمَصَائِبُ، لَمْ تَكْسِرْهُ وَإِنْ أُسِرَ وَقُهِرَ وَاسْتُبْدِلَ بِالْيُسْرِ عُسْراً؛ كَمَا كَانَ يُوسُفُ الصِّدِّيقُ الْأَمِينُ لَمْ يَضُرَّ حُرِّيَّتَهُ أَنْ اسْتُعْبِدَ وَقُهِرَ وَأُسِرَ وَلَمْ تَضُرَّهُ ظُلْمَةُ الْجُبِّ وَوَحْشَتُهُ وَمَا نَالَهُ، أَنْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِ فَجَعَلَ الْجَبَّارَ الْعَاتِيَ لَهُ عَبْداً بَعْدَ إِذْ كَانَ لَهُ مَالِكاً؛ فَأَرْسَلَهُ وَرَحِمَ بِهِ أُمَّةً. وَكَذٰلِكَ الصَّبْرُ يُعَقِّبُ خَيْراً. فَاصْبِرُوا وَوَطِّنُوا أَنْفُسَكُمْ عَلَى الصَّبْرِ تُؤْجَرُوا!»

ترجمہ: ابوبصیر کہتے ہیں: میں نے امام جعفر صادقؑ کو فرماتے ہوئے سنا: آزاد ہر حال

Presented by www.ziaraat.com

میں آزاد ہے اگر اس پر مصیبت آجاتی ہے تو صبر کرتا ہے اور اگر (چاروں طرف سے) مصائب ٹوٹ پڑیں اور چاہے وہ اسیر و مقہور کر لیا جائے پھر بھی شکستہ (خاطر) نہیں ہوتا۔ وہ سختیوں کو آسانیوں سے بدل لیتا ہے جیسے کہ جناب یوسف صدیق و امین کو ان کی غلامی، اسیری، مقہوریت نے ان کی آزادی کو کوئی ضرر نہیں پہونچایا اور نہ کنویں کی تاریکی و وحشت اور بلائیں ان کا کچھ نہ بگاڑ سکیں۔ یہاں تک کہ خدا نے ان پر احسان فرمایا کہ ظالم و سرکش کو ان کا غلام بنا دیا جبکہ وہ (پہلے) آقا تھا۔ پس خدا نے ان کو رسول بنایا یا انکے ذریعہ سے ایک امت پر رحم فرمایا۔ (جناب یوسف کی طرح) صبر اپنے بعد اچھائی لاتا ہے۔ لہٰذا آپ لوگ صبر کیجئے اور اپنے کو صبر پر آمادہ کیجئے تاکہ آپ کو اس کا اجر مل سکے۔

شرح: (نائبۃ) مفرد ہے اس کی جمع نوائب ہے۔ نازل ہونے والے حوادث و مہمات کو کہتے ہیں لیکن صحاح میں اس کے معنیٰ (مصیبت) لکھے ہیں۔

دَکَّ کے معنیٰ دَقَّ کے ہیں یعنی کسی چیز کو کوٹنا (پیسنا، گزنا وغیرہ) کے ہیں صحاح میں ہے: جب کسی چیز کو مار (پیٹ) کر اور توڑ (پھوڑ) کر زمین کے برابر کر دیا جائے تو اس وقت کہا جاتا ہے «وَقَدْ دَكَكْتُ الشَّيْءَ دَكًّا إِذَا ضَرَبْتَهُ وَكَسَرْتَهُ حَتَّى سَوَّيْتَهُ بِالْأَرْضِ.»[۲] اسی طرح اجتماع اور ازدحام کے معنیٰ میں بھی آیا ہے۔ چنانچہ نہایہ میں منقول ہے کہ حضرت علیؑ نے جو فرمایا ہے:

«ثُمَّ تَدَاكَكْتُمْ عَلَيَّ تَدَاكُكَ الْأَبِلِ إِلْهِيمِ عَلَى حِيَاضِهَا اس میں تَدَاکَکتم کے معنیٰ اِزْدَحَمْتُمْ.[۳] کے ہیں۔

نہایہ سے یہ بھی منقول ہے کہ "دَکَّ" بمعنی "کسر" ہے۔[۴] البتہ اس حدیث میں تَدَاکَکْتُ کے معنیٰ لم تکسرہ کی مناسبت سے معنیٰ اوّل (کوٹنا) سے زیادہ مناسبت رکھتے ہیں۔ ویسے دوسرا مطلب بھی (اجتماع) مناسب ہے۔

اِنْ اُسِرَ میں لفظ اِنْ "وصلیہ" ہے اور "قہر" و "استبدل" اس پر عطف ہیں۔ علامہ مجلسیؒ[۵] نے فرمایا ہے: بعض نسخوں میں استبدل بالعسر یسرا آیا ہے۔[۶] اگر ایسا ہے تو پھر یہ "لم تکسرہ" پر عطف ہے اور صبر کی غایت ہے۔

اور جملہ ان استعبد مبنی للمجہول ہے اور لم یضرر کا فاعل ہے۔ مراۃ العقول کے نسخہ میں "اِسْتُعْبِدَ" (پہلے "ب" ہے پھر "عین" ہے) آیا ہے۔[۷] لیکن وسائل میں "اِسْتُعْبِدَ" (عین پہلے ب بعد میں) آیا ہے۔[۸] گمان یہ ہے کہ مراۃ العقول کے نسخہ میں کاتب کی غلطی ہو۔ اگرچہ معنیٰ کے اعتبار

Presented by www.ziaraat.com

سے وہ بھی غلط نہیں ہے۔ لیکن حدیث اور مقام کی مناسبت کا تقاضا یہ ہے کہ وسائل والا نسخہ صحیح ہو۔

اور "مَا نَالَهُ" "ظُلْمَةُ الْجُبِّ" پر عطف ہے۔ یعنی بھائیوں کی طرف سے جو ظلم مصائب وحزن پڑے اور کنویں کی تاریکی نے یوسف کو کوئی نقصان نہیں پہونچایا۔

"اَنْ مَنَّ اللّٰہُ" میں اظہر یہ ہے کہ یہاں پر "اَیْ" مقدر ہے یعنی "اَیْ اَنْ مَنَّ اللّٰہُ" ہے اور "لَمْ یَضُرَّ وَلَمْ تَضُرَّ" میں تنازع ہے اور یہ جار مجرور لم تضر سے متعلق ہے۔ علامہ مجلسیؒ نے اس میں بہت سے احتمالات بیان کئے ہیں ۹ مگر ان کے ذکر سے کوئی فائدہ نہیں ہے صرف تطویل ہے۔

اور جناب یوسف کا مالک ان کا غلام ہوگیا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جناب یوسف کا تابع ہوگیا۔

پہلی فصل

شہوت تمام گرفتاریوں کی جڑ ہے

یہ جان لو کہ اگر انسان نفسانی خواہشوں اور شہوانی طاقتوں کے قبضہ میں اسیر ہوگیا تو ان چیزوں کا تسلط جتنا زیادہ ہوگا اس کی غلامی ورقیت وعبودیت بھی اسی قدر زیادہ ہوگی اور کسی کی عبودیت وغلامی کا مقصد اس کی اطاعت اور اس کے سامنے سرنگوں ہونا ہے۔ شہوتوں کا مطیع اور نفس امارہ کا مقہور بندہ ان کا فرماں بردار ہوا کرتا ہے۔ یہ چیزیں اس کو جو بھی حکم دیتی ہیں۔ بڑی خندہ پیشانی سے ان کو بجالاتا ہے اور ان کے سامنے اس کی حیثیت ایک عبد خاضع اور بندۂ مطیع کی ہوتی ہے اور پھر نوبت یہ آجاتی ہے کہ انسان ان چیزوں کی اطاعت کو خدا کی اطاعت پر مقدم کر دیتا ہے اور ان کی بندگی کو مالک حقیقی کی بندگی پر ترجیح دیتا ہے اور پھر اس وقت اس کی عزت، آزادی، آزاد منشی اس کے قلب سے اپنا بوریا بستر اباندھ لیتی ہے اور اس کے چہرۂ قلب پر عبودیت وفقر وذلت کا غبار چھا جاتا ہے اور وہ اہل دُنیا کا تابع ہوجاتا ہے۔ اس کا دل اہل دنیا اور صاحبان حشمت کے سامنے سجدہ ریز ہوتا ہے۔ اپنی خواہشات کی تکمیل کے لئے اپنے ہمنوع افراد کی ذلت ومنت برداشت کرتا ہے۔ شکم وفرج کی سیری کے لئے ذلت ورسوائی برداشت کرتا

Presented by www.ziaraat.com

ہے اور جب تک شہوت و نفس کا غلام رہتا ہے کسی بھی قسم کی فتوت و شرافت و حریت کی خلاف ورزی سے ہچکچاتا نہیں ہے ہر کس و ناکس کی اطاعت کرتا ہے۔ محض حصول مطلب کے احتمال کی بنا پر چاہے وہ احتمال موہوم ہو ہر بے قیمت و پست تر شخص کا احسان اٹھانے کے لئے تیار رہتا ہے۔ لوگ کہتے ہیں باب طمع میں (وہم) محبت ہے جو لوگ بندۂ دنیا اور خواہشوں کے غلام ہیں اور نفس کی غلامی کا طوق اپنی گردن میں ڈال رکھا ہے جس کے پاس بھی دنیا پاتے ہیں یا دنیا پانے کا احتمال دیتے ہیں اسی کی غلامی پر آمادہ ہو جاتے ہیں اور اگر یہ لوگ بظاہر عفت نفس و (عدم) احسان کا ذکر کریں تو یہ محض فریب و دھوکہ ہے خود ان کے اعمال و اقوال ان کے کلام کی تکذیب کریں گے اور یہ بندگی و غلامی ان امور میں سے ہے جو انسان کو ہمیشہ ذلت و رنج و تعب میں مبتلا رکھتی ہے۔ عزت دار اور با شرف انسان کو جس طرح بھی ممکن ہو اپنے کو اس سے الگ کرنا چاہئے۔ اس کثافت سے پاکیزگی اور اس ذلت و خواری سے رہائی نفس کے معالجہ پر موقوف ہے اور یہ معالجہ علم و عمل نافع ہی سے حاصل ہو سکتا ہے۔

عمل کی صورت تو یہ ہے کہ شرعی ریاضتوں پر عمل اور نفس کی مخالفت اتنی مدت تک کرے کہ نفس دنیا کی شدید محبت اور شہوات اور خواہشات کی پیروی سے منصرف ہو جائے اور نفس خیرات و کمالات کا عادی ہو جائے۔

علم کی صورت یہ ہے کہ انسان اپنے نفس کو سمجھائے اور اپنے دل کو باور کرائے کہ دوسری مخلوقات بھی اسی کی طرح ضعیف و محتاج، فقیر و بینوا ہیں اسی کی طرح وہ خود بھی اپنے تمام کلی و جزئی امور میں غنی مطلق و قادر و توانا کی محتاج ہیں ان کے اندر یہ صلاحیت نہیں ہے کہ کسی کی حاجت روائی کر سکیں وہ ایسی نہیں ہیں کہ نفس ان کی طرف متوجہ اور دل مائل ہو سکے۔ جس قادر و توانا نے ان کو عزت و شرف، مال و منال دیا ہے وہی ہر شخص کو دینے پر قادر ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ اپنی شکم سیری یا خواہش نفس کی تکمیل کے لئے انسان اتنی ذلت و رسوائی برداشت کرے اور ایک ایسی مخلوق کا جو فقیر و ناچیز ہے بے دست و پا ہے، بے دانش و بینش ہے احسان مند ہو تو اس کے لئے باعث شرم ہے۔ اگر احسان لینا ہی ہے تو غنی مطلق اور خالق ارض و سما کا احسان لے۔ کیونکہ اگر تم نے اس ذات مقدس کی طرف توجہ پیدا کر لی اور تمہارا دل اس کے حضور میں خاضع ہو گیا تو دونوں عالم سے چھٹکارا پا جاؤ گے اور مخلوق کی طوق عبودیت اپنی گردن سے اتار پھینکو گے۔ وَالْعُبُودِيَّةُ جَوْهَرَةٌ كُنْهُهَا الرُّبُوبِيَّةُ۔ "خدا کی بندگی وہ

Presented by www.ziaraat.com

گوہر گراں بہا ہے جس کا باطن آزادی و ربوبیت ہے۔"

خدا کی بندگی اور مرکزی نقطۂ واحدہ کی طرف توجہ اور خدا کی سلطنتِ مطلقہ میں اپنی تمام قوتوں اور سلطنتوں کے فنا کر دینے سے دل کے اندر ایک ایسی حالت پیدا ہو جاتی ہے جو تمام عوالم پر حکومت کرتی ہے اور روح میں بھی ایسی عظمت و بلندی پیدا ہو جاتی ہے کہ پھر وہ خدا اور وہ حضرت جنکی اطاعت خدا کی اطاعت ہے انکے علاوہ کسی کی اطاعت نہیں کرتی اور اگر انقلاب زمانہ سے کسی کے قدرت و سلطنت کے ماتحت ہو بھی جائے تو اس کا دل لرزتا نہیں ہے بلکہ استقلال و حریتِ نفس باقی رہتا ہے جیسے حضرت یوسف و لقمان کی ظاہری غلامی نے ان کی قلبی آزادی و حریت کو سلب نہیں کیا۔

مگر (ولے ہوان) بہت سے قدرت مند اور ظاہری سلطنت کے مالک لوگوں پر جو ایسے بھی ہیں جنھوں نے حریت و آزادیٔ نفس، بزرگواری، بزرگ منشی کی بُو بھی سونگھی۔ بلکہ نفس کے بندہ بے دام اور ذلیل غلام بنے رہے اسی ناچیز مخلوق کی تملق و خوشامد کرتے رہے۔

حضرت سید سجادؑ فرماتے ہیں:

«إِنِّي لَأَنِفُ أَنْ أَطْلُبَ الدُّنْيَا مِنْ خَالِقِهَا، فَكَيْفَ مِنْ مَخْلُوقٍ مِثْلِي»

"مجھے اپنے خدا سے دُنیا کا سوال کرتے ہوئے شرم آتی ہے چہ جائیکہ میں اپنی جیسی مخلوق سے سوال کروں۔

اے میرے عزیز اگر تم کو طلب دنیا سے شرم نہیں محسوس ہوتی تو کم از کم اپنی جیسی کمزور مخلوق سے تو سوال نہ کر۔ یہ جان لے کہ مخلوق تیری دُنیا کو آباد کرنے کی طاقت نہیں رکھتی۔ میں مان لیتا ہوں کہ یہ ہزار ذلت و رسوائی تم نے کسی مخلوق کے ارادے کو جلب کر لیا۔ (مگر اس سے کیا فائدہ؟) اس کا ارادہ ملکِ خدا میں کارفرما نہیں ہے۔ کسی کا بھی تصرف مالک الملوک کی ملکیت میں نہیں ہے اس لئے چند روزہ دنیا اور محدود و موقت خواہشوں کے لئے ہر وقت ناچیز کی چاپلوسی نہ کرو۔ اپنے خدا سے غافل نہ ہو اپنی حریت و آزادی کی حفاظت کرو، غلامی کے طوق کو اپنی گردن سے اُتار دو ہر حال میں آزاد رہو۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے:

«إِنَّ الْحُرَّ حُرٌّ عَلَى جَمِيعِ أَحْوَالِهِ.» آزاد ہر حالت میں آزاد ہوتا ہے۔

یہ بات بھی جان لو کہ مالداری کا تعلق دل سے ہے۔ اگر دل غنی ہے تو انسان غنی ہے اور بے نیازی کا دار مدار روح کے حالات پر ہے۔ اس (غنا اور بے نیازی کا) تعلق ان خارجی امور

Presented by www.ziaraat.com

سے جو انسان سے غیر مربوط ہیں، نہیں ہے۔ میں نے خود اہلِ دولت و ثروت (صاحبانِ) مال و منال میں ایسے لوگوں کو دیکھا ہے کہ ان جیسے اظہارات کوئی باعزت فقیر بھی نہیں کر سکتا۔ ان کے بیانات شرم آور تھے۔ ذلت و مسکنت کا غبار ان بیچاروں کے چہرۂ قلب پر چھایا تھا۔ یہودی باوجودیکہ پوری دُنیا میں مالدار ترین قوم ہیں لیکن اس کے باوجود ان کے چہرے سے ذلت و مسکنت فقر و فاقہ ٹپکتا رہتا ہے اور پوری عمر ذلت و خواری، عاجزی و بے نوائی سے بسر کرتے ہیں یہ صرف ان کی روحانی ذلت اور قلبی فقیری کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے (اسی طرح) اہلِ زہد و درویش صفت لوگوں میں بعض ایسے اشخاص کو بھی میں نے دیکھا ہے کہ ان کے دل اتنے مستغنی اور بے نیاز ہیں کہ پوری دنیا بھی ان کو دیدی جائے تو توجہ نہ کریں گے وہ خدا کے علاوہ کسی کو عرضِ حال کے لائق نہیں سمجھتے، تم خود اہلِ دنیا اور طالبانِ ریاست کو دیکھو اور گہری نظر سے مطالعہ کرو تو پتہ چل جائے گا ان کی ذلت اور چاپلوسی دوسروں سے کہیں زیادہ ہے لوگوں کے سامنے ان کا خضوع بہت ہی زیادہ ہے۔ پیر و مرشد قسم کے لوگ ذلت و رسوائی برداشت کرتے ہیں تاکہ چند روز فرج پیٹ کی پوجا کر سکیں۔ پیر کا دل اپنے مرید کے سامنے اس سے زیادہ خاشع ہوتا ہے جتنا مرید کا دل پیر کے سامنے خاشع ہوا کرتا ہے حالانکہ دونوں کے اصل ارادہ میں بھی فرق ہوتا ہے۔ مرید کی ارادت روحانی و الٰہی ہے چاہے وہ غلط ہو اور پیر کی ارادت دنیاوی و شیطانی ہے۔ یہ سب تو دنیاوی ذلتیں اور مفسدے ہیں اور اگر کہیں پردہ اٹھ جائے تو پتہ چلے کہ خواہشاتِ نفسانی اور شہوتوں کی نوز نجیروں کی قید و بند کے نیچے کیا صورت ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ زنجیر جس کا طول ستر ہاتھ کا ہے اور جس کی خدا نے خبر دی ہے اور وہ قید و زنجیر جو ہمارے لئے ہے وہ اس دُنیا میں یہی شہوت و غضب کے زیرِ فرمان ہونا ہو۔ ارشادِ پروردگار ہے: «وَوَجَدُوا مَا عَمِلُوا حَاضِراً.» [۳] "جو کچھ کیا تھا اس کو حاضر پایا" نیز ارشاد ہے: «لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ.» [۴] اس عالم میں ہم کو جو بھی ملے گا وہ ہمارے اعمال کی صورت کا ہوگا۔

خواہشوں اور شہوتوں کے پیچ در پیچ سلسلہ کو پارہ کر دو، کمند دل کو توڑ کر اور قید سے باہر آ کر اس دُنیا میں آزاد زندگی بسر کرو تاکہ اُس عالم میں آزاد رہو۔ ورنہ اس قید کی صورت وہاں دیکھنا ہوگی اور یہ سمجھ لو کہ وہ بہت ہی طاقت فرسا ہے اولیائے خدا باوجودیکہ اس کی غلامی سے بالکل آزاد ہو چکے تھے اور حریت مطلقہ پر فائز تھے مگر ان کے اتنے دل لرزاں تھے اور انجامِ کار سے اتنا گریاں رہتے تھے اور نالہ کرتے تھے کہ عقلیں متحیر ہیں۔

Presented by www.ziaraat.com

دوسری فصل

اگرچہ ان اوراق میں جو مطالب بیان کئے گئے ہیں وہ شائع و مشہور و معروف ہیں اور مکررات سے شمار کرنا چاہیئے۔ لیکن اس تکرار میں کوئی حرج نہیں ہے۔ نفس کو یاد دہانی اور حق بات کی تکرار اچھی بات ہے۔ اسی لئے وظائف و اوراد، عبادات و مناسک میں تکرار مطلوب ہے اور اس تکرار کا اصلی مقصد نفس کو عادی بنانا اور ریاضت کا پابند بنانا ہے۔ لہٰذا میرے عزیز تکرار سے رنجیدہ نہ ہو اور یہ جان لو کہ جب تک انسان نفس اور اس کی شہوتوں کا اسیر ہے اور شہوت و غضب کا طولانی سلسلہ اس کی گردن میں ہے کسی بھی مقامِ معنوی و روحانی تک نہیں پہونچ سکتا اور نہ نفس کی باطنی سلطنت اور اس کا نافذ ارادہ ظاہر ہو سکتا ہے اور نہ عزتِ نفس و مقامِ استقلال جو کمالِ روحانی کا بزرگ ترین مقام ہے۔ انسان کے اندر پیدا ہو سکتا ہے۔ بلکہ اس اسیری کی وجہ سے انسان کبھی بھی اور کسی بھی حال میں نفس کی اطاعت سے سرپیچی نہیں کر سکتا۔

اور جب نفسِ امارہ اور شیطان کی حکومت باطنی طور سے قوی ہو جاتی ہے اور تمام قوتیں اس کی غلامی اور اطاعت کرنے لگتی ہیں اور اس کے سامنے جھک جاتی ہیں اور سرِ تسلیم خم کر لیتی ہیں تو پھر نفسِ امارہ و شیطان صرف گناہوں پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ رفتہ رفتہ گناہانِ صغیرہ سے گناہانِ کبیرہ کی طرف اور اس کے بعد کمزوریٔ عقائد اور پھر تاریکیٔ افکار اور پھر انکارِ خدا اور اس کے بعد انبیاء و اولیاء کی دشمنی اور بغض پر آمادہ کر دیتے ہیں اور نفس چونکہ ان کا غلام بن چکا ہے اس لئے انکی مخالفت نہیں کر سکتا۔ پس اس اسیری کا نتیجہ بہت ہی خراب ہوتا ہے اور ممکن ہے انسان کو بہت ہی ہولناک جگہوں تک پہونچا دے۔

اس لئے عقلمند اور اپنے اوپر مہربان انسان کو چاہیئے کہ جس طرح بھی ممکن ہو اپنے کو اس اسیری سے نکالے اور جب تک فرصت ہو، قوتیں سالم ہوں زندگی کے ساتھ صحت و جوانی برقرار ہو اور جب تک طاقتیں کلی طور سے شیطان کی مسخر نہ ہوئی ہوں اس کا مقابلہ کرے اور ایک مدت تک اپنے اوقات کی پابندی کرے۔ حالاتِ نفس کا مطالعہ کرے، گزشتہ لوگوں کے حالات ان کے بُرے انجام کو دقت سے سوچے اور چند گزرے ہوئے دنوں کے بارے میں اپنے باطنِ قلب کو سمجھائے دل کو بیدار کرے اور ہمارے لئے رسولِ خدا سے منقول حقیقت: اَلدُّنْیَا

Presented by www.ziaraat.com

مَزْرَعَةُ الْآخِرَةِ" ۱۴ "دنیا آخرت کی کھیتی ہے" کو سمجھائے کہ اگر ان چند دنوں میں زراعت نہیں کی، عمل صالح نہیں کیا تو وقت نکل جائے گا۔ دوسرا عالم قریب آجائے گا موت آدبوچے گی سارے اعمال منقطع ہوجائیں گے، تمام امیدیں خاک میں مل جائیں گی اور اگر خدانخواستہ شہوتوں کی اسی غلامی اور مختلف خواہشاتِ نفس کی گرفتاری کے زمانہ میں ملک الموت آگئے تو ممکن ہے شیطان اپنے مقصد یعنی ایمان خراب کرنے میں کامیاب ہوجائے اور ہمارے ساتھ ایسا برتاؤ کرے اور ہمارے دل کو ایسا بھائے کہ خدا و انبیاء و اولیا کی دشمنی پر ہمارا خاتمہ ہو اور پھر خدا جانے اس کے بعد ہمارے ساتھ کیسی بدبختیاں، تاریکیاں اور وحشتیں ہوں۔

لہٰذا اے ذلیل نفس اے غافل دل اب تو خوابِ غفلت سے بیدار ہوجا اور اس دشمن کے مقابلے کے لئے تیار ہوجا جو سالہا سال سے تمہارے گلے میں رسی ڈالے ہے اور تم کو قیدی بنائے ہے جدھر چاہتا ہے تم کو لے جاتا ہے اور جس برائی اور پست عادت کی طرف چاہتا ہے تم کو گھسیٹ لے جاتا ہے تجھے چاہیئے قیام کر۔ اس قید کو توڑ دے۔ زنجیروں کو ٹکڑے ٹکڑے کردے، آزاد ہوجا، ذلت و رسوائی کو دور کردے خدا کی بندگی میں گردن جھکادے تاکہ ہر غلامی و بندگی سے نجات مل جائے اور دونوں عالم میں سلطنتِ مطلقۂ الٰہیہ حاصل کرسکے۔

اے عزیز! اگرچہ یہ دُنیا دار جزا نہیں ہے سلطنتِ حق کے ظہور کی جگہ نہیں ہے۔ مومن کے لئے قید خانہ ہے۔ ۱۵ (پھر بھی) اگر تو نفس کی قید سے آزاد ہوجا، خدا کی بندگی میں سراطاعت کو خم کردے، دل کو توحید پرست بنادے، دوئی کے زنگ کو آئینۂ روح سے دھو ڈال، دل کو کمالِ مطلق کے مرکزی نقطہ کی طرف متوجہ کردے تو اسی عالم میں اس کے آثار اپنی آنکھوں سے دیکھ لے گا اور تیرے دل میں ایسی وسعت پیدا ہوجائے گی جو سلطنت تامۂ الٰہیہ کے ظہور کی جگہ بن سکے اور تمام عوالم سے اس کی وسعت زیادہ ہوگی (ارشاد ہے):

«لَا يَسَعُنِي أَرْضِي وَلَا سَمَائِي بَلْ يَسَعُنِي قَلْبُ عَبْدِيَ الْمُؤْمِنِ.» ۱۶ "میرے آسمان و زمین میں میری سمائی نہیں ہے لیکن میرے بندۂ مومن کے دل میری سمائی ہے" اور اس کے اندر ایسا غنا پیدا ہوجائے گا کہ تمام ممالک ظاہر و باطن اس کے مقابلہ میں ہیچ ہوں گے اور ارادہ اتنا قوی ہوجائے گا کہ ملک و ملکوت سے بھی متعلق نہ ہوگا اور وہ دونوں عالم کو اپنے لائق نہ سمجھے گا۔

طیران مرغ دیدی توز پای نہ شہوت بدر آئی تا ببینی طیران آدمیت ۱۷

Presented by www.ziaraat.com

تو نے پابندِ شہوت سے طائر کی پرواز کو دیکھا۔ اب ذرا (تقیدات سے) باہر آؤ اور آدمیت کی پرواز دیکھو۔

تیسری فصل

صبر کا مطلب۔ اور یہ کہ صبر قیدِ نفس سے آزادی کا نتیجہ ہوتا ہے

نفس کی غلامی سے آزادی کا سب سے بڑا نتیجہ عظیم ثمرہ مصیبتوں اور بلیات میں صبر ہے اور یہ ہماری ذمہ داری ہے کہ صبر کے معنیٰ کو اجمالاً بیان کریں اور اس کے اقسام و ثمرات اور حریت سے ارتباط کا ذکر کریں۔

صبر کی تعریف طائفۂ حقہ کے محقق، فرقہ محققہ کے مدقق، علم و عمل میں کامل (خواجہ) نصیر الدین طوسی[۱۸] قدس اللہ نفسہ القدوسی نے اس طرح فرمائی ہے: مکروہ کے وقت نفس کو بیتابی سے محفوظ رکھنا ہے[۱۹] اور عارف و محقق مشہور نے منازل السائرین میں اس طرح فرمایا ہے "جزع مستور پر نفس کو شکایت سے محفوظ رکھنا ہے۔[۲۰] انتہیٰ۔ اب کو یہ معلوم ہونا چاہئے کہ صبر متوسطین کے مقامات میں شمار کیا گیا ہے اس لئے کہ نفس جب تک مصیبتوں اور بلیات کو مکروہ سمجھتا رہے گا اور ان چیزوں سے اس کو جزع باطنی حاصل ہوگا اس کی معرفت ناقص ہے جیسے رضا بہ قضا اور بلیات کی توجہ پر خوش ہونا ایک بلند مقام ضرور ہے مگر ہم اس کو بھی متوسطین کے مقامات میں سے شمار کرتے ہیں۔ اسی طرح گناہوں اور اطاعتوں پر صبر اور اسرار عبادات اور معاصی و طاعات کی صورتوں کی معرفت میں نقص شمار کیا جاتا ہے۔ اس لئے کہ کوئی عبادت کی حقیقت کو سمجھتا ہو اور اس کی خوبصورت برزخی شکل سے آشنا ہو اور اس پر ایمان رکھتا ہو اور معصیت کی وحشت ناک برزخی صورت پر ایمان رکھتا ہو تو ان مقامات پر اس کے لئے صبر ایک بے معنیٰ شئی ہے۔ بلکہ مطلب اس کے برعکس ہے کیونکہ یہاں پر یہ ہے کہ اگر اس کو خوشی یا راحت نصیب ہو یا اس کا کام منجر بہ ترکِ عبادت یا فعلِ معصیت ہو تو یہ چیزیں اس کے لئے مکروہ ہوتی ہیں اور اس کا جزع باطنی، بلیات و مصیبت پر اہلِ صبر کے جزع سے کہیں زیادہ ہوتا ہے۔

جناب عبد صالح فریضۂ عبودیت کے عارف صاحبِ مقامات و کرامات جناب علی

Presented by www.ziaraat.com

بن طاؤس[۲۱] قدس اللہ نفسہ سے منقول ہے کہ وہ اپنے اوّل تکلیف کے دن (یعنی اوّل بلوغ کے دن) جشن مناتے تھے۔ خوشی کرتے تھے کھانا کھلاتے تھے اور اس دن کو روزِ عید شمار کرتے تھے اس لئے کہ خدا نے ان کو اس دن یہ فخر عطا کیا کہ ان کو اطاعت کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی[۲۲] کیا اس روحِ لطیف کے لئے اطاعتوں کے بجالانے کو ایسے مکروہات پر صبر کرنا کہا جاسکتا ہے جو باطن میں چھپے ہوں؟ کہاں ہم اور کہاں یہ حق کے فرمانبردار بندے! ہم یہ گمان کرتے ہیں کہ خداوندِ عالم نے ہم پر بار ڈالا ہے اور تکالیف (شرعیہ) کو زحمت و پریشانی کا سبب سمجھتے ہیں۔ ہم میں سے اگر کوئی زحمت اُٹھا کر اوّل وقت نماز پڑھ لیتا ہے تو کہتا ہے انسان کو یہ کام جلد کر لینا چاہیئے تاکہ راحت و آرام نصیب ہو۔ ہماری ساری بدبختی جہالت و نادانی سے ہے اور ہمارا سارا نقصان فقدانِ ایمان کی وجہ سے ہے۔

بہرحال حقیقتِ صبر "چھپے ہوئے جزع پر شکایت کرنے سے نفس کو روکنا" ہے۔ مگر ائمہ ھدیٰ اور انبیائے کرام کے لئے جو تعریف کی جاتی ہے کہ وہ صبر کرتے تھے ہو سکتا ہے اس سے مُراد جسمانی تکلیفوں پر صبر کرنا مُراد ہو کیونکہ بشری طبیعت کا مقتضیٰ ان پر متأثر ہونا ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ محبوب کے فراق پر صبر کرنا مقصود ہو کیونکہ یہ بھی مجمین کے بزرگ مقامات میں سے ہے۔ اس کے بعد اس کا (بھی) ذکر کیا جائے گا۔ ورنہ اطاعتوں، مصیبتوں، معصیتوں وغیرہ پر صبر کرنا ان حضرات کے بارے میں کیا بلکہ ان کے شیعوں کے بارے میں بھی بے معنیٰ چیز ہے۔

مشہور عارف کمال الدین عبدالرزاق کاشانی[۲۳] شرح منازل میں فرماتے ہیں، شیخ نے جو فرمایا ہے کہ صبر کے معنیٰ شکایت سے خودداری کرنا ہے تو یہاں شکایت سے مراد مخلوق سے شکایت ہے ورنہ خدا سے شکایت اس کی بارگاہ میں جزع و فزع کرنا صبر کے منافی نہیں ہے۔ جیسے جناب ایوبؑ نے خدا سے شکوہ کیا: «أَنِّي مَسَّنِيَ الشَّيْطَانُ بِنُصْبٍ وَعَذَابٍ.» [۲۴] (مجھ کو شیطان نے بہت اذیت و تکلیف پہونچا رکھی ہے) حالانکہ خدا نے ان کی تعریف کی ہے: «إِنَّا وَجَدْنَاهُ صَابِراً نِعْمَ الْعَبْدُ إِنَّهُ أَوَّابٌ.» [۲۵] (ہم نے ان کو صابر پایا اور وہ کیا اچھے بندے تھے۔) حضرت یعقوبؑ نے عرض کیا: «إِنَّمَا أَشْكُوا بَثِّي وَحُزْنِي إِلَى اللَّهِ» [۲۶] (میں تو اپنی بے قراری اور رنج کی شکایت خدا ہی سے کرتا ہوں) حالانکہ جناب یعقوب صابروں میں سے تھے۔ بلکہ خدا سے شکایت نہ کرنا اچھی بات نہیں ہے۔[۲۷]

انبیائے کرام اور ائمہ معصومین صلوات اللہ علیہم اجمعین کی سیرت سے بھی یہی ظاہر ہوتا

Presented by www.ziaraat.com

ہے کہ ان حضرات کے مقامات اگرچہ صبر و رضا و تسلیم سے بلند تھے مگر پھر بھی بارگاہ احدیت میں عجز و تضرع، دعا و مناجات کرتے رہتے تھے اور اپنی حاجتوں کو خدا سے طلب کرتے تھے اور یہ بات روحانی مقامات کے مخالف نہیں ہے۔ بلکہ ذکر خدا اور محبوب سے انس و خلوت کامل مطلق کی بارگاہ میں اظہار عبودیت و ذلت عارفین کی سب سے بڑی آرزو اور سالکین کے سلوک کا نتیجہ ہے۔

چوتھی فصل

صبر کے نتائج

یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ صبر کے بہت سے نتائج ہیں ان میں سے ریاضت اور نفس کی تربیت (یعنی) ہے اگر انسان ناخوشگوار حادثات، مشقت، عبادات، زحمت مناسک اور تلخی ترک نفسانی لذات کو ایک مدت تک بمطابق فرمان دینی نعمت برداشت کرے اور مشقتوں کو خواہ وہ سخت و ناگوار ہوں ان پر صبر کرے تو رفتہ رفتہ اس کی عادت ہو جائے گی اور مرتاض ہو جائے گا اور (نفس کی) سرکشی سے باہر آجائے گا۔ مشقتوں کی سختیوں کو برداشت کرنا آسان ہو جائے گا اور نفس کے اندر ایک ملکہ مراسخہ نوریہ پیدا ہو جائے گا جس کی وجہ سے وہ مقام صبر سے ترقی کر کے دیگر بلند مقامات تک ترقی کر جائے گا۔ بلکہ معاصی پر صبر کرنا منشاء تقوائے نفس ہوتا ہے اور طاعتوں پر صبر کرنا منشاء انس بخدا ہوتا ہے، بلیات پر صبر کرنا منشائے رضا بقضاء الٰہی ہوتا ہے اور یہ سب اہل ایمان بلکہ اہل عرفان کے بلند مقامات میں سے ہیں۔ اہل بیت عصمت کی حدیثوں میں صبر کی بہت تعریف کی گئی ہے۔ چنانچہ کافی شریف میں حضرت صادق تک سند پہونچا کر آپ سے منقول ہے:

«قَالَ اَلصَّبْرُ مِنَ الْإِيمَانِ بِمَنْزِلَةِ الرَّأْسِ مِنَ الْجَسَدِ فَإِذَا ذَهَبَ الرَّأْسُ، ذَهَبَ الْجَسَدُ وَ كَذٰلِكَ إِذَا ذَهَبَ الصَّبْرُ ذَهَبَ الْإِيمَانُ.»[۲۸]

"ایمان کے لئے صبر کی وہی حیثیت ہے جو جسم میں سر کی ہوتی ہے اگر سر نہ رہے تو جسم ختم ہو جاتا ہے اسی طرح اگر صبر نہ رہے تو ایمان ختم ہو جاتا ہے۔"

Presented by www.ziaraat.com

دوسری حدیث میں حضرت سجادؑ تک سند پہونچا کر آپؑ سے منقول ہے:

«عَلِيّ بْنِ الْحُسَيْنِ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ قَالَ الصَّبْرُ مِنَ الْإِيمَانِ بِمَنْزِلَةِ الرَّأْسِ مِنَ الْجَسَدِ وَلَا إِيمَانَ لِمَنْ لَا صَبْرَ لَهُ.»[۲۹]

"ایمان کے لئے صبر کی وہی حیثیت ہے جو جسم کے لئے سر کی ہوتی ہے۔ جس کے پاس صبر نہیں ہے اس کے پاس ایمان (بھی) نہیں ہے۔"

اس سلسلہ میں احادیث بہت ہیں ہم اس کے بعد مناسب مقام پر ان میں سے بعض کا ذکر کریں گے۔

صبر ابواب سعادت کی کلید، مہالک سے نجات کا ذریعہ ہے بلکہ صبر بلیات کو انسان پر آسان اور مشکلات کو سہل کر دیتا ہے عزم و ارادہ کو قوت دیتا ہے ملکات ردع کو مستقل کرتا ہے۔ (اسکے مقابلہ میں) بے صبری باعث شرم ہے۔ ضعف نفس کی کاشف ہے۔ انسان کو بے ثبات، ارادہ کو کمزور، عقل کو سست کر دیتی ہے۔ جناب محقق خبیر خواجہ نصیر طوسی قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں:

«وَهُوَ (أَيِ الصَّبْرُ) يَمْنَعُ الْبَاطِنَ عَنِ الْإِضْطِرَابِ، وَاللِّسَانَ عَنِ الشِّكَايَةِ، وَالْأَعْضَاءَ عَنِ الْحَرَكَاتِ الْغَيْرِ الْمُعْتَادَةِ.»[۳۰]

"صبر باطن کو اضطراب سے، زبان کو شکایت سے، اعضا کو غیر عادی حرکتوں سے روک دیتا ہے۔"

اس کے برخلاف انسان غیر صابر کا باطن و دل مضطرب و وحشت ناک، قلب لرزاں و متزلزل ہوتا ہے اور یہ خود بہت بڑی مصیبت اور بہت بڑی بلا ہے جو انسان کے سر پر نازل ہوتی ہے اور انسان سے راحت کو سلب کر لیتی ہے۔ لیکن صبر مصیبت کو ہلکا کرتا ہے اور دل کو بلاؤں پر غلبہ دیتا ہے اور ارادہ کو مصیبتوں پر قاہر بناتا ہے اور بے صبرے انسان کی زبان شکایت ہر کس و ناکس کے سامنے کھل جاتی ہے اور یہ چیز لوگوں کے سامنے رسوائی، کم ثباتی، سست عنصری، لوگوں کی نظروں سے گر جانے کے علاوہ ملائکہ اور بارگاہ قدس الٰہی میں بے قدری کا سبب ہے۔ جو شخص خدا اور محبوب مطلق کی طرف سے آئی ہوئی ایک مصیبت کو برداشت نہیں کر سکتا اور جو شخص اپنے دل نعمت کی ہزاروں نعمتوں کو دیکھنے اور ہمیشہ اس میں ڈوبے رہنے کے باوجود ایک

Presented by www.ziaraat.com

مصیبت کو دیکھ کر مخلوقِ خدا کے سامنے زبانِ شکایت کھول دے بھلا اس کا ایمان کیا؟ اور مقامِ مقدس خدا کے سامنے کیسی تسلیم و رضا؟ لہٰذا یہ بات صحیح ہے کہ جس کے پاس صبر نہیں ہے۔ اس کے پاس ایمان نہیں ہے۔ اے خدا کے بندے اگر خدا پر تیرا ایمان ہوتا تو مجاری اُمور کو قدرتِ کاملہ کا کرشمہ سمجھتا تو کسی کو امور میں متصرف نہ سمجھتا اور زمانہ کی مصیبتوں کی شکایت غیرِ خدا سے نہ کرتا بلکہ ان کو دل و جان سے قبول کر کے خدا کا شکر ادا کرتا۔

پس یہ باطنی اضطراب، زبانی شکایتیں، اعضا (و جوارح) کا غیر عادی بُری حرکتیں سب گواہ ہیں کہ ہم اہلِ ایمان نہیں ہیں۔ جب تک نعمت مل رہی ہے صورتاً شکر کرتے ہیں مگر وہ بھی بے مغز! بلکہ (یہ شکر بھی) زیادتی کی لالچ میں کرتے ہیں۔ جب کوئی مصیبت پیش آتی ہے یا ایک دردِ یا بیماری میں مبتلا ہو جاتے ہیں تو خدا کی شکایتیں اس کی مخلوق سے کرنے لگتے ہیں اور ہر کس و ناکس کے سامنے کنایتاً شکوہ کرنے لگتے ہیں اور اعتراض کرنے لگتے ہیں۔ رفتہ رفتہ یہ شکایتیں اور جزع و فزع خدا اور قضائے الٰہی کے بارے میں نفس کے اندر بغض کی تخم ریزی کرنے لگتی ہیں اور وہ درخت سبز ہو کر قوی ہوتا رہتا ہے پھر ملکہ بن جاتا ہے۔ بلکہ (اگر) خدانخواستہ باطنِ ذات کی صورت، قضائے حق اور دشمنیٔ حق کی صورتِ بغض اختیار کرے تو پھر ہاتھوں کی لگام ٹوٹ جاتی ہے اور اختیار کی مہار ہاتھ سے نکل جاتی ہے اور پھر انسان کسی بھی طرح حال و خیال کے ضبط و انضباط پر قادر نہیں ہوتا اور ظاہری و باطنی طور سے خدا کا دشمن ہو جاتا ہے اور ایک مرتبہ ہی خدا کی دشمنی لئے ہوئے اس دُنیا سے کوچ کرتا ہے اور شقاوتِ ابدی و ظلمتِ دائمی سے دوچار ہو جاتا ہے۔ میں بُرے انجام اور ایمان مستودع سے خدا کی پناہ چاہتا ہوں۔ پس یہ بالکل درست ہے کہ جب صبر چلا جاتا ہے تو ایمان بھی چلا جاتا ہے۔

میرے عزیز مطلب بہت اہم اور راہ بہت خطرناک ہے۔ دل و جان سے کوشش کر کے حوادثِ دنیا پر صبر و بردباری کو اپنا پیشہ بنالو۔ مصیبتوں اور بلاؤں کا مردانہ وار مقابلہ کرو، نفس کو سمجھاؤ کہ جزع و فزع اپنی جگہ پر خود ہی ایک تنگ و عار ہے (دوسرے) اس سے مصیبتوں اور بلاؤں کے دور کرنے میں کوئی فائدہ بھی نہیں ہوگا۔ قضائے الٰہی اور ارادۂ حتمی خدائی کی کمزور و ضعیف و ناتواں مخلوق کے سامنے شکایت کرنے سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا جیسا کہ حدیث میں اس کی طرف اشارہ ہے:

سماعہ کہتے ہیں:

Presented by www.ziaraat.com

«مُحَمَّدُ بْنُ يَعْقُوبَ بِإِسْنَادِهِ عَنْ سَمَاعَةَ بْنِ مِهْرَانَ، عَنْ أَبِي الْحَسَنِ، عَلَيْهِ السَّلَامُ، قَالَ قَالَ لِي: مَا حَبَسَكَ عَنِ الْحَجِّ؟ قَالَ قُلْتُ: جُعِلْتُ فِدَاكَ، وَقَعَ عَلَيَّ دَيْنٌ كَثِيرٌ وَذَهَبَ مَالِي؛ وَدَيْنِيَ الَّذِي قَدْ لَزِمَنِي هُوَ أَعْظَمُ مِنْ ذِهَابِ مَالِي؛ فَلَوْلَا أَنَّ رَجُلاً مِنْ أَصْحَابِنَا أَخْرَجَنِي مَا قَدَرْتُ أَنْ أَخْرُجَ. فَقَالَ لِي: إِنْ تَصْبِرْ تُغْبَطْ؛ وَإِلَّا تَصْبِرْ يُنْفِذِ اللّٰهُ مَقَادِيرَهُ، رَاضِياً كُنْتَ أَمْ كَارِهاً.»[۳۱]

" امام ابوالحسن کاظم علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا: تم کو کس چیز نے حج سے روکا؟ میں عرض کیا: میری جان آپؑ پر فدا ہو جائے میں بہت مقروض ہوں اور میرا مال چلا گیا۔ مال کے چلے جانے سے زیادہ اہمیت قرض کی ہے اگر میرے ایک دوست نے میری مدد نہ کی ہوتی تو میں اس بار سے سبکدوش نہیں ہو سکتا تھا۔ پھر حضرت نے مجھ سے فرمایا: اگر صبر کرو گے تو مورد غبطہ ہو گے اور اگر صبر نہ کرو گے تو چاہے خوش ہو یا ناخوش خدا اپنی تقدیرات جاری کر کے رہے گا"

اس سے پتہ چلا کہ جزع و فزع سے کوئی فائدہ نہیں ہے بلکہ اس سے ہولناک قسم کے ضرر وابستہ ہیں اور اس کے پیچھے ایمان سوز ہلاکتیں ہیں اور خود صبر و بردباری کے اندر ثواب جزیل و اجر جمیل اور خوبصورت مثال برزخی ہے۔ چنانچہ سماعہ والی حدیث کے ذیل میں ہے: کہ جس کی شرح ہم نے کی ہے۔

«وَكَذٰلِكَ الصَّبْرُ يُعَقِّبُ خَيْراً؛ فَاصْبِرُوا وَوَطِّنُوا أَنْفُسَكُمْ عَلَى الصَّبْرِ تُؤْجَرُوا.»

(اسی طرح صبر اپنے پیچھے اچھے کام رکھتا ہے لہٰذا صبر کرو اور اپنے نفوس کو صبر پر آمادہ کرو اس کا اجر ملے گا۔) پس اس دنیا میں بھی صبر کا انجام اچھا ہے جیسا کہ حضرت یوسفؑ کی مثال سے معلوم ہوتا ہے اور آخرت میں بھی موجب اجر ہے۔

کافی کی حدیث شریف میں ابو حمزہ ثمالی رحمۃ اللہ تک سند پہونچاتے ہیں کہ انھوں نے کہا کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

«قَالَ أَبُو عَبْدِ اللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ: مَنِ ابْتُلِيَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ بِبَلَاءٍ فَصَبَرَ عَلَيْهِ، كَانَ لَهُ مِثْلُ أَجْرِ أَلْفِ شَهِيدٍ.»[۳۲] " جو مومن کسی بلا میں گرفتار ہو اور اس پر صبر کرے تو اس کو

Presented by www.ziaraat.com

ہزار شہید کا اجر ملے گا۔

اس باب میں بہت سی احادیث آئی ہیں بعض کو میں اس کے بعد والی فصل میں ذکر کروں گا اب رہی یہ بات کہ صبر کی برزخی صورت بہت ہی اچھی و خوبصورت ہے یہ بات مطابق برہان ہونے کے علاوہ حدیثوں میں بھی اس کا ذکر ہے۔ چنانچہ کافی شریف میں سند امام صادقؑ تک پہونچاتی کہ امام صادقؑ فرماتے ہیں:

«إِذَا دَخَلَ الْمُؤْمِنُ فِي قَبْرِهِ، كَانَتِ الصَّلَاةُ عَنْ يَمِينِهِ وَالزَّكَاةُ عَنْ يَسَارِهِ وَالْبِرُّ مُطِلٌّ عَلَيْهِ وَيَتَنَحَّى الصَّبْرُ نَاحِيَةً؛ فَإِذَا دَخَلَ عَلَيْهِ الْمَلَكَانِ اللَّذَانِ يَلِيَانِ مُسَاءَلَتَهُ، قَالَ الصَّبْرُ لِلصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ وَالْبِرِّ: دُونَكُمْ صَاحِبَكُمْ؛ فَإِنْ عَجَزْتُمْ عَنْهُ فَأَنَا دُونَهُ.»[۴۳]

"جب مومن قبر میں داخل ہوتا ہے تو نماز داہنی طرف زکواۃ بائیں طرف اور نیکیاں سر پر سایہ فگن ہوتی ہیں اور صبر ایک کنارے رہتا ہے۔ جب منکر و نکیر سوال کے لئے آتے ہیں تو صبر نماز، زکواۃ اور نیکیوں سے کہتا ہے اپنے رفیق کا ساتھ دو۔ اگر تم اس سے عاجز آگئے تو میں اس کی مدد کروں گا۔"

پانچویں فصل

صبر کے درجات

احادیث شریفہ سے معلوم ہوتا ہے کہ صبر کے چند درجات ہیں اور انھیں درجات کے اعتبار سے اس کا اجر و ثواب مختلف ہوتا ہے چنانچہ کافی میں حضرت علیؑ سے روایت ہے کہ رسولخداؐ نے فرمایا:

«قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ، صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ، اَلصَّبْرُ ثَلَاثَةٌ: صَبْرٌ عِنْدَ الْمُصِيبَةِ؛ وَصَبْرٌ عَلَى الطَّاعَةِ؛ وَصَبْرٌ عَنِ الْمَعْصِيَةِ. فَمَنْ صَبَرَ عَلَى الْمُصِيبَةِ حَتَّى يَرُدَّهَا

Presented by www.ziaraat.com

بِحُسْنِ عَزَائِهَا، كَتَبَ اللّٰهُ لَهُ ثَلاثَمِأَةِ دَرَجَةٍ مَا بَيْنَ الدَّرَجَةِ إِلَى الدَّرَجَةِ، كَمَا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالأَرْضِ. وَمَنْ صَبَرَ عَلَى الطَّاعَةِ، كَتَبَ اللّٰهُ لَهُ سِتَّمِأَةِ دَرَجَةٍ مَا بَيْنَ الدَّرَجَةِ إِلَى الدَّرَجَةِ، كَمَا بَيْنَ تُخُومِ الأَرْضِ إِلَى الْعَرْشِ. وَمَنْ صَبَرَ عَنِ الْمَعْصِيَةِ، كَتَبَ اللّٰهُ لَهُ تِسْعَمِأَةِ دَرَجَةٍ مَا بَيْنَ الدَّرَجَةِ إِلَى الدَرَجَةِ، كَمَا بَيْنَ تُخُومِ الأَرْضِ إِلَى مُنْتَهَى الْعَرْشِ.» ۳۴

" صبر کے تین درجے ہیں: ۱۔ مصیبت پر صبر ۲۔ اطاعت پر صبر ۳۔ معصیت سے صبر۔ پس جو مصیبت پر صبر کر کے اس کو اچھی طرح واپس کر دے خدا اس کو تین سو درجے عطا کرتا ہے ایک درجہ کا فاصلہ دوسرے درجہ سے اتنا ہوتا ہے جتنا زمین و آسمان میں فاصلہ ہے اور جو طاعت پر صبر کرتا خدا اس کو چھ سو درجے عطا کرتا ہے ایک درجہ کا فاصلہ دوسرے درجے سے اتنا ہوتا ہے جتنا زمین کی گہرائی سے عرش کا فاصلہ ہے اور جو معصیت سے صبر کرتا ہے اس کو خدا نو سو درجے عطا کرتا ہے ایک درجہ سے دوسرے درجہ تک فاصلہ زمین کی جڑ سے عرش کی انتہا تک کے برابر ہوتا ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ صبر از معصیت کا درجہ صبر کے باقی تمام مراتب سے افضل ہوتا ہے اس لئے کہ اس کے درجات بھی زیادہ ہیں اور درجات کے درمیان وسعت بھی زیادہ ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بہشت کی وسعت اس سے کہیں زیادہ ہے جو ہم مجوبین و مقیدین کے ذہن میں ہے اور جو بہشت کی حد بندی میں کہا گیا ہے کہ: "عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ" ۳۵ "اس کا عرض آسمانوں اور زمین کے عرض کے برابر ہے" یہ شاید بہشت اعمال کی حد بندی ہے اور یہ جو حدیث میں بہشت اخلاق (کا ذکر) آیا ہے اور بہشت اخلاق کی میزانِ قوت اور کمال ارادہ ہے تو اس کی کوئی حد بندی نہیں کی جا سکتی۔

بعض (علما) نے فرمایا ہے کہ یہاں بلندی مراد ہے اور آیت میں عرض مراد ہو۔ ۳۶ تو کوئی منافات نہیں ہے کیونکہ ہو سکتا ہے عرض میں (دونوں) برابر ہوں اور بلندی میں مختلف ہوں (مگر) یہ (قول بعض) بعید ہے اس لئے کہ اس سے ایسا معلوم ہوتا ہے عرض سے وسعت مقصود ہے نہ وہ عرض جو طول کے مقابل بولا جاتا ہے جیسے سماوات و ارض میں بھی عرض بمقابل اس طول کے نہیں ہے جو عرفاً و لغتاً مفہوم ہیں۔ اگرچہ طبیعین کی اصطلاح میں عرض بعد ثانی کے معنی میں آیا ہے۔ مگر قرآن اصطلاحوں کے مطابق رفتار نہیں کرتا۔

کافی میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ رسولِ خدا نے فرمایا:

«قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ، سَيَأْتِي عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ لاَ يُنَالُ فِيهِ

Presented by www.ziaraat.com

الْمُلْكُ إِلاَّ بِالْقَتْلِ وَالتَّجَبُّرِ وَلاَ الْغِنٰى إِلاَّ بِالْغَصْبِ وَالْبُخْلِ، وَلاَ الْمَحَبَّةُ إِلاَّ بِاِسْتِخْرَاجِ الدِّيْنِ وَاتِّبَاعِ الْهَوٰى. فَمَنْ أَدْرَكَ ذٰلِكَ الزَّمَانَ فَصَبَرَ عَلَى الْفَقْرِ وَهُوَ يَقْدِرُ عَلَى الْغِنٰى وَصَبَرَ عَلَى الْبِغْضَةِ وَهُوَ يَقْدِرُ عَلَى الْمَحَبَّةِ وَصَبَرَ عَلَى الذُّلِّ وَهُوَ يَقْدِرُ عَلَى الْعِزِّ، آتَاهُ اللّٰهُ ثَوَابَ خَمْسِيْنَ صِدِّيْقاً مِمَّنْ صَدَّقَ بِيْ.[۳۷]

"عنقریب میری اُمّت پر ایک ایسا زمانہ آئے گا جس میں ملک قتل و جبر سے حاصل ہوگا، مالداری غضب اور بخل سے حاصل ہوگی، محبت دین سے نکلنے اور خواہش نفس کی پیروی سے حاصل ہوگی جو شخص اس زمانہ کو پائے اور مالداری پر قدرت کے باوجود فقیری پر صبر کرے اور محبت پر قدرت کے باوجود بغض پر صبر کرے، عزت حاصل کر سکنے کے باوجود ذلت پر صبر کرے خدا اس کو ایسے پچاس صدیقوں کا ثواب عطا کرے گا جنھوں نے میری تصدیق کی ہو۔"

اسی مضمون کے قریب حضرت علیؑ سے بھی حدیث منقول ہے۔[۳۸] خلاصہ یہ کہ اس سلسلہ میں بہت سی حدیثیں وارد ہوئی ہیں مگر ہم نے صرف انھیں چند حدیثوں پر اکتفا کیا ہے۔

چھٹی فصل

اہلِ معرفت کے درجاتِ صبر

جان لو یہاں تک جو ذکر ہوا وہ عوام و متوسطین سے متعلق تھا جیسا کہ اس حدیث کے شروع کی فصلوں میں ہم نے اشارہ کیا کہ صبر کو متوسطین کے مقامات میں شمار کیا گیا ہے۔ لیکن صبر کے دوسرے درجات بھی ہیں جو اہلِ سلوک اور کامل اور اولیا سے متعلق ہیں۔ چنانچہ ان میں سے ایک "صبر فی اللہ" ہے یعنی میدانِ جہاد میں ثابت قدمی اور مانوس و مالوف بلکہ خود اپنے کو راہِ محبوب میں ترک کر دینا اور یہ اہلِ سلوک سے متعلق ہے۔

دوسرا مرتبہ "صبر مع اللہ" ہے۔ یہ ان اہلِ حضور و مشاہدینِ جمال سے متعلق ہے جب وہ جلبابِ بشریت سے خارج ہوں افعال و صفات کے لباس سے مجرد ہوں اور ان کے قلوب اسماد

Presented by www.ziaraat.com

صفات کی تجلیات سے روشن ہوں، واردات انس و ہیبت ان پر وارد ہوں، تلونات سے نفس محفوظ ہو، مقام انس و شہود سے غیبت ہو۔

تیسرا مرتبہ "صبر عن اللہ" ہے یہ ان عشاق و مشتاقین کا درجہ ہے جو اہل شہود و عیان ہوں اور یہ اس صورت میں ہے جب وہ لوگ اپنے عالم کی طرف رجوع کریں اور عالم کثرت و ہوشیاری کی طرف پلٹ آئیں یہ سب سے دشوار تر اور مشکل تر مرتبہ ہے۔ مولائے سالکان پیشوائے کاملان حضرت امیر مومنان علیہ التحیۃ والسلام نے دعائے کمیل میں اس جملہ سے:

«وَهَبْنِي صَبَرْتُ عَلَى عَذَابِكَ، فَكَيْفَ أَصْبِرُ عَلَى فِرَاقِكَ:» ۳۹ معبود فرض کرلے کہ میں تیرے عذاب پر صبر کرلوں مگر تیرے فراق پر کیونکر صبر کرسکتا ہوں" اسی مطلب کی طرف اشارہ کیا ہے۔

روایت میں ہے کہ:

«وَرُوِيَ أَنَّ شَابّاً مِنَ الْمُحِبِّينَ سَأَلَ الشِّبْلِيَّ عَنِ الصَّبْرِ فَقَالَ أَيُّ الصَّبْرِ أَشَدُّ؟ فَقَالَ اَلصَّبْرُ لِلّٰهِ. فَقَالَ لاَ. فَقَالَ اَلصَّبْرُ بِاللّٰهِ. فَقَالَ لاَ. فَقَالَ اَلصَّبْرُ عَلَى اللّٰهِ. فَقَالَ لاَ. فَقَالَ اَلصَّبْرُ فِي اللّٰهِ. فَقَالَ لاَ. فَقَالَ اَلصَّبْرُ مَعَ اللّٰهِ. فَقَالَ لاَ. فَقَالَ وَيْحَكَ فَأَيٌّ؟ فَقَالَ اَلصَّبْرُ عَنِ اللّٰهِ. فَشَهِقَ الشِّبْلِيُّ وَخَرَّ مُغْشِيّاً عَلَيْهِ.» ۴۰

"محبین میں سے ایک جوان نے شبلی سے صبر کے بارے میں پوچھا کہ کون سا صبر زیادہ شدید ہے؟ شبلی نے کہا: الصبر للہ اس نے کہا نہیں پھر شبلی نے کہا: الصبر باللہ اس نے کہا نہیں۔ پھر شبلی نے کہا: الصبر علی اللہ، جوان نے کہا نہیں شبلی نے کہا: الصبر فی اللہ جوان نے کہا نہیں! شبلی نے پھر کہا: الصبر مع اللہ۔ جوان نے کہا نہیں۔ اس پر شبلی بولے تیرے اوپر وائے ہو پھر کون سا؟ اس نے کہا: الصبر عن اللہ یہ سنکر شبلی نے ایک چیخ ماری اور بے ہوش ہوکر گر پڑے۔"

چوتھا درجہ "صبر باللہ" ہے اور یہ اہل تمکین و استقامت کے لئے ہے جو ہوشیاری اور بقا باللہ اور تخلق باخلاق اللہ کے بعد ان لوگوں کو حاصل ہوتا ہے۔ یہ اکمل ترین لوگوں کے علاوہ کسی کو نصیب نہیں ہوتا اور چونکہ ان مراتب تک ہماری رسائی نہیں ہوتی اس لئے اس کتاب میں اس کے ذکر کا فائدہ نہیں ہے۔

«وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ أَوَّلاً وَآخِراً وَصَلَّى اللّٰهُ عَلَى مُحَمَّدٍ وَآلِهِ الطَّاهِرِينَ.»

Presented by www.ziaraat.com

سولہویں حدیث کی توضیحات

۱۔ اصول کافی جلد ۲ ص ۸۹، کتاب ایمان و کفر، باب صبر حدیث ۶
۲۔ اس کی ریسی پٹائی کی اور ایسی تڑیا کی زمین کے برابر ہو گیا۔
۳۔ نہج البلاغہ، خطبہ ۲۲۰ اور نہایہ ابن اثیر جلد ۲ ص ۱۲۸۔
۴۔ نہایہ اللغۃ، باب الذال مع الکاف۔
۵۔ حدیث ۱ توضیح ۱۴۔
۶۔ مرآۃ العقول جلد ۸ ص ۱۳۰، کتاب ایمان و کفر، باب صبر، حدیث ۶۔
۷۔ مرآۃ العقول جلد ۸ ص ۱۳۰۔
۸۔ وسائل الشیعہ جلد ۲ ص ۹۰۳، کتاب الطہارۃ، ابواب الدفن، باب ۶۷، حدیث ۷۔
۹۔ مرآۃ العقول جلد ۸ ص ۱۳۱، کتاب ایمان و کفر، باب صبر، حدیث ۶۔
۱۰۔ مصباح الشریعۃ ص ۵۲۶، باب صدم در حقیقت عبودیت۔
۱۱۔ علل الشرائع میں جلد ۱ باب ۲۱۵ حدیث ۲ میں امام سجادؑ کی روایت کے ضمن میں یہ مضمون تھوڑے سے اختلافِ عبارت کے ساتھ آیا ہے۔
۱۲۔ سورۂ کہف آیت ۲۹۔
۱۳ سورۂ بقرہ آیت ۲۸۶۔
۱۴۔ علم الیقین جلد ۱ ص ۳۴۲، مقصد سوم، باب اول، فصل ۸، احیاء العلوم جلد ۴ ص ۲۱، کتاب توبہ۔
۱۵۔ یہ حضرت ابی عبداللہ کی حدیث الدنیا سجن المومن (دنیا مومن کے لئے قید خانہ ہے) کی طرف اشارہ ہے

Presented by www.ziaraat.com

اصولِ کافی جلد ۲ ص ۲۵۰ کتاب ایمان و کفر"۔

۱۶۔ حدیث ۲، توضیح ۱۵۔

۱۷۔ یہ بیت سعدی کا ہے۔

۱۸۔ حدیث ۱۵۔ توضیح ۲۲۔

۱۹۔ اوصاف الاشراف ص ۱۰۸، فصل ۵، باب ۳۔

۲۰۔ منازل السائرین ص ۳۸، باب الصبر۔

۲۱۔ رضی الدین علی بن موسیٰ بن جعفر (۵۸۹-۶۶۴) جو ابن طاؤس کے نام سے مشہور تھے۔ کامل ترین علمائے شیعہ میں تھے، عالم، عابد، زاہد، صاحب مقامات و کرامات تھے۔ غیبتِ صغریٰ میں امام زمانہؑ سے بہت قریب تھے۔ تمام علوم میں خصوصاً اخلاق و عبادات میں آپ کی اہم کتابیں ہیں مثلاً مہج الدعوات، اقبال، جمال الاسبوع، کشف المحجۃ، الیقین، فلاح السائل وغیرہ۔

۲۲۔ کشف المحجۃ ص ۲۱، فصل ۴۸۔

۲۳۔ حدیث ۱۳، توضیح ۱۲۔

۲۴۔ سورۂ ص، آیت ۴۱۔

۲۵۔ سورۂ ص، آیت ۴۴-۴۵۔

۲۶۔ سورۂ یوسف آیت ۸۶۔

۲۷۔ شرح منازل السائرین ص ۸۵، باب صبر۔

۲۸۔ اصولِ کافی جلد ۲ ص ۸۹، کتاب ایمان و کفر، باب صبر، حدیث ۲۔

۲۹۔ اصولِ کافی، جلد ۲ ص ۸۹، کتاب ایمان و کفر، باب صبر، حدیث ۴۔

۳۰۔ اوصاف الاشرف، ص ۱۰۷، فصل ۵، باب ۳۔

۳۱۔ اصولِ کافی جلد ۲ ص ۹۰، کتاب ایمان و کفر، باب الصبر، حدیث ۱۔

۳۲۔ اصولِ کافی جلد ۲ ص ۹۲، کتاب ایمان و کفر، باب الصبر، حدیث ۱۷۔

۳۳۔ اصولِ کافی جلد ۲ ص ۹۰، کتاب ایمان و کفر، باب الصبر، حدیث ۸۔

۳۴۔ اصولِ کافی جلد ۲ ص ۹۱، کتاب ایمان و کفر، باب الصبر، حدیث ۱۵۔

۳۵۔ یہ آیۂ مبارکہ "وَسَارِعُوا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ" کی طرف اشارہ ہے۔ سورۂ آلِ عمران، آیت ۱۳۳۔

۳۶۔ مرآۃ العقول جلد ۸ ص ۱۳۸، کتاب ایمان و کفر، باب صبر، حدیث ۱۵۔

۳۷۔ اصولِ کافی جلد ۲ ص ۹۱، کتاب ایمان و کفر، باب صبر، حدیث ۱۲۔

۳۸۔ بحار الانوار جلد ۶۸، ص ۷۶، کتاب ایمان و کفر، باب ۶۲، حدیث ۶۔

۳۹۔ دعائے کمیل، مصباح المتہجد و سلاح المتعبد ص ۵۸۷۔ ضمن اعمال شب نیمہ شعبان۔

۴۰۔ شرح منازل السائرین ج ۲، ص ۸۸، باب صبر۔

Presented by www.ziaraat.com

سترہویں حدیث

«بالسَّنَدِ الْمُتَّصِلِ إِلَى الْإِمَامِ الْأَقْدَمِ، حُجَّةِ الْفِرْقَةِ وَرَئِيسِ الْأُمَّةِ، مُحَمَّدِ بْنِ يَعْقُوبَ الْكُلَيْنِي، رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يَحْيَى، عَنْ أَحْمَدَ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عِيسَى، عَنِ الْحَسَنِ بْنِ مَحْبُوبٍ، عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ وَهْبٍ، قَالَ سَمِعْتُ أَبَا عَبْدِاللّٰهِ، عَلَيْهِ السَّلَامُ، يَقُولُ: إِذَا تَابَ الْعَبْدُ تَوْبَةً نَصُوحاً، أَحَبَّهُ اللّٰهُ، فَسَتَرَ عَلَيْهِ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ. فَقُلْتُ: وَكَيْفَ يَسْتُرُ عَلَيْهِ؟ قَالَ يُنْسِي مَلَكَيْهِ مَا كَتَبَا عَلَيْهِ مِنَ الذُّنُوبِ، ثُمَّ يُوحِي إِلَى جَوَارِحِهِ: اُكْتُمِي عَلَيْهِ ذُنُوبَهُ. وَيُوحِي إِلَى بِقَاعِ الْأَرْضِ: اُكْتُمِي عَلَيْهِ مَا كَانَ يَعْمَلُ عَلَيْكِ مِنَ الذُّنُوبِ. فَيَلْقَى اللّٰهَ حِينَ يَلْقَاهُ وَلَيْسَ شَيْءٌ يَشْهَدُ عَلَيْهِ بِشَيْءٍ مِنَ الذُّنُوبِ.»[1]

ترجمہ: معاویہ بن وہب کا بیان ہے: میں نے امام جعفر صادقؑ کو فرماتے ہوئے سنا: جب کوئی بندہ توبہ خالص کرتا ہے تو خدا اس کو دوست رکھنے لگتا ہے اور دنیا و آخرت میں اس کی پردہ پوشی فرماتا ہے۔ میں نے عرض کیا: کیونکر پردہ پوشی فرماتا ہے؟ فرمایا: دونوں ملک نے جو

Presented by www.ziaraat.com

جو گناہ لکھے ہوتے ہیں ان کو بھلوا دیتا ہے اور پھر اس کے (اعضاء جوارح کو حکم دیتا ہے اس کے گناہوں کو چھپا دو اور زمین کے ٹکڑوں کو حکم دیتا ہے تمہارے اوپر جو گناہ اس نے کئے ہیں ان کو چھپا دو پھر جب وہ خدا سے ملاقات کرتا ہے تو کوئی ایسی چیز نہیں ہوتی جو اس کے خلاف اس کے گناہوں کی گواہی دے۔

حقیقتِ توبہ

شرح: یہ جان لو کہ اہم اور مشکل ترین منازل میں سے (ایک) توبہ ہے۔ توبہ کا مطلب ہے، گناہوں اور نافرمانی کی کدورت کی وجہ سے روحانیت اور فطرت کا نور جو طبیعت کی تاریکی میں چھپ چکا تھا پھر سے نفس کی روحانیت کی طرف پلٹ آئے۔

اس اجمال کی بالجملہ تفصیل یہ ہے کہ ابتدائے فطرت میں نفس ہر قسم کے کمال و جمال نور و بہجت سے خالی ہوتا ہے اور ان کے مقابل کی چیزوں سے بھی خالی ہوتا ہے۔ یعنی بالکل ایک سادہ ورق ہوتا ہے نہ اس میں روحانی کمالات ہوتے ہیں نہ اس کے مخالف صفات ہوتے ہیں۔ البتہ ہر مقام کے حصول کی لیاقت و صلاحیت اسمیں ودیعت رہتی ہے۔ اس کی فطرت استقامت پر اور اس کا خمیر انوار ذاتیہ سے عجویا خمیر کیا ہوتا ہے۔ پھر جب وہ گناہ کرتا ہے تو اس کے دل میں تاریکی پیدا ہونے لگتی ہے۔ گناہ جتنا زیادہ ہوگا تاریکی اتنی زیادہ ہوگی۔ یہاں تک کہ گناہ کرتے کرتے قلب بالکل تاریک و سیاہ ہو جائے گا اور نورِ فطرت بجھ جائے گا اور وہ شقی ابدی ہو جائے گا۔ لیکن اگر ان حالات کے درمیان تمام قلب کے سیاہ ہونے سے پہلے وہ خوابِ غفلت سے بیدار ہو گیا اور بیداری کے منزل کے بعد توبہ کی منزل پر بھی پہونچ گیا اور اس منزل کے شرائط "جن کا اجمالاً ذکر کیا جائے گا" کو بھی پورا کر لیا تو تاریکی اور فطری کدورت سے نکل کر دوبارہ فطرتِ اصلی کی نور اور اپنی ذاتی و روحانیت کی طرف پلٹ آئے گا اور لوحِ دل پھر کمالات وان کے اضداد سے خالی ہو جائے گی جیسا کہ حدیث میں مشہور ہے:

«التَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَا ذَنْبَ لَهُ.» "گناہوں سے توبہ کرنے والا اس شخص کے مثل ہے جس نے گناہ ہی نہ کئے ہوں۔

پس معلوم ہوا کہ توبہ کی حقیقت طبیعت کے احکام و انجام سے پلٹ کر روحانیت

Presented by www.ziaraat.com

وفطرت کے احکام کی طرف آجاتا ہے اور انابت کی حقیقت فطرت و روحانیت سے پلٹ کر خدا کی طرف آنا اور بیتِ نفس سے منزلِ مقصود کی طرف ہجرت کرنا ہے۔ پس توبہ کی منزل انابت کی منزل سے مقدم ہے۔ مگر اس کی تفصیل اس کتاب کے مناسب نہیں ہے۔

پہلی فصل

اہم نکتہ

نجات و ہدایت کے راستہ پر چلنے والے کے لئے ایک اہم نکتہ کی طرف توجہ ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ صحیح و مکمل توبہ ذکر کئے جانے والے شرائط کے ساتھ بہت ہی مشکل چیز ہے۔ بہت کم لوگ اس مقصد پر فائز ہو پاتے ہیں۔ بلکہ گناہانِ کبیرہ اور مہلکات کے ارتکاب کے بعد زیادہ تر انسان توبہ سے غافل ہو جاتا ہے۔ اگر دل کی کھیتی میں گناہوں کا درخت ثمر آور و طاقت ور ہو جائے اور اس کی جڑیں مضبوط ہو جائیں تو پھر اس کے نتائج بہت ہی خراب ہوتے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ انسان بالکلیہ توبہ سے منصرف ہو جاتا ہے اور اگر کبھی توبہ کی یاد آجاتی ہے تو وہ کاہلی اور آج و کل، اس ماہ و آئندہ ماہ کر کے ٹالتا رہتا ہے اور اپنی جگہ کہتا ہے آخری عمر اور بڑھاپے میں صحیح توبہ کر لیں گے۔ حالانکہ یہ خدا سے مکاری ہے جس سے وہ غافل ہے: وَاللّٰہُ خَیرُ الْمَاکِرِیْنَ ۳ (خدا سب سے بہتر مکاری کی توڑ کرتا ہے۔)

یہ گمان نہ کرو کہ گناہوں کی جڑوں کے مضبوط ہو جانے کے بعد انسان توبہ کر سکتا ہے یا توبہ کے شرائط پورے کر سکتا ہے۔ بہارِ توبہ تو جوانی ہی میں ہے جب گناہوں کا بار کم، دل کی کدورت قلیل، ظلمتِ باطن ناقص اور شرائطِ توبہ سہل و آسان ہوا کرتے ہیں۔ بڑھاپے میں انسان کی حرص و طمع، حُبِّ جاہ و مال اور اُمیدیں بڑی لمبی ہو جاتی ہیں اور یہ بات مجرب ہے اور حدیثِ رسولؐ شاہد ہے۔ ۴ میں فرض کئے لیتا ہوں کہ انسان بڑھاپے میں توبہ کرے گا (مگر یہ کہاں سے معلوم ہے کہ) بڑھاپے تک پہونچ جائے گا، جوانی میں اور نافرمانی کی حالت میں اس کو موت نہیں آئے گی اس کو مہلت مل جائے گی؟ بوڑھوں کا کم پایا جانا اس بات کی دلیل ہے کہ موت جوانوں سے زیادہ قریب ہے۔ ایک پچاس ہزار آبادی والے شہر میں پچاس اسی ۸۰ سالہ بوڑھے

Presented by www.ziaraat.com

نہیں دکھائی دیتے۔

لہٰذا (میرے) عزیز شیطان کی مکاری سے ڈرو اور ہوشیار رہو اور اپنے خدا سے حیلہ و مکاری نہ کرو کہ پچاس سال یا اس سے زیادہ شہوت پرستی کر کے مرتے دم توبہ و استغفار کر لیں گے یہ خیالِ خام ہے۔ اگر تم نے حدیث میں (خود) دیکھا ہے یا سُنا ہے کہ خداوندِ عالم نے اس اُمت پر یہ فضل و کرم کیا ہے کہ آثارِ مرگ دیکھنے سے پہلے یا مرنے سے پہلے تک لوگوں کی توبہ قبول کرے گا۔ توبہ بالکل صحیح ہے مگر افسوس تو یہی ہے کہ کیا اس وقت وہ توبہ کرے گا۔ کیا توبہ صرف لفظ ہے۔؟ توبہ کا پورا کرنا بہت دشوار ہے۔ برائیوں سے رُکنا اور گناہ نہ کرنے کا عزم (بالجزم) کرنا علمی و عملی ریاضتوں کا محتاج ہے۔ ورنہ شاذ و نادر ہی ایسا ہوتا ہے کہ انسان خود بخود توبہ کی فکر کرے یا اس کو توبہ کرنے کی توفیق نصیب ہو جائے یا اگر توفیق بھی ہو تو شرائطِ صحت اور قبولیت کے ساتھ یا شرائطِ کمال کے ساتھ توفیق نصیب ہو۔ (یہ بہت مشکل ہے) کیونکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ توبہ کی فکر کرنے سے پہلے یا توبہ کو عملی جامہ پہنانے سے پہلے موت آدبوچتی ہے اور انسان اپنے سنگین گناہوں، اور بے انتہا گناہوں کے ساتھ اس دنیا سے منتقل ہو جاتا ہے۔ پھر خدا جانے وہ کن بدبختیوں سے دوچار ہو۔ بالفرض انسان اہلِ نجات سے ہے اور اس کا انجام بخیر ہے پھر بھی اس دوسری دُنیا میں گناہوں کا جبران آسان نہیں ہے۔ کتنی زحمت، کتنا فشار اور کتنا جلنا ہوگا جس کے بعد انسان شفاعت کے لائق ہوگا اور ارحم الراحمین کی رحمت کا سبب ہوگا۔ (یہ تو بس خدا ہی جانتا ہے۔)

لہٰذا (میرے) عزیز جتنی جلدی ہو سکے کمرِ ہمت کس لو، عزم محکم کر لو ارادہ قوی کر لو اور جب تک جوانی ہے یا دنیا میں زندگی ہے گناہوں سے توبہ کر لو، خدا کی دی ہوئی فرصت کو ہاتھ سے نہ جانے دو، شیطان کی گمراہی اور نفسِ امارہ کے مکاید کی پرواہ نہ کرو۔

مہم نکتہ

ایک اور نکتہ کی طرف بھی توجہ رکھنی چاہیئے اور وہ یہ ہے کہ توبہ کرنے والے کے یہاں توبہ کے بعد پہلے والی روحانی و صفائے باطنی اور خالص فطری نورانیت نہیں رہتا جیسے آپ ایک سیاہ کاغذ بنانے کے بعد دوبارہ اس کو جلا کر سفید بنانا چاہیں یا ٹوٹے ہوئے برتن کی اصلاح کریں

Presented by www.ziaraat.com

تو وہ پہلے والی صورت ہرگز اختیار نہیں کر سکتا۔ جو انسان کی دوستی تمام عمر صفا و خلوص کی رفتار کے ساتھ ہو اس میں اور اس کی دوستی میں جو خیانت کے بعد دوبارہ عذر خواہی کے بعد ہو دونوں میں بہت فرق ہے۔ اس کے علاوہ بہت کم ایسے لوگ ملیں گے جو صحیح طور پر توبہ کے وظائف پر عمل کر سکتے ہوں۔ لہٰذا انسان کو چاہیئے کہ حتی الامکان معصیت و نافرمانی میں داخل ہی نہ ہو اس لئے کہ فاسد کر دینے کے بعد نفس کی اصلاح بہت مشکل کام ہے اور اگر خدانخواستہ کوئی نافرمانی و معصیت میں مبتلا ہو جائے تو جتنی جلدی ممکن ہو علاج کرے کیونکہ کم فساد کی اصلاح جلد ہو سکتی ہے اور اصلاح بھی اچھی طرح ہو سکتی ہے۔

اے عزیز بے اعتنائی اور سرسری طور سے اس مقام سے مت گزر جاؤ۔ اپنی حالت اور اپنے انجام میں کافی غور و فکر کرو۔ کتاب خدا، احادیث خاتم انبیاء و ائمہ ہدیٰ سلام اللہ علیہم اجمعین علمائے امت کے کلمات اور عقل و وجدانی کے حکم کی طرف رجوع کرو اور اس دروازے کو جو تمام دروازوں کے لئے مفتاح ہے۔ اپنے لئے کھول لو اور اس منزل میں جو ہمارے اعتبار سے انسانیت کی سب سے عمدہ منازل میں سے ہے۔ داخل ہو جاؤ اور اس کی اہمیت سمجھو اور اس کی پابندی کرو، خداوند عالم سے حصول مقصد کی توفیق کا سوال کرو۔ رسول خدا اور ائمہ ہدیٰ سلام اللہ علیہم کی روحانیت سے استمداد چاہو۔ ولی امر ناموس دھر حضرت امام عصرؑ کی پناہ چاہو۔ یقیناً وہ جناب کمزوروں کی دستگیری اور تھکے ماندے لوگوں کی مدد فرماتے ہیں اور بیچاروں کی دادرسی کرتے ہیں۔

دوسری فصل

ارکان توبہ

یہ سمجھ لو کہ مکمل توبہ کے لئے کچھ شرائط و ارکان ہیں جب تک وہ پورے نہ ہوں گے صحیح توبہ حاصل نہ ہوگی۔ ہم عمدہ قسم کے شرائط کا ذکر کریں گے۔

۱۔ گزشتہ گناہوں اور غلطیوں پر ندامت و پشیمانی! یہی سب سے بڑا رکن ہے۔

۲۔ دوبارہ پھر کبھی گناہ نہ کرنے کا عزم بالجزم کرنا۔ یہ دونوں درحقیقت، حقیقت توبہ کو

Presented by www.ziaraat.com

ثابت کرنے والی اور توبہ کے ذاتی مقومات میں سے ہیں۔ اس سلسلہ میں سب سے عمدہ اسی مقام کا حاصل کرنا اور اسی حقیقت کا متحقق ہونا ہے اور وہ اسی طرح ہے کہ انسان اس بات کو یاد رکھے کہ گناہوں کا اثر روح پر ہوتا ہے اور اس کا بُرا نتیجہ عالم برزخ اور قیامت میں (ظاہر) ہوتا ہے یہ عقلاً بھی ثابت ہے نقلاً بھی ثابت ہے اصحاب معرفت کے یہاں اس پر برہان و دلیل قائم ہے اور اہل بیت عصمت کی روایات میں وارد ہے کہ عالم برزخ و قیامت میں گناہوں کی مناسبت سے ان کی صورتیں ہوں گی جو اس عالم میں زندگی و ارادہ کی مالک ہوں گی اور انسان کو شعور و ارادہ سے عذاب و آزار پہونچائیں گی۔ خود آتش جہنم انسان کو اپنے شعور و ارادہ سے جلائے گی کیونکہ وہ نشأۃ، نشأۃ حیات ہے۔ پس اس عالم میں ہمارے اچھے یا بُرے اعمال کے نتیجے اپنی اپنی صورتوں میں ہمارے ساتھ محشور ہوں گے۔ قرآن مجید اور حدیثوں میں اس بات کو صراحتاً اور اشارتاً بہت سی جگہوں پر بیان کیا گیا ہے اور یہ بات حکمائے اشراق کے مسلک اور اہل سلوک و عرفان کے ذوق و مشاہدات کے مطابق (بھی) ہے اسی طرح ہر گناہ کا اثر روح میں حاصل ہوتا ہے جس کو حدیثوں میں "سیاہ نقطہ" سے تعبیر کیا گیا ہے اور یہ سیاہی قلب و روح میں پیدا ہوتی ہے۔ پھر تھوڑی تھوڑی بڑھتی رہتی ہے اور انسان کو کافر و زندیق بنا کر شقاوت ابدی کی منزل میں پہونچا دیتی ہے۔ چنانچہ اس سے پہلے بھی اس جملہ کی تفصیل بیان کی جا چکی ہے۔"

پس اگر عقلمند انسان اس مطلب پر متوجہ ہو جائے اور انبیاء و اولیاء علیہم السلام و عرفاء حکماء علماء رضوان اللہ علیہم کے قول پر ایک معالج طبیب کے قول کے برابر اعتنا کرے تو یقیناً گناہوں سے پرہیز کرنے لگے گا اور اس کے قریب بھی نہ پھٹکے گا اور اگر خدانخواستہ کسی گناہ میں مبتلا ہو گیا تو فوراً الگ ہو جائے گا اور پشیمان ہو گا اور ندامت کا اظہار اس کے دل میں ہو جائے گا اور اس ندامت و پشیمانی کا نتیجہ بہت بڑا ہے اور اس کے آثار بہت اچھے ہیں اور ندامت کی وجہ سے معصیت و مخالفت چھوڑ دینے کا عزم پختہ ہو جائے گا۔ توبہ کے ان دونوں رکنوں کے حاصل ہوتے ہی راہ آخرت کے سالک کا کام آسان ہو جائے گا اور الٰہی توفیقات اس کے شامل حال ہو جائے گی اور بنص آیت اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ [8] (خدا توبہ کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے) و موافق روایت محبوب خدا ہو جائے گا۔ بشرطیکہ اس کی توبہ خالص ہو۔

انسان کو چاہیئے کہ علمی و عملی ریاضت اور ضروری تدبر و مناسب تفکر کے ساتھ کوشش کرے کہ اس کی توبہ خالص ہو اور یہ جان لے کہ خدا کی محبوبیت کو کسی میزان میں تولا نہیں جا سکتا۔

Presented by www.ziaraat.com

خدا جانتا ہے کہ ان عوالم میں محبتِ حق کی صورت کتنے معنوی انوار رکھتے ہیں اور کتنے تجلیات کامل رکھتے ہیں اور خدا اپنے محبوب کے ساتھ کیا معاملہ کرتا ہے (اس کو کون سمجھ سکتا ہے۔)

اے انسان تو کتنا ظالم و جاہل ہے تو اپنے ولی نعمت کی نعمتوں کی قدر نہیں کرتا۔ تو سالہا سال سے ایسے ولیٔ نعمت کی مخالفت کرتا ہے جس نے تمام راحت و آسائش کے اسباب تعوذ باللہ اپنے کسی فائدے کے بغیر تیرے مہیا کئے۔ تو نے اپنی بے حیائی و سرکشی کی انتہا کر دی۔ اب جبکہ تو نادم ہو گیا اور لوٹ آیا ہے اور تو نے توبہ کر لی تو اس نے پھر تجھے اپنا محبوب بنا لیا۔ یہ کتنی بڑی رحمت اور کتنی عظیم نعمت ہے۔

خداوندا ہم تیری نعمتوں کے شکر سے عاجز ہیں، ہماری اور ساری کائنات کی زبان تیری حمد و ثنا سے کنگ ہے۔ سوائے اس کے کہ شرم سے سر جھکا دیں اور اپنی بے حیائیوں کی معذرت کریں اس کے علاوہ کوئی چارہ بھی نہیں ہے۔ ہماری حیثیت ہی کیا ہے کہ تیری رحمتوں کے لائق بنیں لیکن تیری رحمت کی وسعت اور تیری عمومی نعمت اس سے کہیں زیادہ ہے کہ بیان تحریر میں آسکے۔ "أَنْتَ كَمَا أَثْنَيْتَ عَلَى نَفْسِكَ۔" "بیشک تو ویسا ہی ہے جیسا کہ تو نے خود اپنی ثنا بیان فرمائی ہے۔"

انسان کو اس کی بھی کوشش کرنی چاہیئے کہ ندامت کی صورت دل میں قوی ہو جائے تاکہ وہ انشاء اللہ "بیتِ احتراق" میں وارد ہو جائے اور وہ یہ ہے کہ وحشت ناک معصیتوں کے آثار و انجام میں غور و فکر کرنے کی وجہ سے دل میں ندامت کو طاقت عطا کرے اور "نَارُ اللّٰهِ الْمُوقَدَةُ" کے نمونہ کو خود ہی اپنے دل میں روشن کرے اور قلب کو آتشِ ندامت سے جلا دے تاکہ اس آگ میں تمام گناہ جل جائیں اور دل کی کدورتیں و زنگ ختم ہو جائیں (اور یہ) جان لے کہ اگر اس آتش کو اس دنیا میں اپنے لئے نہ روشن کرے گا اور اس جہنم کے دروازے کو جو بہشت کا باب الابواب ہے۔ اپنے لئے نہ کھولے گا اور اس دنیا سے منتقل ہو جائے گا تو مجبوراً اس عالم میں اس کے لئے آتش سوزاں کا انتظام کیا جائے گا اور جہنم کے دروازے اس کے لئے کھول دیئے جائیں گے اور رحمت و بہشت کے دروازے اس پر بند کر دیئے جائیں گے۔

پروردگارا ہم کو دردمند دل دے اور آتشِ ندامت سے ندامت کی چنگاری ہمارے دل میں روشن کر دے اور اس کو اس آتش دنیا سے جلا دے۔ ہمارے دل کی کدورتوں کو دور کر دے اور ہم کو اس دنیا سے گناہوں کے تبعات کے بغیر لے جا۔ "إِنَّكَ وَلِيُّ النِّعَمِ وَعَلَى

Presented by www.ziaraat.com

كُلِّ شَيءٍ قَدِيرٌ.»

تیسری فصل

شرائطِ توبہ

اس سے پہلے والی فصل میں جو بیان کیا گیا وہ توبہ کے ارکان تھے۔ اب توبہ کے لئے کچھ شرائطِ قبول اور (کچھ) شرائطِ کمال ہیں جن کو ہم ترتیب سے بیان کریں گے۔ (قبول کے لئے) دو شرطیں توبہ کے لئے اسی طرح بہت عمدہ ہیں جس طرح کمال کے لئے بھی دو چیزیں ضروری ہیں۔ (ویسے) ہم اس باب میں مولیٰ الموالی حضرت علیؑ کے کلام کا ذکر کریں گے کیونکہ حضرتؑ کا کلام جوامع کلم ہے اور کلامِ ملوک ملوک کلام ہوا کرتا ہے۔

جناب سید جلیل القدر علامہ سید رضیؒ رضی اللہ عنہ نہج البلاغہ میں روایت فرماتے ہیں کہ:

«رُوِيَ فِي نَهْجِ الْبَلاغَةِ أَنَّ قائِلاً قالَ بِحَضْرَتِهِ، عَلَيْهِ السَّلام: أَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ. فَقالَ لَهُ: ثَكِلَتْكَ أُمُّكَ أَتَدْرِي ما الْإِسْتِغْفارُ إِنَّ الْإِسْتِغْفارَ دَرَجَةُ الْعِلِّيِّينَ؛ وَهُوَ اِسْمٌ واقِعٌ عَلى سِتَّةِ مَعانٍ: أَوَّلُها النَّدَمُ عَلى ما مَضى. وَالثّانِي الْعَزْمُ عَلى تَرْكِ الْعَودِ إِلَيْهِ أَبَداً. وَالثّالِثُ أَنْ تُؤَدِّيَ إِلَى الْمَخْلُوقِينَ حُقُوقَهُمْ حَتّى تَلْقَى اللّٰهَ سُبْحانَهُ أَمْلَسَ لَيْسَ عَلَيْكَ تَبِعَةٌ. وَالرّابِعُ أَنْ تَعْمِدَ إِلى كُلِّ فَرِيضَةٍ عَلَيْكَ ضَيَّعْتَها فَتُؤَدِّيَ حَقَّها. وَالْخامِسُ أَنْ تَعْمِدَ إِلَى اللَّحْمِ الَّذِي نَبَتَ عَلَى السُّحْتِ، فَتُذِيبَهُ بِالْأَحْزانِ حَتّى تُلْصِقَ الْجِلْدَ بِالْعَظْمِ وَيَنْشَأَ بَيْنَهُما لَحْمٌ جَدِيدٌ. وَالسّادِسُ أَنْ تُذِيقَ الْجِسْمَ أَلَمَ الطّاعَةِ كَما أَذَقْتَهُ حَلاوَةَ الْمَعْصِيَةِ.»

"ایک شخص نے حضرت علیؑ کے سامنے استغفر اللہ کہا۔ حضرتؑ نے فرمایا: تیری ماں تیرے ماتم میں بیٹھے کیا تو جانتا ہے کہ استغفار کیا ہے؟ (سن لے) استغفار علیین کا درجہ ہے اور

Presented by www.ziaraat.com

یہ ایک ایسا اسم ہے جو چھ معنیٰ پر بولا جاتا ہے اوّل: گزشتہ افعال پر ندامت دوم ہمیشہ کے لئے اس کے نہ کرنے کا محکم ارادہ سوم مخلوق کے حقوق کو (مرتے دم تک) ادا کرنا تاکہ جب تم خدا سے ملو تو تمہارے ذمہ کسی کا حق نہ ہو چہارم ہر اس فریضہ کی طرف متوجہ ہو جانا جس کو تم ضائع کر چکے ہو پس اس کے حق کو ادا کرو۔ پنجم اس گوشت کی طرف متوجہ ہونا جو حرام سے اگا ہے رنج و غم سے اس کو پگھلا کر کھال کی ہڈی سے ملا دو پھر (دوبارہ) کھال اور ہڈی کے درمیان گوشت پیدا ہو۔ ششم جسم کو اطاعت کی تکلیف کا مزہ اسی طرح چکھاؤ جس طرح اس کو معصیت کی حلاوت کا مزہ چکھا چکے ہو۔"

یہ حدیث شریف پہلے تو توبہ کے دو رکن پشیمانی اور دوبارہ نہ کرنے کے عزم پر مشتمل ہے۔ اس کے بعد اس میں دو اہم شرط ہائے قبولیت کا ذکر کیا گیا ہے (یعنی) حقوق مخلوق کی واپسی اور حقوقِ خدا کی ادائیگی۔ انسان کے محض "توبہ کرتا ہوں" کہہ دینے سے توبہ قبول نہیں ہو جاتی۔ توبہ کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی کی کوئی چیز ناحق لی ہے تو اس کو واپس کر دے اور اگر کوئی دوسرا حق اس کے اوپر ہے اور اس کا ادا کرنا ممکن ہے یا اس کے مالک کو راضی کرنا ممکن ہے تو وہ کرے۔ جو بھی فرائضِ الٰہی ترک ہو گئے ہوں ان کی قضا کرے یا ان کو پورا کرے اگر سب نہ کر سکتا ہو تو جتنا کر سکتا ہو اتنا کرے۔ یہ جان لینا چاہیئے کہ یہ سب وہ حقوق ہیں کہ ان میں سے ہر ایک کا مطالبہ کیا جائے گا۔ (اگر یہاں ادا نہ کئے گئے تو) آخرت میں بڑی سختی سے مطالبہ کیا جائے گا اور وہاں ادائیگی کی کوئی صورت نہیں ہے سوائے اس کے کہ دوسروں کے گناہوں کا بار خود اٹھائے اور اپنے اعمالِ حسنہ دوسروں کو دیدے اور ایسا کرنے سے خود بیچارہ و بدبخت ہو جائے گا نہ خلاصی کی کوئی راہ ہوگی اور نہ استخلاص کا کوئی چارہ ہوگا۔

اے عزیز کہیں ایسا نہ ہو کہ شیطان و نفسِ امارہ تجھ پر قابو پالیں اور وسوسہ میں مبتلا کر کے مطلب کو بہت بڑا کر کے دکھائیں اور تم کو توبہ سے روک دیں اور تمہارے کام کو یکبارگی (خراب) کر دیں۔ ان امور میں جتنا بھی ہو سکے چاہے تھوڑا ہی ہو اقدام کرنا بہتر ہے۔ اگر قضا نمازیں روزے، کفارات، (دیگر) حقوقِ خدا بہت ہیں اور اسی کے ساتھ لوگوں کے بھی حقوق ہیں۔ تو یہ تو گناہ بے انتہا خطا ہے تب بھی لطفِ خدا سے مایوس نہ ہو، رحمتِ حق سے ناامید نہ ہو۔ اس لئے کہ اگر تم نے مقدور بھر توبہ کی کوشش کی تو خدا تمہارے لئے راستہ آسان کر دے گا اور راہِ نجات کی نشاندہی کر دے گا۔ یاد رکھو رحمتِ حق سے مایوسی اتنا بڑا گناہ ہے کہ میں گمان نہیں کرتا نفس

Presented by www.ziaraat.com

میں اس سے بڑا اور اس سے بدتر کوئی اور گناہ اثر کرتا ہوگا۔ جو شخص رحمتِ حق سے مایوس ہو جائے اس کے دل کو تاریکی اس طرح گھیر لیتی ہے اور اس کا جوڑ اس طرح ٹوٹ جاتا ہے کہ پھر کسی چیز سے اس کی اصلاح ممکن نہیں ہوتی۔ (لہٰذا) کہیں ایسا نہ ہو کہ تم رحمتِ حق سے غافل ہو جاؤ اور گناہ و اس کے نتائج تمہاری نظر میں بڑے معلوم ہوں (اور تم توبہ نہ کرو) رحمتِ خدا ہر چیز سے بڑی اور ہر شئی کو شامل ہے (درِ حق کے لئے قابلیت شرط نہیں ہے ۱۲ تم پہلے کیا تھے؟ ظلمت عدم میں قابلیت و استعداد نہیں ہوا کرتی۔ خداوندِ عالم نے بے استحقاق و استعداد، بغیر سوال اور بغیر کسی دعا کے تم کو نعمتِ وجود و کمالاتِ وجود سے نوازا۔ غیر محصور نعمتوں اور غیر محدود رحمتوں کی بساط بچھائی تمام موجودات کو تیرے لئے مسخر کر دیا۔ اب بھی عدمِ صرف اور نابودیٔ محض سے تو حالت بدتر نہیں ہوتی ہے۔ خدا نے رحمت و مغفرت کا وعدہ کیا ہے تم ایک قدم آگے بڑھاؤ اس کے درگاہ قدس کی طرف آؤ وہ خود ہی کسی نہ کسی صورت میں تمہاری دستگیری کرے گا اگر اس کے حقوق کی ادائیگی تم سے ناممکن ہو گئی تو اپنے حقوق معاف کر دے گا اور اگر دوسروں کے حقوق کی ادائیگی تم سے ناممکن ہو گئی ہے تو اس کا جبران کرے گا۔ رسولِ خدا کے زمانہ میں بنائش (قبر کھود کر کفن نکال لے جانے والا) کا قصہ تو تم نے سنا ہی ہوگا۔ ۱۲

اے عزیز حق کا راستہ سہل و آسان ہے لیکن تھوڑی سی توجہ کی ضرورت ہے تاکہ اقدام کر سکے۔ لیت و لعل کرنے اور معاملہ میں تاخیر کرنے اور روزانہ گناہ کو زیادہ کرنے سے کام دشوار ہو جاتا ہے۔ لیکن اقدام کرنے اور اصلاح کا عزم کرنے سے راستہ نزدیک اور کام آسان ہو جاتا ہے تم تجربہ کر لو اور تھوڑا سا اقدام کر دا گر نتیجہ ملتا ہے تو بات کی صحت تم پر ثابت ہو جائے گی۔ ورنہ فساد کا راستہ کھلا ہے اور تمہارا گنہگار ہاتھ دراز ہے۔

لیکن حضرت علیؑ نے جن دو امروں کے لئے فرمایا ہے وہ کمال توبہ اور توبہ کاملہ کے شرائط میں سے ہیں ایسا نہیں ہے کہ ان دونوں کے بغیر توبہ کا تحقق ہی نہیں ہوتا یا توبہ قبول نہیں ہوتی بلکہ اُن کے بغیر توبہ کامل نہیں ہوتی۔

یہ بات بھی جان لو کہ ہر ایک سالک کی منزلوں میں مراتب (درجات) ہیں جو اُن کے دلوں کے حالات کے اعتبار سے فرق کرتے ہیں۔ اگر توبہ کرنے والا اس کے درجۂ کمال تک پہونچنا چاہتا ہے تو ترک کا تدارک کرے۔ یعنی جن چیزوں کو چھوڑ دیا تھا ان کا تدارک کرے۔ (اسی طرح) حظوظ کا بھی تدارک کرے اور اس کی صورت یہ ہے کہ اس کی مملکت میں گناہوں سے جو جسمانی و روحانی

Presented by www.ziaraat.com

آثار پیدا ہو چکے ہیں ان کو بالکل ختم کر دے تاکہ نفس پھر اپنی پہلی صفائی اور فطری روحانیت کیطرف پلٹ سکے اور اس کے لئے تصفیہ کاملہ حاصل ہو جائے۔ جیسا کہ تم پہلے سمجھ چکے ہو کہ ہر گناہ اور ہر لذت سے روح کے اندر ایک اثر پیدا ہو جاتا ہے اور بعض سے جسم میں بھی ایک قوت پیدا ہو جاتی ہے۔ پس توبہ کرنے والے کو چاہیئے کہ مردانہ وار مقابلہ کرے تاکہ اس کے آثار بالکلیہ ختم ہو جائیں اور جسمانی و روحانی ریاضت کرے تاکہ اس کے لوازم و آثار بھی بالکلیہ ختم ہو جائیں جس طرح مولائے کائنات نے فرمایا ہے۔

پس جسمانی ریاضت کرکے اور مقویات و مفرحات کو ترک کرکے اور اگر اس کے ذمہ واجبی روزے ہوں تو ان کو رکھ لے ورنہ مستحبی روزے رکھ کر گناہوں سے یا گناہوں کے زمانہ میں جو گوشت پیدا ہوا ہے اس کو پگھلا دے اور روحانی ریاضتوں اور مناسک و عبادتوں کے ذریعہ حنظوظ طبیعت کا تدارک کرے کیونکہ روح کے ذائقہ میں طبعی لذتوں کی صورت موجود ہے اور جب تک وہ صورتیں رہیں گی نفس ان کی طرف مائل اور دل ان کا عاشق رہے گا۔ (مگر پھر بھی) یہ خطرہ لگا رہے گا کہ خدانخواستہ نفس دوبارہ سرکشی پیدا کرلے اور لگام ہاتھ سے چھوٹ جائے لہٰذا راہِ آخرت کے سالک اور گناہوں سے تائب کے لئے ضروری ہے کہ عبادت و ریاضت کی تلخی کا مزہ روح کو چکھائے اور اگر کسی رات کو معصیت و عیش و عشرت میں گزارا ہے تو اس کا تدارک یہ کرے کہ (دوسری) رات عبادت خدا میں بسر کرے۔ اگر کسی دن کو نفس کی طبعی لذتوں میں گزارا ہے تو پھر روزہ و مناسک سے اس کا جبران کرے تاکہ نفس بالکل اس کے آثار و لوازم سے "جو حصولِ تعلقات اور دنیا سے زبردست محبت کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے" پاک و پاکیزہ ہو جائے۔ ظاہر ہے کہ اس طرح توبہ کامل تر ہو جائے گی اور نفس کی فطری نورانیت بھی عود کر آئے گی اور پھر مسلسل ان امور میں تفکر و تدبر کرتا رہے۔ یعنی گناہوں کے نتائج، خدا کی شدتِ گرفت، میزان اعمال کی دقت، عالم برزخ و قیامت کے عذاب کی شدت (میں غور کرتا رہے) اور خود بھی سمجھے اور اپنے نفس کو بھی سمجھاتا رہے کہ یہ سب اعمال قبیحہ کی صورتیں اور ان کے نتائج ہیں اور مالک الملوک کی مخالفت ہے۔ (تب) اُمید ہے کہ اس علم و تفکر کے بعد نفس معصیتوں سے متنفر ہو جائے اور مکمل طرح سے اس سے منزجر ہو جائے اور توبہ کے سلسلہ میں اپنے مقصد تک پہونچ جائے اور اس کی توبہ کامل اور تمام ہو جائے۔

یہ دو مقامات توبہ کی منزل کے متممات و مکملات میں سے ہیں۔ ہاں جو انسان پہلے

Presented by www.ziaraat.com

مرحلے میں منزلِ توبہ میں داخل ہونا چاہے اس کو یہ خیال نہ کرنا چاہیئے کہ اس سے توبہ کی آخری منزل چاہی گئی ہے اور یہ چیز اس کی نظر میں دشوار اور منزل پُر صعوب نظر آئے اور وہ یکبارگی اس کو چھوڑ بیٹھے (بلکہ) راہِ آخرت کے سالک کے لئے جتنا ممکن ہو اور اس کے حالات اجازت دیں بس اسی مقدار میں توبہ مطلوب و مرغوب ہے پھر جب وہ اس راستہ پر لگ جائے گا تو خدا اس کے لئے آسانی فراہم کرے گا۔ اس لئے راہ کی سختی انسان کو اصل مقصد سے نہ روک دے کیونکہ مقصد بہت ہی اہم اور بڑا ہے۔ اگر ہم مقصد کی عظمت کو سمجھ لیں تو اس راستہ میں ہر زحمت آسان ہو جائے گی بھلا نجاتِ ابدی اور ہمیشہ راحت و سکون سے بڑھ کر کون سا مقصد ہو سکتا ہے اور شقاوتِ سرمدی اور ہلاکتِ دائمی سے بڑھ کر کون سا خطرہ عظیم ہوگا؟ توبہ نہ کرنے اور اس میں لیت و لعل کرنے اور تاخیر کرنے سے ممکن ہے انسان ابدی شقاوت اور ہمیشہ کے عذاب اور دائمی ہلاکت تک پہونچ جائے اور توبہ کرنے سے ممکن ہے انسان سعید مطلق اور محبوب حق ہو جائے۔ پس جب مقصد اتنا عظیم ہے تو چند دنوں کی زحمت میں کیا حرج ہے۔

یہ سمجھ لو کہ اپنے امکان بھر اقدام چاہے وہ کم ہو فائدہ مند ہے۔ تم آخرت کے امور کا قیاس دنیا کے امور پر کرو۔ عقلمند حضرات اگر اپنے مقصد عالی تک نہیں پہونچ پاتے تو چھوٹے مقصد سے دست بردار نہیں ہوتے اسی طرح اگر مطلوب کامل کو نہیں حاصل کرتے تو ناقص مطلوب سے صرف نظر نہیں کرتے۔ تم بھی اگر اس کے کمال تک نہیں پہونچ سکتے تو اصل مقصد اور اصل حقیقت تک پہونچنے سے نہ رکو۔ جتنا بھی ممکن ہو اس کے حاصل کرنے میں کوشش کرو۔

چوتھی فصل

استغفار کا نتیجہ

توبہ کرنے والے پر جو باتیں ضروری ہیں کہ ان پر عمل کرے وہ یہ ہیں کہ غفاریت حق تعالیٰ کی پناہ حاصل کرے اور پروردگارِ عالم سے حالتِ استغفار حاصل کرے۔ اس ذاتِ مقدس جل جلالہ کی غفاریت یہ ہے کہ زبان حال و قال سے تنہائیوں میں ظاہری و باطنی طور سے عاجزی و نالہ و تضرع و زاری سے دعا کرے: (خدایا) میرے گناہوں اور ان کے لوازم کو محفی کر دے البتہ

Presented by www.ziaraat.com

مقام غفاریت وستاریت کا تقاضا ہے کہ عیوب و ذنوب اور ان کے تبعات کو مخفی کر دے۔ کیونکہ اعمال کی ملکوتی صورتیں بمنزلہ انسان کی اولاد کے ہیں بلکہ اس سے بھی کچھ زیادہ ہیں اور توبہ و صیغۂ استغفار کی حقیقت بمنزلۂ لعان ہے۔ خداوند عالم اپنی غفاریت وستاریت کی بنا پر ان اولادوں (گناہوں) کو استغفار کرنے والے کے استغفار کی وجہ سے اس سے منقطع کر دیتا ہے اور تمام ان موجودات کو خواہ ملائکہ ہوں یا نامۂ عمل لکھنے والے ہوں یا زمان و مکان ہو یا خود اس گنہگار کے اعضا و جوارح ہوں جو اس کی حالت پر مطلع ہوتے ہیں حکم دیدیتا ہے کہ اس بندہ کے گناہوں کو چھپا دو اور خدا سب کو بھول جانے کا حکم دیدیتا ہے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ خدا دونوں ملک کو حکم دیتا ہے کہ اس کے جو کچھ گناہ تم نے لکھے ہوں ان کو بھول جاؤ اور یہ بھی ممکن ہے کہ خدا اعضا و جوارح اور زمین (و زمان) کو وحی کرتا ہو کہ بھول جاؤ اور ہو سکتا ہے کہ حدیث میں انساء سے یہی مراد ہو۔ جیسے کہ یہ بھی امکان ہے کہ ان چیزوں کو حکم دیدے کہ گواہی نہ دینا اور ہو سکتا ہے کہ اعضا سے رفع آثار معاصی مراد ہوں کہ جس کے واسطہ سے شہادت تکوینی حاصل ہوتی ہے۔ کہ اگر وہ توبہ نہ کرتا تو ممکن تھا کہ اس کے اعضا بہ لسان قال یا حال بہر حال اس کے لئے ہو۔ بُرے گناہوں پر گواہی دیتے۔ مگر خدا کی غفاریت وستاریت کا تقاضا یہ ہوا کہ اس عالم میں ہمارے اعضا ہمارے اعمال کی گواہی نہ دیں اور زمان و مکان ہمارے افعال کو چھپا لیں۔ یہی صورت دوسرے عوالم میں بھی کرے گا۔ بشرطیکہ ہم صحیح توبہ اور خالص استغفار کے ساتھ اس دنیا سے جائیں۔ (اور یہ بھی ممکن ہے کہ ہمارے اعمال بطور کلی مخفی ہو جائیں۔ مگر شاید کرامت حق تعالیٰ جل جلالہ کا تقاضا دوسرے مطالب کے لئے ہو تاکہ توبہ کرنے والا کسی کے سامنے سرنگوں نہ ہو اور شرمندہ نہ ہو۔ واللہ العالم۔

پانچویں فصل

توبۂ نصوح کی تفسیر

جان لو کہ توبۂ نصوح کی تفسیر میں بہت اختلاف ہے جس کا اجمالی ذکر تو یہاں مناسب ہے۔ (مگر تفصیلی مناسب نہیں ہے) ہم یہاں پر محقق جلیل شیخ بہائی قدس اللہ نفسہ کے ترجمۂ کلام پر اکتفا کرتے ہیں۔

Presented by www.ziaraat.com

محدث خبیر مجلسیؒ نقل فرماتے ہیں: شیخ بہائیؒ[۱۵۲] نے فرمایا ہے، مفسرین نے توبہ "نصوح" کے معنی میں چند وجہوں کو ذکر کیا ہے۔

۱۔ اس سے ایسی توبہ مراد ہے جو لوگوں کو نصیحت کرے یعنی لوگوں کو دعوت دے کہ وہ بھی اسی طرح کریں جس سے اس کے صاحب میں آثارِ جمیلہ پیدا ہوں۔ یا یہ کہ وہ لوگوں کو ایسی نصیحت کرے کہ وہ گناہوں کو بالکل ختم کر دیں اور پھر دوبارہ اس کا اعادہ نہ کریں۔

۲۔ اس کو توبۂ نصوح کہتے ہیں جو خالص خدا کے لئے ہو جیسے شہد سے خالص شہد کو "نصوح" کہا جاتا ہے اور (یہاں) خلوص یہ ہے کہ گناہوں کی برائی کی وجہ سے ان پر پشیمان ہو یا اس لئے پشیمان ہو کہ وہ گناہ رضائے الٰہی کے خلاف ہیں۔ یہ پشیمانی جہنم کے خوف سے نہ ہو۔

جناب محقق طوسی نے تجرید میں حکم فرمایا ہے۔

"آتشِ جہنم سے ڈر کر گناہوں سے پشیمانی توبہ نہیں ہے۔"[۱۵۳]

۳۔ "نصوح" نصاحت بمعنی خیاطت کے ہیں۔ کیونکہ جس طرح خیاطت لباس کے مختلف ٹکڑوں کو جمع کر دیتی ہے اسی طرح توبہ بھی گناہوں سے ٹکڑے شدہ دین کو جوڑ دیتا ہے یا پھر توبہ تائب اور اولیائے خدا اور اس کے دوستوں کو جمع کر دیتا ہے۔

۴۔ نصوح خود تائب کی صفت ہے اور توبہ کی طرف نصوح کی اسناد اسنادِ مجازی ہے یعنی توبۂ نصوح وہ توبہ ہے جو توبہ کرنے والوں کو نصیحت کرتا ہے کہ توبہ کو اچھی طرح سے بجالانا چاہیئے یعنی اس طرح بجالائے کہ گناہوں کے آثار دل سے بالکل مٹ جائیں اور وہ اس طرح کہ حسرت و افسوس کے ذریعہ نفوس کو پگھلا دیں اور برائیوں کی تاریکی کو خوبیوں کے نور سے مٹا دیں۔

تکمیل

تمام موجودات علم و حیات رکھتے ہیں

یہ جان لو کہ توبہ کے لئے (کچھ) حقائق و لطائف اور (کچھ) سرائر ہیں اور ہر سالک الی اللہ کے لئے مخصوص قسم کی توبہ ہے جو انہیں کے لئے مخصوص ہے اور چونکہ ان مقامات میں ہمارا کوئی حصہ نہیں ہے اس لئے اس کا تفصیل کے ساتھ ذکر کرنا چنداں مناسب نہیں ہے۔

Presented by www.ziaraat.com

اس لئے بہتر ہے کہ اس مقام کو ایک ایسے نکتہ کے ذکر کرنیکے بعد ختم کریں جو حدیث سے مستفاد ہے اور جو ظاہر کتاب کریمۂ الٰہی کے مطابق ہے اور متفرق ابواب میں مذکور احادیث کثیرہ کے بھی مطابق ہے اور وہ یہ ہے کہ دُنیا کے ہر موجود میں علم، حیات اور شعور پایا جاتا ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ تمام موجودات خداوندِ عالم کی معرفت بھی رکھتی ہیں۔ چنانچہ تمام اعضا و جوارح اور بقاع ارض کو چھپانے اور ان کو اطاعتِ خدا کرنے کی وحی ہو چکی ہے اور تمام موجودات کا بنص قرآن تسبیح کرنا اور حدیثیں تو اس کے ذکر سے بھری پڑی ہیں۔ ۱۷ خود ان چیزوں کے علم و ادراک حیات کی دلیل ہے بلکہ خالق و مخلوق کے درمیان ایک ایسے مخصوص رابطہ کی دلیل ہے جس پر خدا اور "وَمَن ازتَضیٰ مِن عِبادِہٖ" ۱۸ کے علاوہ کوئی مطلع نہیں ہے اور یہ خود ان معارف میں سے ہے جسے قرآن کریم اور احادیثِ ائمہ معصومینؑ نے تمام لوگوں کے گوشزد کر دیا ہے اور حکمائے اشراق کے برہان و اصحاب عرفان کے ذوق اور ارباب سلوک و ریاضت کے مشاہدات کے (بھی) موافق ہے۔

علوم عالیہ ماقبل الطبیعہ میں ثابت ہو چکا ہے کہ وجود عین کمالات و اسماء و صفات ہے اور جس مرحلہ میں بھی ظاہر ہو اور جس آئینہ میں متجلی ہو تمام شئون و کمالات کے ساتھ (یعنی) علم و حیات و باقی امہات سبعہ ظاہر و متجلی ہوتا ہے اور حقیقت وجود کے تجلی کا ہر مرحلہ اور معبود کے جمالِ کامل کے تنزلات نور کا ہر مرتبہ مقامِ احدیت سے ربط خاص کا دارا اور مقامِ ربوبیت کی چھپی ہوئی معرفت کا حامل ہوتا ہے۔ چنانچہ قرآن کہتا ہے: "ما مِن دابَّۃٍ اِلّا ھُوَ آخِذٌ بِناصِیَتِھا۔" ۱۹ اس میں کہا جاتا ہے "ھو" مقامِ غیب ھویت کی طرف اشارہ ہے اور "آخذ ناصیہ" وہی ربطِ اصل غیبی سری وجودی ہے جس کی معرفت کسی موجود کے لئے ممکن نہیں ہے۔

Presented by www.ziaraat.com

سترہویں حدیث کی توضیحات

۱۔ اصولِ کافی جلد ۲، ص ۴۳۰، کتاب ایمان و کفر، باب التوبہ حدیث ۱۔

۲۔ اصولِ کافی جلد ۲، ص ۴۳۵، کتاب ایمان و کفر، باب التوبہ حدیث ۱۰۔

۳۔ سورۂ آلِ عمران آیت ۵۴۔

۴۔ رسولِ خدا کا ارشاد ہے: «يَهْرَمُ ابْنُ آدَمَ وَيَنْمَى مَعَهُ اثْنَتَانِ: اَلْحِرْصُ وَالْأَمَلُ» اولادِ آدم بوڑھی ہو جائے گی مگر دو چیزیں اس کے ساتھ باقی رہے گی۔ حرص و آرزو۔ خصال جلد ۱ ص ۱۳، باب الاثنین، حدیث ۱۱۱، احیاء العلوم جلد ۴ ص ۳۸۴، کتاب ذکر الموت و مابعدہ، فضیلۃ قصر الامل۔

۵۔ حضرت امام صادقؑ پیغمبرؐ کے حوالہ سے فرماتے ہیں کہ رسولؐ نے فرمایا:

«مَنْ تَابَ قَبْلَ مَوْتِهِ بِسَنَةٍ، قَبِلَ اللّٰهُ تَوْبَتَهُ. ثُمَّ قَالَ إِنَّ السَّنَةَ لَكَثِيرَةٌ، مَنْ تَابَ قَبْلَ مَوْتِهِ بِشَهْرٍ قَبِلَ اللّٰهُ تَوْبَتَهُ. ثُمَّ قَالَ إِنَّ الشَّهْرَ لَكَثِيرٌ، مَنْ تَابَ قَبْلَ مَوْتِهِ بِجُمُعَةٍ، قَبِلَ اللّٰهُ تَوْبَتَهُ. ثُمَّ قَالَ إِنَّ الْجُمُعَةَ لَكَثِيرٌ، مَنْ تَابَ قَبْلَ مَوْتِهِ بِيَوْمٍ، قَبِلَ اللّٰهُ تَوْبَتَهُ. ثُمَّ قَالَ إِنَّ يَوْماً لَكَثِيرٌ، مَنْ تَابَ قَبْلَ أَنْ يُعَايِنَ، قَبِلَ اللّٰهُ تَوْبَتَهُ.»

امام صادقؑ نے فرمایا کہ رسولؐ کا ارشاد ہے: جو مرنے سے ایک سال پہلے توبہ کرے خدا اس کی توبہ قبول کر لیتا ہے پھر فرمایا سال تو زیادہ ہے جو مرنے سے ایک ماہ پہلے توبہ کرے خدا اس کی توبہ قبول کر لیتا ہے پھر فرمایا ایک ماہ تو بہت زیادہ ہے جو مرنے سے ایک جمعہ پہلے توبہ کرے خدا اس کی توبہ قبول کر لیتا ہے پھر فرمایا ایک جمعہ تو بہت زیادہ ہے

Presented by www.ziaraat.com

جو مرنے سے ایک دن پہلے توبہ کرے خدا اس کی توبہ قبول کرلیتا ہے پھر فرمایا ایک دن توبہ بہت زیادہ ہے جو موت کے مشاہدہ سے پہلے توبہ کرے خدا اس کی بھی توبہ قبول کرلیتا ہے۔ اصول کافی جلد ۲ ص ۴۴، کتاب ایمان وکفر، باب فیما اعطی اللہ عزوجل آدم وقت التوبہ حدیث ۲ اور اس باب کی حدیثیں۔

۶۔ حدیث ۱۵۔ توضیح ۱۵۔

۷۔ ص ۱۴۴/

۸۔ سورۂ بقرہ آیت ۲۲۲۔

۹۔ حدیث ۱۴، توضیح ۱۰۔

۱۰۔ سورۂ ہمزہ آیت ۷۔

۱۱۔ نہج البلاغہ ص ۱۲۷۱ حکمت ۴۰۹۔

۱۲۔ ابوالحسن محمد بن حسین ابن موسیٰ مشہور بہ شریف رضی (۴۰۶۔ ۳۵۹) شیعوں کے بزرگوں اور دانشمندوں میں تھے شیخ مفید کے شاگرد تھے۔ شیخ طوسی وغیرہ نے ان سے روایت کی ہے۔ فنون ادب و بلاغت میں سرآمد روزگار تھے اور دیگر علوم اسلامی میں بھی ید طولیٰ رکھتے تھے۔ آپ کا زہد و تقویٰ زبان زد تھا۔ اپنے والد کے بعد سادات کی نقابت آپ کے حوالہ ہوئی تھی آپ کی تالیفات میں انشراح الصدر، خصائص الائمہ، تخلیص البیان عن مجازات القرآن، مجازات الآثار النبویہ ہے اور سب سے مشہور نہج البلاغہ ہے۔

۱۳۔ چارہ آن دل عطائے مبدیست ۔ داد اور قابلیت شرط نیست، مثنوی دفتر پنجم بیت ۱۵۲۷۔

۱۴۔ جوان بناش اور اس کے توبہ کا قصہ تفسیر و حدیث کی کتابوں میں جو لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک روز معاذ بن جبل نے رسولؐ خدا کے پاس آکر عرض کیا، دروازے پر ایک جوان بہت بے چینی سے رو رہا ہے اور بازیابی کی اجازت چاہتا ہے۔ رسولؐ نے اجازت دی جب وہ آیا تو آنحضرتؐ نے گریہ کا سبب پوچھا، اس نے کہا، میں نے بہت بڑے بڑے گناہ کئے ہیں ان سے اور خدا کے قہر سے ڈرتا ہوں۔ رسولؐ نے اس کو رحمت خدا اور بخشش کی امید دلائی اور فرمایا خدا بڑے بڑے گناہوں کو بھی معاف کردیتا ہے پھر اس کے گناہ کے بارے میں پوچھا۔ جوان نے کہا، سات سال پہلے میں قبروں کو کھود کر کفن نکال لیا کرتا تھا۔ ایک رات انصار کی ایک جوان لڑکی کی قبر کو کھودا اور جوان میت کے ساتھ بدفعلی کی جب وہاں سے واپس ہوا تو ایک آواز سنی جو مجھے عذاب خدا سے ڈرا رہی تھی۔ رسولؐ نے جوان کی حکایت سن کر اپنے پاس سے بھگا دیا۔

جوان ایک پہاڑ پر جاکر چالیس شبانہ روز خدا سے گریہ وزاری کرتا رہا۔ یہاں تک کہ آیہ "وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً..." نازل ہوئی تو رسولؐ نے اس کے پاس جاکر خوشخبری دی کہ خدا نے تیرے گناہ معاف کردیئے۔ بحار جلد ۶ ص ۲۲، کتاب العدل والمعاد، باب التوبہ وانواعہا واشراطہا، حدیث ۲۶۔ تفسیر صافی ذیل آیہ ۱۳۵، سورۂ آل عمران۔

۱۵۔ اربعین، شیخ بہائی ص ۳۲۲، حدیث ۳۸، مرآۃ العقول جلد ۱۱ ص ۲۹۵، کتاب ایمان وکفر، باب توبہ، حدیث ۱۔

۱۶۔ کشف المراد فی شرح تجرید الاعتقاد ص ۲۶۴، مقصد ششم فی وجوب توبہ۔

Presented by www.ziaraat.com

۱۷۔ ﴿وَإِنْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ وَلَكِنْ لَا تَفْقَهُونَ تَسْبِيحَهُمْ﴾ دنیا کی ہر شئی خدا کی حمد و تسبیح کرتی ہے مگر تم لوگ ان کی تسبیح کو سمجھ نہیں پاتے (سورۂ اسراء آیت ۴۴) تفسیر برہان میں اس آیت کے ذیل میں موجودات کی تسبیح کے لئے آٹھ روایات کا ذکر ہے۔

۱۸۔ یہ آیۂ مبارکہ: ﴿عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ أَحَدًا إِلَّا مَنِ ارْتَضَىٰ مِنْ رَسُولٍ﴾ وہ عالم غیب ہے اور اپنے پسندیدہ رسولؐ کے علاوہ کسی کو بھی اپنے غیب پر مطلع نہیں کرتا" کی طرف اشارہ ہے یہ آیت سورۂ جن کی ۲۶ ویں آیت ہے۔

۱۹۔ اور روئے زمین پر جتنے بھی چلنے والے ہیں سب کی چوٹی اسی کے ہاتھ میں ہے۔ (سورۂ ھود آیت ۵۶)

www.ziaraat.com
Sabeel-e-Sakina

Presented by www.ziaraat.com

اٹھارہویں حدیث

«بِالسَّنَدِ الْمُتَّصِلِ إِلَى فَخْرِ الطَّائِفَةِ وَذُخْرِهَا، مُحَمَّدِ بْنِ يَعْقُوبَ الْكُلَيْنِي، رِضْوَانُ اللّٰهِ عَلَيْهِ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يَحْيٰى، عَنْ أَحْمَدَ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عِيسٰى، عَنِ ابْنِ مَحْبُوبٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سِنَانٍ، عَنْ أَبِي حَمْزَةَ الثُّمَالِي، عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ، قَالَ مَكْتُوبٌ فِي التَّوْرَاةِ الَّتِي لَمْ تُغَيَّرْ أَنَّ مُوسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ سَأَلَ رَبَّهُ فَقَالَ يَا رَبِّ، أَقَرِيبٌ أَنْتَ مِنِّي فَأُنَاجِيَكَ، أَمْ بَعِيدٌ فَأُنَادِيَكَ؟ فَأَوْحَى اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ إِلَيْهِ؛ يَا مُوسٰى، أَنَا جَلِيسُ مَنْ ذَكَرَنِي. فَقَالَ مُوسٰى: فَمَنْ فِي سِتْرِكَ يَوْمَ لَا سِتْرَ إِلَّا سِتْرُكَ؟ فَقَالَ الَّذِينَ يَذْكُرُونَنِي فَأَذْكُرُهُمْ وَيَتَحَابُّونَ فِيَّ فَأُحِبُّهُمْ؛ فَأُولٰئِكَ الَّذِينَ إِذَا أَرَدْتُ أَنْ أُصِيبَ أَهْلَ الْأَرْضِ بِسُوءٍ، ذَكَرْتُهُمْ فَدَفَعْتُ عَنْهُمْ بِهِمْ.»[1]

ترجمہ: ابوحمزہ ثمالی امام محمد باقر علیہ السلام سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت باقرؑ نے فرمایا: غیر محرف توریت میں لکھا ہے: موسیٰؑ نے اپنے خدا سے سوال کرتے ہوئے کہا: معبود تو مجھ

Presented by www.ziaraat.com

سے قریب ہے کہ تجھ سے مناجات (آہستہ بات) کروں یا دور ہے کہ تجھ کو پکار کر کہوں! موسیٰ کی طرف وحی ہوئی اے موسیٰ: جو میرا ذکر کرے میں اس کا ہم نشین ہوں۔ پھر موسیٰ نے پوچھا: جس دن تیرے علاوہ کسی کی پناہ نہیں ہوگی اس دن کون لوگ تیری پناہ میں ہوں گے؟ تو جواب آیا؟ جو لوگ مجھے یاد کرتے ہیں اور میں ان کو یاد کرتا ہوں اور جو لوگ صرف میری خاطر محبت کرتے ہیں اور میں بھی ان سے محبت کرتا ہوں پس یہ وہ لوگ ہیں کہ جب میں اہل زمین کے ساتھ کوئی برائی کرنا چاہتا ہوں اور ان کی یاد آجاتی ہے تو ان کی خاطر اہل زمین سے عذاب دور کر دیتا ہوں۔

شرح: اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ یہودیوں میں جو توریت رائج ہے وہ تحریف شدہ ہے اور اس میں تغیرات پیدا کئے گئے ہیں اور یہ بھی کہ توریت کا صحیح علم اہلبیتؑ کے پاس ہے اور رائج توریت و انجیل سے پتہ چلتا ہے کہ یہ تو ایک متعارف آدمی کا بھی کلام نہیں ہے۔ بلکہ بعض اہل خواہش کی ہوائے نفس کے ساتھ اس کو ڈھالا گیا ہے۔

محدث محقق، مرحوم مجلسیؒ فرماتے ہیں: بظاہر اس سوال سے حضرت موسیٰؑ کا مقصد یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ آداب دعا کے بارے میں سوال کرنا چاہتے ہیں ورنہ ان کو یہ علم تھا کہ خدا ہماری رگ گردن سے زیادہ قریب ہے اور احاطہ علمی و قدرت و علیت رکھتا ہے یعنی (جناب موسیٰؑ کا مقصد یہ تھا کہ) تجھے یہ بات پسند ہے کہ تجھ سے اس طرح مناجات کروں جیسے قریب والے کرتے ہیں یا تجھ کو زور سے آوازوں جیسے دور والے پکارا کرتے ہیں۔ اس کو دوسرے لفظوں میں اس طرح سمجھئے کہ جب تیری طرف نظر کرتا ہوں تو تو ہر نزدیک سے نزدیک تر ہے اور جب اپنی طرف دیکھتا ہوں تو اپنے کو بہت دور پاتا ہوں۔ پس مجھے نہیں معلوم کہ دعا میں تیری حالت کا لحاظ کروں یا اپنی حالت کا لحاظ کروں اور ہو سکتا ہے رؤیت کے سوال کی طرح یہ سوال غیر کا ہو یا غیر کی طرف سے کیا گیا ہو۔ انتہیٰ کلام ۲

خدا کی قیومی کا احاطہ

احتمال یہ ہے کہ جناب موسیٰؑ نے اپنی کیفیت دعا سے عاجزی کو بیان کیا ہو اور عرض کیا ہو: اے پروردگار تو قرب و بعد کے اتصاف سے بعید ہے۔ (اگر ایسا ہوتا تو) قریب والوں یا دور والوں کی طرح تجھ کو پکارتا۔ میں اس معاملہ میں متحیر ہوں کسی بھی قسم کی دعا کو تیری پیشگاہ جلال کے

Presented by www.ziaraat.com

لائق نہیں سمجھتا تو خود ہی مجھے دُعا اور کیفیتِ دُعا میں داخل ہونے کی اجازت مرحمت فرما اور جو تیرے مقامِ قدس کے مناسب ہے وہ مجھے تعلیم فرما۔ اس وقت مصدرِ جلالِ عزت سے جواب صادر ہوا: میں تمام نشأت میں حضورِ قیومی رکھتا ہوں۔ تمام عوالم میرے سامنے ہیں۔ جو مجھے یاد کرتے ہیں میں ان کا جلیس ہوں۔ جو میرا ذکر کرتے ہیں میں ان کا ہم نشین ہوں۔ البتہ وہ ذاتِ احدیت قرب و بعد سے متصف نہیں ہو سکتی وہ تمام دائرہ وجود اور سلسلۂ تحقق پر احاطۂ قیومی اور شمولِ وجودی رکھتی ہے۔

البتہ آیاتِ قرآنی میں جو خدا کی توصیف قرب سے کی گئی ہے مثلاً: «وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ.»[۲] (اے رسولؐ) جب میرے بندے تم سے میرے بارے میں پوچھیں (تو کہہ دو کہ) میں ان کے پاس ہی ہوں یا جیسے ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَ قوله «عزَّ مَنْ قائل: نَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ»[۳] اور ہم تو اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں۔ اس کے علاوہ دیگر آیات! تو یہ سب ایک قسم کے مجاز و استعارہ پر مبنی ہیں۔ ورنہ ذاتِ خدا حسی و معنوی قرب و بعد سے مقدس و منزہ ہے۔ کیونکہ قرب و بعد ایک قسم کی تشبیہ و تحدید ہے جس سے حق تعالیٰ منزہ ہے بلکہ تمام موجودات کا حضور اس کی بارگاہ میں حضورِ تعلقی ہے اور کائنات کے ذرّوں اور موجودات کے سلسلہ کا جو اس ذاتِ مقدس نے لحاظ کر رکھا ہے وہ احاطۂ قیومی ہے اور وہ حضورِ حسی و معنوی اور احاطۂ ظاہری و باطنی کی حقیقت کے علاوہ ہے۔

اس حدیث اور بعض دیگر احادیث سے ذکرِ قلبی و سری اور آہستہ ذکر کرنے کا رجحان ثابت ہوتا ہے جیسا کہ خود آیۂ شریفہ میں ہے:

«وَاذْكُرْ رَبَّكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرُّعاً وَخِيفَةً.»[۵] اور اپنے پروردگار کو اپنے جی ہی (جی) میں گڑگڑا کے اور ڈر (ڈر) کے یاد کیا کرو۔" اور حدیث شریف میں ہے کہ اس ذکر کی عظمت کی وجہ سے خدا کے علاوہ کوئی اس کا ثواب نہیں جانتا[۶] (ہاں) بعض حالات اور (بعض) مقامات اور بعض عناوین کے پیش آجانے کی وجہ سے کبھی ذکر کے اعلان میں رجحان پیدا ہو جاتا ہے۔ مثلاً اہلِ غفلت کے سامنے ان کی یاد دہانی کے لئے علناً ذکر کرنا چاہئے۔ جیسے کہ کافی کی حدیث میں ہے: غافلوں کے درمیان ذکرِ خدا کرنے والا محاربین کے درمیان قتال کرنے والے کے مانند ہے" علامہ ابنِ فہد ۸۴۱ھ کے عدۃ الداعی میں منقول ہے: قال «قالَ النَّبِيُّ، صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ:

Presented by www.ziaraat.com

مَنْ ذَكَرَ اللّٰهَ فِي السُّوقِ مُخْلِصاً عِنْدَ غَفْلَةِ النَّاسِ وَشُغْلِهِمْ بِمَا فِيهِ، كَتَبَ اللّٰهُ لَهُ أَلْفَ حَسَنَةٍ وَغَفَرَ اللّٰهُ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَغْفِرَةً لَمْ تَخْطُرْ عَلَى قَلْبِ بَشَرٍ.[۹]

حدیث میں ہے: رسولِ خدا نے فرمایا: "جو شخص لوگوں کی غفلت اور ان کی مشغولیت کے وقت خلوص سے بازار میں ذکرِ خدا کرے خدا اس کے (نامۂ اعمال میں) ہزار حسنہ لکھ دیتا ہے اور قیامت کے دن اس طرح بخش دیتا ہے۔ ویسا کہ کسی بشر کے دل میں خیال بھی پیدا نہ ہوا ہوگا۔" اسی طرح اذانِ اعلامی اور خطبہ وغیرہ میں ذکر کا بلند آواز سے کرنا مستحب ہے۔

پہلی فصل

اس حدیث شریف سے استفادہ ہوتا ہے کہ ذکرِ خدا اور خدا کے لئے ایک دوسرے سے دوستی کرنے کے چند خصائل ہیں:

ایک اور یہ سب سے عظیم ہے یہی ہے کہ بندے کا اپنے خدا کو یاد کرنا سبب ہوتا ہے کہ خدا اپنے اس بندے کو یاد کرے۔ دوسری حدیثیں بھی اسی مضمون کی وارد ہوئی ہیں[۹] اور یہ ذکر اس نسیان کے مقابلہ میں ہے جس کو خدا آیتوں کے بھولنے والوں کے سلسلہ میں ذکر فرماتا ہے: «حَيْثُ قَالَ: كَذٰلِكَ أَتَتْكَ آيَاتُنَا فَنَسِيتَهَا وَكَذٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْسٰى.»[۱۰] (اسی طرح ہماری آیتیں (بھی) تو تیرے پاس آئی تھیں تو تُو انھیں بھلا بیٹھا اور اسی طرح آج تو بھی بھلا دیا جائے گا۔)

جس طرح خدا کے مظاہر جلال و جمال سے باطنی اندھاپن اور آیات کا بھلا دینا دوسرے عالم میں اندھا ہو جانے کا سبب ہوتا ہے اسی طرح آیات و اسما و صفات کا تذکر اور خدا کے جمال و جلال کی یاد آوری بصیرت کو تقویت بخشتی ہے اور بقدر قوتِ ذکر و نورانیتِ ذکر حجابوں کو دور کرتی ہے۔ چنانچہ آیاتِ حق کا ذکر اور ان کا ملکہ بن جانا باطنی بصیرت کو اتنی تقویت پہونچاتا ہے کہ جمالِ حق کا جلوہ نشانیوں میں دکھائی دیتا ہے اور اسما و صفات کا تذکر اس بات کا سبب بنتا ہے کہ حق اسمائی و صفاتی تجلیات میں ظاہر ہو جائے اور بے حجاب آیات و اسما و صفات کا اگر تذکر ذات کیا جائے تو تمام پردے اُٹھ جاتے ہیں اور محبوب بے پردہ ہو کر ظاہر ہو جاتا ہے۔ فتوحاتِ ثلاثہ جواہر فا

Presented by www.ziaraat.com

داولیا کے آنکھوں کی ٹھنڈک ہے (یعنی) "فتح قریب" "فتح مبین" اور "فتح مطلق" جو فتح الفتوح بھی ہے ان کی توجیہات و تاویلات میں سے یہ ایک تاویل و توجیہہ یہ ہے۔

جس طرح تینوں ذکر حجاب ثلاثہ کو اٹھا دیتے ہیں۔ اسی طرح خدا کی راہ میں ایک دوسرے سے محبت بھی محبتِ خدا کا سبب ہوا کرتی ہے اور اس محبت کا بھی نتیجہ رفع حجاب ہوتا ہے جیسا کہ بلند ترین عرفا نے کہا (بھی) ہے۔ (البتہ) اس محبوبیت کے کئی مرتبے ہیں جیسے محبت فی اللہ ملاوٹ و خلوص کے اعتبار سے کئی مرتبے پر مشتمل ہے۔ خلوص تام کا مطلب یہ ہے کہ اس میں کثرتِ ملسمائی وصفاتی کا بھی شائبہ نہ ہو اور یہی چیز محبت تام کی موجب ہے اور شریعتِ عشق میں محبوبِ مطلق وصال سے محجوب نہیں ہوا کرتا اور نہ اس کے اور اس کے محبوب کے درمیان کوئی حجاب ہوتا ہے۔

اسی بیان سے جناب موسیٰؑ کے دونوں سوالوں میں ربط پیدا کیا جا سکتا ہے اس لئے کہ جب جناب موسیٰؑ نے سُنا کہ خدا فرماتا ہے: جو میرا ذکر کرے میں اس کا جلیس ہوں (یعنی) جب اپنے محبوب سے اپنے دل کی بات۔ یعنی وعدہ وصال و وصول بہ جمال۔ سنی تو اربابِ وصال کا استقصا کرنا چاہا تاکہ تمام صورتوں کو پوری کر دیں اس لئے عرض کیا: "فَمَنْ فِي سِتْرِكَ يَوْمَ لَا سِتْرَ إِلَّا سِتْرُكَ؟" وہ کون لوگ ہیں جو بے حجاب ہیں اور انھیں تیرے جمال جمیل کا وصال ہوگا؟ آوازِ قدرت آئی: صرف دو گروہ! ایک تو جو اتنا میرا ذکر کرتے ہیں دوسرے وہ جو میری راہ میں ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں کہ وہ بھی میرا ذکر ہے۔ لیکن مظہرِ جمال تام کی صورت میں۔ یعنی یہی (دونوں) میری پناہ میں ہوں گے اور میرے جلیس ہوں گے اور میں ان کا جلیس ہوں گا۔

پس معلوم ہوا کہ ان دونوں گروہوں کے لئے ایک بہت بڑی خصلت ہے اور اس بزرگ خصلت کا ایک دوسرا بزرگ نتیجہ ہے کیونکہ خدا ان کو یاد کرتا ہے اور وہ خدا کے محبوب ہیں اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ جس دن کسی کی پناہ نہ ہوگی وہ خدا کی پناہ میں ہوں گے اور خلوت گاہِ مطلق میں خدا ان کا جلیس ہوگا۔

دوسری خصلت یہ ہے کہ ان کے احترام میں خدا اپنے بندوں سے عذاب اٹھا لے گا۔ یعنی جب تک وہ لوگ (دُنیا میں) بندوں کے ساتھ ہیں۔ اپنے بندوں پر عذاب و بلیات نہ اُتارے گا۔

Presented by www.ziaraat.com

دوسری فصل

تفکر و تذکر کی منزل کا فرق

چونکہ تذکر تفکر کے نتائج میں سے ہے اس لئے علمانے منزلِ تفکر کو منزلِ تذکر سے مقدم جانا ہے جناب خواجہ عبداللہ فرماتے ہیں، "اَلتَّذَکُّرُ فَوْقَ التَّفَکُّرِ فَاِنَّ التَّفَکُّرَ طَلَبٌ، وَالتَّذَکُّرُ وُجُودٌ۔" (یعنی تذکر تفکر سے مافوق ہے اس لئے کہ تذکر طلب محبوب کا نام ہے اور تفکر حصول مطلوب کا نام ہے)۔

انسان جب تک راہِ طلب و جستجو کے پیچھے ہے مطلوب اس سے چھپا ہوا ہے اور جب محبوب حاصل ہو جاتا ہے تو تلاش و جستجو کی تعب و زحمت سے فارغ ہو جاتا ہے اور قوت و کمال تذکر کا دار و مدار قوت و کمال تفکر پر ہے اور جس تفکر کا نتیجہ معبود کا تذکر تام ہوتا ہے وہ تفکر اعمال کے کسی ترازو میں نہیں تولا جا سکتا۔ اس تفکر کی فضیلت کا قیاس اعمال سے کیا ہی نہیں جا سکتا جیسے کہ روایات میں ہے: ایک سال اور ساٹھ سال اور ستر سال کی عبادت سے ایک ساعت کا تفکر بہتر ہے[۱۳] اور اس کی وجہ (بھی) معلوم ہے اس لئے کہ عبادات کا اہم ترین ثمرہ حصولِ معارف و تذکرِ معبود ہے اور یہ خاصیت (صرف) صحیح تفکر ہی سے بہتر طریقہ پر حاصل ہو سکتی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ایک ساعت کا تفکر انسان کے لئے ایسے معارف کے دروازے کھول دے جو ستر سال کی عبادت سے بھی نہ کھلتے ہوں۔ یا انسان کو محبوب کا ایسا تذکر کرا دے جو سالوں کی زحمتوں اور مشقتوں سے بھی اس مطلوب کو حاصل نہ کر سکتا ہو۔

میرے عزیز اس باب کو سمجھ لو کہ ذکرِ محبوب اور معبود کی یاد میں مشغول رہنے کے عام طبقات کے لئے بہت (اچھے) نتائج ہیں اور رہے اولیاء عرفاء کاملین تو ان کی آرزوؤں کی آخری انتہا ہی یہ ہے اسی کے زیرِ سایہ وہ اپنے محبوب کے وصالِ جمال تک پہونچتے ہیں ان کے لئے تو یہی بہترین چیز ہے۔ البتہ عوام و متوسط حضرات کے لئے یہ بہترین ظاہری و باطنی، اخلاقی و اعمالی اصلاح کرنے والی چیزوں میں سے ہے۔ اگر انسان اپنے تمام حالات اور پیش آنے والے واقعات میں یادِ خدا میں مشغول رہے اور اپنے کو ذاتِ اقدسِ الٰہی کے سامنے حاضر سمجھے تو یقیناً بہت سے ایسے

Presented by www.ziaraat.com

امور جو مرضیٔ الٰہی کے خلاف ہیں ان سے اپنے کو بچا سکتا ہے اور نفس کو اس کی سرکشی سے روک سکتا ہے یہ ساری مصیبتیں اور گرفتاریاں نفسِ امارہ و شیطانِ رجیم کے ہاتھوں اس لئے نصیب ہوتی ہیں کہ ہم یادِ حق اور اس کے عذاب و عقاب سے غافل ہوتے ہیں، حق سے غفلت دل کی کدورتوں کو زیادہ کرتی ہے نفس اور شیطان کو انسان پر غالب بنا دیتی ہے۔ مفاسد میں روز افزوں اضافہ کرتی ہے۔ (اس کے برخلاف) خدا کی یاد دل کو جلا دیتی ہے قلب کو صیقل کرتی ہے اور اس کو جلوہ گاہِ محبوب بنا دیتی ہے روح کی تصفیہ کرتی ہے اس کو خالص کر دیتی ہے۔ نفس کے قید سے انسان کو آزاد کرا دیتی ہے۔ حُبِّ دنیا کو جو تمام غلطیوں کا منشا اور برائیوں کا سرچشمہ ہے۔ دل سے باہر نکال دیتی ہے۔ غم کو ایک بنا دیتی ہے اور دل کو صاحبِ منزل کے داخل ہونے کے لئے پاک و پاکیزہ بنا دیتی ہے۔

اس لئے اے عزیز! یادِ محبوب اور اس کے ذکر کے سلسلہ میں چاہے جتنی مشقتیں برداشت کرو وہ سب کم ہیں۔ دل میں یادِ محبوب کی عادت ڈالو۔ بلکہ خدا چاہے تو قلب کی صورت ذکرِ حق کی صورت ہو جائے اور کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ آخری صورت اور نفس کا انتہائے کمال ہو جائے کیونکہ سلوک الی اللہ کے لئے اس سے بہتر زاد اور نفس کی برائیوں کے لئے اس سے نیکوتر مصلح اور معارفِ الٰہیہ کے لئے اس سے اچھا رہبر نہیں پیدا ہو سکتا۔ اس لئے اگر تم صوری و معنوی کمالات کے طالب ہو، آخرت کے راستہ کے سالک اور مہاجر و مسافر الی اللہ ہو تو اپنے قلب کو ذکرِ محبوب کا عادی بناؤ دل کو یادِ حق تعالیٰ (کے پانی) سے گوندھو۔

تیسری فصل

ذکرِ تام کا حکم تمام مملکت میں سرایت کرتا ہے

اگرچہ ذکرِ حق و تذکرِ ذاتِ باری قلب کے صفات میں سے ہے اور اگر قلب مشغولِ ذکر ہو تو ذکر کے جتنے بھی فوائد ہیں وہ سب اس پر مرتب بھی ہوں گے۔ لیکن بہتر یہ ہے کہ پہلے ذکرِ لسانی کرے اس کے بعد ذکرِ قلبی میں مشغول ہو۔ ذکر کے تمام مراتب میں سب سے افضل و اکمل وہ ذکر ہے جو انسانی مراتب کے تمام نشات میں پایا جاتے اور اس کا حکم ظاہر و باطن میں سراً و جہراً جاری ہو اور ہر وجودِ حق میں

Presented by www.ziaraat.com

میں مشہود ہو اور قلب و روح کی باطنی صورت تذکرِ محبوب کی صورت ہو اور قلبی و قالبی تمام اعمال تذکری ہو جائیں۔ ساتوں اقلیم ظاہری اور ممالک باطنی ذکرِ حق سے مفتوح اور جمیلِ مطلق کے ذکر سے مسخر ہو جائیں۔ بلکہ اگر ذکر کی حقیقت قلب کی باطنی صورت ہو جائے اور اس کے ہاتھوں مملکتِ قلب فتح ہو جائے تو اس کا حکم باقی ممالک اور تمام اقالیم میں نافذ ہوتا ہے، حرکات، سکنات، آنکھ، زبان، ہاتھ، پاؤں اور تمام اعضا اور قوتوں کے اعمال ذکرِ حق کے ساتھ ہی انجام پاتے ہیں۔ اپنے وظیفہ کے خلاف کسی امر کو انجام نہیں دیتے۔ پس ان کے حرکات و سکنات ذکرِ حق سے شروع اور اسی پر ختم ہوتے ہیں۔ بِسْمِ اللّٰہِ مَجْرِیْھَا وَ مُرْسٰھَا ۱۲ تمام ممالک میں نفوذ کر جاتے ہیں اور نتیجہ میں حقیقتِ اسماء و صفات کی صورت میں متحقق ہوتے ہیں بلکہ اسم اللہ اعظم کی صورت اور اس کا مظہر ہو جاتے ہیں اور یہ کمالِ انسانی کی انتہا اور اہل اللہ کی اُمیدوں کا منتہیٰ ہے۔ اس مقام میں جتنا نقص ہوگا اور نفوذِ ذکر کم ہوگا۔ کمالِ انسانی میں اتنا ہی نقص پیدا ہو جائے گا اور ہر ایک ظاہر و باطن کا نقصان دوسرے میں سرایت کرے گا کیونکہ وجودِ انسانی کے نشآت باہم مرتبط اور ایک دوسرے سے متاثر ہیں۔ اسی سے پتہ چلتا ہے کہ زبانی و نطقی ذکر جو تمام مراتب میں سب پست ہے وہ بھی مفید اور فائدہ مند ہے۔ اس لئے کہ پہلی بات تو یہی ہے کہ زبان نے یہ ذکر کر کے اپنے فریضہ کو پورا کیا ہے اگرچہ قالب بے روح کی صورت میں ہے دوسرے ممکن ہے کہ یہی تذکر مداومت اور شرائط کے ساتھ زبانِ قلب کے کھلنے کا سبب بن جائے۔ ہمارے شیخ عارف کامل جناب شاہ آبادی روحی فداہ فرمایا کرتے تھے۔ ذاکر کو ذکر میں اس شخص کی طرح ہونا چاہیئے جو اس چھوٹے بچہ کو کلمات یاد کرانا چاہتا ہو جس کی ابھی زبان چھوٹی نہ ہو کہ ایسا شخص بار بار کلمہ کی تکرار کرتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ بچہ ادا کرنے لگے۔ پھر جب بچہ کلمہ کو ادا کرنے لگتا ہے تو معلم بچہ کی پیروی کرتا ہے (کہ اس سے بار بار کہلاتا ہے اور خود بھی دُھراتا ہے۔) اس طرح اس کی ساری تھکن دور ہو جاتی ہے اور گویا بچہ سے اس کو مدد ملتی ہے۔ اسی طرح جو شخص ذکر کرتا ہے اس کو چاہیئے اپنے قلب کو جس نے زبانِ ذکر نہیں کھولی ہے ذکر کی تعلیم دے اور اذکار کے تکرار کرنے کا نکتہ یہ ہے کہ زبانِ قلب کھل جائے اور زبانِ قلب کے کھلنے کی پہچان یہ ہے کہ زبان دل کی پیروی کرنے لگے اور تکرار کی زحمت و تعب ختم ہو جائے۔ پہلے تو (صرف) زبان ذاکر تھی اب قلب (بھی) اس کی تعلیم و مدد سے ذاکر ہو گیا اور زبانِ قلب کے کھل جانے کے بعد زبان اس کی پیروی کر کے اس کی مدد یا غیبی مدد سے ذکر کرنے لگتی ہے۔

یہ بھی جان لینا چاہیئے کہ ظاہری صوری اعمال ملکوت میں مقامِ غیب و حشر کے اس وقت

Presented by www.ziaraat.com

تک لائق نہیں ہوتے جب تک باطن روحانیت اور لبابِ قلب سے ان کی مدد نہ ہو اور ان کو حیاتِ ملکوتی نہ بخش دیں اور وہ نفخۂ روحی جس کی صورت خلوصِ نیت اور نیت خالص ہے۔ بمنزلۂ روح و باطن ہے جس کے ضمن میں جسد بھی ملکوت میں محشور اور لائق قبول درگاہ ہو جاتا ہے۔ اسی لئے روایات میں آیا ہے کہ اعمال کی قبولیت بمقدار اقبال قلب ہوا کرتی ہے[14] اور تمام اوصاف کے ساتھ ذکر لسانی بھی مطلوب و محبوب ہوتا ہے اور انجام کار انسان کو حقیقت تک پہونچا دیتا ہے۔ اسی لئے اخبار و آثار میں ذکر لسانی کی عظیم مدح آئی ہے اور بابِ ذکر کی طرح کثیر الحدیث باب بہت ہی کم ہیں۔[15] قرآن مجید کی آیتوں میں بھی اس کی بہت مدح کی گئی ہے۔[16] اگرچہ ان میں سے اکثر کو ذکرِ قلبی یا ذکرِ باروح پر حمل کیا گیا ہے مگر ذکرِ حق بہرحال اور ہر مرتبہ میں محبوب ہے۔ ہم تیمناً و تبرکاً چند حدیثوں کو یہاں ذکر کر کے اپنے کلام کو ختم کرتے ہیں۔

چوتھی فصل

ذکرِ خدا کی فضیلت میں چند حدیثوں کا ذکر

«كافي بِسَنَدٍ صَحِيحٍ عَنِ الْفُضَيْلِ بنِ يسارٍ قالَ قالَ أَبُو عَبْدِاللّٰهِ، عَلَيْهِ السَّلَامُ: مَا مِنْ مَجْلِسٍ يَجْتَمِعُ فِيهِ أَبْرَارٌ وَفُجَّارٌ فَيَقُومُونَ عَلَى غَيْرِ ذِكْرِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ إِلَّا كَانَ حَسْرَةً عَلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ.»[17]

"جس نشست میں بھی اچھے بُرے لوگ جمع ہوں اور بغیر ذکرِ خدا وہاں سے اُٹھ جائیں تو وہ اُٹھنا ان کے لئے روزِ قیامت حسرت کا سبب ہوگا۔"

ظاہر سی بات ہے کہ جب قیامت میں انسان پر ذکرِ خدا کے بڑے (بڑے) نتائج ظاہر ہوں گے اور وہ اپنے کو ان نعمتوں سے محروم دیکھے گا اور سمجھے گا کہ کتنی عظیم نعمتیں اور سرور اس کے ہاتھ سے نکل گئے اور اب (کسی بھی طرح) ان کا جبران ممکن نہیں ہے تو حسرت و ندامت اس پر چھا جائے گی۔ لہٰذا انسان کو چاہیئے جتنی بھی فرصت ملے اس کو غنیمت سمجھے اور اپنی محافل و مجالس کو ذکرِ خدا سے خالی نہ چھوڑے۔

Presented by www.ziaraat.com

«كافي بِسنَدٍ مُوَثَّقٍ عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ، عَلَيْهِ السَّلَامُ: مَنْ أَرَادَ أَنْ يَكْتَالَ بِالْمِكْيَالِ الْأَوْفَى فَلْيَقُلْ، إِذَا أَرَادَ أَنْ يَقُومَ مِنْ مَجْلِسِهِ:

امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: "جو شخص پوری تول چاہتا ہے (یعنی خدا سے اپنا کامل ثواب چاہتا ہے جس میں کوئی نقص نہ ہو) تو جب کسی مجلس سے اٹھے تو ان آیتوں کی تلاوت کرے۔

«سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُونَ. وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِينَ. وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ.» ۱۸

امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ حضرت علیؑ نے فرمایا: "جو شخص روزِ قیامت پورا ثواب لینا چاہتا ہے وہ ہر نماز کے بعد انھیں آیات کی تلاوت کرے۔" ۱۹

امام جعفر صادقؑ سے مرسلاً منقول ہے کہ مجلس سے اٹھتے وقت ان آیات کی تلاوت گناہوں کا کفارہ ہے۔ ۲۰

«كافي بِإِسْنَادِهِ عَنِ ابْنِ فَضَّالٍ رَفَعَهُ قَالَ قَالَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ لِعِيسَى، عَلَيْهِ السَّلَامُ: يَا عِيسَى، اُذْكُرْنِي فِي نَفْسِكَ، أَذْكُرْكَ فِي نَفْسِي، وَاذْكُرْنِي فِي مَلَائِكَ أَذْكُرْكَ فِي مَلَإٍ خَيْرٍ مِنْ مَلَإِ الْآدَمِيِّينَ، يَا عِيسَى، أَلِنْ لِي قَلْبَكَ وَأَكْثِرْ ذِكْرِي فِي الْخَلَوَاتِ، وَاعْلَمْ أَنَّ سُرُورِي أَنْ تُبْصْبِصَ إِلَيَّ؛ وَكُنْ فِي ذَلِكَ حَيّاً وَلَا تَكُنْ مَيِّتاً.» ۲۱

"خداوندِ عالم نے حضرت عیسیٰؑ سے کہا: اے عیسیٰ تم مجھے اپنے پاس یاد کرو، میں تم کو اپنے یہاں یاد کروں گا۔ تم مجھ کو اپنے مجمع میں یاد کرو میں تم کو آدمیوں سے بہتر مجمع میں یاد کروں گا۔ اے عیسیٰؑ میرے لئے اپنے دل کو نرم کرو اور تنہائیوں میں بکثرت میرا ذکر کرو اور یہ جان لو کہ میری خوشی اسی میں ہے کہ تم میرے لئے دُم ہلاتے رہو اور حضورِ قلب کے ساتھ زندہ رہو۔ مُردہ دِل نہ بنو۔"

(تبصبص کے معنیٰ خوف یا طمع سے کتے کا دُم ہلانا ہے اور یہ شدتِ ایماس و مسکنت کی طرف اشارہ ہے) اور ذکر میں زندگی سے مقصد توجہ اور حضورِ قلب ہے۔

«كافي بِإِسْنَادِهِ عَنْ أَبِي عَبْدِ اللَّهِ، عَلَيْهِ السَّلَامُ، قَالَ إِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ يَقُولُ: مَنْ

Presented by www.ziaraat.com

شُغِلَ بِذِكْرِي عَنْ مَسْأَلَتِي، أَعْطَيْتُهُ أَفْضَلَ مَا أُعْطِي مَنْ سَأَلَنِي.» [۲۲]

امام صادقؑ نے فرمایا: خداوندِ عالم کا ارشاد ہے: "اگر کوئی میرے ذکر کی وجہ سے مجھ سے سوال کرنے سے رہ جائے تو میں اس کو جو سوال کرنے والے کو دیتا ہوں۔ اس سے افضل چیز عطا کروں گا۔"

«عَنْ أَحْمَدَ بْنِ فَهْدٍ فِي عِدَّةِ الدَّاعِي، عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ، قَالَ... وَاعْلَمُوا أَنَّ خَيْرَ أَعْمَالِكُمْ عِنْدَ مَلِيكِكُمْ وَأَزْكَاهَا وَأَرْفَعَهَا فِي دَرَجَاتِكُمْ وَخَيْرَ مَا طَلَعَتْ عَلَيْهِ الشَّمْسُ ذِكْرُ اللّٰهِ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى؛ فَإِنَّهُ أَخْبَرَ عَنْ نَفْسِهِ فَقَالَ أَنَا جَلِيسُ مَنْ ذَكَرَنِي.» [۲۳]

رسولِ خداؐ نے فرمایا: "تمہارے خدا کے نزدیک (سب سے اچھا اور پاک اور تمہارے درجات کو سب سے زیادہ بلند کرنے والا اور جن چیزوں پر سورج چمکتا ہے ان میں سب سے بہتر ذکرِ خدا ہے اس لئے کہ اس نے اپنے بارے میں خود بتایا ہے: جو میرا ذکر کرے میں اس کا جلیس ہوں۔"

ذکر کی فضیلت کی روایات اور اس کی کیفیت و آداب و شرائط اتنے زیادہ ہیں کہ اس کتاب کے حوصلہ احصا سے باہر ہیں۔

«وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ أَوَّلاً وَآخِراً وَظَاهِراً وَبَاطِناً.»

Presented by www.ziaraat.com

اٹھارہویں حدیث کی توضیحات

۱۔ اصولِ کافی جلد ۲ ص ۴۹۶، کتاب الدعا، باب ما یجب من ذکر اللہ فی کل مجلس، حدیث ۴۔

۲۔ مرآۃ العقول جلد ۱۲ ص ۱۲۲۔

۳۔ سورۂ بقرہ آیت ۱۸۶۔

۴۔ سورۂ ق آیت ۱۶۔

۵۔ سورۂ اعراف آیت ۲۰۵۔

۶۔ «لَا یَکْتُبُ الْمَلَکُ إِلَّا مَا سَمِعَ وَقَالَ اللّٰہُ عَزَّ وَجَلَّ: «وَاذْکُرْ رَبَّکَ فِي نَفْسِکَ تَضَرُّعًا وَ خِیفَةً» فَلَا یَعْلَمُ ثَوَابَ ذٰلِکَ الذِّکْرِ فِي نَفْسِ الرَّجُلِ غَیْرُ اللّٰہِ عَزَّ وَجَلَّ لِعَظَمَتِہٖ۔» علی ابن ابراہیم نے اپنے باپ سے دو واسطوں میں سے ایک سے نقل کیا ہے کہ امام نے فرمایا: فرشتہ جو کچھ سنتا ہے وہی لکھتا ہے اور خدا نے فرمایا ہے: اپنے خدا کو تضرع اور پوشیدگی میں یاد کیا کرو۔ خدا کے نزدیک اس ذکر خفی کا جو ثواب ہے اس کو کوئی نہیں جانتا۔ اصولِ کافی جلد ۲ ص ۵۰۲، کتاب الدعا، باب ذکر اللہ عزوجل فی السر، حدیث ۴۔

۷۔ اصولِ کافی جلد ۲ ص ۵۰۲، کتاب الدعا، باب ذکر اللہ عزوجل فی الغافلین، حدیث ۱۔

۷/۱۔ احمد بن محمد بن فہد اسدی حلی (۸۴۱-۷۵۶) فقیہ، محدث، عابد، عارف، کامل در قرن نہم ہجری۔ آپ کے شاگردوں میں محقق کرکی، ابن ابی جمہور احسائی، شیخ علی بن طالبی۔ آپ کی تالیفات میں عدۃ الداعی، آداب الداعی، اسرار الصلوٰۃ، التحریر، المقتصر فی شرح الارشاد، شرح الفیہ شہید، المہذب البارع فی شرح المختصر النافع۔

۸۔ عدۃ الداعی ص ۱۸۹۔

۹۔ وسائل الشیعہ (جلد ۴ ص ۱۱۸۵ کتاب الصلوٰۃ باب ۷) اس مضمون کی چار حدیثیں وارد ہوئی ہیں۔

Presented by www.ziaraat.com

۱۰۔ سورۂ طٰہٰ آیت ۱۳۶۔

۱۱۔ منازل السائرین ص ۱۵۔ قسم ہدایات، باب تذکر۔

۱۲۔ حدیث ۱۲۔ توضیح ۱۱۔۱۲۔۱۳۔

۱۳۔ اور نوحؑ نے کہا اس کشتی میں بسم اللہ مجریہا و مرساہا کہہ کر سوار ہو جاؤ (یعنی خدا ہی کے نام سے اس کا بہاؤ اور ٹھہراؤ ہے) سورۂ ہود آیت ۴۱۔

۱۴۔ رسولؐ خدا نے فرمایا: «إِنَّ اللّٰهَ لاَ يَنْظُرُ إِلٰى صُوَرِكُمْ وَأَعْمَالِكُمْ، وَإِنَّمَا يَنْظُرُ إِلٰى قُلُوبِكُمْ» خدا تمہاری صورتوں اور اعمال کو نہیں دیکھتا وہ تو تمہارے دلوں کو دیکھتا ہے۔ بحار جلد ۶۷ ص ۲۴۸، کتاب ایمان و کفر، باب ۵۴ حدیث ۲۱۔

۱۵۔ اصول کافی جلد ۲، ص ۴۹۶۔ ۵۰۶، کتاب الدعا، باب من یجب من ذکر اللہ کل مجلس، باب ذکر اللہ عزوجل کثیراً، وسائل الشیعہ جلد ۴، ص ۱۱۷۷۔ ۱۲۴۰، کتاب الصلوٰۃ، ابواب الذکر، المجتہ البیضا، جلد ۲ ص ۲۶۵۔ ۲۷۷، کتاب الاذکار والدعوات ص ۲۴۳۔ ۲۵۷، کتاب ترتیب الاوراد و تفصیل احیاء اللیل۔

۱۶۔ سورۂ رعد آیت ۲۸، سورۂ عنکبوت آیت ۴۵۔ سورۂ حدید آیت ۲۱، سورۂ احزاب آیت ۴۱ اور.....

۱۷۔ اصول کافی جلد ۲ ص ۴۹۶، کتاب الدعا، باب ما یجب من ذکر اللہ فی کل مجلس، حدیث ۱۔

۱۸۔ اصول کافی جلد ۲ ص ۴۹۶، کتاب الدعا، باب ما یجب من ذکر اللہ فی کل مجلس، حدیث ۳ (آیت کا ترجمہ) یہ لوگ جو باتیں خدا کے بارے میں بنایا کرتے ہیں ان سے تمہارا پروردگار عزت کا مالک پاک صاف ہے اور رسولوں پر (درود و) سلام ہو اور کل تعریفیں خدا ہی کے لئے سزاوار ہیں جو سارے جہان کا پالنے والا ہے۔ سورۂ صافات آیت ۱۸۰۔ ۱۸۲۔

۱۹۔ حضرت علیؑ نے فرمایا:

«قَالَ أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ (ع) مَنْ أَرَادَ أَنْ يَكْتَالَ بِالْمِكْيَالِ الْأَوْفٰى، فَلْيَكُنْ آخِرُ قَوْلِهِ «سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُونَ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِينَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ.» فَإِنَّ لَهُ مِنْ كُلِّ مُسْلِمٍ حَسَنَةً.»

جو پورے پیمانے کی تول چاہتا ہو اس کا آخری قول سبحان ربک رب العزۃ ہونا چاہیئے اس لئے کہ اس کا ہر مسلمان کے لئے ہر جملہ ہے۔ من لایحضرہ الفقیہ جلد ۱ ص ۳۱۳، باب ۴۶، حدیث ۷۔

۲۰۔ وسائل الشیعہ جلد ۱۵۔ ص ۵۸۵، کتاب الایلاء والکفارات، ابواب الکفارات، باب ۳۷، حدیث ۱۔

۲۱۔ اصول کافی جلد ۲ ص ۵۰۲، کتاب الدعا، باب ذکر اللہ فی السر، حدیث ۳۔

۲۲۔ اصول کافی جلد ۲ ص ۵۰۱، کتاب الدعا، باب الاشتغال بذکر اللہ، حدیث ۱۔

۲۳۔ عدۃ الداعی ص ۱۸۷۔

Presented by www.ziaraat.com

انیسویں حدیث

«بسندي الْمُتَّصِلِ إِلى ثِقَةِ الْإِسلامِ وَالْمُسْلِمِيْنَ، مُحَمَّد بن يَعْقُوبَ الْكُلَيْنِي، رِضْوانُ اللّٰهِ تَعالى عَلَيْهِ، عَنْ عَلِيّ بن إبراهيم، عَنْ أَبِيهِ، عَنِ النَّوفَلِيّ، عَنِ السَّكونِيّ، عَنْ أَبِي عَبْدِاللّٰه، عَلَيْهِ السَّلامُ، قالَ قالَ رَسُولُ اللّٰه، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ: اَلْغِيبَةُ أَسْرَعُ فِي دِيْنِ الرَّجُلِ الْمُسْلِمِ مِنَ الْأَكْلَةِ فِي جَوْفِهِ.»

«قالَ وَقالَ رَسُولُ اللّٰه، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ: اَلْجُلُوسُ فِي الْمَسْجِدِ إِنْتِظارَ الصَّلاةِ عِبادَةٌ ما لَمْ يُحْدِثْ. قِيلَ: يا رَسُولَ اللّٰه وَما يُحْدِثُ. قالَ الْإِغْتِيابَ.»[1]

ترجمہ: سکونی کا بیان ہے: حضرت امام صادقؑ نے فرمایا: رسولِ خداؐ کا ارشاد ہے: «مسلمان کے دین میں غیبت مرضِ اکلہ سے زیادہ سریع ہے اور یہ بھی فرمایا کہ: رسولِ خداؐ نے فرمایا ہے: نماز کے انتظار میں مسجد میں بیٹھنا عبادت ہے جب تک احداث نہ کرے۔ پوچھا گیا: اے رسولِ خداؐ کس چیز کا احداث نہ کرے؟ فرمایا غیبت کا۔

شرح: غیبت «غابَ» کا مصدر اور «اغتیاب» کا (اسم) مصدر ہے جیسا کہ لغت میں ہے قال الجوہری:

Presented by www.ziaraat.com

«إغْتِابَهُ إغْتِياباً، إذا وَقَعَ فِيهِ، وَالإسْمُ الْغِيبَةِ. وَهُوَ أنْ يتكلَّمَ خَلْفَ إنْسانٍ مَسْتُورٍ بِما يَغُمُّهُ لَوْ سَمِعَهُ. فَإنْ كانَ صِدْقاً سُمِّيَ غِيبَةً؛ وَإنْ كانَ كِذْباً سُمِّيَ بُهْتاناً.» انتهى[۲]

جوہری نے کہا جب کوئی کسی کی بُرائی کرے تو اغتابہ اغتیابا بولا جاتا ہے اور اس کا اسم مصدر الغیبۃ آتا ہے جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ کسی کے پیٹھ پیچھے ایسی بات کرنا کہ اگر وہ سُن لے تو اس کو غم ہو۔ اگر وہ کہی گئی بات سچ ہو تو اس کو غیبت اور جھوٹ ہو تو بھتان کہا جاتا ہے۔

محقق محدث مجلسی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔ یہ لغوی معنیٰ ہیں انتہی ۳ مگر بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جوہری نے اصطلاحی معنیٰ بیان کئے ہیں نہ کہ لغوی۔ اس لئے کہ "غاب" اور "اغتاب" اور اس کی تمام گردانوں کے لغوی معنیٰ یہ نہیں ہیں۔ بلکہ اس سے عام معنیٰ مقصود ہوتے ہیں اور کبھی خود اہلِ لغت شرعی یا اصطلاحی معنیٰ کو اپنی کتابوں میں ذکر کر دیا کرتے ہیں۔

صاحب قاموس سے منقول ہے کہ "غاب" کو "عاب" کے معنیٰ میں لیا گیا ہے اور مصباح منیر میں ہے: «إغْتِابَهُ إذا ذَكَرَهُ بِما يَكْرَهُهُ مِنَ الْعُيُوبِ، وَهُوَ حَقٌّ.»[۴] جب کسی کے ناپسندیدہ عیوب کا ذکر کیا جائے تو "اغتابہ" بولا جاتا ہے اور یہی حق ہے۔

میرے نزدیک متن میں ذکر شدہ تمام چیزوں میں سے کوئی بھی معنیٰ لغوی معنیٰ نہیں ہے بلکہ ہر ایک میں ایک قید کا اضافہ کر دیا گیا ہے جس سے اصطلاحی معنیٰ سے اختلاط پیدا ہو گیا ہے بہرحال لغوی معنیٰ کے اطراف میں بحث زیادہ فائدہ مند نہیں ہے۔ سب سے عمدہ بات شرعی موضوع کا حاصل کرنا ہے جو متعلق تکلیف ہے اور بظاہر یہ مورد کچھ ایسے شرعی قیود کا حامل ہے جو فہم عرفی اور معنیٰ لغوی سے الگ ہے۔ اس کے بعد اطراف موضوع کے سلسلہ میں بیان پیش کیا جائے گا۔

(«وَالأكْلَة»، كَقَرْحَةٍ، داءٌ فِي الْعُضْوِ يَأْكُلُ مِنْهُ. كَما فِي الْقامُوسِ وَغَيْرِهِ. وَقَدْ يُقْرَبِمَدِّ الْهَمْزَةِ عَلى وَزْنِ فاعِلَةٍ؛ أيِ الْعِلَّةُ الَّتِي تَأْكُلُ اللَّحْمَ. وَالأوَّلُ أوْفَقُ بِاللُّغَةِ. كَذا قالَ الْمَجْلِسِيُّ.)[۵]

کے وزن پر عضو میں ایک مرض ہوتا ہے جو اس کو کھاتا رہتا ہے کما فی القاموس وغیرہ اور کبھی ہمزہ کو مدد دے کر "فاعلۃ" (یعنی آکلۃ) کے وزن پر بھی پڑھا گیا ہے۔ اس وقت مطلب ہوگا وہ بیماری جو گوشت

Presented by www.ziaraat.com

کھاتی ہے۔ مگر پہلا مطلب لغت سے زیادہ مناسب ہے جیسا کہ مجلسی نے بھی ذکر کیا ہے۔
بہرحال مطلب یہ ہے کہ جس طرح یہ مرض جب عضو میں خصوصاً اعضائے لطیفہ جیسے باطن میں پیدا ہو جاتا ہے تو اس کو جلدی کھا لیتا ہے اور فنا کر دیتا ہے۔ اسی طرح غیبت انسان کے دین کو اس سے بھی جلدی کھا لیتی ہے اور فاسد و فنا کر دیتی ہے۔
اور "مَا تَمُّ مُحَدِّثٌ" باب افعال سے ہے اور اس میں ضمیر مستتر جالس کی طرف راجع ہے جو اس جلوس سے مستفاد ہے جو اس میں مذکور ہے اور اغتیاب منصوب ہے اور فعل مقدر کا مفعول ہے جو کلام سائل سے مفہوم ہے اور بعض نسخوں میں "مَا يُحَدِّثُ" کے بجائے "مَا الْحَدَثُ" آیا ہے اس لئے اغتیاب بنا پر خبریت مرفوع ہے۔

پہلی فصل

غیبت کی تعریف

فقہاء رضوان اللہ علیہم اجمعین نے غیبت کی بہت سی تعریفیں کی ہیں۔ جن کا بیان اور ان میں سے ہر ایک کے جامع و مانع ہونے میں مناقشہ کا بیان اس کتاب کے وظیفہ سے خارج ہے ہاں اجمالاً بیان کیا جا سکتا ہے:
محقق سعید شیخ شہیدؒ نے کشف الریبہ میں اس کی دو تعریفیں بیان کی ہیں۔
۱۔ یہ معنیٰ فقہا میں مشہور ہیں:

«هُوَ ذِكْرُ الْإِنْسَانِ حَالَ غَيْبَتِهِ بِمَا يَكْرَهُ نِسْبَتَهُ إِلَيْهِ، مِمَّا يُعَدُّ نُقْصَاناً فِي الْعُرْفِ بِقَصْدِ الْإِنْتِقَاصِ وَالذَّمِّ.» وَالثَّانِي: «اَلتَّنْبِيهُ عَلَى مَا يَكْرَهُ نِسْبَتَهُ إِلَيْهِ.» ۶

(پہلی تعریف کی بنا پر) حاصل معنیٰ یہ ہوں گے کہ غیبت کسی کی مذمت و انتقاص کی نیت سے اس کی غیر موجودگی میں اس کی طرف غیر خوش آئند ایسی چیز کی نسبت دینا جو عرف عام میں (باعث) نقص (و توہین) ہے۔
اور دوسری تعریف کا مقصد ہے: ایسی ہی چیز پر مطلع کرنا۔ اگر ذکر کو بمعنی قول تسلیم کیا

Presented by www.ziaraat.com

جائے جیسا کہ عرفاً یہی سمجھ میں آتا ہے کیونکہ تنبیہ قول و کتابت و حکایت و دیگر تمام طرق تفہیم سے عام ہے تو پھر دوسری تعریف عام ہے (اور پہلی تعریف خاص ہے) اور اگر ذکر کو قول سے عام مانا جائے جیسا کہ مطابق لغت یہی بات ہے تو پھر دونوں تعریفوں کی بازگشت ایک ہی چیز کی طرف ہے اور احادیث کی دلالت بھی انھیں دونوں تعریفوں پر ہوتی ہے مثلاً مجالس شیخ میں ابوذر رضوان اللہ علیہ سے جو وصیت حضرت رسولؐ کی ابوالاسود سے منقول ہے اس میں ہے: ابوذر نے کہا: میں نے عرض کیا اے خدا کے رسولؐ غیبت کیا ہے؟ فرمایا:

«قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، مَا الْغِيبَةُ؟ قَالَ ذِكْرُكَ أَخَاكَ بِمَا يَكْرَهُ. قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، فَإِنْ كَانَ فِيهِ الَّذِي يُذْكَرُ بِهِ؟ قَالَ إِعْلَمْ، أَنَّكَ إِذَا ذَكَرْتَهُ بِمَا هُوَ فِيهِ، فَقَدِ اغْتَبْتَهُ؛ وَإِذَا ذَكَرْتَهُ بِمَا لَيْسَ فِيهِ، فَقَدْ بَهَتَّهُ.»

"تم اپنے برادر (مومن) کا ذکر ان چیزوں کے ساتھ کرو جو اسے ناپسند ہوں" میں نے کہا: جو باتیں کہی جا رہی ہوں اگر اس کے اندر موجود ہوں تب؟ فرمایا: اگر موجود ہوں جب ہی تو غیبت ہے اور اگر وہ باتیں اس میں موجود نہ ہوں تو تہمت و بہتان ہے۔

مشہور حدیث رسولؐ میں ہے: «هَلْ تَدْرُونَ مَا الْغِيبَةُ؟ فَقَالُوا: اَللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ. قَالَ ذِكْرُكَ أَخَاكَ بِمَا يَكْرَهُ...» "کیا تم جانتے ہو غیبت کیا ہے؟" سب نے کہا: خدا اور اس کا رسولؐ زیادہ جانتے ہیں۔ فرمایا: اپنے بھائی کا اس طرح ذکر کرنا جو اسے ناپسند ہو... الخ۔

ذکر کے معنیٰ اگر وہی لئے جائیں جو متفاہم عرفی ہے تو اس حدیث کی برگشت معنیٰ اول کی طرف ہوگی اور اگر ذکر کو قول سے عام مانا جائے تو اس کی برگشت دوسرے معنیٰ کی طرف ہوگی۔

حضرتؐ نے اس حدیث میں اپنے بھائی کے غائب ہونے کی شرط اس لئے نہیں لگائی کہ لفظ غیبت سے وہ بات خود ہی سمجھ میں آجاتی ہے اس کے ذکر کی ضرورت نہیں تھی اور برادر سے مراد بھی معلوم ہے کہ برادر مومن ہے نہ کہ نسبی برادر اس لئے اس کی بھی قید کا ذکر نہیں کیا گیا اور مایکرہ سے مراد وہ چیزیں ہیں جو عرفاً سبب نقصان سمجھی جاتی ہیں۔ البتہ قصد انتقاص و مذمت کا ذکر اگرچہ ابوذر کی حدیث میں نہیں ہے اور نبوی مشہور میں بھی نہیں ہے۔ لیکن فحوائے کلام سے سمجھ میں آجاتا ہے۔ بلکہ ابوذر کی روایت کا پہلا حصہ اس پر دلالت کرتا ہے اس لئے اس کے بھی ذکر کی ضرورت نہیں ہے اس لئے کہ صدر روایت میں ہے۔ اَلْغِيبَةُ أَشَدُّ مِنَ الزِّنَا (غیبت زنا

Presented by www.ziaraat.com

سے زیادہ شدید ہے، میں نے عرض کیا، کیوں یا رسولؐ اللہ؟ فرمایا قُلْتُ: وَلِمَ ذَاكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ؟ قَالَ لِأَنَّ الرَّجُلَ يَزْنِي فَيَتُوبُ إِلَى اللّٰهِ فَيَتُوبُ اللّٰهُ عَلَيْهِ، وَالْغِيبَةُ لَا تُغْفَرُ حَتّٰى يَغْفِرَهَا صَاحِبُهَا... ثُمَّ قَالَ وَأَكْلُ لَحْمِهِ مِنْ مَعَاصِي اللّٰهِ.»[9]

"اس لئے کہ انسان جب زنا کرتا ہے اور (صدق دل سے) توبہ کرلیتا ہے تو خدا معاف کر دیتا ہے۔ لیکن غیبت کو خدا اس وقت تک معاف نہیں کرتا جب تک وہ شخص نہ معاف کردے جس کی غیبت کی گئی ہے.... اس کے بعد فرمایا اور مومن کا گوشت کھانا خدا کی معصیتوں میں سے ایک معصیت ہے۔"

ان دو جملوں سے پتہ چلتا ہے کہ قصد انتقاص مقصود ہے۔ ورنہ اگر تلطفاً و ترحماً کسی غیر کا ذکر ہو تو یہ معصیت نہیں ہے کہ بخشش کی ضرورت ہو اور نہ اس کا گوشت کھانا ہے۔

«قَالَتْ: دَخَلَتْ عَلَيْنَا إِمْرَأَةٌ، فَلَمَّا وَلَّتْ، أَوْمَأْتُ بِيَدِي أَنَّهَا قَصِيرَةٌ فَقَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ: اِغْتَبْتِهَا.»[10]

اور عائشہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ غیبت ذکر قول سے عام ہے۔ چنانچہ وہ کہتی ہیں: ہمارے پاس ایک عورت آئی جب وہ واپس ہوئی تو میں نے اپنے ہاتھ کے اشارے سے کہا کہ یہ پستہ قد ہے۔ اس پر رسولؐ خدا نے فرمایا: تم نے اس کی غیبت کی۔

بلکہ عرف خود غیبت والی روایات سے تلفظ کی خصوصیت کو نہیں سمجھتا بلکہ اس کو افہام نوعی کے اعتبار سے حرام سمجھتا ہے۔ یعنی تلفظ بذکر کے ساتھ جو اختصاص سمجھا جاتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ زیادہ تر غیبت قولاً ہوتی ہے نہ یہ کہ قول کو اس میں کوئی مدخلیت حاصل ہے۔

اب ایک مطلب یہ رہ جاتا ہے کہ بہت سی روایات کے اطلاق سے معلوم ہوتا ہے کہ مومنین کے راز کا ظاہر کرنا حرام ہے یعنی مومنین کے جو عیوب مخفی ہوں چاہے وہ خلقی ہوں یا خُلقی یا عملی ان کا اظہار و افشا خواہ وہ شخص متصف اس پر راضی ہو یا ناراض اور خواہ قصد انتقاص ہو یا نہ ہو بہرحال حرام ہے لیکن تمام روایات کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ قصد انتقاص کو حرمت میں مدخلیت حاصل ہے۔ البتہ اگر نفس عمل ہی ان امور میں سے ہو جن کا ذکر و جن کی اشاعت شرعاً حرام ہے۔ تو اس میں قصد انتقاص کو کوئی مدخلیت نہیں ہے۔ جیسے گناہان کبیرہ کہ خود صاحب گناہ ان کا اظہار

Presented by www.ziaraat.com

نہیں کرسکتا اور من جملہ اشاعۂ فحشا ہے اور اس کا تعلق حرمت غیبت سے ہے بھی نہیں اور بعید نہیں ہے کہ مومنین کی چھپی ہوئی چیزوں کو ان کی مرضی کے بغیر ظاہر کرنا حرام ہو۔ چاہے قصد انتقاص درکار نہ بھی ہو۔ بہرحال اس سے زیادہ تفصیل اس سلسلہ میں ہمارے مقصد سے خارج ہے۔

دوسری فصل

یہ جان لو کہ غیبت فی الجملہ اجماعی بلکہ ضروریاتِ فقہ میں سے ہے اور ہلاک کر دینے والے کبائر میں سے ہے۔ غیبت کے مستثنیات اور اس کے اطراف میں بحث کرنا اس کتاب کے موضوع سے خارج ہے۔ یہاں تو صرف اس ہلاک کرنے والی برائی کے فساد اور اس کے انجام پر متنبہ کرنا ہے۔ بلکہ خدا نے چاہا تو ہو سکتا ہے غور و فکر کے بعد ہم اس میں مبتلا نہ ہوں یا اگر خدانخواستہ مبتلا ہو چکے ہیں تو بہت جلد اس سے پلٹ جائیں۔ توبہ کریں اور اس مادۂ فساد کو اکھاڑے بغیر چھوڑیں۔ (کہیں) اس ایمان کش گناہ کبیرہ میں ابتلا کے ساتھ اس دنیا سے منتقل نہ ہو جائیں۔ کیوں کہ عالمِ غیب میں اور پسِ پردۂ ملکوت اس ہلاک کرنے والے گناہ کبیرہ کی ایک بہت ہی بدنما صورت ہے اور اس بدی کے علاوہ ملا اعلیٰ میں انبیاء و مرسلین و ملائکہ مقربین کے سامنے رسوائی کا بھی سبب ہے۔

اس کی ملکوتی صورت وہی ہے جس کی طرف خدا نے اپنی کتاب میں اشارہ فرمایا ہے اور حدیثوں میں بھی اسے صراحتاً و اشارتاً بیان کیا گیا ہے:

«قالَ اللّٰہ عَزَّ وَجَلَّ: وَلاَ یَغتَبْ بَعضُکُم بَعضاً أیُحِبُّ أحَدُکُم أنْ یَأکُلَ لَحمَ أخِیهِ مَیتاً؟ فَکَرِهتُمُوهُ.» "

"اور تم میں سے ایک دوسرے کی غیبت نہ کرے کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرے گا کہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے؟ یقیناً تم کو ناپسند کرو گے۔

ہم اس بات سے غافل ہیں کہ ہمارے اعمال عیناً دوسرے عالم میں اپنی مناسب صورتوں کے ساتھ ہماری طرف رجوع کریں گے۔ ہم کو نہیں معلوم کہ مردار کھانے کی صورت والا عمل (کیسا ہوگا؟) جس طرح درندہ کتے لوگوں کی عزت و آبرو کو چاک کر کے ان کے گوشت کو

Presented by www.ziaraat.com

کھاتے ہیں، جہنم میں بھی اس عمل کی ملکوتی صورت اسی کی طرح رجوع کرے گی۔

روایت میں ہے:

«وَفِي رِوَايَةٍ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ لَمَّا رَجَمَ الرَّجُلَ فِي الزِّنَا، قَالَ رَجُلٌ لِصَاحِبِهِ: هٰذَا أُقْعِصَ كَمَا يُقْعَصُ الْكَلْبُ. فَمَرَّ النَّبِيُّ مَعَهُمَا بِجِيفَةٍ فَقَالَ انْهَشَا مِنْهَا. فَقَالَا: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، نَنْهَشُ جِيفَةً فَقَالَ مَا أَصَبْتُمَا مِنْ أَخِيكُمَا أَنْتَنُ مِنْ هٰذِهِ.» [۱۲]

"رسولِ خدا نے جب ایک شخص کو زنا کے جرم میں سنگسار کیا تو ایک شخص نے اپنے ساتھی سے کہا: یہ شخص اپنی جگہ پر کتے کی طرح قتل کیا گیا۔ اس کے بعد رسولِ خدا ان دونوں شخصوں کے ساتھ ایک مُردار کی طرف سے گزرے تو دونوں سے فرمایا اپنے دانتوں سے اس (مُردار) کا بھی گوشت نوچو۔ ان دونوں نے کہا: یا رسولؐ اللہ کیا ہم مُردار کھائیں؟ حضورؐ نے فرمایا تم دونوں نے اپنے بھائی کے لئے جو کچھ کہا اس کی بدبو اس سے کہیں زیادہ ہے۔"

جی ہاں رسولِ خدا اپنے قوی نورِ بصیرت اور مشاہدہ سے دیکھ رہے تھے کہ ان کے عمل کی بدبو مُردار کے بدبو سے زیادہ ہے اور زیادہ ناسوکن و فظیع ہے۔

ایک دوسری روایت میں ہے: غیبت کرنے والا قیامت کے دن اپنا ہی گوشت کھائے گا۔

صدوق طاعنہ اپنی مجالس میں تحریر فرماتے ہیں۔ سلسلۂ سند حضرت علیؑ تک پہونچا ہے نوف البکالی کہتے ہیں:

«قَالَ قُلْتُ: زِدْنِي. قَالَ إِجْتَنِبِ الْغِيبَةَ، فَإِنَّهَا إِدَامُ كِلَابِ النَّارِ ثُمَّ قَالَ يَا نَوْفُ، كَذَبَ مَنْ زَعَمَ أَنَّهُ وُلِدَ مِنْ حَلَالٍ وَهُوَ يَأْكُلُ لُحُومَ النَّاسِ بِالْغِيبَةِ. الحديث.» [۱۳]

میں نے عرض کیا: کچھ اور اضافہ فرمائیے؟ فرمایا: غیبت سے بچو کیونکہ یہ جہنم کے کتوں کی خورش ہے پھر فرمایا: اے نوف جو شخص غیبت کے ذریعہ لوگوں کا گوشت کھاتا ہو وہ اپنے اس دعویٰ میں جھوٹا ہے کہ وہ حلالی ہے۔

ان روایاتِ شریفہ میں کوئی منافات نہیں ہے ان سب کا واقع ہونا ممکن ہے مثلاً ممکن ہے کہ گوشتِ مُردار بھی کھائے، اپنا گوشت بھی کھائے، کتے کی صورت کا بھی ہو

Presented by www.ziaraat.com

اور اس کی خوراک مُردار ہو اور مُردار کی صورت ہو اور جہنمی کتوں کی غذا بھی ہو۔ وہاں صورتیں نہایت فاعل کے تابع ہوتی ہیں اور ممکن ہے ایک موجود کے متعدد و مختلف اشکال و صور ہوں۔ جیسا کہ اپنی جگہ پر ثابت کیا جا چکا ہے۔

«و عَنْ عِقَابِ الْأَعْمَالِ بِإِسْنَادِهِ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ، فِي حَدِيثٍ:... وَمَنْ مَشَى فِي غِيبَةِ أَخِيهِ وَكَشْفِ عَوْرَتِهِ، كَانَتْ أَوَّلُ خُطْوَةٍ خَطَاهَا وَضَعَهَا فِي جَهَنَّمَ وَكَشَفَ اللّٰهُ عَوْرَتَهُ عَلَى رُؤُسِ الْخَلَائِقِ... الخ» [۱۴]

"جو شخص اپنے برادر مومن کی غیبت اور اس کی چھپی ہوئی چیز کو ظاہر کرنے کے لئے چلے تو اس کا پہلا قدم جو پڑتا ہے وہ جہنم میں پڑتا ہے اور خدا اس کو مجمع عام میں رسوا کر دیتا ہے۔"

وسائل میں سند روایت حضرت صادق علیہ السلام تک پہونچائے ہوئے آیا ہے کہ رسولِ خدا نے بیان کرتے ہوئے فرمایا:

«وَقَالَ مَنِ اغْتَابَ امْرَءً مُسْلِماً، بَطَلَ صَوْمُهُ وَنُقِضَ وُضُوءُهُ وَجَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَفُوحُ مِنْ فِيهِ رَائِحَةٌ أَنْتَنُ مِنَ الْجِيفَةِ، يَتَأَذَّى بِهِ أَهْلُ الْمَوْقِفِ. وَإِنْ مَاتَ قَبْلَ أَنْ يَتُوبَ، مَاتَ مُسْتَحِلاً لِمَا حَرَّمَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ.» [۱۵]

"اگر کوئی شخص مسلمان کی غیبت کرے تو اس کا روزہ باطل ہو جاتا ہے، وضو ٹوٹ جاتا ہے اور قیامت کے دن وہ اس طرح آئے گا کہ اس کے مُنہ سے ایسی بدبو نکل رہی ہوگی جو مُردار سے بھی زیادہ بُری ہوگی اور جس سے تمام اہلِ موقف کو اذیت ہوگی اور اگر وہ توبہ سے پہلے مر گیا تو محرماتِ خدا کو حلال جاننے والے کی موت مرے گا۔" اور یہ حالِ جہنم میں جانے سے پہلے ہوگا کہ اہلِ موقف کے نزدیک رسوا ہوا اور اس حدیث کی بنا پر اس کا شمار کفار میں ہوگا کیونکہ حرام الٰہی کو حلال سمجھنے والا کافر ہے اور غیبت کرنے والا اسی کے مثل ہے۔ اس کے برزخ کی حالت بھی رسولِ خدا سے مروی ہے۔

«عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ: مَرَرْتُ لَيْلَةَ أُسْرِيَ بِي عَلَى قَوْمٍ يَخْمِشُونَ وُجُوهَهُمْ بِأَظَافِيرِهِمْ. فَقُلْتُ: يَا جِبْرَئِيلُ، مَنْ هَؤُلَاءِ؟ قَالَ هَؤُلَاءِ الَّذِينَ يَغْتَابُونَ النَّاسَ وَيَقَعُونَ فِي أَعْرَاضِهِمْ.» [۱۶]

Presented by www.ziaraat.com

انس کہتے ہیں: رسولِ خدا نے فرمایا: شبِ معراج میرا گزر ایک ایسی قوم کی طرف سے ہوا جو اپنے ناخونوں سے اپنے چہروں کو نوچ رہے تھے۔ میں نے جبرئیلؑ سے کہا یہ کون لوگ ہیں؟ جبرئیلؑ نے کہا: یہ وہ لوگ ہیں جو غیبت کیا کرتے تھے اور ان کی آبرو ریزی کیا کرتے تھے۔

اس سے معلوم ہوا کہ غیبت کرنے والا برزخ میں بھی رسوا ہے اور موقف میں اہلِ موقف کے سامنے شرمندہ ہے اور جہنم میں بھی رسوائی اور بے حیائی کے ساتھ بسر کرے گا۔ بلکہ اس کے بعض مراتب اس عالم میں بھی باعثِ رسوائی ہیں جیسا کہ کافی شریف کی حدیث میں ہے۔

«عَنْ إِسحاقَ بنِ عَمّارٍ قالَ سَمِعْتُ أَبا عَبْدِاللّٰهِ، عَلَيْهِ السَّلامُ، يَقُولُ قالَ رَسُولُ اللّٰهِ، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ: يا مَعْشَرَ مَنْ أَسْلَمَ بِلِسانِهِ وَلَمْ يَخْلُصِ الْإِيمانُ إِلى قَلْبِهِ لا تَذُمُّوا الْمُسْلِمِينَ وَلا تَتَبَّعُوا عَوْراتِهِمْ فَإِنَّ مَنْ تَتَبَّعَ عَوْراتِهِمْ، تَتَبَّعَ اللّٰهُ عَوْرَتَهُ؛ وَمَنْ تَتَبَّعَ اللّٰهُ عَوْرَتَهُ؛ يَفْضَحْهُ وَلَوْ فِي بَيْتِهِ.»[۱۴]

اسحاق بن عمار کہتے ہیں: میں نے امام جعفر صادقؑ کو فرماتے ہوئے سنا کہ: رسولِ خدا نے فرمایا: اے وہ گروہ جو زبان سے اسلام لایا ہے۔ لیکن ایمان اس کے دل میں داخل نہیں ہوا ہے (خبردار) تم لوگ مسلمانوں کی مذمت نہ کیا کرو اور نہ ہی ان کے مخفی عیوب کی جستجو کیا کرو۔ کیونکہ جو مسلمانوں کے عیوب کو تلاش کرے گا اور خدا اس کے عیوب کو تلاش کرے گا اور خدا جس کے عیوب کو تلاش کرے گا اس کو ذلیل و رسوا کر دے گا چاہے اپنے گھر ہی میں ہو۔

خداوند عالم غیور ہے۔ مومنین کے چھپے اور پوشیدہ چیزوں کو ظاہر کرنا ناموسِ الٰہی کا ہتک کرنا ہے۔ اگر انسان بے حیائی کی حدوں کو پار کر لیتا ہے اور حرماتِ الٰہی کا ہتک کرتا ہے تو خدائے غیور اس کے چھپے ہوئے ان عیوب کو جن کو اس نے اپنی ستاریت کی وجہ سے چھپا رکھا تھا ظاہر کر دیتا ہے اور اس کے مستور کو عیاں کر دیتا ہے اور اس عالم کے لوگوں میں اور اس عالم کے ملائکہ و انبیاء و اولیاء کے درمیان رسوا و ظاہر کر دیتا ہے۔

کافی شریف کی ایک حدیث میں حضرت امام محمد باقرؑ سے سند پہونچانے کے بعد آپ سے منقول ہے:

«قالَ لَمّا أُسْرِيَ بِالنَّبِيِّ، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ، قالَ يا رَبِّ، ما حالُ الْمُؤْمِنِ عِنْدَكَ. قالَ يا مُحَمَّدُ، مَنْ أَهانَ لِي وَلِيّاً، فَقَدْ بارَزَنِي بِالْمُحارَبَةِ، وَأَنا أَسْرَعُ

شَيْءٍ إِلَى نُصْرَةِ أَوْلِيَائِي.[۱۸]

"جب رسولِ خدا کو معراج پر لے جایا گیا تو آپ نے فرمایا: پالنے والے تیرے نزدیک مومن کی کیا حالت ہے؟ آواز آئی: میرے حبیب جس نے میرے کسی ولی کی توہین کی۔ اس نے مجھ سے اعلانِ جنگ کر دیا اور میں اپنے اولیا کی سب سے جلدی مدد کرتا ہوں۔" دوسری اور حدیثیں بھی اس سلسلہ میں بہت ہیں۔

شیخ صدوقؒ نے اس حدیث:

«وَمَنِ اغْتَابَهُ بِمَا فِيهِ، فَهُوَ خَارِجٌ مِنْ وِلَايَةِ اللّٰهِ تَعَالَى دَاخِلٌ فِي وِلَايَةِ الشَّيْطَانِ.»[۱۹] "اگر کوئی کسی کی غیبت اس عیب سے کرے جو اس میں ہو" جبکہ وہ شخص ظاہر میں اہلِ ستر و عدالت ہو چاہے اس کے نزدیک گنہگار ہو" تو خدا کی ولایت سے خارج ہو کر وہ شخص شیطان کی ولایت میں داخل ہو جاتا ہے۔" یہ حدیث امام جعفر صادق سے منقول ہے کے بعد فرمایا: یہ بات معلوم ہے کہ جو حق کی ولایت سے خارج ہو کر شیطان کی ولایت میں داخل ہو جاتے وہ اہلِ نجات و ایمان سے نہ ہوگا جیسا کہ پہلے والی حدیث اسحاق بن عمار کی حدیث سے بھی ظاہر ہوا کہ غیبت کرنے والے کا اسلام صرف زبانی ہے اس کے دل میں ایمان داخل نہیں ہوا اور ظاہر ہے کہ جو شخص خدا پر ایمان رکھتا ہوگا روزِ جزا کی تصدیق کرتا ہوگا اور صورِ اعمال و حقائق سیئات کا عقیدہ رکھتا ہوگا وہ ایسے گناہِ کبیرہ ہلکہ کا مرتکب نہیں ہو سکتا جو عالمِ غیب و شہادت میں، دنیا و عقبیٰ و برزخ میں اس کو ذلیل و رسوا کر دے اور بُری طرح اسکو جہنم میں داخل کر دے اور ولایتِ حق سے خارج کر کے ولایت شیطان میں داخل کر دے۔

اب اگر ہم نے ایسی کوئی عظیم غلطی کی تو سمجھ لینا چاہیئے کہ اس خرابی کا کوئی سرچشمہ ہے اور حقیقتِ ایمان ہمارے دل میں داخل نہیں ہوئی۔ اگر ایمان ہمارے دل میں داخل ہو جاتا تو تمام کاموں کی اصلاح ہو جاتی اور اس کے آثار ظاہر و باطن سر و علن میں واضح ہو جاتے۔ اس لئے اپنے باطن کا علاج کرنا چاہیئے اور مرضِ قلب کا علاج کرنا چاہیئے۔ حدیثوں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح ایمان کی سستی اور اس کا عدمِ خلوص اعمال و اخلاقی مفاسد کا سبب ہوتا ہے اسی طرح یہ مفاسد بھی نقصانِ ایمان کا سبب بنتے ہیں۔ بلکہ ایمان کے زائل ہونے کا سبب ہوتے ہیں اور یہ برہان کی ایک قسم کے مطابق ہے جس کا ذکر اس کی جگہ پر ہے۔

یہ بھی جان لو کہ غیبت دوسرے اعتبار سے بھی دیگر گناہوں سے شدید تر اور اس کے

Presented by www.ziaraat.com

نتائج قبیح تر ہیں اور وہ یہ ہے کہ اس میں حق اللہ کے علاوہ حق الناس کا بھی جنبہ ہے اور خدا اس وقت تک نہیں بخشتا جب تک وہ نہ بخش دے جس کی غیبت کی گئی ہے چنانچہ حدیث شریف میں چند طریقوں سے یہی مضمون وارد ہوا ہے۔

«عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْحَسَنِ فِي الْمَجَالِسِ وَالْأَخْبَارِ بِإِسْنَادِهِ عَنْ أَبِي ذَرٍّ، عَنِ النَّبِيِّ، صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ، فِي وَصِيَّةٍ لَهُ قَالَ يَا أَبَاذَرٍّ، إِيَّاكَ وَالْغِيبَةَ فَإِنَّ الْغِيبَةَ أَشَدُّ مِنَ الزِّنَا. قُلْتُ: وَلِمَ ذَاكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ لِأَنَّ الرَّجُلَ يَزْنِي فَيَتُوبُ إِلَى اللَّهِ فَيَتُوبُ اللَّهُ عَلَيْهِ، وَالْغِيبَةُ لَا تُغْفَرُ حَتَّى يَغْفِرَهَا صَاحِبُهَا.»[۲۰]

حضور سرور کائنات ابوذر کو چند وصیتیں کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "اے ابوذر خبردار غیبت سے بچنا اس لئے کہ غیبت زنا سے بدتر ہے۔ ابوذر نے کہا یہ کیونکر یا رسول اللہ؟ حضورؐ نے فرمایا: اس لئے کہ انسان زنا کرنے والا (کبھی) توبہ کرتا ہے اور خدا اس کی توبہ قبول کر لیتا ہے لیکن غیبت تک جس کی غیبت کی گئی ہے وہ نہ بخش دے خدا بھی اس کو نہیں بخشتا۔"

علل، خصال، مجمع البیان، کتاب اخوان میں یہی مضمون یا اس سے ملتا جلتا روایت کیا گیا ہے۔[۲۱]

اور اگر خدانخواستہ لوگوں کا حق لے کر مرا، تب تو اس کا کام اور مشکل ہو جاتا ہے حقوق الٰہی میں تو معاملہ رحیم و کریم خدا کا ہے جہاں بغض، کینہ، عداوت و کشمکش کا مسئلہ ہی نہیں ہے لیکن بندوں کے معاملہ میں امکان ہے اس صفات کے لوگ ہوں یا لوگوں کی برائیوں کو جلدی سے معاف نہ کرتے ہوں یا کبھی معاف ہی نہ کرتے ہوں۔ اس لئے (ہر) انسان کے لئے ضروری ہے کہ اپنے حالات کا بہت مواقب ہو اور ان چیزوں کا خیال رکھے کیونکہ مطلب بہت خطرناک اور امر بہت ہی مشکل ہے۔ غیبت کے سلسلہ میں اتنی احادیث وارد ہوئی ہیں کہ ان کے ذکر کی گنجائش اس کتاب میں نہیں ہے۔ ہم چند حدیثوں کے ذکر پر اکتفا کریں گے۔

«مِثْلُ مَا رُوِيَ عَنِ النَّبِيِّ، صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ، أَنَّهُ خَطَبَ يَوْماً، فَذَكَرَ الرِّبَا وَعَظَّمَ شَأْنَهُ فَقَالَ إِنَّ الدِّرْهَمَ يُصِيبُهُ الرَّجُلُ مِنَ الرِّبَا أَعْظَمُ مِنْ سِتٍّ وَثَلَاثِينَ زَنِيَةً. وَإِنَّ أَرْبَى الرِّبَا عِرْضُ الرَّجُلِ الْمُسْلِمِ.»[۲۲]

Presented by www.ziaraat.com

رسولؐ خدا نے ایک خطبہ میں سود کا ذکر کیا اور اس کی بہت برائی بیان کی۔ یہاں تک کہ فرمایا: "سود کے ایک درہم کا گناہ ۳۶ زنا سے بڑا ہے اور مسلمان کی آبرو سود سے بہت زیادہ بزرگ ہے۔"

«و رُوِيَ عَنْه، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ، أَنَّهُ قَالَ مَا النَّارُ فِي الْيَبْسِ بِأَسْرَعَ مِنَ الْغِيبَةِ فِي حَسَنَاتِ الْعَبْدِ» ۲۳

"خشک چیز میں آگ اتنی تیزی سے نہیں دوڑتی جتنی تیزی سے غیبت بندے کے حسنات کو فنا کر دیتی ہے۔"

«وَعَنِ النَّبِيِّ، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ: يُؤْتَى بِأَحَدٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيُوقَفُ بَيْنَ يَدَيِ الرَّبِّ عزَّ وَجَلَّ وَيُدْفَعُ إِلَيْهِ كِتَابُهُ، فَلَا يَرَى حَسَنَاتِهِ فِيهِ. فَيَقُولُ: إِلٰهِي، لَيْسَ هٰذَا كِتَابِي فَإِنِّي لَا أَرَى فِيهِ حَسَنَاتِي. فَيُقَالُ لَهُ: إِنَّ رَبَّكَ لَا يَضِلُّ وَلَا يَنْسَى، ذَهَبَ عَمَلُكَ بِاغْتِيَابِ النَّاسِ. ثُمَّ يُؤْتَى بِآخَرَ وَيُدْفَعُ إِلَيْهِ كِتَابُهُ، فَيَرَى فِيهِ طَاعَاتٍ كَثِيرَةً. فَيَقُولُ: إِلٰهِي، مَا هٰذَا كِتَابِي، فَإِنِّي مَا عَمِلْتُ هٰذِهِ الطَّاعَاتِ. فَيُقَالُ لَهُ: إِنَّ فُلَانًا اغْتَابَكَ فَدُفِعَ حَسَنَاتُهُ إِلَيْكَ... الخ.» ۲۴

"رسولؐ خدا سے ایک حدیث مروی ہے کہ روزِ قیامت ایک شخص کو خدا کی بارگاہ میں پیش کر کے خدا کے سامنے کھڑا کر کے اس کا نامۂ اعمال اس کے ہاتھوں میں دیا جائے گا۔ اس میں جب وہ اپنی نیکیوں کو نہ دیکھے گا تو بول اٹھے گا پروردگارا یہ میرا نامۂ اعمال نہیں ہے (کیونکہ) اس میں میری نیکیاں نہیں ہیں۔ جواب دیا جائے گا تمہارا خدا نہ گمراہ ہے نہ بھولنے والا ہے تیرا عمل لوگوں کی غیبت کرنے کی وجہ سے ختم کر دیا گیا پھر ایک دوسرے شخص کو حاضر کیا جائے گا اور اس کا نامۂ عمل اس کو دیا جائے گا۔ اس میں بہت اطاعتیں ہوں گی وہ کہے گا: خدایا یہ میرا نامۂ اعمال نہیں ہے کیونکہ میں نے اتنی اطاعتیں نہیں کی ہیں اس کو جواب دیا جائے گا فلاں نے تیری غیبت کی تھی اس لئے اس کی نیکیاں تجھے دیدی گئیں۔"

«وَعَنِ النَّبِيِّ، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ: أَدْنَى الْكُفْرِ أَنْ يَسْمَعَ الرَّجُلُ مِنْ أَخِيهِ كَلِمَةً يَحْفَظُهَا عَلَيْهِ يُرِيدُ أَنْ يَفْضَحَهُ بِهَا. أُولٰئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ.» ۲۵

Presented by www.ziaraat.com

رسولِ خدا سے مروی ہے: "کفر کا پہلا مرتبہ یہ ہے کہ اپنے برادر مومن سے کوئی کلمہ سن کر اس کو اس لئے یاد رکھے کہ اس کے ذریعہ سے اس کو رسوا کرے گا ایسے لوگوں کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے۔"

اس باب کے یہ روایات ان صورتوں کے لئے مخصوص ہیں جب ان پر غیبت کے علاوہ دوسرا کوئی عنوان بھی منطبق ہو اور اس کے مفاسد و گناہ غیبت کرنے والے کے شاملِ حال ہوں۔ مثلاً مومن کی اہانت، مومن کی ذلت، اس کی تحقیر اور استخفاف اور تعییر، اس کی لغزشوں کا شمار کرنا، اس پر طعن کرنا وغیرہ کیونکہ ان میں سے ہر ایک انسان کی ہلاکت کے لئے سببِ مستقل ہے اور جو روایات ان چیزوں کی مذمت میں الگ الگ وارد ہوئی ہیں وہ کمر شکن ہیں۔ ہم نے اختصار کی وجہ سے ان سے (سپردست) چشم پوشی کر لی ہے۔

تیسری فصل

غیبت کا اجتماعی ضرر

جس طرح غیبت گناہِ کبیرہ اور عظیم ہلاک کرنے والی اور ایمان و اخلاق و ظاہر و باطن کو فاسد کرنے والی اور دُنیا و آخرت میں رسوائی و بے عزتی کی طرف لے جانے والی ہے جیسا کہ اس کا تھوڑا سا حصہ فصلِ گزشتہ میں تم نے پڑھا۔ اسی طرح یہ معصیت اجتماعی و نوعی مفاسد بھی رکھتی ہے اسی لئے اس کی قباحت اور اس کا فساد بہت سے معاصی سے زیادہ ہے۔

انبیاء کرام اور شریعتوں کا ایک بڑا مقصد علاوہ اس کے کہ وہ خود بھی مقصودِ مستقل ہے۔ عظیم مقاصد کی ترقی کا ذریعہ اور ایک مدینۂ فاضلہ کی تشکیل میں علتِ تامہ کا کردار ادا کرنا تھا (یعنی توحیدِ کلمہ اور توحیدِ عقیدہ کی تشکیل مقصود تھی (اسی طرح) اہم ترین امور کا اجتماع اور ارباب ظلم کے تعدی کو روکنا تھا کیونکہ یہ چیزیں بنی انسان کی فساد اور مدینۂ فاضلہ کے بربادی کو مستلزم تھیں اور یہی عظیم مقصد اجتماعی و فردی مصلح ہے اور اس کی تکمیل اسی وقت ہو سکتی ہے جب لوگ وحدتِ نفوس، الفت و اخوت و صداقتِ قلبی اور صفائے ظاہری و باطنی کے زیرِ سایہ زندگی بسر کریں اور معاشرے کے افراد اس طرح ہو جائیں کہ گویا پوری بنی نوع انسان شخصِ واحد ہے۔ یعنی پوری جمعیت ایک شخص کے مانند

Presented by www.ziaraat.com

ہوجائے اور افراد بمنزلۂ اعضا و اجزا ہوجائیں اور ساری سعی و کوشش ایک الٰہی مقصدِ بزرگ اور عظیم عملی مہم یعنی فردو معاشرہ کی اصلاح کے گرد گھومنے لگے۔ اگر ایسی محبت و اخوت کسی ایک نوع یا ایک گروہ کے اندر پیدا ہوجائے تو وہ تمام ان گروہوں اور ملتوں پر غلبہ حاصل کرسکتا ہے جو اس طریقہ پر نہ ہوں۔ چنانچہ تاریخوں اور بالخصوص اسلامی جنگوں اور ان کی عظیم فتوحات کا مطالعہ کرنے سے یہ بات بخوبی روشن ہوجائے گی اس لئے کہ اس قانونِ الٰہی کے ابتدائے طلوع میں چونکہ مسلمانوں میں تھوڑی سی وحدت تھی اور نوعاً ان کی کوششیں خلوصِ نیت کے ساتھ تھیں اس لئے تھوڑی ہی مدت میں بڑے (بڑے) عظیم فتوحات کے یہ لوگ مالک ہوگئے تھے اور تھوڑے ہی زمانہ میں اس دور کی عظیم ترین سلطنتوں جن میں "روم و ایران بہت ہی عظیم تھے" پر غالب ہوگئے اور تھوڑے سے لشکر کے ساتھ بے انتہا اور بھاری اکثریت پر غالب آگئے۔ رسولِ خدا نے صدرِ اول ہی میں مسلمانوں کے درمیان «إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ» [۲۶] (مومنین تو آپس میں بھائی بھائی ہیں) کی بنا پر صیغۂ اخوت تمام مومنین میں جاری کردیا تھا۔

کافی شریف میں عقرقوفی سے مروی ہے وہ کہتے ہیں:

«عَنِ الْعَقَرْقُوفِي، قَالَ سَمِعْتُ أَبَا عَبْدِاللّٰهِ، عَلَيْهِ السَّلَامُ، يَقُولُ لِأَصْحَابِهِ: إِتَّقُوا اللّٰهَ وَكُونُوا إِخْوَةً بَرَرَةً مُتَحَابِّينَ فِي اللّٰهِ مُتَوَاصِلِينَ مُتَرَاحِمِينَ؛ تَزَاوَرُوا وَتَلَاقَوْا وَتَذَاكَرُوا أَمْرَنَا وَأَحْيُوهُ.» [۲۷]

"میں نے امام جعفر صادقؑ کو اپنے اصحاب سے فرماتے ہوئے سنا: خدا سے ڈرو اور خدا کی راہ میں محبت کرنے والے ایک دوسرے کے ساتھ رشتہ داری کرنے والے ایک دوسرے پر رحم کرنے والے، نیک اور اچھے بھائی بن جاؤ، ایک دوسرے کی آپس میں زیارت کرو، ایک دوسرے سے ملاقات کرو، ہمارے امر کا آپس میں ذکر کرو اور اس کو زندہ کرو۔"

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا:

«وَعَنْ أَبِي عَبْدِاللّٰهِ، عَلَيْهِ السَّلَامُ، قَالَ يَحِقُّ عَلَى الْمُسْلِمِينَ الْإِجْتِهَادُ فِي التَّوَاصُلِ وَالتَّعَاوُنِ عَلَى التَّعَاطُفِ وَالْمُوَاسَاةِ لِأَهْلِ الْحَاجَةِ وَتَعَاطُفِ بَعْضِهِمْ عَلَى بَعْضٍ حَتَّى تَكُونُوا كَمَا أَمَرَكُمُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ: «رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ... الْآيَةَ» [۲۸]

Presented by www.ziaraat.com

"مسلمانوں کا حق ہے کہ ملنے جلنے میں، عطوفت و مہربانی میں، اہل حاجت کے ساتھ مواسات برتنے میں اور ایک کے دوسرے کے ساتھ مہربانی کرنے میں کوشش کریں۔ تاکہ تم لوگ اسی طرح ہو جاؤ۔ جیسا کہ خدا نے تمھیں حکم دیا ہے کہ: رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ" اور آپس میں بڑے رحم دل ہیں۔"

حضرت ہی سے مروی ہے کہ:

«وَعَنْهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ: تَوَاصَلُوا وَتَبَارُّوا وَتَرَاحَمُوا، وَكُونُوا إِخْوَةً أَبْرَارًا كَمَا أَمَرَكُمُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ.» [۱۹]

"ایک دوسرے کے ساتھ رشتہ داری کرو، ایک دوسرے کے ساتھ برتاؤ احسان کرو، ایک دوسرے کے لئے آپس میں رحمت کی دعا کرو اور آپس میں ایسے اچھے بھائی ہو جاؤ جیسا کہ خدا نے تم کو حکم دیا ہے۔"

مسلمانوں کو ایک دوسرے کے ساتھ دوستی و مواصلت، نیکی، محبت و مودت کا حکم دیا گیا ہے اور معلوم ہے کہ جو چیز ان اسباب کی زیادتی کا سبب ہو وہ بھی مرغوب و محبوب ہے اور جو چیز اس عقد مواصلت و اخوت کو توڑ دے، لوگوں میں تفرقہ اندازی کر دے وہ صاحب شرع کے نزدیک مبغوض اور ان کے عظیم مقصد کے مخالف ہے اور یہ بات تو بہت ہی واضح ہے کہ غیبت جیسی ہلاک کرنے والی برائی اگر کسی معاشرے میں رائج ہو جائے تو کینہ و حسد، بغض و عداوت پیدا کر کے معاشرے کو فاسد کر دیتی ہے۔ نفاق و دو روئی کا درخت اس میں لگا کر اس کو تنومند کر دیتی ہے۔ معاشرے کے اتحاد کو توڑ کر دیانت کی بنیادوں کو کمزور کر دیتی ہے۔ اس طرح اس کے فساد اور قباحت میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے۔

لہٰذا ہر غیرت مند اور دیندار پر اپنے کو فساد سے بچانے کے لئے اور نوع اہل دین کو نفاق سے بچانے کے لئے اور حوزۂ مسلمین کی حفاظت، وحدت اور حمیت کی نگہبانی، عقد اخوت کی مضبوطی کی خاطر ضروری ہے کہ اس رذیلہ سے اپنے کو بچائے اور لوگوں کو اس عمل قبیح سے روکے اور اگر خدانخواستہ ابھی تک خود اس برائی میں مبتلا تھا تو اس سے توبہ کرے اور بصورت امکان و عدم فساد جس کی غیبت کی تھی اس کو راضی کرے اور حلال کرائے ورنہ پھر اس کے لئے استغفار کرے اور اس گناہ کو چھوڑ کر صداقت و وحدت و اتحاد کی جڑوں کو اپنے دل میں کاشت کرے تاکہ

Presented by www.ziaraat.com

اس کا شمار معاشرے کے صالح افراد میں ہونے لگے اور اسلام کی چکی کو چلانے میں اہم رول ادا کرنے والے میں ہونے لگے۔ واللہ الھادی الی سبیل الرشاد۔

چوتھی فصل

اس ہلاکت خیز بیماری کا علاج

یہ سمجھ لو کہ دیگر بیماریوں کی طرح اس عظیم ہلاکت خیز بیماری کا علاج (بھی) نفع بخش علم اور عمل سے کیا جا سکتا ہے۔

علمی طریقہ: یہ ہے کہ انسان اس عمل پر مرتب ہونے والے فائدے کا قیاس اس پر مرتب ہونے والے برے نتائج اور برے اثرات سے کرے اور میزان عقل میں رکھ کر اس سے سوال کرے۔ یہ بات یقینی ہے کہ انسان اپنے سے دشمنی نہیں رکھتا۔ انسان کے تمام گناہ جہالت و نادانی اور اس کے مبادی سے غفلت اور نتائج سے لاپرواہی کی بنا پر ہوا کرتے ہیں اور اس غیبت پر جو خیالی فائدہ مرتب ہوتا ہے وہ صرف اتنا ہے کہ انسان چند منٹ لوگوں کی برائیوں اور ان کے چھپے ہوئے عیوب کو ظاہر کر کے بذلہ گوئی اور ہرزہ سرائی کے ذریعہ جو حیوانی یا شیطانی طبیعت کے مناسب ہوتی ہے۔ اس میں اپنا وقت صرف کر کے، مجلس آرائی کر کے اپنی نفسانی خواہش پوری کر لیتا ہے اور محسود حضرات سے اپنی قلبی کشفی کا سامان فراہم کر لیتا ہے۔

غیبت کے برے نتائج کا تھوڑا سا ذکر تو آپ سابق فصلوں میں سن چکے۔ اب تھوڑا سا اور سن کر عبرت حاصل کیجئے اور میزان قیاس پر تولئے۔ یقیناً اس تفکر و موازنہ کے اچھے نتائج (برآمد) ہوں گے۔ اس دنیا کے اندر اس کا ایک نتیجہ تو یہی ہوتا ہے کہ وہ لوگوں کی نظروں سے گر جاتا ہے۔ لوگوں کا اس پر سے اطمینان اٹھ جاتا ہے (کیونکہ) فطری طور سے لوگ کمال و نیکی و خوبی سے محبت اور نقص و پستی و برائی سے نفرت پر پیدا کئے گئے ہیں۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ لوگ کسی کے راز کے انکشاف اور اس کی بے عزتی اور چھپی چیزوں کے اظہار کرنے والوں اور ان کے مخالفین میں فرق کرتے ہیں انتہا یہ ہے کہ خود غیبت کرنے والا اس قسم کی برائیوں سے بچنے والے کو اپنے سے ممتاز سمجھتا ہے۔ یہ بات فطری اور عقلی ہے کہ اگر کوئی (غیبت میں) حد سے گزر جائے

Presented by www.ziaraat.com

اور لوگوں کی بے عزتی پر اُتر آئے تو خدا اس کو اسی دُنیا میں ذلیل کر دیتا ہے۔ جیسا کہ اسحاق بن عمار کی گزشتہ روایت ۳۰ میں ذکر کیا گیا اور انسان کو اس رسوائی سے ڈرنا چاہیئے جو خدا کے ہاتھوں نصیب ہو کیونکہ اس کا کوئی جبران ممکن نہیں ہے۔ میں خدا کی پناہ مانگتا ہوں حلیم کے غضب سے! بلکہ ممکن ہے کہ مومنین کی بے احترامی اور ان کی پوشیدہ چیزوں کا اظہار انسان کو بُرے انجام تک پہونچا دے۔ کیونکہ اگر یہ عادت ملکہ کی صورت اختیار کر گئی تو نفس کے اندر اس کے (بُرے) اثرات پیدا ہو جاتے ہیں۔ ایک اثر تو یہی ہے کہ غیبت کرنے والے سے لوگ بغض و عداوت رکھنے لگتے ہیں اور رفتہ رفتہ یہ دشمنی زیادہ ہی ہوتی رہتی ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ بغض و عداوت مرتے وقت انسان پر بعض ایسے حقائق واضح کر دے اور پردۂ ملکوت کو اٹھا کر بعض ایسے عوالم کا معائنہ کرا دے جس کی بنا پر ان مقامات کی رویت اور خدا کی طرف سے ان کا اعظام و احترام خود خدا سے بغض کا سبب بن جائے۔ انسان بہر حال دشمن کے دوست کا دشمن ہوتا ہے اور دوست سے بغض رکھنے والا مبغوض ہوا کرتا ہے۔ لہٰذا خدا اور اس کے ملائکہ سے دشمنی اس دنیا سے منتقل کر کے ابدی ذلت اور دائمی شقاوت تک پہونچا دیتی ہے۔

میرے عزیز! خدا کے ان بندوں سے جو اس کی نعمت و رحمت کے مورد ہیں اور خلعت اسلام و ایمان سے آراستہ ہیں دوستی کرو اور دلی محبت پیدا کرو۔ کہیں ایسا نہ ہو جائے کہ محبوب خدا سے دشمنی کر بیٹھو کیوں کہ خدا اپنے محبوب کے دشمن کا دشمن ہے وہ تم کو اپنی رحمت سے دور کر دے گا اور خدا کے مخصوص بندے بندگانِ الٰہی میں چھپے ہوتے ہیں۔ ہو سکتا ہے تمہاری دشمنی اور اس مومن کی مخفی چیزوں کا فاش کرنا اور پردہ دری کرنا، سر خدا کے ہتک کی طرف پلٹ رہی ہو مومنین اولیاء اللہ ہیں۔ ان سے دوستی خدا سے دوستی ہے اور ان سے دشمنی خدا سے دشمنی ہے۔ خدا کے غضب سے ڈرو اور روز جزا کے شفعاء کی خصومت سے خوفزدہ رہو «وَيْلٌ لِمَنْ شُفَعَاؤُهُ خُصَمَاؤُهُ.»[۳۱]

غیبت کے دنیاوی اور اُخروی نتائج کے بارے میں ذرا غور تو کرو۔ قبر و برزخ و قیامت میں اس کی ان وحشت ناک و دہشت ناک صورتوں کے بارے میں ذرا سوچو جس میں تم مبتلا ہو گے۔ علماء رضوان اللہ علیہم کی معتبر کتابوں ائمہؑ کی منقول روایتوں کو دیکھو جو واقعاً لرزہ شکن ہیں۔ اس کے بعد پندرہ منٹ کی ہرزہ گوئی اور بذلہ سرائی اور شہوت خیالی کی تکمیل اور ہزاروں ہزار سال کی گرفتاری کا قیاس کرو اور یہ بھی اس وقت جب تم اہل نجات ہو اور با ایمان اس دنیا سے جاؤ۔ ورنہ پھر خلود در جہنم اور دائمی عذاب الیم کا قیاس کرو۔ «نَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْهُ»

اس کے علاوہ جس کی تم غیبت کر رہے ہو اگر اس سے دشمنی ہے تب بھی اگر حدیثوں

Presented by www.ziaraat.com

پر ایمان ہے تو دشمنی کا تقاضا یہ ہے کہ اس کی غیبت نہ کرو۔ کیونکہ حدیث میں ہے غیبت کرنے والے کی نیکیاں اس شخص کے نامۂ اعمال میں لکھ دی جاتی ہیں جس کی غیبت کی گئی ہے اور اس کی برائیاں غیبت کرنے والے کے نامۂ اعمال میں لکھ دی جاتی ہیں۔ پس تم نے اس سے دشمنی نکالنی چاہی تھی خود اپنے ہی سے دشمنی کر بیٹھے۔ اس لئے سمجھ لو کہ خدا سے جنگ نہیں کر سکتے۔ خدا اس پر قادر ہے کہ تمہاری اسی غیبت سے اس کو لوگوں کی نظروں میں عزیز و محترم کر دے اور تم کو اسی غیبت کی بنا پر لوگوں کی نظروں میں ذلیل و خوار کر دے اور کروبیین کے سامنے بھی یہی کام کرے، تمہارے نامۂ اعمال کو برائیوں سے بھر دے اور تم کو ذلیل و رسوا کر دے اور اس کے نامۂ اعمال کو نیکیوں سے بھر دے اور اس کو مکرم و محترم کر دے۔ پس سمجھ لو کہ کس قادر و جبار سے جنگ کر رہے ہو۔ اس کی دشمنی سے ڈرو۔

عملی طریقہ: یہ ہے کہ کچھ دنوں تک چاہے جتنی زحمت ہو نفس کو غیبت سے روک کر مہارِ زبان کو اپنے ہاتھ میں لے کر مکمل طریقہ سے اپنی نگرانی کرو اور اپنے سے قرار داد باندھ لو کہ کچھ دنوں تک یہ گناہ نہیں کروں گے۔ اپنی حفاظت و نگرانی کرو اور اپنا حساب کرو۔ (اسی طرح) اُمید ہے انشاء اللہ کچھ مدت کے بعد اصلاح ہو جائے گی اور اسکا مادہ ہی ختم ہو جائے گا پھر رفتہ رفتہ تمہارے لئے کام آسان ہو جائے گا اور تھوڑے ہی دنوں کے بعد تم محسوس کرو گے کہ اب فطری طور سے اس سے متنفر و منزجر ہو۔ پھر غیبت نہ کرنے ہی میں نفس کو لذت حاصل ہو گی۔

پانچویں فصل

جائز مقامات پر بھی ترکِ غیبت اولیٰ ہے

یہ جان لو کہ علما و فقہا رضوان اللہ علیہم نے کچھ مقامات کو غیبت کی حرمت سے مستثنیٰ کیا ہے کہ بعض علما کے کلمات میں ایسے دس سے زائد مقامات ہیں۔ میں ان کی تفصیل میں نہیں جانا چاہتا۔ کیونکہ اس کتاب کو فقہی موضوع کے لئے نہیں لکھا گیا ہے۔ یہاں پر جس چیز کا ذکر ضروری ہے وہ یہ ہے کہ انسان کو تمام مواقع پر نفس کی مکاریوں سے بے خوف نہیں رہنا چاہیئے۔ پوری دقتِ نظر اور مکمل احتیاط کے ساتھ قدم اٹھانا چاہیئے۔ عذر تراشی کے چکر میں پڑ کر غیبت کے کسی مستثنیٰ مقام

Presented by www.ziaraat.com

کو لے کر عیب جوئی بذلہ گوئی میں مشغول نہ ہونا چاہیئے۔

نفس کی مکاریاں بہت ہی دقیق و باریک ہیں ممکن ہے وہ انسان کو شریعت کے نام سے مرعوب کر کے دھوکہ دے اور مہلکوں میں پھنسا دے۔ مثلاً کھلم کھلا فسق کرنے والے کی غیبت اگرچہ جائز ہے۔ بلکہ اگر اس کے باز آجانے کا سبب ہو تو بعض مقامات پر واجب ہے اور نہی از منکر کے مراتب میں شمار کی جانے والی ہے۔ لیکن انسان کو یہ دیکھنا چاہیئے کہ کہیں اس غیبت کا محرک و داعی شیطانی اور محرک نفسانی تو نہیں ہے بلکہ واقعی اس کا داعی شرعی اور الٰہی ہے؟

اگر (واقعی) داعی الٰہی ہے تو اس کا شمار عبادات میں ہے۔ بلکہ اصلاح کی نیت سے علی الاعلان (فسق) اور گناہ کرنے والے کی غیبت اس پر انعام و احسان کا واضح ترین مصداق ہے چاہے وہ (گنہگار) اس کو نہ سمجھے! لیکن اگر غیبت میں فساد اور خواہش نفس (بھی) شامل ہے تو غیبت کرنے والے کو اپنی نیت کو خالص بنانے کی کوشش کرنی چاہیئے اور بغیر قصد صحیح لوگوں کی آبرو برباد کرنے سے اعراض کرنا چاہیئے۔ بلکہ جائز مواقع پر بھی نفس کو غیبت کرنے کی عادت ڈالنا خود اس کے لئے مضر ہے اس لئے کہ نفس تو برائیوں اور شرور کی طرف مائل ہوتا ہی ہے ممکن ہے جائز مقامات پر پرہیز نہ کرنے سے رفتہ رفتہ دوسرے مرحلہ میں۔ یعنی حرام مقامات میں۔ داخل ہو جائے جیسے شبہات میں داخل ہونا جائز ہونے کے باوجود اچھی بات نہیں ہے کیونکہ یہ محرمات کی حد میں اور ممکن ہے کہ انسان ان میں داخل ہونے کے بعد محرمات میں بھی داخل ہو جائے۔ (اس لئے) انسان کو چاہیئے حتی الامکان اپنے کو ان مقامات سے بچائے اور تمام ان چیزوں سے بھی اجتناب کرے نفس کی سرکشی کا احتمال ہو۔

ہاں جن مقامات پر غیبت واجب ہے جیسے پہلے والا امور دار اور بعض دیگر وہ مقامات جن کا علماء نے ذکر کیا ہے وہاں پر غیبت کا اقدام کرے لیکن خواہش نفس اور شیطان کی پیروی سے نفس کو خالص رکھے۔ مگر پھر بھی جائز مقامات پر ترک غیبت اولیٰ و احسن ہے۔ ہر جائز امر کا ارتکاب انسان کو نہیں کرنا چاہیئے خصوصاً وہ مقامات جہاں نفس و شیطان کے مکائد بہت کارگر ہوا کرتے ہیں۔

روایت میں ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے حواریین کے ساتھ ایک مردہ کتے کے پاس سے گزرے تو حواریوں نے کہا۔ اس مردار میں کس قدر بدبو ہے۔ حضرت عیسیٰؑ نے فرمایا: اس کے دانت کتنے سفید ہیں۔ ۳۲ یقیناً نوع بشر کے مربی کو ایسا ہی تذکیہ شدہ نفس کا مالک ہونا چاہیئے حضرت عیسیٰؑ کو یہ بات اچھی نہ لگی کہ مخلوق خدا کا ذکر برائی سے کیا جائے۔ ساتھیوں نے اس کے نقص کو دیکھا۔ مگر حضرت عیسیٰؑ نے اس کے کمال کا ذکر کیا۔ میں نے سنا ہے کہ حدیث میں ہے حضرت عیسیٰؑ نے

Presented by www.ziaraat.com

فرمایا: غلاظتوں پر بیٹھنے والی مکھیوں کی طرح نہ بنو کہ (ہمیشہ) لوگوں کے عیوب کی طرف متوجہ رہو۔

حضرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

«قَالَ طُوبَىٰ لِمَنْ شَغَلَهُ عَيْبُهُ عَنْ عُيُوبِ النَّاسِ.» ۳۴ "اس شخص کا کیا کہنا جسکو اپنے عیوب دوسروں کے عیوب سے باز رکھیں"۔ انسان کے لئے (یہ) بہتر ہے کہ جس طرح دوسروں کے عیوب تلاش کرتا ہے کچھ اپنے عیوب بھی تلاش کرے۔ یہ کتنی بُری بات ہے کہ انسان اپنے ہزاروں عیب کو چھوڑ کر دوسروں کی برائیاں تلاش کرے اور ان کو اپنے عیبوں پر لادے۔ اگر انسان اپنے حالات، اخلاق و اعمال کو دیکھے اور ان کے اصلاح کی فکر کرے تو اس کے امور کی اصلاح ہو جائے گی اور اگر اپنے کو عیب سے خالی سمجھتا ہے تو یہ انتہائے جہالت و نادانی ہے۔ اس سے بڑھ کر کوئی عیب نہیں ہے کہ آدمی اپنا عیب نہ سمجھے اور اس سے غافل ہو۔ حالانکہ وہ خود مجموعہ عیوب ہے اور پھر دوسروں کے عیوب تلاش کرتا ہے۔

چھٹی فصل

غیبت سننا حرام ہے

جیسے غیبت کرنا حرام ہے اسی طرح غیبت کا سننا بھی حرام ہے۔ بلکہ بعض روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ غیبت سننے والا تمام عیوب میں حتیٰ اس کے کیرہ ہونے اور معاف کرانے میں غیبت کرنے والے کی طرح ہے۔ مثلاً حدیثِ نبویؐ ہے:

«مِثْلُ النَّبَوِي، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ: اَلْمُسْتَمِعُ أَحَدُ الْمُغْتَابِينَ.» ۳۴

"وہ غیبت کرنے والوں میں سے ایک غیبت سننے والا ہے"۔

حضرت علی علیہ السلام سے منقول ہے:

«وَ عَنْ عَلِيٍّ، عَلَيْهِ السَّلَامُ: اَلسَّامِعُ أَحَدُ الْمُغْتَابِينَ.» ۳۵

"(غیبت) سننے والا وہ غیبت کرنے والوں میں سے ایک ہے"۔ سماع سے مراد بھی مستمع ہے۔ بہت سی روایات کا ظاہر ہے کہ غیبت کی تردید واجب ہے۔

حضرت امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے کہ:

«عَنِ الصَّدُوقِ بِإِسْنَادِهِ عَنِ الصَّادِقِ، عَلَيْهِ السَّلَامُ، فِي حَدِيثِ مَنَاهِيِ النَّبِيِّ

Presented by www.ziaraat.com

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ، نَهَى عَنِ الْغَيْبَةِ وَالْاِسْتِمَاعِ إِلَيْهَا. إِلَى أَنْ قَالَ أَلَا، وَمَنْ تَطَوَّلَ عَلَى أَخِيهِ فِي غَيْبَةٍ سَمِعَهَا فِيهِ فِي مَجْلِسٍ فَرَدَّهَا عَنْهُ، رَدَّ اللّٰهُ عَنْهُ أَلْفَ بَابٍ مِنَ الشَّرِّ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ. فَإِنْ هُوَ لَمْ يَرُدَّهَا وَهُوَ قَادِرٌ عَلَى رَدِّهَا، كَانَ عَلَيْهِ كَوِزْرِ مَنِ اغْتَابَهُ سَبْعِينَ مَرَّةً.» ۳۶

"رسولِ خدا نے غیبت کرنے اور سننے سے ممانعت فرمائی ہے اس کے بعد فرمایا: آگاہ ہوجاؤ جو شخص اپنے برادر (مومن) پر احسان کرے اور کسی بھی مجلس میں سنی ہوئی اس کی غیبت کو رد کرے تو خدا وندِ عالم شرِ دنیا و آخرت کے ہزار باب اس سے دور کرتا ہے اور اگر رد پر قدرت رکھنے کے باوجود رد نہ کرے تو اس پر غیبت کرنے والے کا ستر گنا عذاب ہوگا۔"

«وَعَنِ الصَّدُوقِ بِإِسْنَادِهِ عَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ، عَلَيْهِمَا السَّلَامُ، عَنْ آبَائِهِ فِي وَصِيَّةِ النَّبِيِّ لِعَلِيٍّ، عَلَيْهِمَا السَّلَامُ: يَا عَلِيُّ، مَنِ اغْتِيبَ عِنْدَهُ أَخُوهُ الْمُسْلِمُ فَاسْتَطَاعَ نَصْرَهُ فَلَمْ يَنْصُرْهُ، خَذَلَهُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ.» ۳۷

"رسولِ خدا نے حضرت علیؑ سے وصیتوں کے ضمن میں فرمایا: اے علیؑ جس کے سامنے کسی برادر مسلم کی غیبت کی جائے اور وہ رد پر قادر ہونے کے باوجود رد نہ کرے تو خدا اس کو دنیا آخرت میں ذلیل کرے گا۔"

«وَعَنْ عِقَابِ الْأَعْمَالِ بِسَنَدِهِ عَنِ النَّبِيِّ، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ: مَنْ رَدَّ عَنْ أَخِيهِ غَيْبَةً سَمِعَهَا فِي مَجْلِسٍ، رَدَّ اللّٰهُ عَنْهُ أَلْفَ بَابٍ مِنَ الشَّرِّ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ فَإِنْ لَمْ يَرُدَّ عَنْهُ وَأَعْجَبَهُ، كَانَ عَلَيْهِ كَوِزْرِ مَنِ اغْتَابَ.» ۳۸

"جو اپنے برادر مومن سے کسی مجلس میں اس کے بارے میں سنی ہوئی غیبت کو رد کرے خدا اس کے شرِ دنیا و آخرت کے ہزار باب رد کرے گا اور اگر اس نے رد نہ کی بلکہ اس کو پسند کیا تو اس پر غیبت کرنے والے کا عذاب ہوگا۔"

متاخرین علما کے علامہ، محقق جلیل، فضیلتِ علم و عمل کے جامع شیخ انصاریؒ فرماتے ہیں: بظاہر اس رد سے مراد نہی از غیبت کے علاوہ ہے اور اس کا مقصد یہ ہے کہ غایب کی اس چیز سے

Presented by www.ziaraat.com

مدد کی جائے جو غیبت کے مناسب ہو۔ (مثلاً) اگر عیب دنیوی ہو تو اس کی اس طرح مدد کرے کہ عیب تو (درحقیقت) وہ ہے جس کو خدا عیب کہے مثلاً وہ گناہ جو بہت عظیم ہو جیسے تمہاری برادر مومن کی ایسی چیز سے غیبت جس سے خدا نے اس کی برائی نہیں کی ہے اور اگر عیب دینی ہو تو ایسی توجیہ کرے جس سے وہ معصیت سے خارج ہو جائے اور اگر قابل توجیہ نہ ہو تو اس کی اس طرح مدد کرے کہ کہے: مومن کبھی معصیت میں مبتلا ہو جاتا ہے ایسی صورت میں اس کے لئے استغفار کرنا چاہیئے نہ کہ اس پر طنز کرنا چاہیئے۔ ہو سکتا ہے خدا کے نزدیک تمہارا طنز کرنا اس کی معصیت سے زیادہ برا ہو۔ انتہی کلامہ ۲۹ ورفع مقامہ۔

اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ غیبت سننے والا رد غیبت "جو اس پر واجب ہے" کو ترک کر کے غیبت کرنے والے کو مزید غیبت پر ابھار دے یا اس کے ساتھ شریک و ہم نفس ہو کر بے موقع قہقہے اظہار تعجب کر کے یا اگر اہل صلاح میں شمار ہوتا ہے تو کسی ذکر یا استغفار یا کسی دوسرے ذریعہ سے جو شیطانی وسائل میں سے ہو اس کو استعمال کر کے غیبت کرنے والے کو غیبت پر آمادہ کر دے اور ہو سکتا ہے کہ اس حدیث (اس کا گناہ غیبت کرنے والے کے گناہ سے ستر گنا ہے) سے ایسے ہی اشخاص کی طرف اشارہ ہو۔ نعوذ باللہ منہ۔

تتمیم

کلام شہید ثانیؒ

شیخ بزرگوار و محقق عالی مقدار شہید سعید رضوان اللہ علیہم کا ایک کلام ہے اسی کے ترجمہ پر ہم اس بحث کو ختم کرتے ہیں۔

شہید فرماتے ہیں: غیبت کے پلید ترین قسموں میں وہ غیبت ہے جس میں بعض اہل علم و فہم و اہل ریا مبتلا ہیں۔ کیونکہ یہ حضرات اپنے مقصد کو اہل صلاح و تقویٰ کی صورت میں سمجھاتے ہیں۔ یہ غیبت کرتے ہیں مگر ظاہر کرتے ہیں کہ ہم غیبت سے پرہیز کرتے ہیں اور اپنی جہالت و نادانی کی وجہ سے یہ نہیں سمجھتے کہ انھوں نے دو برائیوں کو جمع کر دیا ہے ایک ریا دوسرے غیبت اور اس کی ایک مثال یہ ہے کہ اگر کسی کے سامنے کسی کا ذکر کیا جائے تو وہ کہے: الحمدللہ میں حب ریاست میں مبتلا نہیں ہوں یا میں

Presented by www.ziaraat.com

حُبِّ دُنیا میں گرفتار نہیں ہوں یا میرے اندر فلاں صفت نہیں ہے یا کہے: نعوذ باللہ بے شرمی سے خدا کی پناہ یا بے توفیقی سے خدا کی پناہ یا مثلاً یہ کہے: خدا مجھے فلاں عمل سے محفوظ رکھے۔ بلکہ کبھی تو محض حمدِ خدا بھی غیبت ہوتی ہے۔ بشرطیکہ اس سے کسی کا عیب سمجھ میں آرہا ہو۔ بس فرق اتنا ہے کہ یہ غیبت اہلِ صلاح کی صورت میں واقع ہوئی ہے۔ یہ شخص یہ چاہتا ہے کہ اپنے کلام سے دوسرے کی برائی اس طرح کرے جو غیبت و ریاست پر مشتمل ہو اور اپنی عیب سے خلاصی ہو اس سے براءت کا دعویٰ بھی ہو حالانکہ خود اس میں مبتلا ہے بلکہ اس سے بڑی برائی میں مبتلا ہے۔

غیبت کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ جس کی غیبت کرنا چاہتا ہے پہلے اس کی مدح کرتا ہے مثلاً کہتا ہے فلاں کتنے اچھے حالات رکھتا ہے۔ عبادت میں کوئی کمی نہیں کرتا مگر بے صبری کی وجہ سے عبادتوں میں سستی آگئی ہے اور (وہی کیا) ہم سب لوگ اس میں مبتلا ہیں (بظاہر) اپنی مذمت کرتا ہے مگر مقصد اس (دوسرے) کی مذمت کرنا ہے اور اپنی مدح کرنا چاہتا ہے اس طرح کہ اپنی تشبیہ اپنی مذمت کرکے اہلِ صلاح سے دینا چاہتا ہے۔ اس شخص نے تین برائیوں کو اکٹھا کردیا غیبت، ریاکاری تزکیۂ نفس۔ اس کو خیال ہے کہ وہ صالحین میں سے ہے اور غیبت سے بچتا ہے (حالانکہ خود غیبت میں مبتلا ہے) اہلِ جہالت و نادانی کے ساتھ شیطان اس طرح بازی کرتا ہے جبکہ وہ لوگ علم و عمل میں مشغول ہوں مگر مضبوطی کے ساتھ اشتغال نہ ہو تو شیطان ان کا پیچھا کرتا ہے اور اپنی مکاریوں سے ان کے اعمال کو حبط کرا کے قہقہہ لگاتا ہے۔

اسی طرح ایک صورت یہ بھی ہوتی ہے کہ اگر کسی نشست میں غیبت ہو اور کچھ لوگ اس کی طرف متوجہ نہ ہوں تو بعض حضرات غافلوں کو (ذکرِ خدا کرکے) اس غیبت کی طرف متوجہ کردیتے ہیں مثلاً وہ کہتے ہیں: سبحان اللہ یہ کتنی عجیب چیز ہے۔ اب اس شخص نے ذکرِ خدا کو باطل اور اپنی خباثت کا ذریعہ بنالیا اور اس کے باوجود خدا پر احسان رکھنا چاہتا ہے۔ یہ سوائے جہالت اور دھوکہ کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔

اسی طرح یہ بھی ہے کہ کوئی کہے: فلاں شخص کے لئے فلاں اتفاق ہوا یا وہ فلاں چیز میں مبتلا ہوگیا۔ بلکہ کبھی (اس طرح) کہتا ہے: میرے رفیق یا میرے دوست کے ساتھ یہ حادثہ پیش آیا۔ خدا مجھے اور اس کو بخش دے۔ یہ شخص (بظاہر تو) اظہارِ دعا و رنج اور دوستی و رفاقت کررہا ہے (لیکن درپردہ) ان امور کے ذریعہ اپنی غیبت کو انجام دے رہا ہے۔ (حالانکہ) خداوندِ عالم اس کے خبثِ باطن اور فسادِ نیت سے مطلع ہے اور وہ اپنی جہالت سے یہ نہیں سمجھتا کہ خدا کا غضب ان جاہلوں سے

Presented.by www.ziaraat.com

"جو لوگ فلاں فلاں غیبت کا ارتکاب کرتے ہیں، کہیں زیادہ اس شخص پر ہے۔

غیبت کی ایک مخفی قسم تعجب کے ساتھ غیبت کو سننا بھی ہے۔ کیونکہ (جب) وہ اظہار تعجب کرتا ہے تو غیبت کرنے والا اور دلچسپی سے غیبت کرنے لگتا ہے اور اس کا تعجب اس کو مزید غیبت پر آمادہ کرتا ہے مثلاً وہ کہتا ہے مجھے تو اس بات پر بہت تعجب ہے! میں تو ابھی تک یہ نہیں سمجھتا تھا کہ مجھے فلاں سے اس کام کی توقع نہیں تھی! وہ اس طرح غیبت کرنے والے کی تصدیق کے ساتھ بڑے اچھے انداز سے اور غیبت کا مطالبہ کرتا ہے۔ حالانکہ غیبت کی تصدیق بھی غیبت ہے اور اس کو سننا بھی غیبت ہے بلکہ سن کر خاموش رہنا بھی غیبت ہے۔ انتہیٰ ترجمہ کلامہ رفع مقامہ۔

اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ غیبت پر دوسرے عناوین بھی صادق آتے ہیں تو اس کی قباحت اور اس کا فساد و عقاب بھی اور زیادہ ہو جاتا ہے مثلاً غیبت کرنے والا جس کی غیبت کر رہا ہے اس کے سامنے اظہار دوستی اور اس کی مدح و منقبت بھی کرے (اس کا گناہ زیادہ ہے کیونکہ یہ نفاق دوزبانی اور دوروئی ہے جس کی روایات میں بہت ہی مذمت آئی ہے۔

وَفِي الْكَافِي الشَّرِيف بِإِسْنَادِهِ عَنْ أَبِي عَبْدِاللّٰهِ، عَلَيْهِ السَّلَام، قَالَ مَنْ لَقِيَ الْمُسْلِمِينَ بِوَجْهَيْنِ وَلِسَانَيْنِ جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَهُ لِسَانَانِ مِنْ نَارٍ۔ [۱۴]

"حضرتؑ نے فرمایا: جو مسلمانوں سے دو چہرہ اور دو زبان کے ساتھ ملاقات کرے وہ روز قیامت اس طرح آئے گا کہ اس کے لئے آتش کی دو زبانیں ہوں گی۔"

اس قبیح عمل کی یہ صورت ہے اور آخرت میں اس نفاق کا یہ نتیجہ ہے۔ میں اپنی زبان و نفس امارہ کے شر سے خدا کی پناہ چاہتا ہوں۔

والحمدللہ اولاً و آخراً۔

Presented by www.ziaraat.com

انیسویں حدیث کی توضیحات

۱۔ اصول کافی جلد ۲، ص ۳۵۶، کتاب الایمان والکفر، باب الغیبۃ والبھتان حدیث ۱۔
۲۔ اصل کتاب میں ترجمہ کر دیا گیا ہے۔
۳۔ مرآۃ العقول جلد ۱۰، ص ۴۰۹، کتاب ایمان وکفر، باب الغیبۃ والبھتان حدیث ۱۔
۴۔ مصباح المنیر جلد ۲ ص ۴۵۸ پر آتا اور بھی ہے: جب کہ کہنے والا سچ کہہ رہا ہو۔
۵۔ مرآۃ العقول جلد ۱۰، ص ۴۰۶، کتاب ایمان وکفر، باب غیبت و بہت احادیث ۱۔
۶۔ کشف الریبہ ص ۲ (فی تعریف الغیبۃ والترہیب منھا)
۷۔ وسائل الشیعہ جلد ۸، ص ۵۹۸، ابواب احکام العشرۃ باب ۱۵۲، حدیث ۹۔
۸۔ الحجۃ البیضا جلد ۵، ص ۲۵۶، کتاب آفات اللسان۔
۹۔ وسائل الشیعہ جلد ۸ ص ۵۹۸، ابواب احکام العشرۃ، باب ۱۵۲، حدیث ۹
۱۰۔ جامع السعادات جلد ۲ ص ۲۹۴، المقام الرابع فی الغیبۃ۔
۱۱۔ سورۂ حجرات آیت ۱۲۔
۱۲۔ الحجۃ البیضا جلد ۵، ص ۲۵۳، کتاب آفات اللسان۔
۱۳۔ وسائل الشیعہ جلد ۸ ص ۶۰۰، ابواب احکام العشرۃ، باب ۱۵۲، حدیث ۲۱۔
۱۴۔ عقاب الاعمال، ص ۲۴۰ اور عقاب الاعمال مطبوع میں ہے: من مشی فی عیب اخیہ.....
۱۵۔ وسائل الشیعہ جلد ۸ ص ۵۹۹، حدیث ابواب احکام العشرۃ باب ۱۵۲، حدیث ۱۲۔
۱۶۔ الحجۃ البیضا جلد ۵، ص ۲۵۱، کتاب آفات اللسان۔

Presented by www.ziaraat.com

۱۷۔ اصول کافی جلد ۲ ص ۲۵۴، کتاب ایمان و کفر، باب من طلب عثرات المومنین، حدیث ۲۔
۱۸۔ اصول کافی جلد ۲ ص ۲۵۲، کتاب ایمان و کفر، باب من اذی المسلمین حدیث ۸۔
۱۹۔ بحار جلد ۷۲، ص ۲۴۸، کتاب العشرۃ، باب الغیبۃ، حدیث ۱۲۔
۲۰۔ وسائل الشیعہ جلد ۸ ص ۵۹۸۔ ابواب العشرۃ باب ۱۵۲ حدیث ۹۔
۲۱۔ علل الشرائع جلد ۲، ص ۵۵۷ باب ۳۴۵۔ العلۃ التی من اجلھا صارت الغیبۃ اشد من الزنا مفضال
۲۲۔ باب الاثنین حدیث ۹۰ مجمع البیان جلد ۹ ص ۲۰۶ مصادقۃ الاخوان ص ۴۸، باب الوقیعۃ فی الاخوان حدیث ۱۔
۲۳۔ المحجۃ البیضا جلد ۵ ص ۲۵۳
۲۴۔ المحجۃ البیضا جلد ۵ ص ۲۶۴ کتاب آفات اللسان۔
۲۵۔ بحار جلد ۷۲، ص ۲۷۶، باب الغیبۃ، حدیث ۵۲ بحار میں ذرا اختلاف عبارت کے ساتھ واقع ہوا ہے۔
۲۶۔ بحار جلد ۷۵، ص ۲۷۶، کتاب الروضۃ، باب ۲۳، حدیث ۱۱۲۔
۲۷۔ سورۂ حجرات آیت ۱۰۔
۲۸۔ اصول کافی جلد ۲، ص ۱۷۵، کتاب ایمان و کفر، باب التراحم والتعاطف، حدیث ۱۔
۲۹۔ اصول کافی، جلد ۲ ص ۱۷۵، کتاب ایمان و کفر، باب التراحم والتعاطف، حدیث ۱۴۔
۳۰۔ اصول کافی جلد ۲ ص ۱۷۵، کتاب ایمان و کفر، باب التراحم والتعاطف، حدیث ۲۔
۳۱۔ ص ۔ ۳۱۹
۳۲۔ اس شخص کی حالت پر وائے ہو جس کی شفاعت کرنے والے ہی اس کے دشمن ہوں۔
۳۳۔ بحار جلد ۱۴ ص ۳۲۷، کتاب النبوۃ، باب ۲۱، حدیث ۴۷۔
۳۴۔ اس کا ترجمہ گزر چکا ہے۔
۳۵۔ المحجۃ البیضا جلد ۵ ص ۲۶۰، کتاب آفات اللسان۔
۳۶۔ بحار جلد ۷۲، ص ۲۴۶، کتاب العشرۃ، باب ۶۶، حدیث ۱۔
۳۷۔ وسائل الشیعہ، جلد ۸ ص ۶۰۰، ابواب احکام العشرۃ، باب ۱۵۲، حدیث ۱۲۔
۳۸۔ وسائل الشیعہ جلد ۸ ص ۶۰۶ ابواب احکام العشرۃ، باب ۱۵۶، حدیث ۱۔
۳۹۔ وسائل الشیعہ جلد ۸ ص ۶۰۷، ابواب احکام العشرۃ، باب ۱۵۶، حدیث ۵
۴۰۔ کتاب المکاسب ص ۴۶، ۴۷، مکاسب محرمہ شمارہ ۱۴۔
۴۱۔ کشف الریبۃ فی احکام الغیبۃ، ص ۸، ۹ در اقسام غیبت
۴۲۔ اصول کافی جلد ۲، ص ۲۴۳، کتاب ایمان و کفر، باب ذی اللسانین، حدیث ۱۔

Presented by www.ziaraat.com

بیسویں حدیث

«بالسَّنَدِ الْمُتَّصِلِ إِلَى الشَّيْخِ الثِّقَةِ الْجَلِيلِ، مُحَمَّدِ بْنِ يَعْقُوبَ الْكُلَيْنِيِّ، قُدِّسَ سِرُّهُ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ، عَنِ الْمِنْقَرِيِّ، عَنْ سُفْيَانَ بْنِ عُيَيْنَةَ، عَنْ أَبِي عَبْدِاللّٰهِ، عَلَيْهِ السَّلَامُ، فِي قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالَى: «لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلاً.» قَالَ لَيْسَ يَعْنِي أَكْثَرَكُمْ عَمَلاً، وَلٰكِنْ أَصْوَبَكُمْ عَمَلاً. وَإِنَّمَا الْإِصَابَةُ خَشْيَةُ اللّٰهِ وَالنِّيَّةُ الصَّادِقَةُ وَالْحَشْيَةُ. ثُمَّ قَالَ الْإِبْقَاءُ عَلَى الْعَمَلِ حَتّٰى يَخْلُصَ أَشَدُّ مِنَ الْعَمَلِ. وَالْعَمَلُ الْخَالِصُ، الَّذِي لَا تُرِيدُ أَنْ يَحْمَدَكَ عَلَيْهِ أَحَدٌ إِلَّا اللّٰهُ تَعَالَى؛ وَالنِّيَّةُ أَفْضَلُ مِنَ الْعَمَلِ. أَلَا، وَإِنَّ النِّيَّةَ هِيَ الْعَمَلُ. ثُمَّ تَلَا قَوْلَهُ عَزَّ وَجَلَّ: «قُلْ كُلٌّ يَعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهِ» يَعْنِي عَلٰى نِيَّتِهِ.»

ترجمہ: خداوندِ عالم کے اس قول: "لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلاً" (تاکہ آپ کا امتحان کرے کہ آپ میں سے کون عمل کے لحاظ سے بہتر ہے) کی تفسیر میں سفیان نے حضرت امام جعفر صادقؑ کا قول

Presented by www.ziaraat.com

نقل کیا ہے۔ کہ خدا کا مقصد کثرتِ عمل نہیں ہے بلکہ اس کی مراد حسنِ عمل ہے اور یہ درستگی خوفِ خدا اور اسی کے ساتھ سچی نیت سے حاصل ہوتی ہے۔ اس کے بعد فرمایا: برابر عمل کرتے رہنا یہاں تک کہ خلوص حاصل ہو جائے یہ عمل سے زیادہ مشکل ہے اور خلوصِ عمل کا مطلب یہ ہے کہ خدا کے علاوہ کوئی دوسرا تمہاری مدح نہ کرے۔ (سنو) نیت عمل سے افضل ہوا کرتی ہے۔ آگاہ ہو جاؤ (درحقیقت) یہی عمل ہے۔ اس کے بعد امامؑ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی «قُلْ كُلٌّ يَعْمَلُ عَلَى شَاكِلَتِهِ» یعنی "عَلَى نِيَّتِهِ" تم کہہ دو ہر شخص اپنے (اپنے) طریقہ پر کارگزاری کرتا ہے۔ (یعنی اپنی نیت کے مطابق عمل کرتا ہے۔)

شرح: بلاء کے معنیٰ امتحان اور تجربہ کے ہیں۔ جیسا کہ صحاح میں آیا ہے:

«بَلَوْتُهُ بَلْوى، کے معنیٰ جَرَّبْتُهُ اور اِخْتَبَرْتُهُ کے ہیں (یعنی میں نے اس کا تجربہ اور اختبار کیا) وَبَلاهُ اللّٰهُ بَلاءً، وَأَبْلاهُ إِبْلاءً حَسَناً. وَابْتَلاهُ، أي اِخْتَبَرَهُ.»[۲]

"لِيَكُمْ" علامہ مجلسیؒ نے فرمایا ہے یہ "لِيَبْلُوَكُمْ" کا دوسرا مفعول ہے اور "لِيَبْلُوَكُمْ" علم کے معنیٰ پر متضمن ہے۔ مگر یہ درست نہیں ہے کیونکہ "ای" استفہامیہ فعل کو عمل کرنے سے معلق کر دیتا ہے صحیح بات یہ ہے کہ: "اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا" مبتدا و خبر سے مل کر جملہ ہے اور مفعول (بلویٰ) کا مفعول ہے۔ البتہ اگر "ای" کو موصولہ مان لیا جائے تو علامہ مجلسیؒ کا کلام صحیح ہے۔ مگر "ای" کا استفہامیہ ہونا اظہر ہے۔

صواب: خطا کا نقیض ہے جیسا کہ جوہری نے کہا ہے۔

خشیہ: اور حدیث میں جو دوسری مرتبہ لفظ خشیہ آیا ہے جیسا کہ بعض نسخوں میں ہے۔ اس کے بارے میں علامہ مجلسیؒ نے فرمایا ہے کہ (اس کا وجود) نہیں ہے[۵] اور اگر ہو تو اس میں کئی احتمالات ہیں اظہر یہ ہے کہ "واو" بمعنی "مع" ہو شہید ثانیؒ کی اسرار الصلوٰۃ میں النیۃ الصادقۃ الحسنۃ منقول ہے۔[۶]

الفاء بر عمل: کا مطلب اس کی رعایت و محافظت ہے جیسا کہ جوہری نے کہا ہے جب تم کسی کی رعایت کر دیا اس پر رحم کرو تو اس وقت بولا جاتا ہے۔ «وأبقيتُ على فلانٍ» شاکلہ کے معنیٰ طریقہ، شکل اور ناحیہ کے ہیں جیسا کہ صحاح اور قاموس میں ہے۔ قاموس میں ہے: "اَلشَّاكِلَةُ" شکل، ناحیہ، نیت، طریقہ کو کہتے ہیں۔ حدیث شریف میں جن چیزوں کی شرح ضروری ہوگی اُن کو ہم چند فصلوں کے ضمن میں بیان کریں گے۔ انشاء اللہ۔

Presented by www.ziaraat.com

پہلی فصل

﴿تَبَارَكَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُلْكُ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ. الَّذِي خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيَاةَ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا.﴾

جس (خدا) کے قبضہ میں (سارے جہان کی) بادشاہت ہے وہ بڑی برکت والا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے جس نے موت اور زندگی کو پیدا کیا تاکہ تم کو آزمائے کہ تم میں عمل میں سب سے اچھا کون ہے۔ کی طرف اشارہ ہے۔

محقق مجلسیؒ فرماتے ہیں: اس آیت کی دلالت اس بات پر ہے کہ موت اَمرِ وجودی ہے اور اس موت سے مراد یا تو وہ موت ہے جو زندگی پر طاری ہوتی ہے اور یا پھر عدم اصلی مراد ہے انتہیٰ۔

آیۂ شریفہ کا اس مطلب پر دلالت کرنا اس بات پر موقوف ہے کہ بالذات خلق کا تعلق موت سے ہو لیکن اگر بالعرض متعلق ہے تو پھر دلالت نہیں ہوگی جیسا کہ محققین کہتے ہیں اور اگر دلالت کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو موت کے عدم اصلی ہونے کا احتمال بالکل ہی بے وجہ ہے۔ کیونکہ وجودی ہونا اور عدم اصلی ہونا دونوں جمع بین النقیضین ہے۔ حالانکہ موت کو فی حد ذاتہ عدم اصلی جاننا صحیح نہیں ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ تحقیق یہ ہے: موت یا تو نشۂ ظاہرۂ ملکیہ سے نشۂ باطنیۂ ملکوتیہ کی طرف انتقال کا نام ہے یا پھر حیات اولیٰ ملکی کے بعد حیات ثانوی ملکوتی کا نام موت ہے اور ان دونوں صورتوں میں موت اَمرِ وجودی ہے۔ بلکہ وجود ملکی سے اتم ہے۔ کیونکہ حیات ملکی دنیوی مواد طبیعیہ میتہ سے مخلوط و ممزوج ہے اور ان مواد کی زندگی عرض زائل ہے۔ برخلاف حیات ذاتی ملکوتی کے کہ وہاں پر نفوس کو استقلال حاصل ہو جائے گا اور وہی دار حیات اور لوازم حیات ہے اور ابدان مثالی برزخی کا قیام ان کے ساتھ بطور قیام صدوری بہ نفوس ہے جیسا کہ اس بات کو اس کے مناسب مقام پر تحریر کیا گیا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ حیات ملکوتی۔ اسی کو موت کہتے ہیں تاکہ سننے والوں کو وہ امر نہ محسوس ہو۔ یہی جعل و خلقت کا متعلق ہوتی ہے اور یہی ذات مقدس کے تحت قدرت ہے۔

Presented by www.ziaraat.com

خدا کے لیے ابتلا کی توجیہ

اختیار اور امتحان کا مطلب اور خداوندِ عالم کی طرف اس کے نسبت کی کیفیت اس طرح ہے کہ ذاتِ مقدس پر جہالت لازم نہ آئے اور تاویلات و تکلفات کا محتاج بھی نہ ہو۔ اس کا ذکر (اگرچہ) ہم بعض احادیث کی شرح کرتے ہوئے ذکر کر چکے ہیں[9] (پھر بھی) بطورِ اجمال اس کی طرف اشارتاً ذکر کرتے ہیں اور وہ یہ ہے۔

ابتدائے فطرت و خلقت میں انسانی نفوس سوائے استعداد محض اور نفس قابلیت کے کچھ نہیں ہوتے (اس وقت) ہر قسم کی شقاوت و سعادت کی فعلیت سے محروم ہوتے ہیں اور پھر جب حرکاتِ طبیعۂ جوہریہ اور فعلیۂ اختیاریہ کے زیرِ تصرف واقع ہوتے ہیں۔ تب ان کی استعداد فعلیت سے بدل جاتی ہے اور تمیزات حاصل ہو جاتے ہیں۔ اس کے بعد حیاتِ ملکی میں شقی و سعید اور غث و سمین (کھوٹا کھرا) کے درمیان امتیاز پیدا ہوتا ہے اور تخلیقِ حیات کا مقصد بھی نفوس میں امتیاز اور ان کا اختبار ہوتا ہے۔ اسی سے پتہ چل گیا کہ خلق ہی کے اوپر امتحان کا دار و مدار ہے لب رہا تخلیقِ موت کا مسئلہ تو وہ بھی ان امتیاز میں دخیل ہوتا ہے بلکہ جزءِ علتِ اخیر ہوتا ہے۔ کیوں کہ فعلیات کا میزان انسان کی وہ آخری صورتیں ہوتی ہیں جن پر انسان منتقل ہوتا ہے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ آخرت کی ملکوتی صورتیں امتیازات کا میزان ہوا کرتی ہیں اور یہ حرکات جوہریہ اور اختیاریہ دنیویہ ملکیہ سے حاصل ہوتی ہیں۔ اس طرح یہ بات معلوم ہو گئی کہ موت و حیات کی تخلیق بھی بغیر کسی جہالت کے امتحان و اختبار مرتب ہوا کرتا ہے۔ البتہ اعتراض کا پوری طرح برطرف ہو جانا یہ بات علمِ ذاتی قبل الایجاد اور علمِ فعلی مع الایجاد کی تفصیل سے مربوط ہے۔ جو اس کتاب کے مقصد سے خارج ہے۔

اور یہ جو ارشاد ہوا أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلاً۔ فرما کر امتحان کو اچھے اعمال سے مربوط کیا ہے اس کی بھی بازگشت اسی معنیٰ کی طرف ہے جس کا ذکر کیا گیا۔ جناب رئیس حدیث شریف میں اصوبیت کو خشیت اور نیت صادقہ کی طرف ارجاع فرمایا ہے۔ یہ میں اس لئے کہہ رہا ہوں کہ احسنیت کی تفسیر اصوبیت سے کی گئی ہے اور یہ سب نفس کی باطنی صورتیں اور روح کے واقعی امتیازات کی موجب ہیں اور یا پھر اس لئے کہ امتیازاتِ فعلیہ ذاتیہ کے مظاہر ہیں۔ بلکہ اس حقیقت کے پیشِ نظر کہ قلب اور باطن

Presented by www.ziaraat.com

ظاہری اعمال سے متاثر ہوتے ہیں۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے۔" یہ امتیازات بھی اعمال کے واسطہ سے واقع ہوتے ہیں۔ لہٰذا اعمال کا امتحان ذاتیات کا بھی امتحان ہے۔

اور اگر ہم تفسیر امام علیہ السلام سے قطع نظر کرتے ہوئے آیہ شریفہ کو اس کے ظاہر پر حمل کریں تب بھی امتحان اسی معنی مذکور کے مطابق ہوگا۔ کیونکہ نشۂ دنیا میں حصول اور تخلیق موت وحیات ہی اعمالِ حسنہ و قبیحہ کے امتیاز کا موجب ہے۔ خلقتِ حیات والی بات تو معلوم ہے باب رہا مسئلہ موت تو زندگانی دنیا کے عدم ثبات کا علم اور اس نشۂ فانیہ سے انتقال کا حصول انسانی اعمال میں فرق کا باعث ہوتا ہے اور امتیازات کا سبب بنتا ہے۔

دوسری فصل

خشیت ونیت صادقہ صواب عمل کے باعث ہیں

یہ سمجھ لیجئے کہ اس حدیث شریف میں اچھے اور نیک عمل کو دو بنیادوں پر مبنی قرار دیا گیا ہے۔ عمل کے کامل ہونے اور مکمل ہونے کو انھیں دونوں پر موقوف کیا گیا ہے۔

۱۔ خدا سے خوف و خشیت۔

۲۔ نیت صادقہ اور ارادۂ خالصہ۔

اب یہ ہماری ذمہ داری ہے کہ ان دونوں اصلوں کے کمالِ عمل، صوابِ عمل اور درستی سے ارتباط کو بیان کریں۔

لہٰذا ہم عرض کرتے ہیں خداوندِ عالم سے خوف و ڈر نفوس کے اندر تقویٰ و پرہیزگاری پیدا کرنے کا سبب ہے اور یہ باعث ہوتا ہے کہ آثارِ عمل کو زیادہ (سے زیادہ) قبول کیا جائے۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ اس سے پہلے بعض احادیث کی شرح میں ہم نے ذکر کیا ہے۔" کہ ہر عمل چاہے وہ اچھا ہو یا بُرا نفس کے اندر ایک اثر پیدا کرتا ہے۔ اب اگر وہ عمل عبادات و مناسک میں سے ہے تو اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ وہ فطری قوتوں کو عقلی طاقتوں کے تابع بنا دیتا ہے اور نفس کے ملکوتی پہلو کو ملک پر قاہر و قادر بنا دیتا ہے اور طبیعت کو روحانیت کے تابع کر دیتا ہے یہاں تک کہ پھر وہ اس منزل تک پہونچ جاتا ہے کہ روحانی جذبات اس کے قابو میں ہو جاتے ہیں اور وہ اپنے مقصد اصلی

Presented by www.ziaraat.com

تک رسائی حاصل کرلیتا ہے۔ اب جس عمل کے اندر یہ اثر زیادہ ہوتا ہے وہ اس خدمت کو بہتر طریقہ سے انجام دیتا ہے اور صحیح تر ہوتا ہے اور اصل مقصد اس پر اچھی طرح مرتب ہوتا ہے اور جو بھی چیزیں تاثیر میں داخل ہوگی وہ اصابتِ عمل کی ضامن ہوگی اور غالباً افضلیت اعمال کے لئے یہی چیز میزان ہے اور حدیثِ معروف اَفْضَلُ الْاَعْمَالِ اَحْمَزُھَا (سب سے مشکل عمل سب سے افضل ہے) کو بھی اسی نکتہ پر منطبق کیا جاسکتا ہے۔

اس مقدمہ کے معلوم ہوجانے کے بعد یہ جان لینا چاہیئے کہ تقویٰ نفوس کو کدورت اور آلائش سے صاف و پاک کر دیتا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ جب صفحۂ نفوس معاصی اور کدورتوں کے حجاب سے صاف ہوگا تو اعمالِ حسنہ کا اس میں زیادہ اثر ہوگا اور اصابۂ غرض بھی بہتر طریقہ سے ہوگا اور عبادتوں کا عظیم راز جو طبیعت کی ریاضت اور ملک پر قبضۂ ملکوت اور نفس کے ارادہ فاعلہ کے سبب سے حاصل ہوتا ہے اس کا نفوذ بہت اچھی طرح سے انجام پائے گا۔ اس لئے خوفِ خدا کو۔ جو نفوس کے تقویٰ میں مؤثر تام ہے۔ اصلاحِ نفوس کا ایک عظیم عامل اور اصابۂ اعمال اور ان کے حسن و کمال میں دخیل سمجھنا چاہیئے۔ اس لئے کہ تقویٰ علاوہ اس کے خود مصلح نفس ہے۔ انسان کے قلبی اور قالبی اعمال میں موثر اور اعمال کے قبولیت کا سبب بھی ہے جیسا کہ خود خدا نے فرمایا ہے: اِنَّمَا یَتَقَبَّلُ اللّٰہُ مِنَ الْمُتَّقِیْنَ۔ خدا فقط متقین (کے اعمال) کو قبول کرتا ہے۔

اصابۂ اعمال اور کمال اعمال میں دوسری اہم چیز جو درحقیقت بمنزلہ قوتِ فاعلہ کے ہے۔ وہ سچی نیت اور خالص ارادہ ہے (اس لئے کہ) عبادتوں کا کمال یا نقص، فساد یا صحت اسی کے تابع ہے۔ (دیکھئے خوف و خشیت خدا اور اس سے حاصل ہونے والا تقویٰ بمنزلہ شرائط تاثیر ہے اور درحقیقت یہ اعمال کو صاف و خالص بناتے ہیں اور موانع کو دور کرتے ہیں) چنانچہ عبادتیں جتنی تشریک اور نیتوں کی ملاوٹ سے خالص ہوں گی اتنی ہی کامل ہوں گی۔ عبادتوں کے اندر نیت اور خلوصِ نیت سے زیادہ کوئی چیز اہم نہیں ہے۔ کیونکہ نیتوں کی نسبت عبادتوں سے وہی ہے جو روح کو بدن سے اور نفس کو جسم سے ہوا کرتی ہے۔ اسی لئے ان کا چکر مقام ملک نفس و بدن سے صادر ہوتا ہے اور ان کی نیت و روح باطن کے پہلو اور مقام قلب سے صادر ہوتی ہے۔ کوئی بھی عبادت جس میں خلوص نیت نہ ہو وہ مقبولِ خدا نہیں ہوتی۔ البتہ اگر ریا اور شرک ظاہری ملکی سے خالص نہ ہوگی۔ ریا سے مراد وہی ہے جس کو شہید رضوان اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے تو موجب

Presented by www.ziaraat.com

بطلان اور علی الاظہر غیر مجزی ہے اور اگر شرک باطنی سے خالص نہ ہوگی چاہے ظاہری شرع کے اعتبار اور حکم فقہی کے لحاظ سے صحیح و مجزی ہو تو باطن شرع کے اعتبار سے اور عباد کی صحت و اسرار کی بنا پر نہ صحیح ہوگی اور نہ ہی پیشگاہ قدس میں مقبول ہوگی۔ لہٰذا صحت عبادت اور اس کی قبولیت میں کوئی تلازم نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے عبادت صحیح ہو مگر مقبول نہ ہو۔ چنانچہ روایات میں بھی یہ مطلب مذکور ہے۔ ۱۴

شرک در عبادات کی ایک ایسی جامع تعریف جو اس کے تمام مراتب کو شامل ہو یہ ہے: غیر خدا کی مرضی کو اس میں شامل کرنا چاہے وہ اپنی مرضی ہو یا دوسروں کی ہو۔ بس اتنا فرق ہوگا کہ اگر دوسروں کی مرضی شامل ہے تو یہ شرک ظاہری اور فقہی ریا ہے اور اگر اپنی مرضی شامل ہو تو وہ شرک خفی و باطنی ہے اور اہل معرفت کی نظر میں باطل و ناچیز ہے اور مقبول درگاہ خدا نہیں ہے۔ مثلاً کوئی نماز شب وسعت رزق کے لئے پڑھتا ہو یا صدقہ بلاؤں کے دور کرنے کے دیتا ہو یا زکوٰۃ مال میں بڑھوتری کے لئے دیتا ہو یعنی یہ سارے امور خدا کے لئے کرتا ہو اور اس کی عنایتوں سے ان چیزوں کا طلبگار ہو تو یہ عبادتیں اگرچہ صحیح اور مجزی ہیں اور اس کے شرعی اجزاء شرائط کے ساتھ بجالانے سے اس کے آثار بھی اس پر مرتب ہوں گے۔ لیکن (در حقیقت) یہ خدا کی عبادت نہیں ہے اور نہ اس کے اندر سچی نیت اور خالص ارادہ ہے۔ بلکہ یہ عبادتیں تو دنیا کو آباد کرنے کیلئے اور دنیاوی نفسانی مطالب کو حاصل کرنے کے لئے ہیں۔ لہٰذا اس کا عمل ثواب سے خالی ہے۔ جیسے اگر کوئی جہنم کے خوف یا جنت کی شوق میں عبادت کرے تو یہ بھی خالص خدا کے لئے نہیں ہے اور نہ اس میں نیت صادقانہ ہے۔ بلکہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ عبادتیں خالص شیطان اور نفس کے لئے ہیں اور ایسی عبادت کرنے والے نے کسی بھی عنوان سے رضائے الٰہی کو اس میں داخل نہیں کیا ہے تاکہ تشریک ہوتی۔ بلکہ یہ تو سب سے بڑے بت کی بت پرستی ہے۔ تمہارے بتوں کا بت تو خود تمہارا نفس ہے۔" ۱۵

خداوند عالم نے اپنی رحمت واسعہ اور ہمارے ضعف کی بنا پر اس قسم کی عبادتوں کو بھی قبولیت کا ایک مرتبہ بخشا ہے۔ یعنی ان عبادتوں پر بھی کچھ آثار مرتب کئے ہیں اور ان کے مقابلہ میں کچھ عنایتیں قرار دی ہیں کہ اگر انسان ظاہری شرائط اور حضور و اقبال قلب اور اس کے شرائط قبول کے ساتھ بجالائے تو اس کے تمام آثار اس پر مرتب کرتا ہے اور اپنے تمام وعدوں کو پوری کرتا ہے۔ یہ تو مزدوروں اور غلاموں کی عبادت کا حال ہے۔ لیکن آزاد لوگوں کی عبادت جو

Presented by www.ziaraat.com

صرف خدا کی محبت اور ذاتِ باری کو پانے کے لئے دلِ عبادت واقع ہوتی ہے۔ جس کا محرک نہ خوفِ جہنم ہے نہ شوقِ جنت ہوتا ہے وہ پہلے تو اویا اور اسرار کا مقام ہے انسان کے لئے جو مقامات و مدارج ہیں ان کو بیان نہیں کیا جا سکتا اور وہ اس کتاب کے موضوع سے بھی خارج ہیں۔ جب تک نفس کو عبادت، عابد، معبود کی طرف توجہ رہے گی وہ عبادت خالص نہیں ہو سکتی۔ دل اغیار سے خالی ہو اور اس میں خدا کے علاوہ کسی اور کو راستہ نہ ملے تب وہ خالص ہوگا۔ چنانچہ کافی کی حدیث میں وارد ہے:

«قَالَ سَأَلْتُهُ عَنْ قَوْلِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ: «إِلَّا مَنْ أَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ.» قَالَ: الْقَلْبُ السَّلِيمُ الَّذِي يَلْقَى رَبَّهُ وَلَيْسَ فِيهِ أَحَدٌ سِوَاهُ. قَالَ: وَكُلُّ قَلْبٍ فِيهِ شِرْكٌ أَوْ شَكٌّ فَهُوَ سَاقِطٌ. وَإِنَّمَا أَرَادَ بِالزُّهْدِ فِي الدُّنْيَا لِتَفْرُغَ قُلُوبُهُمْ لِلْآخِرَةِ.»[۱۶]

سابق حدیث کے راوی سفیان بن عیینہ کہتے ہیں: «میں نے حضرت امام جعفر صادقؑ سے قیامت کے بارے میں جو قولِ خدا ہے:

«يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَلَا بَنُونَ. إِلَّا مَنْ أَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ.»[۱۷]

" جس دن نہ تو مال ہی کچھ کام آئیگا اور نہ اولاد مگر جو شخص خدا کے سامنے (نگاہوں سے) پاک دل لئے حاضر ہوگا (وہی فائدہ میں ہوگا) اس کے بارے میں پوچھا، تو حضرت نے فرمایا: قلبِ سلیم سے مراد یہ ہے کہ جو خدا سے اس حالت میں ملاقات کرے کہ اس میں خدا کے سوا کوئی نہ ہو اور فرمایا: جس دل میں شک یا تردید ہو وہ ساقط ہے اور یقیناً اس سے خدا نے دُنیا میں زہد مراد لیا ہے تاکہ لوگوں کے دل آخرت کے لئے فارغ ہوں۔" اور ظاہر ہے جس دل کے اندر غیر خدا ہو اور وہ شرک و شک سے بھرا ہوا ہو چاہے شرک خفی ہو یا جلی وہ بارگاہِ الٰہی میں درجۂ اعتبار سے ساقط ہے۔ اسباب پر اعتماد کرنا اور غیرِ خدا کی طرف مائل ہونا (یہ سب) بھی شرکِ خفی سے ہے۔

یہاں تک کہ روایات[۱۸] میں ہے: «کسی مطلب کو یاد رکھنے کے لئے انگشتری کو بدلنا بھی شرکِ خفی ہے۔[۱۹] غیرِ خدا کو دل میں راہ دینا بھی شرکِ خفی میں شمار ہوتا ہے اور خلوصِ نیت کا مطلب اس ذاتِ مقدس کی منزل (یعنی دل) سے خدا کے علاوہ سب کو نکال باہر کرنا اور شک کے بھی مراتب ہیں بعض کو شکِ جلی اور بعض کو شکِ خفی جاننا چاہئے جو ضعفِ یقین و نقصانِ ایمان سے حاصل ہوتا ہے۔ غیرِ خدا پر مطلق اعتماد اور مخلوق کی طرف توجہ یہ ضعفِ یقین اور سستی ایمان کی علامت

---

[۱۸]: حدیث وسائل میں احکام طالبین میں ہے اور صاحب وسائل نے عدم جواز کا فتویٰ دیا ہے صرف حدیث کرامت کے لئے ایسا کرنا جائز ہے کیونکہ منصوص ہے مگر سوق روایت کراہت کی شہادت دیتی ہے۔ (منہ عفی عنہ)

Presented by www.ziaraat.com

ہے جیسے امور میں تزلزل بھی اسی قسم سے ہے اور اخفائے شک کا مرتبہ توحید میں عدم تمکین اور حالتِ تلوین ہے۔ پس توحیدِ حقیقی کا مطلب کثرتوں، اضافتوں اور تعینات کا اسقاط کرنا ہے حدیہ ہے کہ کثرتِ اسمائی و صفاتی سے بھی اس کو خالی رکھا جائے اور اس میں ثبات و قرار ہی شک سے خالص ہوتا ہے اور قلب سلیم سے مُراد وہ قلب ہے جو مطلق شرک و شک سے خالی ہو۔

اسی حدیث شریف میں جو فرمایا ہے کہ: «وَإِنَّمَا أَرَادَ بِالزُّهْدِ» اس سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ دنیا کے اندر زہد کا مطلب یہ ہے کہ رفتہ رفتہ کر کے دل اس سے منصرف و متنفر ہو جائے اور مقصودِ اصلی اور مطلوبِ واقعی کی طرف متوجہ ہو جائے۔

صدرِ حدیث سے پتا چلتا ہے آخرت سے مقصود دائرہ الوجود کا انتہائی درجہ اور انتہائے رجوع ہے اور مطلق آخرت سے بھی وہی مُراد ہے۔ بنا بریں دنیا دائرۂ ظہور ہے اور اس میں زہد خلوصِ قلب از غیرِ حق کا مستلزم ہے۔ پس جس شخص کے دل میں غیرِ خدا ہوگا وہ اہلِ دُنیا سے ہے دُنیا سے زاہد نہیں ہے (اسی طرح) جو اغیار کی طرف متوجہ ہو چاہے وہ امورِ ملکی مادّی میں سے ہو یا امورِ معنوی میں سے ہو اور چاہے صورِ اخروی ہوں یا کمالات و مدارج ہوں۔ (وہ بھی اہلِ دنیا میں سے ہے) اور (جو اہلِ دُنیا سے ہے) وہ آخرتِ حقیقی اور بہشتِ لقائیہ بہشت کا سب سے اعلیٰ درجہ ہے۔ سے محروم ہوگا۔ چاہے وہ دیگر معنوی کمالات کا حامل ہو اور بہشت کے اعلیٰ درجوں پہ فائز ہو۔ (یہ ایسے ہی ہے) جیسے اہلِ دنیا دنیاوی اموال میں اور اس کے مقامات میں مختلف ہوا کرتے ہیں اور وہ مقامات اہلِ اللہ سے بہت ہی بعید اور دور ہیں۔

تیسری فصل

اخلاص کی تعریف

جان لو کہ یوں تو اخلاص کی بہت سی تعریفیں کی گئی ہیں۔ لیکن اصحابِ سلوک و معارف کے یہاں جو متداول ہیں میں ان میں سے بطورِ اجمال بعض کا ذکر کرتا ہوں۔

۱۔ جناب عارف حکیم سالک خواجہ عبداللہ انصاری قدس سرہ فرماتے ہیں:

«اَلْإِخْلَاصُ تَصْفِيَةُ الْعَمَلِ مِنْ كُلِّ شَوْبٍ۔» ۱۲ اخلاص عمل کا ہر قسم کی ملاوٹ

Presented by www.ziaraat.com

سے صاف کرنا ہے۔ اس میں عمومیت ہے خواہ اپنی مرضی کی ملاوٹ شامل کرے یا کسی دوسرے مخلوق کی ملاوٹ۔

۲۔ شیخ اجل بہائی سے منقول ہے کہ اصحاب قلوب نے اخلاص کی بہت سی تعریفیں کی ہیں (مثلاً) «تَنزِيهُ الْعَمَلِ أَنْ يَكُونَ لِغَيرِ اللّٰهِ فِيهِ نَصِيبٌ.» عمل کو اس بات سے پاک کرنا کہ اس میں غیر خدا کا کوئی حصہ ہو۔ یہ تعریف پہلی تعریف جیسی ہے۔ «وَقِيلَ: أَنْ لَا يُرِيدَ عَامِلُهُ عَلَيهِ عِوَضاً فِي الدَّارَيْنِ.» ۲۰ اس کا عامل دنیا و آخرت میں کسی عوض کی خواہش نہ رکھتا ہو۔"

۳۔ صاحب غرائب البیان سے منقول ہے کہ "مخلص وہ لوگ ہیں جو خدا کی عبادت کرنے میں نہ اپنی عبودیت دیکھیں نہ عالم و اہل عالم کی عبودیت دیکھیں اور حد عبودیت سے مشاہدۂ ربوبیت کی طرف تجاوز نہ کریں۔ پس جس وقت بندہ سے اس کے حظوظ فرش سے عرش تک ساقط ہو جائیں اس وقت وہ راہ دین کا سالک ہے اور یہ وہ طریق بندگی ہے اور طریق عبودیت ہے جس میں شہود روح جمال پروردگار کے مشاہدہ کی وجہ سے حوادث کے دیکھنے سے خالص ہوا اور یہ وہی دین ہے جس کو خدا نے اپنے لئے اختیار کیا ہے اور غیر حق سے خالص کیا ہے اور ارشاد فرمایا ہے:

«أَلَا لِلّٰهِ الدِّينُ الْخَالِصُ.» ۲۱ "آگاہ ہو جاؤ کہ عبادت تو خاص خدا ہی کے لئے ہے"

اور دین خالص وہ نور قدم ہے جو نور عظمت و وحدانیت کے بیابان میں حدوث کے فنا ہو جانے کے بعد بھی رہتا ہے۔ گویا کہ خدا نے اپنے بندوں کو بطور تنبیہ و اشارہ اپنے راز کو اغیار سے اسکی خالص کر دینے کی طرف اپنے اقبال کی خاطر ان کو دعوت دی ہے۔

۴۔ شیخ محقق محی الدین عربی ۲۲ سے منقول ہے کہ انھوں نے کہا ہے:

«أَلَا، لِلّٰهِ الدِّينِ الْخَالِصُ عَنْ شَوْبِ الْغَيْرِيَّةِ وَالْأَنَانِيَّةِ؛ لِأَنَّكَ لِفَنَائِكَ فِيهِ بِالْكُلِّيَّةِ فَلَا ذَاتَ لَكَ وَلَا صِفَةَ وَلَا فِعْلَ وَلَا دِينَ وَإِلَّا لَمَا خَلُصَ الدِّينُ بِالْحَقِيقَةِ فَلَا يَكُونُ لِلّٰهِ.» ۲۳

"خدا ہی کے لئے وہ دین خالص ہے جس میں غیریت و انانیت کا شائبہ بھی نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ تم اس میں بالکلیہ فنا ہو چکے ہو۔ نہ اس میں تمہاری کوئی ذات ہے نہ صفت ہے۔ نہ فعل ہے نہ دین ہے اور اگر ایسا ہوا (یعنی کسی بھی قسم کی ملاوٹ ہوئی) تو در حقیقت دین خالص نہ ہوا اور پھر وہ اللہ کے لئے نہ ہوا۔"

Presented by www.ziaraat.com

(یعنی) جب تک غیریت، انانیت، عبودیت کے رسوم باقی ہیں اور عابد، معبود، عبادت اخلاص اور دین کا سوال ہے۔ انانیت و غیریت کا شائبہ ہے اور ارباب معرفت کے نزدیک یہ شرک ہے۔ اہل خلوص کی عبادت تجلیات محبوب کا نقشہ ہے۔ ان کے دلوں میں ذات وحدانیت کے علاوہ کسی کے لئے راستہ نہیں ہے اور حالانکہ افق امکان وجوب سے متصل ہے۔ اور تدلی ذاتی اقرب مطلق حقیقی ان کے لئے ظاہر ہے، رسوم غیریت بالکلیہ مرتفع ہے اس کے باوجود وہ لوگ تمام وظائف عبودیت کو پورا کرتے ہیں۔ ان کی عبودیت غور و فکر سے نہیں ہے بلکہ ان کی عبودیت تجلی سے ہے۔ چنانچہ اسی مطلب کی طرف اشارہ ہے نماز شب معراج رسولؐ ہے۔

چوتھی فصل

عمل کے بعد کا اخلاص

جان لو حدیث میں جو آیا ہے:

«اَلْإِبْقَاءُ عَلَى الْعَمَلِ حَتّٰى يَخْلُصَ أَشَدُّ مِنَ الْعَمَلِ.» عمل کی تکرار کرتے رہنا یہاں تک کہ وہ خالص ہو جائے یہ خود عمل سے زیادہ سخت ہے۔ اس سے انسان کو اس بات پر آمادہ کرنا ہے کہ انسان اپنے کئے جانے والے اعمال کی مراعات و مواظبت کرے خود عمل کرتے وقت اور عمل انجام دینے کے بعد بھی کیونکہ کبھی انسان عمل کو بغیر کسی عیب و نقص کے بجالاتا ہے اور وہ عمل ریا اور عُجب سے خالی بھی ہوتا ہے لیکن عمل کے بعد اس کا ذکر کرنے سے ریا میں مبتلا ہو جاتا ہے جیسا کہ کافی کی حدیث شریف میں ہے:

«عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ، عَلَيْهِ السَّلَامُ، أَنَّهُ قَالَ اَلْإِبْقَاءُ عَلَى الْعَمَلِ أَشَدُّ مِنَ الْعَمَلِ. قَالَ وَمَا الْإِبْقَاءُ عَلَى الْعَمَلِ؟ قَالَ يَصِلُ الرَّجُلُ بِصِلَةٍ وَيُنْفِقُ نَفَقَةً لِلّٰهِ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، فَكُتِبَ لَهُ سِرًّا، ثُمَّ يَذْكُرُهَا فَتُمْحٰى، فَتُكْتَبُ لَهُ عَلَانِيَةً، ثُمَّ يَذْكُرُهَا فَتُمْحٰى، فَتُكْتَبُ لَهُ رِيَاءً.» [۲۳]

حضرت امام باقرؑ سے روایت ہے کہ حضرتؑ نے فرمایا: عمل کی رعایت عمل سے زیادہ

Presented by www.ziaraat.com

سخت ہے۔ راوی نے پوچھا، حضور مراعات عمل کیا ہے؟ فرمایا: انسان صلہ (رحم) کرتا ہے۔ خدائے واحد لاشریک کے لئے انفاق کرتا ہے۔ یعنی عمل میں ریاکاری نہیں کرتا، پس وہ عمل اس کے لئے پوشیدہ طور سے لکھ لیا جاتا ہے اور اس کا ثواب بھی پوشیدہ طور سے اس کو دیدیا جاتا ہے۔ پھر وہ اپنے عمل کو (آشکارا) ذکر کرتا ہے۔ پس اس کو محو کر دیا جاتا ہے اور آشکارا لکھ لیا جاتا ہے۔ (یعنی اس کو عبادت کا ثواب آشکارا دیتے ہیں) اس کے بعد وہ پھر اس عمل کا ذکر کرتا ہے تو اس (ثواب) کو مٹا کر اس کے لئے ریا لکھ دیا جاتا ہے۔

انسان اپنی آخری عمر تک نفس اور شیطان کے شر سے محفوظ نہیں ہے۔ اس کو یہ گمان نہیں کرنا چاہیئے کہ اگر کسی عمل کو رضائے خدا کے لئے بجالایا ہے۔ جس میں مخلوق کی رضامندی کو ذرہ برابر دخل نہیں ہے تو اب وہ نفس خبیث کے شر سے محفوظ ہو گیا۔ اگر وہ اس سے مواظبت و مراقبت نہ کرے تو یہ امکان رہتا ہے کہ نفس اس کو اس کے اظہار پر آمادہ کر دے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اشارتاً و کنایتاً اس کا ذکر کرتا ہے۔ مثلاً اپنی نماز شب کو لوگوں کو بتانا چاہتا ہے تو بڑی ہوشیاری اور چاپلوسی سے اپنی اچھی یا بری محبت کا ذکر سحر (خیزی) و مناجات یا اذان مردم کے لئے کرتا ہے اور نفس کی پوشیدہ مکاری سے اپنے عمل کو برباد اور درجہ اعتبار سے گرا دیتا ہے۔ انسان کو چاہیئے کہ ایک طبیب اور مہربان تیماردار کی طرح اپنے حال کی نگرانی کرے اور نفس سرکش کے مہار کو ہرگز ڈھیل نہ دے کیونکہ ذرا سی غفلت پر وہ مہار کو تڑا کر انسان کو خاک مذلت و ہلاکت میں ملا دیتا ہے۔ بہرحال خدا کی پناہ حاصل کرنی چاہیئے نفس امارہ و شیطان کے شر سے۔ (واقعی) وَإِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوءِ إِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّي۔ ۲۵ "یقیناً نفس برائی کی طرف ابھارتا ہی رہتا ہے۔ مگر جس پر میرا پروردگار رحم فرمائے (اور گناہ سے بچائے)

یہ بات ملحوظ رکھنی چاہیئے کہ نیت کو شرک کے تمام مراتب اور ریا وغیرہ سے خالص رکھنا، اس کی مراقبت کرنا اور اسی پر باقی رہنا یہ بہت ہی اہم اور مشکل امور میں سے ہے۔ بلکہ اس کے بعض مراتب تو خالص اولیا کے علاوہ کسی کو میسر و ممکن بھی نہیں ہیں۔ کیونکہ نیت اس ارادہ کو کہتے ہیں جو عمل پر ابھارتا ہے اور وہ غایات اخیرہ کے تابع ہوا کرتا ہے اور یہ غایات ملکات نفسانیہ کے تابع ہوا کرتے ہیں جو انسان کی باطن ذات اور عادت کو تشکیل دیا کرتے ہیں۔ (اب مثلاً اگر) کوئی شخص حب جاہ و ریاست کا دلدادہ ہے اور یہ محبت ملکہ نفسانیہ بن چکی ہے اور اس کے روح کی عادت ہو چکی ہے۔ (اس کے رگ و پے میں سما گئی ہے) تو اس کا سب سے بڑا مقصد اس

Presented by www.ziaraat.com

مقصود و مطلوب تک پہونچتا ہے اور اس سے سرزد ہونے والے تمام اعمال اسی غایت کے تابع ہوں گے اور اس کا داعی و محرک وہی مطلوب نفسانی ہوگا اور اس کے اعمال اسی مقصد تک پہونچنے کے لئے صادر ہوں گے (اس لئے) جب تک یہ محبت اس کے دل میں ہے اس کا عمل خالص نہیں ہو سکتا۔ (اسی طرح) جس کے نفس کی عادت حُبِّ نفس و ملکہ کی خود خواہی ہوگی اور یہ چیز اس کے نفس کی دلدادہ بن چکی ہوگی تو پھر اس کا انتہائی مقصد اور آخری مطلوب خواہشاتِ نفسانیہ تک رسائی ہوگا اور اس کا محرک و داعی تمام اعمال کے اندر یہی چیز ہوگی۔ خواہ اس کے اعمال دنیاوی مطلوب کے حصول کے لئے ہوں یا عہدہ و قصور و جنت و نعماتِ جنت کے حصول کے لئے اخروی مطلوب ہوں۔ بلکہ جب تک انانیت و خود خواہی و خود بینی درمیان میں ہے۔ چاہے وہ روحانی معارف و کمالات کے لئے بھی کوئی اقدام کرے گا یا قدم بڑھائے گا تب بھی وہ اپنے اور اپنی نفسانیت ہی کے لئے ہوگا۔ اور وہ بھی خود خواہی ہے۔ خدا خواہی نہیں ہے اور ظاہر ہے کہ خود خواہی و خدا خواہی ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتی۔ بلکہ اگر وہ خدا کو بھی چاہے گا تو اپنے لئے چاہے گا اور اس کا آخری مقصد اور آخری مطلوب خود وہ اور اس کی نفسانیت ہوگی۔

پس اس سے معلوم ہو گیا کہ مطلق شرک سے نیت کا خالص ہونا بہت مشکل کام ہے جو ہر شخص کے بس کی بات نہیں ہے اور اعمال کا کامل یا ناقص ہونا نیتوں کے کمال و نقص کے تابع ہے اس لئے کہ نیت ہی عمل کی صورت فعلی اور جنبۂ ملکوتی ہے۔ جیسا کہ ہم نے اس کی طرف اشارہ بھی کیا ہے اور اس حدیث «وَالنِّيَّةُ أَفْضَلُ مِنَ الْعَمَلِ. أَلَا، وَإِنَّ النِّيَّةَ هِيَ الْعَمَلُ.» "نیت عمل سے افضل ہے بلکہ تمام نیت حقیقت عمل ہے" میں انھیں مطالب کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

اور یہ حدیث مبالغہ پر مبنی نہیں ہے جیسا کہ بعض علما نے احتمال دیا ہے بلکہ یہ مبنی بر حقیقت ہے۔ اس لئے کہ نیت ہی عمل کی صورت کاملہ اور اس کی فصل محصل ہے۔ اعمال کی صحت و فساد، کمال و نقص کا مدار اسی نیت پر ہے۔ چنانچہ (یہی وجہ ہے کہ) ایک ہی عمل کبھی تعظیم اور کبھی توہین کا سبب ہوا کرتا ہے اور کبھی تام اور کبھی ناقص ہوتا ہے۔ کبھی ملکوتِ اعلیٰ کی سنخ سے ہوتا ہے اور اچھی و جمیل صورت کا حامل ہوتا ہے اور کبھی ملکوت اسفل سے ہوتا ہے اور وحشت ناک و دہشت ناک صورت پر مشتمل ہوتا ہے۔ (مثلاً) حضرت علیؑ اور فلاں منافق کی نماز میں اجزاء و شرائط اور عمل کی ظاہری صورت کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں ہوتا تھا۔ لیکن حضرت علیؑ کی نماز اپنے اس عمل کے ساتھ معراج الی اللہ تک پہونچتی تھی اور اس کی صورت ملکوتِ اعلیٰ کی ہوتی تھی اور اس منافق

Presented by www.ziaraat.com

کی نماز اس عمل کے ساتھ واصل جہنم ہوتی تھی اور اس کی صورت ملکوت اسفل کی ہوتی تھی اور شدت ظلمت کی وجہ سے اس کی کوئی تشبیہ نہیں دی جا سکتی۔

(اسی طرح) خاندان عصمت و طہارت کے لئے راہ خدا میں چند جو کی روٹیوں کو دینے کی وجہ سے خداوند عالم ان کی مدح میں آیتوں کو نازل کرتا ہے۔[۳۶]

جاہل تو یہ گمان کرتا ہے کہ دو تین دن روزے پر روزہ رکھنا اور اپنی غذا فقیروں کو دیدینا بہت ہی اہم بات ہے۔ حالانکہ صورت کے اعتبار سے ایسے اعمال دوسروں سے بھی ہو سکتے ہیں یہ کوئی اہم چیز نہیں۔ اس کی اہمیت تو در اصل قصد خالص اور نیت صادق کی وجہ سے ہے۔ روح عمل بڑی قوی و لطیف ہے اور ایسے قلب سلیم و صافی سے صادر ہوئی ہے جو اتنی اہمیت کی حامل ہو گئی۔ رسولؐ خدا اور دوسرے لوگوں کی صورت میں ظاہر کا کوئی فرق نہیں تھا اسی لئے بعض مسافر عرب اگر (جب رسولؐ مجمع میں بیٹھے ہوتے تھے) پوچھا کرتے تھے تم میں سے رسولؐ کون ہے؟" (رسولؐ خدا) کو دوسروں سے جو چیز ممتاز کرتی تھی وہ آپؐ کی بزرگ و لطیف و قوی روح تھی۔ نہ کہ جسم مبارک و بدن شریف اور علوم عقلیہ میں یہ بات طے شدہ ہے کہ کسی شئی کی شیئیت کا دار مدار اس کی صورت پر ہوا کرتا ہے نہ کہ اس کے مادہ پر بلکہ فصل کے ذریعہ تعریف کرنا حد تام ہے اور جنس و فصل سے (حد) ناقص ہے۔ اس لئے کہ غریب اور اجنبی چیزوں سے مخلوط کرنا اور متضاد شئی سے کسی کی تعریف کرنا حقیقت تعریف کے لئے مضر ہے اور تعریف کے تام ہونے کے بھی مخالف ہے اور مادہ و جنس کسی بھی شئی کی حقیقت کے اعتبار سے غریب و اجنبی ہوتے ہیں کیونکہ حقیقت شئی ہمیشہ صورت و فعلیت و فصل کو کہا جاتا ہے۔ لہٰذا اعمال کی تمام حقیقت بھی وہی اعمال کی صورتیں اور ان کے ملکوتی پہلو ہوں گے جس کو نیت کہا جاتا ہے۔

لہٰذا اس بیان سے یہ بات واضح ہو گئی کہ حضرت امام صادقؑ نے اس حدیث میں پہلے اعمال کی صورتوں اور مادوں پر نظر ڈالی اور فرمایا: جز صوری، جز مادی سے افضل ہے اور نیت عمل سے افضل ہے جیسے ہم کہا کرتے ہیں روح بدن سے افضل ہے (مگر اس کا لازم نہیں ہے کہ بغیر نیت کے عمل صحیح ہے (یا) بے روح والا بدن بدن ہے۔ بلکہ اس کا مطلب ہے) عمل سے نیت کا تعلق ہو جانے کے بعد وہ ایک عمل بن جاتا ہے جیسے روح کا بدن سے متعلق ہونے کے بعد وہ بدن ہو جاتا ہے اور نیت و عمل اسی طرح روح و بدن سے مل کر جو معجون بنتا ہے اس کا جزء صوری ملکوتی، اس کے جزء مادی ملکی سے افضل ہوتا ہے اور مشہور حدیث "نیۃ المؤمن خیر من

Presented by www.ziaraat.com

عَمَلِهِ۔" [۳۸] (مومن کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہے) کا بھی یہی مطلب ہے اور دوبارہ حضرت امام صادقؑ نے اس بات کی طرف نظر فرمائی کہ عمل نیت میں اور ملک ملکوت میں اور مظہر ظاہر میں فنا ہو جاتا ہے (لہٰذا) فرمایا: "اَلَا، وَاِنَّ النِّیَّۃَ ھِیَ الْعَمَلُ۔" وہی عمل ہی نیت ہے اور بغیر نیت کچھ بھی نہیں ہے۔ سارے اعمال نیت میں فنا ہو جاتے ہیں ان میں ذاتی اعتبار سے استقلال نہیں ہے اس کے بعد حضرت نے پروردگارِ عالم کے اس قول: "قُلْ کُلٌّ یَعْمَلُ عَلٰی شَاکِلَتِہٖ۔" "ہر شخص اپنے اپنے طریقہ سے کارگزاری کرتا ہے" سے استشہاد فرمایا اور اعمال شاکلۂ نفس کے تابع ہوتے ہیں اور شاکلۂ نفس اگرچہ روح کی ہیئت باطنی اور اس کے ملکاتِ مختمرہ کا نام ہے۔ لیکن نیتیں نفس کی شاکلۂ ظاہری ہیں یہ کہا جا سکتا ہے کہ ملکاتِ شاکلۂ اولیہ نفس اور نیتیں شاکلۂ ثانویہ نفس ہیں اور اعمال انھیں کے تابع ہیں چنانچہ خود حضرت نے فرمایا: شاکلہ نیت ہے۔

اور اسی جگہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اعمال کا تمام مراتب شرک و ریا وغیرہ سے خالص کرنا نفس اور اس کے ملکات کے اصلاح پر منحصر ہے کیونکہ یہی چیز تمام اصلاحات کا سرچشمہ اور تمام مدارج و کمالات کا منشا ہے۔ چنانچہ اگر انسان علمی اور عملی ریاضتوں کے ذریعہ دنیا کی محبت کو دل سے نکال دے تو پھر اس کے مقصد کی غایت دنیا نہیں ہوگی اور اس کے اعمال شرک اعظم یعنی اہلِ دنیا کی نظروں کو اپنی طرف جلب کرنا اور ان کی نظروں میں اہمیت حاصل کرنا سے خالص ہو جائیں گے اور خلوت و جلوت سر و علن میں مساوی ہو جائیں گے اور اگر نفسانی ریاضتوں کے ذریعہ کوئی حبِّ نفس کو اپنے دل سے خارج کر دے تو جس قدر بھی دل خود خواہی سے خالی ہوگا۔ اسی قدر خدا خواہ ہو جائے گا اور اس کے اعمال بھی شرکِ خفی سے پاک ہو جائیں گے اور جب تک حبِّ نفس دل کے اندر ہے اور انسان نفس کے تاریک گھر میں ہے وہ مسافر الی اللہ نہیں ہے بلکہ مخلدین الی الارض میں سے ہے اور سفر الی اللہ کا پہلا قدم حبِّ نفس کا ترک کر دینا ہے اور اپنی انانیت اور سر کے اوپر قدم رکھنا ہے اور سفر میں میزان یہی ہے۔

اور بعض علما کا خیال ہے کہ آیۂ شریفہ "وَمَنْ یَخْرُجْ مِنْ بَیْتِہٖ مُھَاجِرًا اِلَی اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ ثُمَّ یُدْرِکْہُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُہٗ عَلَی اللّٰہِ۔" [۳۹] "اور جو شخص اپنے گھر سے جلاوطن ہو کے خدا اور اس کے رسولؐ کی طرف نکل کھڑا ہوا (پھر اسے (منزلِ مقصود تک پہونچنے سے پہلے) موت آجائے تو خدا پر اس کا ثواب لازم ہو گیا۔) کے معانی میں سے ایک معنی یہ ہے کہ جو شخص بیتِ نفس سے خارج ہو کر حق کی طرف معنوی سفر کرے اور اس کے بعد اس کو فنائے تام حاصل

Presented by www.ziaraat.com

ہو جائے تو اس کا اجر خدا پر ہے[۴] اور ظاہر ہے کہ ایسے مسافر کا اجر ذاتِ مقدس کا مشاہدہ اور اس کے حضور میں پہونچنے کے علاوہ کچھ اور نہیں ہو سکتا۔

چنانچہ اسی مطلب کو انھیں حضرات کی زبان میں اس طرح کہا گیا ہے:

"در ضمیر ما نئی گنجد بہ غیر دوست کس ہر دو عالم را بہ دشمن دہ کہ ما را دوست بس"

ہمارے دل میں دوست کے علاوہ کسی گنجائش نہیں ہے۔ دونوں عالم کو دشمن کے حوالہ کر دے میرے لئے تو صرف میرا دوست بس ہے۔

والسلام

www.ziaraat.com
Sabeel-e-Sakina

Presented by www.ziaraat.com

بیسویں حدیث کی توضیحات

۱۔ سورۂ ملک آیت ۲۔
۲۔ سورۂ اسراء آیت ۸۴۔
۳۔ اصول کافی جلد ۲ ص ۱۶ "کتاب الایمان والکفر" باب الاخلاص حدیث ۴۔
۴۔ بلوتہ بلوی "اس کا تجربہ کیا اس کو معرض امتحان و آزمائش میں لایا" اور بلاہ اللہ بلاءً و ابلاہ ابلاءً حسناً و ابتلاہ کے معنی "اس کا امتحان کیا"۔
۵۔ مرآۃ العقول جلد ۷، ص ۸۷ "کتاب الایمان والکفر" باب الاخلاص حدیث ۴۔
۶۔ مجلسیؒ نے بحار (جلد ۶۷ ص ۲۴۱) میں اس مطلب کو شہید ثانی کے نسخہ اسرار الصلوۃ سے نقل کیا ہے۔ لیکن متن چاپ شدہ (ص ۸) میں صرف "النیۃ الصادقۃ" آیا ہے۔
۷۔ سورۂ ملک آیت ۱، ۲
۸۔ مرآۃ العقول جلد ۷، ص ۷۷، "کتاب الایمان والکفر" باب الاخلاص حدیث ۴۔
۹۔ ص ۲۱۰
۱۰۔ ص ۲۳ - ۱۶۷
۱۱۔ ص ۱۶۲
۱۲۔ حدیث ۶، توضیح ۲۷۔
۱۳۔ سورۂ مائدہ آیت ۲۷۔
۱۴۔ وسائل الشیعہ جلد ۱ ص ۵۲، ۵۳، کتاب الطہارۃ "ابواب مقدمۃ العبادات" باب ۱۲ حدیث ۳ - ۱۱، مستدرک الوسائل جلد ۱ ص ۱۱۲، کتاب الطہارۃ "ابواب مقدمۃ العبادات باب ۱۲، حدیث ۸۔

Presented by www.ziaraat.com

۱۵۔ مادر تبہابت نفس شماست زانکہ ایں بت مارد ایں بت اژدہاست مولوی

۱۶۔ اصول کافی جلد ۲ ص ۲۱۶، کتاب ایمان و کفر، باب الاخلاص حدیث ۵ اور اس میں ایک جگہ ارادہ بمعنی عہد کے بجائے ارادہ بمعنی نذر آیا ہے۔

۱۷۔ سورۂ شعراء آیت ۸۸ - ۸۹

۱۸۔ قال ابو عبداللہ "اِنَّ الشِّرکَ اَخفیٰ مِن دَبیبِ النَّملِ" مشرک چیونٹی کی چال سے بھی زیادہ خفی ہوتا ہے۔" حضرت نے فرمایا: وَمِنہُ تَحوِیلُ الخَاتَمِ لِیَذکُرَ الحَاجَۃَ وَنَتفُ الشَّعرِ۔ حضرت ہی نے فرمایا: اور انگوٹھی کو ایک (انگلی) سے دوسرے میں بدلنا تاکہ حاجت یاد آجائے یہ بھی شرک کی ایک قسم ہے۔ معانی الاخبار "باب نوادر المعانی" ص ۲۷۹ حدیث ۱۔ وسائل الشیعہ جلد ۳ ص ۲۴۹، باب احکام الملابس باب ۲۱۔

۱۹۔ منازل السائرین ص ۲۱، قسم المعاملات، باب الاخلاص۔

۲۰۔ اربعین ص ۱۵۹۔ حدیث ۲۷۔

۲۱۔ سورۂ زمر آیت ۲۔

۲۲۔ محمد بن علی بن محمد عربی (۵۶۰ - ۶۳۴ یا ۳۷ یا ۳۸) ساتویں صدی کے بزرگ ترین عارف اور قرون اسلامی کے بہت بڑے عارف تھے۔ وہ ابن عربی، محی الدین، شیخ اکبر کے نام سے مشہور تھے۔ عرفان میں ان کی کتابیں ان کے زمانہ سے آج تک تمام عرفا اور عرفان سے علاقہ رکھنے والوں کے لئے مورد مراجعہ و بحث و تدریس و شرح و تفسیر ہیں۔ ان کی کتابوں کا بالخصوص فصوص کا سمجھنا بہت مشکل ہے۔ ہر زمانہ میں چند افراد ہی اس سے عہدہ برآ ہو سکے ہیں تقریباً دو سو کتابیں ان کی طرف منسوب ہیں جن میں سب سے اہم فتوحات مکیہ، فصوص الحکم، التجلیات الالٰہیہ، انشاء الدوائر، تفسیر قرآن ہیں۔ فصوص کا شمار اصل اور اہم ترین درسی کتابوں میں ہوتا ہے۔ جس پر بڑے بڑے عرفا نے شرح و حواشی لکھے ہیں۔ خود امام خمینی قدس سرہ کے فصوص پر بہت ہی نفیس حواشی ہیں۔

۲۳۔ اس کا ترجمہ گزر چکا ہے۔

۲۴۔ اصول کافی جلد ۲ ص ۲۹۷، کتاب ایمان و کفر، باب الریا حدیث ۱۶۔

۲۵۔ سورۂ یوسف آیت ۵۲۔

۲۶۔ سورۂ دھر آیت ۵ - ۲۲۔

۲۷۔ بحار جلد ۱۶، ص ۲۲۹ - تاریخ نبینا، باب مکارم اخلاقہ و سیرہ، حدیث ۳۵۔

۲۸۔ اصول کافی جلد ۲ ص ۸۴، کتاب ایمان و کفر، باب النیۃ، حدیث ۲۔

۲۹۔ سورۂ نساء آیت ۱۰۰۔

۳۰۔ میبدی نے تفسیر کشف الاسرار (جلد ۲ ص ۶۶۲) پر اس آیت کے بارے میں یہی گفتگو کی ہے۔

Presented by www.ziaraat.com

اکیسویں حدیث

«بالسَّنَدِ المُتَّصِلِ إلى حُجَّةِ الْفِرْقَةِ وَ إمامِهِمْ، مُحَمَّدِبْنِ يَعْقُوبَ الْكُلَيْنِيِّ، كَرَّمَ اللّٰهُ وَجْهَهُ، عَنْ حَمِيدِبْنِ زِيادٍ، عَنِ الْحَسَنِ بْنِ مُحَمَّدِبْنِ سَمَاعَةَ، عَنْ وُهَيْبِ بْنِ حَفْصٍ، عَنْ أَبِي بَصِيرٍ، عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ، عَلَيْهِ السَّلَامُ، قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ، عِنْدَ عَائِشَةَ لَيْلَتَهَا؛ فَقَالَتْ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ لِمَ تُتْعِبُ نَفْسَكَ وَقَدْ غَفَرَ اللّٰهُ لَكَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ فَقَالَ: يَا عَائِشَةُ، أَلَا أَكُونُ عَبْدًا شَكُورًا؟ قَالَ: وَكَانَ رَسُولُ اللّٰهِ، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ، يَقُومُ عَلَى أَطْرَافِ أَصَابِعِ رِجْلَيْهِ، فَأَنْزَلَ اللّٰهُ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى: «طٰهٰ. مَا أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لِتَشْقَى.»[1]

ترجمہ: ابوبصیر نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ امام محمد باقرؑ نے فرمایا: حضرت رسولؐ خدا عائشہ کے پاس رات کو ان کی باری میں تھے کہ عائشہ نے کہا: اے خدا کے رسولؐ جب خدا نے آپؐ کے گزشتہ اور آئندہ سارے گناہ معاف کر دیئے ہیں

Presented by www.ziaraat.com

تو پھر آپ اپنے کو اتنی پریشانی میں کیوں ڈالتے ہیں؟ حضرت نے فرمایا: کیا میں خدا کا شکر گزار بندہ نہ بنوں؟ امام باقرؑ فرماتے ہیں: (درحقیقت) رسولؐ خدا (راتوں کو نماز پڑھتے ہوئے) اپنے پیروں کی انگلیوں کے بل کھڑے ہو جاتے تھے۔ تو خداوند عالم نے یہ آیت نازل فرمائی:

«طٰهٰ. مَا أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لِتَشْقَى.»[2]

"اے (میرے طیب وطاہر) رسولؐ ہم نے تم پر قرآن اس لئے نہیں اتارا کہ تم اس قدر مشقت برداشت کرو۔"

شرح: قد غفر اللہ لک: یہ قرآن کے سورۂ فتح کی اس آیت:

«إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُبِينًا. لِيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ»[3]

"(اے رسولؐ یہ حدیبیہ کی فتح نہیں بلکہ) ہم نے آپؐ کو کھلی ہوئی فتح اس لئے دی کہ خدا آپؐ (کی اُمت) کے اگلے اور پچھلے (تمام) گناہ معاف کر دے کی طرف اشارہ ہے۔"

یہ جان لیجئے کہ علمائے کرام نے اس آیت شریفہ کی ایسی توجیہات پیش کی ہیں جو عصمت حضرت رسولؐ سے منافات نہیں رکھتیں۔ علامہ مجلسیؒ نے جو توجیہات[4] پیش کی ہیں ان میں سے بعض کا میں یہاں پر ذکر کرتا ہوں۔ اس کے بعد اہل معرفت نے اپنے حسب مسلک جو کچھ بیان کیا ہے اس کا بھی اجمالاً ذکر کروں گا۔

علامہ مجلسیؒ نے فرمایا: اس آیت کی تاویل میں شیعوں کے کئی اقوال ہیں۔

۱ــــ ایک تو یہی ہے کہ اس سے مراد اُمت کے گناہ ہیں جو حضرت رسولؐ کی شفاعت سے بخش دیئے جائیں گے اور گناہ کی نسبت جو آنحضرتؐ کی طرف ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرتؐ اور ان کی اُمت میں جو اتصال ہے اس اتصال کی وجہ سے نسبت رسولؐ کی طرف دے دی گئی۔ اس احتمال کی تائید مفضل بن عمر کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے جو انھوں نے حضرت امام جعفر صادقؑ سے نقل کی ہے:

«قَالَ: سَأَلَهُ رَجُلٌ عَنْ هٰذِهِ الْآيَةِ، فَقَالَ: وَاللّٰهِ، مَا كَانَ لَهُ ذَنْبٌ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ سُبْحَانَهُ ضَمِنَ لَهُ أَنْ يَغْفِرَ ذُنُوبَ شِيعَةِ عَلِيٍّ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِمْ وَمَا تَأَخَّرَ»[5]

ایک شخص نے حضرت سے اسی آیت (ما تقدم الخ) کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا: خدا کی قسم رسولؐ خدا نے کوئی گناہ نہیں کیا لیکن خداوند عالم نے اس بات کی ضمانت دی ہے کہ

Presented by www.ziaraat.com

حضرت علیؑ کے شیعوں کے گناہوں کو بخش دے گا خواہ وہ ماضی کے گناہ ہوں یا مستقبل کے۔
اور اس روایت سے بھی تائید ہوتی ہے:

وَرَوٰی عُمَرُ بْنُ یَزِیْدَ عَنْهُ، عَلَیْهِ السَّلَامُ، قَالَ: مَا کَانَ لَهُ ذَنْبٌ، وَلَا هَمَّ بِذَنْبٍ؛ وَلٰکِنَّ اللّٰهَ حَمَّلَهُ ذُنُوْبَ شِیْعَتِهٖ ثُمَّ غَفَرَهَا لَهُ.»

حضرتؑ نے فرمایا: حضرت رسولؐ نے نہ تو گناہ کیا تھا اور نہ کبھی گناہ کا ارادہ کیا تھا۔ لیکن خداوندِ عالم نے ان کے شیعوں کے گناہوں کو ان کے اوپر لاد کر ان کی وجہ سے بخش دیا۔

امام خمینیؒ فرماتے ہیں: مسلکِ عرفان میں اس کی ایک اچھی توجیہ ہے جس کی طرف اجمالی اشارہ فائدہ سے خالی نہیں ہے۔ یہ بات سمجھ لیجئے کہ اپنی جگہ پر یہ مسئلہ مسلم ہے کہ انسانِ کامل کی ذات ثابت اسم اعظم "اللہ" ہے جو اُمّ اسماؤں کا امام ہے۔ اس کے علاوہ دیگر موجودات انسانِ کامل کے سایۂ ذات ہیں جو خارج میں (بھی) اور علم کے اندر (بھی) مقرر ہے اور عالمِ تحقق و خارج میں موجود ہے۔ اس لئے دائرۂ وجود کے تمام اعیان ذاتِ انسان کا خارج میں مظہر ہیں اور عالمِ ظہور میں تمام موجودات اسی (ذاتِ انسان) کے جلال و جمال کا مظہر ہیں۔ اس لئے عالمِ تحقق میں جو نقص بھی واقع ہو اور (ان) مظاہر سے چاہے جس گناہ کا ارتکاب ہو خواہ وہ گناہ تکوینی ہو یا تشریعی بہ حکمِ ظاہر و مظہر یہ سب کے سب بطورِ حقیقت و بے شائبۂ مجاز ظاہر کی طرف منسوب ہیں اگرچہ «مَا أَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَفْسِكَ» [6] "اور جب تم کو کوئی تکلیف پہونچے تو (سمجھو کہ) خود تمہاری بدولت ہے" اور «قُلْ كُلٌّ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ» "(اے رسولؐ) آپ کہہ دیجئے سب خدا کی طرف سے ہے"۔ (یہ سب اپنی جگہ پر حقیقت ہے)

حدیثوں میں بھی اس مطلب کی طرف کافی اشارہ ہے چنانچہ ارشاد ہے: «نَحْنُ السَّابِقُونَ الْآخِرُونَ.» [8] "ہم ہی سب سے اوّل ہیں اور ہم ہی سب سے آخر ہیں"۔ (نیز دوسری جگہ) ارشاد ہے: «آدَمُ وَمَنْ دُوْنَهُ تَحْتَ لِوَائِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ.» [9] "آدمؑ اور ان کے علاوہ دیگر انبیا قیامت کے دن (سب کے سب) میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے" اور اسی طرح ارشاد ہے: «أَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ رُوْحِي. يَا. نُوْرِي» "سب سے پہلے خدا نے ہماری روح یا ہمارے نور کو پیدا کیا" اور (نیز ارشاد ہے) «سَبَّحْنَا فَسَبَّحَتِ الْمَلَائِكَةُ؛ قَدَّسْنَا فَقَدَّسَتِ الْمَلَائِكَةُ.» [10] "(جب) ہم نے تسبیح کی تو ملائکہ نے بھی تسبیح کی؛ ہم نے تقدیسِ الٰہی کی پھر (ہم کو

Presented by www.ziaraat.com

دیکھ کر) ملائکہ نے تسبیح کی" اور (اسی طرح) فرماتے ہیں: «لَوْلَانَا مَا عُرِفَ اللّٰهُ.» ۱۳ (اگر ہم نہ ہوتے تو خدا کی معرفت نہ ہو سکتی) اور (حدیث قدسی میں) ارشاد ہے: «لَوْلَاکَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاکَ» ۱۴ (اے رسولؐ) اگر تم کو پیدا کرنا مقصود نہ ہوتا تو افلاک کو پیدا نہ کرتا اور (یہ بھی) ارشاد ہے: «نَحْنُ وَجْهُ اللّٰهِ.» ۱۵ "ہم ہی وجہ اللہ ہیں"۔

ایک حدیث میں ہے کہ رسولؐ خدا بمنزلہ درخت کے تنے کے ہیں اور ائمہ معصومینؑ اس کی شاخ ہیں اور شیعہ اس کے پتے ہیں ۱۶ پس شجرۂ طیبہ ولایت کی زینت مظاہر سے ہے اور جن مظاہر میں نقصان ہوگا وہ شجرۂ طیبہ میں نقصان ہوگا۔

لہٰذا تمام موجودات کے گناہ ولی مطلق کے گناہ ہیں اور خداوند عالم نے اپنی رحمت تامہ اور اپنی اس بخشش کی بنا پر جو بنی رحمت پر شامل ہے: ارشاد فرمایا "گزشتگان کے جتنے بھی گناہ ہیں وہ اور اس کے بعد واقع ہونے والے گناہوں کو اپنی مغفرت تامہ کے تحت لے لے گا اور (اے رسولؐ) تمہاری شفاعت کی وجہ سے تمام دائرۂ تحقق اپنی سعادت کاملہ کو حاصل کرے گا:

«وَاَنْتَ خَيْرُ مَنْ يَشْفَعُ اَرْحَمُ الرَّاحِمِيْنَ.» ۱۷ "جو سب سے آخر میں شفاعت کرے گا وہ تمام مہربانوں میں سب سے زیادہ مہربان ہے"۔

اس مسلک کی بنا پر یہ آیت: «وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى.» ۱۷ (اور تمہارا پروردگار عنقریب اتنا عطا کرے گا کہ تم خوش ہو جاؤ) کی طرح کی ہے اور اسی آیت (يُعْطِيْكَ رَبُّكَ) کے بارے میں کہا گیا ہے: «اَرْجٰى آيَةٍ فِي الْقُرْاٰنِ.» ۱۸ قرآن میں سب سے زیادہ پُر امید آیت یہی ہے ۔ اب اس مسلک کی بنا پر "گزشتہ گناہوں" سے مراد سابق امتوں کے گناہ بھی ہو سکتے ہیں کیونکہ ساری امتیں حضرت رسولؐ کی امت ہیں اور تمام انبیاؑ کی دعوت ختم المرسلین کے شریعت کی دعوت ہے اور سب ہی ولی مطلق کے مظاہر ہیں آدمؑ ہوں یا ان کے علاوہ یہ سب ہی شجرۂ ولایت کے پتے ہیں۔

۲ــــ دوسری تاویل سید مرتضیٰؒ ۱۹ نے یہ فرمائی ہے کہ ذنب مصدر ہے اور مصدر کی اضافت فاعل و مفعول کی طرف جائز ہے۔ یہاں پر ذنب مفعول کی طرف مضاف ہے اور مقصود یہ ہے کہ مشرکین نے آپؐ کو آپؐ کے مکہ سے ہجرت کرکے اور مسجد الحرام سے روک کر جو گناہ کیا ہے خدا اس کو محو و زائل کر دے گا اور اس کو ختم کر دے گا۔ اس صورت میں مغفرت کا مطلب دشمنوں کے احکام کو منسوخ کر دینے کے اور زائل کر دینے کے ہیں یعنی جو عار تم کو لاحق ہو گیا ہے فتح مکہ کے ذریعہ

Presented by www.ziaraat.com

اس کو ختم کر دے گا اور زائل کر دے گا اور اس کے بعد تم بہت جلد مکہ میں فاتح ہو کر داخل ہو گے۔ اسی لئے مغفرت اور غفران کو جہاد کی جزا اور فتح کا فائدہ قرار دیا گیا ہے۔[20]

سیدؒ فرماتے ہیں اگر مغفرت سے مراد (ازالۃ نہ ہو بلکہ) گناہوں کی بخشش مراد ہو تو اس آیت کا کوئی معقول مطلب نہیں ہو گا کیونکہ (فتح مکہ) سے گناہوں کی مغفرت کا کیا تعلق؟ اور اس کا کوئی فائدہ بھی نہیں ہے اور ماتقدم و ماتاخر میں کوئی مانع نہیں ہے کہ اس سے زمان گزشتہ میں مخالفین نے جو افعال قبیح آپ کے اور آپ کی قوم کے ساتھ کئے ہیں اس کو مراد لیں۔[21]

۳ــــ تیسری تاویل یہ ہے کہ اے رسولؐ اگر زمان قدیم میں یا اس کے بعد بھی تمہارا کوئی گناہ ہوتا تو میں اس کو بخش دوں گا اور ظاہر ہے کہ قضیۂ شرطیہ وقوع طرفین کے صدق کو مستلزم نہیں ہوا کرتا۔

۴ــــ گناہ سے مراد ترک مستحب ہے اس لئے کہ آنحضرتؐ کے واجبات تو کبھی ترک نہیں ہوئے اور آپ کی علو مرتبت و رفعت شان کی بنا پر جو چیزیں دوسروں کے لئے گناہ نہ ہوں ان کو آنحضرتؐ کے لئے گناہ سمجھا جائے۔

۵ــــ یہ آیت حضرتؐ کی تعظیم کے لئے واقع ہے اور حسن خطاب کے عنوان پر ہے جیسے کہا جاتا ہے غَفَرَ اللّٰهُ لَكَ خدا آپ کو معاف کر دے (اس کا یہ استعمال نہیں ہے کہ کوئی گناہ کئے ہو جب ہی غَفَرَ اللّٰهُ لَكَ کہا جائے)

۶ــــ علامہ مجلسیؒ فرماتے ہیں:

«وَقَدْ رَوَى الصَّدُوقُ فِي الْعُيُونِ بِإِسْنَادِهِ عَنْ عَلِيِّ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ الْجَهْمِ قَالَ: حَضَرْتُ مَجْلِسَ الْمَأْمُونِ وَعِنْدَهُ الرِّضَا، عَلَيْهِ السَّلَامُ، فَقَالَ لَهُ الْمَأْمُونُ: يَا ابْنَ رَسُولِ اللّٰهِ، أَلَيْسَ مِنْ قَوْلِكَ أَنَّ الْأَنْبِيَاءَ مَعْصُومُونَ؟ قَالَ: بَلَى. قَالَ: فَمَا مَعْنَى قَوْلِ اللّٰهِ: «لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ؟ قَالَ الرِّضَا، عَلَيْهِ السَّلَامُ: لَمْ يَكُنْ أَحَدٌ عِنْدَ مُشْرِكِي مَكَّةَ أَعْظَمَ ذَنْباً مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ، لِأَنَّهُمْ كَانُوا يَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ ثَلَاثَمِائَةٍ وَسِتِّينَ صَنَماً، فَلَمَّا جَاءَهُمْ، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ، بِالدَّعْوَةِ إِلَى كَلِمَةِ الْإِخْلَاصِ، كَبُرَ ذَلِكَ عَلَيْهِمْ وَعَظُمَ، وَقَالُوا: «أَجَعَلَ الْآلِهَةَ إِلٰهاً وَاحِداً إِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ.» إِلَى قَوْلِهِ:

Presented by www.ziaraat.com

وإنْ هٰذا الّا اختلاقٌ.[۲۲] فلمّا فتح اللّٰهُ تعالٰی علٰی نبیّهٖ، صلّی اللّٰهُ علیهِ وآلهِ، مکّةَ، قال لهٗ: یا مُحمّدُ، إنّا فتحنا لکَ فتحاً مُبیناً. لیغفرَ لکَ اللّٰهُ ما تقدّمَ مِنْ ذنبکَ وما تأخّرَ، عِندَ مُشرکي أهلِ مکّةَ بِدُعائکَ إلی توحیدِ اللّٰهِ فیما تقدّمَ وما تأخّرَ لأنّ مُشرکي مکّةَ أسلمَ بعضُهُمْ، وخرجَ بعضُهُمْ عنْ مکّةَ؛ ومَنْ بقيَ مِنهُمْ لَمْ یقدِرْ علٰی إنکارِ التّوحیدِ علیهِ إذا دعا النّاسَ إلیهِ؛ فصارَ ذنبُهٗ عِندَهُمْ في ذٰلکَ مغفوراً بِظُهورِهٖ علیهِمْ. فقالَ المأمونُ: لِلّٰهِ درُّکَ یا أبَا الحسنِ![۲۳]

اپنے اسناد کے ساتھ عیون کے اندر شیخ صدوقؒ نے علی بن محمد بن الجہم سے روایت کی ہے کہ وہ کہتے ہیں: میں مامون کے دربار گیا (دیکھا تو) وہاں حضرت امام رضاؑ بھی تشریف فرما ہیں۔ مامون نے کہا: فرزندِ رسولؐ کیا آپ کا عقیدہ یہ نہیں ہے کہ انبیا معصوم ہوتے ہیں؟ حضرت نے فرمایا: ہاں۔ مامون نے کہا: پھر لِیَغْفِرَ لَکَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِکَ وَمَا تَأَخَّرَ کا کیا مطلب؟ حضرت امام رضاؑ نے فرمایا: مشرکین مکہ کے نزدیک رسولؐ خدا سے بڑا کوئی گنہگار نہیں تھا کیونکہ وہ لوگ ۳۶۰ بتوں کو پوجتے تھے جب رسولؐ خدا نے کلمۂ توحید کی دعوت کی تو یہ بات ان لوگوں کو بہت ناگوار گزری اور کہنے لگے: کیا سارے خداؤں کو ایک خدا کر دیا یہ تو بہت ہی عجیب بات ہے یہاں سے لے کر اِنْ هٰذَا اِلَّا اخْتِلَاقٌ تک (یعنی یہ سب من گڑھت ہے) پھر جب خدا نے اپنے رسولؐ کو فتح دی تو کہا: اے رسولؐ آپ جو لوگوں کو توحید کی طرف قبل و بعد بلاتے تھے اور اس بلانے کی وجہ سے مشرکین مکہ کے نزدیک آپؐ سب سے بڑے گنہگار تھے تو خدا نے مکہ کی فتح دے کر آپؐ کے سارے اگلے پچھلے گناہ معاف کر دیئے۔ کیوں کہ مشرکین مکہ میں سے کچھ تو اسلام لائے۔ بعض مکہ سے چلے گئے اور جو رہ گئے ان میں توحید کے انکار کی طاقت نہیں رہ گئی تھی۔ پس ان پر غلبہ حاصل کرنے کے بعد گویا رسولؐ کے سارے گناہ دھل گئے اور آپؐ انکے نزدیک گنہگار نہیں رہ گئے۔ اس پر مامون بولا: خدا آپؑ کو اچھی جزا دے اے ابوالحسن۔

امام خمینیؒ فرماتے ہیں: یہ چھٹی تاویل ہے جس کا استفادہ حدیث سے کیا گیا۔ خلاصہ یہ ہوا کہ آنحضرتؐ جو کفار کے زعم فاسد میں گنہگار تھے خدا نے ان کے گناہوں کو بخش دیا۔

Presented by www.ziaraat.com

پہلی فصل

آیت کی عرفانی توجیہ

یہ جان لو کہ اہلِ عرفان کے مسلک اور اصحابِ قلوب کے مذہب کی بنا پر اس آیت کی ایک توجیہ ہے۔ جس کی توضیح کے لئے ان کی زبان زد اصطلاح "فتوحاتِ ثلاثہ" کا ذکر ضروری ہے۔ لہٰذا عرض ہے کہ ابوابِ معارف و عوارف اور علوم و مکاشفات کا خدا کی طرف سے بند ہونے کے بعد کھل جانے کا نام "فتح" ہے۔ جب تک انسان نفس کے تاریک حجرہ میں ہے اور تعلقاتِ نفسانیہ سے وابستہ ہے معارف و مکاشفات کے تمام دروازے اس کیلئے بند ہوتے ہیں اور جیسے ہی ریاضتوں کی قوت اور ہدایتوں کے انوار کے سبب اس تاریک مکان سے خارج ہوا اور نفس کی منزلوں کو طے کر لیا بابِ قلب اس کے سامنے فتح ہو جاتا ہے اور اس کے قلب میں معارف کا ظہور ہونے لگتا ہے اور وہ "مقامِ قلب" کا دارا ہو جاتا ہے تو اسی فتح کو "فتح قریب" کہا جاتا ہے۔ اس لئے کہ یہ فتوحات کی ابتدا ہے اور ان میں سب سے زیادہ قریب ہے اور اصحابِ قلوب آیۂ مبارکہ: "نَصْرٌ مِنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِيبٌ" ۱۴ کو اسی "فتح" کے لئے اشارہ قرار دیتے ہیں۔ البتہ یہ بات ضروری ہے کہ یہ سب خدا کی مدد اور نورِ ہدایت اور اسی جذبہ سے یہ فتح اور دوسری فتوحات واقع ہوتی ہیں اور جب تک سالک عالم قلب میں ہوتا ہے اور رسوم و تعینات قلبیہ اس میں حکم فرما ہوتے ہیں اس وقت تک باب اسماء و صفات اس پر بند رہتے ہیں۔

پھر جب رسوم عالمِ قلب کے اسمائی و صفاتی تجلیات فنا ہو جاتے ہیں اور صفاتِ قلب کے تجلیات و کمالات اس کو فنا کر دیتے ہیں تو "فتح مبین" کا ظہور آتا ہے اور باب اسماء و صفات اس کے لئے مفتوح ہو جاتے ہیں۔ حس اور نفسانی متقدم رسوم اور قلبی متاخر رسوم (و آثار) سب زائل و فنا ہو جاتے ہیں اور اسماء کے ستاریت و غفاریت کے تحت مغفور ہو جاتے ہیں اور کہا جاتا ہے کہ "اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا. لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ" اسی فتح کی طرف اشارہ ہے اور آیت کا مطلب یہ ہے: ہم نے عالمِ اسماء و صفات کی کھلی ہوئی فتح تم کو اسلئے عطا کی تاکہ اسمائے الٰہی کی غفاریت کے تحت نفسانی ذنوب متقدمہ اور ذنوب قلبیہ متاخرہ مغفور ہو جائیں اس کو فتحِ بابِ ولایت کہا جاتا ہے۔

اس کے بعد جب تک سالک کثرتِ اسمائی اور تعیناتِ صفاتی کے حجابوں میں رہتا

Presented by www.ziaraat.com

ہے تجلیاتِ ذاتیہ کے دروازے اس پر بند رہتے ہیں اور جب اس کے لئے تجلیاتِ ذاتیہ احدیہ ہوجاتے ہیں اور تمام رسوم خلقیہ وامریہ فنا ہوجاتے ہیں اور بندہ "عینِ جمع" میں مستغرق ہوجاتا ہے تب فتح مطلق ہوجاتا ہے اور ذنب مطلق مغفور ہوجاتا ہے اور تجلی احدی کی وجہ سے ذنب ذاتی جو تمام ذنوب کا مبدا ہے مستور ہوجاتا ہے۔ "وُجُودُکَ ذَنْبٌ لَا یُقَاسُ بِهٖ ذَنْبٌ"۔ "۲۵ تیرا وجود خود ایسا گناہ ہے جس کا قیاس کسی گناہ سے نہیں کیا جاسکتا"۔ اور یہ حضرات کہتے ہیں کہ:

"اِذَا جَاءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ۔" "۲۶ اسی فتح کی طرف اشارہ ہے"۔

پس فتح قریب سے معارفِ قلبیہ کے دروازے کھل جاتے ہیں اور ذنوب نفسیہ مغفور ہوجاتے ہیں اور فتح مبین کے ساتھ ابوابِ ولایت وتجلیاتِ الٰہیہ مفتوح ہوجاتے ہیں اور ذنوب نفسیہ متقدمہ کے بقایا اور قلبیہ متاخرہ کے بقایا ذنوب بخش دیئے جاتے ہیں اور فتح مطلق کے ساتھ تجلیاتِ ذاتیہ احدیہ فتح ہوجاتے ہیں اور ذنب مطلق ذاتی مغفور واقع ہوجاتا ہے۔

ایک یہ بات بھی ملحوظ رکھنا چاہیئے کہ فتح قریب اور فتح مبین (یہ دونوں) اولیا، انبیا، اہلِ معارف سب ہی کے لئے عام ہیں۔ لیکن "فتح مطلق" خاتمیت کے مقامات خاصہ میں سے ہے۔ "یہ مرتبہ کسی کو حاصل نہیں ہوتا" اور اگر کسی کو حاصل ہوجائے تو وہ ضمنی ہوتا ہے اور سرورِ کائنات کی شفاعت سے حاصل ہوتا ہے۔

اس تفصیل سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ گناہوں کے بھی مرتبے ہیں، بعض تو ایسے گناہ ہیں جو ابرار کے لئے حسنات شمار ہوتے ہیں اور بعض گناہ مخلص حضرات کیلئے گناہ ہیں۔ کہا جاتا ہے حضورِ سرورِ کائنات نے فرمایا: لَیُرَانُ (أَوْ لَیُغَانُ) عَلٰی قَلْبِي وَاِنِّي لَأَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ فِي كُلِّ یَوْمٍ سَبْعِیْنَ مَرَّةً۔ "۲۷ کبھی میرے دل پر ایک ابر سا چھا جاتا ہے اور میں (بغیر کسی گناہ کے) روزانہ ستر مرتبہ استغفار کرتا ہوں"۔ اور یہ ابر (کدورت) کثرت کی طرف توجہ سے پیدا ہوسکتی ہے۔ لیکن یہ از قبیل خواطر ہوتی ہے جو بہت جلد زائل ہوجاتی ہے۔ حدیث میں ہے۔ جب تک رسولؐ خدا چالیس مرتبہ استغفار نہیں کرلیتے تھے کسی بھی نشست سے باہر تشریف نہیں جاتے تھے۔ "۲۸

ان حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے کہ استغفار صرف ان گناہوں کے لئے مخصوص نہیں ہے جو عصمت کے منافی ہوتے ہیں۔ (اسی طرح) مغفرت اور ذنب سے مراد عرفی اصطلاحات نہیں ہیں۔ لہٰذا یہ آیت آنحضرتؐ کے مقامِ معنوی کے منافی نہیں ہے۔ بلکہ اس کی موکد ہے۔ اس لئے کہ سلوکِ معنوی اور مدارج سے عبور اور کمالِ انسانی کے اوج تک پہونچنے کے لوازمات میں سے مقامات

Presented by www.ziaraat.com

و مدارج کے لوازم کے گناہوں کا بخشا جانا ہے۔ کیونکہ جو موجود بھی اس عالم میں ہے وہ اسی مادہ جسمانیہ اور نشۂ ملکیہ کی پیداوار ہے اور اس میں تمام شئون ملکی حیوانی و بشری و انسانی موجود ہیں۔ بعض بالقوۃ ہیں اور بعض بالفعل ہیں۔ پس اگر وہ اس عالم سے دوسرے عالم کی طرف اور وہاں سے قرب مطلق کا سفر کرنا چاہتا ہے تو ان مدارج کو طے کر کے منازل متوسطہ سے کوچ کرے اور جس مرتبہ میں بھی پہونچے اس سے پہلے والے مرتبہ کے ذنوب مغفور واقع ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ تجلیات ذاتیہ احدیہ کے تحت (اس کے) تمام ذنوب بخشے جائیں اور ذنب وجودی جو تمام ذنوب کا مبداء و منشا ہے ظل کبریائے احدی میں مستور ہو جائے اور یہ کسی موجود کے کمال کا انتہائے عروج ہے۔ اس جگہ پہونچ کر موت اور فنائے تام واقع ہوتی ہے۔ اسی لئے جب آیۂ مبارکہ اِذَا جَاءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ۔ نازل ہوئی تو رسول اکرمؐ نے فرمایا یہ سورہ میرے موت کی[29] اطلاع ہے وَاللّٰهُ الْعَالِمُ

دوسری فصل

شکر کی حقیقت

یہ جان لو کہ منعم کی نعمت کی قدر دانی کا نام شکر ہے۔ اس قدر دانی کے آثار دل میں ایک طرح ظاہر ہوتے ہیں اور زبان میں ایک طرح سے اور افعال و اعمال قالبیہ میں ایک طرح سے قلب میں اس کے آثار خضوع، خشوع، محبت، خشیت وغیرہ کی طرح کے ہوتے ہیں اور زبان پر اس کے آثار حمد و ثنا و مدح کے عنوان سے ظاہر ہوتے ہیں اور اعضا و جوارح میں اس کے آثار اطاعت اور مرضی منعم کے مطابق اعضا کا استعمال کرنا ہے۔

راغب[30] (اصفہانی) سے منقول ہے: نعمت کا تصور اور اس کے اظہار کا نام شکر ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ شکر "کَشْر" کا مقلوب ہے اور کشر کے معنیٰ "کشف" کے ہیں اور اس کا ضد "کفر" ہے جس کے معنیٰ نسیان نعمت اور اس کے چھپانے کے ہیں۔ (اسی لئے) دابہ شکور اس جانور کو کہا جاتا ہے جو اپنے موٹاپے کی وجہ سے اپنے مالک کی نعمت کا اظہار کرے اور کہا گیا ہے کہ اس کی اصل عین شکری ہے جس کے معنیٰ ممتلئہ (بھری ہوئی) کے ہیں۔ بنابریں شکر کا مطلب ذکر منعم سے پُر ہونا ہیں۔

Presented by www.ziaraat.com

شکر کی تین قسمیں ہیں

۱۔ شکرِ قلب: اور وہ تصورِ نعمت ہے ۲۔ شکرِ زبان: اور وہ ثنائے منعم کا نام ہے
۳۔ شکرِ اعضا: اور وہ بقدر استحقاق نعمت کی جزا دینا ہے۔[۳۱]

عارف محقق خواجہ انصاری[۳۲] فرماتے ہیں: شکر معرفتِ نعمت کا نام ہے کیونکہ یہی منعم کی معرفت کا طریقہ ہے۔[۳۳] اور شارحِ محقق فرماتے ہیں: منعم کی نعمت کا تصور اور یہ پہچاننا کہ یہ نعمت اسی کی ہے یہی عین شکر ہے چنانچہ حضرت داؤد علیہ السلام سے روایت ہے کہ انھوں نے کہا: معبود میں تیرا شکر کیونکر ادا کروں کیونکہ تیرا شکر ادا کرنا یہ خود دوسری نعمت ہے اس کا شکر ضروری ہے۔ اس کے جواب میں خدا نے ان کی طرف وحی فرمائی: (اے داؤد) جب تم نے یہ سمجھ لیا کہ جو بھی نعمت تم کو ملتی ہے وہ خدا کی طرف سے ہے تو تم نے میرا شکر ادا کر دیا۔[۳۴]

امام خمینیؒ فرماتے ہیں: محققین نے جو کچھ بھی ذکر کیا ہے وہ مبنی بر مسامحہ ہے کیونکہ محض قلب سے معرفت اور زبان سے اظہار اور اعضا و جوارح سے عمل کا نام شکر نہیں ہے بلکہ شکر ایک ایسی حالتِ نفسانیہ ہے کہ وہ حالت خود منعم اور نعمت کی معرفت اور اس بات کی معرفت کہ یہ نعمت منعم کی طرف سے ہے" اس بات کا اثر ہے اور اس حالت کا ثمرہ اعمال قلبیہ و قالبیہ ہیں۔ چنانچہ بعض محققین نے تقریباً یہی بات کہی ہے اگرچہ ان کا قول بھی مسامحہ سے خالی نہیں ہے۔ انھوں نے کہا ہے: قول و فعل و نیت سے نعمت کا مقابلہ کرنا شکر ہے اور اس کے تین ارکان ہیں۔

پہلا رکن: منعم اور اس کے مناسب صفات کی معرفت اور نعمت کی اس حیثیت سے معرفت کہ وہ نعمت ہے اور یہ معرفت اس وقت تک کامل نہیں ہوتی جب تک یہ نہ جان لے کہ تمام ظاہری و مخفی نعمتیں خدا کی طرف سے ہیں اور اسی کی ذاتِ مقدس منعم حقیقی ہے اور وسائط جو بھی ہوں وہ سب اس کے حکم مطیع و تابع ہیں۔

دوسرا رکن: وہ حالت جو اس معرفت کا ثمرہ ہے یعنی خضوع و خشوع اور نعمت پر اس اعتبار سے سرور کہ یہ ہدیہ ہے جو منعم کی عنایت پر دلالت کرتا ہے اور اس کی پہچان یہ ہے کہ دنیا کی جو چیز قربِ حق کی موجب ہو اس کے علاوہ کسی بھی چیز پر خوش نہ ہو۔

تیسرا رکن: وہ عمل ہے جو اس حالت کا ثمرہ ہوا کرتا ہے اس لئے کہ جب یہ حالت

Presented by www.ziaraat.com

دل میں پیدا ہوتی ہے تو قلب کے اندر ایک ایسی حالت نشاط پیدا ہو جاتی ہے جو اس عمل کا موجب بنتی ہے جو قربِ حق کا سبب بنے اور وہ عمل قلب، زبان و دیگر اعضا (سب ہی) سے متعلق ہوتا ہے۔

۱۔ عملِ قلب سے مُراد منعم کی تمجید و تحمید و تعظیم کا قصد اور اس کے صنائع و افعال و آثارِ لطف میں غور و فکر کرنا ہے اور اس کے تمام بندوں پر خیر و احسان کرنے کا قصد ہے۔

۲۔ عملِ زبان: اس سے مُراد تحمید و تمجید و تسبیح و تہلیل کے ذریعہ اظہارِ مقصود کرنا اور امر بہ معروف و نہی از منکر کرنا ہے۔

۳۔ عملِ اعضا: اس کی طاعت و عبادت میں ظاہری و باطنی نعمتوں کا استعمال اور اس کی معصیت و مخالفت سے بچنے کے لئے ان نعمتوں سے استعانت کرنا۔ مثلاً آنکھوں کو اس کی مصنوعات کے مطالعہ میں اور قرأت قرآن میں اور انبیا و اوصیا علیہم السلام سے منقول علوم کے تذکر میں استعمال کرنا اسی طرح دیگر اعضا و جوارح انتہیٰ کلامہ مترجماً۔[۳۵]

تیسری فصل

شُکر کس طرح ہو

یہ جان لو کہ: عبودیت و بندگی کے لازمی فریضہ میں ایک چیز خداوندِ عالم کی ظاہری و باطنی نعمتوں کا اپنی مقدور بھر اور ممکن صورت سے شکر ادا کرنا ہے۔ اگرچہ خدا کا شکر کسی بھی مخلوق سے ناممکن ہے۔ بس انتہائے شکریہ ہے کہ انسان یہ سمجھ لے کہ ہم اس کا حق شکر نہیں ادا کر سکتے جیسے کہ انتہائے عبودیت بھی یہی ہے آدمی کو یہ معرفت حاصل ہو جائے کہ ہم اس کی حق بندگی نہیں ادا کر سکتے۔ جیسا کہ خود آنحضرتؐ نے اپنی عاجزی کا اعتراف کیا ہے۔[۳۶] حالانکہ کائنات کا کوئی موجود حضور سرورِ کائناتؐ کی طرح نہ خدا کی بندگی کر سکتا ہے نہ اس کا شکر بجا لا سکتا ہے۔ اس لئے کہ شکر کا کمال یا نقص معرفتِ منعم اور اس کی نعمتوں کے عرفان کے کمال و نقص کا تابع ہے۔ اس لئے کوئی بھی حق شکر ادا نہیں کر سکتا۔

انسان اسی وقت عبدِ شکور ہو سکتا ہے "اور حق شکر ادا کر سکتا ہے" جب وہ خلق

Presented by www.ziaraat.com

کے حق سے ارتباط کو اور رحمتِ حق کے پھیلاؤ کو ابتدائے ظہور سے اختتام تک، نعمتوں کے باہمی ارتباط کو، وجود کی ابتدا و انتہا کو کما حقہ جانتا ہو اور یہ علم و معرفتِ خدا کے مخلص اولیا میں میں سب سے افضل و اشرف ذاتِ نبیؐ برحق ہے ان کو بھی حاصل نہیں ہے۔ رہے باقی لوگ تو وہ اس کے بعض مراتب بلکہ بیشتر و بزرگ تر مراتب سے محجوب ہیں۔ بلکہ (معرفت تو درکنار) جب تک بندہ کے قلب کے دروازے تک سریانِ الوہیت کی حقیقت اپنا نقش نہ ثبت کر دے اور مُؤَثِّرٌ فِي الْوُجُودِ إِلَّا اللّٰهُ" وجود کے اندر خدا کے سوا کوئی مؤثر نہیں ہے" پر ایمان نہ لائے اس کے دل میں شرک و شک کی جو کدورت ہے وہ شکرِ حق کو کما حقہ انجام نہیں دینے دے گی جس شخص کی نظر اسباب پر ہو، جو موجودات کی تاثیر کو مستقل جانتا ہو، جو نعمتوں کو دی نعمت اور اس کے مالک تک نہ پلٹائے وہ خدا کی نعمتوں کا کفران کرتا ہے۔ وہ تراشے ہوئے ہر ایک بت کو مؤثر سمجھتا ہے (وہ) کبھی اعمال کو اپنی طرف منسوب کرتا ہے بلکہ اپنے کو تمام امور میں متصرف سمجھتا ہے (وہ) کبھی عالم کون (و فساد) کے طبایع کو موثرات کہتا ہے۔ کبھی نعمتوں کو ان کے ارباب ظاہری صوری کی طرف منسوب کرتا ہے۔ (وہ) حق کو تصرف سے عاری سمجھتا ہے یداللہ کو بستہ خیال کرتا ہے۔ "غُلَّتْ أَيْدِيهِمْ وَلُعِنُوا بِمَا قَالُوا" [۳۸] انھیں کے ہاتھ باندھ انھیں اور ان کے (اس) کہنے پر خدا کی پھٹکار" خدا کا دستِ تصرف کھلا ہوا ہے اور پورا دائرۂ وجود در حقیقت اسی سے ہے دوسرے کا اس میں کوئی دخل نہیں ہے بلکہ تمام عالم ظہور و قدرت و نعمت اسی سے ہے اس کی رحمت ہر چیز کو شامل ہے اور ساری نعمتیں اسی کی ہیں کسی کی بھی کوئی نعمت نہیں ہے کہ وہ منعم ہو۔ بلکہ کائنات اسی سے ہے دوسروں کی کوئی ہستی نہیں ہے کہ اس کی طرف کوئی چیز منسوب ہو۔ لیکن آنکھیں اندھی ہیں کان بہرے ہیں دلوں پر غلاف چڑھے ہیں۔ "دیدہ میخواہم سبب سوراخ تکن" [۳۹]

آخر ہمارے مُردہ قلوب کب تک پروردگار کی نعمتوں کا انکار کرتے رہیں گے (اور کب تک) عالم اور اوضاعِ عالم اور اس کے اشخاص سے متعلق ہوتے رہیں گے؟ یہ تعلقات اور توجہات ذاتِ مقدس کی نعمتوں کا کفران ہے اور اس کی رحمتوں کو چھپانا ہے۔ اسی سے پتہ چل جاتا ہے کہ خدا کے شکر کا حق ادا کرنا ہر شخص کا کام نہیں ہے جیسا کہ خود خداوند عالم کا ارشاد ہوتا ہے: "وَقَلِيلٌ مِنْ عِبَادِيَ الشَّكُورُ" [۴۰] (اور میرے بندوں میں شکر کرنے والے بندے کم ہیں) اسی لئے حقِ شکر ادا کرنے والے بندے کم ہیں۔

یہ بھی جان لینا چاہیئے جس طرح بندوں کی معرفتیں مختلف ہیں ان کے شکر بھی مختلف ہیں۔

Presented by www.ziaraat.com

دوسری طرح یوں سمجھئے ایک اور اعتبار سے شکر کے مراتب مختلف ہیں کیونکہ شکر کا مطلب منعم کی نعمتوں کی ثنا کرنا ہے۔ اب اگر وہ نعمت از قسم نعمت ظاہری ہے تو اس کا ایک شکر ہے اور اگر باطنی نعمت ہے تو اس کا شکر ایک (دوسرا) ہے اور اگر وہ نعمت از قسم علوم و معارف ہے تو اس کا شکر دوسری طرح ہے اور اگر از قسم تجلیات اسمائی ہے تو اس کا شکر دوسری طرح کا ہے اور اگر از قسم تجلیات ذاتیہ احدیہ ہے تو اس کا شکر دوسری طرح ہے اور چونکہ نعمتوں کے تمام مراتب بہت ہی کم بندوں میں یکجا ہوتے ہیں لہٰذا تمام مراتب کا شکر کما حقہ ادا کرنا بہت ہی کم بندوں کے لئے ممکن ہے اور وہ خدا کے خالص ترین بندے ہیں جو تمام حضرات اور برزخ برازخ کے جامع اور تمام مراتب ظاہرہ و باطنہ کے حافظ ہیں۔ اسی لئے ان کا شکر تمام ظاہری و باطنی و سری زبانوں سے ہوتا ہے۔

علما نے اگرچہ شکر کے لئے کہا ہے کہ وہ مقاماتِ عامہ میں سے ہے اس لئے کہ منعم کی جزا دینے کے دعویٰ سے مقرون ہے۔ لیکن (درحقیقت) یہ ایک بے ادبی ہے۔ لیکن یہ دعوائے مقارنت غیر اولیا کے لئے ہے۔ بالخصوص ان کے لئے تو ہرگز نہیں ہے جو کامل ترین ہیں اور جامع حضرات اور مقامِ کثرت و وحدت کے حافظ ہیں۔ اسی لئے شیخ عارف خواجہ انصاری نے باوجود اس کہنے کے کہ "شکر مقاماتِ عامہ میں سے ہے" فرمایا:

«وَالدَّرَجَةُ الثَّالِثَةُ أَنْ لَا يَشْهَدَ الْعَبْدُ إِلَّا الْمُنْعِمَ. فَإِذَا شَهِدَ الْمُنْعِمَ عُبُودَةً، اِسْتَعْظَمَ مِنْهُ النِّعْمَةَ؛ وَإِذَا شَهِدَهُ حُبًّا، اِسْتَحْلَى مِنْهُ الشِّدَّةَ؛ وَإِذَا شَهِدَهُ تَفْرِيدًا، لَمْ يَشْهَدْ مِنْهُ نِعْمَةً وَلَا شِدَّةً.»[۴۰]

"یعنی شکر کا تیسرا درجہ یہ ہے کہ بندہ جمال منعم کے علاوہ کسی اور چیز کا مشاہدہ نہ کرے اور اس کے شہودِ جمال میں ڈوبا رہے۔ اور اس کے تین مقام ہیں۔ پہلا مقام: اس کا مشاہدہ اس طرح کرے جس طرح بندہ ذلیل اپنے آقا کا مشاہدہ کرتا ہے۔ اس مرتبہ پر پہونچ کر بندہ اپنے سے غافل ہو جاتا ہے اور ادب حضوری میں ڈوب جاتا ہے۔ اپنے لئے کسی قدر و مرتبہ کا قائل نہیں ہوتا اور جب وہ اپنے کو حقیر سمجھتا ہے تو اگر کوئی نعمت اس کو مل جائے تو اس کو بہت ہی عظیم اور اپنے کو حقیر اور اس کے لئے اہل نہیں سمجھتا۔

دوسرا مقام: اس کا مشاہدہ اس طرح ہوتا ہے جیسے دوست، دوست کا مشاہدہ کرتا ہے اس مرتبہ پر پہونچ کر انسان جمالِ محبوب میں مستغرق ہو جاتا ہے اور اس کی طرف سے جو ملے اور اس

Presented by www.ziaraat.com

سے جو دیکھے اس کو محبوب رکھتا ہے اور اس سے لذت حاصل کرتا ہے چاہے اس میں شدت و زحمت ہو۔

تیسرا مقام: اسمائی تعینات کے بغیر انفرادی حالت میں مشاہدہ کرنا ہے بلکہ وہ مشاہدۂ نفسِ ذات کرتا ہے۔ اس مرتبہ پر پہونچ کر انسان اپنے وپرائے سے غافل ہوجاتا ہے اور ذاتِ حق کے علاوہ اس کا کوئی مشہود نہیں ہوتا نہ وہ نعمت کو دیکھتا ہے نہ شدت کو۔ پس اس سے معلوم ہوا کہ اوائل مقامات میں سے سالک کا ہر مقام از سبیلِ عامہ ہوتا ہے۔ مگر آخری مقامات صرف خلص بلکہ اکمل سے اکمل کے لئے مخصوص ہوتا ہے۔

تکملہ

از روئے نقل شکر کی فضیلت

میں اس مقام کو شکر کی بعض حدیثوں کو ذکر کرکے مکمل کروں گا۔

«كافي بِاِسْنادِهِ عَنْ اَبي عَبْدِاللّٰهِ، عَلَيْهِ السَّلامُ، قالَ، قالَ رَسُولُ اللّٰهِ، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ: اَلطّاعِمُ الشّاكِرُلَهُ مِنَ الْأَجْرِ كَأَجْرِ الصّائِمِ الْمُحْتَسِبِ. وَالْمُعافي الشّاكِرُلَهُ مِنَ الْأَجْرِ كَأَجْرِ الْمُبْتَلى الصّابِرِ وَالْمُعْطَى الشّاكِرُلَهُ مِنَ الْأَجْرِ كَأَجْرِ الْمَحْرُومِ الْقانِعِ.»[۴۱]

حضرت امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں: رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کھانے کے بعد شکر کرنے والے کا اجر اس روزہ دار کے اجر کی طرح ہے جو راہِ خدا میں روزہ رکھے اور جو عافیت و سلامتی کی حالت میں خدا کا شکر کرے اس کا اجر اس شخص کی طرح ہے جو مبتلا ہو اور (اس ابتلا پر) صبر کرے اور نعمت ملنے کے بعد اس پر شکر کرنے والے کا اجر اس شخص کی طرح ہے جو عطا سے محروم ہو (مگر) اس بات پر قانع اور راضی ہو جو اس کو خداوندِ عالم نے دیا ہے۔

«وَبِاِسْنادِهِ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ الْوَلِيدِ قالَ سَمِعْتُ اَبا عَبْدِاللّٰهِ، عَلَيْهِ السَّلامُ، يَقُولُ:

Presented by www.ziaraat.com

ثَلاثٌ لا يَضُرُّ مَعَهُنَّ شَيْءٌ: اَلدُّعاءُ عِنْدَ الكَرْبِ؛ وَالاِسْتِغفارُ عَلَى الذُّنُوبِ؛ وَالشُّكْرُ عِنْدَ النِّعْمَةِ.»[۴۲]

راوی کہتا ہے میں نے امام جعفر صادقؑ کو فرماتے ہوئے سُنا: تین باتیں ایسی ہیں جن کے ساتھ کوئی چیز ضرر نہیں پہونچا سکتی ۱: کرب (و مصیبت) کے وقت دُعا کرنا ۲: گناہوں پر استغفار کرنا ۳: نعمت پر شکر کرنا۔

«وَبِإِسْنادِهِ عَنْ أَبِي بَصِيرٍ قالَ قالَ أَبُو عَبْدِاللّٰهِ، عَلَيْهِ السَّلامُ: إِنَّ الرَّجُلَ مِنْكُمْ لَيَشْرَبُ الشَّرْبَةَ مِنَ الْماءِ فَيُوجِبُ اللّٰهُ لَهُ بِها الْجَنَّةَ. ثُمَّ قالَ: إِنَّهُ لَيَأْخُذُ الإِناءَ فَيَضَعُهُ عَلى فِيهِ فَيُسَمّي، ثُمَّ يَشْرَبُ فَيُنَحّيهِ وَهُوَ يَشْتَهِيهِ فَيَحْمَدُ اللّٰهَ، ثُمَّ يَعُودُ فَيَشْرَبُ، ثُمَّ يُنَحّيهِ فَيَحْمَدُ اللّٰهَ، ثُمَّ يَعُودُ فَيَشْرَبُ ثُمَّ يُنَحّيهِ فَيَحْمَدُ اللّٰهَ، فَيُوجِبُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ بِها لَهُ الْجَنَّةَ.»[۴۳]

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: تم میں سے کچھ لوگ تھوڑا سا پانی پیتے ہیں اور اس کی وجہ سے خدا ان پر جنت واجب کر دیتا ہے اس کے بعد فرمایا: وہ شخص پانی پینے کا ظرف اُٹھا کر مُنہ سے لگاتا ہے اور بسم اللہ کہہ کر تھوڑا سا پانی پی کر ظرف کو الگ کر دیتا ہے حالانکہ ابھی اس کو پیاس لگی ہے پھر الحمد للہ کہتا ہے اور پلٹ کر پانی پیتا ہے پھر ظرف کو الگ کر کے حمد خدا کرتا ہے اور پھر تھوڑا سا پانی پی کر ظرف کو الگ کر دیتا ہے اور پھر پلٹ کر پانی پیتا ہے پھر ظرف کو الگ کر دیتا ہے اور حمد خدا کرتا ہے۔ پس خدا اس طرح پانی پینے کی وجہ سے اس پر جنت واجب کر دیتا ہے۔

اور حمد خدا شکر کے مساوی ہے جیسا کہ بہت سی روایات میں ہے کہ جس نے الحمد للہ کہا اس نے خدا کا شکر ادا کر دیا۔ چنانچہ کافی میں عمر بن یزید سے مروی ہے وہ کہتا ہے:

«قالَ: سَمِعْتُ أَبا عَبْدِاللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلامُ، يَقُولُ: شُكْرُ كُلِّ نِعْمَةٍ، وَإِنْ عَظُمَتْ، أَنْ تَحْمَدَ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ عَلَيْها.»[۴۴]

"میں نے امام جعفر صادقؑ کو فرماتے ہوئے سُنا: ہر نعمت کا شکر خواہ وہ کتنی ہی عظیم ہو الحمد للہ کہنا ہے۔"

Presented by www.ziaraat.com

«وَبِإِسْنَادِهِ عَنْ أَبِي عَبْدِاللّٰهِ، عَلَيْهِ السَّلَامُ، قَالَ: شُكْرُ النِّعْمَةِ اجْتِنَابُ الْمَحَارِمِ؛ وَتَمَامُ الشُّكْرِ قَوْلُ الرَّجُلِ: اَلْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ.» ۴۵

امام ششم نے فرمایا: نعمت کا شکر محرمات سے پرہیز کرنا ہے اور مکمل شکر «اَلْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ.» کہنا ہے۔

«وَبِإِسْنَادِهِ عَنْ حَمَّادِبْنِ عُثْمَانَ قَالَ خَرَجَ أَبُو عَبْدِاللّٰهِ، عَلَيْهِ السَّلَامُ، مِنَ الْمَسْجِدِ وَقَدْ ضَاعَتْ دَابَّتُهُ، فَقَالَ: لَئِنْ رَدَّهَا اللّٰهُ عَلَيَّ، لَأَشْكُرَنَّ اللّٰهَ حَقَّ شُكْرِهِ. قَالَ فَمَا لَبِثَ أَنْ أُتِيَ بِهَا، فَقَالَ: اَلْحَمْدُلِلّٰهِ. فَقَالَ لَهُ قَائِلٌ: جُعِلْتُ فِدَاكَ، أَلَيْسَ قُلْتَ لَأَشْكُرَنَّ اللّٰهَ حَقَّ شُكْرِهِ؟ فَقَالَ أَبُو عَبْدِاللّٰهِ، عَلَيْهِ السَّلَامُ: أَلَمْ تَسْمَعْنِي قُلْتُ: اَلْحَمْدُلِلّٰهِ.» ۴۶

حماد بن عثمان کہتے ہیں: امام جعفر صادقؑ مسجد سے باہر نکلے جبکہ حضرت کی سواری کا جانور گم ہو گیا تھا تو آپؑ نے فرمایا: اگر خدا نے میرے جانور کو واپس کر دیا تو میں اس کا شکر اس طرح ادا کروں گا جو شکر کرنے کا حق ہے راوی کہتا ہے تھوڑی ہی دیر میں وہ جانور لایا گیا تو حضرت نے کہا: اَلْحَمْدُلِلّٰهِ. اس پر ایک شخص نے کہا: آپؑ نے تو فرمایا تھا میں اس کا شکر اس طرح ادا کروں گا جو شکر کرنے کا حق ہے! حضرتؑ نے فرمایا: کیا تم نے نہیں سنا کہ میں نے اَلْحَمْدُلِلّٰهِ کہا تھا۔"

اس روایت سے معلوم ہوا کہ شکر لسانی کی افضل ترین فرد حمد الٰہی ہے اور شکر کے آثار میں سے نعمت کی زیادتی ہے جیسا کہ خود قرآن میں ہے: «لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ.» ۴۷

"اگر تم نے (میرا) شکر کیا تو میں اور زیادہ دوں گا۔"

کافی میں حضرت صادقؑ سے منقول ہے:

«قَالَ: مَنْ أُعْطِيَ الشُّكْرَ أُعْطِيَ الزِّيَادَةَ؛ يَقُولُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ: لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ.» ۴۸

"جو شکر کرے گا اس کو زیادتی ملے گی (کیونکہ) خدا کا کہنا ہے اگر تم نے شکر کیا تو میں زیادہ کروں گا۔"

Presented by www.ziaraat.com

تتمیم

بدانکہ (اُم المؤمنین) عائشہ کو یہ خیال تھا کہ عبادت کا راز عذاب کے خوف یا گناہوں کے مٹانے میں منحصر ہے۔ نیز ان کا یہ بھی خیال تھا کہ آنحضرتؐ کی عبادت بھی دوسرے لوگوں کی طرح ہے اس لئے (رسولِ خدا کی کثرتِ عبادت کو دیکھ کر آنحضرتؐ پر) اعتراض کیا کہ آپؐ اپنے کو کیوں اتنی زحمت و مشقت میں ڈالتے ہیں؟ ان کا یہ اعتراض عبادت و عبودیت کی عظمت سے جہالت کی بنا پر تھا۔ عظمتِ نبوت و رسالت کی جہالت کی بنا پر ان کو یہ (بھی) نہیں معلوم تھا کہ غلاموں اور مزدوروں کی عبادت اور آزاد کی عبادت یعنی آنحضرتؐ کی عبادت میں فرق ہے۔ خدا کی عظمت اور غیر متناہی نعمتوں کے شکر نے حضرتؐ سے راحت و آرام کو بہت دور کر دیا تھا۔ بلکہ خالص ترین اولیا کی عبادت محبوب کے بے پایاں تجلیات کا نقشہ ہے۔ چنانچہ نمازِ معراج ۴۹ میں اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ حضرتِ اولیا محوِ جمال و جلال ہونے اور اپنے کو صفات و ذات میں فنا کر دینے کے باوجود عبودیت کی کسی منزل و مرحلہ سے غفلت نہیں برتتے تھے۔ ان کے ابدان کی حرکات ان کی عشقی و روحانی حرکتوں کی تابع ہے اور وہ تابعِ جمالِ محبوب کے ظہور کی کیفیت (کا نام) ہے لیکن عائشہ جیسے لوگوں کو صرف اتنا ہی جواب دیا جا سکتا تھا اس لئے رسولؐ نے یہی کیا کہ پست ترین منزل کو بیان کرتے ہوئے بتایا کہ آنحضرتؐ کی عبادت بھی ان پست قسم کے اُمور کے لئے نہیں ہے۔

چوتھی فصل

«رَوَى عَلِيُّ بْنُ اِبْرَاهِيمَ فِي تَفْسِيرِهِ، بِاِسْنَادِهِ عَنْ اَبِي جَعْفَرٍ وَاَبِي عَبْدِاللّٰهِ، عَلَيْهِمَا السَّلَامُ، قَالَا: كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ اِذَا صَلّٰى قَامَ عَلٰى اَصَابِعِ رِجْلَيْهِ حَتّٰى تَوَرَّمَتْ؛ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى: «طٰهٰ» بِلُغَةِ طَيِّءٍ: يَا مُحَمَّدُ مَا اَنْزَلْنَا... اَلْآيَةَ.»[۵۰]

علی ابن ابراہیم نے اپنی تفسیر میں امام محمد باقرؑ اور امام جعفر صادقؑ سے روایت کی ہے

Presented by www.ziaraat.com

ان حضرات نے فرمایا: رسولؐ خدا نماز پڑھتے ہوئے اپنے دونوں پیروں کی انگلیوں پر کھڑے ہوجاتے تھے یہاں تک کہ ان میں ورم آگیا۔ پس خدا نے یہ آیت نازل فرمائی "طٰہٰ" اور وہ لغت بنی طی میں بمعنیٰ اے محمدؐ ہے۔

«وَعَنِ الصَّدُوقِ فِي مَعَانِي الْأَخْبَارِ بِإِسْنَادِهِ عَنْ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ، عَنِ الصَّادِقِ، عَلَيْهِ السَّلَامُ، فِي حَدِيثٍ طَوِيلٍ قَالَ فِيهِ: وَأَمَّا «طه» فَاسْمٌ مِنْ أَسْمَاءِ النَّبِيِّ، صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ؛ وَمَعْنَاهُ: يَا طَالِبَ الْحَقِّ الْهَادِي إِلَيْهِ.»[۵۱]

"امام جعفر صادقؑ سے ایک طویل حدیث میں سفیان ثوری نے روایت کی ہے کہ طٰہٰ رسولؐ خدا کے اسمائے گرامی میں سے ایک اسم ہے اور اس کا مطلب اے حق کے طالب اور حق کی طرف ہدایت کرنے والے کے ہیں۔"

ابن عباس[۵۲] اور بعض عامہ سے منقول ہے: طٰہٰ کے معنیٰ "اے مرد" کے ہیں۔[۵۳]

بعض عامہ سے منقول ہے (طاء) سے اشارہ ہے کہ آنحضرتؐ کا قلب غیرِ خدا سے طاہر ہے اور (ھا) سے اشارہ ہے کہ حضور کے قلب کی ہدایت خدا کی طرف ہوئی ہے۔[۵۴]

یہ بھی کہا گیا ہے کہ (طاء) طرب اہلِ بہشت کی طرف اشارہ ہے اور "ھا" ھوان (ذلت) اہلِ جہنم کی طرف اشارہ ہے۔[۵۵]

علامہ طبرسیؒ[۵۶] نے فرمایا: حسن سے منقول ہے کہ انھوں نے (طٰہٰ) بہ فتح طاء و سکون ھا سے) قرأت کی ہے۔ اگر یہ قرأت ان سے صحیح ہے تو طٰہٰ کی اصل "طاء" تھی ہمزہ کو "ھا" سے بدل دیا گیا ہے اور اس کا مطلب ہے اپنے دونوں پیروں سے زمین کو روندو۔[۵۷]

خلاصہ یہ ہے کہ جو حروف مقطعات سورتوں کے شروع میں آئے ہیں ان میں شدید اختلاف ہے اور جو بات اعتبار کے زیادہ موافق ہے وہ یہ ہے کہ یہ حبیب و محبوب کے درمیان کچھ اشارے ہیں جس کو کوئی بھی نہیں جانتا اور بعض مفسرین نے اپنے حدس و اندازہ سے جو بات کہی ہے وہ سب بے مدرک اور حدس بارد ہے۔ سفیان ثوری کی حدیث میں بھی رمز ہونے کی طرف اشارہ ہے[۵۸] اور یہ کوئی بعید بھی نہیں ہے کہ کچھ ایسی چیزیں ہوں جو فہم بشر سے خارج ہوں اور خداوند عالم نے اس سے مخصوص لوگوں کو مخاطب کیا ہو جیسے کہ متشابہ کا وجود بھی سب کے لئے نہیں ہے۔ بلکہ وہ لوگ صرف تاویل جانتے ہیں۔

Presented by www.ziaraat.com

شَقَا اور شقاوت (یہ دونوں) سعادت کی ضد ہیں اور اس کا مطلب تعب و زحمت ہے۔ جوہری نے کہا: «الشَّقَاءُ وَالشَّقَاوَةُ، بِالْفَتْحِ، نَقِيضُ السَّعَادَةِ.» شَقَا اور شقاوت شین کے فتحہ کے ساتھ سعادت کی ضد ہے۔

«وَرَوَى الطَّبْرِسِيُّ فِي الْاِحْتِجَاجِ عَنْ مُوسَى بْنِ جَعْفَرٍ، عَلَيْهِ السَّلَامُ، عَنْ آبَائِهِ، عَلَيْهِمُ السَّلَامُ، قَالَ قَالَ أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ، عَلَيْهِ السَّلَامُ: وَلَقَدْ قَامَ رَسُولُ اللّٰهِ، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ، عَشْرَ سِنِينَ عَلَى أَطْرَافِ أَصَابِعِهِ حَتَّى تَوَرَّمَتْ قَدَمَاهُ وَاصْفَرَّ وَجْهُهُ. يَقُومُ اللَّيْلَ أَجْمَعَ حَتَّى عُوتِبَ فِي ذٰلِكَ، فَقَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ: «طٰهٰ. مَا أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لِتَشْقٰى.» بَلْ لِتَسْعَدَ بِهِ.»[۵۹]

علامہ طبرسیؒ نے احتجاج میں حضرت علیؑ سے روایت کی ہے کہ حضرتؑ نے فرمایا: رسولؐ خداؐ دس سال تک (عبادتوں میں) اپنی انگلیوں کے سرے پر کھڑے رہے یہاں تک کہ آپؐ کے قدم مبارک پر ورم آگیا اور چہرے کا رنگ زرد ہو گیا۔ تمام رات کھڑے رہتے تھے یہاں تک کہ خدا نے اس سے روکا اور فرمایا: "طٰہٰ مَا اَنزَلنَا عَلَیکَ القُرآنَ لِتَشقٰی بَل لِتَسعَدَ بِہٖ" یعنی اے میرے طیب و طاہر ہم نے قرآن اس لئے نہیں نازل کیا ہے کہ آپؐ تعب میں مبتلا ہو جائیں۔ ہم نے تو اس لئے نازل کیا ہے کہ آپؐ کو سعادت نصیب ہو۔

امام جعفر صادقؑ سے منقول ہے کہ رسولؐ خدا عبادت میں اپنے ایک پیر کو اٹھا لیتے تھے تاکہ تعب و زحمت زیادہ ہو جائے۔ پس خداوند عالم نے اس آیت کو نازل کیا۔[۶۱]

بعض مفسرین نے کہا ہے کہ مشرکین رسولؐ خدا کو کہا کرتے تھے ہمارا دین چھوڑ دینے کی وجہ سے رسولؐ زحمت میں پڑ گئے تو خدا نے ان کے جواب میں فرمایا: طٰہٰ ما انزلنا علیک القرآن الخ....[۶۲]

شیخ عارف کامل شاہ آبادی دام ظلہ کہا کرتے تھے کہ جب رسولؐ خدا نے ایک مدت تک لوگوں کو دعوت دی اور اس کا اثر اتنا نہ ہوا جتنا حضورؐ چاہتے تھے تو حضرتؐ نے احتمال دیا ہو سکتا ہے میری دعوت میں کوئی نقص ہو لہٰذا آپؐ ریاضت میں مشغول ہو گئے اور دس سال تک ایسی ریاضت کی کہ پیروں پر ورم آگیا۔ اس وقت آیۂ مبارکہ نازل ہوئی کہ اپنے کو مشقت میں مت ڈالو۔ تم طاہر و ہادی ہو۔ تمہارے اندر کوئی نقص نہیں ہے بلکہ لوگوں میں نقص ہے۔

Presented by www.ziaraat.com

إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ. ۶۳ "بے شک تم جسے چاہو منزلِ مقصود تک نہیں پہونچا سکتے"۔ بہر صورت آیت سے پتہ چلتا ہے کہ آنحضرتؐ ریاضت و زحمت و تعب برداشت کرتے تھے۔ مفسرین کے مجموعۂ کلام سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے اگرچہ اس کی کیفیت میں اختلاف ہے۔ اور یہ اُمت کے لئے سرمشق ہے۔ خصوصاً ان اہلِ علم کے لئے جو دعوت الی اللہ کرنا چاہتے ہیں۔ حضورِ سرورِ کائناتؐ اپنی طہارتِ قلب اور کمال کے باوجود اتنی ریاضت کرتے تھے کہ آیت نازل ہوئی اور ہم اپنی ان تمام گناہوں اور خطاؤں کے باوجود کبھی بھی اپنے معاد کے بارے میں غور نہیں کرتے۔ معلوم ہوتا ہے جیسے ہم کو عذابِ جہنم سے آزادی کا پروانہ اور عذاب سے امن نامہ مل گیا ہے اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ حُبِّ دُنیا نے ہمارے کانوں میں روئی ٹھونس دی ہے جس کی وجہ سے ہم انبیا اور اولیا کے کلمات کو نہیں سنتے۔

www.ziaraat.com
Sabeel-e-Sakina

Presented by www.ziaraat.com

اکیسویں حدیث کی توضیحات

۱۔ اصولِ کافی جلد ۲ ص ۹۵ "کتاب ایمان وکفر" باب الشکر، حدیث ۶

۲۔ سورۂ طٰہٰ آیت ۱-۲

۳۔ سورۂ فتح آیت ۱-۲

۴۔ علامہ مجلسیؒ نے مجمع البیان کے حوالہ سے سورۂ فتح کی آیتِ لیک کی تفسیر کے ذیل میں اس توجیہ کو نقل فرمایا ہے۔ بحار جلد ۱۷ ص ۷۶ "تاریخ نبینا" باب ۱۵

۵۔ مفضل کی روایت ہے ترجمہ گزر چکا ہے۔

۶۔ سورۂ نساء آیت ۷۹

۷۔ سورۂ نساء آیت ۷۸

۸۔ بحار جلد ۲۴ ص ۴ "کتاب الامامۃ" باب ۲۳، حدیث ۱۱، میں امام صادقؑ سے منقول ہے کہ فرمایا: وَنَحْنُ السَّابِقُونَ وَنَحْنُ الْآخِرُونَ۔

۹۔ بحار جلد ۲۶ ص ۴۰۲ "تاریخ نبینا" باب ۱۲، حدیث ۱۔

۱۰۔ عوالی اللئالی جلد ۴ ص ۹۹۔ دوسرا جملہ حدیث ۱۴۰ بحار جلد ۱۵ ص ۲۴، تاریخ نبینا باب ۱۔ حدیث ۴۴۔

۱۱۔ عیون اخبارِ رضاؑ جلد ۱ ص ۲۹۳۔

۱۲۔ بحار جلد ۲۶، ص ۲۴۷، کتاب الامامۃ، باب ۴ حدیث ۱۶۔

۱۳۔ علم الیقین جلد ۱ ص ۳۸۱ فی صفات الامام۔

۱۴۔ التوحید ص ۱۵۰، بَابُ تَفْسِيرِ قَوْلِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ ﴿ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ ﴾

Presented by www.ziaraat.com

۱۵۔ رسول اللہ نے فرمایا: میں دانشگاہ کی جڑ ہوں علیؑ اس کا شاخ اور اس کی شاخیں، ہمارا علم اس کا پھل اور ہمارے شیعہ اس کے پتے ہیں۔ بحار جلد ۲۴ ص ۳۲۸، کتاب الامامۃ، باب ۴۴، حدیث ۳۔

۱۶۔ علم الیقین جلد ۲ ص ۱۰۱۶، المقصد الرابع فی الخلود۔

۱۷۔ سورۂ ضحیٰ آیت ۵۔

۱۸۔ مجمع البیان، سورۂ ضحیٰ ذیل آیۃ ۵۔

۱۹۔ علی بن حسین بن موسیٰ معروف بہ سید مرتضیٰ "علم الہدیٰ" (۳۵۵-۴۳۶ھ ق) شیعوں کے اور اسلام کے بہت بڑے عالم تھے۔ علوم عقلی و نقلی کے جامع تھے صاحب کمالات تھے اور صاحب فضائل تھے۔ کلام، فقہ، اصول، تفسیر، حدیث، رجال اور ادبیات میں متبحر تھے۔ شیخ مفید اور حسین بن علی، ابن بابویہ اور دوسروں سے روایت کرتے تھے۔ بہت بڑے بڑے علما آپ کے شاگرد تھے جن میں سرفہرست شیخ طوسی تھے آپ کی تصنیفات بہت ہیں۔ مثلاً امالی، الذریعۃ الی اصول الشریعۃ، الغرر، الانتصار، الشافی وغیرہ۔

۲۰۔ تنزیہ الانبیا ص ۱۱۵-۱۱۸۔

۲۱۔ وجوہ مذکورہ کو سید مرتضیٰ نے تنزیہ الانبیا میں طبرسی نے مجمع البیان میں مجلسی نے بحار جلد ۱۷، ص ۱۰۷-۱۰۸ میں ذکر کیا ہے۔

۲۲۔ سورۂ ص آیت ۵-۷

۲۳۔ بحار جلد ۱۷۔ ۸۹-۹۰ تاریخ نبینا باب ۱۵، جلد ۲۰، عیون جلد ۱ ص ۲۰۲، باب ۱۵، حدیث ۱۔

۲۴۔ سورۂ صف آیت ۱۴۔

۲۵۔ ترجمہ گزر چکا ہے۔

۲۶۔ سورۂ نصر آیت ۱۔

۲۷۔ حدیث ۶ توضیح ۱۷۔

۲۸۔ آنحضرتؐ کی قسم "لا و استغفر اللہ" تھی مکارم الاخلاق ص ۲۱۳، الباب العاشر، الفصل الثالث فی الاستغفار والبکاء۔

۲۹۔ مجمع البیان سورۂ نصر کی تفسیر کے ذیل میں۔

۳۰۔ حسین بن مفضل معروف بہ راغب اصفہانی (متوفی ۵۰۲ یا ۵۰۵ھ ق) ایک لغت، شعر، کلام اور علوم قرآنی میں بہت ماہر تھے۔ آپ کی تالیفات بہت ہیں المفردات، الذریعۃ الی مکارم الشریعۃ، مقدمہ تفسیر قرآن، تحقیق البیان فی تاویل القرآن۔

۳۱۔ المفردات فی غریب القرآن ص ۲۶۵۔ ضمن شکر۔

۳۲۔ حدیث ۲۔ توضیح ۲۲۔

۳۳۔ منازل السائرین ص ۹۱، قسم الاخلاق "باب الشکر۔

۳۴۔ شرح منازل السائرین ص ۹۱، قسم الاخلاق "باب الشکر۔

۳۵۔ المحجۃ البیضا جلد ۷، ص ۱۴۲، "بیان حد الشکر و حقیقتہ"

۳۶۔ حدیث ۲ توضیح ۲۲۔

Presented by www.ziaraat.com

۳۷۔ سورۂ مائدہ آیت ۶۴۔

۳۸۔ دوسرا مصرع یہ ہے "تا جب زبر کند از بیخ وبن مولوی"

۳۹۔ سورۂ سبا آیت ۱۳۔

۴۰۔ منازل السائرین ص ۴۱ "قسم الاخلاق" باب الشکر۔

۴۱۔ اصول کافی جلد ۲ ص ۹۴ "کتاب ایمان وکفر" باب الشکر حدیث ۱

۴۲۔ اصول کافی جلد ۲ ص ۹۵ "کتاب ایمان وکفر" باب الشکر حدیث ۷، اس کتاب میں علی الذنوب کے بجائے عند الذنب آیا ہے۔

۴۳۔ اصول کافی جلد ۲ ص ۹۶۔ ۹۷ "کتاب ایمان وکفر" باب الشکر حدیث ۱۶

۴۴۔ اصول کافی جلد ۲ ص ۹۵ "کتاب ایمان وکفر" باب الشکر حدیث ۱۱

۴۵۔ اصول کافی جلد ۲ ص ۹۵ "کتاب ایمان وکفر" باب الشکر حدیث ۱۰

۴۶۔ اصول کافی جلد ۲ ص ۹۷ "کتاب ایمان وکفر" باب الشکر حدیث ۱۸

۴۷۔ سورۂ ابراہیم آیت ۷۔

۴۸۔ اصول کافی جلد ۲ ص ۹۵ "کتاب ایمان وکفر" باب الشکر حدیث ۸۔

۴۹۔ حدیث معراج میں ہے۔

"ثُمَّ طَأْطِئْ يَدَيْكَ وَاجْعَلْهَا عَلَى رُكْبَتَيْكَ، فَانْظُرْ إِلَى عَرْشِي. قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ(ص): فَنَظَرْتُ إِلَى عَظَمَةٍ ذَهَبَتْ لَهَا نَفْسِي وَغُشِيَ عَلَيَّ، فَأَلْهَمْتُ أَنْ قُلْتُ: «سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيمِ وَبِحَمْدِهِ» لِعِظَمِ مَا رَأَيْتُ. فَلَمَّا قُلْتُ ذٰلِكَ، تَجَلَّى الْغَشْيُ عَنِّي حَتّٰى قُلْتُهَا سَبْعاً۔"

پھر ہاتھوں کو نیچے لاکر زانو پر رکھو پھر میرے عرش کو دیکھو۔ آنحضرتؐ فرماتے ہیں: میں نے ایسی عظمت دیکھی جس سے میری روح فنا ہوگئی اور میں بیہوش ہوگیا۔ میں نے جس عظمت کو دیکھا تھا اس سے میرے دل میں آیا کہ کہوں سبحان ربی العظیم وبحمدہ۔ جب میں نے یہ کہا تو ہوش آگیا یہاں تک کہ میں نے اس کو اپنی زبان پر سات بار دُہرایا۔ علل الشرائع جلد ۲ ص ۳۱۲، باب ۱ حدیث ۱۔

۵۰۔ تفسیر علی ابن ابراہیم قمی ص ۴۱۷، سورۂ طٰہٰ۔

۵۱۔ معانی الاخبار ص ۲۲، باب معنی الحروف المقطعہ۔

۵۲ ابن عباس بچپنے میں رسولِ خداؐ کے مصاحب تھے حضرت علیؑ کے اصحاب میں تھے ان کو ترجمان القرآن، فارس القرآن، صہر الامۃ، رئیس المفسرین، شیخ المفسرین جیسے القاب سے یاد کیا جاتا ہے۔ مشہور مفسرین جو تابعی تھے انھیں کے شاگرد تھے۔

۵۳۔ طبرسی نے مجمع البیان میں اس قول کو ابن عباس، سعید بن جبیر، حسن، مجاہد سے نقل کیا ہے۔

۵۴۔ مجاسی نے اس قول کو زمخشری کے حوالہ سے نسفی سے نقل کیا ہے، کبار جلد ۶۸ ص ۲۷۔

۵۵۔ الجامع لاحکام القرآن، قرطبی جلد ۱۱ ص ۱۲۶۔

Presented by www.ziaraat.com

۵۶۔ ابو علی فضل بن حسن بن فضل طبرسی (۴۸۸ یا ۵۵۲ - ۴۷۲) چھٹی صدی کے بڑے مفسر و فقیہ تھے۔ شیخ ابو علی فرزند طوسی اور دوسروں سے روایت کی ہے۔ ابو نصر حسن بن فضل صاحب مکارم الاخلاق، محمد بن علی ابن شہر آشوب، شیخ منتجب الدین صاحب فہرست، قطب راوندی وغیرہ آپ کے شاگرد تھے۔ آپ کی تفسیروں میں مجمع البیان بہت مشہور ہے۔ آپ کی تصانیف میں جامع الجوامع در تفسیر، اعلام الوری، تاج الموالید وغیرہ ہیں۔

۵۷۔ مجمع البیان در ضمن پہلی آیت سورۂ طٰہٰ۔

۵۸۔ امام صادقؑ سفیان ثوری کے جواب میں حروف مقطعہ کے معانی کو اشارات و رموز میں شمار کیا ہے اور فرمایا۔ اوّل بقرہ میں جو الم ہے اس کا مطلب انا اللہ الملک کے ہیں اور اوّل آل عمران میں جو ہے اس کا مطلب انا اللہ المجید ہے۔ معانی الاخبار ص ۲۴، باب معنی الحروف المقطعۃ۔

۵۹۔ احتجاج جلد ۱ ص ۲۱۹ - ۲۲۰، احتجاج امیر المومنین علی الیھود۔

۶۰۔ احمد بن علی ابن ابی طالب طبرسی۔ آپ عالم، فقیہ، محدث اور مورخ تھے چھٹی صدی ہجری کے اواخر اور ساتویں صدی ہجری کے اوائل میں تھے۔ تقریباً ۶۲۰ھ ق میں انتقال فرمایا۔ آپ کی تالیفات میں الکافی فی الفقہ، تاریخ الائمہ، کتاب الصلوٰۃ، مفاخرۃ الطالبیۃ اور احتجاج ہے۔

۶۱۔ مجمع البیان، تفسیر آیۃ ۱ سورۂ طٰہٰ۔

۶۲۔ مجمع البیان میں سورۂ طٰہٰ کی پہلی آیت کی تفسیر میں حسن بصری سے روایت کی ہے۔

۶۳۔ سورۂ قصص آیت ۵۶۔

www.ziaraat.com
Sabeel-e-Ziaraat

Presented by www.ziaraat.com

بائیسویں حدیث

«بِالسَّنَدِ الْمُتَّصِلِ اِلٰی رُکْنِ الْاِسْلَامِ وَثِقَتِهٖ، مُحَمَّدِ بْنِ یَعْقُوبَ الْکُلَیْنِیِّ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ یَحْیٰی، عَنْ اَحْمَدَ بْنِ مُحَمَّدٍ، عَنْ بَعْضِ اَصْحَابِهٖ، عَنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِیِّ بْنِ اَبِی عُثْمَانَ، عَنْ وَاصِلٍ، عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ سِنَانٍ، عَنْ اَبِی عَبْدِاللّٰهِ، عَلَیْهِ السَّلَامُ، قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ اِلٰی اَبِی ذَرٍّ فَقَالَ: یَا اَبَا ذَرٍّ، مَا لَنَا نَکْرَهُ الْمَوْتَ؟ فَقَالَ: لِاَنَّکُمْ عَمَّرْتُمُ الدُّنْیَا وَاَخْرَبْتُمُ الْآخِرَةَ، فَتَکْرَهُونَ اَنْ تُنْقَلُوا مِنْ عُمْرَانٍ اِلٰی خَرَابٍ. فَقَالَ لَهٗ: فَکَیْفَ تَرٰی قُدُومَنَا عَلَی اللّٰهِ؟ فَقَالَ: اَمَّا الْمُحْسِنُ مِنْکُمْ، فَکَالْغَائِبِ یَقْدُمُ عَلٰی اَهْلِهٖ؛ وَاَمَّا الْمُسِیءُ مِنْکُمْ، فَکَالْآبِقِ یُرَدُّ عَلٰی مَوْلَاهُ. قَالَ: فَکَیْفَ تَرٰی حَالَنَا عِنْدَ اللّٰهِ؟ قَالَ: اِعْرِضُوا اَعْمَالَکُمْ عَلَی الْکِتَابِ: اِنَّ اللّٰهَ یَقُولُ: «اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِی نَعِیمٍ. وَاِنَّ الْفُجَّارَ لَفِی جَحِیمٍ.»[1]

قَالَ: فَقَالَ الرَّجُلُ: فَاَیْنَ رَحْمَةُ اللّٰهِ؟ قَالَ «رَحْمَةُ اللّٰهِ قَرِیبٌ مِنَ الْمُحْسِنِینَ.»

«قَالَ اَبُو عَبْدِاللّٰهِ، عَلَیْهِ السَّلَامُ: وَکَتَبَ رَجُلٌ اِلٰی اَبِی ذَرٍّ، رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ: یَا اَبَا ذَرٍّ، اَطْرِفْنِی بِشَیْءٍ مِنَ الْعِلْمِ. فَکَتَبَ اِلَیْهِ: اِنَّ الْعِلْمَ کَثِیرٌ، وَلٰکِنْ اِنْ قَدَرْتَ

Presented by www.ziaraat.com

أَنْ لَا تُسِيءَ إِلَى مَنْ تُحِبُّهُ، فَافْعَلْ. فَقَالَ لَهُ الرَّجُلُ: وَهَلْ رَأَيْتَ أَحَدًا يُسِيءُ إِلَى مَنْ يُحِبُّهُ فَقَالَ لَهُ: نَعَمْ، نَفْسُكَ أَحَبُّ الْأَنْفُسِ إِلَيْكَ؛ فَإِذَا أَنْتَ عَصَيْتَ اللّٰهَ، فَقَدْ أَسَأْتَ إِلَيْهَا.[۲]

ترجمہ: ایک شخص جناب ابوذر کے پاس آکر کہنے لگا۔ اے ابوذر آخر ہم موت کو کیوں ناپسند کرتے ہیں؟ ابوذر نے کہا: چونکہ تم نے دُنیا کو آباد کیا ہے اور آخرت کو برباد کیا ہے اس لئے آبادی سے خرابہ کی طرف جانے کو ناپسند کرتے ہو۔ اس شخص نے پھر پوچھا: خدا کے پاس ہمارا آنا کس طرح کا ہوگا؟ ابوذر نے کہا: تم میں سے جو اچھے لوگ ہیں وہ تو اس طرح آئیں گے جیسے غائب اپنے عیال کی طرف آتا ہے اور جو بُرے لوگ ہیں وہ اس طرح آئیں گے جیسے بھاگا ہوا غلام اپنے آقا کے پاس آتا ہے۔ اس شخص نے پھر سوال کیا: خدا کے یہاں ہماری حالت کیا ہوگی؟ ابوذر نے کہا: اپنے اعمال کو قرآن پر پیش کرو۔ خدا کا ارشاد ہے:

"بیشک نیک لوگ (جنت) نعیم میں ہوں گے اور یقیناً بدکار لوگ جہنم میں ہوں گے۔"

راوی کہتا ہے اس شخص نے پھر سوال کیا: ایسی صورت میں خدا کی رحمت کہاں گئی؟ ابوذر نے کہا: خدا کی رحمت اچھے لوگوں کے قریب ہے۔

امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں: ایک شخص نے حضرت ابوذر کو لکھا: اے ابوذر مجھے کچھ علم کا تحفہ بھیجو۔ ابوذر نے اس کو لکھا: علم تو بہت ہے لیکن اگر تم اپنے محبوب کے ساتھ بُرائی نہ کرنے پر قادر ہو تو ایسا ضرور کرو۔ اس شخص نے کہا: کیا آپ نے کسی کو دیکھا ہے کہ وہ اپنے محبوب کے ساتھ برائی کرتا ہو؟ ابوذر نے کہا: ہاں۔ (دیکھو) تمہارا نفس تم کو سب سے زیادہ محبوب ہے اب اگر تم نے کوئی گناہ کیا تو اپنے محبوب (یعنی نفس) کے ساتھ بُرائی کی۔

شرح: موت کو ناپسند کرنے اور اس سے ڈرنے کے سلسلہ میں لوگ مختلف ہیں اور اُن کی کراہت کے مبادی بھی مختلف ہیں۔ حضرت ابوذر نے جو بات کہی ہے وہ متوسط حضرات کے لئے ہے (لہٰذا) میں کاملین و ناقصین کے حالات کا ذکر اجمالاً کروں گا۔

یہ جان لینا چاہیئے کہ ہم جیسے ناقص لوگوں کا موت کو ناپسند کرنے اور اس سے ڈرنے کی علت وہ نکتہ ہے جس کی طرف ہم نے بعض حدیثوں کی شرح کرتے ہوئے اشارہ کیا ہے[۳] اور وہ یہ ہے کہ انسان اپنی خداداد فطرت اور اصلی جبلت کی بنا پر بقاو زندگی کو دوست رکھتا ہے اور فنا و موت

Presented by www.ziaraat.com

سے نفرت کرتا ہے اور اس کا تعلق بقائے مطلق اور حیاتِ دائمی سرمدی سے ہے۔ یعنی ایسی بقا کو چاہتا ہے جس میں فنا نہ ہو اور ایسی زندگی کو چاہتا ہے جس کے لئے زوال نہ ہو۔ بعض بزرگوں[۴] نے اسی فطرت کا سہارا لے کر معاد کو ثابت کیا ہے جس کا ذکر فعلاً ہمارے مقصد سے خارج ہے اور چونکہ انسانی فطرت میں یہ محبت و نفرت ہے اس لئے جس کے بارے میں وہ تشخیص کر لیتا ہے کہ اس میں بقا ہے اور جس عالم کو عالمِ حیات سمجھتا ہے اس سے عشق و محبت پیدا کر لیتا ہے اور اس کے مقابل سے نفرت کرتا ہے اور ہم لوگ چونکہ عالمِ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور نہ ہی ہمارے قلوب اس عالم کے حیاتِ ازلی اور بقائے سرمدی پر اطمینان رکھتے ہیں اس لئے ہم سب اسی دُنیا سے علاقہ مند ہیں اور اس فطرت و جبلت کی بنا پر موت سے گریزاں ہیں اور ہم نے اس سے پہلے بھی ذکر کیا[۵] ہے کہ ادراک اور تصدیق عقل اطمینان اور طمانیتِ قلب کے علاوہ ہے۔ ہم اس بات کا عقلی ادراک یا تعبدی تصدیق تو رکھتے ہیں کہ موت حق ہے۔ موت یعنی نشئہ نازلہ ملکیہ سے دوسرے عالم (یعنی) حیاتِ دائمی نورانی اور نشئہ باقیہ عالیہ ملکوتیہ کی طرف انتقال کا نام ہے۔ لیکن ہمارے قلوب کو نہ تو اس معرفت سے کوئی حظ ملتا ہے اور نہ ہی ہمارے دل اس سے باخبر ہیں۔ بلکہ ہمارے دل خلود ارضی اور نشئہ ملکیہ کے خواہش مند ہوتے ہیں اور اسی حیوانی ملکی پست زندگی کو حیات سمجھتے ہیں اور عالمِ آخرت کے حیات و بقا کے قائل ہی نہیں ہیں اسی لئے اس عالم (کون و فساد) کو پُر اعتماد بھروسہ کرتے ہیں اور عالمِ آخرت سے خائف و متنفر ہیں اور اس سے فرار کرتے ہیں اور ہماری یہ ساری بدبختی ہمارے نقص ایمان و عدم اطمینان کی بنا پر ہے۔ ہم جتنا دنیاوی زندگی اور اس کے عیش پر مطمئن ہیں اور اس دنیا کی بقا و زندگی پر ایمان رکھتے ہیں اگر اس کا ۱/۱۰ حصہ بھی عالمِ آخرت و حیاتِ ابدی و جاودانی پر ایمان رکھتے تو ہمارا دل اس سے کہیں زیادہ (آخرت سے) علاقہ مند ہوتا اور ہم اس کی اصلاح و آبادی کی کوشش کرتے۔ مگر افسوس ہمارے سرچشمہ ایمان میں پانی نہیں ہے اور ہمارے یقین کی بنیاد پانی پر ہے۔ اس لئے مجبوراً ہم موت و فنا و زوال سے ڈرتے ہیں۔ اس کا قطعی علاج اس طرح ہو سکتا ہے کہ ذکر و فکر نافع اور علم و عمل صالح کے ذریعہ ایمان کو اپنے دل میں داخل کریں۔

اب رہا متوسطین کی (موت سے) کراہت اور خوف یعنی جو لوگ عالمِ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے وہ متوسطین ہیں۔ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے قلوب دنیا کی تعمیر کی طرف متوجہ ہیں اور عالمِ آخرت کی تعمیر سے غافل ہیں لہٰذا ان کا دل نہیں چاہتا کہ آبادی کو چھوڑ کر خرابہ کی طرف منتقل

Presented by www.ziaraat.com

ہوں جیسا کہ حضرت ابوذر نے فرمایا اور یہ بھی نقصِ ایمان اور نقصانِ اطمینان کی وجہ سے ہے ورنہ کامل الایمان شخص کے لئے ممکن ہی نہیں ہے کہ امورِ دنیائے دنی کی طرف متوجہ ہو اور تعمیرِ آخرت سے غافل ہو۔

خلاصہ یہ ہے کہ یہ تمام وحشت و خوف و کراہت ہمارے غلط اعمال و بُری رفتاری اور مولا کی مخالفت کی وجہ سے ہے ورنہ اگر مثلاً ہمارا حساب درست ہو اور خود ہم اپنے نفس کا محاسبہ کریں تو حساب سے وحشت کی کوئی وجہ نہیں ہے کیونکہ آخرت میں حساب عادلانہ ہوگا اور حساب لینے والا عادل ہوگا لہٰذا حساب سے خوف خود ہمارے بدحسابی کی وجہ سے ہے اور نفاق و چوری کی وجہ سے ہے نہ کہ ہمارا خوف (نفس) محاسبہ کی وجہ سے ہے۔

کافی میں حضرت امام موسیٰ کاظمؑ سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا:

«قَالَ: لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَمْ يُحَاسِبْ نَفْسَهُ فِي كُلِّ يَوْمٍ، فَإِنْ عَمِلَ حَسَناً، اِسْتَزَادَهُ اللّٰهَ؛ وَإِنْ عَمِلَ سَيِّئاً، اِسْتَغْفَرَ اللّٰهَ مِنْهُ وَتَابَ إِلَيْهِ.»[6]

"جو شخص روزانہ اپنے نفس کا محاسبہ نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ اگر اس نے اچھا عمل کیا تو خدا سے زیادتی طلب کرے اور اگر اس نے بُرا عمل کیا تو توبہ و استغفار کرے۔"

لہٰذا اگر تم نے خود ہی اپنا محاسبہ کر لیا ہے تو حساب کے موقع پر کوئی پریشانی نہیں ہوگی اور نہ اس کا کوئی خوف ہوگا۔ اسی طرح آخرت کے تمام مواقف و مہالک اسی دُنیا کے اعمال کے تابع ہیں۔ مثلاً اگر دُنیا میں نبوت کے سیدھے راستہ پر اور ولایت کے صراطِ مستقیم پر تم گامزن رہے ہوگے اور جادۂ ولایت حضرت علیؑ سے بھٹکے نہ ہوگے اور تمہارے قدموں میں کوئی لغزش نہ ہوئی ہوگی تو صراط سے گزرنے کے لئے تمہیں کوئی خوف نہ ہوگا۔ کیونکہ صراط کی حقیقت باطنی طور سے ولایت ہے جیسا کہ روایت میں ہے کہ حضرت علیؑ صراط ہیں[7] اور دوسری حدیث میں ہے: ہم ہی صراطِ مستقیم ہیں[8] اور زیارت جامعہ میں ہے: «وَأَنْتُمُ السَّبِيلُ الْأَعْظَمُ وَالصِّرَاطُ الْأَقْوَمُ.»[9] آپؑ ہی سبیلِ اعظم اور مضبوط راستہ ہیں اور جو شخص بھی اس صراط پر استقامت کرے اور اس کے پاؤں میں لغزش نہ ہو۔ اس کو (قیامت میں) اس صراط پر بھی لغزش نہ ہوگی اور وہ کوندتی ہوئی بجلی کی مانند صراط سے گزر جائے گا۔ اسی طرح اگر اس کے اخلاق و ملکات عادلانہ ہوں گے اور نورانی ہوں گے تو وہ قبر برزخ قیامت کی ظلمتوں اور وحشتوں اور اس دُنیا کے عوالم کے ہول سے امان میں ہوگا اور اس نشأۃ سے

Presented by www.ziaraat.com

اس کے لئے کوئی خوف نہ ہوگا۔ پس اس جگہ درد بھی ہماری وجہ سے ہے اور اس کا علاج بھی ہمارے ہی پاس ہے جیسا کہ حضرت علیؑ کی طرف منسوب اشعار میں اس مطلب کی طرف اشارہ ہے:

«دَوَاؤُکَ فِیکَ وَمَا تَشْعُرُ وَدَاؤُکَ مِنکَ وَمَا تُبْصِرُ»[10]

تمہاری دوا تمہارے اندر ہے مگر تم کو اس کا شعور نہیں ہے اور تمہارا مرض بھی تم ہی سے ہے مگر تم دیکھ نہیں پاتے ہو۔

کافی میں ہے کہ امام جعفر صادقؑ نے ایک شخص سے فرمایا:

«اَنَّهُ قَالَ لِرَجُلٍ اِنَّکَ قَدْ جُعِلْتَ طَبِیبَ نَفْسِکَ، وَبُیِّنَ لَکَ الدَّاءُ وَعُرِّفْتَ آیَةَ الصِّحَّةِ وَدُلِلْتَ عَلَی الدَّوَاءِ فَانْظُرْ کَیْفَ قِیَامُکَ عَلَی نَفْسِکَ.»[11]

"تم کو اپنے نفس کا طبیب قرار دیا گیا ہے اور تم کو مرض بتا دیا گیا ہے تم کو صحت کی نشانیاں بتائی جا چکی ہیں اور دوا کی رہبری کر دی گئی ہے۔ لہٰذا تم دیکھو کہ اپنے نفس کی اصلاح کیونکر کرتے ہو۔" تمہارے اندر اعمال، اخلاق، عقائدِ فاسدہ موجود ہیں اور صحت کی علامتیں انبیا کے نسخے اور عقل و فطرت کے انوار ہیں اور اصلاح نفوس کی دوا اس کے تصفیہ کے لئے کوشش کرنا ہے۔ یہ متوسطین کا حال ہے۔

اب رہا کامل اور مطمئن مومنین کا حال تو یہ لوگ موت سے کراہت نہیں کرتے اگرچہ خوف و وحشت رکھتے ہیں۔ اس لئے کہ ان کا خوف خداوندِ عالم کی عظمت و جلالت سے ہے۔ چنانچہ رسولِ خداؐ کا ارشاد ہے: «فَاَیْنَ هَوْلُ الْمُطَّلِعِ»[12] "روزِ حساب کس قدر وحشت ہوگی۔"

شب انیسویں رمضان کو حضرت علیؑ پر عظیم دہشت و وحشت طاری تھی[13] حالانکہ حضرتؑ فرمایا کرتے تھے: خدا کی قسم ابو طالبؑ کا بیٹا موت سے بہت زیادہ مانوس ہے بہ نسبت بچہ کی پستان مادر کی انسیت سے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ان حضرات کا خوف دوسرے امور کی وجہ سے ہے۔ ان حضرات کا خوف ہم جیسے آرزوؤں اور امیدوں کے گرفتار اور دنیائے فانی کے دلدادہ حضرات جیسا نہیں ہے۔

(اسی طرح) قلوب اولیا میں بھی بہت اختلاف ہے جو شمار میں نہیں آسکتا اور نہ رشتہ تحریر میں آسکتا ہے۔ ہم ان میں سے بعض کی طرف اجمالی اشارہ کرتے ہیں۔ پس عرض یہ ہے کہ اولیا کے قلوب تجلیاتِ اسما کے قبول کرنے میں مختلف ہیں۔ بعض قلوب عشق و شوق ہیں۔ ان میں حق اپنے اسمائے جمالی کے ساتھ تجلی کرتا ہے اور وہ تجلی رہبت و شوق سے ملی جلی ہوتی ہے اور رہبتِ خوف، عظمت کی تجلی اور اس کے ادراک سے ہوتی ہے ملاقات کے وقت عاشق کا دل تپتا ہے اور دہشت زدہ

Presented by www.ziaraat.com

وخوفزدہ رہتا ہے۔ لیکن یہ خوف و وحشت عام خوف سے الگ ہے۔

اور بعض قلوب خوفی و حزنی ہوتے ہیں۔ ان میں خدا اپنے اسمائے جلال و عظمت کے ساتھ تجلی کرتا ہے اور وہ تجلی ایسی ہیبت پیدا کرتی ہے جس میں خوف بھی ملا ہوتا ہے اور ایسی حیرت پیدا کرتی ہے جس میں حزن بھی مخلوط ہوتا ہے۔ حدیث میں ہے کہ حضرت یحییٰ نے جناب عیسیٰ کو ہنستے ہوئے دیکھ کر عتاب آمیز لہجہ میں فرمایا: معلوم ہوتا ہے آپ خدا کے بارے میں فکر اور اس کے عذاب سے مامون ہو چکے ہیں۔ حضرت عیسیٰ نے جواب دیا معلوم ہوتا ہے آپ خدا کے فضل و رحمت سے مایوس ہو چکے ہیں۔ اس پر خدا نے ان دونوں پر وحی فرمائی تم میں سے جس کسی کا حسن ظن میرے بارے میں زیادہ ہے وہ میرے نزدیک زیادہ محبوب ہے[15] چونکہ حضرت یحییٰ کے دل میں خدا نے اسمائے جلال کے ساتھ تجلی کیا تھا لہٰذا وہ ہمیشہ خائف رہا کرتے تھے اس لئے حضرت عیسیٰ سے اس طرح خطاب کیا اور حضرت عیسیٰ نے بمقتضائے تجلیات رحمت ان کو جواب دیا۔

پہلی فصل

یہ سمجھ لو کہ اس حدیث «عَمَّرْتُمُ الدُّنْيَا وَاَخْرَبْتُمُ الْآخِرَةَ.» (تم نے دنیا کو آباد کیا اور آخرت کو برباد کیا) سے ظاہر ہوتا ہے کہ دار آخرت و بہشت معمور و آباد ہے مگر ہمارے اعمال سے خراب ہو جاتا ہے۔ لیکن (سب ہی کو) معلوم ہے اس کا مقصد تعبیر میں مشابہت ہے چونکہ دنیا کے لئے (لفظ) "آباد" استعمال کیا ہے اس کی مناسبت سے آخرت کے لئے (لفظ) "برباد" استعمال کیا ہے اور عالم جنت و دوزخ اگرچہ مخلوق ہیں۔ لیکن جنت و دوزخ کے مواد کی تعمیر یا تخریب اعمال کے تابع ہے۔ روایت میں ہے کہ بہشت کی زمین بالکل سادہ ہے اور اس کی تعمیر کرنے والی چیزیں بنی نوع انسان کے اعمال ہیں[16] اور یہ بات اہل کشف و مکاشفہ کے برہان کے مطابق بھی ہے چنانچہ بعض عرفائے محققین فرماتے ہیں: «عَصَمَنَا اللّٰهُ وَاِيَّاكَ» دوزخ مخلوقات میں سب سے اعظم ہے۔ آخرت میں یہی خداوند عالم کا قید خانہ ہے اور اس کی گہرائی کے دور ہونے کی وجہ سے اس کو جہنم کہا جاتا ہے جیسے اس کنواں کو جس کی گہرائی زیادہ ہو "بئر جہنام" کہا جاتا ہے۔ جہنم میں گرمی و سردی دونوں ہیں۔ سردی سے تو آخری ڈگری تک اور گرمی سے تو آخری درجہ تک اس کی ابتدا اور گہرائی کے درمیان ساڑھے سات سو سال کی راہ ہے۔ لوگوں میں اختلاف ہے کہ یہ مخلوق ہے یا غیر مخلوق ہے اور اس

Presented by www.ziaraat.com

میں اختلاف ایک مشہور چیز ہے۔ اسی طرح بہشت میں بھی اختلاف ہے۔ لیکن ہمارے اور ہمارے اصحاب اہلِ مکاشفہ و معرفت کے نزدیک یہ مخلوق ہیں اور مخلوق نہیں (بھی) ہیں۔ ہم نے جو یہ کہا کہ مخلوق ہیں اس کی مثال اس طرح ہے جیسے کوئی مکان بنانے والا چاروں طرف کی صرف دیوار اٹھادے تو اس کو کہا جائے گا یہ گھر ہے۔ لیکن جب اندر جاکر دیکھو تو سوائے چہار دیواری کے اور کچھ نہ دکھائی دے گا۔ اس کے بعد جب اس میں رہنے والوں کے مقصد کے مطابق کمرے، ہال، کوٹھری وغیرہ بن جائے گی۔ (تب اندر سے بھی مکان کہا جائے گا۔) انتہیٰ[17]

حدیث میں ہے کہ جب رسولؐ خدا معراج پر تشریف لے گئے تو جنت میں چند ملائکہ کو دیکھا کہ وہ کبھی مکان بنانے لگتے ہیں اور کبھی ٹھہر جاتے ہیں۔ آنحضرتؐ نے جبرئیلؑ سے کہا اس کا کیا سبب ہے؟ جبرئیلؑ نے جواب دیا: اس مکان کے مواد اُمت کے اذکار ہیں جب لوگ ذکر کرتے ہیں سامان آتا ہے یہ ملائکہ تعمیر میں مشغول ہو جاتے ہیں اور جب اُمت کے لوگ ذکر نہیں کرتے تو یہ بھی ٹھہر جاتے ہیں۔[18]

خلاصہ یہ ہے کہ جسمانی جنت و دوزخ بنی آدم کے وہی اعمال و افعال حسنہ و سیئہ ہیں جو وہ اس دُنیا میں کرتے ہیں۔ چنانچہ آیتوں میں بھی اس کی طرف اشارہ ہے مثلاً: «وَوَجَدُوا مَا عَمِلُوا حَاضِرًا۔»[19] اور جو کچھ ان لوگوں نے (دُنیا میں) کیا تھا وہ سب کچھ موجود پائیں گے اور اسی طرح قولِ معصومؑ ہے: «اِنَّمَا هِيَ أَعْمَالُكُمْ تُرَدُّ اِلَيْكُمْ۔»[20] (یہ تو تمہارے ہی اعمال ہیں جو تم کو واپس کیے جا رہے ہیں) اور ہو سکتا ہے کہ جنت و دوزخ دو نشئہ اور دو مستقل گھر ہوں جن کی طرف بنی آدم اپنی جوہری حرکتوں اور سوقِ ملکوتی اور عملی و خلقی حرکات ارادیہ کے ذریعہ سفر کر رہے ہوں۔ اگرچہ ان میں سے ہر ایک کا حصہ وہی ہوگا جو ان کے اعمال کی صورت ہوگی۔

مختصر یہ ہے کہ عالمِ ملکوت اعلیٰ جنت ہے جو خود ایک مستقل دُنیا ہے۔ نفوس سعیدہ کو اس کی طرف بھیجا جاتا ہے اور عالمِ ملکوت سفلیٰ جہنم ہے جس کی طرف بدبخت و شقی نفوس کو بھیجا جاتا ہے۔ مگر جنت یا دوزخ دونوں میں سے جس کی طرف بھی بازگشت ہو وہ خود ان کے اعمال حسنہ یا المناک و دہشتناک اعمال سیئہ ہیں۔ ہمارے اس بیان سے ظواہر کتاب اور روایات کے درمیان جو ظاہری اختلاف ہے وہ دور ہو گیا اور یہ مسلک اہلِ عرفان اور برہان کے مطابق بھی ہے۔

Presented by www.ziaraat.com

دوسری فصل

یہ بات واضح ہے کہ حضرت ابوذر کا کلام اس جگہ پر ایک جامع اور محکم دستور ہے جس کی ہر انسان کو پابندی کرنی چاہیئے۔ جب ابوذر نے کہا اپنے اعمال کو قرآن پر پیش کرو۔ خداوند عالم فرماتا ہے: لوگ دو قسم کے ہیں ایک ابرار وہ نعیم میں ہوں گے دوسرے فجار جو جحیم میں ہوں گے۔" تو اس شخص نے رحمت کا سہارا لیا کہ اگر ایسا ہے تو خدا کی رحمت کا کیا مقصد ہے؟ ابوذر نے کہا: خدا کی رحمت بھی یوں ہی نہیں ہے؟ اور وہ نیک لوگوں سے قریب ہے۔

یہ بات یاد رکھئے کہ شیطان ملعون اور خبیث نفس امارہ انسان کو بہت زیادہ طریقوں سے مغرور بنا دیتا ہے اور اس کو ہلاکت ابدی کی طرف کھینچے لے جاتا ہے اور اس کے پاس جو آخری تیر ہے وہ یہی ہے کہ رحمت حق کی اُمید میں مبتلا کر کے انسان کو بے عمل بنا دیتا ہے اور اس طرح کا رحمت پر بھروسہ شیطانی چال ہے اور اس کا شاہد اور دلیل یہ ہے کہ امور دُنیا میں ہم کسی طرح رحمت حق پر بھروسہ نہیں کرتے۔ طبعی و ظاہری اسباب کو بالکلیہ مستقل اور کارکن سمجھتے ہیں اور اس طرح کہ دُنیا میں گویا اسباب ظاہری کے علاوہ کوئی مؤثر ہی نہیں ہے اور امور آخرت میں بخیال خویش رحمت حق پر بھروسہ کرتے ہیں۔ خدا اور رسولؐ کے احکام سے غفلت کرتے ہیں۔ جیسے کہ خدا نے ہم کو نہ عمل کی طاقت دی ہے اور نہ صحیح و غلط راستہ کو بتایا ہے۔ مختصر یہ کہ دنیاوی امور میں ہمارا مسلک تفویضی ہوتا ہے اور اخروی امور میں ہمارا مسلک جبری ہو جاتا ہے اور ہم اس سے غافل رہتے ہیں کہ یہ دونوں راستے باطل و غلط ہیں احکام انبیاء اور طریقہ مستمرۂ ائمہ ہدیٰ اور اولیا مقربین کے مخالف ہے۔ حالانکہ وہ سب بھی رحمت حق کے معتقد تھے اور ان کا ایمان ہم سب سے قوی تھا اس کے باوجود وہ حضرات ایک سکنڈ بھی اپنے فرائض کی انجام دہی سے غافل نہیں تھے اور ایک منٹ بھی اپنی سعی و کوشش سے باز نہیں آتے تھے۔ برادرم ذرا ان کے صحیفۂ اعمال کو دیکھو، سید سجاد کی مناجاتوں اور دعاؤں کو ملاحظہ کرو اور دقت نظر سے دیکھو عبودیت کے سلسلہ میں ان کا طریقہ کیا تھا اور کس طرح فریضہ بندگی ادا کرتے تھے۔ لیکن ان سب چیزوں کے باوجود جب حضرت علیؑ کے صحیفۂ اعمال کو امام چہارم دیکھتے ہیں تو افسوس کرتے ہیں اور اپنی عاجزی کا اعتراف کرتے ہیں۔[21] اب ہم یا تو معاذ اللہ ان سب کو جھٹلائیں اور یہ کہدیں کہ یہ حضرات بھی ہماری طرح رحمت حق پر ایمان و اطمینان نہیں رکھتے تھے اور یا پھر اپنے کو جھٹلائیں اور سمجھ

Presented by www.ziaraat.com

لیں کہ ہم جو باتیں کہتے ہیں وہ نفس امارہ اور شیطان کی مکاریوں میں سے ہے شیطان ہم کو صراطِ مستقیم سے منحرف کرنا چاہتا ہے۔ میں خدا کی پناہ چاہتا ہوں ان کے شرور سے۔

لہٰذا میرے عزیز جس طرح حضرت ابوذر نے اس مرد کو بتایا تھا کہ علوم تو بہت ہیں مگر جو علم ہم جیسے لوگوں کے لئے مفید ہے وہ یہ ہے کہ اپنے ساتھ برائی نہ کریں اور یہ سمجھ لیں کہ انبیا اور اولیا کے دستورات ایسے کاشف حقائق ہیں جن سے ہم محجوب ہیں وہ حضرات جانتے تھے کہ برے اخلاق اور برے اعمال کی کیا صورتیں ہیں اور ان سے کس قسم کے ثمرات حاصل ہوتے ہیں اور اعمالِ حسنہ اور اخلاقِ کریمہ کی کتنی خوبصورت ملکوتی صورتیں ہوتی ہیں۔ (اس لئے) ان حضرات نے سب کچھ بتا دیا۔ (سب کا) درمان اور مرض و درد اور اس کا علاج بتا دیا۔ اب اگر آپ کو واقعاً اپنے سے محبت ہے تو ان قوانین پر عمل کیجئے اور اپنے مرض کا علاج کیجئے۔ خدا جانتا ہے اگر ہم اپنے ان موجودہ حالات کے ساتھ اس دنیا سے منتقل ہو گئے تو کیسی کیسی مصیبتیں، امراض، درد میں گرفتار ہوں گے۔ «وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ اَوَّلاً وَّآخِرًا۔»

www.ziaraat.com
Sabeel-e-Sakina

Presented by www.ziaraat.com

بائیسویں حدیث کی توضیحات

۱۔ سورۂ انفطار آیت ۱۳-۱۴۔
۲۔ اصولِ کافی جلد ۲ ص ۹۸ "کتاب ایمان وکفر" باب محاسبۃ العمل حدیث ۲۰۔
۳۔ ص ۱۲۵/
۴۔ آیت اللہ محمد علی شاہ آبادی "رشحات البحار ص ۲۲۳" کتاب الانسان والفطرۃ۔
۵۔ ص ۵۷/
۶۔ اصولِ کافی جلد ۲ ص ۵۳ "کتاب ایمان وکفر" باب محاسبۃ العمل حدیث ۲۔
۷۔ معانی الاخبار جلد ۲، ص ۳۲ (باب معنی الصراط) حدیث ۲ میں امام جعفر صادقؑ کا قول ہے: صراطِ مستقیم حضرت علیؑ ہیں۔ اسی طرح اسی باب کی تیسری حدیث میں اسی باب کے اندر ہے، تفسیر علی بن ابراہیم ص ۶:۱۔
۸۔ امام سجادؑ نے فرمایا:

«عَنْ سَيِّدِ الْعَابِدِينَ عَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ (ع) قَالَ: لَيْسَ بَيْنَ اللّٰهِ وَبَيْنَ حُجَّتِهِ حِجَابٌ؛ فَلَا لِلّٰهِ دُونَ حُجَّتِهِ سِتْرٌ، نَحْنُ أَبْوَابُ اللّٰهِ، وَنَحْنُ الصِّرَاطُ الْمُسْتَقِيمُ؛ وَنَحْنُ عَيْبَةُ عِلْمِهِ؛ وَنَحْنُ تَرَاجِمَةُ وَحْيِهِ؛ وَنَحْنُ أَرْكَانُ تَوْحِيدِهِ؛ وَنَحْنُ مَوْضِعُ سِرِّهِ۔»

"خدا اور اس کی حجت کے درمیان کوئی حجاب نہیں ہے۔ پس خدا کے لئے اس کی حجت کے علاوہ کوئی پردہ نہیں ہے ہم ابوابِ اللہ ہیں اور ہم ہی صراطِ مستقیم ہیں اور ہم ہی اس کے مخفیۂ علم ہیں۔ ہم ہی اس کی وحی کے ترجمان، اس کی توحید کی بنیاد اور اس کے رازدار ہیں۔ معانی الاخبار ص ۳۵ "باب معنی الصراط" حدیث ۵۔

Presented by www.ziaraat.com

۹۔ زیارت جامعہ کبیرہ "من لایحضرہ الفقیہ جلد ۲ ص ۳۷۲ مفاتیح الجنان باب زیارت۔

۱۰۔ دیوان منسوب بہ حضرت علیؑ ص ۴۲۔

۱۱۔ اصول کافی جلد ۲ ص ۴۵۴ "کتاب ایمان وکفر" باب محاسبۃ العمل، حدیث ۶۔

۱۲۔ تفسیر برہان جلد ۴ ص ۵۱۷، ذیل آیۃ ایک سورۂ نصر، حدیث ۲۔

۱۳۔ نہج البلاغہ ص ۴۸، خطبہ ۵۔

۱۴۔ نہج البلاغہ خطبہ ۵۔

۱۵۔ فیہ مافیہ (مولوی) ص ۴۸۔

۱۶۔ حدیث نبوی میں ہے: «اَلْجَنَّةُ قِيعَانٌ، وَاِنَّ غِرَاسَهَا سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهِ۔» جنت کی زمین ہموار ہے اور اس کا پھل سبحان اللہ وبحمدہ ہے۔ علم الیقین جلد ۲، ص ۱۰۶۰۔

۱۷۔ فتوحات مکیہ جلد ۱، فصل اول باب ۶۱۔

۱۸۔ امام صادقؑ فرماتے ہیں:

«عَنْ جَمِيلٍ، عَنْ اَبِي عَبْدِاللّٰهِ(ع) قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ(ص): لَمَّا اُسْرِيَ بِي اِلَى السَّمَاءِ دَخَلْتُ الْجَنَّةَ فَرَاَيْتُ فِيهَا مَلَائِكَةً يَبْنُوْنَ لَبِنَةً مِنْ ذَهَبٍ وَلَبِنَةً مِنْ فِضَّةٍ وَرُبَّمَا اَمْسَكُوا فَقُلْتُ لَهُمْ: مَا لَكُمْ رُبَّمَا بَنَيْتُمْ وَرُبَّمَا اَمْسَكْتُمْ؟ فَقَالُوا: حَتّٰى تَجِيئَنَا النَّفَقَةُ، فَقُلْتُ لَهُمْ: وَمَا نَفَقَتُكُمْ؟ فَقَالُوا: قَوْلُ الْمُؤْمِنِ فِي الدُّنْيَا: سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ فَاِذَا قَالَ بَنَيْنَا وَاِذَا اَمْسَكَ اَمْسَكْنَا۔»

رسولؐ خدا نے فرمایا: جب مجھے معراج پر لے جایا گیا تو میں جنت میں داخل ہوا۔ وہاں میں نے ملائکہ کو دیکھا ایک اینٹ سونے کی اور ایک چاندی کی (اس سے مکان بنا رہے ہیں) اور کبھی بناتے بناتے ٹھہر جاتے ہیں۔ تو میں نے پوچھا آخر تم کبھی بنانے لگتے ہو اور کبھی ٹھہر جاتے ہو ایسا کیوں ہے؟ انھوں نے کہا: جب تک ہمارا نفقہ نہ آجائے ٹھہرے رہتے ہیں میں نے کہا تمہارا نفقہ کیا ہے؟ انھوں نے کہا دنیا کے اندر مومن کا یہ کہنا: سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ جب مومن کہتا ہے ہم کام کرنے لگتے ہیں۔ جب وہ چپ ہو جاتا ہے ہم بھی رک جاتے ہیں۔ بحار جلد ۹۰ ص ۱۲۹۔ ۱۷، "کتاب الذکر والدعا" باب ۲، حدیث ۷۔

۱۹۔ سورۂ کہف آیت ۴۹۔

۲۰۔ علم الیقین جلد ۲ ص ۸۴۴ "المقصد الرابع" فی احوال البرزخ۔

۲۱۔ کشف الغمۃ فی معرفۃ الائمہ جلد ۲، ص ۸۵۔

Presented by www.ziaraat.com

تیئسویں حدیث

«بِالسَّنَدِ الْمُتَّصِلِ إِلَى حُجَّةِ الْفِرْقَةِ وَثِقَتِهَا، مُحَمَّدِ بْنِ يَعْقُوبَ الْكُلَيْنِيِّ، رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ إِبْرَاهِيمَ، رَفَعَهُ إِلَى أَبِي عَبْدِاللّٰهِ، عَلَيْهِ السَّلَامُ، قَالَ طَلَبَةُ الْعِلْمِ ثَلَاثَةٌ. فَاعْرِفْهُمْ بِأَعْيَانِهِمْ وَصِفَاتِهِمْ: صِنْفٌ يَطْلُبُهُ لِلْجَهْلِ وَالْمِرَاءِ وَصِنْفٌ يَطْلُبُهُ لِلِاسْتِطَالَةِ وَالْخَتْلِ، وَصِنْفٌ يَطْلُبُهُ لِلْفِقْهِ وَالْعَقْلِ. فَصَاحِبُ الْجَهْلِ وَالْمِرَاءِ مُوذٍ مُمَارٍ مُتَعَرِّضٌ لِلْمَقَالِ فِي أَنْدِيَةِ الرِّجَالِ بِتَذَاكُرِ الْعِلْمِ وَصِفَةِ الْحِلْمِ، قَدْ تَسَرْبَلَ بِالْخُشُوعِ وَتَخَلَّى مِنَ الْوَرَعِ، فَدَقَّ اللّٰهُ مِنْ هٰذَا خَيْشُومَهُ وَقَطَعَ مِنْهُ حَيْزُومَهُ. وَصَاحِبُ الْاِسْتِطَالَةِ وَالْخَتْلِ ذُو خِبٍّ وَمَلَقٍ؛ يَسْتَطِيلُ عَلَى مِثْلِهِ مِنْ أَشْبَاهِهِ، وَيَتَوَاضَعُ لِلْأَغْنِيَاءِ مِنْ دُونِهِ؛ فَهُوَ لِحَلْوَائِهِمْ هَاضِمٌ وَلِدِينِهِ حَاطِمٌ؛ فَأَعْمَى اللّٰهُ عَلَى هٰذَا خُبْرَهُ وَقَطَعَ مِنْ آثَارِ الْعُلَمَاءِ أَثَرَهُ. وَصَاحِبُ الْفِقْهِ وَالْعَقْلِ ذُو كَآبَةٍ وَحُزْنٍ وَسَهَرٍ؛ قَدْ تَحَنَّكَ فِي بُرْنُسِهِ وَقَامَ اللَّيْلَ فِي حِنْدِسِهِ؛ يَعْمَلُ وَيَخْشَى وَجِلاً، دَاعِياً مُشْفِقاً مُقْبِلاً عَلَى

Presented by www.ziaraat.com

شَأْنِهِ، عَارِفاً بِأَهْلِ زَمَانِهِ مُسْتَوْحِشاً مِنْ أَوْثَقِ إِخْوَانِهِ، فَشَدَّ اللّٰهُ مِنْ هٰذَا أَرْكَانَهُ وَأَعْطَاهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَمَانَهُ.

قَالَ الْكُلَيْنِيُّ، رَحِمَهُ اللّٰهُ: وَحَدَّثَنِي بِهِ مُحَمَّدُ بْنُ مَحْمُودٍ، أَبُو عَبْدِ اللّٰهِ الْقَزْوِينِي، عَنْ عِدَّةٍ مِن أَصْحَابِنَا، مِنْهُمْ جَعْفَرُ بْنُ أَحْمَدَ الصَّيْقَلُ بِقَزْوِينَ، عَنْ أَحْمَدَ بْنِ عِيسَى الْعَلَوِيِّ، عَنْ عَبَّادِ بْنِ صُهَيْبٍ الْبَصْرِيِّ، عَنْ أَبِي عَبْدِ اللّٰهِ، عَلَيْهِ السَّلَامُ. ۱؎

ترجمہ: جناب امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: طالبانِ علم کی تین قسمیں ہیں۔ لہٰذا تم ان کو ان کی شخصیات و صفات کے ذریعہ پہچان لو۔

۱ــــ ایک قسم تو وہ ہے جو صرف جہالت اور جھگڑے کے لئے علم حاصل کرتے ہیں۔

۲ــــ دوسری قسم وہ ہے جو اپنی برتری جتانے اور دھوکہ دینے کے لئے علم حاصل کرتے ہیں۔

۳ــــ تیسری قسم وہ ہے جو دانش و بینش کے لئے علم حاصل کرتے ہیں۔

پس پہلی قسم موذی و جدال کرنے والی اور لوگوں کی محفلوں میں بیٹھ کر علم کا تذکرہ کر کے صفتِ حلم کا اظہار کر کے گفتگو کرنے والی ہے اس نے (بظاہر) خشوع (و خضوع) کا لباس پہن رکھا ہے (لیکن) ورع (اور تقویٰ) سے بالکل خالی ہے۔ پس خدا اس کی ناک رگڑے اور اس کی کمر توڑ دے اور طلاب علوم کی دوسری قسم فریب دینے والی اور چاپلوس ہے۔ اس قسم کا آدمی اپنے جیسے لوگوں پر برتری جتاتا ہے (لیکن) مالداروں کے سامنے دُم ہلاتا ہے۔ یہ لوگ مالداروں کے حلوے کھانے والے اور اپنے دین کو توڑ (مروڑ کر پیش کرنے) والے ہیں۔ پس خدا ایسوں کی بینائی کو اندھا کرے اور آثار علما سے اس کا نام و نشان مٹا دے۔ (البتہ) تیسری قسم والے رنجیدہ و غمگین (عابد) شب زندہ دار ہیں اپنی کلاہ پر حنک باندھنے والے تاریکیٔ شب میں قیام کرنے والے ہوتے ہیں عمل کرنے کے باوجود خوفزدہ رہتے ہیں۔ دُعا کرنے والے، شفیق اپنی حالت کو برقرار رکھنے والے ہوتے ہیں، اپنے زمانہ کے لوگوں کو پہچاننے والے ہوتے ہیں۔ اپنے معتمد ترین دوستوں سے بھی وحشت زدہ رہتے ہیں۔ پس خدا ان کے ارکان کو مضبوط کرے اور قیامت میں ان کو اپنی امان میں رکھے۔

علامہ کلینیؒ (بحذف الاسناد) امام جعفر صادق علیہ السلام سے اس روایت کو دوسرے

Presented by www.ziaraat.com

اسناد سے بھی نقل کرتے ہیں۔

شرح: اعیانھم اور فھم کے ضمیر کی تاکید ہے یعنی ان لوگوں کو اس طرح پہچان لو کہ وہ معین و مشخص ہو جائیں۔ مشتبہ نہ رہیں جیسے کہا جاتا ہے: «رَاَیْتُهٗ بِعَیْنِهٖ.» (یا مثلاً حدیث ہے۔)

وَ کُلُّ شَیْءٍ فِیْهِ حَلَالٌ وَ حَرَامٌ، فَهُوَ لَکَ حَلَالٌ حَتّٰی تَعْرِفَ الْحَرَامَ بِعَیْنِهٖ.» [۲]

(جس چیز میں بھی حلال و حرام (دونوں موجود) ہوں وہ تمہارے لئے (اس وقت تک) حلال ہے جب تک حرام کو بعینہ نہ پہچان لو) جناب محقق مجلسی رحمۃ اللہ نے اس (اعیانھم) کے بارے میں کئی احتمالات ذکر کئے ہیں مگر یہ احتمال جو واضح اور معین ہے اس کا تذکرہ نہیں فرمایا ہے: اور جن احتمالات کا ذکر کیا ہے وہ سب بعید ہیں مثلاً فرمایا ہے:

«بِاَعْیَانِهِمْ اَیْ، بِخَوَاصِّهِمْ وَ اَفْعَالِهِمُ الْمَخْصُوْصَةِ بِهِمْ، (یعنی ان کو ان کے افعال و خواص کے ذریعہ پہچانو جو ان کے لئے مخصوص ہیں) بِالشَّاهِدِ وَ الْحَاضِرِ مِنْ اَفْعَالِهِمْ.» (یعنی ان کے موجودہ افعال کے ذریعہ ان کو پہچانو) اس کے بعد فرمایا: «وَ قِیْلَ: بِاَعْیَانِهِمْ اَیْ، اَقْسَامِهِمْ وَ مَفْهُوْمَاتِ اَصْنَافِهِمْ. وَ قِیْلَ: اَلْمُرَادُ بِاَعْیَانِهِمْ مَنَاظِرُهُمْ مِنْ هَیْئَتِهِمْ وَ اَوْضَاعِهِمْ کَالتَّسَرْبُلِ بِالْخُشُوْعِ.» [۳] اور بعض علما نے کہا ہے کہ باعیانھم کا مطلب ان کے اقسام اور مفہومات اصناف کے ذریعہ ان کو پہچانو اور بعض نے کہا ہے: اعیان سے مراد ان کو ان کی شکل و شمائل، ہیئت و اوضاع کے ذریعہ پہچانو جیسے خشوع و خضوع کے لباس سے ان کو پہچانو۔ اس کے علاوہ دیگر بعید احتمالات کا ذکر فرمایا ہے۔

وصفاتھم: اوصاف سے مراد ان کے وہ حالات ہیں جو ان تین قسموں کے ملکات و مقاصد کے تابع ہیں جیسے اذیت دینا، ریاکاری کرنا وغیرہ پس ان صفتوں سے ان کے حالات کی معرفی ہو جائے گی اور وہ لوگ اپنے اعیان و اشخاص کے ذریعہ پہچانے جائیں گے۔

جہل: سے مراد وہ چیز ہے جو علم کے خلاف ہو اور یہاں پر شاید "حق کا پہچاننا" مقصود ہو۔ (ویسے) میں اس مطلب کو اس کے بعد اس سے زیادہ بیان کروں گا۔ علامہ مجلسیؒ نے فرمایا: «اَلْجَهْلُ السَّفَاهَةُ وَ تَرْکُ الْحِلْمِ. وَ قِیْلَ: ضِدُّ الْعَقْلِ.» [۴] "جہل کے معنیٰ (یہاں پر) بے وقوفی اور ترکِ حلم کے ہیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ جہل سے مراد ضدِ عقل ہے۔"

مراء: اس سے مراد کلام اور رائی میں جدال کرنا اور اسی مادہ سے منطق میں جو صناعات خمس بیان کئے جاتے ہیں اور ان میں "جَدَل" کا استعمال ہوتا ہے۔ وہ جدل بھی اسی سے ہے چنانچہ

Presented by www.ziaraat.com

ویقال: ما رَیْتُ الرَّجُلَ اُمارِیہِ مِراءً اِذا جادَلْتَہٗ۔ ۵ "اس وقت بولا جاتا ہے جب تم کسی سے جدال کرو" جیسا کہ صحاح جوہری میں ہے۔ یہ کلام اگرچہ مطلق ہے لیکن علی الظاہر اس سے مُراد وہی ہے جو ذکر کیا گیا۔ یہاں پر ایک دوسرا احتمال بھی ہے جس کی طرف میں آنے والی فصلوں میں اشارہ کروں گا۔ ۶

استطالۃ: اس کے معنیٰ طلب بلندی اور ارجمندی کے ہیں۔

خَتل: خائے معجمہ کو فتحہ ہے اور تا ساکن ہے اس کے معنیٰ دھوکہ و فریب کے ہیں جیسا کہ جوہری نے کہا ہے: خَتَلَہٗ اور خاتلہ کے معنیٰ خَدَعَہٗ "اس کو دھوکہ دیا" کے ہیں۔ والتخاتل کے معنیٰ التخادع کے ہیں۔

ممارِ: اس کے بعد ذکر کیا جائے گا کہ صاحبِ مراء کی تعریف "ممارِی" سے اور صاحبِ استطالۃ وختل کی تعریف "استطالۃ" سے اور صاحبِ "خبث" ہونے سے ہے جو خود "خدعۃ" کے معنیٰ میں ہے۔ ۱؎

متعرض للمقال: یعنی مقالات کا ظاہر کرنا۔ چنانچہ عَرَضْتُ لہ الشیٔ "اس وقت کہا جاتا ہے جب تم اس کو اس کے لئے ظاہر کرو اور جب کوئی شئی اس کو درپیش ہو۔ اور یُعْرِضُ کا مطلب "ظَھَرَ" ہے۔

اندیۃ: نادی کی جمع ہے اور نادی اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں لوگ اپنے مذاکرات کے لئے بیٹھیں۔ جب وہاں سے چلے جائیں تو اس کو نادی نہیں کہا جاتا۔ مکہ میں جو "دارالندوۃ" تھا وہ بھی اسی معنیٰ میں ہے اس کو باہمی مشورہ کرنے کے لئے بنایا گیا تھا۔ "نَدیٌ" بروزن فصیل (ندوۃ) اور "منتدیٰ" اور "متندیٰ" بھی اسی معنیٰ میں ہے۔ جیسا کہ جوہری نے کہا ہے۔

بتذاکر العلم: یہ (جار مجرور) "مقال" سے متعلق ہے اور یا پھر مقال کا بدل ہے اور صفۃ الحلم اسی پر عطف ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ علمی مذاکرات اس لئے کرتا ہے کہ اپنے کو اس کا اہل ہونا ثابت کرے اور علم کی تعریف و توصیف اس لئے کرتا ہے کہ اپنے کو بھی انھیں کے زمرے میں شمار کرے۔ حالانکہ وہ نہ اس کا اہل ہے اور نہ اس کے اصحاب میں اس کا شمار ہوتا ہے۔ اس کا علم ایک جہالت ہے جو بصورت دانش ہے اور اس کا حلم کامل و معتدل اوصاف سے خارج ہے

۱؎: اس کا مقصد یہ ہے کہ اصحاب مراء کی تعریف ممارِی سے اور اصحاب خدعہ کی تعریف خدعہ سے یہ تعریف الشیٔ بنفسہ ہے اور یہ بات صحیح نہیں ہے۔ میں اس کے بعد اس کا ذکر انشاء اللہ اس طرح کروں گا کہ اشکال برطرف ہو جائے۔ منہ عفی عنہ

Presented by www.ziaraat.com

اور میں اس کے بعد اس مقولہ کا ذکر کروں گا۔

تَسَرْبَلَ: یہ باب تَفَعْلُلٌ سے ہے جس کے معنیٰ پیراہن پہننے کے ہیں۔ بولا جاتا ہے تَسَرْبَلَهُ فَتَسَرْبَلَ میں نے اس کو پیراہن پہنایا۔ پس اس نے پہن لیا (بمعنی البستہ السربال) اور تسربل بالخشوع کا مطلب اپنے کو خشوع کا پیراہن پہنایا اور اظہار کیا کہ ہمارے لئے لازم ہے کیونکہ پیراہن جسم سے ملا ہوتا ہے اور بدن کے لئے لازم ہے۔ حالانکہ وہ اس سے خالی ہے اور وہ پیراہن کی طرح اس کے لئے عاریتی ہے۔

اَلْوَرَع: را کو فتحہ ہے اس کا مطلب محرمات اور مشتبہات سے مکمل احتراز ہے۔

فَدَقَّ اللّٰہ: اس میں احتمال ہے کہ یہ جملہ اور اس کے مثل بعد والے دو جملے دعا ہوں اور یہ بھی احتمال ہے کہ ان کی حالت کے بارے میں دنیا اور آخرت میں خبر دینا ہو۔ یا صرف دُنیا یا صرف آخرت کے بارے میں خبر دینا ہو اور دَقَّ کے معنیٰ کوٹنے کے ہیں اور یا پھر یہ اسم صوت ہے۔

من ھٰذا: یعنی ان خصلتوں میں سے ہر خصلت کی بنا پر۔

خیشوم: ناک کا اوپری حصہ اور ناک کوٹنے سے مُراد ذلت و رسوائی ہے۔ یعنی ان خصلتوں کی بنا پر خدا ان کو ذلیل و رسوا کرے گا۔ اس کے بعد ہم اس معنیٰ کی طرف اشارہ کریں گے۔[8]

اَلْحَیْزُوْم: حائے مہملہ کو فتحہ اور زائے معجمہ کو ضمہ ہے اس کے معنیٰ کمر، وسط سینہ اور اس ہڈی کے معنیٰ میں بھی آتا ہے جو حلقہ کی طرح گردن کے پاس ہوتی ہے۔ (مگر) یہاں پر لفظ "قطع" کی مناسبت سے پہلے معنیٰ مناسب ہیں۔

اَلْخِبْت: "خاء" کو کسرہ ہے۔ یہ دھوکہ، خباثت اور ملاوٹ کے معنیٰ میں آتا ہے۔ چنانچہ رجل خبت (فتحہ کسر) دونوں کے ساتھ دھوکہ باز کے معنیٰ میں آتا ہے جیسا کہ جوہری نے کہا ہے۔

مَلَق: کے معنیٰ چاپلوسی کے ہیں اور جوہری نے صحاح میں جو کچھ کہا ہے یہ اس کے لئے لازم ہے۔ جوہری نے کہا ہے: رجل ملق اس شخص کو کہتے ہیں جو زبان سے ایسی بات کہے جو اس کے دل کے خلاف ہو انتہیٰ[9] اور یہ تفسیر لازم اعم سے کی گئی ہے۔ بلکہ اس کے معنیٰ ایسے لطف و محبت کے اظہار کے ہیں جس میں خضوع و خشوع بھی ہو مگر دل میں ایسا نہ ہو۔

لَمَکَّوا بِھِمْ: علامہ مجلسیؒ نے فرمایا ہے کہ بعض نسخوں میں نون کے ساتھ (لمکنوا بھم) آیا ہے[10] اس صورت میں حائے مہملہ کے ضمہ اور سکون لام کے ساتھ دلّال و کاہن کی اُجرت کے معنیٰ میں ہوگا اور رشوت کے معنیٰ (بھی) ہوتے ہیں۔ اس وقت عبارت کا مطلب یہ ہوگا۔ مالداران کو چور قسم ان

Presented by www.ziaraat.com

کاموں کے عوض میں دیتے ہیں جو یہ لوگ ان کے لئے کرتے ہیں اور جو دین فروشی کرتے ہیں۔

اَلْحُطَمُ: توڑنا۔ مجلسیؒ نے فرمایا: حطم کے معنیٰ "ایسا توڑنا جو موڈی بفساد ہو" کے ہیں"

خُبْرَہ: اس لفظ میں احتمال ہے کہ خائے معجمہ کو ضمہ اور ہائے (موحدۃ) کو سکون ہو تو اس کا مطلب بصیرت و خبرت کے ہوں گے اور یہ بھی احتمال ہے کہ خائے معجمہ اور ہائے موحدہ دونوں کو فتحہ ہو۔ البتہ فعل کی نسبت کی وجہ سے پہلے معنیٰ اولیٰ و انسب ہیں۔ ویسے دوسرے معنیٰ بھی خالی از وجہ نہیں ہے۔

اَلْکَآبَۃ: تحریک اور مدّ و تسکین کے ساتھ شدت رنج و غم سے بُرا حال ہو جانا ہے۔

تَحَنُّکَ فِیْ بُرْنُسِہٖ: یعنی اپنی برنس (کلاہ) کے نیچے تحت الحنک قرار دیا۔ برنس وہ لمبی ٹوپی ہے جس کو صدر اسلام میں اہل عبادت اپنے سر پر رکھا کرتے تھے۔ جوہری نے صحاح میں یہی کہا ہے۔ علامہ مجلسیؒ فرماتے ہیں: اس فقرہ میں اشارہ ہے کہ نماز میں تحت الحنک مستحب ہے۔" مگر مجھے اس استفادہ میں تامل ہے۔ اس لئے کہ اہل عبادت جو اپنے لباس میں حنک تحنک باندھتے ہیں۔ اس کی دلالت مطلق استحباب پر ہے (خواہ نماز ہو یا غیر نماز) صرف وقت نماز کا تحنک نہیں ہے۔ ہاں اگر برنس نماز کا کوئی مخصوص لباس ہوتا تو یہ استفادہ صحیح تھا۔

اَلْحِنْدِسِ: ہائے مہملہ کو کسرہ ہے اور نون ساکن ہے اور دال مہملہ کو بھی کسرہ ہے۔ اس کا مطلب بہت تاریک رات کے ہیں جیسا کہ جوہری نے کہا ہے اور لفظ حندس کا اضافہ ضمیر کی طرف بیانیہ ہے۔ اور فِیْ حِنْدِسِہٖ (لَیْلٍ) کا بدل ہے اور ایک احتمال قریب یہ بھی ہے کہ یہاں پر تجرید کی بنا پر صرف تاریکیٔ شب مراد ہو۔

فَشَدَّ اللّٰہُ اَرْکَانَہٗ: شَدّ کے معنیٰ قوت اور مضبوطی کے ہیں۔ چنانچہ شَدَّ عَضُدَہٗ کے معنیٰ اس کو تقویت دینے کے ہیں۔ رکن کے معنیٰ اس چیز کے ہیں جس پر کسی شئی کا قوام و قیام ہو۔ جوہری نے کہا ہے، "رُکْنُ الشَّیْءِ، جَانِبُہُ الْاَقْوٰی۔" کے ہوتے ہیں۔

جن چیزوں کا بیان مناسب ہے ہم اس کو چند فصلوں کے ضمن میں بیان کریں گے۔

وَعَلَی اللّٰہِ التُّکْلَانُ

پہلی فصل

یہ بات اپنی جگہ پر طے ہے کہ نتائج کے اعتبار سے مقدمات قیاس اور مدلولات براہین

Presented by www.ziaraat.com

کے اعتبار سے ہر علم میں ادلّہ و براہین مقدمات کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہ (مقدمات اور ادلّہ و براہین) نہ تو خود استقلال تام رکھتے ہیں اور نہ مقدمات و براہین سے بالکل بیگانہ ہوتے ہیں۔ (البتہ) اس سلسلہ میں دو گروہوں۔ جبری و تفویضی۔ نے اختلاف کیا ہے اور اعتدال سے دور ہو گئے ہیں اور ان دونوں گروہوں نے اپنے اپنے مذہب کے اعتبار سے ایک ایک طرف کو اختیار کیا ہے ایک گروہ کہتا ہے مقدماتِ قیاس خود مستقل ہیں اگر عالم غیب کا دروازہ بند کر دیا جائے اور عالم ملکوت کے افاضہ کو روک دیا جائے جب بھی انسان صرف مقدمات کے سہارے نتائج کا علم حاصل کر سکتا ہے اور دوسرا گروہ کہتا ہے مقدمات کا نتائج سے کوئی رابطہ نہیں ہے یہ تو صرف خدا نے ایک سنت جاری کر دی ہے کہ مقدمات کے بعد نتائج کا انسانی ذہن میں القاء ہو جاتا ہے۔ صورتاً تو مقدمات نتائج سے مربوط ہوتے ہیں لیکن در حقیقت محض بے ربط ہیں۔

لیکن ان دونوں گروہوں کا مذہب ارباب معارفِ حقہ اور علومِ حقیقیہ کے نزدیک باطل ہے اور اہل حق کا بھی اتفاق ہے اور امر واقعی بھی یہی ہے کہ مقدمات ارتباطِ اعدادی رکھتے ہیں اور نفس کو القائے علوم کے لئے مبادی عالیۂ غیبیہ سے حاضر و آمادہ رکھتے ہیں اور میں ہر دست ان دونوں مذہبوں کے بطلان کو نہیں پیش کرنا چاہتا کیونکہ وہ ہمارے مقصد سے خارج ہیں ان کا ذکر تو ضمناً دوسرے مطلب کی بنا پر آگیا ہے اور وہ مطلب یہ ہے کہ جب یہ بات معلوم ہو چکی کہ عالم غیب سے علوم و معارف کا القا ہوتا ہے اور نفوس کا اس سے ارتباط رہتا ہے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے:

«لَيْسَ الْعِلْمُ بِكَثْرَةِ التَّعْلِيمِ، بَلْ هُوَ نُورٌ يَقْذِفُهُ اللّٰهُ فِي قَلْبِ مَنْ يَشَاءُ» ۱۳

"زیادہ پڑھنے پڑھانے سے علم نہیں حاصل ہوتا بلکہ علم ایک نور ہے جس کو خدا جس کے قلب میں چاہتا ہے ڈال دیتا ہے۔" اس لئے جن نفوس کا ملکوتِ اعلیٰ اور ملائکۂ مقربین کے عالم سے ارتباط رہتا ہے تو ان سے جو بھی القائات ہوتے ہیں وہ القائے ملکی ہوتے ہیں اور جن علوم کا ان کی طرف سے افاضہ ہوتا ہے وہ علومِ حقیقیہ ہوتے ہیں اور عالم ملائکہ سے ہوتے ہیں اور جن نفوس کا ارتباط عالم ملکوت اسفل سے ہوتا ہے اور عالم جن و شیطان اور نفوسِ خبیثہ سے ہوتا ہے ان کے القائات شیطانی القا اور از قسم جہلِ مرکب و حجابِ مظلم ہوتے ہیں۔ اسی لئے ارباب معارف اور صاحبانِ علوم حقیقی نفوس کا تصفیہ اور اخلاصِ نیت، تصحیح قصد کو تحصیلِ علوم میں ضروری سمجھتے ہیں۔ خصوصاً معارفِ حقہ اور علومِ شرعیہ میں اس کو سب سے پہلی شرط مانتے ہیں اور اس سلسلہ میں معلمین کو بہت زیادہ تاکید کرتے ہیں کیونکہ نفوس کا تذکیہ اور اس کا صیقل کرنا مبادی عالیہ سے ارتباط کو قوی کرتا ہے

Presented by www.ziaraat.com

اور خداوند عالم نے آیۂ کریمہ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ ۔[۱۴] (خدا سے ڈرو، خدا تم کو تعلیم دیتا ہے) میں تعلیم الٰہی کو اسی لئے تقویٰ سے مربوط کیا ہے اس لئے کہ تقویٰ نفس کو صاف کرتا ہے اور اس کو مقام غیب مقدس سے مرتبط کرتا ہے۔ (جب یہ ہوتا ہے) تو تعلیم الٰہی اور القائے رحمانی واقع ہوتا ہے کیونکہ مبادی عالیہ میں بخل محال ہے وہ سب (مبادی عالیہ) واجب الفیاضیہ ہیں جیسے کہ واجب الوجود بالذات تمام حیثیات سے واجب ہوتا ہے۔

لیکن اگر نفس اپنے آبادکاری اور اپنے کھانے پینے اور انانیت کی طرف توجہ رکھتے ہوئے (تحصیل) علوم میں مشغول ہو اور اس کا مقصد الٰہی نہ ہو تو اس پر جو القائات ہوں گے وہ سب شیطانی ہوں گے اور رحمانی و شیطانی القاء کے درمیان امتیاز یہی ہے جس کو میرے خیال میں اہل معارف نے ذکر نہیں کیا اور غیر مختلف موازین میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جس کو خود انسان بھی اکثر اوقات سمجھ لیتا ہے اور اس غیر پرہیز کرنے والے اور دارائے کدورت نفس پر جو القا ہوتا ہے وہ از قبیل جہل مرکب ہے جو لاعلاج مرض ہے اور راستہ کا کانٹا ہے۔ اسی لئے کہ علم کا معیار مفہومات کلیہ اور اصطلاحات علمیہ کا حصول نہیں ہے بلکہ اس کا معیار نفس کے چشم بصیرت سے حجابوں کا اٹھنا اور باب معرفت اللہ کا وا ہو جانا ہے اور علم حقیقی وہی ہے جس سے دار کرامت کے لئے ہدایت ملکوت کا چراغ اور تقرب حق کا سیدھا راستہ حاصل ہو سکے اور اس کے علاوہ جو کچھ بھی ہے چاہے وہ عالم ملک میں اور طبیعت کے رفع حجاب سے پہلے بصورت علوم ہوں (اور اس کے جاننے والوں کو ارباب محاورات و مجادلات کے نزدیک علماء، عرفاء، فقہا کہا جاتا ہو) لیکن چشم قلب سے حجاب اٹھ جانے اور پردۂ ملکوت کے برطرف ہو جانے اور ملک و طبیعت کے خواب سنگین سے بیدار ہو جانے کے بعد معلوم ہو گا کہ اس حجاب کی غلظت تمام حجابوں سے زیادہ تھی اور یہ تمام رسمی علوم سخت قسم کے ملکوتی حجابات تھے کہ جن میں سے ہر ایک کا دوسرے سے فاصلہ فرسخوں کی مسافت تھی اور ہم اس سے غافل تھے: «اَلنَّاسُ نِيَامٌ فَاِذَا مَاتُوا انْتَبَهُوا ۔»[۱۵] (لوگ تو خواب میں ہیں جب مریں گے تب ہوشیار ہوں گے) اور یہ (بھی) معلوم ہو گا کہ ہم نے کیا کیا اور سب سے بڑی ذلت و رسوائی تو اس وقت ہو گی پچاس سال یا اس سے کم یا زیادہ تحصیل علم کرنے کے بعد معلوم ہو گا کہ ہم بھی مغالطہ کے شکار تھے۔ شیطان و نفس کی مکاریوں سے غافل ہو کر ہم بھی یہ خیال کرتے رہے کہ ہماری تحصیلات صرف خدا کے لئے ہیں اور یہ غفلت اسی وجہ سے ہے کہ حجب نفس ایک ضخیم پردہ ہے جس نے ہمارے عیوب کو ہم سے چھپائے رکھا اسی لئے اولیا اطہار اور ائمہ فالاتبار نے خود ہمارے

Presented by www.ziaraat.com

سمجھانے کے لئے ایسے آثار و علائم ذکر کر دیئے ہیں جس سے ہم امتیاز کر سکیں اور اپنے کو پہچان سکیں اور اپنے نفس کو کسوٹی قرار دیں اپنے سے بے بہرہ قسم کا حسن ظن نہ رکھیں۔ اس کے بعد اس حدیث شریف میں جن علامتوں کا ذکر کیا گیا ہے ہم اس کی طرف اشارہ کریں گے۔

اس (ساری گفتگو) کا نتیجہ یہ ہوا کہ تقسیم اوّلی کلی کے اعتبار سے طالب علم کی دو قسمیں ہیں۔

۱:- ایک وہ جس کا مقصد الٰہی ہو۔

۲:- دوسرا وہ جس کا مقصد نفسانی ہو۔

اور یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ اس قسم کے گروہ کا انتہائی مقصد جہالت ہے کیونکہ جو علوم صوریہ ان کو حاصل ہوں گے وہ حقیقت میں جہل مرکب اور حجاب ملکوتی ہیں اور یہ دونوں گروہ جن کا امام ششمؑ نے اس حدیث میں ذکر کیا ہے اور ہم اس کی شرح کر رہے ہیں مقصد مذکور میں شریک ہیں اس لئے کہ صاحبان مراء وجدال اور اصحاب استطالہ و ختل دونوں اصحاب جہالت اور ارباب ضلالت ہیں۔ اسی وجہ سے جس جہالت کو امامؑ نے پہلے گروہ کی علامتوں میں سے قرار دیا ہے اس کے لئے کہا جا سکتا ہے کہ وہ معنی متعارف کے علاوہ ہے۔ بلکہ اس عمومیت سے مقصود یا لوگوں کو جہالت میں مبتلا کرنا ہے یا پھر جہالت سے مراد تجاہل اور عدم قبول حق ہے جیسے کہ یہ دونوں اصحاب مراء وجدال کی خصوصیت میں سے ہیں۔ یہ لوگ (اصحاب جدال) حقیقی امور اور راسخ حقوق کا انکار کرتے ہیں اور اپنی بات کو بڑھاوا دینے اور باطل کو چمکانے اور اپنے کھوٹی متاع کو رواج دینے کے لئے جہالت سے کام لیتے ہیں۔

اور حضرت صادقؑ نے لوگوں کی جو تین قسمیں قرار دی ہیں۔ حالانکہ وہ ایک تقسیم کی بنا پر جو تقسیم اوّلی کلی ہے جو نفی و اثبات کے درمیان دائر ہے اس کے اعتبار سے لوگ دو قسموں سے زیادہ نہیں ہیں اور ایک اعتبار سے تین قسموں سے زیادہ ہیں۔ تو اس کے لئے کہا جا سکتا ہے کہ حضرتؑ نے صرف ان دو بڑے گروہوں کا ذکر کرنا چاہا ہے کہ جس کی طرف تمام (یا زیادہ) ارباب جہالت و ضلالت رجوع کرتے ہیں۔ اسی لئے دوسری روایت میں ان کو دو ہی گروہ پر تقسیم کیا گیا ہے۔

«كافي بإسنادِهِ عَنْ اَبي عَبْدِاللّٰهِ، عَلَيْهِ السَّلامُ، قالَ: مَنْ اَرادَ الْحَديثَ لِمَنْفَعَةِ الدُّنْيا، لَمْ يَكُنْ لَهُ فِي الْآخِرَةِ نَصيبٌ. وَمَنْ اَرادَ بِهِ خَيْرَ الْآخِرَةِ، اَعْطاهُ اللّٰهُ خَيْرَ الدُّنْيا وَالْآخِرَةِ.»[۲۲]

Presented by www.ziaraat.com

"جو حدیث اس لئے حاصل کرنا چاہتا ہو کہ اس سے دنیاوی فائدہ حاصل کرے اس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے اور جو اس سے خیر آخرت چاہتا ہو خدا اس کو خیر دنیا و آخرت (دونوں) دے گا۔"

دوسری فصل

ایک حدیث کے ضمن میں مراء و جدال کے بہت سے مفاسد کا ذکر ہم کر چکے ہیں" اور چونکہ اس حدیث کے بھی مناسب ہے کہ میں تھوڑے سے مزید مفاسد کو دوسری حدیثوں سے بھی ذکر کروں (لہٰذا) عرض ہے: کافی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ حضرت علیؑ نے فرمایا:

"قَالَ اَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ، عَلَيْهِ السَّلَامُ: اِيَّاكُمْ وَالْمِرَاءَ وَالْخُصُومَةَ؛ فَاِنَّهُمَا يُمْرِضَانِ الْقُلُوبَ عَلَى الْاِخْوَانِ وَيَنْبُتُ عَلَيْهِمَا النِّفَاقُ." ۱۸

"گفتگو میں جدال و خصومت سے پرہیز کرو۔ کیونکہ یہ دونوں (جدال و خصومت) دلوں کے بارے میں دلوں کو مریض کر دیتے ہیں اور انھیں دونوں سے (دلوں میں) نفاق پیدا ہو جاتا ہے۔"

کافی ہی میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے:

"وَفِي الْكَافِي اَيْضاً عَنْ اَبِي عَبْدِاللّٰهِ، عَلَيْهِ السَّلَامُ، قَالَ: اِيَّاكُمْ وَالْخُصُومَةَ؛ فَاِنَّهَا تَشْغَلُ الْقَلْبَ وَتُورِثُ النِّفَاقَ وَتُكْسِبُ الضَّغَائِنَ." ۱۹

"خبردار جھگڑے سے بچو کیونکہ خصومت دل کو مشغول بنا دیتی ہے، نفاق کا سبب بنتی ہے اور دلوں میں کینہ پیدا کر دیتی ہے۔"

کافی ہی میں امام جعفر صادقؑ سے یہ بھی مروی ہے کہ:

وَفِيهِ اَيْضاً عَنْ اَبِي عَبْدِاللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ، قَالَ: قَالَ جِبْرَئِيلُ لِلنَّبِيِّ، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ: اِيَّاكَ وَمُلَاحَاةَ الرِّجَالِ." ۲۰

Presented by www.ziaraat.com

"جبرئیلؑ نے رسولِ خداؐ سے کہا: لوگوں سے گفتگو کرنے میں مخاصمت سے پرہیز کیجئے۔"

اب اس بات کی تفصیل کہ مراء و خصومت در گفتگو دل کو مریض کرتی ہے انسان کو دوستوں سے بُرا بنا دیتی ہے اور دل میں نفاق (کے بیج) بو دیتی ہے تو اس کی (کچھ تفصیل) پہلے بیان کی جا چکی[۲۱] (اور وہ یہ ہے کہ) ظاہری اعمال کے (بھی) دل اور باطن میں اسی کے مناسبت سے آثار ہوتے ہیں۔ (مگر) اب میں عرض کرتا ہوں کہ بُرے اعمال کے اثرات دل میں بہت جلد اور بہت شدید ہوتے ہیں اس لئے کہ انسان عالمِ طبیعت کی پیداوار ہے اور شہوت و غصہ و شیطنت کی طاقتیں اس سے قریب ہوتی ہیں اور اس میں متصرف ہوتی ہیں جیسا کہ خود حدیث میں بھی ہے:

"اِنَّ الشَّیْطَانَ یَجْرِیْ مَجْرَی الدَّمِ مِنْ بَنِیْ آدَمَ۔"[۲۲] "شیطان خون کی طرح بنی آدم کے (دلوں میں) دوڑتا رہتا ہے۔" اس لئے قلب کی توجہ مفسدات اور ان چیزوں کی طرف رہتی ہے جو طبیعت کے موافق ہوں۔ اسی لئے خارجی مدد سے، خواہ وہ جوارحِ انسانی ہوں یا اس سے خارج مثلاً بُرا اور بدخلق رفیق و مصاحب، دل میں شدید اثر پیدا ہو جاتا ہے اور حدیث میں بھی ایسے لوگوں کی مصاحبت سے روکا گیا ہے (چنانچہ ملاحظہ ہو) کافی میں امام جعفر صادقؑ سے مروی ہے کہ: حضرت علیؑ نے فرمایا:

"کافی: عَنْ اَبِیْ عَبْدِاللّٰہِ، عَلَیْہِ السَّلَامُ، قَالَ: قَالَ اَمِیْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ، عَلَیْہِ السَّلَامُ: لَایَنْبَغِیْ لِلْمَرْءِ الْمُسْلِمِ اَنْ یُوَاخِیَ الْفَاجِرَ فَاِنَّہٗ یُزَیِّنُ لَہٗ فِعْلَہٗ وَیُحِبُّ اَنْ یَکُوْنَ مِثْلَہٗ؛ وَلَا یُعِیْنُہٗ عَلٰی اَمْرِ دُنْیَاہُ وَلَا اَمْرِ مَعَادِہٖ؛ وَمَدْخَلُہٗ اِلَیْہِ وَمَخْرَجُہٗ مِنْ عِنْدِہٖ شَیْنٌ عَلَیْہِ۔"[۲۳]

"مردِ مسلمان کو کسی فاسق و فاجر سے دوستی نہیں کرنی چاہیئے اس لئے کہ وہ اس کے سامنے اپنے فعل کو خوبصورت بنا کر پیش کرے گا اور یہ چاہے گا کہ وہ بھی اسی کی طرح ہو جائے اور اس کی نہ تو دنیاوی امور میں اور نہ آخرت کے امور میں (کسی میں بھی) مدد نہیں کرے گا۔ اس کے پاس آنا، جانا بھی اس کے لئے بُرائی کا سبب بنے گا۔"

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا:

"وَعَنْ اَبِیْ عَبْدِاللّٰہِ، عَلَیْہِ السَّلَامُ، قَالَ: لَایَنْبَغِیْ لِلْمَرْءِ الْمُسْلِمِ اَنْ یُوَاخِیَ

Presented by www.ziaraat.com

الْفَاجِرَ وَلَا الْاَحْمَقَ وَلَا الْكَذَّابَ ۔ ۲۴

"مسلمان کو بدکار اور احمق اور جھوٹے سے دوستی نہیں کرنی چاہیئے۔"

اہلِ معصیت کے ساتھ نشست و برخواست کی ممانعت یا جس جگہ معصیتِ خدا ہو وہاں پر بیٹھنے کی ممانعت یا دشمانِ خدا کے ساتھ ربط و ضبط، میل و محبت، ان سے ملنے جلنے کی مخالفت کی اصل وجہ یہ ہے کہ ان کے اخلاق و اعمال و حالات انسان کے اندر اثر انداز ہو جائیں گے اور اس سے زیادہ اہم یہ ہے کہ خود انسان کے اعمال سے ذرا سی مداومت کے بعد خود انسان کا دل متأثر ہو جائے گا اور برے اعمال کے مراقبت کی وجہ سے قلب اتنا زیادہ متأثر ہو جائے گا کہ اس سے قلب کا پاک ہونا سالہائے دراز تک آسان و ممکن نہ ہوگا۔ اسی سے پتہ چل گیا کہ اگر انسان نے اپنے کو مراء اور خصومت میں مشغول رکھا تو تھوڑی سی مدت گزرنے کے بعد ہی قلب کے اندر بہت ہی ہولناک کدورت و تاریکی پیدا ہو جائے گی اور زبان کی ظاہری خصومت قلب کے باطنی خصومت تک پہونچ جائے گی اور یہ خود سب سے بڑا نفاق ہے۔ اس لئے نفاق کے مفاسد کو بھی مراء اور جدال کے مفاسد میں شمار کرنا چاہیئے اور نفاق کے فساد کی شرح پہلے ہی ہم کسی حدیث کے ذیل میں بیان کر چکے ہیں۔ ۲۵ اس لئے اسکے تکرار کی ضرورت نہیں ہے۔

حضرت امام جعفر صادقؑ نے صاحبانِ جہل و مراء کے لئے کچھ علائم و آثار بیان فرمائے ہیں ان میں سے ایک مردم آزاری اور بری حاضری ہے کہ یہ قابلِ مذمت اور ان مفاسد میں ہے جو انسان کی ہلاکت کے لئے سببِ مستقل ہے۔ کافی میں ہے۔

"مَنْ آذَى لِي وَلِيًّا فَقَدْ بَارَزَنِي بِالْمُحَارَبَةِ۔" ۲۶ "جو میرے کسی ولی کو اذیت پہونچائے اس نے مجھ کو جنگ کی دعوت دی۔" اس حدیث میں مومنین و دوستانِ خدا کی اذیت کو خدا سے مبارزہ قرار دیا ہے اور ذاتِ پروردگارِ عالم سے مخاصمت قرار دی ہے۔ اس باب میں اتنی زیادہ حدیثیں ہیں جو اس مختصر سے رسالہ میں نہیں سما سکتیں۔

دوسری علامت یہ بتائی ہے کہ علمی مقالات اور علمی مذاکرہ کو غلبہ اور اظہارِ فضیلت کے لئے بطورِ مراء پیش کرتا ہے اور مراء کو جو علامات مراء سے قرار دیا ہے تو ہو سکتا ہے کہ پہلے مراء سے صفتِ قلبی اور اس کا ملکۂ خبیثہ مراد ہوں اور جس کو علامت قرار دیا ہے وہ اس کا اثر اور علامت ظاہری ہو۔

تیسری علامت یہ بتائی ہے کہ حلم و بردباری کی (تعریف و) توصیف کرتا ہے حالانکہ خود اس

Presented by www.ziaraat.com

سے متصف نہیں ہے اور یہ خود نفاق اور ریاکاری و شرک ہے جیسے اظہارِ خشوع کرنا اور ورع سے خالی ہونا بھی شرک و نفاق و ریاکاری کی واضح ترین علامت ہے۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ اس صفت کے ایسے عظیم مفاسد ہیں کہ ان میں سے ہر ایک ہلاک و برباد کرنے والا ہے (اس لئے) ضروری ہے کہ ہر قسم کی ریاضت و زحمت کے ذریعہ اپنے کو اس ننگ اور خصلت اور قلبی رذیلت جو ایمان کش اور خراب کن ہے اس سے نجات دیں اور دل کو اس ظلمت و کدورت سے آزاد کرائیں اور دل کو خلوصِ نیت اور صدق باطن سے مزین کریں۔

اس باب میں ایک خاص نکتہ یہ ہے کہ اگر انسان اس میں تھوڑا سا بھی غور کرے تو اس کی کمر توڑنے کے لئے کافی ہے۔ چنانچہ حضرت صادقؑ نے ان علامتوں کے ذیل میں فرمایا ہے: "خدا اس کی ناک رگڑ دے اور اس کی کمر توڑ دے" اب حضرت کا یہ فرمانا یا تو بعنوان خبر ہے یا پھر بد دعا ہے۔ جو بھی ہو اس کا واقع ہونا ضروری ہے اس لئے کہ اگر یہ اخبار ہے تو صادق و مصدق کی خبر ہے اور اگر بد دعا ہے تو معصوم و ولی اللہ کی بد دعا ہے جس کا مستجاب ہونا یقینی ہے اور یہ خود ہی ذلت و رسوائی سے کنایہ ہے اور ہو سکتا ہے انسان دونوں عالم میں ذلیل و رسوا ہو جائے اس عالم میں تو وہ جن لوگوں کے سامنے اَبر و مند ہونا چاہتا تھا اپنی خود نمائی اور اظہار فضیلت کی وجہ سے ذلیل و رسوا ہو جائے گا اور اس کی قیمت گر جائے گی اور انھیں لوگوں کے سامنے ذلیل و رسوا ہو جائے گا جن پر اپنی برتری جتانا چاہتا تھا اور عالمِ آخرت میں ملائکۂ مقربین، انبیائے مرسلین اولیائے معصومین، بندگانِ صالحین کے سامنے ذلیل و رسوا، خوار و بے مقدار ہو جائے گا۔

پس وائے ہو ہم لوگوں پر جو اصحاب مراء و جدال ہیں اور صاحبانِ خواہشاتِ نفسانیہ ہیں اور لڑائی جھگڑے والے ہیں ہم اس نفس خبیث و بے رحم کے ہاتھوں کس قدر مبتلا ہیں۔ ہم سے یہ نفس اپنا ہاتھ اُٹھانے والا نہیں ہے جب تک تمام نشئات اور عوالم میں ہم کو ہلاک نہ کر دے۔ ہم کسی وقت بھی اصلاح نفس کی طرف متوجہ نہیں ہوں گے اس نے غفلت کی روئی ہمارے کانوں میں ٹھونس رکھی ہے۔ (تاکہ) طبیعت کے سنگین خواب سے بیدار ہی نہ ہو سکیں۔

پروردگار تو بندوں کی اصلاح کرنے والا اور دلوں کا مالک ہے تمام موجودات کا وجود تیرے دستِ قدرت میں ہے اور تمام بندوں کے دل تیرے ارادۂ تامہ کے تحت اثر ہیں۔ ہم نہ اپنے مالک ہیں اور نہ اپنے نفع و ضرر، موت و حیات کے مالک ہیں تو ہمارے کدورت بھرے دلوں اور تاریک قلوب کو اپنے افاضۂ نور سے روشن کر دے اور ہمارے مفاسد کی اپنے فضل و کرم سے اصلاح فرما دے۔

Presented by www.ziaraat.com

اور ہم کمزوروں اور بیچاروں کی دستگیری فرما۔

تیسری فصل

جس طرح حدیث کے پہلے فقرہ میں ذکر کیا کہ مراد کے دو مرتبہ ہیں اس کا ایک مرتبہ باطنی ونفسانی ملکہ ہے اور دوسرا مرتبہ ظاہری اور اسی کی پیداوار ہے اور یہ ظاہری مرتبہ اس باطنی مرتبہ کے لئے علامت ونشانی ہے۔ اسی طرح امامؑ کے دوسرے فقرے کے بارے میں عرض ہے کہ استطالہ وبرتری اور خدعہ وختل کا ایک مرتبہ باطنی ونفسانی ہے جو اس امر کا ملکہ ہے اور ایک مرتبہ ظاہری ہے جو اس ملکہ کا نتیجہ ہے اور بیشتر اعمال وافعال میں قلب کا بھی حصہ ہے جو کبھی تو ملکہ کے مرتبہ تک پہونچ جاتا ہے اور کبھی صرف حال کے مرتبہ میں ہوتا ہے اور ظاہری اعمال اس کے نتائج ہوا کرتے ہیں۔ پس جن لوگوں میں برتری، جاہ طلبی، دھوکہ اور عوام فریبی اور استطالت کا ملکہ ہے اس کی علامتیں اور ظاہری نشانیاں بھی ان میں موجود ہیں اور ان میں سے بعض علامتوں کو حضرت صادقؑ نے بیان بھی فرمایا ہے۔ ایک علامت دھوکہ دہی اور عوام فریبی کی ہے کہ ایسے لوگ اپنے کو اہل صلاح وسداد ظاہر کرتے ہیں حالانکہ باطن میں ایسے نہیں ہیں یہ لوگ انسانی لباس اور بکری صورت میں بھیڑیا صفت ہیں۔ یہ لوگ بدترین مخلوق ہیں ان کا ضرر لوگوں کے دین میں مخالف لشکر سے کہیں زیادہ ہے۔

ان لوگوں کی دوسری واضح صفت یہ ہے کہ جن لوگوں سے ان کے مفادات وابستہ ہوتے ہیں ان کے لئے چاپلوس اور متواضع ہوتے ہیں۔ چاپلوسی، دھوکہ بازی اور تواضع کا جال بچھا کر بیچارے کمزور لوگوں کا شکار کرتے ہیں اور ان کے ارادت ومحبت کے شیریں حلوے اور دنیاوی احترامات سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور اس کے بدلے میں اپنے دین کو مایہ قرار دے کر اپنے ایمان کو بیچتے ہیں اور ان کی دنیا سے استفادہ کرتے ہیں۔ لوگوں کا یہ وہی گروہ ہے جس کے بارے میں حدیثوں میں آیا ہے کہ اہل بہشت ان کو دیکھ کر کہیں گے آخر اس کی کیا وجہ ہے کہ ہم تو تمہاری تعلیمات کی وجہ سے بہشتی ہو گئے پھر تم لوگ کیسے جہنمی ہو گئے؟ تو وہ لوگ جواب دیں گے ہم اپنے قول پر عمل نہیں کرتے تھے۔[۲۷]

ان لوگوں کی ایک صفت یہ بھی ہے کہ اپنے ہم جنسوں سے اور اپنے جیسے ان لوگوں سے جن سے دنیاوی طمع کی امید نہیں ہوتی اور جن کو اپنی ترقی کے راستہ کا کانٹا خیال کرتے ہیں ان سے تکبر

Presented by www.ziaraat.com

سے پیش آتے ہیں اور ان پر اظہار برتری کرتے ہیں اور حتی الامکان عملاً و قولاً ان کی تحقیر کرتے ہیں اس لئے کہ ان کو خطرہ رہتا ہے کہ اگر ان کا کوئی شریک پیدا ہو گیا تو پھر ان کا اعتبار (اور احترام) کم ہو جائے گا۔

یہ بات جان لینی چاہیئے کہ اہلِ علم و زہد و تقویٰ کے لباس میں دینداری مشکل ترین اور سخت ترین چیز ہے اور اس سلسلہ قلب کی حفاظت بھی (بہت مشکل ہے) اسی لئے اس طبقہ میں اگر کوئی اپنے فرائض کی انجام دہی کرے اور خلوصِ نیت کے ساتھ اس مرحلہ میں داخل ہو اور اپنی گدڑی کو پانی سے باہر نکال لے، اپنی اصلاح کے بعد دوسروں کی اصلاح کی کوشش کرے، ایتام آلِ رسول کی حفاظت کرے تو اس کا شمار مقربین اور سابقین میں ہونے کے لائق ہے۔ جیسے کہ امام جعفر صادقؑ نے حضرت امام محمد باقرؑ کے چار صحابیوں کو مقربین اور سابقین میں شمار فرمایا ہے۔ (مثلاً) وسائل میں رجال کشی کے حوالہ سے ابو عبیدۃ الحذاء تک سند پہونچائی ہے کہ وہ کہتے ہیں: میں نے امام جعفر صادقؑ کو فرماتے ہوئے سُنا:

«قَالَ: سَمِعْتُ اَبَا عَبْدِاللّٰهِ، عَلَيْهِ السَّلَامُ، يَقُولُ: زُرَارَةُ، وَمُحَمَّدُبْنُ مُسْلِمٍ، وَاَبُوبَصِيرٍ، وَبُرَيْدٌ، مِنَ الَّذِينَ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: «وَالسّٰابِقُونَ السّٰابِقُونَ. اُولٰئِكَ الْمُقَرَّبُونَ.»[۲۸]

"زرارہ، محمد بن مسلم، ابوبصیر، بُرید کا شمار ان لوگوں میں ہے جس کے لئے قرآن نے کہا ہے: جو آگے بڑھ جانے والے ہیں (واہ کیا کہنا) وہ آگے ہی بڑھنے والے تھے۔ یہی لوگ (خدا کے) مقرب ہیں۔"

اس سلسلہ میں بہت حدیثیں وارد ہیں اور اہلِ علم کی اتنی فضیلت ہے جو بیان میں نہیں آسکتی۔ رسولِ اکرمؐ کی (ایک) حدیث ان کے لئے کافی ہے ارشاد ہوتا ہے:

«مَنْ جَاءَهُ الْمَوْتُ وَهُوَ يَطْلُبُ الْعِلْمَ لِيُحْيِيَ بِهِ الْاِسْلَامَ، كَانَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْاَنْبِيَاءِ دَرَجَةٌ وَاحِدَةٌ فِي الْجَنَّةِ.»[۲۹]

"جس کی موت اس عالم میں آئے کہ وہ طلبِ علم اس لئے کر رہا ہو تاکہ اس سے اسلام کو زندہ کرے تو جنت میں اس کے اور انبیاء کے درمیان ایک درجہ کا فاصلہ ہوگا۔"

اس کے بعد خدا نے چاہا تو کچھ ان کی فضیلت کا بھی ذکر ہوگا۔ لیکن اگر خدانخواستہ راہِ

Presented by www.ziaraat.com

خلوص سے ہٹ گیا اور باطل کی راہ پر لگ گیا تو اس کا شمار ان علمائے سوء میں ہوگا جو بدترین خلق خدا ہیں اور جن کے لئے سخت احادیث اور (عجیب) و غریب تعبیرات کی گئی ہیں۔ اہلِ علم و طلاب کو اس پُرخطر راستہ کے لئے سب سے پہلے چیز جو پیشِ نظر رکھنی چاہیئے وہ یہ ہے کہ طالب علمی ہی کے زمانہ میں اپنی اصلاح کرلیں اور حتی الامکان اس چیز کو تمام چیزوں پر مقدم کریں (کیونکہ) یہ تمام واجبات عقلیہ اور فرائضِ شرعیہ سے واجب تر اور سخت تر ہے۔

ہاں اے کمالات و معارف و علوم کے طلب گار خواب سے بیدار ہو جاؤ اور جان لو کہ خدا کی حجت تمہارے اوپر تمام ہو چکی ہے۔ خداوندِ عالم تم سے زیادہ باز پرس کرے گا۔ تمہارے اعمال و علوم کا معاملہ دوسرے بندگانِ الٰہی کے معاملہ سے بہت ہی فرق رکھتا ہے۔ تمہارا راستہ باریک تر و دقیق تر ہے۔ تمہارے حساب میں مناقشہ زیادہ ہوگا۔ اس طالب علم پر وائے ہو جس کے دل میں علوم سے کدورت و ظلمت پیدا ہو جائے۔ چنانچہ ہم خود اپنے کو دیکھتے ہیں کہ اگر چند ناقص مفہوم اور تھوڑے سے لاحاصل اصطلاحات کو سیکھ لیتے ہیں تو راہِ حق سے رُک جاتے ہیں۔ نفس و شیطان کا ہمارے اوپر غلبہ ہو جاتا ہے اور نفس و شیطان ہم کو انسانیت و ہدایت کے راستہ سے روک دیتے ہیں سب سے بڑا حجاب ہمارے یہی بے سر و پا مفاہیم ہیں ذاتِ پروردگارِ عالم کی پناہ حاصل کئے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے۔

بارِ الٰہا! ہم اپنی تقصیر کے معترف اور گناہ کے مقر ہیں۔ نہ تیری رضا کے لئے ایک قدم بڑھایا اور نہ خلوص سے تیری ایک عبادت و اطاعت کی۔ تو اپنے لطفِ عام اور رحمتِ واسعہ کے ساتھ ہمارے ساتھ برتاؤ کر اور جس طرح اس دنیا میں ہمارے عیوب کی پردہ پوشی کی ہے آخرت میں بھی پردہ پوشی فرما۔ (کیونکہ) وہاں مغفرت اور پردہ پوشی کے زیادہ محتاج ہیں۔

یہاں پر بھی ضروری ہے کہ حدیث کے پہلے فقرے کے ذیل میں جو نکتہ ہے اس کو یاد دلاؤں اور وہ یہ ہے کہ اس فقرہ کے ذیل میں حضرت نے فرمایا ہے: خدا اس کی بینائی و بصیرت کو کور کرے اور دفترِ علما سے اس کے آثار مٹا دے یہ بھی چاہے خبر ہو یا بددعا بہرحال واقع ہونے والی چیز ہے۔ انسان کو اس بصیرت کے اندھے پن اور کور باطنی سے بہت پرہیز کرنا چاہیئے کیونکہ یہی تمام شقاوتوں اور تاریکیوں کا سرچشمہ ہے اور تمام بدبختیوں کا منشا یہی نابینائی قلب اور کوری دل ہے۔ اسی طرح آثارِ علما سے مٹ جانا اور ان کے کرامات و عطیات سے محروم ہو جانا بھی (اتنا بڑا عذاب ہے) جس کا ہم تصور نہیں کر سکتے اور یہ علاوہ اس ننگ و رسوائی کے ہے جو قیامت میں خاصانِ خدا کے

Presented by www.ziaraat.com

سامنے ہوگی۔

چوتھی فصل

جو لوگ صاحبِ فقہ و عقل ہیں یعنی جن کو گوں کا مقصد تحصیلِ دین کی فقہ اور ادراک حقائق ہے (ان کے بھی) آثار و علائم ہیں جن میں سے عمدہ علامات کو بیان کر دیا گیا (چند مزید درج ذیل ہیں)۔

۱: حصولِ علم کی وجہ سے (ہمیشہ) ان کے دلوں میں حزن و اندوہ اور انکسار رہتا ہے اور یہ انکسار و حزن امورِ دنیائے دنیۂ زائلہ کے لئے نہیں ہے۔ بلکہ آخرت کے خوف اور فرائض عبودیت میں تقصیر کی وجہ سے ہے اور یہ انکسار و حزن جس طرح قلب کو نور و صفا بخشتا ہے۔ اسی طرح اصلاح نفس کا مبداء اور فرائض عبودیت و بندگی کے ادائیگی کا منشا بھی ہوتا ہے۔ نورِ علم، عالم کے دل سے آرام و چین کو چھین لیتا ہے اور اس کو خدا اور دارِ کرامت سے آشنا کر دیتا ہے۔ خدا کی مناجات میں لذت پیدا کر دیتا ہے۔ راتوں کو بیداری پر اور وظائفِ بندگی کے ادائیگی پر آمادہ کر دیتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے: «قَدْ تَحَنَّكَ فِي بُرْنُسِهِ، وَقَامَ اللَّيْلَ فِي حِنْدِسِهِ۔» اس میں پہلے جملہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ لزوم عبادت سے کنایہ ہے۔

۲: اس عالمِ ربانی کی ایک پہچان یہ ہے کہ مکمل طور سے فرائضِ بندگی کو ادا کرنے کے باوجود خوفزدہ رہتا ہے نورِ علم اس کو ہدایت کرتا رہتا ہے کہ تم چاہے جس قدر اپنے وظیفہ کو پورا کرو پھر بھی قاصر ہو اور مقصر ہو اور شکرِ نعمت و حقیقتِ عبادت کے عہدے کو پورا نہ کر سکو گے۔ اس لئے اس کا دل خوف و خشیتِ الٰہی سے پُر رہتا ہے اور خدا نے انھیں علما کے بارے میں فرمایا ہے:

﴿إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ﴾ (خدا سے صرف اس کے وہ بندے ڈرتے ہیں جو عالم ہیں) نورِ علم خوف و حزن لاتا ہے اور عالم (واقعی) اگرچہ اپنے نفس کی اصلاح کرتا رہتا ہے پھر بھی خوفِ آخرت سے آرام نہیں لیتا اور خدا سے اپنی اصلاح کا خواہاں رہتا ہے اور غیرِ حق سے اشتغال میں خوفزدہ رہتا ہے۔ اپنے زمانہ والوں سے بھاگتا ہے اور ڈرتا رہتا ہے کہ (اہلِ زمانہ) اس کو طریق الی اللہ اور سفر بہ آخرت سے روک نہ دیں اور دنیا و لذائذ دنیا اس کے لئے پیش کر کے اس کو لبھا نہ لیں۔

Presented by www.ziaraat.com

خداوند عالم ایسے ہی لوگوں کی تائید کرتا ہے اور ان کے ارکان وجود کو محکم کرتا ہے اور قیامت کے دن اس کو امان عطا کرتا ہے۔

«فَیالَیْتَنا کُنّا مَعَهُمْ فَنَفُوزَ فَوْزاً عَظِیماً» کاش ہم بھی ان کے ساتھ ہوتے تو ہم بھی عظیم کامیابی پر فائز ہوتے۔

وَالْحَمْدُلِلّٰهِ اَوَّلاً وَآخِراً، و صَلَّی اللّٰهُ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَآلِهِ الطّاهِرِینَ۔

www.ziaraat.com
Sabeel-e-Sakina

Presented by www.ziaraat.com

تیئسویں حدیث کی توضیحات

۱: اصول کافی جلد ۱ ص ۴۹ "کتاب فضل العلم" باب النوادر حدیث ۵۔
۲: وسائل الشیعہ جلد ۱۲ ص ۵۹ "کتاب التجارۃ" باب ۴ "از ابواب ما یکتسب بہ" حدیث ۱
۳: مرآۃ العقول جلد ۱ ص ۱۵۹ "کتاب فضل العلم" "باب النوادر" حدیث ۵
۴: جہل کا مطلب بے خودی اور ترک بردباری ہے۔ لوگوں نے کہا ہے جہل وہ چیز ہے جو عقل کے مقابل ہو۔ مرآۃ العقول جلد ۱ ص ۱۶۰، کتاب فضل العلم، باب نوادر حدیث ۵۔
۵: ترجمہ گزر چکا۔
۶: ص/ ۴۷۶
۷: چنانچہ عرضت للشی اس وقت بولا جاتا ہے جب اس چیز کو اس پر آشکار کیا جائے۔
۸: ص/ ۴۷۵
۹: رجل ملق اس شخص کو کہتے ہیں جو زبان سے ایسی چیز کہے جو اس کے دل میں نہ ہو۔
۱۰: مرآۃ العقول جلد ۱ ص ۱۶۱ "کتاب فضل العلم" باب نوادر حدیث ۵۔
۱۱: مرآۃ العقول جلد ۱ ص ۱۶۱ "کتاب فضل العلم" باب نوادر حدیث ۵۔
۱۲: مرآۃ العقول جلد ۱ ص ۱۶۱ "کتاب فضل العلم" باب نوادر حدیث ۵۔
۱۳: عنوان بصری کی حدیث جو امام ششم سے منقول ہے اس میں ہے: علم سیکھنے سے نہیں آتا یہ تو ایک نور ہے خدا جس کی ہدایت کرنا چاہتا ہے اس کے دل میں ڈال دیتا ہے۔ بحار جلد ۱ ص ۲۲۵ کتاب العلم باب ۱، حدیث ۱۷۔
۱۴: سورۂ بقرہ آیت ۲۸۲۔

Presented by www.ziaraat.com

۱۵۔ شرح علی المأۃ کلمۃ، کلمہ دوم ص ۵۴، عوالی اللئالی، جلد ۴ ص ۷۳، حدیث ۴۸ از حضرت علیؑ۔
۱۶۔ اصول کافی جلد ۱ ص ۴۴، کتاب فضل العلم، باب استماع کل بسلمہ، حدیث ۲۔
۱۷۔ ص ر ۳۷۔
۱۸۔ اصول کافی جلد ۲، ص ۳۰۰ کتاب ایمان و کفر، باب المراء والخصومۃ، حدیث ۲۔
۱۹۔ اصول کافی جلد ۲ ص ۳۰۱ کتاب ایمان و کفر، باب المراء والخصومۃ، حدیث ۸۔
۲۰۔ اصول کافی جلد ۲ ص ۳۰۱ کتاب ایمان و کفر، باب المراء والخصومۃ، حدیث ۶۔
۲۱۔ ص ر ۲۳-۱۶۷۔
۲۲۔ علم الیقین جلد ۱ ص ۲۸۳، المقصد الثانی فی المعقبات والشیاطین) مسند حنبل ص ۱۵۶، تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ لکھا ہے۔
۲۳۔ اصول کافی جلد ۲ ص ۶۴۰، کتاب العشرۃ، (باب من تکرہ مجالستہ) حدیث ۲
۲۴۔ اصول کافی جلد ۲ ص ۶۴۰، کتاب العشرۃ، (باب من تکرہ مجالستہ) حدیث ۳
۲۵۔ ص ر ۲۱۰۔
۲۶۔ اصول کافی جلد ۲ ص ۳۵۲، کتاب ایمان و کفر، باب من اذی المسلمین، حدیث ۸۔ اس میں آذیٰ کے بجائے ایمان ہے اور بحار جلد ۷۲، ص ۱۴۶ کتاب العشرۃ باب ۵۶ میں ہے۔ من آذیٰ ولیاً فقد بارزنی بالمحاربۃ
۲۷۔ وسائل جلد ۱۱ ص ۳۹۰، کتاب الامر بالمعروف، باب ۱۰، از ابواب الامر والنہی، حدیث ۱۲
۲۸۔ وسائل جلد ۱۸ ص ۱۰۵، کتاب القضا باب ۲۲، از ابواب صفات قاضی، حدیث ۲۲
۲۹۔ سنن دارمی، جلد ۱ ص ۱۰۰ تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ۔
۳۰۔ سورۂ فاطر آیت ۲۸۔

Presented by www.ziaraat.com

چوبیسویں حدیث

«بِالسَّنَدِ الْمُتَّصِلِ اِلَى اَفْضَلِ الْمُحَدِّثِينَ وَاَقْدَمِهِمْ، مُحَمَّدِ بْنِ يَعْقُوبَ الْكُلَيْنِيِّ، رِضْوَانُ اللّٰهِ عَلَيْهِ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْحَسَنِ وَعَلِيِّ بْنِ مُحَمَّدٍ، عَنْ سَهْلِ بْنِ زِيَادٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عِيسٰى، عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ الدِّهْقَانِ، عَنْ دُرُسْتَ الْوَاسِطِيِّ، عَنْ اِبْرَاهِيمَ بْنِ عَبْدِ الْحَمِيدِ عَنْ اَبِي الْحَسَنِ مُوسٰى، عَلَيْهِ السَّلَامُ، قَالَ: دَخَلَ رَسُولُ اللّٰهِ، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ، الْمَسْجِدَ فَاِذَا جَمَاعَةٌ قَدْ اَطَافُوا بِرَجُلٍ. مَا هٰذَا؟ فَقِيلَ: عَلَّامَةٌ. فَقَالَ: وَمَا الْعَلَّامَةُ؟ فَقَالُوا لَهُ: اَعْلَمُ النَّاسِ بِاَنْسَابِ الْعَرَبِ وَوَقَائِعِهَا وَاَيَّامِ الْجَاهِلِيَّةِ وَالْاَشْعَارِ الْعَرَبِيَّةِ. قَالَ: فَقَالَ النَّبِيُّ، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ: ذَاكَ عِلْمٌ لَا يَضُرُّ مَنْ جَهِلَهُ وَلَا يَنْفَعُ مَنْ عَلِمَهُ. ثُمَّ قَالَ النَّبِيُّ، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ: اِنَّمَا الْعِلْمُ ثَلَاثَةٌ: آيَةٌ مُحْكَمَةٌ، اَوْ فَرِيضَةٌ عَادِلَةٌ، اَوْ سُنَّةٌ قَائِمَةٌ، وَمَا خَلَاهُنَّ فَهُوَ فَضْلٌ.»[1]

ترجمہ: امام موسیٰ کاظمؑ نے فرمایا: (ایک مرتبہ) رسولِ خداؐ مسجد میں تشریف لے گئے

Presented by www.ziaraat.com

تو دیکھا لوگوں نے ایک شخص کو (ہر طرف) سے گھیر رکھا ہے۔ حضرت نے پوچھا یہ کیا ہے؟ لوگوں نے کہا: یہ علامہ ہے۔ حضرت نے کہا: علامہ کیا ہے؟ لوگوں نے کہا: یہ شخص انساب عرب، عرب کی جنگوں، (زمانۂ) جاہلیت کے واقعات اور عربی اشعار کا سب سے زیادہ جاننے والا ہے۔ امام نے کہا: اس پر آنحضرتؐ نے فرمایا: یہ علم نہ جاننے والے کے لئے نقصان دہ نہیں ہے اور جاننے والے کے لئے فائدہ مند (بھی) نہیں ہے۔ اس کے بعد آنحضرتؐ نے فرمایا: علم صرف تین ہیں۔ ۱: آیت محکمہ (کا علم) ۲: فریضۂ عادلہ (کا علم) ۳: سنّت قائمہ (کا علم) (اس سے مراد یا تو واجب ہے یا سنّت مؤکدہ) ان کے علاوہ جو بھی ہے وہ فضل ہے۔

شرح: بعض نسخوں میں "ماھذا" کے بجائے "مَنْ ھٰذا" آیا ہے (یعنی یہ کون ہے؟) اس شخص کی تحقیر کے لئے "ماھذا" فرمایا ہے۔ علامہ مبالغہ کا صیغہ ہے اور آخر میں (ت) مبالغہ کے لئے لائی گئی ہے۔ یعنی بہت بڑا عالم۔

یہ جان لو کہ منطق میں بیان کیا گیا ہے کہ لفظ "مَنْ" شخصیت کے سوال کے لئے آتا ہے اور لفظ "ما" حقیقتِ موجود کے بارے میں سوال کے لئے آتا ہے یا پھر شرح اسم کے لئے آتا ہے۔ جب لوگوں نے رسولِ اکرمؐ سے کہا: یہ شخص علامہ ہے تو آنحضرتؐ نے علامہ کی حقیقت اور اس کے علم کے مغز کے بارے میں انھیں لوگوں کے گمان کے مطابق ان سے سوال کر لیا اسی لئے لفظ "ما" سے سوال کیا اور اوصاف عنوانیہ کے بارے میں کبھی تو سوال از ذات کو وسیلہ بناتے ہیں (اور کبھی نہیں بناتے) مثلاً اگر وصف کی حقیقت معلوم ہو اور موصوف معلوم نہ ہو تو لفظ "مَنْ" سے سوال کیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے "مَنِ العَلّامَۃ"؟ علامہ کون ہے؟ اور اگر شخص معلوم ہو مگر وصف معلوم نہ ہو۔ یا صرف وصف کا پہچاننا مقصود ہو تو لفظ "ما" سے سوال کیا جاتا ہے اور اس وقت سوالی کا مقصد صرف وصف کو جاننا ہوتا ہے۔ نہ موصوف کے بارے میں سوال مقصود ہوتا ہے اور نہ وصف مع الموصوف کے بارے میں سوال مقصود ہوتا ہے اور اس حدیث میں چونکہ یہ کہا گیا تھا کہ یہ شخص علامہ ہے اس لئے آنحضرتؐ کا مقصد یہ تھا کہ حقیقتِ وصف کو معلوم کریں لہٰذا فرمایا: علامہ کیا ہے؟ یہ نہیں پوچھا کہ علامہ کون ہے؟ یا یہ کہ کیوں اور کس وجہ سے یہ علامہ ہے۔ میں نے جو بات عرض کی ہے وہ صدر المتالہین کی اس تحقیق سے زیادہ واضح ہے جو انھوں نے اسی حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرمایا ہے ۲ مگر چونکہ اس کا ذکر موجب تطویل ہے اور ہمارے مقصد سے خارج بھی ہے اس لئے ذکر نہیں کر رہا ہوں۔

Presented by www.ziaraat.com

پہلی فصل

اس سے پہلے ذکر ہو چکا کہ ۲ اجمالی و کلی طور سے انسان کے لئے تین نشئات ہیں اور (انسان) تین مقام و (تین) عالم کا مالک ہے۔

۱۔ نشئۂ آخرت و عالم غیب و مقام روحانیت و عقل ۲۔ نشئۂ برزخ (یعنی) دونوں عالموں کے درمیان کا عالم اور مقام خیال ۳۔ نشئۂ دُنیا و مقام ملک و عالم شہادت اور ان میں سے ہر ایک کے لئے ایک مخصوص کمال، مخصوص تربیت اور اپنے نشئہ و مقام کے مناسب ایک عمل ہے اور انبیا علیہم السلام ان اعمال کو بیان کرنے کے ذمہ دار ہیں۔ پس تمام نفع دینے والے علوم کی تقسیم انھیں تینوں علم کی طرف ہوتی ہے (یعنی) ایک علم تو وہ ہے جو عقلی کمالات اور روحی وظائف کی طرف راجع ہے اور دوسرا علم قلبی اعمال و وظائف کو بیان کرتا ہے۔ تیسرا علم اعمال قالبی اور ظاہرہ نفس کے وظائف کا متکفل ہوتا ہے۔

جو علوم عالم روحانیت و عقل مجرد کی تربیت و تقویت کرتے ہیں وہ تمام وہ علوم ہیں جو ذاتِ پروردگارِ عالم اور اس کے صفات جلال و جمال اور عوالم غیبیہ تجردیہ (مثلاً) ملائکہ اور ان کے اصناف و جبروتِ اعلیٰ اور ملکوتِ اعلیٰ کے بلند ترین مراتب سے لے کر ملکوت اسفل، ملائکہ ارضیہ و جنود خداوندِ عالم اور انبیا و اولیا اور ان کے مدارج و مقامات (اسی طرح) آسمانی کتابوں، نزولِ وحی اور نزولِ ملائکہ و روح کی کیفیت اور نشئۂ آخرت، موجودات کے عالم غیب کی طرف رجوع کی کیفیت، برزخ و قیامت اور ان کی تفصیلات کی حقیقت کو بیان کرنے والے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ جو علوم مبداء وجود اور اس کے مراتب و حقیقت اور قبض و بسط و ظہور اور اس کے رجوع کو بیان کرتے ہیں اور ان علوم کو بیان کرنے والے انبیا و اولیا کے بعد فلاسفہ اور بڑے بڑے حکما و اصحاب معرفت و عرفان ہوتے ہیں۔

اور جو علوم تربیت قلب اور ریاضت قلب اور اعمال قلبیہ کو بیان کرتے ہیں اس میں تمام وہ علوم شامل ہیں جو اخلاقیات کو سنوارنے اور برباد کرنے والی چیزوں کو بیان کرتے ہیں (مثلاً) محاسن اخلاق۔ جیسے صبر، شکر، حیا، انکساری، رضا، شجاعت، سخاوت، زہد و ورع و تقویٰ اور دیگر محاسنِ اخلاق اور ان کے حصول کی کیفیت اور اسباب حصول اور اس کے مبادی و شرائط اور قبائح اخلاق

Presented by www.ziaraat.com

مثلاً حسد، تکبر، ریا، کینہ، ملاوٹ، حبِ ریاست وجاہ، حبِ دُنیا و نفس وغیرہ اور بُرے اخلاق کے مبادی اور ان سے بچنے کے طریقوں کو بیان کرتے ہیں (وہ سب قسم دوم میں شمار ہوتے ہیں) اور ان چیزوں کے بیان کرنے والے انبیا و اوصیا کے بعد علمائے اخلاق اور اصحاب معارف و ریاضیات ہیں۔

اور جو علوم تربیت ظاہر اور اس کی ریاضت کو بیان کرنے والے ہیں وہ علم فقہ اور اس کے مبادی، علم آداب معاشرت اور تدبیر منزل و سیاست مدن کو بیان کرنے والے ہیں (اور یہ سب تیسری قسم میں شامل ہیں) ان علوم کو بیان کرنے والے انبیا و اوصیا علیہم السلام کے بعد علمائے ظاہر، فقہا اور محدثین ہیں۔

یہ بات بھی خاطر نشین کر لینی چاہیئے کہ انسانیت کے یہ تینوں مرتبے جو ذکر کئے ہیں یہ آپس میں اس طرح مربوط ہیں کہ ہر ایک کے اثرات دوسرے میں سرایت کرتے ہیں خواہ جانب کمال میں ہوں یا جانب نقص میں ہوں، مثلاً اگر کسی نے فرائض بندگی اور مناسک ظاہری کو اسی طرح انجام دیا ہے جیسا انجام دینا چاہیئے اور وہ انبیا کے دستوروں کے مطابق بھی رہا ہو تو اس سے اس کے قلب و روح میں ایسی تاثیرات کا پیدا ہو جانا ضروری ہے جس سے اس کے اخلاق اچھے ہو جائیں اور عقائد کمال کی طرف مائل ہوں۔ اسی طرح اگر کوئی تہذیب اخلاق اور تحسین باطن کا پابند ہو جائے تو دوسرے دو نشتوں میں وہ موثر ہوگا۔ جس طرح کمال ایمان اور مضبوطی عقائد دوسرے دو مقامات میں اثر انداز ہوتے ہیں اور اس کی وجہ وہ شدت ارتباط ہے جو ان مقامات کے درمیان ہے۔ بلکہ لفظ ارتباط سے تعبیر کرنا بھی صحیح مفہوم نہ ملنے کی وجہ سے ہے (بلکہ) یوں کہا جا سکتا ہے کہ ایک حقیقت کے بہت سے مظاہر و مجالات ہیں۔ اسی طرح تینوں مقامات کے کمالات بھی ایک دوسرے سے وابستہ ہیں۔

اور یہ گمان تو کسی کو کرنا ہی نہ چاہیئے کہ ظاہری اعمال و عبادت کے بغیر ایمان کامل ہو سکتا ہے یا اخلاق مہذب ہو سکتے ہیں، یا جس کا خلق ناقص و غیر مہذب ہے اس کے اعمال کا تمام و تمام ہونا اور ایمان کا کامل ہونا ممکن ہو سکتا ہے۔ یا قلبی ایمان کے بغیر اس کے ظاہری اعمال تام اور محاسن اخلاق کامل ہو سکتے ہیں۔ جب ظاہری اعمال ناقص ہوں اور انبیا کے فرمان کے مطابق نہ ہوں تو پھر قلب میں حجابات کا اور کدورتوں کا روح میں حاصل ہو جانا ضروری ہے جو ایمان و یقین کے نور سے مانع ہے۔ اسی طرح اگر قلب میں بُرے اخلاق ہوں گے تو وہ نور ایمان کے قلب میں داخل ہونے سے مانع ہوں گے۔

Presented by www.ziaraat.com

اس لئے آخرت کے مسافر اور صراطِ مستقیم انسانیت کے طالب کے لئے ضروری ہے کہ تینوں مراتب میں بہت زیادہ دقت اور توجہ کے ساتھ پابندی و مراقبت کے ساتھ اصلاح اور ریاضت سے کام لے اور کسی بھی علمی و عملی کمالات سے صرفِ نظر نہ کرے اور نہ یہ گمان کرے کہ صرف تہذیبِ اخلاق یا مضبوط عقائد یا ظاہر شریعت کی (فقط) موافقت اس کے لئے کافی ہے (بلکہ تینوں کے حصول کی کوشش کرے) چنانچہ بعض صاحبانِ علوم ثلاثہ ان تینوں عقاید میں ماہر تھے۔ جیسے کہ شیخ اشراق نے حکمۃ الاشراق کے شروع میں اس طرح تقسیم فرمائی۔ ۱: علم و عمل دونوں میں کامل ہو ۲: صرف علم میں کامل ہو ۳: صرف عمل میں کامل ہو۔ جس سے یہ استفادہ ہوتا ہے علمی کمال نقص در عمل کے ساتھ اور عملی کمال نقص در علم کے ساتھ متحقق ہو سکتا ہے (پس یہ احتمال غلط ہے کہ ایک میں کمال حاصل کرے تو باقی دونوں میں بھی کمال حاصل ہو جائے گا) اور (صاحب اشراق نے) علمی کمال والوں کو اہلِ سعادت اور عالمِ غیب و تجرد کے متخلصین میں سمجھا ہے اور یہ گمان کیا ہے کہ انجام کار یہ لوگ علیین اور روحانیین میں شامل ہو جائیں گے۔

(البتہ) بعض علمائے اخلاق اور تہذیب باطن والوں نے تمام کمالات کا منشا (صرف) تہذیب قلب و تعدیل اخلاق اور اعمالِ قلبیہ ہی کو قرار دیا ہے اور اس کے علاوہ عقلی حقائق اور ظاہری احکام کو دقیق و باریک نہیں سمجھتے ہیں بلکہ ان چیزوں کو سلوک کے راستہ کا کانٹا خیال کرتے ہیں (اسی طرح) بعض علمائے ظاہر علومِ عقلیہ اور باطنیہ اور معارفِ الٰہیہ کو کفر و زندقہ شمار کرتے ہیں اور ان چیزوں کے علما اور طلبا سے عناد و دشمنی رکھتے ہیں۔

یہ تینوں گروہ جو باطل عقائد رکھتے ہیں یہ روحانی مقامات اور نشأت انسانیہ سے محروم ہیں۔ انھوں نے انبیا و اولیا کے علوم میں صحیح طریقہ سے غور و فکر نہیں کیا ہے۔ اسی لئے خود ان تینوں میں اختلاف رہتا ہے اور ایک دوسرے پر لعن (طعن) کرتے ہیں اور ہر ایک دوسرے کو باطل پر سمجھتا ہے حالانکہ مراتب کے اندر حد بندی باطل ہے۔ ویسے ایک اعتبار سے ایک دوسرے کو جھٹلانے میں حق پر ہیں نہ اس اعتبار سے کہ ان کا علم یا عمل مطلق باطل ہے۔ بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ انسانی مراتب کی تحدید علوم و کمالات میں صرف اسی حد تک کرتے ہیں جتنے کے وہ دارا ہوتے ہیں اور ظاہر ہے کہ یہ بات بالکل خلاف واقع ہے۔

رسولِ اکرمؐ نے اس حدیث کے اندر علوم کی تقسیم تین قسموں پر کی ہے اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ یہ تینوں علوم انھیں تینوں مرتبوں کے اعتبار سے ہیں اور اس کی تائید کتب

Presented by www.ziaraat.com

الہیہ وسنن انبیا اور اخبارِ معصومین میں متداول علوم سے ہوتی ہے کہ ان میں بھی علوم کی تقسیم انھیں تینوں قسموں پر ہوئی ہے۔ (جس کی تفصیل درج ہے)۔

ایک تو خدا و ملائکہ، آسمانی کتابوں، انبیا اور رسولوں اور آخرت کا علم ہے: جو تمام آسمانی کتابوں اور خاص کر قرآنِ مجید اس سے بھرا پڑا ہے۔ بلکہ یہاں تک کہا جا سکتا ہے کہ قرآن میں جس چیز کا سب سے زیادہ ذکر موجود ہے وہ اسی علم کا ہے۔ مبداء و معاد کی طرف صحیح برہان سے دعوت اور اس کا مکمل بیان جس کو محققین نے ذکر کیا ہے اسی میں ہے اور دوسرے دونوں مرتبوں کا ذکر اس کے مقابلہ میں کم ہے۔ ائمہ معصومین کی حدیثوں میں بھی یہ مقصد حدِ شمار سے زیادہ موجود ہے۔ جو ان کتابوں کے دیکھنے سے معلوم ہو سکتا ہے جو تمام علما کے نزدیک مقبول (و معتبر) ہیں۔ جیسے کافی، توحید صدوق وغیرہ۔

اسی طرح تہذیب باطن اور اصلاح اخلاق و تبدیل اخلاق کا ذکر کتابِ الٰہی اور احادیث ائمہ علیہم السلام میں توقع سے کہیں زیادہ مذکور ہے۔ لیکن ہم بیچاروں اور اسیرانِ ہوا و ہوس کے نزدیک یہ کتابیں اور یہ ابواب متروک ہیں اور قابلِ اعتنا نہیں ہیں۔ (یاد رکھئے) ایک دن ایسا ضرور آئے گا جب خدا ہم سے مواخذہ کرے گا اور احتجاج کرے گا اور ائمہ معصومینؑ کی حدیثوں اور ان کے علوم سے برائت کی وجہ سے نعوذ باللہ خود ائمہؑ ہم سے کنارہ کشی کریں گے۔ میں بُرے انجام اور بدترین بازگشت سے خدا کی پناہ مانگتا ہوں۔ فقہ اور مناسک ظاہرہ کے بارے میں بھی حدیثیں موجود ہیں اور تمام کتابیں ان سے بھری پڑی ہیں اس لئے ان کے بھی ذکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

اس سے پتہ چل گیا کہ بشری ضرورتوں اور انسانی مقامات ثلاثہ کے مطابق علوم شریعت صرف انھیں تینوں قسموں میں منحصر ہیں اور ان علوم کے علما میں سے کسی کو یہ حق نہیں ہے کہ دوسرے پر اعتراض کرے اگر انسان ایک علم کو نہیں جانتا تو اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ اس کی تکذیب کرے اور اس کے جاننے والے کی شان میں جسارت کرے۔ جس طرح عقل سلیم کے نزدیک تصدیق بے تصور غلط اور اخلاقی قبائح میں شمار ہوتا ہے۔ بے تصور تکذیب بھی اسی طرح قبیح ہے۔ بلکہ یہ تو اس سے بھی بدتر ہے۔ اگر خداوندِ عالم ہم سے سوال کرے کہ جب تم مسلک حکما کے مطابق "وحدت وجود" کا مطلب نہیں سمجھتے تھے اور اس علم کے عالم اور صاحبِ فن سے تم نے اس کو نہیں سیکھا تھا اور نہ اس علم کو اور نہ اس کے مقدمات کو جانتے تھے تو تم نے اندھی تقلید کر کے ان کو کیوں کافر کہا؟ تو ہمارے پاس خدا کے سامنے سوائے شرمندگی سے سر جھکانے کے علاوہ کوئی جواب

Presented by www.ziaraat.com

نہ ہوگا اور یہ عذر کرنا کہ "میں تو یہی سمجھتا تھا" قابل قبول نہ ہوگا۔ (اس لو) ہر علم کے کچھ مبادی اور (کچھ) مقدمات ہوتے ہیں۔ جب تک آدمی ان مقدمات کو سمجھ نہ لے نتیجہ کا سمجھنا آسان نہیں ہے۔ خصوصاً ایسے مسئلہ دقیق میں جس میں پوری عمر گنوا کے بھی اصل حقیقت معلوم نہیں ہوتی اور حقیقی طور سے اس کے لب و مغز تک رسائی نہیں ہوتی۔ جس چیز میں ہزاروں سال سے حکماء و فلاسفہ بحث کر رہے ہوں اور اس میں بال کی کھال نکال رہے ہوں تم اس کو ایک کتاب کے مطالعہ سے یا مثلاً مثنوی کے ایک شعر کے ذریعہ اپنی عقل ناقص سے سمجھ لوگے؟ ناممکن ہے۔ اس سے تم کچھ بھی نہ سمجھ پاؤ گے۔ خدا اس بندے پر رحم کرے جو اپنی قدر سمجھ لے اور اپنی حد سے آگے نہ بڑھے: "رَحِمَ اللّٰهُ امْرَأً عَرَفَ قَدْرَهُ وَلَمْ يَتَعَدَّ طَوْرَهُ۔"

اسی طرح اگر ایک حکیم متفلسف یا عارف متکلف سے سوال کیا جائے کہ تم نے جو فقیہ کو قشری کہا اور ظاہری کہا اور اس پر طعن کیا (نہ صرف ایک فقیہ پر) بلکہ علوم شرعیہ کے ایک حصہ پر حملہ کیا۔ ایسے علوم شرعیہ جن سے نفوس بشری کی تکمیل کے لئے خدا نے انبیا کو بھیجا اور تم نے ان کی توہین کی تو آخر کس دینی اعتبار سے ایسا کیا؟ اور کس شرعی یا عقلی دلیل سے تم نے علماء و فقہاء کے ایک گروہ پر جسارت کی؟ اور کس دلیل سے اس کو جائز سمجھا؟ تو وہ حکیم بھی خدا کے سامنے سوائے شرمندگی سے سر جھکا لینے کے علاوہ کوئی جواب نہیں دے سکے گا۔ بہرحال ہم اس مرحلہ سے گزرنا چاہتے ہیں کیونکہ اس سے ملال ورنج ہوگا۔

دوسری فصل

جب یہ بات معلوم ہوگئی کہ رسولؐ خدا نے جن تینوں علوم کا ذکر فرمایا ہے وہ یہی تینوں علوم ہیں جن کا ذکر کیا گیا تو اب یہ دیکھنا ہے کہ یہ تینوں عنوان کن علوم پر منطبق ہیں؟ اگرچہ اس کی کوئی بہت زیادہ ضرورت نہیں ہے کیونکہ اصل چیز ان علوم کا سمجھنا ہے اور اس کے بعد ان کا حاصل کرنا ہے۔ لیکن حدیث بالا کی تشریح کے لئے اس کی طرف اشارہ کرنا ضروری ہے۔

اس لئے عرض ہے کہ جن بڑے بڑے علماء نے اس حدیث کی شرح فرمائی ہے انھوں نے اختلاف کیا ہے۔ اور چونکہ اس اختلاف کو ذکر کرنا اور اس میں بحث کرنا باعث طول ہے اس لئے میں صرف اس چیز کا ذکر کروں گا جو نظر قاصر میں ان شواہد کی بنا پر ثابت ہے، جن کا ابھی ذکر نہیں

Presented by www.ziaraat.com

ہوا ہے۔ اس کے بعد اس اہم نکتہ کو ذکر کروں گا جس کو ہمارے شیخ بزرگوار عارف کامل شاہ آبادی دام ظلہ نے بیان کیا ہے۔

(اس لئے عرض ہے کہ) "آیت محکمہ" سے مراد علوم عقلیہ و عقائد حقہ اور معارف الہیہ ہیں اور "فریضۂ عادلہ" سے مراد علم اخلاق و تصفیۂ قلوب ہے اور "سنت قائمہ" سے مراد علم ظاہر اور علوم و آداب قالبیہ ہیں اور اس کی دلیل یہ ہے کہ لفظ آیت بمعنی علامت و نشانی ہے جو علوم عقلیہ اعتقادیہ سے مناسب ہے۔ کیونکہ یہی علوم عقلیہ و اعتقادیہ ہی ذات و اسما و صفات اور دیگر معارف کی نشانیاں اور علامتیں ہیں۔ اس کے علاوہ دیگر علوم کو آیت و نشانی سے تعبیر نہیں کیا جاتا۔ مثلاً قرآن مجید میں بہت سے مقامات پر وجود پروردگار یا اسما و صفات خداوند عالم پر دلیل قائم کرنے کے بعد یا قیامت اور اس کی کیفیات اور عالم غیب و برزخ پر برہان قائم کرنے کے بعد ارشاد ہوا ہے یہ آیت ہے یا آیات ہیں۔ ان لوگوں کے لئے جو غور و فکر کرتے ہیں یا جو صاحبان عقل ہیں۔ ان علوم و معارف کے لئے یہ تعبیر رائج ہے۔ لیکن اگر کسی شرعی فرع کا ذکر کیا جائے یا کسی اخلاقی قاعدہ کا ذکر کیا جائے تو وہاں پر "یہ آیت ہے" کا استعمال نہایت رکیک (و قبیح) ہے جیسا کہ واضح ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ لفظ آیت، علامت نشانی علوم معارف کے لئے مناسب ہیں۔ (بلکہ) ان کے لئے مخصوص ہیں جیسے لفظ "محکمہ" بھی انھیں علوم سے مناسبت رکھتا ہے۔ کیونکہ یہ علوم میزان عقل اور برہان محکم کے تحت ہوتے ہیں۔ ان کے علاوہ دیگر علوم کو برہان محکم سے تعبیر نہیں کیا جاتا۔

اور "فریضۂ عادلہ" سے علم اخلاق مراد ہونے کی دلیل یہ ہے کہ فریضہ کی صفت عادلہ آئی ہے اور علم اخلاق میں یہ بات طے شدہ ہے کہ افراط و تفریط کی حد سے جو خارج ہو وہی "خلق حسن" ہے اور افراط و تفریط دونوں مذموم ہیں اور "عدالت" جو ایک وسطی و درمیانی چیز ہے۔ وہی مستحسن ہے مثلاً "شجاعت" اخلاق حسنہ اور ملکہ فاضلہ کے اصول و ارکان میں سے ایک ہے اس سے مراد وہ حالت متوسطہ ہے جو افراط (یعنی تہور) اور تفریط (یعنی بزدلی) کے درمیان ہوا کرتی ہے۔ تہور کا مطلب ڈرنے کی جگہ نہ ڈرنا ہے اور بزدلی و جبن کا مطلب نہ ڈرنے کی جگہ ڈرنا ہے۔ (اسی طرح) حکمت جو ایک رکن ہے وہ بھی "سفہ" اور "بلہ" کے درمیان والی چیز کا نام ہے۔ سفہ کی تعبیر "جربزہ" سے بھی کی جاتی ہے اس کا مطلب ہے جہاں پر ضرورت نہ ہو وہاں پر غور و فکر کا استعمال کرنا اور "بلہ" کا مطلب ہے جہاں پر قوت فکریہ کو استعمال کرنا چاہیئے وہاں اس کو

Presented by www.ziaraat.com

معطل و بیکار کر دینا۔ اسی طرح عفت و سخاوت جو شرہ اور خمود کے درمیان ہو وہ عفت ہے اور جو اسراف و بخل کے درمیان ہو وہ سخاوت ہے۔ پس (نتیجہ یہ نکلا کہ) فریضہ کا عادلہ ہونا دلالت کرتا ہے کہ یہ علم اخلاق پر منطبق ہے۔ بلکہ خود لفظِ فریضہ میں بھی اس کی طرف اشعار ہے۔ اس لئے کہ فریضہ "سنت" کے مقابلہ میں بولا جاتا ہے جو تیسری قسم کی طرف راجع ہے یعنی عقل کو اس کے ادراک کرنے کے لئے ایک راستہ ہو اور علم اخلاق اسی قسم کا ہے۔ برخلاف سنت کے کیونکہ سنت تو تعبد صرف کی طرف راجع ہے جس کا ادراک عقول کے بس سے باہر ہے۔ اسی لئے میں نے عرض کیا ہے کہ "سنتِ قائمہ" سے مراد علوم تعبدیہ اور آدابِ شریعہ ہے جس کی تعبیر سنت سے کی گئی ہے اور عقول حسب نوع اس کے ادراک سے عاجز ہیں۔ ان کا اثبات یا ان کا سمجھنا سنت ہی پر موقوف ہے اور سنت کی توصیف و تعبیر بھی "قائمہ" سے کرنا یہ واجبات شرعیہ ہی سے مناسب ہے کیونکہ اقامہ یعنی قائم کرنا نمازوں اور زکات ہی کے ساتھ صحیح تعبیر ہے۔ یہ لفظ ان دونوں علوم میں استعمال نہیں کی جاتی۔ مناسبات کے لحاظ سے یہ آخری چیز ہے جس سے تطبیق ہو سکتی ہے۔

«وَالْعِلْمُ عِنْدَاللّٰهِ.»

تیسری فصل

اب میں اس نکتہ کو بیان کرنا چاہتا ہوں جس کا وعدہ کیا تھا اور وہ یہ ہے کہ حدیث شریف میں علم عقائد و معارف کی تعبیر "آیۃ" سے کی گئی ہے اور آیت کے معنیٰ علامت و نشانی کے ہیں اور اس تعبیر میں یہ نکتہ ہے کہ علوم عقلیہ اور حقائق اعتقادیہ کو اگر خود ان کو سمجھنے کے لئے حاصل کیا جائے تو پھر تمام مفاہیم و اصطلاحات اور زرق برق عبارتوں اور مزین ترکیبوں کو استعمال کر کے دنیاوی منزلت حاصل کرنے کے لئے اگر عقول ضعیفہ کے حوالہ کر دیا جائے تب بھی اس کو "آیات محکمات" نہیں کہا جا سکتا۔ بلکہ ان کو دبیز پردے اور بیکار عقائد کا نام دیا جا سکتا ہے۔

اس لئے کہ اگر کسب علوم سے انسان کا مقصد وصول الی الحق و تحقق بہ اسماء و صفات اور تخلق باخلاق اللہ نہ ہو تو اس کے تمام ادراکات جہنمی ہو جاتے ہیں اور تاریک پردے اس کے دل کو تاریک اور چشم بصیرت کو کور کر دیتے ہیں اور ایسا شخص قرآن مجید کی اس آیت کا مصداق ہو جاتا ہے «وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِي فَاِنَّ لَهُ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اَعْمٰى.»[1]

Presented by www.ziaraat.com

"اور جس شخص نے میری یاد سے مُنہ پھیرا تو اس کی زندگی بہت تنگ میں بسر ہوگی اور ہم اس کو قیامت کے دن اندھا اُٹھائیں گے۔"

پس وہ شخص اپنے کو اس عالم میں اندھا پائے گا (تو) خدا پر اعتراض کرے گا کہ میں تو دنیا میں بینا تھا تُو نے مجھے کیوں اندھا محشور کیا؟ جواب آئے گا تُو دنیا میں اندھا تھا کیونکہ تُو نے میری نشانیوں کا مشاہدہ نہیں کیا ان کو بُھلا بیٹھا تھا۔ آخرت میں بینائی کا معیار قلب و بصیرت کی بینائی ہے اور پورا بدن اور اسکی قوتیں سب کی سب قلب و دل کے تابع ہیں اور ظلمت وہاں پر بدرجۂ اتم ظاہر ہوگی۔ اندھا، گونگا، بہرا کی ظلمت بھی اسی طرح ہوگی۔ مفاہیم و اصطلاحات و عبارتوں کے عالم کتابوں اور اسفاروں کے حافظہ یہ گمان نہ کریں کہ وہ خدا اور ملائکہ اور آخرت کے عالم ہیں۔ اگر ان کے علوم (واقعاً) علامت و نشانی ہیں تو پھر خود ان کے دلوں میں ان علوم نے نورانیت کا اثر کیوں نہیں بخشا اور دلوں کی تاریکیوں، مفاسد اخلاق اور ان کے (بُرے) اعمال میں آسانی کے ساتھ کیسے اضافہ ہوگیا قرآن مجید نے علما کی پہچان اس طرح بتائی ہے: "اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا" "خدا کے بندوں میں خدا سے صرف علما ڈرتے ہیں۔" (یعنی) خوفِ خدا علما کے خصوصیات میں سے ہے۔ جس کے اندر خوفِ خدا نہیں ہے وہ زمرہ علما سے خارج ہے (آپ ہی بتائیے) کیا ہمارے دلوں میں خوفِ خدا ہے؟ اگر ہے تو اس کا اثر کیوں نہیں ظاہر ہوتا۔

کافی میں ابوبصیر سے منقول ہے:

"قَالَ: سَمِعْتُ اَبَا عَبْدِاللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ، (خ ل: اَبَا جَعْفَرٍ) يَقُولُ كَانَ اَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ، عَلَيْهِ السَّلَامُ، يَقُولُ: يَا طَالِبَ الْعِلْمِ، اِنَّ الْعِلْمَ ذُو فَضَائِلَ كَثِيرَةٍ: فَرَأْسُهُ التَّوَاضُعُ؛ وَعَيْنُهُ الْبَرَاءَةُ مِنَ الْحَسَدِ وَاُذُنُهُ الْفَهْمُ؛ وَلِسَانُهُ الصِّدْقُ؛ وَحِفْظُهُ الْفَحْصُ؛ وَقَلْبُهُ حُسْنُ النِّيَّةِ؛ وَعَقْلُهُ مَعْرِفَةُ الْاَشْيَاءِ وَالْاُمُورِ وَيَدُهُ الرَّحْمَةُ؛ وَرِجْلُهُ زِيَارَةُ الْعُلَمَاءِ وَهِمَّتُهُ السَّلَامَةُ؛ وَحِكْمَتُهُ الْوَرَعُ؛ وَمُسْتَقَرُّهُ النَّجَاةُ؛ وَقَائِدُهُ الْعَافِيَةُ؛ وَمَرْكَبُهُ الْوَفَاءُ وَسِلَاحُهُ لِيْنُ الْكَلِمَةِ؛ وَسَيْفُهُ الرِّضَا؛ وَقَوْسُهُ الْمُدَارَاةُ؛ وَجَيْشُهُ مُحَاوَرَةُ الْعُلَمَاءِ وَمَالُهُ الْاَدَبُ؛ وَذَخِيرَتُهُ اِجْتِنَابُ الذُّنُوبِ؛ وَزَادُهُ الْمَعْرُوفُ؛ وَمَاوٰهُ الْمُوَادِعَةُ؛

Presented by www.ziaraat.com

وَدَلِيلُهُ الْهُدٰى؛ وَرَفِيقُهُ مَحَبَّةُ الْاَخْيَارِ۔"

" بعض نسخوں میں امام محمد باقرؑ سے یہ حدیث ہے) میں نے امام جعفر صادقؑ کو فرماتے ہوئے سنا: کہ آپؑ فرمارہے تھے کہ: حضرت علیؑ فرمایا کرتے تھے: اے طالب علم! علم کے بہت سے فضائل ہیں۔ علم کا سر تواضع ہے۔ اس کی آنکھ حسد سے بری ہوتا ہے۔ اس کے کان "سمجھ" ہیں۔ اس کی زبان سچائی ہے اس کا حافظہ تلاش ہے اس کا دل حسن نیت ہے۔ اس کی عقل اشیاء و امور کی معرفت ہے اس کے ہاتھ رحمت اور پیر علما کی زیارت ہیں۔ اس کی ہمت سلامت اس کی حکمت پرہیزگاری۔ اس کا مستقر نجات اس کا قائد عافیت اور سواری وفا ہے۔ اس کا ہتھیار نرم کلامی اس کی تلوار رضامندی اس کی کمان مدارات ہے۔ اس کا لشکر علما سے گفتگو اس کا مال ادب اس کا ذخیرہ گناہوں سے اجتناب اس کا زاد معروف اس کا پانی سازگاری اور رہبر ہدایت اور دوست نیک لوگوں سے محبت ہے۔"

حضرت امیرالمومنینؑ نے جن چیزوں کا ذکر فرمایا ہے یہ سب علما اور علم کے آثار و علائم ہیں۔ اب اگر کوئی علوم رسمیہ کا عالم ہے مگر ان چیزوں سے خالی ہے تو اس کو سمجھ لینا چاہیئے کہ اس کے پاس علم کا کوئی حظ نہیں ہے اور وہ صاحبان جہالت و ضلالت سے ہے۔ دوسرے عالم میں یہ تمام مفاہیم اور جہالات مرکبہ اور سارے قال و قیل اس کے لئے ظلمانی حجاب بن جائیں گے اور قیامت میں بہت بڑی ندامت ہوگی۔ اس لئے میزان علم یہی ہے کہ وہ علامت و نشانی بنے۔ خودی اور خودیت کا اس میں شائبہ نہ ہو، انانیت ختم و نابود ہوجائے نہ یہ کہ باعث نخوت و تکبر و خودبینی و خودنمائی بنے۔

اسی طرح حضرتؑ نے "محکمۃ" فرمایا ہے اس لئے کہ صحیح علم وہی ہے جس کی نورانیت اور روشنی کی وجہ سے قلب میں اطمینان پیدا ہو۔ ریب و شک زائل ہوجائے۔ اس لئے کہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ کوئی شخص تمام عمر براہین و دلائل اور ان کے مقدمات میں غور و خوض کرتا ہے اور ہر ایک معارف الٰہیہ کے لئے متعدد براہین اور ادلہ کثیرہ ذکر کرتا ہے اور اپنے ہمسروں سے مقابلہ و جدل میں برتری حاصل کرلیتا ہے۔ لیکن ان علوم نے اس کے دل میں کوئی اثر نہیں کیا اور نہ اطمینان بخشا۔ بلکہ اس کے شکوک و شبہات اور تردید میں اضافہ کردیا۔ لہٰذا (سمجھ لیجئے کہ) تمام مفاہیم اور بکثرت اصطلاحوں کا کوئی فائدہ نہیں ہے بلکہ یہ چیزیں قلب کو غیر خدا میں مشغول کردیتی ہیں اور ذات پروردگار عالم سے غافل کردیتی ہیں۔

اے عزیز سب سے مکمل علاج یہی ہے کہ انسان کا علم الٰہی ہوجائے۔ جس علم میں بھی

Presented by www.ziaraat.com

داخل ہو مجاہدہ کرے اور ہر قسم کی کوشش و ریاضت کے ذریعہ اپنے ارادہ میں خلوص پیدا کرے (کیونکہ) سرمائے نجات اور سرچشمۂ فیوضات یہی تخلیص نیت اور نیت خالص ہے:

"مَنْ اَخْلَصَ لِلّٰهِ اَرْبَعِیْنَ صَبَاحًا جَرَتْ یَنَابِیْعُ الْحِکْمَةِ مِنْ قَلْبِهٖ عَلٰی لِسَانِهٖ." ۱۲

"جو شخص بھی چالیس صبح تک خدا کے لئے اخلاص برتے اس کے دل سے حکمت کے چشمے پھوٹ کر اس کی زبان پر جاری ہو جاتے ہیں۔" چالیس دن کے اخلاص کے یہ آثار و فوائد ہیں: اس لئے اگر آپ نے چالیس سال یا اس سے زیادہ ہر علم کے اصطلاحات و مفاہیم کے جمع کرنے میں کوشش کی اور اپنے کو ہر علم کا علامہ خیال کر لیا اور اپنے کو جنداللہ میں سے شمار کرنا شروع کر دیا اور اس کے باوجود اپنے دل میں حکمت کا کوئی اثر نہ پایا اور زبان پر اس کا ایک قطرہ بھی ظاہر نہ ہوا تو یہ سمجھ لیجئے کہ آپ کی تمام تحصیلات اور زحمتیں خلوص کے ساتھ نہ تھیں بلکہ سب شیطان اور خواہش نفس کے لئے تھیں۔ پس اب جب یہ معلوم ہو گیا کہ ان علوم سے کوئی کیفیت اور حال نہیں پیدا ہوا تو تھوڑے دنوں تک چاہے بطور تجربہ ہو اخلاص نیت کے ساتھ دل کو کدورت سے پاک کرنے کی کوشش کیجئے۔ اگر اس کا کچھ اثر دکھائی دیتا ہے تو پھر پابندی سے اس کی کوشش کیجئے۔ اگرچہ تجربہ کی صورت میں (باب اخلاص) بند ہو جاتے ہیں۔ مگر ہو سکتا ہے کوئی دریچہ کھل ہی جائے اور اس سے نکلنے والی روشنی تمہاری ہدایت کر دے۔

بہرحال اے عزیز ہر عالم میں خواہ برزخ ہو یا قبر یا قیامت اور اس کے درجات ہوں تم سب ہی میں معارف الٰہی علوم حقیقی اور اخلاق حسنہ و اعمال صالحہ کے محتاج ہو۔ تم چاہے جس منزل پر فائز ہو اس میں کوشش کرو اور اخلاص کو زیادہ کرو، اوہام نفس اور شیطانی وسوسوں کو اپنے دل سے باہر نکال دو۔ تو (یقیناً) تم کو اس کا نتیجہ حاصل ہوگا اور حقیقت کا راستہ کھل جائے گا۔ ہدایت کے راستے منکشف ہو جائیں گے۔ خداوند عالم تمہاری دستگیری فرمائے گا۔

خدا جانتا ہے کہ اگر ان بیکار و باطل علوم اور فاسد اوہام، قلبی کدورتوں اور اخلاق ذمیمہ کے ساتھ (دوسرے) عالم میں منتقل ہوں گے تو کیسی مصیبتیں، ابتلاآت اور گھاٹیاں ہمارے سامنے آئیں گی اور یہ علوم و اخلاق ہمارے لئے کیسی تاریکیاں، وحشت اور آتش فروزاں فراہم کریں گے (کہ خدا کی پناہ)

چوتھی فصل

جناب محقق فلاسفہ صدر الحکماء والمتالہین قدہ نے اصول کافی کی شرح میں شیخ غزالی ۱۲

کا ایک طویل کلام نقل فرمایا ہے جس میں غزالی نے علوم کی تقسیم دنیاوی علوم اور اخروی علوم کی طرف کی ہے اور علم فقہ کو دنیاوی علوم میں شمار کیا ہے اور اخروی علوم کی تقسیم مکاشفہ اور معاملہ کی طرف کی ہے اور علم معاملہ کو احوالِ قلوب کے علم سے شمار کیا ہے اور علم مکاشفہ کو ایک ایسا نور قرار دیا ہے جو قلوب کو صفاتِ مذمومہ سے پاک کرنے کے بعد حاصل ہوتا ہے اور اسی نور سے کشفِ حقائق ہوتا ہے یہاں تک کہ اسی نور سے خدا کی ذات، اس کے صفات و افعال اور ان کی حکمتوں اور دیگر معارف کی حقیقی معرفت حاصل ہوتی ہے۔[۱۴] اور چونکہ یہ تقسیم صدر المحققین کے نزدیک پسندیدہ تھی۔ اس لئے انھوں نے اسی حدیث کی شرح کرتے ہوئے "جسکی میں شرح کر رہا ہوں" فرمایا ہے:

بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ تقسیم اور یہ حصر جو رسول خدا نے فرمایا ہے علوم معاملات کی طرف راجع ہے کیونکہ یہی وہ علوم ہیں جن سے زیادہ لوگوں کو فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ رہے علوم مکاشفات تو وہ بہت ہی کم لوگوں کو حاصل ہوتے ہیں اور وہ لوگ کبریت احمر سے زیادہ کمیاب ہیں چنانچہ "کتاب ایمان وکفر" کی حدیثیں اس پر دلالت بھی کرتی ہیں اور ان کا ذکر بعد میں آئے گا۔[۱۵] محقق کے کلام کا ترجمہ اختصار کے ساتھ ختم ہوا۔

امام خمینیؒ فرماتے ہیں: شیخ غزالی کے کلام میں اشکال ہے اور اگر بالفرض یہ صحیح بھی ہو تو جناب اخوند نے جو فرمایا ہے اس میں دوسرا اشکال ہے۔ اب اگر ہم غزالی کے کلام کو صحیح بھی مان لیں تو ان کے کلام میں یہ اعتراض ہے کہ انھوں نے "معاملات" کے علم کو احوالِ قلب کے علم میں شمار کیا ہے۔ یعنی نجات دینے والے حالات جیسے صبر، شکر، خوف ورجا وغیرہ اور ہلاک کرنے والے حالات جیسے کینہ، حسد، بخل، ملاوٹ وغیرہ جیسے حالات کی طرح سمجھا ہے اور اس بنا پر رسول خدا نے جن تینوں علموں کا ذکر کیا ہے ان کو معاملات میں نہیں شمار کیا جا سکتا۔ صرف فریضہ عادلہ کا شمار ممکن ہے جیسا کہ ہم نے اس کی تفصیل پہلے ہی بیان کر دی ہے۔

اب رہا غزالی کا کلام تو اس میں دو اعتراض ہیں۔

۱: علم فقہ کو دنیاوی علوم میں اور فقہا کو علمائے دنیا میں شمار کیا ہے۔ حالانکہ علم فقہ آخرت کے علوم میں سب سے زیادہ عزت والا ہے اور یہ بات محض حبِ نفس اور اس چیز کی محبت سے پیدا ہوئی ہے جس کا وہ اپنے کو اہل سمجھتے ہیں یعنی علم اخلاق بمعنائے رسمی و متعارف۔ اسی لئے انھوں نے غزالی نے "علوم عقلیہ تک کا انکار کر دیا ہے۔

۲: مکاشفات کو جزء علوم قرار دیا ہے اور علوم کی تقسیم کرتے ہوئے اس کو بھی اس میں شمار

Presented by www.ziaraat.com

کیا ہے۔ حالانکہ یہ خلاف واقع ہے۔ بلکہ حق یہ ہے کہ علوم میں وہ چیزیں آتی ہیں جو برہان و نظر و فکر کے تحت واقع ہوں اور فکر کی اس میں مدخلیت ہو۔ رہے مکاشفات و مشاہدات تو یہ کبھی علوم حقیقیہ کے نتائج ہوتے ہیں اور کبھی اعمال قلبیت کے نتائج ہوتے ہیں (خود علم نہیں ہوتے) خلاصہ یہ ہے کہ مکاشفات و مشاہدات اور حقائق اسماء و صفات کے تحقق جیسی چیزوں کو علوم کی تقسیمات میں داخل ہی نہیں کرنا چاہیئے۔ کیونکہ مکاشفہ ایک وادی ہے اور علوم دوسرے وادی سے تعلق رکھتے ہیں اور یہ امر آسان ہے۔

پانچویں فصل

بہت سے ایسے علوم ہیں جن کو بعض تقدیر کی بنا پر انھیں علوم ثلاثہ کے اندر شامل کیا جا سکتا ہے جن کو رسولِ خدا نے ذکر فرمایا ہے مثلاً علم طب، علم تشریح، نجوم، ہیئت وغیرہ کو اگر ہم ان چیزوں کی آیت و علامت سمجھیں تو یہ چیزیں انھیں علوم میں داخل ہیں اور علم تاریخ وغیرہ کو اگر بنظرِ عبرت ان کی طرف مراجعہ کریں تو وہ "آیت محکمہ" میں داخل ہوں گے کیوں کہ انھیں کے واسطہ سے خدا یا معاد کا علم حاصل ہوتا ہے یا پھر ان سے اس کی تقویت ہوتی ہے اور ان کی تحصیل کو کبھی "فریضۂ عادلہ" اور کبھی "سنتِ قائمہ" میں داخل شمار کیا جاتا ہے۔ البتہ اگر ان علوم کی تحصیل براہِ راست انھیں علوم کے لئے ہو اور اس سے دوسرے استفادے بھی مقصود ہوں تو اگر ان علوم کی تحصیل ہم کو علمِ آخرت سے روک دے تو اس روکنے کی وجہ سے بالعرض ان کی تحصیل مذموم ہوگی ورنہ ان سے نہ کوئی فائدہ ہے نہ نقصان۔ جیسا کہ خود رسولِ خدا نے فرمایا ہے۔ پس تمام علوم کی تقسیم تین قسموں پر ہوگی۔

۱: وہ علوم جو انسان کے لئے دوسرے ان نشآت کے اعتبار سے فائدہ مند ہیں جن تک رسائی ہماری غرضِ خلقت ہے اور اسی قسم کو رسولؐ نے "علم" سمجھا ہے اور اسی علم کی تین قسمیں قرار دی ہیں۔

۲: وہ علوم جو انسان کو ضرر پہونچاتے ہیں اور انسان کو اس کے واجبی فرائض کی ادائیگی سے روک دیتے ہیں۔ ان کا شمار علوم مذمومہ میں سے ہے۔ ان علوم کو حاصل کرنے کے لئے کوشش نہیں کرنی چاہیئے جیسے ساحری، شعبدہ بازی، کیمیا وغیرہ کا علم۔

Presented by www.ziaraat.com

۲۔ وہ علوم ہیں جو نفع و نقصان نہیں پہونچاتے جیسے فاضل وقت میں انسان تفریح کے لئے ان میں سے کسی کو حاصل کرے۔ مثلاً حساب، ہندسہ، ہیئت وغیرہ۔ علم کی اس تیسری قسم کو اگر انسان علوم ثلاثہ میں سے کسی پر منطبق کر سکے تو بہت عمدہ چیز ہے۔ ورنہ حتی الامکان ان میں مشغول نہ ہونا ہی بہتر ہے۔ اس لئے کہ عقلمند انسان جب جانتا ہے کہ عمر مختصر ہے اور وقت بھی کم ہے اور موانع و حوادث بے انتہا ہیں اور (ایسی صورت میں) وہ تمام علوم کا جامع یا تمام فضائل کا حامل نہیں ہو سکتا۔ تو اس کو غور و فکر کرنا چاہیئے کہ کون سا علم اس کے لئے بہتر ہے اسی میں مشغول ہو جائے۔ اور اسی کی تکمیل کرلے۔

مگر یہ واضح ہے کہ جو علوم اس کی حیات ابدی اور زندگی جاوید کے لئے نفع بخش ہوں۔ وہی سب سے بہتر اور سب سے اہم ہیں۔ لہٰذا انھیں میں مشغول ہونا بہتر ہے اور وہ وہی علوم ہیں جن کے حاصل کرنے کا حکم انبیا اور اولیا نے دیا ہے اور ان کی طرف رغبت دلائی ہے اور وہ وہی علوم ثلاثہ ہیں جن کا ذکر پہلے ہو چکا۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ تَعَالٰی۔

www.ziaraat.com
Sabeel-e-Sakina

Presented by www.ziaraat.com

چوبیسویں حدیث کی توضیحات

۱۔ اصولِ کافی جلد ۱ ص ۳۲، کتاب فضل العلم، باب صفۃ العلم وفضلہ، حدیث ۱۔
۲۔ شرح اصولِ کافی ص ۱۲۸، کتاب فضل العلم، باب صفۃ العلم، حدیث ۱۔
۳۔ ص ۱/۴۱۔ ۱۲
۴۔ یحییٰ بن حبش (شہاب الدین سہروردی) مشہور بہ شیخ اشراق یہ چھٹی صدی ہجری کے علما میں سے ہیں۔ شیخ مقتول اور حکیم مقتول سے بھی مشہور ہیں۔ انھوں نے مکتب اشراق کو زندہ کیا اور سن ۵۸۱ میں ۳۶ سال کی عمر میں قتل کر دیئے گئے۔ ان کی تالیفات میں حکمۃ الاشراق، بستان القلوب، البارقات الالہیۃ، البروج، شرح اشارات اور زبر جبرئیل وغیرہ ہیں۔
۵۔ شرح حکمۃ الاشراق ص ۲۲۔ ۲۵۔
۶۔ جامع السعادت جلد ۱ ص ۴۳۔
۷۔ غرر الحکم و درر الکلم ص ۸۰۴ فصل ۳۳ حدیث ۱۔
۸۔ سورۂ بقرہ آیت ۱۶۴، سورۂ انعام آیت ۹۸، سورۂ روم آیت ۲۱۔ ۲۴۔
۹۔ سورۂ طٰہٰ آیت ۱۱۴۔
۱۰۔ سورۂ فاطر آیت ۴۶۔
۱۱۔ اصولِ کافی جلد ۱ ص ۴۸، کتاب فضل العلم، باب النوادر، حدیث ۲۔
۱۲۔ بحار الانوار جلد ۶۷ ص ۲۴۲، کتاب الایمان والکفر باب اخلاص حدیث ۱۰۔
۱۳۔ ابو حامد محمد بن محمد بن محمد غزالی (۴۵۰۔ ۵۰۵ ھ ق) ان کا لقب حجۃ الاسلام ہے۔ مذہب شافعی کے بہت بڑے فقیہ تھے اور اشعری عقیدہ رکھتے تھے۔ نیشاپور میں امام الحرمین جوینی کے شاگردوں میں شامل ہو گئے۔ استاد ان کا بہت احترام کرتے تھے نظام الملک طوسی وزیر نے ان کی بزرگواری کی بنا پر بغداد کا مدرسہ نظامیہ ان کے حوالہ کر دیا اس مدرسہ کی بڑی اہمیت تھی۔ غزالی نے کچھ روحانی تحولات کی بنا پر کچھ دنوں کے بعد علوم رسمیہ سے علیحدگی اختیار کر لی تھی اور صوفیت کو اختیار کر لیا تھا۔ ان کی تصنیفات میں فقہ کے اندر الوسیط والبسیط ہے اور احیاء علوم الدین تحریر کیا اصولِ فقہ میں المستصفی لکھا۔ نیز معیار العلوم اور تہافت الفلاسفہ بھی انھیں کی تصنیف ہے۔
۱۴۔ شرح اصولِ کافی ص ۲۲۴، کتاب فضل العلم، باب فرض العلم، حدیث ۵۔
۱۵۔ شرح اصولِ کافی ص ۱۲۸، کتاب فضل العلم، باب صفۃ العلم، حدیث ۱۔

Presented by www.ziaraat.com

پچیسویں حدیث

«بِسَنَدِيَ الْمُتَّصِلِ اِلٰى شَيْخِ الْمُحَدِّثِيْنَ وَاَفْضَلِهِمْ، مُحَمَّدِبْنِ يَعْقُوبَ الْكُلَيْنِي، رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى، عَنْ مُحَمَّدِبْنِ يَحْيٰى، عَنْ اَحْمَدِبْنِ مُحَمَّدٍ، عَنِ ابْنِ مَحْبُوبٍ، عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ سِنَانٍ، قَالَ ذَكَرْتُ لِاَبِي عَبْدِاللّٰهِ، عَلَيْهِ السَّلَامُ، رَجُلاً مُبْتَلٰى بِالْوُضُوءِ وَالصَّلَاةِ، وَقُلْتُ: هُوَ رَجُلٌ عَاقِلٌ. فَقَالَ اَبُو عَبْدِاللّٰهِ، عَلَيْهِ السَّلَامُ: وَاَيُّ عَقْلٍ لَهُ وَهُوَ يُطِيعُ الشَّيْطَانَ؟ فَقُلْتُ لَهُ: وَكَيْفَ يُطِيعُ الشَّيْطَانَ فَقَالَ: سَلْهُ هٰذَا الَّذِي يَأْتِيهِ مِنْ اَيِّ شَيْءٍ هُوَ، فَاِنَّهُ يَقُولُ لَكَ: مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ.»

ترجمہ: عبداللہ بن سنان کہتے ہیں: میں نے امام جعفر صادقؑ سے ایک شخص کے (وسوسہ کے) بارے میں ذکر کیا جو (بار بار) وضو اور نماز میں مبتلا تھا۔ میں نے عرض کیا: (حالانکہ) وہ عقلمند شخص ہے (مگر پھر بھی وسوسہ میں مبتلا ہے) حضرتؑ نے فرمایا: اس کے پاس (بھلا) کونسی عقل ہے جب کہ وہ شیطان کی اطاعت کرتا ہے؟ میں نے عرض کیا: وہ کیوں کر شیطان کی اطاعت کرتا ہے۔

Presented by www.ziaraat.com

حضرتؑ نے فرمایا: اسی سے پوچھ لو کہ وہ جو کچھ کرتا ہے وہ کیا ہے؟ تو وہ خود ہی کہہ دے گا یہ شیطان کا کام ہے۔"

شرح: وسوسہ، شک، تزلزل، شرک یہ اور اس قسم کی ساری چیزیں شیطانی خطرات (دل میں پیدا ہونے والے خیالات) اور ابلیسی القائات ہیں جو لوگوں کے دلوں میں پیدا ہوتے ہیں جیسے کہ اطمینان، یقین، ثبات، اخلوص اور اس قسم کی دوسری چیزیں رحمانی افاضات اور ملکی القائات ہیں۔

اس اجمال کی تفصیل مختصر طور سے یہ ہے کہ قلب انسانی نقشہ ملک و ملکوت اور عالم دنیا و آخرت کے بیچ کی ایک لطیف چیز ہے۔ اس کا ایک رُخ دنیا اور ملک کی طرف ہے اسی سے وہ دنیا کی آبادکاری کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور دوسرا رُخ اس کا عالم آخرت و ملکوت و غیب کی طرف ہے جس سے وہ عالم آخرت و ملکوت کی تعمیر کرتا ہے۔ پس قلب گویا ایک دو رُخا آئینہ ہے کہ ایک رُخ اس کا عالم غیب کی طرف ہے جس میں غیبی صورتیں دکھائی دیتی ہیں اور ایک رُخ اس کا عالم شہادت کی طرف ہے جس میں ملکی و دنیاوی صورتیں دکھائی دیتی ہیں اور دنیاوی صورتیں بعض باطنی مدارک مثلاً خیال و وہم، مدارک حسیہ ظاہریہ کے واسطہ سے اس میں منعکس ہوتی ہیں۔ (لیکن) اخروی صورتیں باطن عقل اور سر قلب کے ذریعہ اس میں منعکس ہوتی ہیں۔ (اب) اگر قلب کا دنیاوی رُخ قوی ہوجاتا ہے اور وہ بالکلیہ تعمیر دنیا کی طرف متوجہ ہوجاتا ہے اور اس کے قصد و ارادے دنیا ہی میں منحصر ہوجاتے ہیں اور وہ شکم و فرج کی لذتوں اور دیگر دنیاوی خواہشوں اور لذتوں میں مستغرق ہوجاتا ہے تو پھر باطن خیال کی توجہ کی وجہ سے ملکوت سفلی سے ایک مناسبت پیدا ہوجاتی ہے جو عالم ملک و طبیعت کے تاریک سایہ کی طرح ہے اور عالم جن و شیاطین اور نفوس خبیثہ کے منزل کی طرح ہوتا ہے اور اس مناسبت کی وجہ سے اس میں جتنے بھی القائات ہوتے ہیں وہ (سب کے سب) شیطانی القائات ہوتے ہیں اور یہی القائات باطل خیالات اور اوہام خبیثہ کا سبب بنتے ہیں اور نفس چونکہ فی الجملہ دنیا کی طرف مائل ہوتا ہے (لہٰذا) ان خیالات کی طرف اشتیاق پیدا کرلیتا ہے اور پھر عزم و ارادہ بھی اس کے تابع ہوجاتے ہیں اس لئے پھر تمام قلبی و قالبی اعمال شیطانی اعمال کے سنخ (اصل) سے ہوجاتے ہیں جیسے وسوسہ، شک، تردید اور اوہام و باطل خیالات وغیرہ اور ملک بدن کے اندر اسی کے مطابق ارادے کام کرنے لگتے ہیں اور بدنی اعمال بھی قلب کی باطنی صورتوں کے مطابق روپ دھار لیتے ہیں۔ اس لئے کہ اعمال ارادوں اور مثال کے عکس ہوا کرتے ہیں اور ارادے اوہام کے مثال و عکس ہوتے ہیں اور یہ سب وجہۂ قلوب کے عکس ہوتے ہیں اور چونکہ دل کا رُخ عالم شیطان کی طرف تھا اس لئے اس کے سارے القائات شیطانی جہل مرکب کی قسم کے ہوتے ہیں اور اس

Presented by www.ziaraat.com

کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ باطن ذات سے وسوسہ، شک، شرک، شبہات باطلہ طالع ہوکر ملک بدن میں سرایت کرجاتے ہیں۔

اسی طرح اگر قلب کا رُخ تعمیر آخرت اور معارف حقہ کی طرف ہوگیا اور وہ عالم غیب کی طرف متوجہ ہوا تو ملکوت اعلیٰ جس کو عالم ملائکہ اور نیک نفوس طیبہ بھی کہا جاسکتا ہے اور جو عالم طبیعت کے لئے بمنزلہ ظل نورانی بھی ہے، سے ایک قسم کی مناسبت پیدا ہوجاتی ہے اس لئے جن علوم کا فیضان اس کی طرف ہوتا ہے وہ علوم رحمانی ملکی اور عقائد حقہ و خطرات والقائات الٰہی ہوجاتے ہیں اور شک و شرک سے منزہ و پاک ہوجاتے ہیں اور (خود) نفس کے اندر بھی استقامت و اطمینان کی صورت پیدا ہوجاتی ہے اور اس کے اشتیاقات بھی انھیں علوم کے مطابق ہوجاتے ہیں اور اشتیاق کے مطابق ارادہ ہوجاتا ہے اور انجام کار تمام ظاہری و باطنی و قلبی و قالبی اعمال عقل و حکمت کے مطابق ہوجاتے ہیں اور ان شیطانی اور رحمانی و ملکی القائات کے مراتب و مقامات ہوتے ہیں جس کی تفصیل اس وقت مناسب نہیں ہے۔

ہم نے جو ذکر کیا ہے اس پر بعض روایات بھی دلالت کرتی ہیں مثلاً مجمع البیان میں عیاشی[۲] کی روایت اسی طرح ہے، کہ امام جعفر صادقؑ نے فرمایا کہ:

«رَوَى الْعَيَّاشِيُّ بِاِسْنَادِهِ عَنْ اَبَانِ بْنِ تَغْلِبَ، عَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ، قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ: مَا مِنْ مُؤْمِنٍ اِلَّا وَلِقَلْبِهِ فِي صَدْرِهِ اُذُنَانِ: اُذُنٌ يَنْفُثُ فِيهَا الْمَلَكُ، وَاُذُنٌ يَنْفُثُ فِيهَا الْوَسْوَاسُ الْخَنَّاسُ. يُؤَيِّدُ اللّٰهُ الْمُؤْمِنَ بِالْمَلَكِ، وَهُوَ قَوْلُهُ سُبْحَانَهُ: «وَاَيَّدَهُمْ بِرُوحٍ مِنْهُ».[۲]

"حضرت رسولؐ خدا کا ارشاد ہے: ہر مومن کے اس کے دل میں جو سینہ کے اندر ہے دو کان ہوتے ہیں۔ ایک کان میں فرشتہ پھونکتا ہے اور دوسرے کان میں شیطان جو وسوسہ پیدا کرنے والا ہے وہ پھونکتا ہے (اور) خدا مومن کی تائید فرشتہ سے کرتا ہے اور اسی بات کی طرف خدا کا یہ قول ہے: "وَاَيَّدَهُمْ بِرُوحٍ مِنْهُ" (اور خاص اپنے روح سے ان لوگوں کی) تائید فرمائی ہے) اور مجمع البحرین میں ایک یہ روایت ہے۔

«وَفِي مَجْمَعِ الْبَحْرَيْنِ، فِي حَدِيثٍ آخَرَ اَنَّهُ قَالَ: اَلشَّيْطَانُ وَاضِعٌ خَطْمَهُ عَلَى قَلْبِ ابْنِ آدَمَ، لَهُ خُرْطُومٌ مِثْلُ خُرْطُومِ الْخِنْزِيرِ يُوَسْوِسُ لِابْنِ آدَمَ اَنْ اَقْبِلْ عَلَى

Presented by www.ziaraat.com

الدُّنیا، و مالا یحلّ اللّٰہ. فاذا ذکر اللّٰہ خنس۔"

"شیطان اپنے منہ کو بنی آدم کے دل پر رکھتا ہے اور اس کا منہ سور کے منہ کی طرح کا ہوتا ہے اور اس کے دل میں وسوسہ پیدا کرتا ہے کہ تو دنیا کی طرف مائل ہو جاتا اور ان چیزوں کی طرف مائل ہو جا جو حرام ہیں مگر جب (انسان) ذکرِ خدا کرتا ہے تو شیطان بھاگ جاتا ہے۔"

اس کے علاوہ بھی روایات ہیں۔

پہلی فصل

جب اہلِ طریقت کے ذریعہ یہ بات معلوم ہو گئی کہ وسوسہ ایک شیطانی عمل ہے۔ جیسا کہ اس حدیث میں جس کی میں شرح کر رہا ہوں اور دوسری حدیثوں میں (بھی) ذکر ہے، تو میں مجبور ہوں کہ اس مطلب کو ایک دوسری طرح سے ذکر کروں جو افہامِ عامہ سے نزدیک ہے اور مناسب بھی ہے۔ اگرچہ پہلے والا بیان اہلِ معرفت کے ذوق اور اصحابِ قلوب کے مشاہدات کے مطابق اور میزانِ عقلی مطابقِ برہانی کے موافق ہے۔ لیکن چونکہ وہ بیان ایسے اصول و قواعد پر مبنی ہے جو اس کتاب کے حوصلہ سے خارج ہے اس لئے ہم اس سے صرفِ نظر کر رہے ہیں۔

پس میں عرض کرتا ہوں کہ ان وسوسوں اور اعمال کا شیطانی تماشہ ہونے پر اور یہ کہ یہ وسوسے شیطان ملعون کے اتفاقات میں سے ہیں اور یہ نہ دینی ہیں نہ ایمانی چاہے باطل خیال کی بنا پر ایسا ہو (سب سے بڑا) شاہد یہ ہے کہ (یہ وسوسے) احکامِ شریعت اور اخبار و آثارِ اہلِ بیتؑ کے مخالف ہیں مثلاً اہلِ بیتؑ سے متواتر روایات کی بنا پر یہ ثابت ہے کہ رسولِ خدا کا وضو ایک غسلہ (ایک مرتبہ دھونا) تھا اور فقہ کی بدیہیات میں یہ بات ہے کہ ایک چلو پانی چہرے کو دھونے کے لئے اور ایک چلو پانی داہنے ہاتھ کے دھونے کے لئے اور ایک بائیں ہاتھ کے دھونے کے لئے کافی ہے۔ لیکن (ہر ایک کے لئے) دو چلو یا دو مرتبہ دھونے میں اختلاف ہے۔ جس کو صاحبِ وسائل (کے کلام) سے عدمِ جواز یا عدمِ جواز میں تامل ثابت ہوتا ہے اور بعض دیگر علماء سے اختلاف نقل کیا گیا ہے (کہ یہ مسئلہ اختلافی ہے) اگرچہ وہ غسلہ بھی محلِ تامل نہیں ہے۔ (بلکہ) شہرتِ عظیمہ کے ساتھ ساتھ روایتِ کثیرہ کی دلالت بھی استحباب پر ہے۔ لیکن (اس کے باوجود) بعید نہیں ہے کہ ایک غسلہ "جو پورے محل کو دھو ڈالے" افضل ہو۔ مگر تین مرتبہ اس طرح دھونا کہ ہر مرتبہ پورا محل دھوا جائے بلا اشکال بدعت و حرام ہے اور اگر اسی فاضل پانی کی تری سے مسح کرے تو وضو باطل ہے اور اہلِ بیتؑ کے اخبار میں ہے کہ تیسری مرتبہ دھونا بدعت ہے اور ہر بدعت جہنم میں لے جانے والی ہے۔"

Presented by www.ziaraat.com

ایسی صورت میں ایک شخص جاہل و وسواسی جو محلِ وضو کو دس مرتبہ سے زیادہ دھوتا ہے اور ہر مرتبہ پانی کو تمام عضو تک بڑی باریک بینی سے پہونچاتا ہے۔ بلکہ وہ پہلے تو محلِ وضو کو اچھی طرح بھگوتا ہے تاکہ پانی پوری طرح بہہ سکے اور شرعی وضو ناحاصل ہو جائے پھر مکرر و مکرر اس عمل کو انجام دیتا ہے۔ (آخر) اس کو کس میزان پر تولا جائے؟ اس کا یہ عمل کس حدیث یا کس فقیہ کے فتویٰ کے مطابق ہے؟ بیس سال یا اس سے زیادہ یہ بدبخت اسی طرح کے باطل وضو سے نماز پڑھتا رہا اور اپنے تقدس و طہارت کا لوگوں پر رعب جماتا رہا۔ شیطان اس سے بازی کرتا ہے۔ خبیث نفسِ امارہ اس کو دھوکہ دیتا ہے اور اس کے باوجود وہ دوسروں کو غلط بتاتا ہے اور اپنے کو حق پر سمجھتا ہے۔ (اب آپ بتائیے) جو چیز نصِ متواتر اور اجماعِ علما کی مخالفت کرتی ہو اس کے افعال کو شیطانی شمار کرنا چاہیے یا کمالِ طہارتِ نفس اور تقویٰ پر محمول کرنا چاہیے؟ اگر اس کو دین کے اندر کمالِ احتیاط اور تقویٰ پر حمل کیا جائے تو پھر یہی بے وسواسی اور جاہل قسم کے عبادت گزار بہت سے ان امور میں جن کے اندر احتیاط لازم ہے یا راجح ہے کیوں احتیاط نہیں اختیار کرتے؟ ابھی تک کیا کسی ایسے شخص کو آپ جانتے ہیں کہ اموال کے سلسلہ میں اس کے شبہات وسواسی ہوں؟ ابھی تک کسی وسواسی نے کیا کئی کئی مرتبہ خمس یا زکوٰۃ نکالا ہے؟ ایک مرتبہ حج کے بجائے (وسواسی ہونے کی وجہ سے) کئی مرتبہ حج کے لئے گیا ہو؟ شبہہ والی غذاؤں سے پرہیز کیا ہو؟ خمس اس کی کیا وجہ ہے کہ یہاں پر "اصالۃ الحلیۃ" محکم و معتبر ہے۔ لیکن بابِ طہارت میں "اصالۃ الطہارۃ" معتبر نہیں ہے؟ حالانکہ بابِ حلیت میں شبہات سے اجتناب راجح ہے اور حدیثِ تثلیث کی طرح دیگر احادیث بھی اس مطلب پر دلالت کرتی ہیں۔ لیکن بابِ طہارت میں مسئلہ اس کے برعکس ہے۔ بعض ائمہ معصومینؑ کے لئے ہے جب وہ بیت الخلا تشریف لے جاتے تھے تو اپنے رانوں پر پانی چھڑک لیتے تھے کہ اگر کوئی پانی کا قطرہ چھٹکے تو معلوم نہ ہو سکے اور یہ بیچارہ (وسواسی) جو اپنے کو ائمہ معصومینؑ کا پیرو سمجھتا ہے اور تمام احکام دین کو امامِ معصومؑ سے حاصل کرتا ہے۔ جب اموال میں تصرف کا موقع آتا ہے تو کسی بھی قسم کا نہ پرہیز کرتا ہے اور نہ کسی بات کی پرواہ کرتا ہے۔ جس غذا کو (اصالۃ الطہارۃ) پر عمل کر کے کھاتا ہے اسی کھانے کے بعد اپنے ہاتھ اور منہ کو چاٹ بھی کرتا ہے۔ آخر یہ کیا بات ہوئی کہ کھانا کھاتے وقت تو اصالۃ الطہارۃ پر عمل کرتا ہے لیکن کھانے کے بعد کہتا ہے ہر چیز نجس ہے اور اگر (یہ وسواسی) کہیں اہلِ علم سے ہے تو جواب دے گا میں طہارتِ واقعی کے ساتھ نماز پڑھنی چاہتا ہوں۔ حالانکہ طہارتِ واقعی کے ساتھ نماز پڑھنے کی مریت ابھی تک معلوم نہیں ہو سکی اور فقہا کرام کے یہاں میں نے اس کا کوئی نام نہیں دیکھا۔ اگر آپ اہلِ طہارتِ واقعی ہیں تو پھر اہلِ حقیقتِ واقعی کیوں نہیں بنتے؟ چلئے ہم یہ بھی فرض کئے لیتے ہیں آپ

Presented by www.ziaraat.com

طہارت واقعی کو حاصل کرنا چاہتے ہیں تو پھر آب گڑیا آب جاری میں دس مرتبہ دھونا کیا ہے؟ جبکہ آب جاری میں ایک مرتبہ اور آب گڑھے میں (پیشاب اور بعض دوسری نجاستوں کے علاوہ) ایک مرتبہ بلکہ بنا بر مشہور پیشاب میں بھی ایک مرتبہ دھونا کافی ہے اور دو مرتبہ تو اجماعاً کافی ہے پس یہ کئی مرتبہ دھونا کا شیطانی اور نفس کی دھوکہ بازی نہیں ہے تو کیا ہے؟ اور چونکہ یہ ایک بیمایہ چیز ہے اس لئے اس کو تقدس فروشی کا ذریعہ بنایا جاتا ہے۔

اور اس سے بھی زیادہ بدتر اور رسوا کن ان لوگوں کا وسوسہ ہے جو نماز کی نیت اور تکبیرۃ الاحرام میں وسوسہ کرتے ہیں۔ کیونکہ یہ لوگ کئی فعل حرام کے ارتکاب کے بعد بھی اپنے کو متقین میں شمار کرتے ہیں اور اپنے اس عمل میں مزیت کے قائل ہوتے ہیں جیسے کہ اکسی کو [illegible] کو اس کے بغیر بجالایا نہیں جا سکتا اور [illegible] اعمال کالا [illegible] اسی عبادی یا غیر عبادی عمل کو بجا ہی نہیں لا سکتا۔ اس کے باوجود اختلاف شیطنت اور تسلط شیطان کی بنا پر کافی دیر تک اس ضروری الوجود شئی کے حصول کے لئے کوشش کرتا رہتا ہے اور انجام کار اس کو حاصل نہیں کر پاتا۔ اب اس امر کو شیطانی خیال اور ابلیس ملعون کا عمل سمجھا جائے کہ اس بے چارے کو لگام لگا کے ایسے ضروری امر کو اس پر مخفی رکھا اور متعدد حرام کے ارتکاب میں مبتلا کر دیا مثلاً نماز کا توڑنا (یا) اس کا چھوڑنا وقت کا گزرنا (وغیرہ چیزوں پر آمادہ کر دیا) یا اس کو طہارت باطن اور تقدس و تقویٰ قرار دیا جائے؟

اسی وسوسہ میں سے ایک بات یہ بھی ہے کہ جو لوگ باعتبار نص و فتویٰ محکوم بہ عدالت ہیں اور وہ ظاہر اصالح اور شرعی اعمال کے [illegible] کی [illegible] کرتا ہے اور الگ نماز پڑھنا بھی ہے)۔ اب رہا ان کے باطن کا معاملہ تو اس کو بنانا ہے اس کی تفتیش ہمارے لئے ضروری نہیں ہے بلکہ جائز نہیں ہے۔ اب ایسے پیش نماز کے بارے میں شیطان وسواسی آدمی کو لگام دیدیتا ہے اور اس کو آمادہ کر دیتا ہے کہ وہ مسلمانوں سے کنارہ کش ہو کر مسجد کے ایک گوشہ میں نماز پڑھے اور یہ وسواسی آدمی اپنے اس عمل کی تاویل کرتا ہے کہ مجھے ان کی عدالت میں شبہ ہے۔ (یہ آدمی) میرے دل میں نہیں پہنچتا لیکن خود نماز پڑھانے میں تامل بھی نہیں کرتا حالانکہ پیش نمازی کا کام بہت سخت ہے اور اس میں شبہ زیادہ ہے لیکن چونکہ یہ بات اس کی خواہش نفس کے مطابق ہے اس لئے اس میں شبہ نہیں کرتا۔

وسواسی کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ وہ اس میں بہت زیادہ مبتلا ہوتا ہے (مثلاً) قرأت میں وسواسہ (وسواسی) قرأت میں تکرار کرتا ہے اور حروف کی ادائیگی میں اتنا گاڑھا پن پیدا کرتا ہے کہ

Presented by www.ziaraat.com

کبھی وہ قواعد تجوید سے خارج ہوجاتا ہے۔ بلکہ کبھی تو کلمہ کی صورت ہی بالکل بدل جاتی ہے۔ مثلاً ضاد میں کو اس طرح ادا کرتا ہے کہ وہ قاف کے مشابہ ہوجاتا ہے اور رحمان ورحیم وغیرہ کی "ح" کو اس طرح حلق سے نکالتا ہے کہ ایک عجیب آواز پیدا ہوجاتی ہے۔ ایک ہی کلمہ کے حروف میں ایسی جدائی ڈال دیتا ہے کہ کلمہ کی ہیئت و مادہ ٹوٹ پھوٹ کر اپنی اصلی صورت سے بالکل خارج ہوجاتا ہے اور آخرکار جو نماز موحدین کے لئے معراج ہے اور متقین و مقربین کے لئے ستون دین ہے وہ اپنے تمام معنوی حالات اور الٰہی اسرار سے غفلت کی بنا پر اور تجوید کلمات کے چکر میں پھنس کر اتنی خراب ہوجاتی ہے کہ ظاہر شرع کی بنا پر بھی غیر مجزی ہوجاتی ہے اب (آپ ہی) بتائیے کہ ان اوصاف کے ساتھ یہ وسوسہ شیطانی ہے یا فیض رحمانی ہے جو مقدس نماز وسواسی کے شامل حال ہوئی ہے؟ حضور قلب اور اقبال قلب کے ساتھ نماز پڑھنے کے لئے جو رذیلات آتی ہیں ان سے یہ بیچارہ وسواسی علماً و عملاً صرف اتنا سمجھ پایا ہے کہ یہ (اقبال قلب) محض نیت میں وسوسہ اور "ولا الضالین" کے مد کو اندازہ سے زیادہ کھینچنے اور نماز پڑھتے وقت چشم و دہان کے ٹیڑھا کرنے کا نام ہے۔ کیا یہ مصیبت نہیں ہے کہ آدمی سالہا سال حضور قلب اور تشویش خاطر کے علاج سے غافل رہے اور اصلاً اس کے اصلاح کی طرف توجہ نہ کرے اور عبادت کی شان نہ پہچان سکے اور علمائے قلوب سے سیکھنے کی نہ کوشش کرے اور نہ اس پر عمل کرے اور ان خرافات میں پڑا رہے جو بہ نص قرآن کریم خناس لعین[15] سے ہے اور بہ نص صادقین[16] عمل شیطان[17] ہے[18] اور بہ فتوائے فقہا اس طرح سے پڑھنا باطل ہے۔ کیا اسی کا نام تقدس و طہارت ہے؟

اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ انسان کے اندر جو وسوسہ پیدا ہوتا ہے یا زیادہ ہوتا ہے اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ اس جیسے دیگر جاہل حضرات اس بات کو اس کے فضائل میں شمار کرتے ہیں۔ مثلاً اس کے تقدس و دیانت و تقویٰ کی لوگ اس طرح تعریف کرتے ہیں کہ (بھئی) یہ شخص تو اتنا بڑا مقدس و دین دار ہے کہ اس کی وجہ سے وسواسی ہوگیا ہے۔ حالانکہ وسوسہ کا دیانت سے کوئی ربط ہی نہیں ہے۔ بلکہ (یہ وسوسہ) دین کا مخالف ہے اور یہ سب جہالت و نافہمی ہے۔ لیکن اصل وجہ یہ ہے کہ لوگوں نے اصل حقیقت اس کو بتایا نہیں اور نہ اس سے احتراز کیا نہ اس کی سرزنش کی۔ بلکہ اس کے بجائے اس کی مدح و ثنا کرنے لگے اور اتنی مدح کی کہ وہ وسوسہ کے حد کمال تک پہونچ گیا اور شیطان کا کھلونا بننے کے ساتھ اپنے کو شیطان کے لشکر میں شامل کرلیا اور مقربین سے بہت دور ہوگیا۔

لہٰذا میرے عزیز اب تو پتہ چل گیا کہ عقلاً و نقلاً یہ چیزیں شیطانی وسوسے ہیں اور ابلیسی اعمال ہیں جو ہمارے اعمال کو باطل کردیتے ہیں اور ہمارے دل کو خدا سے منحرف کردیتے ہیں اور یہ بھی ہوسکتا

Presented by www.ziaraat.com

ہے کہ وہ صرف عمل کی حد تک وسواسی نہ ہو۔ بلکہ اپنے شاہکار کو استعمال کر کے آپ کے عقائد و دیانت میں بھی وسوسہ پیدا کر دے اور دین کی صورت میں تم کو بے دین بنا دے۔ مبدا و معاد کے سلسلہ میں تردید میں ڈال دے اور شقاوت ابدی تک پہونچا دے اور آپ جیسے لوگوں کو (یہ شیطان) چونکہ فسق و فجور کے راستہ سے گمراہ نہیں کر سکتا اس لئے عبادت و مناسک کے راستہ سے آکر پہلے تو آپ کے ان اعمال و افعال کو جو تقرب الٰہی کا ذریعہ اور قرب حق کا وسیلہ بن سکتے تھے ان کو باطل و خراب کر کے خدا سے دور اور ابلیس سے نزدیک کر دیے۔ اس کے بعد یہ خطرہ لاحق ہو جاتا ہے کہ آپ کے عقائد کو بھی کہیں نہ خراب کر دے۔ اس لئے جس طرح بھی ممکن ہو اور جس ریاضت کے ذریعہ بھی ہو سکے آپ اپنا علاج کریں۔

دوسری فصل

یہ قلبی مرض جس کے بارے میں خطرہ ہے کہ انسان کو ہلاک ابدی اور شقاوت سرمدی تک پہونچا دے اس کا بھی علاج دیگر قلبی امراض کی طرح علم نافع اور عمل کے ذریعہ بہت آسان ہے۔ لیکن سب سے پہلی چیز تو یہی ہے کہ انسان اپنے کو مریض سمجھے اس کے بعد اس کے علاج میں لگ جائے۔ لیکن سب سے زیادہ بری بات تو یہی ہے کہ شیطان نے اس بیچارے کے لئے ایسے مقدمات فراہم کر دیئے ہیں کہ وہ اپنے کو مریض ہی نہیں سمجھتا۔ بلکہ وہ تو دوسروں کو بے راہ اور دین سے بے پرواہ سمجھتا ہے۔

عملی طریقۂ علاج: یہ ہے کہ بیان کردہ امور میں انسان خوب غور و فکر کرے اور بہتر یہ ہے کہ اس کے تمام اعمال و افعال تفکر اور تامل کے ساتھ ہوں۔ اس کو یہ سوچنا چاہیئے کہ جو عمل کر رہا ہے اور جس کے بارے میں یہ چاہتا ہے کہ وہ مرضی خدا کے مطابق ہو۔ اس کو کس سے اور کہاں سے لیا ہے کہ جس کی کیفیت چنین و چنان ہے یہ بات تو سب ہی کو معلوم ہے کہ فقہا اور مراجع کرام قرآن و سنت اور اجتہادی طریقوں سے عمل کے طریقوں کو حاصل کرتے ہیں اور (اسی لئے) جب ہم فقہا کی کتابوں کو دیکھتے ہیں تو ان کتابوں میں شخص وسواسی کے عمل کی تکذیب کی گئی ہے۔ (یہی نہیں بلکہ) اس کے بعض اعمال کو باطل شمار کیا گیا ہے اور جب حدیثوں اور قرآن کو دیکھتے ہیں تو اس میں وسواسی کے عمل کو شیطان کا عمل قرار دیا گیا ہے اور ایسے آدمی سے سلب عقل کی گئی ہے۔ پس ایسی صورت میں عقلمند انسان "بشرطیکہ اس کی عقل پر شیطان مسلط نہ ہوا ہو" تھوڑا سا غور و فکر کر کے اپنے لئے یہ لازم قرار دے لیتا ہے کہ اب میں ان کاموں سے دست برداری اختیار کر لوں گا اور طے کر لیتا ہے کہ اپنے اعمال کی اس طرح تصحیح کرے گا جو مرضی حق کے

Presented by www.ziaraat.com

مطابق ہو۔

جس شخص کے اندر ذرا بھی شائبہ ہو۔ اسے چاہیئے کہ معمولی آدمیوں کی طرف رجوع کرے اور اپنے عمل کو علماء و فقہا کے سامنے پیش کرے اور ان سے پوچھے کہ کیا وہ مرض وسواس میں تو مبتلا نہیں ہے۔ اس لئے کہ بسا اوقات خود وسواسی اپنی حالت سے غافل ہوتا ہے۔ اپنے کو معتدل دوسروں کو بے پرواہ سمجھتا ہے۔ لیکن اگر وہ تھوڑا سا غور کرے تو معلوم ہو جائے گا کہ یہ عقیدہ بھی خبیث شیطان کے القائات میں سے ہے۔ اس لئے کہ خود وہ دیکھتا ہے کہ علما اور بڑے بڑے ایسے دانشمند جن کے علم و عقیدہ کا وہ خود بھی قائل ہے بلکہ مراجع تقلید کہ جن سے وہ حلال و حرام کے مسائل پوچھتا ہے ان کے اعمال بھی اس کے برخلاف ہیں اور یہ بات نہیں کہی جا سکتی کہ دیانت دار حضرات علما اور بزرگان دین، دین خدا کے سلسلہ میں بے پرواہ ہوں گے صرف وسواسی شخص ہی دیندار ہے۔ پھر جب اس کو علم ہو جائے تو عمل کی اصلاح ضروری ہو جائے گی اور اس کو میدان عمل میں کود پڑنا چاہیئے اور اس سلسلہ میں سب سے بہتر علاج کا طریقہ یہ ہے کہ شیطانی وسوسوں اور اس کے القائات کی طرف توجہ ہی نہ دے۔ مثلاً اگر وضو کے سلسلہ میں وسواسی ہے تو شیطان کی ناک رگڑنے کے لئے صرف ایک چلو پانی کا استعمال کرے۔ یقیناً شیطان کہے گا یہ عمل غلط ہے اس کو چاہیئے کہ جواب دے کہ اگر میرا عمل غلط ہے تو رسول خدا، ائمہ معصومین اور تمام فقہا کا بھی عمل صحیح نہیں ہے۔ رسول خدا اور ائمہ معصومین نے تقریباً تین سو سال تک عمل کیا اور روایات معتبرہ کی بنیاد پر ان حضرات کا عمل اسی طرح تھا۔ پس اگر ان کا عمل باطل ہے تو چھوڑ دو میرا بھی عمل باطل ہے اور اگر کسی مجتہد کا مقلد ہے تو اس کو یہ جواب دینا چاہیئے۔ میں تو اس طرح جو وضو کرتا ہوں وہ مجتہد کی رائے کے مطابق ہے۔ اگر میرا وضو باطل ہے تو خدا مجھ سے مواخذہ نہیں کرے گا اور نہ میرے اوپر اس کی حجت تمام ہوگی اور اگر وہ ملعون مجتہد کی رائے کے بارے میں تشکیک پیدا کرے کہ مجتہد نے تو یہ نہیں کہا ہے۔ تو رسالہ عملیہ کو کھول کر دکھا دے۔ اگرچہ چند مرتبہ اسے وسواسی تو نے شیطان کے قول پر عمل نہیں کیا بلکہ اس کے خلاف کام کرتا رہے تو وہ خود ہی تم سے مایوس ہو جائے گا اور امید ہے کہ تمہارے مرض کا قطعی علاج ہو جائے اور احادیث میں بھی یہ مطلب موجود ہے۔

وفی الکافی باسنادہ عن زرارۃ وابی بصیر، قالا قلنا لہ: الرجل یشک کثیرا فی صلاتہ حتی لا یدری کم صلی ولا ما بقی علیہ؟ قال: یعید، قلنا: فانہ یکثر

Presented by www.ziaraat.com

عَلَيْهِ ذٰلِكَ، كُلَّمَا اَعَادَ شَكَّ. قَالَ يَمْضِي فِي شَكِّهِ. ثُمَّ قَالَ: لَا تَعُوْدُوا الْخَبِيْثَ مِنْ اَنْفُسِكُمْ بِنَقْضِ الصَّلَاةِ، فَتُطْمِعُوْهُ، فَاِنَّ الشَّيْطَانَ خَبِيْثٌ يَعْتَادُ لِمَا عُوِّدَ فَلْيَمْضِ اَحَدُكُمْ فِي الْوَهْمِ، وَلَا يَكْثِرَنَّ نَقْضَ الصَّلَاةِ، فَاِنَّهُ اِذَا فَعَلَ ذٰلِكَ مَرَّاتٍ، لَمْ يَعُدْ اِلَيْهِ الشَّكُّ. قَالَ زُرَارَةُ: ثُمَّ قَالَ: اِنَّمَا يُرِيْدُ الْخَبِيْثُ اَنْ يُطَاعَ، فَاِذَا عُصِيَ، لَمْ يَعُدْ اِلٰى اَحَدِكُمْ.»[17]

چنانچہ کافی میں زرارہ اور ابوبصیر سے روایت ہے کہ ان دونوں نے کہا: ہم لوگوں نے امامؑ سے پوچھا: ایک شخص اپنی نماز میں بہت شک کرتا ہے انتہا یہ ہے کہ اس کو یہ بھی شک ہو جاتا ہے کہ پتہ نہیں کتنی رکعتیں پڑھیں اور کتنی باقی ہیں؟ حضرتؑ نے جواب دیا: دوبارہ پڑھے! ہم نے پھر عرض کیا: اس کو یہ شک بہت ہوتا ہے۔ جب بھی اعادہ کرتا ہے اس کو شک ہو جاتا ہے۔ (تب) حضرتؑ نے فرمایا: اپنے شک پر باقی رہے (لیکن شک کی پرواہ نہ کرے) اس کے بعد امامؑ نے فرمایا: اپنی نمازوں کو (بار بار) توڑ کر اس خبیث کو عادی نہ بناؤ ورنہ تمہارے بارے میں اس کو طمع لاحق ہو جائے گی کیونکہ شیطان خبیث ہے جس کا اسکو عادی بنایا جاتا ہے وہ عادی ہو جاتا ہے لہٰذا تم میں سے جب کسی کو ایسا شک پیش آئے تو اس کی پرواہ نہ کرے اور بار بار نماز کو نہ توڑے۔ کیونکہ جب وہ کئی مرتبہ ایسا کرے گا (کہ شک کی پرواہ نہ کرے) تو پھر شک نہیں ہوگا۔ زرارہ کہتے ہیں: پھر امامؑ نے فرمایا: شیطان خبیث چاہتا ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے۔ لیکن جب اس کی نافرمانی کی جائے گی تو تمہارے پاس پھر نہیں آئے گا۔

«وَبِاِسْنَادِهِ عَنْ اَبِي جَعْفَرٍ، عَلَيْهِ السَّلَامُ، قَالَ: اِذَا كَثُرَ عَلَيْكَ السَّهْوُ فَامْضِ فِي صَلَاتِكَ، فَاِنَّهُ يُوْشِكُ اَنْ يَدَعَكَ. اِنَّمَا هُوَ مِنَ الشَّيْطَانِ.»[18]

امام محمد باقرؑ سے (بھی) ایک یہ روایت منقول ہے کہ امامؑ نے فرمایا: جب تم کو بہت زیادہ سہو ہونے لگے تو اپنی نماز پڑھتے رہو (سہو کی فکر نہ کرو) کیونکہ ایسا کرنے سے احتمال ہے کہ شیطان تم کو چھوڑ دے اس لئے کہ یہ سب شیطان ہی کی طرف سے ہوتا ہے۔

لہٰذا جب آپ اس کی مخالفت کریں گے اور اپنے وسواس پر اعتنا نہ کریں گے تو اس کی اُمید آپ سے ختم ہو جائے گی اور نفس کی حالت ثبات و طمانیت پھر واپس آجائے گی۔ مگر اس درمیان میں خدا کی بارگاہ میں تضرع و زاری کرتے رہیے اور نفس اور شیطان کے شر سے خدا کی پناہ مانگتے رہیے۔

Presented by www.ziaraat.com

یقیناً ایسا کرنے سے خدا آپ کی مدد کرے گا اور کافی کی روایت میں شیطان سے پناہ مانگنے کا حکم دیا گیا ہے۔ چنانچہ امام جعفر صادقؑ کی حدیث اس طرح ہے:

«بِإِسْنَادِهِ عَنْ أَبِي عَبْدِاللهِ، عَلَيْهِ السَّلَامُ، قَالَ: أَتَى رَجُلٌ النَّبِيَّ، صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ أَشْكُو إِلَيْكَ مَا أَلْقَى مِنَ الْوَسْوَسَةِ فِي صَلَاتِي حَتَّى لَا أَدْرِي مَا صَلَّيْتُ مِنْ زِيَادَةٍ أَوْ نُقْصَانٍ. فَقَالَ: إِذَا دَخَلْتَ فِي صَلَاتِكَ، فَاطْعَنْ فَخِذَكَ الْأَيْسَرَ بِاصْبَعِكَ الْيُمْنَى الْمُسَبِّحَةِ، ثُمَّ قُلْ: «بِسْمِ اللهِ وَبِاللهِ، تَوَكَّلْتُ عَلَى اللهِ، أَعُوذُ بِاللهِ السَّمِيعِ الْعَلِيمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ.» فَإِنَّكَ تَنْحَرُهُ وَتَطْرُدُهُ.»[۱۴]

امام صادقؑ نے فرمایا: ایک شخص نے رسولؐ خدا کے پاس آکر اپنے شک کی شکایت اس طرح کی: اے خدا کے رسولؐ مجھے اپنی نماز میں بہت وسوسہ ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ مجھے معلوم ہی نہیں ہوتا کہ میں نے کتنی رکعت پڑھی، کم یا زیادہ! حضرتؐ نے فرمایا: جب نماز شروع کرو تو داہنے ہاتھ کی کلمۂ شہادت والی انگلی سے بائیں ران کو دباؤ اور یہ کہو: بسم اللہ وباللہ، توکلت علی اللہ، اعوذ باللہ السمیع العلیم من الشیطان الرجیم (اس طرح کرنے سے تم اس کو اپنے سے دور کر دو گے اور بھگا دو گے۔

«وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ أَوَّلًا وَآخِرًا وَظَاهِرًا وَبَاطِنًا؛ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى مُحَمَّدٍ وَآلِهِ الطَّاهِرِينَ.»

Presented by www.ziaraat.com

پچیسویں حدیث کی توضیحات

۱۔ اصول کافی جلد ۱ ص ۱۶، کتاب العقل والجہل، حدیث ۱۔

۲۔ محمد بن مسعود بن عیاش السلمی السمرقندی معروف بہ عیاشی تیسری صدی ہجری کے دوسرے نصف کے راویوں میں سے ہیں۔ روایات میں ثقہ و متبحر ہیں۔ دو سو سے زیادہ آپ کی تصانیف ہیں۔ جن میں سب سے مشہور تفسیر عیاشی ہے۔

۳۔ تفسیر برہان جلد ۴ ص ۲۱۱۔ ذیل تفسیر آیہ ۲۲، سورہ مجادلہ حدیث ۴۔

۴۔ مجمع البحرین جلد ۲ ص ۷۰، مادہ خنس۔

۵۔ امام صادقؑ نے فرمایا: وَاللّٰہِ، کَانَ وُضُوءُ رَسُولِ اللّٰہِ اِلَّا مَرَّۃً مَرَّۃً۔ خدا کی قسم رسولؐ خدا کا وضو تھا کہ ہر عضو کو ایک مرتبہ دھویا کرتے تھے۔ وسائل الشیعہ جلد ۱ ص ۴۰۸، کتاب الطہارۃ، باب ۳۱، از ابواب وضو حدیث ۱۰ اسی طرح حدیث ۱۱۔ ۱۲

۶۔ دوسرے غسلہ کے بارے میں تین قول ہیں اکثر فقہا نے استحباب کا حکم دیا ہے۔ بعض نے جواز کہا ہے۔ بعض نے عدم جواز کا حکم دیا ہے۔

۷۔ چنانچہ عنوان باب اس طرح ہے: بَابُ اِجْزَاءِ الْغَرْفَةِ الْوَاحِدَةِ فِي الْوُضُوءِ حُكْمُ الثَّانِيَةِ وَالثَّالِثَةِ۔ وسائل جلد ۱ ص ۴۰۶، کتاب الطہارۃ باب ۳۱۔

۸۔ ابن ادریس حلیؒ عدم جواز کے قائل ہیں۔ مختلف الشیعہ جلد ۱ ص ۲۸۲۔

۹۔ جواہر جلد ۲ ص ۲۶۱۔

۱۰۔ وسائل جلد ۱ ص ۲۷۳، کتاب الطہارۃ، باب ۱۵، از ابواب وضو حدیث ۲، نیز جلد ۱ ص ۲۷۰، کتاب الطہارۃ

Presented by www.ziaraat.com

باب ۲۱ از ابواب وضو حدیث ۲۸ - ۱۲۔

۱۱۔ امام صادق علیہ السلام نے فرمایا: «اَلْوُضُوءُ وَاحِدَةٌ فَرْضٌ وَاثْنَتَانِ لَا تُؤْجَرُ وَالثَّالِثُ بِدْعَةٌ۔» وضو میں ایک مرتبہ دھونا واجب، دو مرتبہ دھونا اس کا کوئی اجر نہیں ہے تین مرتبہ دھونا بدعت ہے۔ وسائل جلد ۱ ص ۲۷۰، کتاب الطہارۃ باب ۲۱ از ابواب وضو حدیث ۲۔ امام صادقؑ نے رسولؐ کا قول نقل کیا ہے کہ: کُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ وَ کُلُّ ضَلَالَةٍ فِي النَّارِ ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی دوزخ میں لے جانے والی ہے۔ اصول کافی جلد ۱ ص ۷۰، کتاب فضل العلم باب بدعت و رأی و قیاس حدیث ۱۲۔

۱۲۔ «اصالۃ الحلیۃ» ایک فقہی قاعدہ ہے جو کسی چیز کے حرمت و حلیت میں شک ہونے پر استعمال ہوتا ہے اس قاعدہ کی بنا پر ہر چیز اس وقت تک حلال ہے۔ جب تک اس کے خلاف یعنی حرمت کا علم نہ ہو جائے اس قاعدہ کا مدرک عبداللہ بن سنان کی وہ صحیح ہے جس میں امام صادقؑ نے فرمایا ہے «کُلُّ شَيْءٍ فِيهِ حَلَالٌ وَ حَرَامٌ فَهُوَ لَكَ حَلَالٌ اَبَدًا حَتّٰى تَعْرِفَ الْحَرَامَ مِنْهُ بِعَيْنِهِ فَتَدَعَهُ۔» جس چیز کے اندر بھی حلال و حرام کا احتمال ہو وہ تمہارے لئے حلال ہے یہاں تک کہ تم کو بعینہ اس کی حرمت کا علم ہو جائے (اگر ایسا ہو جائے) تو اس کو ترک کر دو۔ وسائل جلد ۱۲ ص ۵۹۔ کتاب التجارۃ باب ۴ از ابواب (ما یکتسب بہ حدیث ۱۔

۱۳۔ «اصالۃ الطہارۃ» یہ ایک فقہی قاعدہ ہے جب کسی چیز کی طہارت و نجاست کے بارے میں شک ہو جائے تو جب تک اس کی نجاست کا شک ہے وہ نجس نہیں ہے بلکہ پاک ہے اس قاعدہ کا مدرک امام صادقؑ سے منقول عمار کی موثقہ ہے جس میں ہے: «کُلُّ شَيْءٍ نَظِيفٌ حَتّٰى تَعْلَمَ اَنَّهُ قَذِرٌ» ہر چیز تمہارے لئے پاک ہے جب تک اس کی نجاست معلوم نہ ہو جائے۔ وسائل جلد ۲ ص ۱۰۵۲، کتاب الطہارۃ باب ۳۷ از ابواب نجاست حدیث ۴۔

۱۴۔ امام صادقؑ نے فرمایا:

«وَاِنَّمَا الْاُمُورُ ثَلَاثَةٌ: اَمْرٌ بَيِّنٌ رُشْدُهُ فَيُتَّبَعُ، وَاَمْرٌ بَيِّنٌ غَيُّهُ فَيُجْتَنَبُ. وَاَمْرٌ مُشْكِلٌ يُرَدُّ عِلْمُهُ اِلَى اللّٰهِ وَاِلَى رَسُولِهِ. قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ(ص): حَلَالٌ بَيِّنٌ وَحَرَامٌ بَيِّنٌ وَشُبُهَاتٌ بَيْنَ ذٰلِكَ. فَمَنْ تَرَكَ الشُّبُهَاتِ نَجَا مِنَ الْمُحَرَّمَاتِ، وَمَنْ اَخَذَ بِالشُّبُهَاتِ اِرْتَكَبَ الْمُحَرَّمَاتِ وَهَلَكَ مِنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُ۔»

امور تین قسم کے ہیں: ۱۔ جس کا درست ہونا واضح ہو اس کو بجالانا چاہیئے۔ ۲۔ جس کی گمراہی واضح ہو اس کو ترک کر دینا چاہیئے۔ ۳۔ جو چیز مشتبہ ہے اس کا علم خدا و رسولؐ پر چھوڑ دینا چاہیئے۔ رسولؐ خدا کا ارشاد ہے: واضح حلال ہے اور واضح حرام ہے اور ان دونوں کے درمیان کچھ مشتبہ چیزیں ہیں۔ جو مشتبہ چیز کو چھوڑے وہ حرام سے نجات پائے گا اور جو مشتبہ چیزوں پر عمل کرے گا وہ محرمات کا ارتکاب کرے گا اور اس جگہ سے ہلاک ہوگا جس کو نہیں جانتا۔ اصول کافی جلد ۱ ص ۶۷ - ۶۸ کتاب العلم باب اختلاف الحدیث حدیث ۹۔

۱۵۔ یہ سورہ ناس کی چوتھی و پانچویں آیت کی طرف اشارہ ہے: «مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ، الَّذِي يُوَسْوِسُ فِي صُدُورِ النَّاسِ۔»

۱۶۔ عبداللہ ابن سنان کی جو روایت امام صادقؑ سے ہے اس میں ہے: «مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ» یہ شیطان

Presented by www.ziaraat.com

کا کام ہے۔ وسائل جلد ۱ ص ۴۶، کتاب الطہارۃ، ابواب مقدمۃ العبادات، باب ۱۰۔ حدیث ۱۔

۱۷۔ فروع کافی جلد ۳ ص ۳۵۸، کتاب الصلوٰۃ، باب من شک فی صلاتہ۔۔۔۔ حدیث ۲۔

۱۸۔ کلینی نے بسند خود امام باقرؑ سے روایت کی ہے کہ حضرتؑ نے فرمایا: جب نماز میں زیادہ شک ہو تو اس کی پرواہ نہ کرو اور نماز پڑھتے رہو یہاں کہ وہ شک ختم ہو جائے۔ (اس طرح) شیطان تمہارا پیچھا چھوڑ دے گا۔ یہ بھولا کہ شک شیطان کی طرف سے ہے۔ فروع کافی جلد ۳، ص ۳۵۹، کتاب الصلوٰۃ باب من شک فی صلاتہ۔۔۔۔ حدیث ۸۔

۱۹۔ فروع کافی جلد ۳ ص ۳۵۸۔ کتاب الصلوٰۃ، باب من شک فی صلاتہ۔۔۔۔ حدیث ۴۔

چھبیسویں حدیث

"بِالسَّنَدِ الْمُتَّصِلِ اِلٰی ثِقَةِ الْاِسْلَامِ، مُحَمَّدِ بْنِ يَعْقُوبَ الْكُلَيْنِيِّ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْحَسَنِ وَعَلِيِّ بْنِ مُحَمَّدٍ، عَنْ سَهْلِ بْنِ زِيَادٍ وَمُحَمَّدِ بْنِ يَحْيٰى، عَنْ اَحْمَدَ بْنِ مُحَمَّدٍ، جَمِيعاً، عَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدِ الْاَشْعَرِيِّ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَيْمُونِ الْقَدَّاحِ؛ وَعَلِيِّ بْنِ اِبْرَاهِيمَ، عَنْ اَبِيهِ، عَنْ حَمَّادِ بْنِ عِيسٰى، عَنِ الْقَدَّاحِ، عَنْ اَبِي عَبْدِ اللّٰهِ، عَلَيْهِ السَّلَامُ، قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ: مَنْ سَلَكَ طَرِيقاً يَطْلُبُ فِيهِ عِلْماً، سَلَكَ اللّٰهُ بِهِ طَرِيقاً اِلَى الْجَنَّةِ. وَاِنَّ الْمَلَائِكَةَ لَتَضَعُ اَجْنِحَتَهَا لِطَالِبِ الْعِلْمِ رِضاً بِهِ. وَاِنَّهُ يَسْتَغْفِرُ لِطَالِبِ الْعِلْمِ مَنْ فِي السَّمَاءِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ حَتّٰى الْحُوتُ فِي الْبَحْرِ وَفَضْلُ الْعَالِمِ عَلَى الْعَابِدِ كَفَضْلِ الْقَمَرِ عَلٰى سَائِرِ النُّجُومِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ وَاِنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَةُ الْاَنْبِيَاءِ اِنَّ الْاَنْبِيَاءَ لَمْ يُوَرِّثُوا دِينَاراً وَلَا دِرْهَماً، وَلٰكِنْ وَرَّثُوا الْعِلْمَ؛ فَمَنْ اَخَذَ مِنْهُ، اَخَذَ بِحَظٍّ وَافِرٍ!"

ترجمہ: امام جعفر صادقؑ نے فرمایا کہ: رسولِ خداؐ نے ارشاد فرمایا ہے کہ: جو شخص طالبِ علم

Presented by www.ziaraat.com

کے راستہ پر چلے خدا اس کو جنت کے راستہ پر لگا دیتا ہے اور طالب علم کی خوشنودی کے لئے ملائکہ اپنے پر بچھا دیتے ہیں اور طالب علم کے لئے آسمانوں کے رہنے والے اور زمین پر بسنے والے یہاں تک کہ سمندر کے اندر مچھلیاں بھی استغفار کرتی ہیں عابد کے اوپر عالم کی فضیلت ایسی ہی ہے جیسی چودھویں رات کے چاند کی فضیلت تمام ستاروں پر ہوتی ہے اور علما انبیا کے وارث ہیں اور انبیا کسی کو درہم و دینار کا وارث نہیں بناتے۔ ہاں علم کا وارث بناتے ہیں۔ پس جس نے اس سے حاصل کیا اس نے حظ وافر حاصل کیا۔

شرح: اس روایت کے الفاظ (واضح ہیں ان) تشریح کی ضرورت نہیں ہے لیکن رسول خدا نے طالب علم اور علما کے جو صفات بیان کئے ہیں ان کی مناسبت سے ان کو چند فصلوں کے ضمن میں بیان کروں گا اور خدا ہی پر بھروسہ ہے۔

پہلی فصل

بطور مقدمہ یہ بات جان لینی چاہئے کہ علوم مطلقاً دو قسم پر منقسم ہیں:

۱۔ ایک تو دنیاوی علوم جن کا مقصد محض دنیاوی مقاصد کا حاصل کرنا ہے۔

۲۔ دوسرے اخروی علوم جن کا مقصد ملکوتی درجات و مقامات کا حاصل کرنا اور اخروی منازل تک پہونچنا ہے۔

اس سے پہلے اشارہ کیا جا چکا ہے کہ زیادہ تر ان دونوں قسموں میں فرق نیت و قصد پر موقوف ہوتا ہے اگرچہ خود یہ علوم فی حد نفسہا دو قسموں پر منقسم ہیں اور اس حدیث میں علم و علما کے لئے آثار کی مناسبت سے جو بات کہی گئی ہے اس کا مقصد دوسرا علم یعنی علم آخرت مراد ہے اور یہ بات واضح ہے۔

اسی طرح پہلے یہ بھی بیان کیا جا چکا کہ تمام اخروی علوم تین حال سے خارج نہیں ہیں۔

۱۔ خدا اور معارف کا علم ۲۔ تہذیب نفس اور سلوک الی اللہ کا علم ۳۔ آداب و سنن عبودیت کا علم۔

اور اب میں یہ عرض کرتا ہوں کہ نشئہ آخرت کی آبادکاری انھیں تینوں امور سے وابستہ ہے اور اسی بنا پر تقسیم کلی کے اعتبار سے جنتوں کی بھی تقسیم تین ہی جنت پر ہے۔

۱۔ جنت ذات، اس کی غایت علم باللہ اور معارف الہیہ ہے۔

Presented by www.ziaraat.com

۲۔ جنت صفات: جو تہذیب نفس اور اس کی ریاضت کا نتیجہ ہے۔

۳۔ جنت اعمال: عبودیت کی ذائیگی اور اس کا نتیجہ ہے۔

اور یہ تمام جنتیں آباد نہیں ہیں۔ خود جنت اعمال کی زمین بھی ایک چٹیل میدان ہے جیسے ابتدائے امر میں سرزمین نفس بھی ایک میدان ہوتی ہے۔ ان سب کی تعمیر و آبادی نفس کی آبادی پر موقوف ہے۔ چنانچہ اگر نفس کا مقام غیب معارف الہیہ اور جذبات فیاضہ ذاتیہ سے آباد نہ ہو تو انسان کو بہشت ذات اور جنت لقا نہیں حاصل ہو سکتی۔ (اسی طرح) اگر تہذیب باطن اور زینت باطن حاصل نہ ہو اور عزم و ارادہ قوی نہ ہو، دل اسماء و صفات کا آئینہ نہ ہو تو انسان کو بہشت اسماء و صفات۔ یعنی جنت متوسطہ حاصل نہیں ہو سکتی اور اگر فرائض بندگی کو پورا نہ کرے اور اس کے اعمال و افعال حرکات و سکنات شریعت کے قانون کے مطابق نہ ہوں تو بہشت اعمال (فیھا ما تشتھیہ الانفس و تلذ الاعین) یعنی جس میں نفس کی ہر پسندیدہ چیز اور آنکھوں کے لئے ہر لذت بخش چیز حاصل ہو۔ اس کو حاصل نہیں ہو سکتی۔

اس مقدمہ کی بنا پر "جو برہان حکمی اور ذوقی اہل معارف و اخیار انبیا کے مطابق ہے اور کتاب خدا سے بھی مستفاد ہے" چاہے جس درجہ کا علم ہو خواہ علم المعارف ہو یا اس کے علاوہ دوسرا علم ہو اس کے مناسب جنت تک پہونچنا اسی کے راستہ پر چلنے سے حاصل ہو سکتا ہے اور آدمی چاہے جس راستہ کا سالک ہو وہ بہشت کے راستوں میں سے کسی نہ کسی راستہ کا سالک ہے اور ہم نے اس سے پہلے ذکر کیا ہے کہ علم مطلقاً عمل کا راستہ ہے۔ یہاں تک کہ علم المعارف بھی عمل کا راستہ ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ علم المعارف قلبی اعمال اور باطنی جذبات کا نام ہے۔ جس کا نتیجہ اعمال و جذبات ہوتے ہیں اور ان کی باطنی صورتیں جنت ذات اور بہشت لقا کی صورت ہوتی ہے۔ پس طریق علم پر چلنا طریق جنت کے راستہ پر چلنا ہے اور طریق طریق بھی طریق ہے۔

اہم نکتہ

یہ ہے کہ ارشاد فرمایا: "سلک اللہ بہ الی الجنۃ" اس میں سلوک علمی کی نسبت بندے کی طرف اور سلوک الی الجنۃ کی نسبت خدا کی ذات کی طرف اس لئے دی ہے کہ مقام کثرت میں بندے کے جنبہ کسب کو غلبہ دیا ہے اور مقام رجوع بہ وحدت میں جنبہ حق کو غلبہ دیا ہے ورنہ دقت نظر سے

Presented by www.ziaraat.com

دیکھا جائے تو ایک اعتبار سے سلوک الی اللہ بھی بندے ہی کی طرف منسوب ہے (مثلاً) "وَوَجَدُوا مَا عَمِلُوا حَاضِرًا." اور جو کچھ ان لوگوں نے (دنیا میں) کیا تھا وہ سب (لکھا ہوا) موجود پائیں گے اور "فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ. وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ." جس نے ذرہ برابر نیکی کی ہے وہ اسے دیکھے گا اور جس نے ذرہ برابر بدی کی ہے تو وہ اُسے دیکھے گا اور ایک اعتبار سے کہا جا سکتا ہے کہ سلوک اہل العلم بھی توفیق و تائید خدا کی وجہ سے خدا ہی کی طرف منسوب ہے "قُلْ كُلٌّ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ." اے رسولؐ کہہ دیجئے سب کچھ خدا ہی کی طرف سے ہے۔

جناب محقق فلاسفہ، فخر طائفہ شیعہ صدر المتالہین کا یہاں پر ایک بیان ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ادراک ملایم کا نام جنت اور ادراک منافر کا نام دوزخ ہے اور علوم نفس کے ملائمات میں سے ہیں۔ اس لئے یہی جنت ہیں اور جہالت نفس کے منافرات میں سے ہے (لہٰذا یہی جہالت دوزخ ہے) (حالانکہ) جناب ملا صدرا کا یہ نظریہ ان کے اسفار کے نظریہ کے مخالف ہے۔ کیونکہ موصوف نے (اسفار اربعہ میں) غزالی[9] کے نظریہ کو رد کیا ہے غزالی نے نفس کو جو لذتیں حاصل ہوتی ہیں ان کو جنت قرار دیا ہے اور جو آلام و مصائب درپیش ہوتے ہیں ان کو جہنم قرار دیا ہے اور جنت و نار کے وجود خارجی کا انکار کیا ہے۔ جیسا کہ بعض کتابوں[10] میں غزالی کی طرف اس مذہب کو منسوب کیا ہے اور (غزالی کا) یہ مسلک حکماء کے براہین کا مخالف ہے، اخبار انبیاء، کتب سماویہ اور تمام ادیان کے ضرورت کے مخالف ہے۔ خود جناب فیلسوف اعظم نے اس نظریۂ غزالی کو رد فرما کر باطل قرار دیا ہے۔ لیکن انھوں نے خود بھی اگرچہ غزالی کے مسلک کی تردید کی ہے مگر اسی کے مثل اس مقام پر دوسرے نظریہ کے قائل ہیں۔ بہرحال محقق صدرا کا کلام حقیر کی نظر میں صحیح نہیں ہے۔ مگر اس کتاب میں اس سے زیادہ تفصیل مناسب بھی نہیں ہے۔

دوسری فصل

فرشتے طالب علموں کے لئے اپنے پر بچھاتے ہیں

یہ بات سمجھ لو کہ خدا کے ملائکہ کی مختلف انواع و اقسام ہیں اور یہی وہ جنود خدا ہیں جن کے بارے میں خدا کے علاوہ کسی کو علم نہیں ہے۔ ارشاد ہے: "وَمَا يَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ" اور تمہارے پروردگار کے لشکروں کو خدا کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔

Presented by www.ziaraat.com

اقسامِ ملائکہ: ایک قسم مجذوبین و منتسبین کی ہے جن کی نظر عالمِ وجود کی طرف نہیں ہے۔ ان کو یہ معلوم نہیں ہے کہ خدا نے آدمؑ کو پیدا کیا ہے یا نہیں۔ وہ تو جلال و جمالِ حق میں مستغرق رہتے ہیں اور ذاتِ حق میں فانی ہیں۔[۱۴]

علما کا بیان ہے کہ ﴿ن وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُونَ ﴾[۱۴] (ن۔ قلم کی اور اس چیز کی جو لکھتے ہیں اس کی قسم ہے) میں کلمہ مبارکہ "ن" سے انھیں ملائکہ کی طرف اشارہ ہے۔

دوسری قسم ملائکہ مقربین اور ساکنین جبروت اعلیٰ کی ہے۔ ان کی بھی بہت سی قسمیں ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کی عوالم کے لئے جو شان و تدبیر ہے وہ دوسرے کے لئے نہیں ہے۔

تیسری قسم: عوالمِ ملکوتِ اعلیٰ اور جنات عالیہ کے ملائکہ ہیں۔ ان کی بھی مختلف انواع اور متعدد اصناف ہیں۔

چوتھی قسم: عوالمِ برزخ و مثال کے ملائکہ ہیں۔

پانچویں قسم: عوالمِ طبیعت و ملک پر موکل ملائکہ ہیں۔ ان میں سے ہر ایک موکل امری اور مدبر شانی ہے یہ ملائکہ ان کے علاوہ ہیں جو عالمِ برزخ و مثال میں موجود ہیں۔

چھٹی قسم: ان ملائکہ کی ہے جو عالمِ مثال و برزخ میں موجود ہیں۔

ساتویں قسم: ان ملائکہ کی ہے جو موکل عالمِ طبیعت و ملک ہیں کہ ان میں سے یہ ایک موکل امری و مدبر شانی ہے اور عالمِ ملک کے ملائکہ مدبرہ کا یہ گروہ عالمِ مثال و برزخ میں موجود ملائکہ کے علاوہ ہیں۔

یہ تمام قسمیں اپنی جگہ پر ثابت ہیں اور روایات سے بھی یہی مستفاد ہوتا ہے۔[۱۴]

یہ بات بھی سمجھنے کی ہے کہ ملائکہ کے تمام قسموں کے لئے بال و پر، بازو اور دیگر اعضا ثابت نہیں ہیں بلکہ (مجتمثلین) سے لے کر ملکوتِ اعلیٰ کے ساکن فرشتے اس قسم کے اعضا اور اجزائے مقداریہ سے منزہ و مبرا ہیں۔ یہ تمام ملائکہ تمام قسم کے مادوں اور ان کے لوازم، تقدرات اور اس کے عوارض سے مجرد ہیں۔ ہاں عالمِ مثال کے ملائکہ اور موجودات ملکوتیہ برزخیہ کے لئے اعضا و جوارح اور بال و پر کا ہونا ممکن ہے۔ البتہ یہ سب چونکہ تقدرات برزخیہ کے عوالم اور تمثلات مثالیہ میں سے ہیں اس لئے ہر ایک کے لئے مخصوص مقدار اور مخصوص اعضا و جوارح ہیں چنانچہ ارشاد ہے:

﴿ وَالصَّافَّاتِ صَفًّا ﴾[۱۵] (عبادت یا جہاد میں) صف باندھنے والوں کی (قسم) دوسری جگہ آیا ہے:

﴿ أُولِي أَجْنِحَةٍ مَّثْنَىٰ وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ ﴾[۱۶] (فرشتوں کو اپنا قاصد بنانے والا ہے) جن کے دو

Presented by www.ziaraat.com

دو اور تین تین اور چار چار پر ہوتے ہیں مراد یہ اسی قسم کے ملائکہ کی طرف اشارہ ہے۔ لیکن ملائکہ مقربین اور جبروت اعلیٰ میں رہنے والے اپنے وجود قیومی کے اقتضاء کی وجہ سے جس عالم میں چاہیں اسی عالم کی ہیئت و صورت میں متشکل ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ جناب جبرئیل چونکہ مقربین بارگاہ اور حامل وحی الٰہی اور عالم جبروت کے رہنے والوں میں سب سے اعلیٰ مراتب موجودات میں سے تھے اس لیے حضرت رسول اکرم کے لئے مثال مقید میں ہمیشہ اور مثال مطلق میں صرف دو مرتبہ اور ملائکہ میں کبھی کبھی ظاہر ہوتے تھے۔ عالم ملک میں کبھی دحیہ کلبی کی صورت میں ظاہر ہوتے تھے جناب دحیہ کلبی رسول خدا کے شیر خوار بھائی اور لوگوں میں سب سے زیادہ خوبصورت تھے۔[۱۷]

یہ بھی سمجھ لیجئے کہ ملائکہ کا ملکی صورت میں آنا بھی دیگر موجودات ملکیہ کی طرح نہیں ہے کہ جسکو سلیم الحس دیکھ سکے۔ بلکہ ان میں جہات ملکوتی کا غلبہ رہتا ہے اور جہات ملکی مغلوب ہوتے ہیں اس لئے تمثلات ملکیہ کے باوجود لوگ انکو اپنی ملکی آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتے تھے بلکہ تائید حق اور حضرت رسولؐ کے اشارہ پر بعض اصحاب رسولؐ جبرئیل کو دحیہ کلبی کی صورت میں دیکھ لیتے تھے۔ اس بیان سے معلوم ہو گیا کہ طالبان علم و معرفت اور حق و حقیقت کی طرف متوجہ ہونے والے رضائے الٰہی کے راستہ پر چلنے والے افراد حضرت آدمؑ جو سجود ملائکہ اور تمام دائرہ وجود کے مطاع تھے، کی روحانی اولاد ہیں اور تمام ملائکہ خدا اس کے ساتھ عنایت رکھتے ہیں اور اسکی تائید و تربیت پر مامور ہیں۔ اب چونکہ یہ ملکی ملکوتی ہو گیا اور ارضی، سمائی ہو گیا اس لئے ملائکہ کے بازوؤں پر پیر رکھتا ہے کہ اگر ملکوتی و مثالی چشم بصیرت کھل جائے تو دیکھے گا کہ ملائکہ کے بازوؤں پر ٹھہرا ہے اور ان کی تائید سے راستہ طے کر رہا ہے۔ یہ تو ان لوگوں کا حال ہے جو ملک سے ملکوت کا سفر کرتے ہیں یہ اور بات ہے کہ اس کے باوجود ابھی راستہ ہی میں ہیں۔

لیکن جو ابھی ملکی ہیں اور ملکوت تک نہیں پہونچے ان کے لئے ممکن ہے کہ ملکوتی حضرات ان کی تائید میں مشغول ہوں اور ان کی تواضع کے لئے اور ان کی خوشنودی و عمل کی وجہ سے اپنے بازو ان کے لئے فرش بنا دیں۔ جیسا کہ اس حدیث میں اور عوالی اللئالی والی حدیث میں اسی کی طرف اشارہ ہے کہ جناب مقداد فرماتے ہیں:

«أَنَّهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ، يَقُولُ: إِنَّ الْمَلَائِكَةَ لَتَضَعُ أَجْنِحَتَهَا لِطَالِبِ الْعِلْمِ حَتّٰى يَطَأَ عَلَيْهَا رِضًا بِهِ.»[۱۸]

Presented by www.ziaraat.com

"میں نے رسول خدا کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا، ملائکہ طالب علموں کے خوشنودی کے لئے اپنے پروں کو بچھا دیتے ہیں تاکہ طالب علم ان کو پیروں سے روندیں۔"

پس اس سے معلوم ہو گیا کہ خدا کی اور اس کی مرضی کی طرف قدم بڑھانے والوں کے پیرو دوشش ملائکہ پر ہوتے ہیں اور وہ شخص ان کے بازوؤں پر سوار ہے اور آخر مراتب تحصیل اور حصول علم و معارف تک یہ فرشتے رہتا ہے۔ البتہ درجوں میں فرق رہتا ہے اور ملائکہ و ان کے مؤیدین اس طالب علم کے کبھی کبھی بدل جاتے ہیں تاکہ سالک کا کام اس منزل تک پہونچ جائے کہ ملائکہ کے پروں سے قدم اٹھا کر علم و حدارج کو طے کر کے ایسی جگہ پہونچ جائے جہاں ملائکہ مقربین کا گذر نہ ہو سکے اور الیں وحی جبرئیل یہ کہتے ہوئے نظر آئیں: «لو دنوت انملة لاحترقت۔» ۱۲ اگر میں (ایک) ایک انگل بھی بڑھ جاؤں تو جل جاؤں گا۔"

اور چونکہ یہ مطالب برہان سے ٹکراتا نہیں ہے بلکہ اس کے موافق ہے لہٰذا تاویل کی کوئی ضرورت نہیں ہے جیسا کہ صدرالمتالہین نے تاویل کی ہے۔ ۲ ملائکہ موصوف عالم مثال کے ملائکہ اور تمثلات ملکیہ و ملکوتیہ ملائکہ کے نہ صرف قائل ہیں بلکہ ابی حکمت کی کتابوں اور علمی اسفار میں بے نظیر بیانات سے ثابت بھی کیا ہے اور سچ بھی ہے کہ ایسے دلائل و بیانات انھیں بزرگان کے ساتھ مخصوص ہیں۔

تیسری فصل

تمام آسمان و زمین کے باشندے طالب کے لئے استغفار کرتے ہیں

یہ جان لو کہ حقیقت وجود تمام کمالات و اسما و صفات کا عین ہے اور یہ بات اپنی جگہ پر ثابت ہے چنانچہ وجود محض کمال محض ہے اور اسی بنا پر چونکہ خدا وند عالم محض وجود ہے لہٰذا محض کمالات ہے اور عین اسما و صفات جلالیہ و جمالیہ ہے اور حدیث میں بھی ہے۔ «علم کلّه و قدرة کلّه۔» ۲۱ (خدا) کل علم اور کل قدرت ہے۔ اور یہ بات برہان سے ثابت ہے کہ حقیقت وجود تمثیل میں عین تمام کمالات ہے اور کسی بھی کمال کا اس سے جدا ہونا ممکن نہیں ہے بس اتنا تو ضرور ہے کہ ان کمالات کا ظہور در وجود وسعت و ضیق اور صفائی و کدورت آئینہ کے تابع ہے۔ (اگر آئینہ صاف ہے تو وجود کا انجلا بھی واضح ہے اور اگر آئینہ گندا ہے تو ظہور وجود بھی دھندلا ہوگا) اسی لئے تمام سلسلۂ وجود

Presented by www.ziaraat.com

کیا ذات ہیں اور اسماء و صفات کے آئینے ہیں اور یہ مطلب براہین سے ثابت ہے بلکہ مطالب حکمیہ میں کوئی بھی مطلب اس کی طرح قوی و مضبوط نہیں ہے اور (یہ مطلب) اصحاب شہود کے مشاہدات اور اہل معرفت کے ذوق کے مطابق ہے اور قرآن کریم و اخبار اہل بیتؑ کے موافق ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں متعدد مرتبہ تمام موجودات کی تسبیح کا ذکر آیا ہے (مثلاً) ﴿يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ﴾ ۱؎ "جو چیز آسمانوں میں ہے اور جو چیز زمین میں ہے (سب) خدا کی تسبیح کرتی ہے"

﴿وَإِنْ مِّنْ شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ﴾ ۲؎ "اور ساری زمین میں کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو اس کے (حمد و ثنا) کی تسبیح نہ کرتی ہو مگر تم لوگ ان کی تسبیح نہیں سمجھتے"

اور یہ بات بہت ہی واضح ہے کہ پروردگار عالم کی تسبیح و تقدیس، ذات خدا اور اس کے صفات جلال و جمال کے علم و معرفت کا لازمی نتیجہ ہے اور یہ کسی علم و معرفت کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا۔ احادیث میں اس کو اتنی صراحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے جو قابل توجیہ و تاویل نہیں ہے۔ (اس کے باوجود) اہل حجاب اور رسمی فلسفہ و کلامی مجادلات اور معارف الٰہیہ سے محجوب حضرات نے کلام خدا کی ایسی بار و تاویلات کی ہے جو بعض مقامات پر کلوا ہر آیات و نصوص کی مخالفت پر مشتمل ہونے کے ساتھ ساتھ مثلاً سورۂ نمل ۲۳ میں چیونٹی کی گفتگو ائمہ معصومینؑ کی نصوص کثیرہ کی مخالفت کے علاوہ مضبوط ترین حکمی دلیلوں کے بھی مخالف ہے۔ لیکن ان براہین اور ان کے مقدمات کا ذکر اس کتاب کی تالیف کے مقصد کے خلاف ہے۔ (اس سے اعراض کیا جاتا ہے۔)

اس سے معلوم ہوا کہ تمام موجودات کی خدا کے لئے حمد و ثنا شعور و ادراک سے ہوا کرتی ہے۔ (چنانچہ) حدیث میں ہے کہ رسولؐ خدا نے فرمایا: بعثت سے پہلے جب میں بھیڑوں اور بکریوں کو چرایا کرتا تھا تو کبھی میں دیکھتا تھا کہ گوسفندیں بغیر کسی وجہ کے وحشت زدہ ہو جاتی تھیں اور بھاگ جاتی تھیں پھر بعثت کے بعد میں نے جبرئیلؑ سے اس کا سبب پوچھا تو انھوں نے بتایا: یہ وحشت (و فرار) اس ضرب کی وجہ سے ہے جو کافر کو ماری جاتی ہے کہ جس سے سننے والے تمام موجودات "ثقلین" کے علاوہ) متوحش ہو جاتے ہیں

۱؎ کافی میں امام محمد باقرؑ کی روایت ہے کہ رسولؐ خدا نے فرمایا: میں اونٹوں اور بھیڑوں کو چراتے ہوئے دیکھتا تھا اور کوئی بھی نبی ایسا نہیں گزرا جو جانوروں کو چرانا نہ رہا ہو۔ چنانچہ میں (نبوت سے پہلے) جانوروں کو دیکھا کرتا تھا کہ وہ آرام سے ہیں۔ ان کے درمیان کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو ان کو بھڑکا دے یہاں تک کہ وہ خود بخود خوفزدہ ہو جاتے تھے اور بھاگنے لگتے تھے تو میں نے کہا تھا یہ بات کیا ہے؟ اچھے خاصے تھے ہوتا تھا۔ یہاں تک جبرئیل میرے پاس آئے اور کہا: کافر کو جب مارا جاتا ہے تو دنیا کی ہر مخلوق (ثقلین کے علاوہ) اس کو سن کر خوفزدہ ہو جاتی ہے۔ (منہ عفی عنہ)

Presented by www.ziaraat.com

اور اہلِ معرفت کہتے ہیں جب تک انسان ملک اور اس کی تدبیرات میں مشغول رہتا ہے۔ اس وقت تک وہ ملکوت سے محجوب ترین انسان ہوتا ہے اس لئے کہ اس کی مشغولیت سب سے زیادہ اور سب سے قوی ہوتی ہے۔ لہٰذا اس کا احتجاب بھی سب سے زیادہ ہوتا ہے اور نیل ملکوت سے بھی سب سے زیادہ محروم ہوتا ہے۔

اور نیز تمام موجودات کے لئے ایک وجہ ملکوتی ہے جس کی وجہ سے موجودات زندگی، علم اور دیگر شئونِ حیاتی کے مالک ہوتے ہیں:

﴿وَ كَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ ۱۲۵ اسی طرح ہم ابراہیم کو سارے آسمان و زمین کی سلطنت کا انتظام دکھاتے رہے۔" اور یہ دوسری وجہ ہے کہ موجودات کے اندر علم و حیات کی سرایت ہے۔

جب یہ بات معلوم ہو گئی کہ تمام موجودات کو علم و معرفت ہے اور سب کے اندر وجہ ملکوتی ہے۔ لیکن چونکہ انسان ان تمام موجودات کے عرض میں واقع نہیں ہے (بلکہ طول میں واقع ہے) اور ملکوت سے بھی محجوب ہے اس لئے نہ ان کی زندگی اور نہ ہی کو الف زندگی کا عالم ہے۔ البتہ جو انسان طریقِ علم کا سالک اور خدا کی طرف متوجہ ہے اور جو سلسلہ وجود کا شاہکار اور دار تحقق کا اول نعمت ہے اس کے لئے ممکن ہے کہ یہ موجودات استغفار کریں اور ذاتِ خداوندی کی مقام غفاریت سے بزبان قال و لہجۂ ملکوتی (جس کو کھلے ہوئے ملکوتی کان سنتے ہیں) دعا کریں کہ اس کامل مولود ملک اور فخر موالید طبیعت کو اپنے بحار مغفرت میں مستغرق کر دے اور اس کے تمام عیوب کو چھپا دے۔

اور یہ بھی ممکن ہے کہ دیگر موجودات کو علم ہے کہ انسان کامل، عالم باللہ و عارف معارفِ الٰہیہ و جامع علم و عمل کے واسطہ کے بغیر ان موجودات کا ذاتِ مقدس میں فنا ہونا اور بحرِ کمال میں ڈوب جانا ممکن نہیں ہے اور یہ بات بھی اپنی جگہ ثابت ہے۔ اس وجہ سے کمالِ انسانی کے لئے خدا سے دعا کرتے ہیں کہ اس کو بحرِ غفاریت میں استغراق حاصل ہو جائے تاکہ اس وسیلہ سے ان موجودات کو بھی ان کے مناسب کمال حاصل ہو جائے۔ واللہ العالم۔

Presented by www.ziaraat.com

چوتھی فصل

جس طرح کہ تیرہویں و چودھویں رات کے چاند کو تمام ستاروں پر فضیلت ہے اسی طرح عالم کو عابد پر فضیلت ہے

یہ جان لو کہ علم و ایمان کی حقیقت علم سے متقدم ہے وہ نور ہے اور یہ بات برہان و عرفان کے مطابق ہونے کے ساتھ ساتھ نصوص و اخبار اہل بیت علیہم السلام کے بھی موافق ہے۔ اس لئے کہ حقیقت نور یعنی جو بالذات واضح اور ظاہر ہو اور دوسرے کو ظاہر و روشن کرنے والا ہو۔ حقیقت علم کے لئے ثابت ہے اور اس پر صادق ہے بلکہ حقیقت علم پر اس کا صدق حقیقت نور پر اس کے صدق سے زیادہ اشبہ ہے اس لئے کہ نور حسی کی حقیقت ظہور و خلق نہیں رکھتا بلکہ اس حقیقت کے تعینات میں سے ہے اور صاحب ماہیت ہے۔ لیکن حقیقت علم بالذات عین وجود ہے ہاں مفہوم میں ضرور مخالف ہے۔ لیکن متن اعیان و اصل حقیقت میں اس سے موافق تر ہے اور حقیقت وجود عین نور و عین علم ہے "اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔" ۲۶ پس معلوم ہوا کہ علم عین نور ہے اور قرآنی آیتوں میں علم و ایمان کو نور سے تعبیر کیا گیا ہے (مثلاً) "وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ۔" ۲۷ "اور جسے خدا ہی نے علم نہ دیا ہو تو اس کے لئے کوئی علم (یعنی نور) نہیں ہے" تفسیر اہل بیتؑ میں نور کی تفسیر علم سے کی گئی ہے (اسی لئے ترجمہ میں علم ہی لکھا گیا ہے۔)

"فَعَنِ الصَّادِقِ، عَلَيْهِ السَّلَامُ: "اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔" قَالَ: كَذٰلِكَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ۔ "مَثَلُ نُوْرِهٖ" قَالَ: مُحَمَّدٌ، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ۔ "كَمِشْكٰوةٍ" قَالَ: صَدْرُ مُحَمَّدٍ، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ۔ "فِيْهَا مِصْبَاحٌ" قَالَ: فِيْهِ نُوْرُ الْعِلْمِ يَعْنِي النُّبُوَّةَ۔ "اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ" قَالَ: عِلْمُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَدَرَ اِلٰى قَلْبِ عَلِيٍّ... الحدیث" ۲۸

امام جعفر صادقؑ سے مروی ہے "اللہ نور السماوات والارض" سے مراد یہ ہے کہ اللہ اسی

Presented by www.ziaraat.com

طرح ہے اور "مثل نورہ" سے مراد رسالتمآب ہیں، "کمشکوٰۃ" سے رسولِ خدا کا سینہ ہے، "فیھا مصباح" سے مراد کے سلسلہ میں امامؑ نے فرمایا: اُن کے اندر نورِ علم ہے یعنی نبوت ہے اور "المصباح فی زجاجۃ" سے مراد رسولِ خدا کا علم ہے جو حضرت علیؑ کے قلب کو عطا ہوا۔

وَعَنِ الْبَاقِرِ عَلَيْهِ السَّلَامُ، أَنَّهُ يَقُولُ: أَنَا هَادِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ. مَثَلُ الْعِلْمِ الَّذِي أُعْطِيتُهُ وَهُوَ النُّورُ الَّذِي يُهْتَدَى بِهِ. مَثَلُ الْمِشْكَوٰةِ فِيهَا الْمِصْبَاحُ، فَالْمِشْكَوٰةُ قَلْبُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ، وَالْمِصْبَاحُ نُورُهُ الَّذِي فِيهِ الْعِلْمُ.[1]

امام محمد باقرؑ نے فرمایا، رسولِ خدا کا ارشاد ہے، میں زمین و آسمان کا ہادی ہوں اور جو نور مجھے عطا کیا گیا ہے یعنی وہ نور جس سے ہدایت حاصل کی جاتی ہے وہ اس مشکوٰۃ کے مطابق ہے جس میں مصباح ہو۔ تو مشکاۃ سے مراد قلبِ رسولؐ ہے اور مصباح سے مراد وہ نور ہے جس میں علم ہو۔

وَفِي رِوَايَةٍ قَالَ: فَالْمُؤْمِنُ يَتَقَلَّبُ فِي خَمْسَةٍ مِنَ النُّورِ مَدْخَلُهُ نُورٌ وَمَخْرَجُهُ نُورٌ، وَعِلْمُهُ نُورٌ، وَكَلَامُهُ نُورٌ، وَمَصِيرُهُ إِلَى الْجَنَّةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ نُورٌ.[2]

ایک روایت میں معصومؑ نے فرمایا، مومن پانچ نور میں منقلب ہوتا رہتا ہے۔ اس کا مدخل نور، اس کا مخرج نور، اس کا علم نور، اس کا کلام نور اور قیامت کے دن جنت میں جانا نور ہے۔

مشہور حدیث میں وارد ہوا ہے: "اَلْعِلْمُ نُورٌ يَقْذِفُهُ اللّٰهُ فِي قَلْبِ مَنْ يَشَاءُ" علم ایک قسم کا نور ہے جس کو خدا جس کے قلب میں چاہتا ہے ڈال دیتا ہے۔[3]

اہلِ علم و ایمان کے مطابق اس نور کے بھی متعدد مرتبے ہیں۔ یہ بھی جان لینا چاہیئے کہ یہ حقیقی نور جو اہلِ علم و ایمان کے قلوب میں ہے چونکہ عالمِ آخرت کے انوار سے ہے لہٰذا اس عالم میں نفس کی فعالیت کی بنا پر نورانیت جسمیہ کی صورت میں ظاہر ہوگا اور یہی نور صراط کو روشن کرے گا۔ کچھ لوگوں کا نور سورج کی طرح ہوگا کچھ کا چاند کی طرح ہوگا یہاں تک کہ بعضوں کا نور صرف اتنا ہوگا کہ اس سے

---

[1] یہ حدیث عنوان بصری کی طویل حدیث کے ضمن میں ہے جو شہید ثانیؒ کے اس منیۃ المرید کے حاشیہ پر ہے جو بدایۃ الہدایہ کے ساتھ چھپا ہے وہاں پر شیخ بہائیؒ کی مرقوم ہے۔ (مترجم عفی عنہ)

Presented by www.ziaraat.com

صرف پیر کے آگے کا حصہ روشن ہوگا۔

اب معلوم ہوگیا کہ حقیقت میں بغیر کسی شائبہ مجاز کے علم نور ہے اور ظہور۔ مگر ہم بے چارے چونکہ فطرت کے تاریک پردوں اور عالم ملک کے تاریک رات میں رہتے ہیں۔ اس لئے شمس حقیقی کے علم و نور سے روز افزوں دانش و بینش سے محروم محجوب ہیں اور ہم یہ گمان کرتے ہیں یہ تو مثال ہے مجاز و استعارات و اندازے و تعبیر پر مبنی ہے۔ جی ہاں جب تک ہم عارضی زندگی کے خواب میں ہیں اور فطرت کا نشہ ہمارے سر میں سمایا ہے اس وقت تک حقیقت و مجاز نہیں سمجھ سکتے۔ ہماری مجازی نظروں میں یہ مجازی ہے اور یہ حقیقت ہے کہ عالم مجاز میں حقیقت بھی مجاز ہی نظر آتی ہے "بقول مولائے کائنات" "وَالنَّاسُ نِيَامٌ اِذَا مَاتُوا انْتَبَهُوْا" ۔ "لوگ سوئے ہوئے ہیں جب مریں گے تو بیدار ہوں گے" جب ہماری آنکھ کھلے گی تو دیکھیں گے جس طرح سورج و چاند روشن ہیں اور روشنی بخش ہیں اسی طرح عالم کا نور بھی ہے۔ عالم اس دنیا میں اپنے علم کے نور سے تاریک دلوں کو روشن کرتا ہے اور جہالت و نادانی کے مُردوں کو زندگی عطا کرتا ہے۔ اسی طرح عالم آخرت میں بھی اس کا علم محیط ہوگا اور اس کے مشکاۃ علم سے روشنی حاصل کرنے والے اور اس سے ارتباط رکھنے والے اسی کی شفاعت سے بخشے جائیں گے۔

اور یہ بھی سمجھ لیجئے کہ بغیر علم عبادت بھی نہیں ہوسکتی اور اسی لئے عابد کے لئے بھی ایک نور ہے جو خود اس کے لئے مخصوص ہے۔ بلکہ عبادت اور ایمان باللہ بھی سنخ نور ہی سے ہے۔ البتہ اتنا فرق ضرور ہے کہ عابد کا نور صرف اس کے لئے روشنی دے گا اور اسی کے پیروں کے نیچے کی جگہ کو روشن کرے گا مگر دوسروں کو روشنی نہ دے سکے گا۔ اسی لئے عبادت گزاروں کی مثال ان ستاروں کی طرح ہے جو چودہویں رات کو چاند کی بھرپور روشنی کی وجہ سے صرف اپنی جگہ پر روشنی دیتے ہیں لیکن دوسروں کو نہ نفع پہونچا سکتے ہیں نہ نور عطا کر سکتے ہیں۔ پس عالم کے سامنے عابد کی مثال ستارہ جیسی ہے لیکن نہ اس ستارہ کی طرح جو شب تاریک میں چمکتا ہوا اور ایک حد تک روشنی دیتا ہو بلکہ اس کی مثال اس ستارہ کی طرح ہے جو چاند کی چودہویں کو چمکتا ہو کہ خود تو ظاہر ہے مگر دوسرے کو روشنی نہیں دے سکتا۔

جناب صدرالمتالہین قدس سرہ فرماتے ہیں: اس حدیث میں عالم سے مراد غیر عالم ربانی ہے یعنی "اس سے مراد" وہ عالم ہے جس کا علم لدنی اور وہبی ہو جیسے انبیاء و اولیا کے علوم اور اس دعویٰ کی دلیل یہ ہے کہ اس کی مثال چاند سے دی گئی ہے ورنہ اگر انبیاء وغیرہ کا علم مراد نہ ہوتا تو اس کی مثال سورج سے دینا مناسب تھی کیونکہ انبیا کو علم براہ راست خدا سے ہوتا ہے اس میں کوئی واسطہ نہیں ہوتا یعنی اپنے

Presented by www.ziaraat.com

نوع و جنس میں سے کوئی واسطہ نہیں ہوتا ۱۲ اِنتہٰی کَلَامُہٗ رَفَعَ مَقَامُہٗ

پانچویں فصل

علما انبیا کے وارث ہیں

علما کی جو وراثت انبیا سے ہے وہ روحانی ہے (جس طرح) ان کی ولادت ملکوتی ہے۔ انسان اگرچہ نشۂ ملکیہ و جسمانیہ کے اعتبار سے مولودِ مُلک ہے (لیکن) انبیا کی تربیت اور مقامِ قلب حاصل ہو جانے کی وجہ سے اس کی ولادت ملکوتی ہو جاتی ہے اور اس ولادت کا منشا پدرِ جسمانی ہوتا ہے (اسی طرح) اُس ولادت کا منشاء انبیائے کرام ہوتے ہیں۔ اس لئے انبیا پدرِ روحانی ہیں اور انہی وراثت (درحقیقت) وراثتِ باطنی و روحانی ہوتی ہے اور ولادت، ولادتِ ثانوی ملکوتی ہے اور انبیا کے بعد تعلیم و تربیت علما کے ہاتھوں ہوتی ہے اور یہی علمائے کرام انبیا کے حقیقی روحانی وارث ہوتے ہیں اور انبیا اپنے اس مقامِ روحانیت کی بنا پر نہ تو درہم و دینار کے مالک ہوتے ہیں اور نہ عالمِ مُلک و شئونِ ملکیہ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور انبیا کی وراثت ان کے اس مقام کے اعتبار سے علم و معارف کے علاوہ کوئی اور چیز نہیں ہوتی۔ اگرچہ (انبیائے کرام بھی) مُلکی ولادت اور دنیاوی اعتبار سے تمام بشری حیثیتوں کے مالک ہوتے ہیں (چنانچہ ارشاد ہے) وقُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ ۱۲ "اے رسول کہہ دیجئے میں تم جیسا بشر ہوں" اور اس اعتبار سے علما انبیا کے وارث نہیں ہیں۔ بلکہ انبیا کے وارث خود ان کے جسمانی اولاد ہوں گے اور اس وقت جسمانی اعتبار سے انبیا درہم و دینار کے مالک و وارث ہوا کرتے ہیں۔

اور یہ حدیث واضح بلکہ صریحی طور سے روحانی وراثت پر دلالت کرتی ہے جیسا کہ ذکر کیا گیا اور رسولِ خدا کی وہ حدیث جو آنحضرتؐ کی طرف منسوب ہے (یعنی) وَنَحْنُ مَعَاشِرَ الْاَنْبِیَاءِ لَا نُوْرِثُ ۱۲ "ہم گروہِ انبیا وارث نہیں بناتے" کو اگر صحیح بھی مان لیا جائے تو اس کا مطلب یہی ہے کہ شانِ نبوت اور وراثتِ روحانی کے اعتبار سے وہ حضرات کسی کو مال و منال کا وارث نہیں بناتے ہیں۔ بلکہ ان کی میراث علم ہوتی ہے۔ جیسا کہ واضح ہے۔ والسلام۔

Presented by www.ziaraat.com

حواشی

حدیث کی توضیحات

۱۔ اصول کافی جلد ۱ ص ۳۲، کتاب فضل العلم، باب ثواب العالم والمتعلم، حدیث ۱۔
۲۔ توضیح ۱۶، حدیث ۲۲۔
۳۔ سورۂ زخرف آیت ۷۱۔
۴۔ حدیث ۱۲۔ ۲۴۔
۵۔ سورۂ کہف آیت ۶۴۔
۶۔ سورۂ فرقان آیت ۷۰۔ ۸۔
۷۔ سورۂ نساء آیت ۱۵۔
۸۔ شرح اصول کافی ص ۱۲۷، ۱۲۶، کتاب فضل العلم، باب ثواب العالم والمتعلم، حدیث ۱۔
۹۔ اسفار اربعہ جلد ۹ ص ۱۶۷، السفر الرابع، باب ہشتم، فصل ۱۰۔
۱۰۔ تہافت الفلاسفہ، غزالی ص ۲۶۸۔
۱۱۔ سورۂ مدثر آیت ۳۱۔
۱۲۔ علم الیقین جلد ۱ ص ۲۵۹، مقصد دوم، باب اول، فصل اول۔
۱۳۔ سورۂ قلم آیت ۱۔
۱۴۔ علم الیقین فیض کاشانی جلد ۱، ص ۲۶۸۔ ۲۵۹، مقصد دوم، باب دوم، فصل اول۔
۱۵۔ سورۂ صافات آیت ۱۔

Presented by www.ziaraat.com

۱۶۔ سورۂ فاطر آیت ۱۔
۱۷۔ بحار الانوار جلد ۱۸ ص ۲۶۷، تاریخ النبیؐ، باب ۲، حدیث ۲۹۔
۱۸۔ عوالی اللئالی جلد ۱ ص ۱۰۱، فصل ۶، حدیث ۴۲۔
۱۹۔ بحار الانوار جلد ۱۸ ص ۲۸۲، تاریخ النبیؐ، باب اثبات المعراج، حدیث ۸۵۔
۲۰۔ شرح اصول کافی ص ۱۲۷، کتاب العلم، باب ثواب العالم والمتعلم، حدیث ۱۔
۲۱۔ فارابی نے فصوص میں کہا ہے، وجود کلہ، قدرۃ کلہ، حیاۃ کلہ، وہ وجود کل ہے۔ قدرت کل ہے، حیات کل ہے۔ ص ۲۵۲/۲۱۶۔
۲۲۔ سورۂ جمعہ آیت ۱۔
۲۳۔ سورۂ اسراء آیت ۴۴۔
۲۴۔ تفسیر الجامع لاحکام القرآن، قرطبی جلد ۱۳ ص ۱۶۹-۱۷۶
۲۵۔ سورۂ انعام آیت ۷۵۔
۲۶۔ سورۂ نور آیت ۳۵۔
۲۷۔ سورۂ نور آیت ۴۰۔
۲۸۔ التوحید ص ۱۵۷، باب تفسیر آیت نور، حدیث ۲۔
۲۹۔ روضۂ کافی جلد ۸ ص ۲۸۰، باب تفسیر آیات من القرآن، حدیث ۴۵۷۔
۳۰۔ برہان جلد ۳، ص ۱۲۵۔
۳۱۔ حدیث ۱۴، توضیح ۱۴۔
۳۲۔ حدیث ۲۲، توضیح ۱۲۔
۳۳۔ شرح اصول کافی ص ۱۲۸، کتاب فضل العلم، باب ثواب العالم والمتعلم، حدیث ۱۔
۳۴۔ سورۂ کہف آیت ۱۱۰۔
۳۵۔ مسند احمد حنبل جلد ۲ ص ۲۴۲۔

Presented by www.ziaraat.com

ستائیسویں حدیث

«بِالسَّنَدِ الْمُتَّصِلِ اِلَى الشَّيْخِ الْاَجَلِّ وَالثِّقَةِ الْجَلِيلِ، مُحَمَّدِبْنِ يَعْقُوبِ الْكُلَيْنِيِّ، رِضْوَانُ اللّٰهِ عَلَيْهِ، عَنْ عِدَّةٍ مِنْ اَصْحَابِنَا، عَنْ اَحْمَدَبْنِ مُحَمَّدٍ، عَنْ اِبْنِ مَحْبُوبٍ، عَنْ عَمْرِبْنِ يَزِيدَ عَنْ اَبِي عَبْدِاللّٰهِ، عَلَيْهِ السَّلَامُ، قَالَ: فِي التَّوْرٰيةِ مَكْتُوبٌ: يَابْنَ آدَمَ، تَفَرَّغْ لِعِبَادَتِي، اَمْلَأْ قَلْبَكَ غِنًى وَلَا اَكِلْكَ اِلٰى طَلَبِكَ، وَعَلَيَّ اَنْ اَسُدَّ فَاقَتَكَ وَاَمْلَأْ قَلْبَكَ خَوْفاً مِنِّي. وَاِنْ لَا تَفَرَّغْ لِعِبَادَتِي، اَمْلَأْ قَلْبَكَ شُغْلاً بِالدُّنْيَا، ثُمَّ لَا اَسُدَّ فَاقَتَكَ وَاَكِلُكَ اِلٰى طَلَبِكَ.»[1]

ترجمہ: امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: توریت میں لکھا ہے: اے ابن آدم میری عبادت کے لئے فراغت حاصل کر تاکہ میں تیرے قلب کو بے نیاز کردوں اور تجھے تیری خواہشوں کے حوالہ نہ کروں اور میری ذمہ داری ہے کہ تیرے لئے (فقر و) فاقہ کے راستہ کو بند کردوں اور تیرے دل کو اپنے خوف سے بھردوں اور اگر تو میری عبادت کے لئے فارغ نہیں ہوتا تو میں تیرے دل کو دنیا کے شغلوں سے بھردوں گا اور تیری راہِ فقر کو بند نہ کروں گا تجھے تیرے طلب (و خواہش) کے حوالہ کردوں گا۔

شرح: تَفَرَّغْ لَكَذَا: تفرغ باب تفعّل سے آیا اس کا مطلب ہے اپنے پورے وقت کو اس

Presented by www.ziaraat.com

کے لئے اسی طرح صرف کر دیا کہ کسی اور کام میں مشغول نہ ہو اور عبادت کے لئے دل کو خالی کرنے کا مطلب ہے۔ اس کے لئے ہر چیز سے اپنی توجہ کو ہٹانا۔

"مَلَأَهُ الْمَاءَ مَلْأً" (اسی طرح) مَلَأَ الْاِنَاءَ مِنَ الْمَاءِ یا الْمَاءَ کا مطلب ہے اس میں اتنا پانی گرایا جس کو لے لیا اور "اَوْکَلَ" یہ اَکَلَ کا صیغہ متکلم ہے وَکَّلَ اِلَیْہِ الْاَمْرَ کا مطلب ہے اس کے حوالہ کر دیا۔ اس کے سپرد کر دیا اور خود اس میں کوئی تصرف نہیں کیا۔

"اُسُدَّ" یہ سَدَّ یَسُدُّ سے متکلم ہے باب نَصَرَ سے ہے اور فَتَحَ کا نقیض ہے اس کے معنیٰ بند کرنے کے ہیں "اَلْفَاقَةُ" یعنی حاجت و فقر نیاز مندی و گدائی۔

"وَاَمْلَأْ قَلْبَكَ خَوْفاً مِنِّي" بظاہر یہ متکلم کا صیغہ ہے۔ امر کا صیغہ ماننا اور اوّل کلام پر عطف کرنا بعید ہے۔ اس حدیث کے ضمن میں جو چیزیں بیان کرنا ضروری ہیں ان کو میں انشاء اللہ چند فصلوں کے اندر بیان کروں گا۔

پہلی فصل

جان لو کہ عبادت کے لئے فراغت حاصل ہونے کا مطلب اس کے لئے فارغ وقت کا ہونا اور فراغت قلب کا حاصل ہونا ہے۔ عبادت کے اندر یہ چیز بہت ہی اہم ہے کیونکہ اس کے بغیر حضور قلب پیدا نہیں ہوتا اور حضور قلب کے بغیر عبادت بے قیمت ہے۔

حضور قلب کے لئے دو چیزوں کا ہونا ضروری ہے: ایک فراغت وقت اور فراغت قلب۔ دوسرے قلب کو عبادت کی اہمیت کا سمجھانا ہے۔ فراغت وقت سے مراد یہ ہے کہ انسان ہر شب و روز کے لئے اپنی عبادت کا وقت معین کر دے اور اپنے کو اس وقت عبادت کے لئے معین کر دے۔ اس وقت میں کوئی دوسرا کام انجام نہ دے اور جب انسان یہ سمجھ لے کہ عبادت ایک اہم چیز ہے دوسرے کاموں سے اس کی اہمیت زیادہ ہے بلکہ دوسری چیزوں کا اس سے کوئی مقابلہ ہی نہیں ہے تو پھر اس کے لئے وقت معین کرے گا اور اس وقت کی حفاظت کرے گا۔ اب اس کے بعد میں بقدر مقدور تھوڑا سا اس سلسلہ میں بیان کروں گا۔

بہر حال عبادت گزار آدمی کو اپنی عبادت کے لئے وقت معین کرنا چاہیئے اور اوقات نماز جو اہم ترین عبادت ہے کی حفاظت کرنی چاہیئے اور اس کو وقت فضیلت میں ادا کرنا چاہیئے اور ان اوقات میں کوئی دوسرا کام نہیں کرنا چاہیئے۔ جس طرح مال و منال کے لئے (بحث) و مباحثہ اور مطالعہ کے

Presented by www.ziaraat.com

کے لئے وقت معین کیا جاتا ہے اسی طرح عبادت کے لئے بھی وقت معین کرنا چاہیئے جس میں دیگر امور سے فارغ ہو تاکہ حضور قلب جو لب و مغز عبادت ہے حاصل ہو سکے۔ لیکن اگر یہ میری طرح تکلف سے ادا کرے اور بندگی معبود کی ادائیگی کو امور زائدہ میں سے قرار دے تو پھر اس کی ادائیگی کو آخر وقت تک کے لئے مؤخر کر دے گا اور بجالانے کے وقت بھی چونکہ اپنے تنظیم امور کی انجام دہی کو جو اس کی نظر میں اہم ہیں اس سے مرام سمجھتا ہے اس لئے اگر پڑھتا بھی ہے تو ہاتھ پیر توڑ کے پڑھتا ہے۔ البتہ اس عبادت میں نورانیت نہیں ہوتی اور ایسا شخص غضب الٰہی کا مستحق ہوتا ہے اور نماز کے بارے میں سستی کرنے والا شمار کیا جاتا ہے۔ نماز کو خفیف شمار کرنے سے میں خدا کی پناہ چاہتا ہوں اس کتاب میں اتنی گنجائش نہیں ہے کہ اس موضوع کی روایات کو پوری طرح سے ذکر کیا جائے۔ البتہ بعض کو عبرت کے لئے ذکر کرتا ہوں۔

«عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يَعْقُوبَ بِإِسْنَادِهِ عَنْ أَبِيهِ جَعْفَرٍ، عَلَيْهِ السَّلَامُ، قَالَ: لَا تَتَهَاوَنْ بِصَلَاتِكَ؛ فَإِنَّ النَّبِيَّ، صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ، قَالَ عِنْدَ مَوْتِهِ: لَيْسَ مِنِّي مَنِ اسْتَخَفَّ بِصَلَاتِهِ؛ لَيْسَ مِنِّي مَنْ شَرِبَ مُسْكِرًا لَا تَرِدُ عَلَيَّ الْحَوْضَ لَا وَاللَّهِ.»[۲]

"امام محمد باقرؑ نے زرارہ سے فرمایا: اپنی نماز کے بارے میں سستی نہ کرو اس لئے کہ رسول خداؐ نے مرتے وقت فرمایا تھا: جو شخص اپنی نماز کے بارے میں استخفاف کرے وہ ہم سے نہیں ہے اور وہ بھی مجھ سے نہیں ہے جو نشہ آور چیزوں کو پیئے نہیں خدا کی قسم نہیں وہ میرے پاس حوض کوثر پر نہیں آسکتا۔"

«وَبِإِسْنَادِهِ عَنْ أَبِي بَصِيرٍ، قَالَ قَالَ أَبُو الْحَسَنِ الْأَوَّلُ، عَلَيْهِ السَّلَامُ: لَمَّا حَضَرَتْ أَبِيَ الْوَفَاةُ، قَالَ لِي: يَا بُنَيَّ، لَا يَنَالُ شَفَاعَتَنَا مَنِ اسْتَخَفَّ بِالصَّلَاةِ.»[۳]

"جناب ابوبصیر کہتے ہیں، امام موسیٰ کاظمؑ نے فرمایا: جب میرے باپ کے مرنے کا وقت قریب آیا تو مجھ سے فرمایا: اے بیٹا جو شخص نماز کو خفیف سمجھے اس کو میری شفاعت نصیب نہیں ہوگی۔"

اس سلسلہ میں روایات تو بہت ہیں لیکن اہل عبرت کے لئے یہی کافی ہے۔ خدا جانتا ہے کہ رسول خداؐ سے جدائی ان کی حمایت سے محروم ہونا کتنی بڑی مصیبت ہے اور آنحضرتؐ و ان کے اہل بیتؑ کی شفاعت سے محرومی کتنی بڑی رسوائی ہے۔ یہ گمان بھی کیجئے گا کہ آنحضرتؐ کی شفاعت کے بغیر کوئی رحمت حق اور بہشت موعود کا چہرہ دیکھ سکتا ہے۔ اب آپ سوچئے کہ ہر جزئی چیز کو ملکہ

Presented by www.ziaraat.com

خیالی نفع کو اس نماز پر مقدم کرنا جو رسولؐ خدا کے آنکھوں کو ٹھنڈک ہے اور خدا کی رحمت تک پہونچنے کا بہت بڑا ذریعہ ہے اور نماز کے بارے میں سستی کرنا کسی عذر کے بغیر اس کو آخری وقت تک ٹال دینا اس کے حدود کی حفاظت نہ کرنا یہ نماز کو سبک سمجھنا اور اس کے بارے میں سستی کرنا ہے کہ نہیں؟ اگر ایسا ہے تو رسولؐ خدا اور ان کے اہل بیتؑ کی گواہی کی بنا پر تم ان کی ولایت سے خارج اور ان کی شفاعت سے محروم ہوگے۔ اب یہ سوچو کہ اگر تم ان حضرات کی شفاعت کے محتاج ہو اور چاہتے ہو کہ تمہارا شمار آنحضرتؐ کی اُمت میں ہو تو اس امانت الٰہی (نماز) کو عظیم سمجھو اور اس کی اہمیت کے قائل ہو جاؤ ورنہ تم جانو اور تمہارا کام۔ خدا اور اس کے اولیا تمہارے عمل کے محتاج نہیں ہیں بلکہ (سب سے بڑا خطرہ یہ ہے کہ اگر تم نے اہمیت نہ دی تو کہیں اس کا نتیجہ "ترک نماز" کی صورت میں ظاہر نہ ہو اور ترک نماز کے بعد انکار تک کی نوبت نہ پہونچ جائے۔ (اگر ایسا ہو گیا تو) تمہارا کام تمام ہوا اور شقاوت ابدی اور ہلاکت دائمی تم کو نصیب ہوگی۔

اور وقت کی فراغت سے زیادہ اہمیت فراغت قلب کی ہے بلکہ فراغت وقت درحقیقت اس فراغت کا مقدمہ ہے اور وہ اس طرح کہ انسان عبادت میں مشغولیت کے وقت اپنے کو تمام مشغولیات اور دنیاوی رنج و غم خالی کر لیتا ہے اور قلب کی توجہ متفرق امور و پراگندہ خیالات سے ہٹ جاتی ہے اور دل عبادت و مناجات کے لئے بالکل خالی ہو کر خدا کی طرف ہمہ تن متوجہ ہو جاتا ہے اور جب تک قلب فارغ نہ ہو اس وقت تک نہ خدا کی طرف نہ اس کی عبادت کی طرف متوجہ ہی نہیں ہو پاتا۔ لیکن ہماری بدبختی یہ ہے کہ ہمارے تمام پراگندہ خیالات اور متفرق افکار سب عبادت ہی کے وقت کے لئے ذخیرہ ہوتے ہیں کہ ادھر نماز شروع کی اور اُدھر سارے خیالات اور بھولی بسری باتوں کی یلغار ہو جاتی ہے۔ تکبیرۃ الاحرام کہتے ہی گویا دوکان کا دروازہ کھل جاتا ہے یا حساب کا دفتر کھل جاتا ہے یا گویا مطالعہ کے لئے کتاب کھل جاتی ہے۔ دل تو دوسرے امور میں لگ جاتا ہے اور عمل سے بالکلیہ غافل ہو جاتا ہے اور ہوش اس وقت آتا ہے جب صبِ عادت سلام پھیرتے ہیں یہ عبادت رسوا کن ہے اور یہ مناجات شرم انگیز ہے۔

میرے عزیز تم یہی فرض کر لو کہ جیسے تم کسی ایک ناچیز بندے سے گفتگو کر رہے ہو۔ تم کو کیا ہو گیا ہے کہ دوست کی گفتگو کے ساتھ کسی اجنبی سے گفتگو کرنے لگو۔ جب تک دوست سے محو گفتگو رہتے ہو پوری توجہ کے ساتھ اسی سے مشغول رہتے ہو۔ لیکن جب ولیٔ نعمت اور پروردگار عالمیان سے گفتگو اور مناجات کرتے ہو تو اس سے بالکلیہ غافل ہو کہ دوسرے امور کی طرف متوجہ ہو جاتے ہو؟ کیا

Presented by www.ziaraat.com

بندوں کی عزت خدا سے زیادہ ہے؟ یا بندوں سے گفتگو کی قیمت قاضی الحاجات کی مناجات سے زیادہ ہے؟ جی ہاں ہم کو اور آپ کو نہیں معلوم کہ خدا سے مناجات کیا چیز ہے؟ ہم خدائی تکلیفوں کو سر کا بوجھ سمجھتے ہیں اور (اس کی وجہ یہ ہے کہ) جس چیز کو آدمی پر لادا جائے اور وہ زندگی کا بوجھ بن جائے اس کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی۔ اس لئے اصل بنیاد کی اصلاح کرنی چاہیئے۔ خدا پر ایمان انبیاء کے احکام کی پابندی کرنی چاہیئے تاکہ اصلاح کار ہو سکے۔ یہ ساری بدبختیاں ضعف ایمان اور سستی یقین سے پیدا ہوتی ہیں۔ سید ابن طاؤس کا ایمان ان کو ایسی جگہ پہونچا دیتا ہے کہ اوّل بلوغ کو عید قرار دیتے تھے۔ اس لئے کہ خداوند عالم نے ان کو مناجات کرنے کی اجازت دے دی اور ان کو لباس تکلیف سے آراستہ کر دیا۔ واقعاً ذرا آپ سوچئے یہ کون سا قلب ہے کہ اتنی نورانیت اور صفائے باطنی رکھتا ہے۔ اگر ان سید جلیل القدر کا عمل تمہارے لئے حجت نہیں ہے تو سید الموحدین اور ان کی اولاد معصومین کا عمل تو حجت ہے۔ ان بزرگوں کے حالات اور عبادتوں کی کیفیت اور مناجات کو دیکھو۔ بعض حضرات ایسے تھے کہ نماز کے وقت ان کا رنگ زرد ہو جاتا تھا اور اس خوف سے کہ کہیں امر الٰہی کے بارے میں کوئی لغزش نہ ہو جائے ان کا جسم کپکپانے لگتا تھا حالانکہ یہ حضرات معصوم تھے۔ مولائے کائنات کے بارے میں مشہور ہے کہ پائے مبارک میں تیر چبھ گیا تھا جس کے نکالنے کی تکلیف کو برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ لیکن نماز میں اس تیر کو نکال لیا گیا کہ حضرتؑ اس کی طرف ملتفت بھی نہ ہو سکے۔

عزیزم یہ مطلب محالات میں سے نہیں ہے۔ اس طرح کی مثال تو عادی لوگوں میں بھی مل جاتی ہے (مثلاً) شدید غصہ اور محبت میں انسان ہر چیز سے غافل ہو جاتا ہے۔ میرے ایک باوثوق دوست نے بتایا: اصفہان میں کچھ بدمعاش لوگوں سے میرا جھگڑا ہو گیا مار پیٹ کے دوران میں نے دیکھا ایک آدمی مجھے گھونسے مار رہا ہے میں متوجہ نہ ہوا کہ کیا ہے؟ جب جھگڑا ختم ہو گیا اور میں اپنے آپ میں آیا تو پتہ چلا کہ چاقو سے کئی زخم ان لوگوں نے مجھے لگائے تھے جس کی بنا پر میں کئی دن بستر بیماری پر پڑا رہا اور اس کی وجہ بھی معلوم ہے کہ جب نفس کسی بات کی طرف مکمل طرح سے متوجہ ہو جاتا ہے تو ملک بدن سے بالکل غافل ہو جاتا ہے اور اس کے احساسات بالکل ختم ہو جاتے ہیں۔ اس کی نظر میں صرف ایک ہی بات رہتی ہے۔ ہم خود بھی بحث و مباحثہ میں (نعوذ باللہ منھا) دیکھتے ہیں کہ اگر کوئی بات ہو جائے تو ہم بالکل غافل ہوتے ہیں (بعد میں پتہ چلتا ہے) مگر افسوس ہم ہر چیز کی طرف پوری توجہ رکھتے ہیں سوائے خدا کی عبادت کے۔ اسی لئے ہم کو یہ بات بعید معلوم ہوتی ہے (کہ حضرت علیؑ کو پتہ ہی نہیں چلا)۔

بہرحال غیر حق سے قلب کا فارغ ہونا بہت ضروری ہے کہ اور انسان کو چاہیئے اسے ہر قیمت

Presented by www.ziaraat.com

پر حاصل کرنا بھی سہل و ممکن ہے تھوڑی سے مواظبت کے بعد اس کو حاصل کیا جا سکتا ہے۔ کچھ مدت تک انسان کو چاہیئے طائر خیال کو اپنے قبضہ میں رکھے اس کو اس شاخ سے اس شاخ پر جانے نہ دے۔ (ایسا کرنے سے) تھوڑی مدت کے بعد رام ہو جائے گا اور (پھر انسان کو بھی) آرام ہو جائے گا اور متفرق امور کی طرف سے اس کی توجہ ہٹ جائے گی اور خیر اس کی عادت بن جائے گی "الخیر عادۃ" اور پھر شخص فارغ البال خدا اور اس کی عبادت کی طرف متوجہ ہو جائے گا۔

اور ان سب سے اہم جس کو دگر امور کا مقدمہ سمجھنا چاہیئے وہ حضور قلب ہے کہ یہی روح عبادت ہے اور حقیقت اسی سے وابستہ ہے۔ اس کے بغیر عبادت کی نہ کوئی قیمت ہے اور نہ وہ مقبول بارگاہ ہو سکتی ہے چنانچہ روایات میں بھی آیا ہے:

«كافي: بِاِسْنَادِهِ عَنْ اَبِي جَعْفَرٍ وَاَبِي عَبْدِاللّٰهِ، عَلَيْهِمَا السَّلَامُ، اَنَّهُمَا قَالَا: اِنَّمَا لَكَ مِنْ صَلَاتِكَ مَا اَقْبَلْتَ عَلَيْهِ مِنْهَا؛ فَاِنْ اَوْهَمَهَا كُلَّهَا، اَوْ غَفَلَ عَنْ آدَابِهَا، لُفَّتْ فَضُرِبَ بِهَا وَجْهُ صَاحِبِهَا.»[۸]

حضرت امام محمد باقرؑ و امام جعفر صادقؑ نے (فضیل بن یسار سے) فرمایا: تمہاری نماز تمہارے لئے بس اسی قدر (مفید) ہے جتنے حصہ میں تم کو توجہ قلب حاصل رہی ہو۔ اگر تم نے پوری نماز غلط طریقہ سے پڑھی یا اس کے آداب سے غافل رہے تو اس کو لپیٹ کر پڑھنے والے کے منہ پر مار دی جائے گی۔

«وَرَوَى الشَّيْخُ الْاَقْدَمُ، مُحَمَّدُ بْنُ الْحَسَنِ، رِضْوَانُ اللّٰهِ عَلَيْهِ، فِي التَّهْذِيبِ، بِاِسْنَادِهِ عَنِ الثُّمَالِيِّ قَالَ: رَاَيْتُ عَلِيَّ بْنَ الْحُسَيْنِ، عَلَيْهِمَا السَّلَامُ، يُصَلِّي؛ فَسَقَطَ رِدَاؤُهُ عَنْ مَنْكِبِهِ فَلَمْ يُسَوِّهِ حَتّٰى فَرَغَ مِنْ صَلَاتِهِ. قَالَ: فَسَاَلْتُهُ عَنْ ذٰلِكَ، فَقَالَ: وَيْحَكَ اَتَدْرِي بَيْنَ يَدَيْ مَنْ كُنْتُ؟ اِنَّ الْعَبْدَ لَا يُقْبَلُ مِنْهُ صَلَاةً اِلَّا مَا اَقْبَلَ مِنْهَا. فَقُلْتُ: جُعِلْتُ فِدَاكَ، هَلَكْنَا قَالَ: كَلَّا؛ اِنَّ اللّٰهَ مُتَمِّمٌ ذٰلِكَ لِلْمُؤْمِنِينَ بِالنَّوَافِلِ.»[۱۰]

ابو حمزہ ثمالی کہتے ہیں، میں نے امام سجادؑ کو دیکھا کہ نماز پڑھتے ہوئے آپ کی عبا کندھے سے گر گئی اور حضرت نے آخر نماز تک اس کو سیدھا نہیں کیا۔ تو نماز کے بعد میں نے حضرتؑ سے اس

Presented by www.ziaraat.com

کے بارے میں پوچھا تو فرمایا: تیرے اوپر وائے ہو کیا تو (نہیں) جانتا میں کس کے سامنے تھا؟ اس بندے کی صرف وہی نماز قبول ہوتی ہے جو توجہ قلب کے ساتھ ہو۔ میں نے عرض کیا: میں آپ پر قربان جاؤں تب تو ہم لوگ ہلاک ہو گئے۔ حضرت نے فرمایا: نہیں (بلکہ) خدا اپنے بندے کے لئے اس کی تکمیل ناظر سے کر دیتا ہے۔

«وَعَنِ الْخِصَالِ: بِاِسْنَادِهِ عَنْ عَلِيٍّ، عَلَيْهِ السَّلَامُ، فِي حَدِيثِ الْاَرْبَعِمِائَةِ، قَالَ لَايَقُوْمَنَّ اَحَدُكُمْ فِي الصَّلَاةِ مُتَكَاسِلاً وَلَا نَاعِساً، وَلَايُفَكِّرَنَّ فِي نَفْسِهِ؛ فَاِنَّهُ بَيْنَ يَدَيْ رَبِّهِ عَزَّ وَجَلَّ. وَاِنَّمَا لِلْعَبْدِ مِنْ صَلَاتِهِ مَا اَقْبَلَ عَلَيْهِ مِنْهَا بِقَلْبِهِ.»[1]

حدیث اربعمائہ میں حضرت امیرؑ سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: تم میں سے ہرگز کوئی شخص سستی اور اونگھ میں نماز کے لئے نہ کھڑا ہو اور نہ اپنے بارے میں سوچے اس لئے کہ وہ خدا کے سامنے ہے اور خدا بندے کی وہی نماز قبول کرتا ہے جو خلوص دل سے ہو۔

اس طرح کی روایات بہت ہیں۔ اسی طرح توجہ قلبی کے لئے بھی بہت سی روایات ہیں۔ میں یہاں پر ان میں سے بعض کو نقل کرتا ہوں اور اسی پر اکتفا کروں گا کیونکہ اہل اعتبار کے لئے وہ کافی ہے۔

«عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ، صَدُوقِ الطَّائِفَةِ، بِاِسْنَادِهِ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ اَبِي يَعْفُورٍ، قَالَ قَالَ اَبُو عَبْدِاللّٰهِ، عَلَيْهِ السَّلَامُ: يَا عَبْدَاللّٰهِ، اِذَا صَلَّيْتَ، فَصَلِّ صَلَاةَ مُوَدِّعٍ يَخَافُ اَنْ لَايَعُوْدَ اِلَيْهَا اَبَدًا؛ ثُمَّ اصْرِفْ بِبَصَرِكَ اِلَى مَوْضِعِ سُجُوْدِكَ. فَلَوْ تَعْلَمُ مَنْ عَنْ يَمِينِكَ وَشِمَالِكَ، لَاَحْسَنْتَ صَلَاتَكَ، وَاعْلَمْ اَنَّكَ بَيْنَ يَدَيْ مَنْ يَرَاكَ وَلَا تَرَاهُ.»[2]

امام جعفر صادقؑ نے (عبداللہ ابن ابی یعفور سے) فرمایا: اے عبداللہ جب تم نماز پڑھو تو اس طرح پڑھو کہ گویا یہ آخری وداعی نماز ہے اور یہ خطرہ ہو کہ اب دوبارہ پڑھنے کی نوبت نہ آئے گی۔ اس کے بعد اپنی نظروں کو سجدہ گاہ پر جما دو۔ اگر تم کو یہ معلوم ہوتا کہ تمہارے دائیں اور بائیں کون ہے تو نماز کو بہت اچھی طرح بجالاتا۔ یہ سمجھ لو کہ تم اس خدا کے سامنے ہو جو تم کو دیکھ رہا ہے مگر تم اس کو نہیں دیکھ سکتے۔

Presented by www.ziaraat.com

«وَبِاِسْنَادِهِ عَنْ اَبِي عَبْدِاللّٰهِ، عَلَيْهِ السَّلَامُ، فِي حَدِيثٍ اَنَّهُ قَالَ: لَاُحِبُّ لِلرَّجُلِ الْمُؤْمِنِ مِنكُمْ اِذَا قَامَ فِي صَلَاةٍ فَرِيضَةٍ اَنْ يُقْبِلَ بِقَلْبِهِ اِلَى اللّٰهِ وَلَا يَشْغَلَ قَلْبَهُ بِاَمْرِ الدُّنْيَا. فَلَيْسَ مِنْ عَبْدٍ يُقْبِلُ بِقَلْبِهِ فِي صَلَاتِهِ اِلَى اللّٰهِ تَعَالَى، اِلَّا اَقْبَلَ اللّٰهُ اِلَيْهِ بِوَجْهِهِ وَاَقْبَلَ بِقُلُوبِ الْمُؤْمِنِينَ اِلَيْهِ بِالْمَحَبَّةِ بَعْدَ حُبِّ اللّٰهِ اِيَّاهُ.»[۱۳]

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: میں سے اس مرد مومن کو دوست رکھتا ہوں جو جب نماز واجب کے لئے کھڑا ہوتا ہے تو توجہ قلب کے ساتھ خدا کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اپنے دل کو کار دنیا کی طرف متوجہ نہیں کرتا۔ جو بندہ نماز میں دل سے خدا کی طرف متوجہ ہوگا خدا بھی اس کی طرف توجہ کرے گا اور اپنی دوستی کے ساتھ قلوب مومنین کو بھی محبت سے اس کی طرف متوجہ کرے گا۔

اب دیکھو یہ کتنی بڑی خوشخبری ہے جو امام جعفر صادقؑ مومنین کو دے رہے ہیں۔ (مگر افسوس کہ بے چارے ہم لوگ معرفت سے محجوب ہیں اور خدا کی توجہ سے بے بہرہ ہیں، خداوند عالم کی دوستی کی ہم کو خبر بھی نہیں ہے، ہم خدا دوستی کا قیاس بندوں کی دوستی پر کرتے ہیں۔ اہل معرفت کا بیان ہے خدا اپنے محبوب کے لئے رفع حجاب کر دیتا ہے۔ خدا جانتا ہے کہ اس رفع حجاب میں کتنی کرامتیں ہیں۔ اولیا کا سب سے بڑا مقصد اور سب سے اہم امید یہی رفع حجاب ہے۔ حضرت علیؑ اور ان کی معصوم اولاد مناجات شعبانیہ میں فرماتے ہیں:

«اِلٰهِي، هَبْ لِي كَمَالَ الْاِنْقِطَاعِ اِلَيْكَ؛ وَاَنِرْ اَبْصَارَ قُلُوبِنَا بِضِيَاءِ نَظَرِهَا اِلَيْكَ حَتّٰى تَخْرِقَ اَبْصَارُ الْقُلُوبِ حُجُبَ النُّورِ فَتَصِلَ اِلٰى مَعْدَنِ الْعَظَمَةِ، وَتَصِيرَ اَرْوَاحُنَا مُعَلَّقَةً بِعِزِّ قُدْسِكَ.»[۱۴]

"پروردگار ہم کو کمال انقطاع (عن الدنیا) مرحمت فرما۔ ہمارے دلوں کی آنکھوں کو اپنی طرف نظر (لطف) فرما کر اس طرح کی نورانیت عطا کر دے جس سے دل کی آنکھیں حجاب ہائے نور کو چاک چاک کر کے معدن عظمت تک پہونچ جائیں اور ہماری روحیں تیرے عز قدس پر جم جائیں۔"

میرے معبود یہ کون سی بصیرت قلوب کی نورانیت ہے جس کی خواہش تجھ سے اولیا کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اس نورانیت کی وجہ سے تجھ سے واصل ہو جائیں؟ بار الہا یہ حجاب ہائے نور کیا ہیں جو ہمارے ائمہ معصومین کی زبانوں پر متداول ہے؟ یہ معدن عظمت و جلال اور عز قدس و کمال کیا چیز ہے۔

Presented by www.ziaraat.com

جوان حضرات کا انتہائے مقصد ہے۔ ہم تو اس کے سمجھنے سے بھی آخر تک محروم ہیں اس کے ذوق و شہود کا تو سوال ہی نہیں اُٹھتا؟ پروردگارا! ہم تو تیرے سیاہ رو اور سیاہ روزگار بندے ہیں ہم کھانے پینے، سونے، نفس و شہوت کے علاوہ نہ کچھ جانتے ہیں نہ جاننے کی فکر میں ہیں۔ (اس لئے) تو ہی ہم پر نظر لطف فرما اور ہم کو اس سے بیدار اور اس مستی سے ہوشیار کر دے۔

بہر حال اہل کے لئے یہی ایک حدیث کافی ہے جس کی بنا پر انسان کو چاہیئے کہ محبت الٰہی حاصل کرنے اور اقبال وجہ اللہ کے لئے اپنی پوری عمر صرف کر دے۔ لیکن ہم جیسے لوگ جو اس وادی میں وارد نہیں ہوئے ہیں اور نہ اس میدان کے مرد ہیں وہ دوسری حدیثوں سے تمسک کرتے ہیں۔

«عَنْ ثَوَابِ الْاَعْمَالِ بِاِسْنَادِهٖ عَمَّنْ سَمِعَ اَبَا عَبْدِاللّٰهِ، عَلَيْهِ السَّلَامُ، يَقُوْلُ: مَنْ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ يَعْلَمُ مَا يَقُوْلُ فِيْهِمَا، اِنْصَرَفَ وَلَيْسَ بَيْنَهٗ وَبَيْنَ اللّٰهِ ذَنْبٌ اِلَّا غُفِرَ لَهٗ.»[15]

راوی کہتا ہے: میں نے امام جعفر صادقؑ کو یہ فرماتے ہوئے سنا، جو شخص ایسی دو رکعت نماز پڑھے جس میں اس کو معلوم ہو کہ وہ کیا کہہ رہا ہے تو جب نماز ختم کرے گا تو اس کے اور خدا کے درمیان جو بھی گناہ ہوں گے وہ بخش دیئے جائیں گے۔

«وَعَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ، اَنَّهٗ قَالَ: رَكْعَتَانِ خَفِيْفَتَانِ فِيْ تَفَكُّرٍ خَيْرٌ مِنْ قِيَامِ لَيْلَةٍ.»[16]

"حضرت رسولؐ نے فرمایا: غور و فکر کے ساتھ دو مختصر رکعتیں ایک رات کی عبادت سے بہتر ہیں۔"

دوسری فصل

جب یہ معلوم ہو گیا کہ عبادتوں کا قلب و روح حضورِ قلب ہے اور عبادتوں کی نورانیت اور ان کا کمال حضورِ قلب اور اس کے درجات سے وابستہ ہے تو یہ بھی جان لیجئے کہ حضورِ قلب کے مراتب میں بعض مرتبے تو صرف اولیائے حق کے لئے مخصوص ہیں اور دوسرے اس بلندی تک پہونچ ہی سکتے۔ البتہ بعض مرتبے

Presented by www.ziaraat.com

رعیت کے لئے بھی ممکن الحصول ہیں اور یہ بھی جان لیجئے کہ حضورِ قلب کی بطور کلی دو عمدہ قسم کی تقسیم ہوتی ہے۔
۱۔ عبادتوں میں حضورِ قلب ۲۔ حضورِ قلب در معبود۔

اصل مطلب کو بیان کرنے سے پہلے ایک مقدمہ کا ذکر ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ اہل معرفت فرماتے ہیں: باب عبادات مطلقاً باب معبود شناسی ہے۔ زیادہ سے زیادہ ان میں سے ہر ایک خدا کی کسی نعمت پر یا اس کے کسی اسم پر اسکی ثنا کرنا ہے۔ صرف نماز ثنائے حق ہے اپنے تمام اسماء و صفات کے ساتھ۔ بعض احادیث کی شرح" میں پہلے یہ عرض کیا جا چکا ہے کہ ثنائے معبود فطری ہے جس پر تمام بشر کی تخلیق ہوئی ہے اور فطرت حکم دیتی ہے کہ یہ لازمی ہے اور کامل مطلق، جمیل مطلق، منعم مطلق، عظیم مطلق کے لئے خاضع ہے۔

اور چونکہ ذاتِ مقدس کی کیفیت ثنا کو کوئی کشف نہیں کر سکتا اس لئے کہ کیفیت ثنا ذات و صفات کی معرفت اور کیفیت ارتباط غیب بہ شہود و شہود بر غیب پر موقوف ہے اور یہ بات وحی و الہام کے بغیر کسی کے لئے ممکن نہیں ہے لہٰذا عبادات مطلقاً توقیفی ہیں (اور بیان شارع پر موقوف ہیں) اور جانب خدا سے بیان پر موقوف ہے۔ کسی کو بھی یہ حق نہیں ہے کہ اپنی طرف سے تشریع کر دے یا عبادت ایجاد کر دے۔ بزرگوں اور بادشاہوں کے یہاں جو تواضع اور احترام مرسوم ہے۔ خداوند عالم کی بارگاہ میں اس قسم کے احترام کی کوئی قیمت نہیں ہے۔ اس لئے ہر شخص کو چاہئے کہ آنکھ و کان کھول کر وحی و رسالت کے ذریعہ جو کیفیت عبادت و عبودیت کا طریقہ بیان کیا گیا ہے اس پر عمل کرے۔ اپنی طرف سے کوئی تصرف نہ کرے۔

جب یہ معلوم ہو گیا کہ باب عبادات کا مطلب باب ثنا خوانی معبود ہے تو یہ بھی جان لیجئے کہ حضورِ قلب کی جیسے کہ پہلے اشارہ کیا گیا۔ کی دو بہترین تقسیم ہے۔ ۱۔ عبادت میں حضورِ قلب ۲۔ معبود میں حضورِ قلب۔

حضورِ قلب در عبادت کے بھی بہت سے مرتبے ہیں مگر ان میں عمدہ دو مرتبے ہیں۔ ۱۔ حضور در عبادت اجمالاً۔ ۲: حضور در عبادت تفصیلاً۔

۱۔ حضور در عبادت اجمالاً: کا مطلب ہے کہ عبادت کرتے وقت چاہے وہ جو بھی عبادت ہو خواہ باب طہارت سے ہو مثلاً وضو و غسل یا باب نماز و روزہ و حج اور دیگر امور ہوں سب ہی میں۔ انسان کو اجمالی طور سے اس بات کی طرف متوجہ رہنا چاہئے کہ وہ معبود کی ثنا کر رہا ہے۔ چاہے اس کو معلوم نہ ہو کہ کون سی ثنا کر رہا ہے اور خدا کے کس اسم کی تلاوت کر رہا ہے۔ ہمارے شیخ عارف کامل[۱۰] اس قسم کی عبادت کے لئے مثال دیا کرتے تھے کہ جیسے کوئی شخص کسی کی مدح میں قصیدہ پڑھ کر اسے کسی ایسے بچہ کے حوالہ کر دے

Presented by www.ziaraat.com

جو اس کا مطلب نہ جانتا ہو بس اس کو یہ معلوم ہو کہ یہ قصیدہ اس شخص کی مدح میں ہے اور وہ بچہ ممدوح کے سامنے اس کو پڑھے تو وہ بچہ اجمالاً یہ جانتا ہے کہ ممدوح کی مدح کر رہا ہے مگر اس کی کیفیت سے ناواقف ہے۔ اسی طرح ہم لوگ بھی خدا کی ثنا کرنے والے وہ بچے ہیں کہ جن کو معلوم ہی نہیں ہے ان عبادتوں کے کیا اسرار ہیں اور اوضاع الہیہ میں سے کون سی وضع کس اسم سے مربوط ہے اور کس کیفیت کے ساتھ حق کی ثنا ہے۔ بس ہر شخص کو اتنی توجہ ہونی چاہیئے کہ یہ کامل مطلق اور ممدوح و معبود مطلق کی ثنا ہے کہ خود ذاتِ مقدس نے اس طرح اپنی ثنا کی ہے اور ہم کو حکم دیا ہے کہ خدا کی اس طرح ثنا کیا کریں۔

۲۔ حضورِ قلب در عبادت تفصیلاً: اس کا مرتبۂ کاملہ خالص اولیائے کرام و اہلِ معارف کے علاوہ کسی دوسرے کے لئے ممکن نہیں ہے۔ البتہ بعض پست مرتبہ دوسروں کے لئے ممکن الحصول ہے اور اس (پست مرتبہ) کا پہلا مرتبہ نماز و دعا میں الفاظ کے معانی کی طرف توجہ کرنا ہے ثواب الاعمال کی نقل کردہ سابق روایت میں اسی مرتبہ کی طرف اشارہ ہے۔ دوسرا مرتبہ یہ ہے کہ اسرارِ عبادات کو بقدرِ امکان سمجھے اور ثنائے معبود کی کیفیت کو ہر اوضاع میں جان لے۔ اہلِ معرفت نے ایک حد تک اسرارِ نماز اور سایر عبادات کو بیان کر دیا ہے اور اخبارِ معصوم علیہم السلام کے اشاروں سے اس کا بقدرِ امکان استفادہ کیا ہے اگر اصل حقیقت کا سمجھنا بہت ہی کم لوگوں کے لئے اتفاق ہوا ہے۔ بہر حال جتنا بھی ذکر ہوا ہے اس کے اہل کے لئے وہی غنیمت ہے۔

اب آیئے حضورِ قلب در معبود تو اس کے بھی کئی مرتبے ہیں جن میں سے تین مرتبے زیادہ اہمیت کے حامل ہیں۔

۱۔ تجلیاتِ افعالی میں حضورِ قلب ۲۔ تجلیاتِ اسمائی و صفاتی میں حضورِ قلب ۳۔ تجلیاتِ ذاتی میں حضورِ قلب اور بطورِ کلی ہر ایک کے چار مرتبے ہیں۔

۱۔ مرتبۂ علمی ۲۔ مرتبۂ ایمانی ۳۔ مرتبۂ شہودی ۴۔ مرتبہ فنائی۔

تجلیاتِ افعالیہ میں علماً حضورِ قلب یہ ہے کہ شخص سالک و عابد علماً و برہاناً اس بات کو سمجھ لے کہ تمام مراتب وجود اور مشاہد و غیب و شہود ذاتِ اقدسِ الٰہی کے تجلیِ فیض کے پرتو ہیں اور عالمِ طبیعت کے آخری درجہ سے سرچشمۂ ملکوتِ اعلیٰ و جبروتِ اعظم تک سب ہی ایک طور اور ایک قسم سے اس کے پیشگاہِ مقدس میں حاضر ہیں اور سب ہی جلوۂ مشیت کے پرتو ہیں جیسا کہ کافی کی حدیث میں ہے۔

«عَنْ أَبِي عَبْدِاللّٰهِ، عَلَيْهِ السَّلَامُ: خَلَقَ اللّٰهُ الْمَشِيَّةَ بِنَفْسِهَا، ثُمَّ خَلَقَ الْأَشْيَاءَ بِالْمَشِيَّةِ.» ۲۰

Presented by www.ziaraat.com

"خداوند عالم نے مشیت کو بالذات پیدا کیا اور تمام اشیا کو مشیت کے ذریعہ پیدا کیا" میں بھی اس مطلب پر برہان قائم کرنا نہیں چاہتا۔ پس شخص عابد اگر اس مطلب کو علماً و برہاناً سمجھ لے تو اس کو معلوم ہو جائے گا کہ وہ خود اور عبادت و علم و ارادہ و قلب و حرکات قلب، ظاہر و باطن سب ہی پیش گاہ مقدس میں حاضر ہیں بلکہ سب عین حضور ہیں اور اگر اس برہانی مطلب کو قلم عقل سے لوح قلب پر لکھ لیا جائے اور قلب اپنے علمی و عملی ریاضتوں کے ساتھ اس یقینی و ایمانی قضیہ پر ایمان لائے۔ تو اس وقت حضور قلب تجلی پر ایمان لائے گا اور پھر قلب کے تقوائے کامل و مجاہدات و ریاضات اور اس ایمان کے کامل ہونے کے بعد ہدایت الٰہی اس کے شامل حال ہو جائے گی اور تجلیات افعالی کے ذریعہ اس کے دل کو بالعیان والشہود کا فائدہ حاصل ہو گا اور یہ اس وقت تک رہے گا جب تک قلب بالکلیہ تجلیات کا آئینہ بن جائے اور سالک کو فنا نہ حاصل ہو جائے اور یہی حضور کا آخری مرتبہ ہے جو تجلیات افعالیہ میں فنائے حاضر کی انتہا ہے اور بہت سے اہل سلوک اسی فنا میں ابد تک باقی رہیں گے اور اپنے آپ میں نہیں آئیں گے۔

اور اگر ازل میں پرتو فیض اقدس سے قلب سالک کی صلاحیت اس سے زیادہ ہو تو فنا کے بعد وہ اپنے آپ میں آجاتا ہے اور مانوس ہوتا ہے اور اپنی مملکت کی طرف واپس آجاتا ہے اور تجلیات اسمائیہ کا مورد بن جاتا ہے اور انھیں مراتب کو طے کر کے فنائے صفاتی حاصل کر لیتا ہے اور اپنے عین ثابت کی مناسبت سے کسی بھی اسم الٰہی میں فانی ہو جاتا ہے اور بہت سے اہل سلوک بھی اسی فنائے اسمائی باقی رہ جاتے ہیں اور ہوش میں نہیں آتے اور ہو سکتا ہے کہ: «اِنَّ اَوْلِیائِي تَحْتَ قِبابِي لایَعْرِفُهُمْ غَیْرِي۔» ۲۱ سے ان اولیا کی طرف اشارہ ہو "میرے اولیا میرے قبوں کے نیچے رہتے ہیں ان کو میرے علاوہ کوئی نہیں پہچانتا۔"

اور اگر تجلی فیض اقدس سے اس کی استعداد اس اندازے سے زیادہ ہو تو وہ اس فنا کے بعد بھی انس حاصل کر لیتا ہے اور سالک اپنے آپ میں آجاتا ہے اور تجلیات ذاتیہ کا مورد بن جاتا ہے اور آخری مرتبہ فنائے ذاتی اور فنائے کلی پر اس کی سیر تمام ہو جاتی ہے اور اس کو فنائے تام حاصل ہو جاتی ہے:

«وَمَنْ یَخْرُجْ مِنْ بَیْتِهِ مُهاجِرًا اِلَی اللّٰهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ یُدْرِکْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهُ عَلَی اللّٰهِ۔» ۲۲

Presented by www.ziaraat.com

"جو شخص اپنے گھر سے خدا اور رسولؐ کی طرف ہجرت کرنے کے لئے نکلے اور (راستہ میں) اس کو موت آجائے تو اس کا اجر خدا کے لئے لازم ہے۔" بعض علما فرماتے ہیں اس سے اولیا اللہ اور سالکین الی اللہ کی طرف اشارہ ہے اور اس سالک کا اجر خدا کے علاوہ کوئی نہیں دے سکتا۔

اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اس مقام پر پہونچ کر سالک کو بھی افاقہ ہوجاتا ہے تو وہ اپنی استعداد اور اپنی عین ثابت کے احاطہ کی مناسبت سے ہدایت خلق کے لئے کھڑا ہوجاتا ہے: "یا اَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَاَنْذِرْ۔[۲۳] "اے کپڑا اوڑھنے والے اٹھ کر لوگوں کو ڈراؤ۔" اور اگر (کہیں) سالک کی عین ثابت اسم اعظم کے تابع ہوگئی تو اسی پر دائرۂ نبوت کو ختم کردیا جاتا ہے جیسے کہ حضرت رسولؐ پر خاتمہ ہوگیا اور اولین و آخرین میں سے کسی بھی مرسل کا عین ثابت اسم اعظم کے تابع نہیں تھا اور نہ ظہور ذات تمام شئون کے لئے تھا۔ (مگر رسولِ اکرمؐ کے یہاں تھی) اسی لئے آپ کی ذات نے تمام شئون کے لئے ظہور پیدا کیا اور غایت ظہور ہدایت کرنے سے ہوا اور کشف کلی ہوگیا اور آپ کی ذات پر نبوت کا خاتمہ ہوگیا اور اگر بالفرض اس ذات مقدس کی اتباع اور اس کی ہدایت کے سبب کوئی ولی اس مقام تک جائے تو اس کا کشف بھی بعینہٖ یہی ہوگا اور تشریع میں تکرار نہیں ہوگی۔ لہٰذا دائرۂ نبوت آپ کے وجود پر ختم ہوگیا اور آنحضرتؐ نے اس دائرہ میں آخری پائنٹ رکھ دی۔[۲۴] جیسا کہ حدیث میں آیا ہے۔

یہ بھی جاننے کی بات ہے جو لوگ ان مقاماتِ مذکورہ کے مالک ہیں ان کی عبادات اور عبادتوں کی معنوی کیفیات ہر ایک کی مختلف اور بہت ہی متفاوت ہیں۔ مناجاتِ خدا سے ہر ایک کے لئے جو حظ و نصیب ہے وہ دوسرے اس شخص کے لئے جو اس مرتبہ پر نہیں پہونچا وہ حظ و نصیب اس کے لئے نہیں ہے اور امام جعفر صادقؑ کے لئے عبادت میں جو بات حاصل ہوتی ہے وہ دوسرے کے لئے نہیں ممکن ہے۔ چنانچہ سید ابن طاؤسؒ کی فلاح السائل میں منقول ہے کہ:

"فَقَدْ رُوِيَ اَنَّ مَوْلَانَا، جَعْفَرَ بْنَ مُحَمَّدٍ الصَّادِقَ، عَلَيْهِ السَّلَامُ، كَانَ يَتْلُو الْقُرْآنَ فِي صَلَاتِهِ، فَغُشِيَ عَلَيْهِ فَلَمَّا اَفَاقَ سُئِلَ مَا الَّذِي اَوْجَبَ مَا انْتَهَتْ حَالُكَ اِلَيْهِ؟ فَقَالَ مَا مَعْنَاهُ: مَا زِلْتُ اُكَرِّرُ آيَاتِ الْقُرْآنِ حَتّٰى بَلَغْتُ اِلٰى حَالٍ كَاَنَّنِي سَمِعْتُهَا مُشَافَهَةً مِمَّنْ اَنْزَلَهَا عَلَى الْمُكَاشَفَةِ وَالْعِيَانِ، فَلَمْ تَقُمِ الْقُوَّةُ الْبَشَرِيَّةُ بِمُكَاشَفَةِ الْجَلَالَةِ الْاِلٰهِيَّةِ۔"[۲۵]

امام صادقؑ نماز میں تلاوت قرآن فرما رہے تھے کہ آپؑ کو غش آگیا۔ جب ہوش میں

Presented by www.ziaraat.com

آئے تو پوچھا گیا کیا بات تھی جس سے آپ کی یہ حالت ہو گئی تھی؟ تو حضرتؑ نے جو جواب دیا اس کا ماحصل یہ ہے: میں آیاتِ قرآن کی تکرار کر رہا تھا کہ اتنے میں میری حالت یہ ہو گئی کہ گویا میں بالمشافہ و لیان اس کو اس ذات سے سنا جس نے ان کو نازل کیا تھا۔ پھر مکاشفہ جلالیہ کو بشری طاقت نہ برداشت کر سکی" اور میری یہ حالت ہو گئی جو تم نے دیکھا۔

اور جو حالت رسولِ اکرمؐ پر طاری ہوئی تھی وہ تو کسی بھی موجود کو نہیں حاصل ہو سکی چنانچہ حدیث میں ہے، «لِي مَعَ اللّٰهِ حَالٌ لَا يَسَعُهُ مَلَكٌ مُقَرَّبٌ وَلَا نَبِيٌّ مُرْسَلٌ.» [۲۶] "خدا کے ساتھ میرا حال ایسا ہے جس کو نہ کوئی ملک مقرب برداشت کرتا ہے نہ نبی مرسل" خیر چھوڑیئے اس مطلب کو جس میں ہمارا کوئی نصیب ہی نہیں ہے سوائے لفظ کے۔ البتہ ہم جیسے لوگوں کے لئے جو بات اہم ہے وہ یہ ہے کہ ہم جن مقامات اولیا سے محروم ہیں ان کا انکار بھی نہ کریں بلکہ تسلیم کر لیں کیونکہ امرِ اولیا کا تسلیم کرنا بہت مفید ہے اور نعوذ باللہ اس کا انکار بہت مضر ہے «اَللّٰهُمَّ اِنِّي مُسَلِّمٌ لِاَمْرِهِمْ، صَلَوَاتُ اللّٰهِ عَلَيْهِمْ اَجْمَعِينَ.» [۲۷] "خدایا ہم ان کے امر کو تسلیم کرتے ہیں ان سب پر خدا کی رحمت نازل ہو"

تیسری فصل

جب تک قلب کو عبادتوں کی ماہیت نہ سمجھائی جائے اس وقت تک عبادتوں میں حضورِ قلب نہیں حاصل ہو سکتا اور ماہیت کا سمجھانا اس وقت تک ممکن نہیں ہے جب تک عبادتوں کے اسرار و حقائق نہ سمجھ میں آجائیں اور اسرار و حقائق کا سمجھنا اگرچہ ہمارے لئے ممکن نہیں ہے۔ لیکن ایک حد تک ہم جیسے لوگوں کے لئے جو مناسب ہے اور اخبار اہلِ بیتؑ سے مستفاد ہوتا ہے اور اہلِ معرفت کے کلمات سے مفہوم ہوتا ہے اس کتاب کی مناسبت سے میں یہاں ذکر کرتا ہوں۔

ہم نے پہلے بھی مکرر اشارہ کیا ہے کہ تمام اعمالِ حسنہ اور افعالِ عبادیہ کے لئے ان کی ایک باطنی ملکوتی صورت ہوتی ہے اور قلب عابد میں اس کا ایک اثر ہوتا ہے۔ صورت باطنی تو وہی ہے جس سے عالمِ برزخ اور بہشتِ جسمانی کی آبادکاری ہوا کرتی ہے کیونکہ زمینِ بہشت ایک چٹیل میدان ہے جہاں کوئی چیز نہیں ہے جیسا کہ روایت میں ہے [۲۸] بہشت کی آبادکاری انھیں اعمال و اذکار سے ہوتی ہے جیسا کہ حدیث میں بھی آیا ہے [۲۹] قرآنِ مجید کی بہت سی آیات تجسمِ اعمال پر دلالت کرتی ہیں۔ مثلاً: «فَمَنْ

Presented by www.ziaraat.com

يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ. وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ.﴾ ۴۰ "جس شخص نے ذرہ برابر نیکی کی ہے وہ اسے دیکھے گا اور جس نے ذرہ برابر بدی کی ہے وہ اس کو دیکھے گا" اور اسی طرح ﴿قَوْلُهُ: وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا.﴾ ۴۱ "اور جو کچھ ان لوگوں نے (دنیا میں) کیا تھا اس کو (لکھا ہوا) موجود پائیں گے" اور جو روایات تجسم اعمال اور ان کی غیبی ملکوتی صورتوں پر دلالت کرتی ہیں وہ متفرق ابواب میں بہت ہیں۔ میں صرف بعض کا ذکر کرتا ہوں۔

﴿رَوَى الصَّدُوْقُ، قُدِّسَ سِرُّهُ، بِإِسْنَادِهِ عَنْ أَبِي عَبْدِاللّٰهِ، عَلَيْهِ السَّلَامُ، قَالَ: مَنْ صَلَّى الصَّلَوَاتِ الْمَفْرُوضَاتِ فِي أَوَّلِ وَقْتِهَا وَأَقَامَ حُدُوْدَهَا، رَفَعَهَا الْمَلَكُ إِلَى السَّمَاءِ بَيْضَاءَ نَقِيَّةً، تَقُوْلُ: حَفِظَكَ اللّٰهُ كَمَا حَفِظْتَنِي، اِسْتَوْدَعَنِي مَلَكٌ كَرِيْمٌ. وَمَنْ صَلَّاهَا بَعْدَ وَقْتِهَا مِنْ غَيْرِ عِلَّةٍ وَلَمْ يُقِمْ حُدُوْدَهَا، رَفَعَهَا الْمَلَكُ سَوْدَاءَ مُظْلِمَةً، وَهِيَ تَهْتِفُ بِهِ: ضَيَّعْتَنِي ضَيَّعَكَ اللّٰهُ كَمَا ضَيَّعْتَنِي، وَلَا رَعَاكَ اللّٰهُ كَمَا لَمْ تَرْعَنِي.﴾ ۴۲

"امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں، جو شخص واجبی نمازوں کو ان کے اوّل وقت میں پڑھے گا اور ان کے حدود کو قائم کرے گا یعنی پورے اجزاء و شرائط کے ساتھ بجالائے گا تو ملک اس کو آسمان کی طرف لے جائے گا اس حالت میں کہ وہ سفید و پاکیزہ ہوگی (اور) وہ نماز کہے گی جس طرح تو نے میری حفاظت کی خدا تیری حفاظت کرے۔ ملک کریم نے مجھے بطور امانت رکھ لیا اور جو شخص ان واجبی نمازوں کو کسی عذر کے بغیر اوّل وقت کے بعد پڑھے گا اور اس کے حدود کو قائم نہ رکھے گا تو ملک اس کو لے جائے گا اس حالت میں کہ وہ تاریک و سیاہ ہوں گی اور چیخ (چیخ) کر کہہ رہی ہوں گی تو نے مجھے برباد کیا جس طرح تو نے مجھے برباد کیا خدا تجھے برباد کرے اور جس طرح تو نے میری رعایت نہ کی خدا تیری رعایت نہ کرے"

اس حدیث سے جس طرح عمل کی ملکوتی صورت ثابت ہوتی ہے اسی طرح اس کی زندگی اور شئون زندگی بھی ثابت ہوتی ہے اور یہ بھی ایک قسم کا برہان ہے اور روایات کی دلالت اس پر ہے کہ تمام موجودات حیات ملکوتی رکھتے ہیں اور عالم ملکوت سراسر زندگی و علم ہے ﴿وَإِنَّ الدَّارَ الْآخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ.﴾ ۴۳ "اور آخرت ہی (ابدی زندگی) ہے"

﴿وَفِي الْكَافِي بِإِسْنَادِهِ عَنْ أَبِي عَبْدِاللّٰهِ، عَلَيْهِ السَّلَامُ، فِي حَدِيْثٍ طَوِيْلٍ: إِذَا بَعَثَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنَ مِنْ قَبْرِهِ، خَرَجَ مَعَهُ مِثَالٌ يَقْدُمُ أَمَامَهُ كُلَّمَا يَرَى الْمُؤْمِنُ

Presented by www.ziaraat.com

هَوْلاً مِنْ اَهْوالِ يَوْمِ الْقِيامَةِ، قالَ لَهُ الْمِثالُ: لاتَفْزَعْ وَلاتَحْزَنْ وَاَبْشِرْ بِالسُّرُورِ وَالْكَرامَةِ مِنَ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ، حَتّٰى يَقِفَ بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ فَيُحاسِبُهُ حِساباً يَسِيراً وَيَأْمُرُبِهِ اِلَى الْجَنَّةِ، وَالْمِثالُ اَمامَهُ، فَيَقُولُ لَهُ الْمُؤْمِنُ: يَرْحَمُكَ اللّٰهُ، نِعْمَ الْخارِجُ خَرَجْتَ مَعِي مِنْ قَبْرِي وَمازِلْتَ تُبَشِّرُنِي بِالسُّرُورِ وَالْكَرامَةِ مِنَ اللّٰهِ حَتّٰى رَاَيْتُ ذٰلِكَ. فَيَقُولُ: مَنْ اَنْتَ؟ فَيَقُولُ: اَنَا السُّرُورُ الَّذِي كُنْتَ اَدْخَلْتَهُ عَلٰى اَخِيكَ الْمُؤْمِنِ فِي الدُّنْيا، خَلَقَنِيَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ مِنْهُ لِاُبَشِّرَكَ.» ۳۴

"کافی میں امام جعفر صادقؑ سے منقول ہے کہ آپ نے ایک طویل حدیث میں فرمایا: جب خدا مومن کو اس کی قبر سے اٹھائے گا تو اس کے ساتھ ایک مثال بھی نکلے گی جو اس مومن کے آگے آگے چلے گی۔ مومن جب بھی قیامت کے کسی ہول کو دیکھے گا تو وہ مثال کہے گی: ڈرو نہیں اور غمگین نہ ہو خدا کی طرف سے سرور و کرامت کی بشارت ہو۔ یہاں تک کہ وہ مومن خدا کے سامنے حساب کے لئے کھڑا ہوگا اور خدا اس سے سہولی سا حساب لے گا اور جنت میں جانے کا حکم دیدے گا اور وہ مثال اس کے آگے آگے رہے گی۔ پھر مومن اس مثال سے کہے گا: خدا تجھ پر رحمت نازل کرے تو وہ بہترین چیز ہے جو میرے ساتھ نکلی تو میرے ساتھ قبر سے نکلی اور برابر خدا کی طرف سے مسرت و کرامت کی خوشخبری دیتی رہی یہاں تک کہ میں نے اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ اب ذرا بتا تو کون ہے؟ تو وہ مثال کہے گی: میں وہ سرور ہوں جو تو دنیا میں اپنے برادر مومن کے دل میں ڈالتا رہا تھا۔ خداوند عالم نے مجھے اسی سے خلق کیا ہے تاکہ تجھے خوشخبری دوں۔"

اس حدیث میں بھی آخرت میں اعمال کے تجسم و تمثل پر واضح دلالت موجود ہے اور شیخ اجل جناب شیخ بہائیؒ نے بھی اسی حدیث کے ذیل میں فرمایا ہے: بعض اخبار تجسم اعتقادات پر بھی دلالت کرتے ہیں۔ پس صحیح اعمال و عقائد خوشنما منظر اور نورانی صورت میں ظاہر ہوں گے اور اپنے عمل کرنے والوں کے لئے کمال سرور و مسرت کا سبب ہوں گے اور بُرے اعمال و باطل عقائد بُری اور کریہہ و ظلمانی صورت میں ظاہر ہوں گے جو اپنے کرنے والوں کے لئے باعث اندوہ و دردناک ہوں گے۔ چنانچہ مفسرین کی ایک جماعت نے اس آیت: «يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُحْضَرًا وَمَا

Presented by www.ziaraat.com

یہ تو خدا کا فضل ہے کہ اس نے نوافل کو فرائض کے نقص کا جبران قرار دیا ہے اسی لئے ضروری ہے کہ حتی الامکان اس سے غفلت نہ کریں اور نوافل کو ترک نہ کریں۔

بہر حال میرے عزیز ذرا غفلت سے بیدار ہو اور اپنے بارے میں غور کرو اور نامۂ اعمال کو دیکھو اس بات سے ڈرو کہ اپنے خیال سے جس نماز، روزہ، حج وغیرہ کو تم عمل صالح سمجھتے تھے کہیں وہ عالم آخرت میں تمہارے لئے ذلت و رسوائی کا سبب نہ بن جائیں۔ اس لئے جب تک تم کو اس عالم میں فرصت ہے خود ہی میزانِ عمل قائم کرو اور میزانِ شریعت و ولایت اہل بیتؑ میں اپنے اعمال کو تولو اور ان کے صحت و فساد، نقص و کمال کو جانچ لو اور ان کا جبران کر لو۔ کیونکہ اگر یہاں پر محاسبہ نہ کیا اور اپنے اعمال کو درست نہ کیا اور وہاں تمہارے اعمال کی جانچ کی گئی اور میزانِ عمل قائم کی گئی تو بڑی مصیبتوں میں گرفتار ہو جاؤ گے۔ میزانِ عدلِ الٰہی سے ڈرو۔ کسی چیز پر مغرور نہ ہو، اپنی کوششوں میں کمی نہ کرو ذرا کبھی آلِ رسولؐ جو گناہ و خطا سے معصوم تھے ان کے اعمال کو دیکھو اور اس میں غور کرو تو پتا چلے گا کہ مسئلہ کتنا سخت ہے اور راہ کتنی تاریک و باریک ہے۔ لیجئے اس حدیث کو پڑھئے اور حدیث مفصل کو اس مجمل سے سمجھئے۔

«عَنْ فَخْرِ الطَّائِفَةِ وَ سِنادِها وَ ذُخْرِها وَ عِمادِها، مُحَمَّدُ بْنُ النُّعْمانِ الْمُفِيدِ رِضْوانَ اللّٰهُ عَلَيْهِ، فِي الْإِرْشادِ عَنْ سَعِيدِ بْنِ كُلْثُومٍ، عَنِ الصّادِقِ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ، عَلَيْهِما السَّلامُ، قالَ: وَاللّٰهِ، ما اَكَلَ عَلِيُّ بْنُ اَبِيطالِبٍ، عَلَيْهِ السَّلامُ، مِنَ الدُّنْيا حَراماً قَطُّ حَتّٰى مَضىٰ لِسَبِيلِهِ، وَما عَرَضَ لَهُ اَمْرانِ كِلاهُما لِلّٰهِ رِضاً اِلّا اَخَذَ بِاَشَدِّهِما عَلَيْهِ فِي بَدَنِهِ (خ ل: دِينِهِ)، وَما نَزَلَتْ بِرَسُولِ اللّٰهِ، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ، نازِلَةٌ قَطُّ اِلّا دَعاهُ ثِقَةً بِهِ، وَما اَطاقَ اَحَدٌ عَمَلَ رَسُولِ اللّٰهِ، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ، مِنْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ غَيْرُهُ، وَاِنْ كانَ لِيَعْمَلُ عَمَلَ رَجُلٍ كانَ وَجْهُهُ تَيْنَ الْجَنَّةِ وَالنّارِ يَرْجُو ثَوابَ هٰذِهِ وَيَخافُ عِقابَ هٰذِهِ. وَلَقَدْ اَعْتَقَ مِنْ مالِهِ اَلْفَ مَمْلُوكٍ فِي طَلَبِ وَجْهِ اللّٰهِ وَالنَّجاةِ مِنَ النّارِ مِمّا كَدَّ بِيَدَيْهِ وَرَشَحَ مِنْهُ جَبِينُهُ. وَاِنَّهُ كانَ لَيَقُوتُ اَهْلَهُ بِالزَّيْتِ وَالْخَلِّ وَالْعَجْوَةِ؛ وَما كانَ لِباسُهُ الْاَكْرابِيسَ؛ اِذا فَضَلَ شَيْءٌ عَنْ يَدِهِ، دَعا بِالْجَلَمِ فَقَصَّهُ. وَما اَشْبَهَهُ مِنْ وُلْدِهِ وَلا اَهْلِ بَيْتِهِ اَحَدٌ اَقْرَبُ شَبَهاً بِهِ فِي لِباسِهِ وَفِقْهِهِ مِنْ عَلِيِّ بْنِ

Presented by www.ziaraat.com

الْحُسَيْنِ، عَلَيْهِمَا السَّلَامُ. وَلَقَدْ دَخَلَ اَبُو جَعْفَرٍ، عَلَيْهِ السَّلَامُ، ابْنُهُ عَلَيْهِ فَاِذَا هُوَ قَدْ بَلَغَ مِنَ الْعِبَادَةِ مَا لَمْ يَبْلُغْهُ اَحَدٌ: فَرَآهُ قَدِ اصْفَرَّ لَوْنُهُ مِنَ السَّهَرِ وَرَمِصَتْ عَيْنَاهُ مِنَ الْبُكَاءِ وَدَبِرَتْ جَبْهَتُهُ وَانْخَرَمَ اَنْفُهُ مِنَ السُّجُودِ وَوَرِمَتْ سَاقَاهُ وَقَدَمَاهُ مِنَ الْقِيَامِ فِي الصَّلَاةِ. وَقَالَ اَبُو جَعْفَرٍ، عَلَيْهِ السَّلَامُ: فَلَمْ اَمْلِكْ حِينَ رَاَيْتُهُ بِتِلْكَ الْحَالِ الْبُكَاءَ فَبَكَيْتُ رَحْمَةً لَهُ فَاِذَا هُوَ يُفَكِّرُ فَالْتَفَتَ اِلَيَّ بَعْدَهُنَيْهَةٍ مِنْ دُخُولِي، فَقَالَ: يَا بُنَيَّ، اَعْطِنِي بَعْضَ تِلْكَ الصُّحُفِ الَّتِي فِيهَا عِبَادَةُ عَلِيِّ بْنِ اَبِي طَالِبٍ، عَلَيْهِ السَّلَامُ. فَاَعْطَيْتُهُ. فَقَرَاَ فِيهَا شَيْئاً يَسِيرًا، ثُمَّ تَرَكَهَا مِنْ يَدِهِ تَضَجُّرًا، وَقَالَ: مَنْ يَقْوَى عَلَى عِبَادَةِ عَلِيِّ بْنِ اَبِي طَالِبٍ، عَلَيْهِ السَّلَامُ.» ۴۴

امام جعفر صادق فرماتے ہیں: خدا کی قسم حضرت علیؑ نے دنیا سے کبھی بھی مرتے دم تک حرام شئی نہیں کھائی اور جب بھی ایسے دو امر پیش آئے جس میں خدا کی خوشنودی ہو تو آپ نے ان میں سے اسی کو اختیار کیا جو آپؑ کے بدن کے لئے زیادہ شدید ہو (دوسرے نسخے میں ہے جو آپ کے دین کے لئے زیادہ سخت ہو) اور رسولؐ خدا پر جب بھی کوئی مصیبت نازل ہوئی ہے آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ ہی کو پکارا ہے کیونکہ ان پر بہت زیادہ بھروسہ رکھتے تھے اور اس پوری اُمت میں کسی کو (سوائے علیؑ کے) آنحضرتؐ کے عمل کی طاقت نہیں تھی۔ آپؑ جو کچھ بھی عمل کرتے تھے خدا کے خوف کے ساتھ کرتے تھے اور آپؑ کا عمل جنت و نار کے درمیان ہوتا تھا (یعنی) اس کے ثواب کی اُمید رکھتے تھے اور اس کے عقاب سے خوفزدہ تھے۔ خدا کی خوشنودی اور جہنم سے آزادی کی خاطر اپنے کد یمین کی کمائی اور ایسی محنت کی کمائی جس سے پسینہ ٹپکنے لگے، اس سے ایک ہزار غلام خرید کر آزاد فرمایا۔ آپؑ کے اہل و عیال کی غذا روغن زیتون، سرکہ اور کھجور تھی۔ آپؑ کا لباس سوتی کپڑا تھا۔ اگر آستین لمبی ہوتی تھی تو قینچی لے کر خود ہی کاٹ دیتے تھے۔ آپؑ کی اولاد اور اہل بیتؑ میں لباس اور فقہ میں امام زین العابدینؑ سے زیادہ کوئی مشابہ نہ تھا۔ چنانچہ (ایک مرتبہ) آپؑ کے صاحبزادے امام محمد باقرؑ آپؑ کی خدمت میں آئے تو دیکھا حضرتؑ عبادت میں اس حد تک پہونچ گئے تھے جس حد تک کوئی نہیں پہونچا تھا (آپؑ نے دیکھا کہ) امام سجادؑ کا رنگ شب بیداری سے زرد ہو چکا ہے اور گریہ و زاری سے آنکھیں سوج گئی

Presented by www.ziaraat.com

تھیں (کثرتِ سجود) سے پیشانی زخمی ہوگئی تھی اور ناک پارہ ہوگئی تھی۔ نماز میں کثرتِ قیام سے پنڈلیاں اور قدم مبارک ورم کر گئے تھے (یہ دیکھ کر) امام محمد باقرؑ فرماتے ہیں: میں اپنا گریہ نہ روک سکا میں رحم کھا کر رونے لگا اور آپ متفکر تھے۔ میرے داخل ہونے کے تھوڑی دیر بعد میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: بیٹا بعض اوراق کو مجھے دو جن میں حضرت علیؑ کی عبادت درج ہے۔ میں نے دیا۔ آپؑ نے تھوڑا سا پڑھ کر ناگواری کی حالت میں اس کو رکھ کر فرمایا: بھلا کون حضرت علیؑ جیسی عبادت کر سکتا ہے؟"

وَعَنْ اَبِي جَعْفَرٍ، عَلَيْهِ السَّلَامُ: كَانَ عَلِيُّ بْنُ الْحُسَيْنِ، عَلَيْهِمَا السَّلَامُ، يُصَلِّي فِي الْيَوْمِ وَاللَّيْلَةِ اَلْفَ رَكْعَةٍ، وَكَانَتِ الرِّيحُ تُمَيِّلُهُ مِثْلَ السُّنْبُلَةِ. ۴۵

امام محمد باقرؑ فرماتے تھے: امام سجادؑ شب و روز میں ایک ہزار رکعت نماز پڑھا کرتے تھے اور ہوا ان کو (حالتِ نماز میں) بالیوں کی طرح ہلا دیتی تھی۔

میرے عزیزان حدیثوں میں تھوڑا سا غور کرو۔ دیکھو تو امام باقرؑ جو معصوم تھے اپنے باپ کی شدتِ عبادت اور کیفیتِ عبادت کو دیکھ کر روتے تھے۔ امام زین العابدینؑ اتنی پابندی اور کمالِ عبادت کے باوجود صحیفۂ علیؑ ابنِ طالبؑ کو تھوڑا سا پڑھ کر اظہارِ عاجزی فرماتے تھے۔ ویسے یہ صحیح ہے کہ مولی الموالی کی عبادت سے سب ہی عاجز ہیں اور معصومین کی عبادت سے ہر رعایا عاجز ہے لیکن انسان کو مقامِ عالی تک نہ پہونچ سکنے کی وجہ سے بالکل ہی (نماز کو) نہ چھوڑ دینا چاہیئے۔

یہ بھی جان لیجئے کہ یہ عبادتیں (معاذ اللہ) بیکار نہ تھیں بلکہ خطرناک و باریک راستہ ہے اور موت و قیامت کی گھاٹیاں اتنی مشکل ہیں کہ حقیقی اہلِ معرفت بھی عجز و زاری کیا کرتے تھے اور ہماری یہ سست انگاری ہمارے ایمان کی کمزوری اور عقیدہ کی کمزوری اور جہالت و نادانی کی وجہ سے ہے۔

بارالہا! تو بندوں کے دلوں سے آگاہ ہے۔ ہمارے قصور و تقصیر سے واقف ہے، ہماری کمزوری و ناتوانی سے مطلع ہے۔ سوال کرنے سے پہلے ہی تو نے ہم کو اپنی رحمتوں میں غرق کر دیا ہے۔ تیری نعمتیں بے مانگے اور تیرا فضل و کرم ہے۔ ہم اپنی تقصیر کا اعتراف کرتے ہیں، تیری غیر متناہی نعمتوں کا ہم نے کفران کیا ہے اپنے کو عذابِ الیم اور دخولِ جحیم کا مستحق جانتے ہیں۔ ہمارے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ کوئی وسیلہ نہیں ہے۔ سوائے اس کے کہ تو نے خود ہی اپنے انبیا کی زبانوں سے اپنے فضل و کرم، وسعت جود و رحمت کا تعارف کرایا ہے اور ہم اپنی استعداد کے مطابق تجھے انھیں صفات سے

Presented by www.ziaraat.com

جانتے ہیں تو ایک مشت خاک سے رحمت و فضل کے علاوہ کیا کرے گا؟

«اَیْنَ رَحْمَتُکَ الْوَاسِعَۃُ؟ اَیْنَ اَیَادِیْکَ الشَّامِلَۃُ؟ اَیْنَ فَضْلُکَ الْعَمِیْمُ؟ اَیْنَ کَرَمُکَ یَا کَرِیْمُ؟» ۴۶

"تیری وسیع رحمت کہاں ہے؟ تیری سب کو شامل نعمتیں کہاں ہیں؟ تیرا فضلِ عام کہاں ہے؟ اے کریم تیرا کرم کہاں گیا؟"

چوتھی فصل

عبادت کے لئے فراغت غنائے قلب کا سبب ہوتا ہے

یہ بات جاننی چاہیئے کہ غنا نفس کے صفاتِ کمالیہ میں سے ہے بلکہ موجود بما ھو موجود کے صفاتِ کمالیہ میں سے ہے اسی لئے خداوندِ عالم کے صفاتِ ذاتیہ میں سے غنا کا شمار ہوتا ہے۔ (لیکن) ثروت مندی اور مالداری یہ غنائے نفسانی کا سبب نہیں ہے۔ بلکہ یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ جو لوگ غنائے نفسانی کے مالک نہیں ہیں۔ وہ مال و منال، دولت و ثروت رکھنے کے باوجود حریص ہوتے ہیں اور ان کی حرص بڑھتی جاتی ہے اور چونکہ خداوندِ عالم کے علاوہ کوئی بھی بالذات غنی نہیں ہے اور تمام موجودات خاک سے لے کر افلاک تک اور ہیولائے اولیٰ سے لے کر جبروت تک سب ہی فقیر و ضرورت مند ہیں۔ اس لئے قلبی توجہ چاہے جتنی غیرِ خدا کی طرف ہو اور باطنی توجہ ملک و آبادی دُنیا کی طرف ہو۔ اس کا احتیاج و فقر بڑھتا جائے گا۔ قلبی و روحی احتیاج تو بہت ہی واضح ہے کیونکہ محض علاقہ مندی اور تعلق ہی افتقار و احتیاج ہے اور احتیاجِ خارجی جو افتقارِ قلبی کا موکد ہے وہ بھی زیادہ ہوتا جائے گا۔ اس لئے کہ کوئی بھی شخص خود بخود اپنے امور کا انتظام نہیں کر سکتا۔ بلکہ اس سلسلہ میں دوسروں کا محتاج ہوتا ہے اور ارباب ثروت چاہے بظاہر بے نیاز معلوم ہوتے ہوں لیکن اگر دقتِ نظر سے کام لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ جتنی ان کی ثروت بڑھتی جاتی ہے ان کے احتیاج میں اضافہ ہوتا جاتا ہے اور نیاز مندی بڑھتی ہی جاتی ہے یوں سمجھئے کہ ثروت مند حضرات وہ فقراء ہیں جو مالداری کا لباس پہنے ہیں اور ایسے نیاز مند ہیں جو بے نیازی کے لباس میں ہیں اور (یہ مسلّم ہے کہ) تدبیرِ امور اور دُنیا کی آبادکاری کی طرف

Presented by www.ziaraat.com

دل جتنا متوجہ ہوگا۔ اسی قدر دنیا سے علاقہ بڑھے گا، ذلت و رسوائی کا لباس زیادہ ہوگا، ذلت کی تاریکی اور احتیاج کی زیادتی اس کو اور گھیر لے گی۔ اس کے برعکس جو دنیا کے علاقہ مندی سے دور ہو اور قلبی طور سے غنی علی الاطلاق کی طرف متوجہ ہو یا موجودات کے فقرِ ذاتی کا قائل ہو اور یہ سمجھے کہ موجودات خود سے کسی چیز کے مالک نہیں ہیں۔ کوئی بھی قدرت و عزت و سلطنت نہیں ہے جس نے گوشِ دل سے ہاتف ملکوتی اور لسانِ غیبی خدا کی طرف سے اس آیت کو نہ سنا ہو:

«یٰا اَیُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ اِلَی اللّٰهِ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ»[47]

"اے لوگوں تم سب کے سب (ہر وقت) خدا کے محتاج ہو اور (صرف) خدا ہی سب سے بے پروا، سزاوار حمد (و ثنا) ہے" جو اس کا دل سے قائل ہوگا، وہی دونوں عالم سے بے نیاز ہوگا اور اس کا دل اتنا مستغنی ہو جائے گا کہ مُلک سلیمان بھی اس کی نظروں میں ہیچ نظر آئے گا۔ اگر زمین کے خزانوں کی کنجیاں اس کو پیش کی جائیں تو وہ اعتنا نہ کرے گا۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ جبرئیلؑ نے زمین کے خزانوں کی کنجیاں حضرت رسولؐ کو پیش کیں۔ مگر آنحضرتؐ نے تواضع فرمائی اور قبول نہیں فرمایا اور اپنی فقیری کو باعثِ فخر قرار دیا۔[48] حضرت علیؑ نے ابنِ عباس سے فرمایا: تمہاری یہ دنیا میری نظر میں میری اس پیوند زدہ جوتی سے بھی بدتر ہے۔[49] حضرت سید سجادؑ نے فرمایا: مجھے یہ بات ناگوار ہے کہ دنیا کو خالقِ دُنیا سے طلب کروں چہ جائیکہ اپنی جیسی مخلوق سے طلب کروں۔[50] اور رعیت کے سلسلہ میں جناب نجم الدین کبریٰ شدید و غلیظ قسموں کے بعد فرماتے ہیں: اگر مال و منال دنیا اور بہشت و حور و قصور آخرت مجھے عطا کی جائے اور اسی کے مالداروں کی صحبت بھی ہو اور دوسری طرف شقاوت دنیا و آخرت کے ساتھ فقیروں کی ہم نشینی ہو اور مجھے اختیار دیدیا جائے جو چاہوں لوں تو میں فقیروں کی ہم نشینی کو لوں گا (مگر) مالداروں کی صحبت کے عار کو نہیں خریدوں گا: «وَالنَّارُ خَیْرٌ مِنَ الْعَارِ»[52]

جی ہاں یہ حضرات جانتے تھے کہ خزائن دنیا اور مال و منال دنیا امیروں کی صحبت کے ساتھ قلب کو کتنا تاریک بنا دیتی ہے اور ارادہ کو کتنا ضعیف قرار دیتی ہے اور کتنا ناچیز قرار دیتی ہے اور قلب کو نیاز مند و فقیر بنا دیتی ہے اور (سب سے بڑی بات یہ ہے کہ) کامل علی الاطلاق کے نقطہ مرکزی سے غافل بنا دیتی ہے۔ لیکن اگر دل کو صاحبِ دل اور گھر کو صاحبِ خانہ کے سپرد کر دیجئے اور خود اس میں کوئی تصرف نہ کیجئے اور دوسروں سے اعراض کیجئے اور گھر کو غاصب کے حوالہ نہ کیجئے تو خود صاحبِ خانہ دل میں جلوہ فگن ہوتا ہے اور دل کو دریائے عزت و غنا میں غرق کر دیتا ہے۔ قلب کو بے نیازی سے بھر دیتا ہے۔ «وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ»[53] "عزت تو صرف خدا اور رسولؐ اور مومنین کے

Presented by www.ziaraat.com

هَوْلاً مِنْ اَهْوالِ يَوْمِ الْقِيامَةِ، قالَ لَهُ الْمِثالُ: لاتَفْزَعْ وَلاتَحْزَنْ وَابْشِرْ بِالسُّرُورِ وَالْكَرامَةِ مِنَ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ؛ حَتّٰى يَقِفَ بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ فَيُحاسِبُهُ حِساباً يَسِيراً وَيَأْمُرُ بِهِ اِلَى الْجَنَّةِ، وَالْمِثالُ اَمامَهُ؛ فَيَقُولُ لَهُ الْمُؤْمِنُ: يَرْحَمُكَ اللّٰهُ، نِعْمَ الْخارِجُ خَرَجْتَ مَعِي مِنْ قَبْرِي وَمازِلْتَ تُبَشِّرُنِي بِالسُّرُورِ وَالْكَرامَةِ مِنَ اللّٰهِ حَتّٰى رَاَيْتُ ذٰلِكَ. فَيَقُولُ: مَنْ اَنْتَ؟ فَيَقُولُ: اَنَا السُّرُورُ الَّذِي كُنْتَ اَدْخَلْتَهُ عَلٰى اَخِيكَ الْمُؤْمِنِ فِي الدُّنْيا؛ خَلَقَنِيَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ مِنْهُ لِاُبَشِّرَكَ.[۲۴]

"کافی میں امام جعفر صادقؑ سے منقول ہے کہ آپ نے ایک طویل حدیث میں فرمایا: جب خدا مومن کو اس کی قبر سے اٹھائے گا تو اس کے ساتھ ایک مثال بھی نکلے گی جو اس مومن کے آگے آگے چلے گی۔ مومن جب بھی قیامت کے کسی ہول کو دیکھے گا تو وہ مثال کہے گی: ڈرو نہیں اور غمگین نہ ہو خدا کی طرف سے سرور و کرامت کی بشارت ہو۔ یہاں تک کہ وہ مومن خدا کے سامنے حساب کے لئے کھڑا ہوگا اور خدا اس سے معمولی سا حساب لے گا اور جنت میں جانے کا حکم دے گا اور وہ مثال اس کے آگے آگے رہے گی۔ پھر مومن اس مثال سے کہے گا: خدا تجھ پر رحمت نازل کرے تو وہ بہترین چیز ہے جو میرے ساتھ نکلی تو میرے ساتھ قبر سے نکلی اور برابر خدا کی طرف سے مسرت و کرامت کی خوشخبری دیتی رہی یہاں تک کہ میں نے اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ اب ذرا بتا تو کون ہے؟ تو وہ مثال کہے گی: میں وہ سرور ہوں جو تو دنیا میں اپنے برادر مومن کے دل میں ڈالتا رہا تھا۔ خداوند عالم نے مجھے اسی سے خلق کیا ہے تاکہ تجھے خوشخبری دوں۔"

اس حدیث میں بھی آخرت میں اعمال کے تجسم و تمثل پر واضح دلالت موجود ہے اور شیخ اجل جناب شیخ بہائیؒ نے بھی اس حدیث کے ذیل میں فرمایا ہے: بعض اخبار تجسم اعتقادات پر بھی دلالت کرتے ہیں۔ پس صحیح اعمال و عقائد خوش منظر اور نورانی صورت میں ظاہر ہوں گے اور اپنے عمل کرنے والوں کے لئے کمال سرور و مسرت کا سبب ہوں گے اور برے اعمال و باطل عقائد بری اور قبیح و ظلمانی صورت میں ظاہر ہوں گے جو اپنے کرنے والوں کے لئے باعث اندوہ و دردناک ہوں گے۔ چنانچہ مفسرین کی ایک جماعت نے اس آیت: ﴿يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُحْضَرًا وَمَا

Presented by www.ziaraat.com

عَمِلَتْ مِنْ سُوْءٍ تَوَدُّ لَوْ اَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهُ اَمَدًا بَعِيْدًا۔" ۳۶ "جس دن ہر شخص جو کچھ اس نے (دنیا میں) نیکی کی ہے اور جو کچھ برائی کی ہے اس کو موجود پائے گا (اور) آرزو کرے گا کہ کاش اس کی بدی اور اس کے درمیان میں زمانۂ (دراز) حائل ہو جاتا" کے ذیل اسی بات کو کہا ہے کہ یہ آیت ہم کو خدا کے اس قول کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔ "يَوْمَئِذٍ يَصْدُرُ النَّاسُ اَشْتَاتًا لِيُرَوْا اَعْمَالَهُمْ..." ۳۷ "اس دن لوگ گروہ گروہ (اپنی قبروں سے) نکلیں گے تاکہ اپنے اعمال کو دیکھیں" اور جو لوگ آیت میں جزا کو مقدر مانتے ہیں اور کہتے ہیں "لِيُرَوْا جَزَاءَ اَعْمَالِهِمْ" ہے اور "يَرَهُ" کی ضمیر کو عمل کی طرف نہیں پلٹاتے وہ حق سے بہت دور جا پڑے ہیں۔ انتہیٰ مترجما ۳۸

اس جگہ پر بعض جلیل القدر محدثین کا عجیب و غریب کلام ہے ۳۹ جس کا ذکر کرنا بہتر ہے اور ان کے ذہن میں جو بات آئی ہے وہ اس وجہ سے ہے کہ ان کو گمان ہے کہ تجسم اعمال کے عقیدہ اور معاد جسمانی کے عقیدے میں تضاد ہے حالانکہ یہ مطلب تضاد نہیں رکھتا ہے بلکہ اس کا موکد ہے اور لفظ "تمثل" جو یہاں ہے یہ ایسا ہی ہے جیسے: "فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا" ۴۰ "تو وہ اچھے خاصے آدمی کی صورت بن کر ان کے سامنے آ کھڑا ہوا" میں آیا ہے یعنی حقیقتاً بصورت جسمانیت متمثل ہوتا ہے نہ کہ صرف وہم و گمان اور خواب کی صورت میں ملک متمثل ہوتا ہے اور یہ بات برہان قوی کے مطابق ہے جو اپنی جگہ مسلم ہے۔ محض ہماری عقل میں نہ آنے کی وجہ سے اور مذہب حکما و فلاسفہ کے مطابق ہونے کی وجہ سے اس کو ناپسند نہیں کیا جا سکتا۔ بہترین بات یہی ہے کہ مخبر پروردگار اور معصومین میں سر تسلیم خم کر لیا جائے۔

بس معلوم ہوا کہ جو عمل مقبول بارگاہ ایزدی ہو جائے وہ اچھی صورت کا ہوتا ہے اور اپنی مناسبت سے حور و قصور اور جنات عالیات اور انہار جاریات کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ کائنات کے اندر کوئی موجود بلاوجہ متحقق نہیں ہوتا۔ بلکہ اس میں ایک عقلی ارتباط ہوتا ہے بس اتنی بات ضرور ہے کہ کامل اولیا کے علاوہ کوئی اس کو کشف نہیں کر سکتا۔ اجمالاً یہ باتیں میزان عقل کے تحت ہیں اور برہان حکمی کے مطابق ہے۔

جب یہ بات معلوم ہو گئی کہ آخرت کی تلذذ اور لذت کا دار مدار اعمال سے وابستہ ہے اور اعمال کی صورت کمالیہ ہی اس عالم میں منتقل ہوا کرتی ہے اور اعمال سے مراد وہ عبادتیں ہیں جو کشف تام محمدیؐ کے طفیل ملت مسلمان اس پر اطلاع ہو گئی اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ حسن عمل اور کمال عمل، نیت و اقبال قلب اور حفظ حدود کے تابع ہے اور اگر کسی عمل میں یہ تمام صفات یا بعض نہ ہوں تو وہ عمل

Presented by www.ziaraat.com

درجۂ اعتبار سے ساقط ہے۔ بلکہ اپنی بُری و قبیح صورت کے ساتھ دوسرے عالم میں منتقل ہوگا جیسا کہ اخبار و آثار میں بھی یہی آیا ہے۔" تو ہر عالم غیب و اخبارِ انبیا و اولیا اور اہل معرفت پر ایمان لانے والے اور حیاتِ ابدی و زندگیٔ جاوید کے خواہش مند حضرات کے لئے ضروری ہے کہ ہر قیمت پر زحمت برداشت کرکے اور ریاضت کے ذریعہ اپنے اعمال کی اصلاح کریں اور پھر جب ظاہری طور سے ان کی صورت قواعد اجتہاد یا رائے فقہا کے مطابق ہو تو پھر سیرت اور ان کے باطن کے لئے کوشش کرے اور زحمت برداشت کرکے کم از کم واجبات کو حضورِ قلب کے ساتھ بجالائے اور نوافل کے ذریعہ اس کے نقصان کا جبران کرے۔ اس لئے کہ احادیث میں آیا ہے کہ نوافل فرائض کی کمی کو پورا کر دیتے ہیں اور فرائض کی قبولیت کا سبب بنتے ہیں۔ (چنانچہ ملاحظہ فرمایئے۔)

«فِي الْعِلَلِ بِاِسْنَادِهِ عَنْ اَبِي جَعْفَرٍ، عَلَيْهِ السَّلَامُ، قَالَ: اِنَّمَا جُعِلَتِ النَّافِلَةُ لِيَتِمَّ بِهَا مَا يَفْسُدُ مِنَ الْفَرِيضَةِ.» [41]

علل میں اپنی اسناد کے ساتھ امام محمد باقرؑ سے روایت ہے کہ امام محمد باقرؑ نے فرمایا: نافلہ کو اس لئے (مستحب) قرار دیا گیا ہے تاکہ فریضہ کی کمی کو اس سے کامل کر دیا جائے۔"

«وَرَوَى الشَّيْخُ، قُدِّسَ سِرُّهُ، بِاِسْنَادِهِ عَنْ اَبِي بَصِيرٍ، قَالَ قَالَ اَبُو عَبْدِاللّٰهِ، عَلَيْهِ السَّلَامُ: يُرْفَعُ لِلرَّجُلِ مِنَ الصَّلَاةِ رُبْعُهَا اَوْ ثُمُنُهَا اَوْ نِصْفُهَا اَوْ اَكْثَرُ بِقَدْرِ مَا سَهَا؛ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يُتِمُّ ذٰلِكَ بِالنَّوَافِلِ.» [42]

شیخؒ نے اپنی اسناد کے ذریعہ ابوبصیر سے نقل کیا ہے کہ وہ کہتے ہیں: "امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: انسان کی نماز کا ۱/۴ یا ۱/۸ یا ۱/۲ حصہ یا جتنا سہو ہوا ہے اس سے کچھ زیادہ بلند کیا جاتا ہے (یعنی قبول کیا جاتا ہے) لیکن ما بقی کو خدا نوافل کے ذریعہ مکمل کر دیتا ہے۔"

اس قسم کی روایات بہت ہیں اور یہ تو سب ہی کو معلوم ہے کہ ہم لوگ سہو و نسیان سے خالی نہیں ہیں (اسی طرح) اختلالِ حواس اور وہ چیزیں نماز یا کمالِ نماز کے منافی ہیں ان سے بھی خالی نہیں ہیں

لے:- بقدر ما سها: اس حدیث کا مطلب جیسا کہ دوسری روایات میں آیا ہے یہ ہے کہ نماز کا اتنا ہی حصہ قبول ہوتا ہے جو توجہ قلب کے ساتھ بجالایا جائے لہٰذا بقدر ما سها اصل نسبت کا بیان ہے نہ کہ جو مقبول ہوتا ہے اور احتمال ہے کہ سہو کے معنی یہاں سکونِ قلب اور لین قلب کے ہوں کیونکہ سہو بمعنی سکون و لین آیا ہے جیسا کہ جوہری نے کہا ہے۔ (منہ عفی عنہ)

Presented by www.ziaraat.com

یہ تو خدا کا فضل ہے کہ اس نے نوافل کو فرائض کے نقص کا جبران قرار دیا ہے اسی لئے ضروری ہے کہ حتی الامکان اس سے غفلت نہ کریں اور نوافل کو ترک نہ کریں۔

بہرحال میرے عزیز ذرا غفلت سے بیدار ہو اور اپنے بارے میں غور کرو اور نامۂ اعمال کو دیکھو۔ اس بات سے ڈرو کہ اپنے خیال سے جس نماز، روزہ، حج وغیرہ کو تم عمل صالح سمجھتے تھے کہیں وہ عالم آخرت میں تمہارے لئے ذلت و رسوائی کا سبب نہ بن جائیں۔ اس لئے جب تک تم کو اس عالم میں فرصت ہے خود ہی میزانِ عمل قائم کرو اور میزانِ شریعت و ولایت اہل بیتؑ میں اپنے اعمال کو تولو اور ان کے صحت و فساد، نقص و کمال کو جانچ لو اور ان کا جبران کر لو۔ کیونکہ اگر یہاں پر محاسبہ نہ کیا اور اپنے اعمال کو درست نہ کیا اور وہاں تمہارے اعمال کی جانچ کی گئی اور میزانِ عمل قائم کی گئی تو بڑی مصیبتوں میں گرفتار ہو جاؤ گے۔ میزانِ عدلِ الٰہی سے ڈرو۔ کسی چیز پر مغرور نہ ہو، اپنی کوششوں میں کمی نہ کرو ذرا کبھی آلِ رسولؐ جو گناہ و خطا سے معصوم تھے ان کے اعمال کو دیکھو اور اس میں غور کرو تو پتا چلے گا کہ مسئلہ کتنا سخت ہے اور راہ کتنا باریک و باریک ہے۔ لیجئے اس حدیث کو پڑھئے اور حدیث مفصل کو اس مجمل سے سمجھئے۔

«عَنْ فَخْرِ الطَّائِفَةِ وَ سِنادِها وَ ذُخْرِها وَ عِمادِها، مُحَمَّدِبْنِ النُّعْمانِ الْمُفِيدِ رِضْوانَ اللّٰهُ عَلَيْهِ، فِي الْاِرْشادِ عَنْ سَعِيدِبْنِ كُلْثُومٍ، عَنِ الصّادِقِ جَعْفَرِبْنِ مُحَمَّدٍ، عَلَيْهِمَا السَّلامُ، قالَ: وَاللّٰهِ، ما اَكَلَ عَلِيُّ بْنُ اَبِيطالِبٍ، عَلَيْهِ السَّلامُ، مِنَ الدُّنْيا حَراماً قَطُّ حَتّٰى مَضىٰ لِسَبِيلِهِ، وَما عَرَضَ لَهُ اَمْرانِ كِلاهُمَا لِلّٰهِ رِضاً اِلّا اَخَذَ بِاَشَدِّهِما عَلَيْهِ فِي بَدَنِهِ (خ ل: دِينِهِ)، وَما نَزَلَتْ بِرَسُولِ اللّٰهِ، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ، نازِلَةٌ قَطُّ اِلّا دَعاهُ ثِقَةً بِهِ، وَما اَطاقَ اَحَدٌ عَمَلَ رَسُولِ اللّٰهِ، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ، مِنْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ غَيْرُهُ، وَاِنْ كانَ لِيَعْمَلُ عَمَلَ رَجُلٍ كانَ وَجْهُهُ بَيْنَ الْجَنَّةِ وَالنّارِ يَرْجُو ثَوابَ هٰذِهِ وَيَخافُ عِقابَ هٰذِهِ. وَلَقَدْ اَعْتَقَ مِنْ مالِهِ اَلْفَ مَمْلُوكٍ فِي طَلَبِ وَجْهِ اللّٰهِ وَالنَّجاةِ مِنَ النّارِ مِمّا كَدَّ بِيَدَيْهِ وَرَشَحَ مِنْهُ جَبِينُهُ. وَاِنَّهُ كانَ لَيَقُوتُ اَهْلَهُ بِالزَّيْتِ وَالْخَلِّ وَالْعَجْوَةِ؛ وَما كانَ لِباسُهُ الْاِكْرابِيسَ؛ اِذا فَضَلَ شَيْءٌ عَنْ يَدِهِ، دَعا بِالْجَلَمِ فَقَصَّهُ. وَما اَشْبَهَهُ مِنْ وُلْدِهِ وَلا اَهْلِ بَيْتِهِ اَحَدٌ اَقْرَبُ شَبَهاً بِهِ فِي لِباسِهِ وَفِقْهِهِ مِنْ عَلِيِّ بْنِ

Presented by www.ziaraat.com

لئے ہے۔" اور پھر صاحبِ خانہ ہی گھر کے امور کا ارادہ کرتا ہے اور انسان کو اس کے حوالہ نہیں کر دیتا۔ (بلکہ) بندے کے تمام امور میں خود متصرف ہوتا ہے۔ بلکہ وہی بندے کی سماعت و بصارت اور ہاتھ پاؤں بن جاتا ہے اور نتیجۂ قربِ نوافل پیدا ہو جاتا ہے۔ چنانچہ حدیث میں آیا ہے:

«كَافِي بِإِسْنَادِهِ عَنْ اَبِي جَعْفَرٍ، عَلَيْهِ السَّلَامُ، فِي حَدِيْثٍ: وَاِنَّهُ لَيَتَقَرَّبُ اِلَيَّ بِالنَّافِلَةِ حَتّٰى اُحِبَّهُ؛ فَاِذَا اَحْبَبْتُهُ، كُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِي يَسْمَعُ بِهِ، وَبَصَرَهُ الَّذِي يُبْصِرُ بِهِ، وَلِسَانَهُ الَّذِي يَنْطِقُ بِهِ، وَ يَدَهُ الَّتِي يَبْطِشُ بِهَا... اَلْحَدِيثَ.» ۵۲

کافی میں بسندِ خود ایک حدیث میں امام محمد باقرؑ سے نقل کیا ہے کہ: (خدا فرماتا ہے) "میرا بندہ اپنے نوافل سے مجھ سے قریب ہو جاتا ہے اور (جب قریب ہو جاتا ہے تو) میں اس سے محبت کرتا ہوں اور جب میں اس سے محبت کرتا ہوں تو میں اس کی وہ سماعت بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور وہ بصارت بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے۔ اس کی وہ زبان بن جاتا ہوں جس سے وہ بولتا ہے اور اس کا وہ ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ گرفت کرتا ہے۔"

اس کے بعد بندے کا فقر و فاقہ بالکلیہ ختم ہو جاتا ہے اور وہ دونوں عالم سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔ البتہ جب یہ تجلّی ہوتی ہے تو تمام موجودات سے اس کا خوف دور ہو جاتا ہے اور اس کی جگہ خوفِ خدا لے لیتا ہے اور خدا کی عظمت و حشمت اس کے پورے دل پر چھا جاتی ہے اور وہ غیرِ حق کے لئے نہ کوئی عظمت نہ حشمت نہ تصرف کا قائل ہوتا ہے اور «لَا مُؤَثِّرَ فِي الْوُجُودِ اِلَّا اللّٰهُ» کی حقیقت کو قلب دریافت کر لیتا ہے اور اس حدیث میں بعض ان معانی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا "میری عبادت کے لئے فراغت حاصل کرو اور تمہارے دل کو غنا سے بھر دوں گا اور یہ فراغت قلب ممکن ہے انسان کو رفتہ رفتہ حضورِ قلب برائے عبادت کے اعلیٰ درجہ تک پہونچا دے۔

یہ وہ آثار ہیں جن کا تھوڑا سا ذکر کیا گیا۔ اگر دل (ذکرِ) حق سے منصرف ہو گیا اور اس کی طرف توجہ کے لئے فراغت نہ رہ گئی تو یہ غفلت تمام شقاوتوں کا سرمایہ اور تمام نقائص و امراضِ قلوب کا سرچشمہ بن جاتا ہے اور اس غفلت کی وجہ سے پورے دل پر تاریکی چھا جاتی ہے اور قلب و خدا کے درمیان ایسے بڑے موٹے پردے پڑ جاتے ہیں جس کی وجہ سے نورِ ہدایت وہاں تک جا ہی نہیں سکتا اور وہ الٰہی توفیقات سے محروم ہو جاتا ہے اور پھر دل یک دم سے دُنیا اور تعمیرِ بطن و فرج میں مشغول ہو جاتا ہے اور انیت و انانیت کے پردے میں ڈوب جاتا ہے اور نفس سرکش ہو جاتا ہے اور انانیت کی طرف بڑھنے لگتا ہے

Presented by www.ziaraat.com

اور اس کی ذاتی ذلت اور حقیقی فقر واضح ہو جاتا ہے اور اس کے تمام حرکات و سکنات پیش گاہ حق سے دور ہوتے جاتے ہیں اور ذلت شامل ہو جاتی ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں بعض ان معانی کی تعبیر کی گئی ہے: (ارشاد ہے) "میں تیرے دل کو اشتغال بہ دنیا سے بھر دوں گا اور اس کے فقر و فاقہ کو بند نہ کروں گا اور تمام امور کو اسی کے حوالہ کر دوں گا۔"

نکتہ

یہ جو کہا گیا ہے کہ خدا بندے کے حوالے کر دیتا ہے اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس کو تفویض کر دیتا ہے اس لئے کہ یہ بات مشرب عرفان و مسلک برہان و مذہب حق کے نزدیک محال و باطل ہے کیونکہ کوئی بھی موجود تصرف حق اور اس کی قدرت کے احاطہ سے باہر نہیں ہے۔ اس کا امر تصرف امور میں اس کے حوالہ نہیں کیا جا سکتا۔ چونکہ بندہ خدا سے منصرف ہوتا ہے اور امور دنیاوی میں مشغول ہو جاتا ہے، طبیعت اس پر حاکم ہو جاتی ہے، انانیت غالب آجاتی ہے خود بینی و خود خواہی و خود پرستی اس میں کارگر ہو جاتی ہے بس اسی بات کو بندے کے حوالہ کر دینے سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ لیکن جس بندے کا اہل خدا اور ملکوت اعلیٰ کی طرف متوجہ ہے اور اس کے پورے دل کو نور حق نے اپنی گرفت میں لے لیا ہے اس کے تصرفات مجبوراً حقانی بلکہ بعض اوقات اس کا وجود بھی حقانی ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ کافی کی حدیث میں تقرب نوافل کے ضمن میں بعض انہی مقامات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ «وَاللّٰهُ الْعَالِمُ.»

Presented by www.ziaraat.com

ستائیسویں حدیث کی توضیحات

۱۔ اصول کافی جلد ۲ ص ۸۲، کتاب ایمان وکفر "باب العبادۃ" حدیث ۱۔
۲۔ فروع کافی جلد ۳ ص ۲۶۹، کتاب الصلوٰۃ "باب من حافظ علی صلوٰتہ او ضیعہا" حدیث ۱۷۔
۳۔ فروع کافی جلد ۳ ص ۲۷۰، کتاب الصلوٰۃ "باب من حافظ علی صلاتہ او ضیعہا" حدیث ۱۵۔
۴۔ حدیث ۱۲، توضیح ۲۳۔
۵۔ کشف المحجۃ ص ۲۱، فصل ۴۸۔
۶۔ امام محمد باقرؑ نے اپنے باپ کے لئے فرمایا:

"كَانَ عَلِيُّ بْنُ الْحُسَيْنِ يُصَلِّي فِي الْيَوْمِ وَاللَّيْلَةِ أَلْفَ رَكْعَةٍ وَكَانَتِ الرِّيحُ تُمِيلُهُ بِمَنْزِلَةِ السُّنْبُلَةِ. وَكَانَتْ لَهُ خَمْسُمِائَةِ نَخْلَةٍ فَكَانَ يُصَلِّي عِنْدَ كُلِّ نَخْلَةٍ رَكْعَتَيْنِ، وَكَانَ إِذَا قَامَ فِي صَلَاتِهِ، غَشِيَ لَوْنُهُ لَوْنَ آخَرَ وَكَانَ قِيَامُهُ فِي صَلَاتِهِ قِيَامَ الْعَبْدِ الذَّلِيلِ بَيْنَ يَدَيِ الْمَلِكِ الْجَلِيلِ. كَانَ أَعْضَاؤُهُ تَرْتَعِدُ مِنْ خَشْيَةِ اللَّهِ. وَكَانَ يُصَلِّي صَلَاةَ مُوَدِّعٍ يَرَى أَنَّهُ لَا يُصَلِّي بَعْدَهَا أَبَدًا۔"

"آپؑ کے پاس پانچ سو کھجور کے درخت تھے تو آپ ہر درخت کے پاس دو رکعت نماز پڑھتے تھے اور جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تھے تو آپ کا رنگ بدل جاتا تھا۔ نماز میں اس طرح کھڑے ہوتے تھے جیسے کوئی عبد ذلیل مالک جلیل کے سامنے کھڑا ہو۔ خوف خدا سے آپؑ کے اعضاء کانپتے تھے اور ہر نماز ایسی پڑھتے تھے جیسے یہ آخری ہے اس کے بعد نماز کی نوبت نہیں آئے گی۔ بحار جلد ۴۶ ص ۸۰، "تاریخ سید الساجدینؑ" باب ۵ حدیث ۷۵۔

۷۔ جامع السعادات جلد ۱ ص ۲۲۸۔

Presented by www.ziaraat.com

۸۔ فروع کافی جلد ۳ ص ۲۶۳ "کتاب الصلوٰۃ" باب مایقبل من صلوٰۃ الساہی، حدیث ۴۔

۹۔ حدیث ۱، توضیح ۲۰۔

۱۰۔ وسائل جلد ۴ ص ۶۸۸، کتاب الصلوٰۃ، باب ۳ از ابواب افعال الصلوٰۃ، حدیث ۶۔

۱۱۔ خصال ص ۶۱۲ "باب الواحد الی المأۃ" حدیث ۱۰۔ وسائل جلد ۴ ص ۶۸۵، کتاب الصلوٰۃ باب ۲ از ابواب افعال الصلوٰۃ، حدیث ۴۔

۱۲۔ ثواب الاعمال وعقاب الاعمال ص ۵۷ "ثواب الصلوٰۃ" حدیث ۲ وسائل الشیعہ جلد ۴ ص ۶۸۵، کتاب الصلوٰۃ، باب ۲ از ابواب افعال الصلوٰۃ، حدیث ۶۔

۱۳۔ ثواب الاعمال وعقاب الاعمال ص ۲۴۲ "ثواب الورع والزہد والاقبال الی اللہ" حدیث ۱۔ وسائل الشیعہ جلد ۴ ص ۶۸۶ "کتاب الصلوٰۃ" باب ۲ از ابواب افعال الصلوٰۃ، حدیث ۶۔

۱۴۔ بحار جلد ۹۱، ص ۷، ۹۔ ۹۹ کتاب الذکر والدعا، باب ۲۳ حدیث ۱۲، اقبال الاعمال، اعمال ماہ شعبان، مصباح المتہجد وسلاح المتعبد ص ۴۷۳۔

۱۵۔ ثواب الاعمال وعقاب الاعمال ص ۵۷، "ثواب من صلی رکعتین یعلم مایقول فیھما" حدیث ۱ وسائل جلد ۴ ص ۶۸۶ "کتاب الصلوٰۃ" باب ۳ از ابواب افعال الصلوٰۃ حدیث ۲۔

۱۶۔ ثواب الاعمال وعقاب الاعمال "ثواب من صلی رکعتین خفیفتین فی تفکر" ص ۶۷، ۶۸، حدیث ۱۔ وسائل جلد ۴ ص ۶۸۸، کتاب الصلوٰۃ باب ۳ از ابواب افعال الصلوٰۃ، حدیث ۵۔

۱۷۔ ص / ۲۴۴

۱۸۔ مرحوم شاہ آبادی مراد ہیں۔

۱۹۔ ص / ۵۳۸

۲۰۔ اصول کافی جلد ۱ ص ۱۱۰ "کتاب التوحید" باب الارادۃ انھا من صفات الفعل حدیث ۴۔

۲۱۔ حدیث ۸، توضیح ۱۷۔

۲۲۔ سورۂ نساء آیت ۱۰۰۔

۲۳۔ سورۂ مدثر آیت ۱، ۲۔

۲۴۔ رسول خدا نے فرمایا:

"مَثَلِي فِي النَّبِيِّينَ كَمَثَلِ رَجُلٍ بَنَى دَارًا فَأَحْسَنَهَا وَأَكْمَلَهَا وَتَرَكَ فِيهَا مَوْضِعَ لَبِنَةٍ لَمْ يَضَعْهَا فَجَعَلَ النَّاسُ يَطُوفُونَ بِالْبُنْيَانِ وَيَعْجَبُونَ مِنْهُ وَيَقُولُونَ: لَوْ تَمَّ مَوْضِعُ هَذِهِ اللَّبِنَةِ. فَأَنَا فِي النَّبِيِّينَ مَوْضِعُ تِلْكَ اللَّبِنَةِ۔" "انبیاء کے درمیان میری مثال اس شخص کی طرح ہے جس نے بہت عمدہ، مکمل اور خوبصورت گھر بنایا ہو۔ (لیکن) اس میں ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی ہو۔ اس کے بعد لوگ اس گھر کا طواف کرنے لگے اور اس پر تعجب کرنے لگے اور کہنے لگے کاش اس اینٹ کی جگہ بھی پُر ہو گئی ہوتی پس میں انبیاء میں اس اینٹ کی جگہ ہوں۔ کنز العمال جلد ۱۱ ص ۴۴۳ حدیث ۳۱۹۸۱۔

Presented by www.ziaraat.com

۲۵۔ مفاتیح الجنان ص ۱۰۷۔۱۰۸ "ذکر ادب العبد فی قرأت القرآن فی الصلوٰۃ"۔
۲۶۔ اربعین مجلسی (ص ۱۷۷۔ شرح حدیث ۱۵) حدیث کے اندر "حالت" کے بجائے (وقت) کی لفظ آئی ہے۔
۲۷۔ اس کا ترجمہ متن میں گذر چکا۔
۲۸۔ علم الیقین جلد ۲ ص ۱۰۶۰۔
۲۹۔ حدیث ۲۲ توضیح ۱۸۔
۳۰۔ سورۂ زلزال آیت ۷۔۹
۳۱۔ سورۂ کہف آیت ۲۹۔
۳۲۔ امالی ص ۲۵۶ "مجلس الرابع والاربعون" حدیث ۱۰۔ اس کتاب میں استودعنی ملک کریم کے بجائے واستَوْدِعُکَ اللّٰہَ کَمَا اسْتَوْدَعَتْنِي مَلَکاً کَرِیماً۔ آیا ہے۔ وسائل جلد ۳ ص ۹۰ "کتاب الصلوٰۃ" باب ۲ از ابواب المواقیت، حدیث ۱۷۔ دوسری کتابوں میں یہ حدیث، حدیث امالی کے مطابق ہے۔
۳۳۔ سورۂ عنکبوت آیت ۶۴۔
۳۴۔ اصول کافی جلد ۲ ص ۱۹۰ "کتاب ایمان وکفر" باب ادخال السرور علی المومنین، حدیث ۸۔
۳۵۔ حدیث ۱۔ توضیح ۱۶۔
۳۶۔ سورۂ آل عمران آیت ۳۰۔
۳۷۔ سورۂ زلزال آیت ۶۔
۳۸۔ اربعین، ص ۲۹۲، شرح حدیث ۲۲۔
۳۹۔ مرآۃ العقول جلد ۹، ص ۹۵، کتاب ایمان وکفر، باب ادخال السرور علی المومنین، حدیث ۸۔
۴۰۔ سورۂ مریم آیت ۱۷۔
۴۱۔ علل الشرائع جلد ۲ ص ۳۲۹، باب ۲۲ حدیث ۴، وسائل جلد ۳، ص ۵۴، "کتاب الصلوٰۃ" باب ۱۷، از ابواب اعداد الفرائض، حدیث ۱۰۔
۴۲۔ حوالہ سابق حدیث ۱۲۔
۴۳۔ حدیث ۱، توضیح ۳۱۔
۴۴۔ ارشاد ص ۲۵۵۔۲۵۶، باب ذکر طرف من اخبار علیؑ ابن الحسینؑ۔
۴۵۔ ارشاد ص ۲۵۶، باب ذکر طرف من اخبار علیؑ ابن الحسینؑ۔
۴۶۔ اس کا ترجمہ متن میں گذر چکا۔
۴۷۔ سورۂ فاطر آیت ۱۵۔
۴۸۔ حدیث ۱۵، توضیح ۲۲۔
۴۹۔ ابن عباس کہتے ہیں:

«قَالَ عَبْدُاللّٰہِ بْنُ عَبَّاس: دَخَلْتُ عَلٰی اَمِیرِ الْمُؤْمِنِیْنَ(ع) بِذِي قَارٍ، وَھُوَ یَخْصِفُ نَعْلَہٗ، فَقَالَ لِي: مَا قِیْمَۃُ ھٰذَا النَّعْلُ؟ فَقُلْتُ: لَا قِیْمَۃَ لَھَا فَقَالَ(ع): وَاللّٰہِ، لَھِيَ اَحَبُّ اِلَيَّ مِنْ اِمْرَتِکُمْ اِلَّا اَنْ اُقِیْمَ

Presented by www.ziaraat.com

حقاً أو أدفع باطلاً۔" میں مقام "ذی قار" میں حضرت علیؑ کے پاس گیا اور آپ اپنی جوتی ٹانک رہے تھے۔ مجھ سے پوچھا اس جوتی کی کیا قیمت ہے؟ میں نے کہا کوئی قیمت نہیں ہے؛ فرمایا: خدا کی قسم یہ تمہاری حکومت سے زیادہ مجھے محبوب ہے مگر یہ کہ میں کسی حق کو قائم کروں اور باطل کو روک دوں۔ نہج البلاغہ، خطبہ ۳۳ ص ۱۰۲۔

۵۰۔ علل جلد ۱ ص ۲۲۔ باب ۱۶۵ حدیث ۲۔

۵۱۔ احمد بن عمر بن محمد (۵۴۰ - ۶۱۸ ق) خوارزم کے رہنے والے اور صوفی تھے۔ نجم الدین کے نام سے مشہور تھے۔ صوفیوں کے مشہور مشائخ میں سے تھے۔ آپ کی تالیفات میں رسالۃ الخائف العائم عن لومۃ اللائم، فواتح الجمال، منازل السائرین، منہاج السالکین ہے۔

۵۲۔ مناہج السالکین ص ۱۵۷، المنہج السادس۔

۵۳۔ سورۂ منافقون آیت ۸۔

۵۴۔ اصول کافی جلد ۲ ص ۲۵۲، کتاب ایمان و کفر، باب من نازل المسلمین حدیث ۸۔

اٹھائیسویں حدیث

«بِالسَّنَدِ الْمُتَّصِلِ إِلَى ثِقَةِ الْإِسْلَامِ، مُحَمَّدِ بْنِ يَعْقُوبَ الْكُلَيْنِيِّ، رَحِمَهُ اللّٰهُ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يَحْيَى، عَنْ أَحْمَدَ بْنِ مُحَمَّدٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ خَالِدٍ؛ وَالْحُسَيْنِ بْنِ سَعِيدٍ جَمِيعاً، عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ، عَنْ عَبْدِ الصَّمَدِ بْنِ بَشِيرٍ، عَنْ بَعْضِ أَصْحَابِهِ، عَنْ أَبِي عَبْدِ اللّٰهِ، عَلَيْهِ السَّلَامُ، قَالَ قُلْتُ: أَصْلَحَكَ اللّٰهُ، مَنْ أَحَبَّ لِقَاءَ اللّٰهِ، أَحَبَّ اللّٰهُ لِقَاءَهُ؟ وَمَنْ أَبْغَضَ لِقَاءَ اللّٰهِ، أَبْغَضَ اللّٰهُ لِقَاءَهُ؟ قَالَ: نَعَمْ قُلْتُ: فَوَاللّٰهِ، إِنَّا لَنَكْرَهُ الْمَوْتَ. فَقَالَ: لَيْسَ ذٰلِكَ حَيْثُ تَذْهَبُ. إِنَّمَا ذٰلِكَ عِنْدَ الْمُعَايَنَةِ: إِذَا رَأَى مَا يُحِبُّ فَلَيْسَ شَيْءٌ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ أَنْ يَتَقَدَّمَ عَلَى اللّٰهِ، وَاللّٰهُ تَعَالَى يُحِبُّ لِقَاءَهُ، وَهُوَ يُحِبُّ لِقَاءَ اللّٰهِ حِينَئِذٍ. وَإِذَا رَأَى مَا يَكْرَهُ، فَلَيْسَ شَيْءٌ أَبْغَضَ إِلَيْهِ مِنْ لِقَاءِ اللّٰهِ، وَاللّٰهُ يُبْغِضُ لِقَاءَهُ.»

ترجمہ: راوی کہتا ہے: میں نے امام جعفر صادقؑ سے عرض کیا: أَصْلَحَكَ اللّٰهُ (خدا آپ کی اصلاح کرے) کیا جو شخص خدا کے دیدار کا مشتاق ہو، خدا بھی اس کے دیدار کا مشتاق ہوتا ہے؟ اور کیا جو

Presented by www.ziaraat.com

شخص خدا کی ملاقات سے ناراض ہو خدا بھی اس سے ملاقات کو ناپسند کرتا ہے؟ حضرتؑ نے فرمایا: ہاں ایسا ہی ہے۔ راوی نے کہا: خدا کی قسم ہم موت کو پسند کرتے ہیں۔ حضرتؑ نے فرمایا: تم جو خیال کر رہے ہو وہ مطلب نہیں ہے۔ بلکہ یہ موت کے دیکھنے کے وقت ہوا کرتا ہے کہ جب وہ مرتے وقت اپنی محبوب چیزوں کو دیکھتا ہے تو ملاقاتِ خدا سے زیادہ کوئی شئی اس کے نزدیک محبوب نہیں ہوتی اور خدا بھی اس کی ملاقات کو اسی طرح دوست رکھتا ہے جس طرح وہ خدا کی ملاقات کو دوست رکھتا ہے اور جب (مرتے وقت) ایسی چیزوں کو دیکھتا ہے جس کو ناپسند کرتا ہے تو اس کے سامنے دیدارِ خدا سے زیادہ کوئی چیز مبغوض نہیں ہوتی اور خدا بھی اس کی ملاقات کو ناپسند کرتا ہے۔

شرح: اصلحک اللہ: یہ دعائے خیر ہے اور دُعا میں یہ ضروری نہیں ہے کہ جس چیز کی دُعا دی جا رہی ہے وہ شئی اس میں نہیں ہے (مثلاً اگر کوئی آپ سے کہے خدا آپ کو تندرست رکھے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آپ مریض ہیں اس لئے تندرستی کی دُعا دے رہا ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ اگر تندرستی ہے تو باقی رہے نہیں ہے تو عطا کرے) بلکہ متعارف یہی ہے کہ اگرچہ مضمون حاصل ہو پھر بھی اس کی دُعا دی جاتی ہے۔ لہٰذا امام جعفر صادقؑ کو راوی نے جو صلاح و سداد کی دُعا دی ہے وہ بھی بنا بر متعارف ہی ہے۔ جیسے کہا جاتا ہے: «غَفَرَ اللّٰهُ لَكَ» خدا آپ کو بخش دے «عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ» خدا آپ کو معاف کرے۔ یہ جملے بھی بطورِ دُعا ان ذواتِ مقدسہ کے لئے درست ہے اور بعض حضرات نے اس آیہ مبارکہ «لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ»[2] تاکہ «خدا تمہاری اُمت کے» اگلے اور پچھلے گناہ معاف کر دے۔ کو بھی اسی مطلب پر حمل کیا ہے اور انھوں نے کہا ہے: یہ آیت اس قوت میں ہے کہ کہا جائے «غَفَرَ اللّٰهُ لَكَ»۔[3] اس میں حصولِ مضمون کا ہونا ملحوظ نہیں ہے۔ اگرچہ یہ احتمال آیت میں بعید ہے اور میں گزشتہ حدیثوں کی کسی حدیث کی شرح میں اس کو بیان کر چکا ہوں[4] لیکن اصل مطلب کہ ان انشائات میں حصولِ مضمون بحسب واقع غالباً ملحوظ نہیں ہوتا۔ بہرحال صحیح ہے۔

لِقَاءُ: لام کو فتحہ بھی ہے کسرہ بھی ہے یہ «لَقِيَ» بروزن «رَمَى» کا مصدر ہے۔ اسی طرح «لِقَاءَةً وَلَقَايَةً وَلَقْياً وَلَقْياناً وَلَقْيانَةً» یہ سب لام کے کسرہ سے ہیں اور «وَلُقْياً وَلُقًى وَلُقْياناً وَلُقْيَةً وَلُقْيانَةً» یہ سب لام کے ضمہ سے ہیں یہ سب کے سب (چاہے لام کے ضمہ سے ہوں یا کسرہ سے) مصدر ہیں۔ اس کے معنیٰ رویت و دیدار کے ہیں۔ اب کے بعد اس کتاب کے مناسبت سے لقاءُ اللہ کا بیان کیا جائے گا۔

اَبْغَضَ: یہ بابِ افعال سے ہے اور «بَغُضَ» مثل «كَرُمَ وَنَصَرَ وَفَرِحَ. بَغَاضَةً» فھو

Presented by www.ziaraat.com

بغیض یہ حبّ کا ضد ہے اور "بغضۃ وبغضاً" بغض کی شدت ہے۔ مختصر یہ کہ حبّ اور بغض ایک دوسرے کے ضد اور صفاتِ نفسانیہ میں سے ہیں وجدانی طور پر ان کی حقیقت واضح ہے جیسے دیگر وجدانیات اور صفاتِ نفسانیہ کہ ان کے ذاتی حقائق واضح ہیں۔ بیان کے محتاج نہیں ہیں۔ اب رہی یہ بات کہ محبت و بغضِ خدا کے اعتبار سے کس طرح صحیح ہے اس کا بیان آئے گا۔

قَوْلُہٗ: «اِنَّا لَنَکْرَہُ الْمَوْتَ» چونکہ راوی کی نظر میں موت اور لقاءُ اللہ ایک دوسرے کے لازم ہیں اور یا پھر لقاءُ اللہ سے مراد نفس موت تھی اس لئے اس نے کراہت از موت کی تعبیر کراہت از لقاءُ اللہ سے کی اور یہ سوال کیا اور حضرت نے جواب دیا کہ مطلق کراہت معیار نہیں ہے۔ بلکہ مرتے وقت آثارِ ملکوت اور دیگر عوالم کا مشاہدہ کرنا معیار ہے۔

قَوْلُہٗ: «لَیْسَ ذٰلِکَ حَیْثُ تَذْھَبُ» اس جملہ کی تعبیر جو اس کے مطابق ہو فارسی میں نہیں ہے۔ بلکہ فارسی میں اس بات کی تعبیر اس طرح ہوگی، جہاں میرا گمان ہے، میں نے جو گمان کیا ہے میرے ذہن میں ہے (وغیرہ) عربی میں بھی اس تعبیر کا مطلب گمان کرنے کے ہی ہیں اور عربی میں اس طرح کی تعبیرات بہت ہیں۔ بلکہ "ذھاب" اور اس کے مشتقات کی متعارف تعبیر ذھاب وہم وعقیدہ وغیرہ ہے اور اسی اعتبار سے مذہب کہا جاتا ہے اور یہ استعارہ پر مبنی ہے اس لئے کہ یہ ذھاب عینی و خارجی سے ماخوذ ہے۔

قَوْلُہٗ: «عِنْدَ الْمُعَایَنَۃِ» معاینہ باب مفاعلت کا مصدر ہے۔ جب تم کسی چیز کو اپنی آنکھوں سے دیکھو تو کہا جاتا ہے: «وَعَایَنْتُ الشَّیْءَ عِیَاناً، اِذَا رَاَیْتَہٗ بِعَیْنِکَ.»[5] اور وقت احتضار اور وقت موت کو اس کو "معاینہ" کہا جاتا ہے کہ اُس عالم کے آثار کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیتا ہے اور چشمِ غیبی ملکوتی کھل جاتی ہے اور ملکوت کے کچھ آثار اس پر منکشف ہو جاتے ہیں اور وہ اپنے بعض آثار و اعمال و احوال کا معاینہ کر لیتا ہے۔ حدیث شریف کی جو چیزیں محتاجِ ذکر ہیں ان کو میں مناسب طور سے چند فصلوں میں ذکر کروں گا اور خدا ہی پر بھروسہ ہے۔

پہلی فصل

لقاءُ اللہ اور اس کی کیفیت

لقاءُ اللہ کے سلسلہ میں آیات و احادیث خواہ صریحی ہوں یا بطور اشارہ یا کنایہ آئی ہوں بکثرت

Presented by www.ziaraat.com

ہیں اس مختصر سی کتاب میں ان کے تفصیلی ذکر کی گنجائش تو نہیں ہے۔ البتہ اختصار کے ساتھ میں ان کی طرف اشارہ کروں گا۔ ہاں اگر کسی کو تفصیل کی ضرورت ہو تو مرحوم عارف باللہ الحاج میرزا جواد تبریزیؒ کے رسالہ "لقاء اللہ" کی طرف رجوع کرے جس کے اندر کافی حد تک روایات کو جمع کر دیا گیا ہے۔

بعض علما و مفسرین نے "لقاء اللہ" کا راستہ بالکل بند کر دیا ہے اور تمام مشاہدات عینیہ و تجلیات ذاتیہ و اسمائیہ کا انکار کر دیا ہے اور یہ خیال کرتے ہوئے کہ ذات خدا منزہ ہے۔ "لقاء اللہ" کے سلسلہ کی تمام آیات و روایات کو یوم آخرت کے لقاء اور روز ثواب و جزا و سزا پر حمل کیا ہے اور یہ حمل اگرچہ مطلق لقاء اور بعض آیات و اخبار کے لحاظ سے بعید نہیں ہے۔ لیکن بعض معتبر دعاوں اور معتبر کتابوں میں مذکور روایتوں اور بعض مشہور قسم کی ان روایتوں کے "جن سے بڑے بڑے علما نے استشہاد کیا ہے" کے سلسلہ میں یہ عمل بعید اور بارد قسم کا ہے۔

آپ یہ جان لیجئے کہ جن علما نے لقاء اللہ اور مشاہدہ جلال و جمال الٰہی کے راستہ کو بند نہیں کیا ہے ان کا مطلب یہ (ہرگز) نہیں ہے کہ کنہ ذات کا ادراک ممکن ہے یا علم حضوری میں مشاہدہ عینی روحانی اور ذات محیط علی الاطلاق کا احاطہ ممکن ہے (نہیں نہیں) بلکہ علم کلی اور اس کے قدیم ہونے کی حقیقت اور عرفان شہودی اور قدم بصیرت میں اس کا ممتنع ہونا ایک امر برہانی ہے اور عقلا اور ارباب معارف و قلوب کے نزدیک متفق علیہ ہے۔ جو حضرات "لقاء اللہ" کے مدعی ہیں ان کا مطلب یہ ہے کہ تقوائے تام و تمام اور قلب کا تمام عوالم سے بالکلیہ اعراض اور ترک نشاتین اور انیت و انانیت کے سر پر پیر رکھنے اور خدا کے اسما و صفات کی طرف اقبال کلی اور توجہ تام کرنے کے بعد اور عشق و محبت ذات میں غرق ہونے کے بعد اور قلبی ریاضتوں کے بعد سالک کے لئے ایک صفائے قلبی پیدا ہو جاتی ہے جو تجلیات اسمائیہ و صفاتیہ کا مورد بن جاتی ہے اور (پھر) اسما و صفات اور بندے کے درمیان جو موٹے اور تاریک حجاب ہوتے ہیں وہ پھٹ (یا ہٹ) جاتے ہیں اور بندہ قدس و جلال سے متعلق ہو جاتا ہے اور تعلق تام ذاتی پیدا کر لیتا ہے۔ اس حالت میں پہونچ کر سالک کی روح مقدس اور خدا کے درمیان سوائے اسما و صفات کے کوئی حجاب باقی نہیں رہتا۔

اور بعض ارباب سلوک کے لئے تو یہ بھی ممکن ہے کہ حجاب نوری اسمائی و صفاتی بھی ختم ہو جائے اور وہ تجلیات ذاتی غیبی حاصل کرے اور خود کو ذات مقدس سے متعلق دیکھنے لگے اور اس مشاہدہ میں خدا کے احاطہ قیومی اور اپنے فنائے ذاتی کا مشاہدہ کرے اور اپنی نظروں سے اپنے اور تمام موجودات کے وجود ظل حق دیکھنے لگے۔ چنانچہ دلیل سے ثابت ہے کہ خدا اور مخلوق اول جو تمام مواد و علائق سے

Presented by www.ziaraat.com

مجرد ہے، کے درمیان کوئی حجاب نہیں ہے۔ بلکہ برہانی طور پر مطلق مجردات کے لئے (بھی) کوئی حجاب نہیں ہے۔ اسی طرح یہ قلب (سالک) جو وسعت واحاطہ میں مجردات کے ہم افق ہو چکا ہے۔ بلکہ ان کے سروں پر پیر رکھ چکا ہے اس کے اور حق کے درمیان کوئی حجاب نہ رہے۔ چنانچہ کافی اور توحید کی حدیث میں ہے «اِنَّ رُوحَ الْمُؤْمِنِ لَاَشَدُّ اتِّصالاً بِرُوحِ اللّٰهِ مِن اِتِّصالِ شُعاعِ الشَّمْسِ بِها.»

"سورج کی شعاعیں جتنا سورج سے متصل ہوتی ہیں اس سے کہیں زیادہ شدید اتصال مومن کی روح اور خدا میں ہوتا ہے"

مناجات شعبانیہ جو علما کی نظر میں مقبول ہے اور اس کے کلمات گواہی دیتے ہیں کہ یہ معصومؑ کا کلام ہے اس میں ہے:

«اِلٰهِي، هَبْ لِي كَمالَ الْاِنْقِطاعِ اِلَيْكَ، وَاَنِرْ اَبْصارَ قُلُوبِنا بِضِياءِ نَظَرِها اِلَيْكَ حَتّٰى تَخْرِقَ اَبْصارُ الْقُلُوبِ حُجُبَ النُّورِ فَتَصِلَ اِلٰى مَعْدِنِ الْعَظَمَةِ، وَتَصِيرَ اَرْواحُنا مُعَلَّقَةً بِعِزِّ قُدْسِكَ. اِلٰهِي، وَاجْعَلْنِي مِمَّنْ نادَيْتَهُ فَاَجابَكَ وَلاحَظْتَهُ فَصَعِقَ لِجَلالِكَ فَناجَيْتَهُ سِرّاً وَعَمِلَ لَكَ جَهْراً.»[8]

"خدایا مجھے اپنی طرف مکمل انقطاع عطا کر، ہمارے دلوں کے ابصار کو ان کی طرف نظر کرکے (اتنا) منور کر دے کہ دلوں کی آنکھیں حجابہائے نور کو چاک کر دیں اور (چاک کرکے) معدن عظمت تک پہونچ جائیں اور ہماری روحیں تیرے عز قدس سے معلق ہو جائیں۔ پروردگارا مجھے ان لوگوں میں قرار دے جن کو تو نے (جب بھی) پکارا تو انھوں نے جواب دیا۔ اور (جب) تو نے ان کی طرف دیکھا تو تیرے جلال کو دیکھ کر بے ہوش ہو گئے۔ پس تو نے ان سے سرگوشی کی اور اس نے تیرے لئے عمل کیا"

قرآن مجید میں معراج کے سلسلہ میں ہے «ثُمَّ دَنٰى فَتَدَلّٰى، فَكانَ قابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى.»[9] "پھر وہ سیدھا کھڑا ہوا پھر قریب ہوا۔ پس دو کمان یا اس سے بھی کم کا فاصلہ رہ گیا" اور یہ مشاہدۂ حضوریہ فنائیہ نہ تو عدم حصول کہ ذات اور عدم احاطہ ذات کے برہان سے اور نہ ہی اخبار وآیات سے منافات رکھتا ہے بلکہ آیات واحادیث کا موید ہے۔

اب آپ فیصلہ کیجئے کہ اس قسم کے حمل بارد سے کیا فائدہ ہے؟ کیا حضرت علیؑ کے اس قول: «فَهَبْنِي صَبَرْتُ عَلٰى عَذابِكَ، فَكَيْفَ اَصْبِرُ عَلٰى فِراقِكَ.»[10] "تو فرض کرلے

Presented by www.ziaraat.com

کہ تیرے عذاب پر صبر کرلوں گا لیکن تیرے فراق پر کیونکہ صبر کرسکتا ہوں؟" اور اولیا کے سوز و گداز کو (محض) حور و قصور پر حمل کیا جاسکتا ہے؟ کیا جو فرماتے تھے: میں خدا کی عبادت نہ شوقِ بہشت میں کرتا ہوں نہ خوفِ دوزخ سے بلکہ آزاد لوگوں جیسی عبادت کرتا ہوں اور صرف خدا کے لئے عبادت کرتا ہوں۔" اور پھر ان کے فراق کے نالوں کو فراقِ بہشت اور ماکولات و مشتہیات پر حمل کیا جاسکتا ہے؟ افسوس یہ نہایت ہی ناپسندیدہ بات ہے اور غیر پسندیدہ عمل ہے۔ کیا شبِ معراج، جمالِ حق کی تجلیات اور اس محفل کو جس میں کسی موجود کے دخل کا کیا سوال ہے جہاں امینِ وحی جیسا محرم اسرار بھی موجود نہ تھا (اس کے بارے میں یہ) کہا جاسکتا ہے کہ صرف بہشت اور اس کے بہترین محلوں کو دیکھانا مقصود تھا؟ اور صرف انوارِ عظمت و جمال اور نعمتوں کی نمائش مقصود تھی؟ کیا جو تجلیات معتبر دعاؤں میں موجود ہیں اور انبیا کو دکھایا گیا ہے وہ صرف نعمتوں، کھانے پینے، باغات اور قصروں سے عبارت تھیں؟

افسوس (یہ ہے کہ) ہم لوگ بے چارے طبیعت کے حجابِ ظلمانی میں گرفتار ہیں، اُمیدوں اور آرزوؤں کی زنجیروں میں جکڑے ہیں۔ کھانے پینے، نکاح، جیسی چیزوں کے علاوہ کچھ سمجھتے ہی نہیں۔ اگر کوئی صاحبِ نظر یا صاحبِ دل ان محجوبوں سے پردہ اٹھانا چاہے تو ہم سوائے اس کو غلطی اور خطا پر بتانے کے کچھ نہیں کرسکتے اور جب تک ہم عالمِ ملک کے ظلمانی کنویں میں گرفتار ہیں۔ صاحبانِ معارف و مشاہدات کی کسی چیز کا ادراک نہیں کرسکتے۔ لیکن میرے عزیز اولیا کا اپنے اوپر قیاس نہ کرو۔ انبیا و اہلِ معارف کے بارے میں گمان نہ کرو کہ ان کے دل ہماری طرح ہیں۔ ہمارے دلوں پر توجہ دنیا کا غبار اور شہوتوں کی (گرد) جمی ہوئی ہے۔ شہوتوں میں ڈوب جانے کی وجہ سے ہم کبھی تجلیاتِ حق کا آئینہ نہیں بن سکتے اور نہ جلوئے محبوب کے لائق ہوسکتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس خود بینی و خود خواہی و خود پرستی کی وجہ سے جمال و جلال حق کی تجلیات کو نہیں سمجھ سکتے (یہی نہیں) بلکہ اولیا اور اہلِ معرفت کے کلام کو جھٹلانے لگتے ہیں اور اگر بظاہر تکذیب نہ بھی کریں تو دل سے بہرحال جھٹلاتے ہیں اور اگر جھٹلانے کا کوئی راستہ نہ مل سکے۔ مثلاً ہم رسولؐ اور ائمہ کے قائل ہوں تو توجیہ و تاویل کے دروازے کھول دیتے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ معرفت خدا کا دروازہ ہی بند کردیتے ہیں۔ (حالانکہ اسفار میں ہے)۔

«مَا رَاَیْتُ شَیْئاً اِلَّا وَرَاَیْتُ اللّٰہَ مَعَہٗ وَقَبْلَہٗ وَفِیْہِ»[۱۲] "میں نے کوئی ایسی چیز نہیں دیکھی جس کے ساتھ اور جس سے پہلے اور جس کے بعد خدا کو نہ دیکھا ہو" اور ہم اس کو رویت آثار پر حمل کرتے ہیں۔ (اسی طرح مولا علیؑ کے قول) لَمْ اَعْبُدْ رَبًّا لَمْ اَرَہٗ[۱۳] "میں نے کبھی کسی ایسے خدا کی عبادت نہیں کی جس کو نہ دیکھا ہو" کو مقامِ تسلیم کلیہ کے علم پر اپنے علوم کی طرح حمل کرتے

Presented by www.ziaraat.com

ہیں لقاءاللہ والی آیتوں کو روزِ جزا کے لقاء پر حمل کرتے ہیں: «لِي مَعَ اللّٰهِ حَالَةٌ»[14] کو مثلاً وقت قلب کی حالت پر حمل کرتے ہیں: «وَارْزُقْنِي النَّظَرَ إِلَى وَجْهِكَ الْكَرِيمِ»[15] (مجھے اپنے وجہ کریم پر نظر کرنے کی توفیق دے) اس کو اور درد فراق کے مارے اولیا کے تمام سوز و گداز کو حور العین اور طیورِ بہشتی کے فراق پر حمل کرتے ہیں اور یہ سب صرف اس وجہ سے ہے کہ ہم اس میدان کے مرد نہیں ہیں حظِ حیوانی و جسمانی کے علاوہ ہم دوسری کوئی چیز نہیں سمجھتے، ہم تو سارے معارف کے منکر ہیں اور تمام بدبختیوں سے بڑا تو وہ انکار ہے جو تمام معارف کو ہمارے اوپر بند کر دیتا ہے اور ہم کو طلب سے روک دیتا ہے اور حیوانیت و بہیمیت کی حد پر قانع کر دیتا ہے، عوالمِ غیب و انوارِ الٰہیہ سے ہم کو محروم کر دیتا ہے۔ ہم بے چارے جو مشاہدات و تجلیات سے ایک دم محروم ہیں ان معانی پر ایمان رکھنے سے بھی جو خود کمالِ نفسانی کا ایک درجہ ہے اور ہم کو کسی منزل تک پہونچا سکتا ہے اس سے بھی دور ہیں۔ مرتبۂ علم سے بھی بھاگتے ہیں حالانکہ وہ مشاہدات کا بیج بھی بن سکتا ہے۔ اپنی آنکھوں اور کانوں کو بالکلیہ بند کر لیتے ہیں اور غفلت کی روئی کانوں میں ٹھونس لیتے ہیں کہ کہیں حرفِ حق نہ سُن لے۔

اگر کسی عارف شوریدہ یا سالک دلسوختہ یا حکیم الٰہی سے کسی حقیقت کو سن لیتے ہیں تو چونکہ ہماری سماعت اس کو برداشت نہیں کر سکتی اور حُبِّ نفس اپنی غلطی کو ماننے پر تیار نہیں ہوتا اس لئے ہر طرح سے اس پر لعن طعن، فسق و کفر کا الزام جائز سمجھتے ہیں۔ کوئی غیبت و تہمت ایسی نہیں ہے جس سے اس کو بری کرتے ہوں۔ کتاب وقف کرتے ہیں مگر اس سے استفادہ کے لئے شرط لگا دیتے ہیں کہ روزانہ سو مرتبہ مرحوم ملا فیض کاشانی پر لعنت کی جائے[16] جناب ملا صدرا جو سرآمد اہلِ توحید ہیں ان کو زندیق کہیں اور ان کے بارے میں کسی قسم کی بھی توہین سے باز نہ آئیں۔ موصوف کی کسی بھی کتاب سے انکا تصوف کی طرف میلان نہیں ثابت ہوتا بلکہ انھوں نے ایک کتاب "کسر اصنام الجاہلیۃ فی الرد علی الصوفیہ"[17] بھی لکھی ہے لیکن اس کے باوجود ہم ان کو صوفی محض کہتے ہیں۔ جن لوگوں کی حالت معلوم ہے اور جو رسولؐ و ائمہؑ کی زبان سے ملعون کئے گئے ہیں ان کو چھوڑ دیں مگر جو باصدائے رسا خدا و رسولؐ و ائمہؑ پر ایمان لانے کا اعلان کرے اس پر لعنت کریں۔ میں خود جانتا ہوں کہ ان لعنتوں اور توہینوں سے ان حضرات کا کچھ نہ بگڑے گا بلکہ ہو سکتا ہے ان کے حسنات کے اضافہ اور بلندیٔ درجات کا سبب بن جائے۔ لیکن یہ باتیں خود ہمارے لئے مُضر ہیں اور بہت ممکن ہے کہ ہمارے لئے سلبِ توفیق کا سبب بن جائیں۔

ہمارے شیخ عارف رومی فداہ کہا کرتے تھے کہ کسی بھی شخص یہاں تک کہ اس کافر پر بھی لعنت نہ کیا کرو جس کے بارے میں معلوم نہ ہو کہ وہ کس عالم میں یہاں سے منتقل ہوا ہے کیونکہ ہو سکتا ہے مرتے

Presented by www.ziaraat.com

وقت ایمان لایا ہو۔

ہاں اگر کسی کے مرنے کے بعد معصوم خبر دے کہ کافر مرا ہے تو لعنت کر سکتے ہو۔ لہٰذا کلی عنوان سے لعنت کیا کرو۔ (اب ذرا سوچئے) ایک شخص ایسے نفس قدسی کا مالک ہے کہ جو اس شخص پر بھی لعنت کرنے کے لئے راضی نہیں ہے جو بظاہر کافر مرا ہو کیونکہ ہو سکتا ہے وہ مرتے دم مومن ہو گیا ہو اور ایک شخص ہم جیسا ہے کہ (فیض کاشانی پر بھی لعنت کرتا ہے) خدا سے میری شکایت[18] اس واعظ کے لئے ہے جو صاحب علم و فضل ہونے کے باوجود منبر سے محضر علما اور فضلا میں کہتا ہے: فلاں حالانکہ حکیم تھا اور قرآن بھی پڑھتا تھا[19] یہ ایسے ہی ہے کہ ہم کہنے لگیں: فلاں حالانکہ پیغمبر تھا اور مبداء و معاد پر عقیدہ رکھتا تھا.... میں خود بھی محض علم پر زیادہ عقیدہ نہیں رکھتا اور جو علم ایمان نہ پیدا کر سکے اس کو میں حجاب اکبر جانتا ہوں۔ لیکن جب آدمی حجاب میں داخل نہ ہو حجاب پارہ نہیں ہو سکتا۔ علوم مشاہدات کے لئے بیج کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اگرچہ یہ ممکن ہے کہ اصطلاحات و علوم کے حجابات کے بغیر انسان کسی مقام تک پہونچ جائے مگر یہ طریق عادی کے علاوہ ہوگا اور سنت طبعی کے خلاف ہوگا اور اگر ایسا ہوا تو بہت کم ہی ہوگا۔

لہٰذا خدا خواہی اور خدا جوئی کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے ابتدائی اوقات کو ذکر حق میں صرف کرے اور خدا و اسما و صفات کا علم عام طریقہ سے مشائخ کی خدمت میں تحصیل کرے۔ اس کے بعد معارف کے علمی و عملی ریاضتوں کو اپنے دل میں جگہ دے اس طرح نتیجہ حاصل ہو سکتا ہے اور اگر اہل اصطلاح نہیں ہے تو پھر ذکر محبوب اور اشتغال قلب و حال ذات مقدس کبریا سے کر کے بھی نتیجہ حاصل کیا جا سکتا ہے۔ البتہ یہ قلبی اشتغال اور باطنی توجہ اس کی ہدایت کا سبب ہوگا اور خدا اس کی دستگیری فرمائے گا اور حجابات کے پردوں میں سے کسی حجاب کو برطرف کر دے گا اور وہ بھی اس عامیانہ انکار سے قدرے تنزل کرے گا اور ہو سکتا ہے کہ مخصوص عنایت پروردگار عالم سے اس کے لئے معارف کا راستہ پیدا ہو جائے۔ «وَاللّٰهُ وَلِيُّ النِّعَم۔»

دوسری فصل

مرتے وقت بعض غیبی حالات کا انکشاف ممکن ہے

اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ مرتے وقت انسان پر اس کے بعض احوال و مقامات منکشف

Presented by www.ziaraat.com

ہوجاتے ہیں اور یہ چیز برہان کے مطابق اور اصحاب کشف و عیان کے مکاشفات کے موافق اور اخبار و آثار کے بھی مطابق ہے۔ انسان جب تک اس دنیا کی آباد کاری میں لگا ہے اور اس کی توجہ قلبی اس نشۂ کی طرف ہے اور سکر طبیعت نے اس کو بے خود کر دیا ہے، شہوت و غضب کی نشہ آور چیزیں اس کو نشہ میں مبتلا کئے ہیں وہ اپنے اعمال و اخلاق کی صورتوں سے بالکلیہ محجوب ہے اور اس کے ملکوتِ قلب میں اس کے آثار مترسّخ ہیں۔ لیکن جب موت کی سختیاں اور اس کا فشار پڑے گا تو ایک حد تک اس نشہ سے انصراف حاصل ہوگا اور اگر (مرنے والا) مومن اور اہلِ یقین سے ہے مگر اس کا قلب ان عوالم کی طرف متوجہ تھا تو آخر الامر طبعی طور سے اس کی قلبی توجہ اُس عالم کی طرف ہوجائے گی اور معنوی ہنکانے والے اور اس پر موکل فرشتے اُس کو اس عالم کی طرف لے جائیں گے اور وہ اس سوق و انصراف کے بعد عالمِ برزخ کے ایک نمونہ کا مشاہدہ کرے گا اور عالمِ غیب سے ایک کھڑکی اس کی طرف کھول دیجائے گی اور وہ ایک حد تک اپنی حالت اور اپنے مقام کا مشاہدہ کرے گا۔ چنانچہ حضرت امیرؑ سے منقول ہے:

«اِنَّهُ. قَالَ: حَرَامٌ عَلٰى كُلِّ نَفْسٍ اَنْ تَخْرُجَ مِنَ الدُّنْيَا حَتّٰى تَعْلَمَ اَنَّهُ مِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ هِيَ، اَمْ مِنْ اَهْلِ النَّارِ»[۲۰]

"ہر نفس جب تک یہ نہ جان لے کہ وہ اہلِ جنت سے ہے یا اہلِ جہنم سے اس کا اس دُنیا سے نکلنا حرام ہے۔"

یہاں پر ایک لمبی حدیث ہے لیکن اس میں اہلِ ولایت حضرت مولی الموالی اور اہلِ بیتؑ عصمت سے متمسک کے لئے خوشخبری ہے اس لئے میں پوری حدیث ذکر کرتا ہوں۔ اس حدیث کو فیض کاشانیؒ نے اپنی کتاب علم الیقین میں لکھا ہے وہ حدیث یہ کہ: عباد بن مروان کہتے ہیں:

«قَالَ: وَفِي كِتَابِ الْحُسَيْنِ بْنِ سَعِيدِ الْاَهْوَازِيِّ، عَنْ عَبَّادِ بْنِ مَرْوَانَ، قَالَ سَمِعْتُ اَبَا عَبْدِاللّٰهِ، عَلَيْهِ السَّلَامُ، يَقُوْلُ: مِنْكُمْ وَاللّٰهِ يُقْبَلُ: وَلَكُمْ وَاللّٰهِ يُغْفَرُ اِنَّهُ لَيْسَ بَيْنَ اَحَدِكُمْ وَبَيْنَ اَنْ يُغْتَبَطَ وَيَرَى السُّرُوْرَ وَقُرَّةَ الْعَيْنِ اِلَّا اَنْ تَبْلُغَ نَفْسُهُ هٰهُنَا. وَاَوْمٰى بِيَدِهِ اِلٰى حَلْقِهِ. ثُمَّ قَالَ، عَلَيْهِ السَّلَامُ: اِنَّهُ اِذَا كَانَ ذٰلِكَ وَاحْتَضَرَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ، وَعَلِيٌّ وَالْاَئِمَّةُ وَجِبْرَئِيْلُ وَمِيْكَائِيْلُ وَمَلَكُ الْمَوْتِ، عَلَيْهِمُ السَّلَامُ؛ فَيَدْنُوْ مِنْهُ جِبْرَئِيْلُ، عَلَيْهِ

Presented by www.ziaraat.com

السَّلامُ، فَيَقُوْلُ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ: اِنَّ هٰذا كانَ يُحِبُّكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ، فَاَحِبَّهُ. فَيَقُوْلُ رَسُوْلُ اللّٰهِ، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ: يا جِبْرَئِيْلُ، اِنَّ هٰذا كانَ يُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ وَاَهْلَ بَيْتِهِ، فَاَحِبَّهُ. فَيَقُوْلُ جِبْرَئِيْلُ: يا مَلَكَ الْمَوْتِ، اِنَّ هٰذا كانَ يُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ وَآلَ رَسُوْلِهِ، فَاَحِبَّهُ وَارْفُقْ بِهِ. فَيَدْنُوْ مِنْهُ مَلَكُ الْمَوْتِ، عَلَيْهِ السَّلامُ، فَيَقُوْلُ: يا عَبْدَ اللّٰهِ، اَخَذْتَ فِكاكَ رَقَبَتِكَ؟ اَخَذْتَ اَمانَ بَراَتِكَ؟ تَمَسَّكْتَ بِالْعِصْمَةِ الْكُبْرىٰ فِي الْحَياةِ الدُّنْيا؟ فَيُوَفِّقُهُ اللّٰهُ، فَيَقُوْلُ: نَعَمْ. فَيَقُوْلُ لَهُ: وَماذا كَ؟ فَيَقُوْلُ: وِلايَةُ عَلِيِّ بْنِ اَبِيطالِبٍ، عَلَيْهِ السَّلامُ. فَيَقُوْلُ: صَدَقْتَ. اَمَّا الَّذي كُنْتَ تَحْذَرُ فَقَدْ اَمَّنَكَ اللّٰهُ؛ وَاَمَّا الَّذي كُنْتَ تَرْجُو، فَقَدْ اَدْرَكْتَهُ؛ اَبْشِرْ بِالسَّلَفِ الصّالِحِ، مُرافَقَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ، وَعَلِيٍّ وَالْاَئِمَّةِ مِنْ وُلْدِهِ، عَلَيْهِمُ السَّلامُ. ثُمَّ يَسُلُّ نَفْسَهُ سَلاً رَفِيْقاً؛ ثُمَّ يَنْزِلُ بِكَفَنِهِ مِنَ الْجَنَّةِ وَحُنُوطُهُ حُنُوطٌ كَالْمِسْكِ الْاَذْفَرِ فَيُكَفَّنُ بِذٰلِكَ الْكَفَنِ وَيُحْنَطُ بِذٰلِكَ الْحُنُوطِ؛ ثُمَّ يُكْسىٰ حُلَّةً صَفْراءَ مِنْ حُلَلِ الْجَنَّةِ. فَاِذا وُضِعَ فِي قَبْرِهِ، فُتِحَ لَهُ بابٌ مِنْ اَبْوابِ الْجَنَّةِ، يَدْخُلُ عَلَيْهِ مِنْ رَوْحِها وَرَيْحانِها، ثُمَّ يُقالُ لَهُ: نَمْ نَوْمَةَ الْعَرُوسِ عَلىٰ فِراشِها؛ اَبْشِرْ بِرَوْحٍ وَرَيْحانٍ وَجَنَّةِ نَعِيْمٍ وَرَبٍّ غَيْرِ غَضْبانَ.

قالَ: وَاِذا حَضَرَ الْكافِرَ الْوَفاةُ، حَضَرَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ، وَعَلِيٌّ وَالْاَئِمَّةُ وَجِبْرَئِيْلُ وَمِيْكائِيلُ وَمَلَكُ الْمَوْتِ، عَلَيْهِمُ السَّلامُ؛ فَيَدْنُو مِنْهُ جَبْرَئِيلُ، فَيَقُوْلُ: يا رَسُوْلَ اللّٰهِ، اِنَّ هٰذا كانَ مُبْغِضاً لَكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ، فَاَبْغِضْهُ. فَيَقُوْلُ رَسُوْلُ اللّٰهِ، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ: يا جِبْرَئِيْلُ، اِنَّ هٰذا كانَ يُبْغِضُ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ وَاَهْلَ بَيْتِ رَسُوْلِهِ، فَاَبْغِضْهُ. فَيَقُوْلُ جِبْرَئِيْلُ: يا مَلَكَ الْمَوْتِ، اِنَّ هٰذا كانَ يُبْغِضُ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ وَاَهْلَ بَيْتِهِ، عَلَيْهِمُ السَّلامُ، فَاَبْغِضْهُ

Presented by www.ziaraat.com

وَاعْتُفْ عَلَيْهِ. فَيَدْنُو مِنْهُ مَلَكُ الْمَوْتِ، فَيَقُولُ: يَا عَبْدَاللّٰهِ، اَخَذْتَ فِكَاكَ رَقَبَتِكَ؟ اَخَذْتَ بَرَاءَةَ اَمَانِكَ؟ تَمَسَّكْتَ بِالْعِصْمَةِ الْكُبْرٰى فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا؟ فَيَقُولُ: لَا فَيَقُولُ لَهُ: اَبْشِرْ يَا عَدُوَّ اللّٰهِ بِسَخَطِ اللّٰهِ وَعَذَابِهِ وَالنَّارِ اَمَّا الَّذِي كُنْتَ تَرْجُو، فَقَدْ فَاتَكَ؛ وَاَمَّا الَّذِي كُنْتَ تَحْذَرُ فَقَدْ نَزَلَ بِكَ. ثُمَّ يَسُلُّ نَفْسَهُ سَلًّا عَنِيفًا؛ ثُمَّ يُوَكَّلُ بِرُوحِهِ ثَلَاثَمِائَةِ شَيْطَانٍ يَبْزُقُونَ فِي وَجْهِهِ وَيُنَادُونَ بِرِيحِهِ. فَاِذَا وُضِعَ فِي قَبْرِهِ، فُتِحَ لَهُ بَابٌ مِنْ اَبْوَابِ النَّارِ يَدْخُلُ عَلَيْهِ مِنْ فَيْحِ رِيحِهَا وَلَهَبِهَا. [۲۱۶]

میں نے امام جعفر صادقؑ کو سنا کہ فرما رہے تھے: خدا کی قسم تم سے قبول کیا جائے گا، خدا کی قسم تم کو بخشا جائے گا۔ تمہارے اور تمہاری خوشیوں اور آنکھوں کی ٹھنڈک اور تمہارے بارے میں غبطہ کئے جانے کے درمیان صرف اتنا فاصلہ ہے کہ جان یہاں تک (حلقوم تک) آجائے اور آپؑ نے اپنے حلق کی طرف اشارہ فرمایا۔ اس کے بعد فرمایا: جب ایسا ہوگا اور موت کا وقت آئے گا تو رسولؐ خدا حضرت علیؑ اور ائمہؑ، جبرئیلؑ و میکائیلؑ و ملک الموت مرنے والے کے پاس آئیں گے۔ جبرئیلؑ قریب ہو کر رسولِ خداؐ سے عرض کریں گے: یہ شخص آپؐ اہل بیتؑ کو دوست رکھتا تھا۔ لہٰذا آپ بھی اس کو دوست رکھیے۔ (اس کے بعد) رسولؐ خدا فرمائیں گے: اے جبرئیلؑ یہ شخص خدا اور رسولؐ اور ان کے اہل بیتؑ کو دوست رکھتا تھا لہٰذا تم بھی اس کو دوست رکھو۔ پھر جبرئیلؑ کہیں گے: اے ملک الموت یہ شخص خدا و رسولؐ و آلِ رسولؐ کو دوست رکھتا تھا لہٰذا تم اس کو دوست رکھو اور اس کے ساتھ نرمی برتو۔ پھر ملک الموت مرنے والے کے قریب جا کر کہیں گے: اے بندۂ خدا کیا تو نے اپنی آزادی کا پروانہ اور امان نامہ حاصل کر لیا ہے؟ اور کیا تم نے اپنی زندگی میں عصمتِ کبریٰ سے تمسک کیا ہے؟ اس وقت اس بندے کو توفیق دے گا اور وہ (بندہ) کہے گا: ہاں! اس وقت ملک الموت کہیں گے وہ کیا ہے؟ وہ جواب دے گا۔ حضرت علیؑ کی ولایت! تب ملک الموت کہیں گے: تم نے سچ کہا۔ جس چیز کا تم کو خوف تھا اس سے خدا نے تم کو امان دیدی اور جس چیز کی آرزو تھی وہ تم کو مل گئی تم کو نیک گزرے ہوئے لوگوں حضرت رسولؐ و حضرت علیؑ اور ان کی اولاد سے ہونے والے ائمہؑ کی رفاقت مبارک ہو۔

اس کے بعد ملک الموت بڑی نرمی سے اس کی روح نکال لیں گے اور اس کے لئے بہشت

Presented by www.ziaraat.com

سے کفن لایا جائے گا اور اس کا حنوط خوشبودار مشک کی طرح کا ہوگا۔ پھر وہی جنتی کفن اس کو پہنایا جائیگا اور اس خوشبودار حنوط سے اس کو حنوط کیا جائیگا۔ پھر جنت کے حلّوں میں سے زرد حلّہ اسکو پہنایا جائیگا اور قبر میں رکھنے کے بعد جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ اسکے لئے کھول دیا جائیگا جس سے جنت کی خوشبو اور مسرت اسکو پہونچتی رہیگی پھر اس سے کہا جائیگا جس طرح دلہن اپنے بستر پر سوتی ہے تو بھی اسی طرح سو۔ تجھے مسرت و خوشبو اور جنت نعیم اور تجھ سے خوشنود خدا کی بشارت ہو۔

(اس کے بعد) امام جعفر صادقؑ نے فرمایا اور جب کافر مرنے لگتا ہے تب (بھی) رسولِ خداؐ حضرت علیؑ، ائمہ معصومینؑ، جبرئیلؑ، میکائیلؑ، اسرافیلؑ اس کے پاس آتے ہیں اور جبرئیلؑ مرنے والے کے قریب جاکر رسولِ خداؐ سے کہتے ہیں: اے خدا کے رسولؐ یہ شخص (آپؐ کا اور) آپؐ کے اہلِ بیتؑ کا دشمن تھا لہٰذا آپؐ اس سے دشمنی کریں۔ (پھر) رسولِ خداؐ فرمائیں گے: اے جبرئیلؑ یہ شخص خدا اور رسولؐ اور اہلِ بیتِ رسولؐ کا دشمن تھا لہٰذا تم اس کو دشمن رکھو۔ پھر جبرئیلؑ کہیں گے: اے ملک الموت یہ شخص خدا، رسولؐ، آلِ رسولؐ کا دشمن تھا لہٰذا اس سے بغض رکھو اور اس کے ساتھ سختی کرو۔ تب ملک الموت مرنے والے کے قریب آکر کہیں گے: اے خدا کے بندے کیا تو نے جہنم سے چھٹکارے کی سند اور امان نامہ حاصل کرلیا ہے؟ کیا تو نے اپنی دنیاوی زندگی میں عصمتِ کبریٰ سے تمسک حاصل کیا ہے؟ وہ کہے گا! نہیں تو ملک الموت کہیں گے: اے دشمنِ خدا تجھے خدا کی ناراضگی اور اس کے عذاب اور جہنم کی بشارت ہو۔ جس چیز کی تو تمنا رکھتا تھا وہ تو تجھ سے فوت ہوگئی اور جس سے تو ڈرتا تھا وہ تیرے پاس پہونچ گئی۔ پھر بڑی سختی سے اس کی روح نکالیں گے۔ اس کے بعد اس کی روح پر تین سو شیطان معین کردیئے جائیں گے جو اس کے منہ پر تھوکیں گے اور (لوگوں کو) اس سے اذیت ہوگی۔ اس کے بعد اس کو قبر میں لٹا دیا جائے گا تو جہنم کے دروازوں میں سے ایک دروازہ اس کے لئے کھول دیا جائے گا۔ جس کے ذریعہ دوزخ کی ہوا اور اس کے شعلے اس پر داخل ہوتے رہیں گے۔"

یہ سمجھ لیجئے کہ ہر شخص کے لئے برزخ اس کے قیامت کا نمونہ ہوگا اور برزخ سے مراد موت کا زمانہ ہے جو دنیا اور قیامت کے درمیان کا ہے۔ جہنم و بہشت کی ایک کھڑکی اس میں کھلتی ہے۔ چنانچہ اس حدیث کے ذیل میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور مشہور حدیثِ نبوی میں بھی ہے:

«اَلْقَبْرُ اِمَّا رَوْضَةٌ مِنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ؛ اَوْ حُفْرَةٌ مِنْ حُفَرِ النِّيْرَانِ» ۲۲

"قبر یا تو جنت کے باغوں میں ایک باغ ہوگی یا جہنم کے کنوؤں میں سے ایک کنواں ہوگی۔"

اسی بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

Presented by www.ziaraat.com

اس سے معلوم ہوا کہ انسان مرتے وقت اپنے اعمال کے آثار اور صورتوں کا مشاہدہ کرتا ہے اور ملک الموت سے جنت یا نار کی خبر سن لیتا ہے اور ایک حد تک یہ آثار اس پر منکشف ہو جاتے ہیں وہ آثار جو اعمال و افعال سے قلب میں حاصل ہوئے ہیں (مثلاً) نورانیت، شرح صدر، وسعت وغیرہ یا ان کے اضداد جیسے کدورت، تنگی صدر، ظلمت، فشار وغیرہ۔

پس معائنۂ برزخ کے وقت سے دل نفحاتِ لطیفہ، لطفیہ اور جمالیہ کے لئے آمادہ ہو جاتا ہے اور اس کے اندر لطف و جمال کے آثار تجلیات ظاہر ہو جاتے ہیں بشرطیکہ وہ اہل سعادت و اہل ایمان سے رہا ہو۔ بس اسی وقت سے دل میں لقاء اللہ کی محبت پیدا ہو جاتی ہے اور اشتیاقِ جمالِ محبوب کی آگ اس کے دل میں بھڑک اٹھتی ہے۔ اگر وہ اہل سابقہ حسنیٰ اور محبت و جذبۂ ربوبی کا دادا ہو اور یہ تو خدا کے علاوہ کسی کو نہیں معلوم کہ اس تجلی و شوق میں کیا لذت اور کیا کرامت ہے۔

اور مرنے والا اگر اہل ایمان اور صاحب عمل صالح ہوتا ہے تو اس کے ایمان و اعمال کے مطابق خداوند عالم کی کرامتیں اس کو نصیب ہوتی ہیں اور وہ مرتے وقت ان کو اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہے اسی لئے اس کے اندر موت کا شوق اور کرامات الٰہی کے لقاء کا جذبہ (شدید) ہو جاتا ہے اور راحت و آرام، بہجت و سرور کے ساتھ اس دنیا سے منتقل ہوتا ہے۔ اس بہجت و سرور کی لذت اور ان کرامتوں کے دیکھنے کی طاقت ملکی آنکھوں میں اور دنیاوی لذتوں میں نہیں ہے۔

اور اگر مرنے والا اہل شقاوت و انکار، اہل کفر و نفاق سے تھا اور اعمال قبیحہ اور افعال سیئہ کا مرتکب تھا تو ہر شخص اپنے حساب سے اور اپنے اعمال کے مطابق غضب و قہر الٰہی کا مستحق ہوگا اور بطور نمونہ دار الاشقیا اس کے لئے منکشف ہوگا اور اس کے اندر ایسی وحشت اور ایسا انقلاب پیدا ہوگا کہ تجلیات جلالیہ و قہریہ الٰہی سے زیادہ کوئی بھی شئی اس کے نزدیک مبغوض نہ ہوگی اور اس بغض و عداوت کی وجہ سے اس پر ایسی سختی و فشار اور ایسی ظلمت و عذاب ہوگا جس کا اندازہ خدا کے علاوہ کسی کو نہیں ہو سکتا۔ مگر یہ ان لوگوں کے لئے ہے جو اس دنیا میں کافر و منافق اور خدا اور اولیائے خدا کے دشمن رہے ہوں گے۔ گنہگاروں اور اہل کبائر کے لئے ان کے اعمال کے مطابق جہنم کا نمونہ پیش کیا جائے گا اور اس وقت ان کے نزدیک سب سے زیادہ مبغوض چیز اس دنیا سے انتقال ہوگی۔ ایسے لوگوں کو بڑی سختی، فشار اور زحمت کے ساتھ منتقل کیا جائے گا اور ان کے دلوں میں ایسی حسرت ہوگی جس کا صحیح اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ احتضار کے وقت انسان ان تمام چیزوں کو دیکھے گا جو اس میں

Presented by www.ziaraat.com

تھیں اور وہ ان پر مطلع نہیں تھا اور اس معاینہ کا بیج اس نے اپنی مملکتِ وجود میں خود بویا تھا۔ ہمارے عیوب کے سامنے زندگانی دنیا ایک پردہ پوش تھی اور ہمارے گناہوں کے لئے یہ دُنیا اہلِ معارف کی نظر میں پردہ تھی۔ جب یہ پردہ اُٹھ گیا اور یہ حجاب ہٹ گیا تو انسان کے اندر جو کچھ بھی تھا اور اس نے جو کچھ مہیا کیا تھا سب کو بطورِ نمونہ اس نے دیکھ لیا۔ دوسری دنیا میں انسان اسی عذاب اور عقاب کو دیکھے گا جس کو اس نے خود اس دُنیا میں مہیا کیا ہے اور اس دُنیا میں اس کے جتنے بھی اعمالِ صالحہ اور اخلاقِ حسنہ اور عقائدِ صحیحہ تھے دوسری دنیا میں اُن دوسری کرامتوں کے ساتھ جو خدا نے اپنے فضل سے اس کے حوالہ کیا ہے" اپنی آنکھوں سے دیکھے گا۔ تفسیرِ صافی میں اس آیۂ شریفہ: «فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ...» ۲۳ "جس نے ذرہ برابر نیکی کی ہے وہ اس کی جزا پائے گا" کے ذیل مجمع البیان کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ حضرت علیؑ فرماتے تھے:

«هِيَ اَحْكَمُ آيَةٍ فِي الْقُرْآنِ؛ وَكَانَ رَسُولُ اللّٰهِ (صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ) يُسَمِّيهَا الْجَامِعَةَ.» ۲۴

"قرآن کے اندر یہ سب سے محکم آیت ہے اور رسولِ خدا اس آیت کو "الجامعۃ" فرمایا کرتے تھے۔"

لہٰذا یہ جان لینا چاہیئے کہ اگر ہم نے اس دُنیا میں خدا اور اس کے اولیا سے محبت کی اور ان کی اطاعت کا طوق اپنی گردن میں پہن لیا اور قلب کی توجہ الٰہی و ربانی ہو گئی تو مرتے وقت عینِ حقیقت اپنی صورتِ جمیلہ کے ساتھ ہمارے سامنے ظاہر ہوگی اور اسکے برعکس اگر توجۂ قلبی دُنیا کی طرف ہوئی اور حق سے منحرف ہو گئے تو ممکن ہے رفتہ رفتہ خدا اور اس کے اولیا کی دشمنی ہمارے دل میں پیدا ہو جائے اور مرتے وقت اس میں شدت پیدا ہو جائے اور وحشتناک آثار اس سے ظاہر ہوں جیسا کہ آپ نے سنا۔

لہٰذا سب سے اہم بات یہ ہے کہ انسان پابندی کے ساتھ اپنے قلب کی حالت کو الٰہی کرلے اور خدا و اولیائے خدا اور دارِ کرامت کی طرف دلی توجہ پیدا کرے اور یہ چیز اس وقت حاصل ہوگی جب انسان خدا کی نعمتوں میں غور کرے اور اس کی اطاعت و عبادت پابندی سے کرے۔ لیکن انسان کو چاہیئے کہ اپنے نفس اور اعمال پر کبھی بھروسہ نہ کرے اور ہر حالت میں۔ خصوصاً خلوت میں خدا سے گڑگڑا کر دُعا کرے کہ اپنی محبت میرے دل میں ڈال دے اور میرے دل کو نورِ معرفت اور اپنی محبت کی روشنی سے بھر دے اور دنیا و غیرِ خدا کی محبت میرے دل سے نکال دے۔ یقیناً یہ دعا شروع میں بے مزا اور تعلقہ

Presented by www.ziaraat.com

زبان ہوگی کیونکہ دُنیا سے شدید محبت کے بعد اس کے زوال کی خواہش بہت مشکل ہے۔ لیکن ایک مدت تک غور کرنے اور دل کو سمجھانے اور پابندی کرنے سے محبتِ خدا کے اچھے نتائج اور محبتِ دُنیا کے بُرے نتائج بطورِ حقیقت ظاہر ہو جائیں۔ انشاء اللہ

تیسری فصل

حُبّ و بغضِ خدا کا مطلب

محبت و بغض وغیرہ کی نسبت جو قرآن اور حدیث میں خدا کی طرف دی گئی ہے وہ بمعنائے عرف عالم نہیں ہے۔ اس لئے کہ ان صفات کا لازمہ انفعالِ نفسانی ہے جو خدا کے لئے ناممکن ہے اور اس سلسلہ میں تفصیل اس مختصر کتاب کے لئے مناسب نہیں ہے لہٰذا میں اجمالی اشارہ پر قناعت کروں گا۔

یہ جان لینا چاہیئے کہ بہت سی صفتیں اور حالتیں ایسی ہوتی ہیں جو عوالمِ غیبیہ تجردیہ سے تنزل کر کے اور نشئہ ملکیہ طبعیہ میں آکر آثار و لوازم کے اعتبار سے صورِ غیبیہ تجردیہ کے علاوہ دوسری (حالت اور صورت) اختیار کرتی ہیں۔ (نوٹ نشئہ ملکیہ طبعیہ سے مُراد عالمِ فرق بلکہ فرق الفرق ہے) چنانچہ افلاطون اور اس کے ماننے والے تمام موجودات مُلکیہ کو ارواح غیبیہ اور حقائق نازلہ ملکوتیہ کا مظاہر مانتے ہیں اور مُثُلِ افلاطونیہ کی طرح سمجھتے ہیں اور تمام وہ عوارض و کیفیات جو اس عالم میں بوجود عرضی موجود ہیں۔ اُس عالم میں ان کی ذاتی تجلیات کی صورتیں ان کے عین وجود کے ساتھ موجود ہیں اس کے بھی قائل ہیں۔ بنابراین ہم کہتے ہیں کہ ان اوصاف و احوال کی مثالیں جو عالمِ مُلک میں ایک قسم کے تجدد و انفعال کے ساتھ لازمی طور سے پائی جاتی ہیں وہ عوالمِ غیبیہ اور نشأت تجردیہ میں خصوصاً عالمِ اسمائے الٰہی اور مقامِ واحدیت میں ایک ایسی صورت میں موجود ہیں جو تمام نقائص سے مُبرّا و منزہ ہیں اور ان کی تعبیرات بھی نشئہ تجردیہ یا صقع، (جگہ) ربوبی کے اعتبار سے اس عالم کے برخلاف ہیں۔ مثلاً تجلیاتِ رحمانیہ و رحیمیہ جس کو ہم تجلیاتِ جمالیہ و لطفیہ اور حُبیہ و اُنسیہ بھی کہتے ہیں۔ اگر اس عالم میں ظاہر ہوں تو محبت و رحمت و تلطف کی صورتیں انفعال ہی کے ساتھ ہوں گی اور اس کی وجہ اس عالم شدید تنگ دامنی ہے۔ حدیث میں ہے کہ رحمت کے سو جزو ہیں اس میں سے ایک جزو اس عالم میں اُتارا گیا اور اسی ایک جز سے تمام وہ رحمتیں ہیں جو اس عالم میں موجود ہیں[۲۵] جیسے والدین و اولاد کی محبت وغیرہ۔ جیسے قہری و مالکی تجلیات ہیں جو تجلیاتِ جلال سے رونما

Presented by www.ziaraat.com

ہوئی ہیں اور اس دنیا میں بغض و غضب کی صورت میں ظاہر ہوئی ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ باطنی محبت و بغض و غضب اور رحمانیت و قہاریت سب تجلیات جلال و جمال کے کرشمے ہیں اور وہ تجلیات عین ذات کے ساتھ موجود ہیں ان کے اندر کثرت تجدد اور انفعال کا کوئی سوال ہی نہیں ہے اور رحمانیت و قہاریت کا ظہور وہی محبت و بغض ہیں جو اس عالم میں موجود ہیں اور چونکہ مظہر ظاہر میں فنا ہے اور ظاہر مظہر میں متجلی ہے اس لئے بعض مقامات پر ایک کی تعبیر دوسرے سے کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اس لئے بندے سے خدا کے بغض کا مطلب اظہار قہاریت و انتقام ہے اور اس کی محبت کا مطلب اس کی رحمت و کرامت ہے۔ واللہ العالم

www.ziaraat.com
Sabeel-e-Sakina

Presented by www.ziaraat.com

اٹھائیسویں حدیث کی توضیحات

۱۔ فروع کافی جلد ۳ ص ۱۳۴، کتاب جنائز، باب مایلحق المومن والکافر، حدیث ۱۲۔

۲۔ سورۂ فتح آیت ۲۔

۳۔ مجمع البیان جلد ۹ ص ۱۶۹، طبرسی نے بھی اس قول کو ضعیف جانا ہے۔ بحارالانوار جلد ۶۸، ص ۲۵، کتاب ایمان وکفر، باب بشر، ذیل حدیث ۳۔

۴۔ ص / ۴۲۸

۵۔ ترجمہ گزر چکا۔

۶۔ حاج مرزا جواد تبریزی (۱۳۴۴ھ) ہمارے معاصر اور بہت بڑے دانش مند سالہا سالہا ملا حسین قلی کی صحبت میں نجف اشرف میں رہے تقریباً سال ۱۳۲۰ھ ق میں تبریز واپس آئے اس کے بعد قم تشریف لائے۔ آپ کا گھر سالہا سال مجلس ذکر و موعظہ تھا، تہذیب واخلاق میں گرانقدر آثار موجود ہیں ان میں سے رسالہ لقاء اللہ، اسرار الصلوٰۃ، المراقبات فی اعمال السنہ۔

۷۔ اصول کافی جلد ۲ ص ۲۴۲، کتاب ایمان وکفر، باب اخوۃ المومنین، حدیث ۴۔

۸۔ مناجات شعبانیہ کا ایک حصہ، اقبال الاعمال، اعمال ماہ شعبان، مصباح المتہجد ص ۴۰۷، بحارالانوار جلد ۹۰، ص ۹۷۔ ۹۹۔ کتاب الذکر والدعا، باب ۳۲، حدیث ۱۲۔

۹۔ سورۂ نحل آیت ۸۔۹۔

حدیث ۶، توضیح ۲۹۔

Presented by www.ziaraat.com

۱۱۔ حدیث ۲، توضیح ۲۵۔

۱۲۔ اسفار جلد ۱ ص ۱۱۷، علم الیقین جلد ۱ ص ۴۹ (تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ) کلمات مکنونہ ص ۳۔

۱۳۔ علم الیقین جلد ۱ ص ۴۹، المقصد الاوّل فی تنزیہہ سبحانہ، شیخ صدوق در التوحید (ص ۲۰۵، باب ۴۲ حدیث ۱)

۱۴۔ حدیث ۲۷، توضیح ۲۶۔

۱۵۔ اسی قسم کی عبارت دعائے سجدہ پیغمبرؐ میں بھی آئی ہے:

«اَللّٰهُمَّ اِنِّي اَسْئَلُكَ الرِّضا بَعْدَ الْقَضاءِ وَبَرْدَ الْعَيْشِ بَعْدَ الْمَوْتِ وَلَذَّةَ النَّظَرِ اِلى وَجْهِكَ الْكَرِيمِ.»

احیاء العلوم جلد ۱ ص ۳۱۹

۱۶۔ محمد محسن بن الشاہ مرتضیٰ (متوفی ۱۰۹۱ھ ق) مشہور بہ فیض کاشانی۔ آپ محدث فقیہ عارف حکیم تھے آپ شیخ بہائیؒ، مولیٰ محمد صالح، سید ہاشم بحرانی اور ملا صدرا کے شاگرد تھے۔ انوار صدرا ان کی تالیفات میں واضح ہیں۔ علامہ مجلسیؒ، نعمۃ اللہ جزائری، قاضی سعید قمی اور ان کے فرزند مرحوم کاشانی کے شاگرد تھے۔ تقریباً ۹۰ تالیفات کی نسبت ان کی طرف دی جاتی ہے۔ منجملہ ان کے: تفسیر صافی، وافی در حدیث، المحجۃ البیضاء فی تہذیب الاحیاء، شافی، علم الیقین، الحقائق، کلمات مکنونہ، الاصول الاصلیہ، مشہور ہیں۔

۱۷۔ اس کتاب میں چار مقالے ہیں۔ ۱: مقام عالم ربانی و عارف حقیقی و بطلان اعمال صوفیہ ۲: غایت عبادات بدنی و ریاضیات نفسانی، ۳: ذکر ابرار۔ ۴: مواعظ حکمی و نصائح۔

۱۸۔ خدا سے شکوہ کرنا چاہیئے۔

۱۹۔ مرحوم مرزا علی اکبر حکیم کے ختم میں واعظ نے اس مطلب کو بیان کیا تھا۔ تفسیر سورۂ محمد ص ۱۲۱ «جلسۂ پنجم»

۲۰۔ علم الیقین جلد ۲ ص ۸۵۳، المقصد الرابع فی ذکر الموت۔

۲۱۔ علم الیقین جلد ۲ ص ۸۵۴-۸۵۶، المقصد الرابع فی ذکر الموت، فروع کافی جلد ۳ ص ۱۳۱، کتاب الجنائز، باب ما یعاین المومن و الکافر» حدیث ۴۔

۲۲۔ بحار جلد ۶، ص ۲۰۵، کتاب العدل و المعاد، باب ۸ «احوال برزخ»

۲۳۔ سورۂ زلزال آیت ۸-۱۔

۲۴۔ تفسیر صافی در ضمن تفسیر آیت ۷ سورۂ زلزال۔ اس حدیث کی نسبت «قیل» کی طرف دی ہے اور مجمع البیان میں اسی آیت کے ضمن میں عبداللہ بن مسعود سے نقل کیا ہے۔

۲۵۔ یہ اس حدیث کی طرف اشارہ ہے جس کو المحجۃ البیضاء جلد ۸ کے ص ۲۸۴ پر کتاب «ذکر الموت و مابعدہ» باب سعتہ رحمۃ اللہ» میں ذکر کیا ہے حدیث یہ ہے۔

«اِنَّ لِلّٰهِ تَعالى مِأَةَ رَحْمَةٍ، اَنْزَلَ مِنْها رَحْمَةً واحِدَةً بَيْنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ وَالطَّيْرِ وَالْبَهائِمِ وَالْهَوامِّ؛ فَبِها يَتَعاطَفُونَ وَبِها يَتَراحَمُونَ. وَاَخَّرَ تِسْعاً وَتِسْعِينَ رَحْمَةً يَرْحَمُ اللّٰهُ بِها عِبادَهُ يَوْمَ الْقِيامَةِ.»

Presented by www.ziaraat.com

انتیسویں حدیث

«بِالسَّنَدِ الْمُتَّصِلِ اِلٰى اَفْضَلِ الْمُحَدِّثِيْنَ وَاَقْدَمِهِمْ، مُحَمَّدُبْنُ يَعْقُوبَ الْكُلَيْنِيِّ، رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، عَنْ مُحَمَّدِبْنِ يَحْيٰى، عَنْ اَحْمَدِبْنِ مُحَمَّدِبْنِ عِيسٰى، عَنْ عَلِيِّ بْنِ النُّعْمَانِ، عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ عَمَّارٍ، قَالَ سَمِعْتُ اَبَا عَبْدِاللّٰهِ، عَلَيْهِ السَّلَامُ، يَقُولُ كَانَ فِي وَصِيَّةِ النَّبِيِّ، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ، لِعَلِيٍّ، عَلَيْهِ السَّلَامُ، اَنْ قَالَ: يَا عَلِيُّ، اَوْصِيكَ فِي نَفْسِكَ بِخِصَالٍ، فَاحْفَظْهَا عَنِّي. ثُمَّ قَالَ: اَللّٰهُمَّ اَعِنْهُ. اَمَّا الْاُولٰى فَالصِّدْقُ. وَلَا يَخْرُجَنَّ مِنْ فِيكَ كِذْبَةٌ اَبَدًا. وَالثَّانِيَةُ، اَلْوَرَعُ. وَلَا تَجْتَرِيءْ عَلٰى خِيَانَةٍ اَبَدًا. وَالثَّالِثَةُ، اَلْخَوْفُ مِنَ اللّٰهِ عَزَّ ذِكْرُهُ كَاَنَّكَ تَرَاهُ. وَالرَّابِعَةُ، كَثْرَةُ الْبُكَاءِ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ تَعَالٰى. يُبْنٰى لَكَ بِكُلِّ دَمْعَةٍ اَلْفُ بَيْتٍ فِي الْجَنَّةِ. وَالْخَامِسَةُ، بَذْلُكَ مَالَكَ وَدَمَكَ دُونَ دِينِكَ. وَالسَّادِسَةُ، اَلْاَخْذُ بِسُنَّتِي فِي صَلَاتِي وَصَوْمِي وَصَدَقَتِي: اَمَّا الصَّلَاةُ فَالْخَمْسُونَ رَكْعَةً؛ وَاَمَّا الصِّيَامُ فَثَلَاثَةُ اَيَّامٍ فِي الشَّهْرِ اَلْخَمِيسُ فِي اَوَّلِهِ

Presented by www.ziaraat.com

وَالْاَرْبِعَاءُ فِي وَسَطِهِ وَالْخَمِيسُ فِي آخِرِهِ؛ وَاَمَّا الصَّدَقَةُ فَجُهْدُكَ حَتّٰى تَقُولَ قَدْ اَسْرَفْتُ وَلَمْ تَسْرِفْ. وَعَلَيْكَ بِصَلَاةِ اللَّيْلِ، وَعَلَيْكَ بِصَلَاةِ اللَّيْلِ، وَعَلَيْكَ بِصَلَاةِ اللَّيْلِ؛ وَعَلَيْكَ بِصَلَاةِ اللَّيْلِ؛ وَعَلَيْكَ بِصَلَاةِ الزَّوَالِ، وَعَلَيْكَ بِصَلَاةِ الزَّوَالِ، وَعَلَيْكَ بِصَلَاةِ الزَّوَالِ؛ وَعَلَيْكَ بِتِلَاوَةِ الْقُرْآنِ عَلٰى كُلِّ حَالٍ؛ وَعَلَيْكَ بِرَفْعِ يَدَيْكَ فِي صَلَاتِكَ وَتَقْلِيبِهِمَا؛ وَعَلَيْكَ بِالسِّوَاكِ عِنْدَ كُلِّ وُضُوءٍ؛ وَعَلَيْكَ بِمَحَاسِنِ الْاَخْلَاقِ فَارْتَكِبْهَا، وَمَسَاوِي الْاَخْلَاقِ فَاجْتَنِبْهَا. فَاِنْ لَمْ تَفْعَلْ، فَلَا تَلُومَنَّ اِلَّا نَفْسَكَ.»

ترجمہ: ابنِ عمار کہتے ہیں: میں نے امام جعفر صادقؑ کو یہ فرماتے ہوئے سُنا کہ حضرت رسولِ خداؐ نے حضرت علیؑ کو اس طرح وصیت فرمائی تھی: اے علیؑ میں تمہارے لئے چند باتوں کی وصیت کرتا ہوں۔ ان کو تم مجھ سے یاد کرلو۔ اس کے بعد فرمایا: خدایا اس میں (تو علیؑ کی) مدد کر!

۱ــــ پہلی بات: سچ بولنا ہے (اس لئے) تمہاری زبان سے کبھی بھی معمولی سا جھوٹ نہ نکلے۔

۲ــــ تقویٰ دیرپا ہیز گاری ہے۔ کبھی بھی خیانت نہ کرو۔

۳ــــ خدا سے اس طرح ڈرو جیسے تم اس کو دیکھ رہے ہو۔

۴ــــ خوفِ خدا میں گریہ کرو۔ (کیونکہ) ہر آنسو کے بدلے جنت میں تمہارے لئے ہزار گھر بنائے جائیں گے۔

۵ــــ اپنے دین کی حفاظت کے لئے اپنا مال اور اپنی (جان) تک دیدو۔

۶ــــ میری سنت پر عمل کرو۔ میری نماز، میرے روزے، میرے صدقہ (میں میری پیروی کرو) نماز پچاس رکعت (پڑھو) ہے اور روزہ ہر ماہ میں تین دن (رکھو) ہے پہلا پنجشنبہ وسطی چہارشنبہ آخری پنجشنبہ اور اپنی طاقت بھر صدقہ دو۔ یہاں تک کہ تم کہنے لگو کہ میں نے اسراف کیا حالانکہ تم نے اسراف نہیں کیا ہے۔ نمازِ شب ضرور پڑھو، نمازِ شب لازمی طور سے پڑھو، نمازِ شب حتمی طور سے پڑھو اور نمازِ ظہر ضرور پڑھو تمہارے لئے نماز میں دونوں ہاتھوں کا اٹھانا اور گرانا ضروری ہے۔ ہر وضو کے وقت مسواک کرنا ضروری ہے۔ تم کو محاسن اخلاق پر عمل کرنا ضروری ہے اور بُرے اخلاق سے بچنا واجب ہے۔ (اگر تم نے ایسا نہ کیا اور کسی مصیبت میں گرفتار ہو گئے تو) اپنے ہی نفس

Presented by www.ziaraat.com

کی ملامت کرنا۔

شرح: خصال، خصلت کی جمع ہے اس کے معنیٰ "عادت" کے ہیں جیسا کہ صحاح میں ہے۔ اس لئے اس کا استعمال مطلق افعال واخلاق میں جیسا کہ اس حدیث اور اس کے علاوہ دوسری حدیثوں میں وارد ہے۔ مجاز ہے اور ممکن ہے کہ خصلت "خُو" سے اعم ہو۔ (اگر ایسا ہے تو پھر) تو ان استعمالات میں بطورِ حقیقت ہے۔

قولہ الورع: یہ فتح راء ورعۃ یہ "وَرِعَ یَرِعُ" کا مصدر ہے اور ماضی ومضارع دونوں میں "راء" کو کسرہ ہے اور اس کے معنیٰ تقویٰ یا شدتِ تقویٰ اور کمال پرہیزگاری کے ہیں اور ممکن ہے کہ یہ وَرَّعْتُہٗ تَوْرِیعاً سے ماخوذ ہو جس کے معنیٰ کَفَفْتُہٗ کے ہیں کیونکہ حقیقت حدودِ شرع وعقل سے کفِ نفس اور حفاظتِ نفس ہی کو ورع کہتے ہیں اور یا پھر وَرَّعَ بمعنی رد سے ماخوذ ہے چنانچہ وَرَّعْتُ الإبلَ عن الماء اس وقت کہتے ہیں جب اونٹوں کو پانی سے روک دیا جائے اور چونکہ انسان نفس کو خواہشاتِ نفسانی سے روکتا ہے لہٰذا اس کو ورع سے تعبیر کرتے ہیں۔

قولہ لاتجری: یہ باب افتعال سے ہے اور اس کے معنیٰ جسارت وشجاعت اور امورِ آخرت میں اقدام کرنے کے ہیں۔ الصحاح میں ابوزید سے منقول ہے:

"اَلْجُرْأَۃُ مِثَالُ الْجُرْعَۃِ الشَّجَاعَۃُ." جرأت جرعۃ کی طرح ہے اور اس کے معنیٰ شجاعت ہیں اور خود صحاح میں ہے الجری المقدم (جری اقدام کرنے والا)

قولہ فجھدک "الجھد" جیم کو ضمہ اور فتحہ دونوں سے پڑھا جاسکتا ہے۔ اس کے معنیٰ طاقت ومشقت کے ہیں، کہا جاتا ہے: جَھَدَ دَابَّتَہٗ وَاجْھَدَھَا یہ جملہ اس وقت بولتے ہیں جب جانور کو اس کی طاقت سے زیادہ چلایا جائے اور "جُھْدٌ" جدیت واصرار کے معنیٰ میں بھی آتا ہے۔ اس حدیث میں تمام معانی مناسب ہیں۔

"قَوْلُہٗ عَلَیْکَ بِصَلَاۃِ اللَّیْلِ" عَلَیْکَ اسم فعل ہے۔ مگر فعلِ متعدی کے معنیٰ میں یا اس کی جگہ پر استعمال ہوتا ہے: عَلَیْکُمْ اَنْفُسَکُمْ، کے معنیٰ اَلْزَمُوا کے ہیں۔ بنابریں "باء" برائے تقویت وتاکید ہے تعدیہ کے لئے نہیں ہے۔ مجمع البحرین میں ہے کہ اگر یہ لفظ "باء" سے متعدی کیا جائے تو اس کے معنیٰ اِسْتَمْسِکْ کے ہوتے ہیں مگر اس قسم کی تعبیر فارسی میں نہیں ہے اور عربی میں اس امر کے مبالغہ کے لئے بولا جاتا ہے اور فارسی میں اس سے ملتا جلتا جملہ یہ ہے "بچسب بہ فلاں کار" فلاں کام سے چپک کے رہ جاؤ۔ لیکن اس کا ترجمہ "بر تو باد بہ فلاں" جیسے تعبیرات متعارفہ کے

Presented by www.ziaraat.com

مطابق نہیں ہے اور ہم انشاءاللہ حدیث کے مناسبات کو چند فصلوں اور مقدمہ میں بیان کریں گے۔

مقدمہ

اس حدیث میں جو وصیتیں حضرت رسولؐ خدا نے حضرت علیؑ کو کی ہیں وہ متعدد اعتبار سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت رسولؐ خدا کی نظر میں وہ بہت اہم تھیں۔

پہلی چیز تو یہی ہے کہ حضرت علیؑ کو یہ وصیتیں فرمائی ہیں حالانکہ حضرت علیؑ کی شان اس سے کہیں بلند و برتر ہے کہ آپ حدود شرعیہ اور اوامر الٰہیہ میں مسامحہ سے کام لیں۔ لیکن چونکہ یہ چیزیں آنحضرتؐ کی نظر میں بہت اہم تھیں اس لئے وصیت فرمائی اور یہ بات سب ہی جانتے ہیں کہ جو بات کسی کی نظر میں اہم ہوتی ہے۔ اس کی اہمیت کی خاطر اس کے بارے میں ضرور تاکید کرتا ہے۔ چاہے وہ جانتا بھی ہو کہ یہ شخص اس کا پابند ہے۔

رہا یہ احتمال کہ آنحضرتؐ نے بعنوان "اِیَّاکَ اَعْنِیْ وَاسْمَعِی یَا جَارَتِیْ" خطاب فرمایا ہے کہ مخاطب حضرت علیؑ تھے مگر مراد تمام مومنین تھے تو یہ احتمال بعید ہے۔ کیونکہ طرز گفتگو بتاتا ہے کہ خود حضرت علیؑ مورد خطاب تھے اور مستقلاً مورد نظر تھے۔ چنانچہ کلمہ فی نفسک اور حفاظت کا حکم اور خدا سے اعانت کی دعا کرنا یہ سب (ہماری بات کے) شواہد ہیں اور اس قسم کی وصیتیں متعارف تھیں اور خود ائمہ میں ایک دوسرے کے لئے رائج تھیں اور ہر ایک کی عبادت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہی حضرات مراد ہوتے تھے (جو مخاطب تھے) مثلاً حضرت علیؑ نے امام حسنؑ و امام حسینؑ کو وصیت فرمائی تھی:

"میں تم دونوں (حسنینؑ) اور اپنے تمام اہل بیتؑ اور جس تک میری تحریر پہونچے (سب ہی) کو وصیت کرتا ہوں" [۴] اور واضح ہے کہ اس وصیت میں امام حسنؑ و امام حسینؑ بھی داخل ہیں۔ ان وصیتوں سے پتہ چلتا ہے کہ وہ مطلب اہمیت کا حامل ہے اور ان بزرگوں کو اس سے خاص علاقہ ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ وصیت کے مخاطب حضرت علیؑ کا ہونا مطلب کی بزرگی و اہمیت کو واضح کرتا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے، چونکہ وصیت کے مخاطب حضرت علیؑ تھے اور ان کے لئے ممکن ہی نہ تھا کہ رسولؐ خدا کی وصیت کی مخالفت کرتے یا اس میں سستی سے کام لیتے۔ لیکن اس کے باوجود اتنی تاکیدوں کے ساتھ مطلب کو بیان فرمایا:

تیسری وجہ یہ ہے: جب یہ فرمایا کہ میں تم کو وصیت کرتا ہوں تو متوجہ کرنے اور وصیتوں کی

Presented by www.ziaraat.com

اہمیت کو بتانے کیلئے فرمایا: مجھ سے ان کو محفوظ کرلو اور چونکہ آنحضرتؐ ان کو اہمیت دیتے تھے لہٰذا اس کے فوراً بعد ہی دعا فرمائی کہ: خداوندا علیؑ کی اس پر مدد فرما اس کے علاوہ ہر جملہ میں الگ الگ تاکید ہے۔ مثلاً نون تاکید کا استعمال کیا ہے۔ تکرار فرمایا ہے وغیرہ وغیرہ۔

پس معلوم ہوا کہ یہ مطالب بہت زیادہ اہمیت کے حامل ہیں۔ البتہ یہ تصور نہیں کیا جاسکتا کہ ان امور میں سے کوئی ایک بھی حضرت امیرؑ کے لئے نفع کا باعث ہے۔ بلکہ دوسروں کو نفع پہنچانا مقصود ہے۔ اگرچہ حضرت امیرؑ بالذات مورد خطاب ہیں۔ لیکن چونکہ تکالیف عمومی مشترک ہیں لہٰذا حتی الامکان کوشش کرنی چاہیئے کہ کہیں جناب رسولؐ خدا کی وصیتیں نظرانداز نہ ہوجائیں۔ ہمیں جان لینا چاہیئے کہ رسولؐ خدا کا حضرت امیرؑ سے شدید عشق و علاقہ اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ ان مطالب کی منفعت اور اہمیت بہت زیادہ ہے اسی لئے انھیں اس طرح سے بیان کیا ہے۔ واللہ العالم

پہلی فصل

جھوٹ کے مفاسد

رسولؐ خدا کی ایک وصیت ہمیشہ سچ بولنے اور جھوٹ سے پرہیز کی تھی اور چونکہ اس کو سب سے پہلے ذکر فرمایا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ کی نظر میں اس کی سب سے زیادہ اہمیت ہے اور میں (بھی) صدق کے مصالح کو جھوٹ کے مفاسد پر مقدم کروں گا۔ لہٰذا آپ یہ جان لیجئے کہ عقل و نقل دونوں اس کی قباحت و فساد پر متفق ہیں اور خود بھی جھوٹ فی نفسہ فواحش میں سے ہے اور گناہ کبیرہ ہے اور اخبار کی اس پر دلالت بھی ہے اس کے علاوہ کبھی کذب بیانی پر ایسا مفسدہ مرتب ہوتا ہے۔ جس کی قباحت اور جس کا فساد اس سے کم نہیں ہوتا۔ بلکہ کبھی تو ایک جھوٹ کے کھل جانے پر آدمی نظروں سے اتنا گر جاتا ہے کہ آخر عمر تک اس کا جبران ممکن نہیں ہوتا۔ خدانہ کرے کوئی آدمی جھوٹ میں مشہور ہوجائے کیونکہ اس سے زیادہ کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو آدمی کی شخصیت کو نقصان پہونچا سکے۔ اس کے علاوہ دینی مفاسد اور آخروی عقاب بھی بہت زیادہ ہیں۔ اس سلسلہ کی میں بعض حدیثوں کے ذکر پر اکتفا کرتا ہوں اور چونکہ مطالب واضح ہے لہٰذا طول کلام سے اجتناب کرتا ہوں۔

وسائل میں ہے کہ: امام محمد باقرؑ نے فرمایا:

Presented by www.ziaraat.com

«رُوِيَ فِي الوَسَائِلِ عَنْ مُحَمَّدِبْنِ يَعْقُوبَ بِاِسْنَادِهِ عَنْ اَبِي جَعْفَرٍ، عَلَيْهِ السَّلَامُ، قَالَ: اِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ جَعَلَ لِلشَّرِّ اَقْفَالاً، وَجَعَلَ مَفَاتِيحَ تِلْكَ الْاَقْفَالِ الشَّرَابَ؛ وَالكِذْبُ شَرٌّ مِنَ الشَّرَابِ.»[۵]

"خداوندِ عالم نے شر کے لئے بہت سے قفل قرار دیئے ہیں اور ان قفلوں کی کنجیاں شراب کو قرار دیا ہے۔ (مگر) جھوٹ شراب سے بھی (بدتر) و بُرا ہے۔"

اب ذرا اس حدیث کے بارے میں سوچئے جو عالم آلِ محمدؐ سے ایسی کتاب میں مذکور ہے جو تمام علما کے نزدیک موردِ قبول ہے۔ اب دیکھئے کیا عذر کے لئے کوئی راستہ باقی رہ جاتا ہے؟ کیا جھوٹ سے سہل انگاری سوائے ضعفِ ایمان از اخبارِ اہلِ بیتؑ عصمت و طہارت کے علاوہ کسی اور چیز کا استفادہ ہوتا ہے! چونکہ ہم کو اعمال کی غیبی صورتوں کا علم نہیں ہے، ملک و ملکوت کے معنوی ارتباطات سے ناواقف ہیں اس لئے اس قسم کے اخبار کی اہمیت نہیں دیتے اور اس قسم کی روایات کو مبالغہ پر حمل کر دیتے ہیں۔ حالانکہ یہ خود ایک باطل طریقہ ہے جو ہماری جہالت اور ضعفِ ایمانی سے پیدا ہوتا ہے۔ فرض کیجئے ہم اس حدیث کو مبالغہ پر محمول مان لیتے ہیں تو کیا یہ مبالغہ بے موقع ہے؟ کیا ہر چیز کو کہا جا سکتا ہے کہ یہ شراب سے بدتر ہے یا اس کا شر اتنا عظیم ہو کہ بعنوان مبالغہ کہا جا سکے کہ یہ شراب سے بالاتر ہے؟

امام محمد باقرؑ نے فرمایا:

«وَبِاِسْنَادِهِ عَنْ اَبِي جَعْفَرٍ، عَلَيْهِ السَّلَامُ، قَالَ: اَلْكِذْبُ هُوَ خَرَابُ الْاِيمَانِ.»

"جھوٹ ایمان کی خرابی (کی دلیل) ہے۔" یہ واقعہ ہے کہ اس قسم کی حدیثیں دلِ انسان کو دہلا دیتی ہیں اور اس کی کمر توڑ دیتی ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ جھوٹ ایسے بُرے اعمال میں سے ہے کہ جس کی قباحت کا احساس ہی اُٹھ گیا ہے۔ مگر ایک وقت ایسا آئے گا کہ جب ہم سمجھیں گے کہ ایمان جو ہمارے عالمِ آخرت کا سرمایہ ہے اس ہلاکت خیز گناہ کی وجہ سے ہمارے ہاتھ سے نکل گیا ہے۔

حضرت امام رضا علیہ السلام نے فرمایا:

"رسولِ خدا سے پوچھا گیا کیا مومن ڈرپوک ہو سکتا ہے؟ فرمایا: ہاں۔ پھر پوچھا گیا کیا بخیل ہو سکتا ہے؟ فرمایا: ہاں۔ پھر پوچھا گیا کیا کذاب ہو سکتا ہے؟ فرمایا: نہیں۔"

Presented by www.ziaraat.com

صدوق الطائفہ سے منقول ہے کہ رسولؐ خدا کی فرمایشات میں سے یہ (بھی) ہے کہ: سود سے کہیں بڑا جھوٹ ہے[9]۔ حالانکہ سود کے لئے اس طرح سختی بیان کی گئی ہے جس سے انسان متحیر ہو جاتا ہے۔ اور سب سے زیادہ اس کی طرف متوجہ رہنا چاہیئے کہ مذاق کے عنوان سے بھی حدیث میں جھوٹ کی نہ صرف ممانعت کی گئی ہے بلکہ شدت سے ممانعت کی گئی ہے اور علما نے اس کی حرمت کا فتوی بھی دیا ہے۔ چنانچہ صاحب وسائل نے عنوان باب میں (جو ان کے فتویٰ کے بھی مطابق ہے) فرمایا ہے

«اَزیَدُ الرِّبا اَلْکِذْبُ.» «بابُ تَحریمِ الْکِذْبِ فِي الصَّغیرِ وَالْکَبیرِ وَالْجِدِّ وَالْهَزْلِ عَدا مَا اُستُثْنِيَ.»[10]

باب جھوٹ کے حرام ہونے میں خواہ وہ بڑا ہو یا چھوٹا۔ واقعی ہو یا مزاح میں مستثنیات کے علاوہ۔

کافی میں حضرت امام محمد باقرؑ سے مروی ہے کہ امام سجادؑ اپنے بچوں کو جھوٹ سے روکتے ہوئے فرماتے تھے "اپنی تمام گفتگو میں جھوٹ سے پرہیز کرو خواہ وہ بڑا ہو یا چھوٹا، جدی ہو یا بطور شوخی۔ کیونکہ اگر انسان جزئی چیزوں میں جھوٹ بولے گا تو بڑے جھوٹ کی جرأت ہو گی کیا تم نہیں جانتے کہ رسولؐ خدا نے فرمایا ہے: بندۂ خدا سچائی کو اپنا پیشہ بنا لیتا ہے۔ یہاں تک کہ خدا اس کو صدیق لکھ لیتا ہے اور جھوٹ کو پیشہ بنانے والے کو خدا کذاب لکھ لیتا ہے۔"[11]

کافی میں سند روایت اصبغ ابن نباتہ تک پہونچاتی ہے کہ اصبغ کہتے ہیں:

«قالَ قالَ اَمیرُ الْمُؤْمِنینَ، عَلَیْهِ السَّلامُ: لایَجِدُ عَبْدٌ طَعْمَ الْاِیمانِ حَتّٰی یَتْرُکَ الْکِذْبَ هَزْلَهُ وَجِدَّهُ.»[12]

"حضرت علیؑ نے فرمایا: کسی بندے کو اس وقت تک ایمان کا ذائقہ نصیب نہیں ہو گا۔ جب تک وہ سنجیدگی اور مزاح میں (بھی) جھوٹ نہ چھوڑ دے۔"

حضرت رسولؐ خدا نے ابوذر غفاری کو جو وصیت فرمائی ہے اس میں ہے:

«یا اَباذَرٍّ، وَیْلٌ لِلَّذي یُحَدِّثُ فَیَکْذِبُ لِیُضْحِکَ بِهِ الْقَوْمَ. وَیْلٌ لَهُ، وَیْلٌ لَهُ.»[13]

"اے ابوذر اس شخص پر وائے ہو جو لوگوں کو ہنسانے کے لئے جھوٹ بولے۔ اس پر وائے ہو اس پر وائے ہو۔"

اب ان روایات اور رسولؐ خدا و ائمہؑ کے ان سخت بیانات کے بعد بہت بڑی بدبختی اور جرأت کا کام ہے کہ کوئی جھوٹ بولے اور جس طرح جھوٹ کو شدید قسم کے مفاسد میں شمار کیا گیا ہے

Presented by www.ziaraat.com

اسی طرح صدق لہجہ اور راستی گفتار کو بہت ہی اہمیت دی گئی ہے۔ اخبار اہل بیتؑ میں اس کی مدح سرائی کی گئی ہے۔ میں بعض حدیثوں کے ذکر پر اکتفا کرتا ہوں۔

کافی میں امام جعفر صادقؑ نے فرمایا:

«مُحَمَّدُبْنُ يَعْقُوبَ بِاِسْنَادِهِ عَنْ اَبِي عَبْدِاللّٰهِ، عَلَيْهِ السَّلَامُ، قَالَ: كُونُوا دُعَاةً لِلنَّاسِ بِالْخَيْرِ بِغَيْرِ اَلْسِنَتِكُمْ لِيَرَوا مِنْكُمُ الْاِجْتِهَادَ وَالصِّدْقَ وَالْوَرَعَ.» [۱۴]

"تم سب لوگوں کو خیر کی دعوت عمل سے دو تاکہ لوگ تمہارے اندر امر خیر، عبادت، سچائی و پرہیز گاری میں جدیت کو ملاحظہ کریں۔"

جناب صدوقؒ نے حضرت رسولؐ خدا کا قول نقل کیا ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا: قیامت کے دن تم میں مجھ سب سب سے زیادہ قریب وہ ہوگا اور جس کی شفاعت سب سے زیادہ (میرے نزدیک) ضروری ہوگی وہ، وہ ہوں گے جو گفتگو میں سچے، امانت ادا کرنے میں پکے اور خلق میں تم سب سے اچھے اور تمام لوگوں سے قریب ہوں گے۔ [۱۵]

دوسری فصل

تقویٰ کی حقیقت اور اس کے مرتبے

تقویٰ کو منازل سالکین و سائرین میں سے شمار کیا گیا ہے اور اس کی تعریف عارف معروف خواجہ عبداللہ انصاری نے اس طرح فرمائی ہے:

«هُوَ تَوَقِّ مُسْتَقْضِيٌ عَلَى حَذَرٍ، اَوْ تَحَرُّجٌ عَلَى تَعْظِيمٍ.» [۱۶] "کامل نگہ داری، حفاظت نفس کا آخری درجہ (حاصل ہونے کے ساتھ ساتھ) لغزش سے ڈرنا یا نفس پر تعظیم حق کے سلسلہ میں سختی کرنے کا نام تقویٰ ہے۔" اور اسی تعریف میں تمام مراتب شامل ہیں۔ کیونکہ تقویٰ کے بہت سے مرتبے ہیں مثلاً۔

۱ــــ ورع عامہ: گناہان کبیرہ سے اجتناب کرنا ہے۔

۲ــــ ورع خاصہ: محرمات میں مبتلا نہ ہو جانے کے خوف سے مشتبہات سے اجتناب

Presented by www.ziaraat.com

کرنا ہے۔ چنانچہ "حدیث تثلیث" میں اس کی طرف اشارہ ہے۔

۳ ——— ورع اہلِ زہد: مباحات سے بھی ان کے بوجھ سے بچنے کے لئے اجتناب کرنا۔

۴ ——— ورع اہلِ سلوک: مقامات تک پہونچنے کے لئے ترکِ دُنیا کر دینا۔

۵ ——— ورع مجذوبین: وصول بباب اللہ اور شہودِ جمالِ خدا کے لئے مقامات کا ترک کر دینا۔

۶ ——— ورع اولیا: توجہ بہ غایات سے اجتناب کرنا۔ ان میں سے ہر ایک کی ایک شرح ہے جو ہمارے لئے مفید نہیں ہے۔

لیکن جو بات یہاں پر قابلِ توجہ ہے وہ یہ ہے کہ محارمِ الٰہی سے بچنا تمام معنوی کمالات اور اخروی مقامات کے لئے ستون ہے اور کسی کو بھی کوئی مقام حاصل نہیں ہو سکتا جب تک وہ محارمِ الٰہی سے اجتناب نہ کرے اور جس دل کے اندر تقویٰ نہ ہو اس کو کدورت اور زنگ اس طرح گھیر لیتی ہے کہ بسا اوقات اس کی نجات کی توقع ختم ہو جاتی ہے۔ نفوس کی صفائی اور ان پر صیقل تقویٰ ہی سے ہوتی ہے عوام کے لئے یہی منزل بہت اہم ہے اور راہِ آخرت کے مسافر کے لئے اس کا حاصل کرنا بہت ضروری ہے۔ روایاتِ اہلِ بیتؑ کے اعتبار سے اس کی فضیلت اتنی زیادہ ہے جو اس کتاب میں نہیں آسکتی۔ میں اس سلسلہ میں صرف بعض حدیثوں کو ذکر کروں گا۔ اگر کسی کو تفصیل کی ضرورت ہو تو کتبِ اخبار کی طرف رجوع کرے۔

کافی میں ہے: امام جعفر صادقؑ نے فرمایا:

"كافي بِاِسْنَادِهِ عَنْ اَبِي عَبْدِاللّٰهِ، عَلَيْهِ السَّلَامُ، قَالَ: اُوصِيكَ بِتَقْوَى اللّٰهِ، وَالْوَرَعِ، وَالْاِجْتِهَادِ وَاعْلَمْ اَنَّهُ لَا يَنْفَعُ اِجْتِهَادٌ لَا وَرَعَ فِيهِ۔"[18]

"میں تم کو ورع، تقوائے الٰہی اور اجتہاد (اور عبادت) کی وصیت کرتا ہوں اور یاد رکھو جس عبادت میں ورع نہ ہو اس میں کوئی نفع نہیں ہے۔"

اسی مضمون کی اور روایت بھی ہے۔[19] اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ بغیر ورع کے عبادت درجۂ اعتبار سے ساقط ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ عبادت کا بزرگ ترین نکتہ۔ یعنی نفس کی ریاضت، ملک وطبیعت پر ملکوت کی حکومت۔ شدید تقویٰ اور کامل پرہیزگاری کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا۔ جو نفس خدا کی معصیت میں مبتلا ہیں ان میں کوئی نقش نہیں اُبھرتا۔ اس میں نقاشی بے فائدہ ہے۔ جب تک صفحۂ دل کدورتوں اور کثافتوں سے پاک نہ ہوگا اس میں نقاشی نہیں کی جا سکتی۔ لہٰذا عبادات جو نفس

Presented by www.ziaraat.com

کی صورت کمالیہ ہے بغیر صفائے نفس از کدورات معاصی بے فائدہ ہے وہ ایک بے معنیٰ صورت اور ایک بے روح قالب ہے۔

راوی کہتا ہے:

«وَبِاِسْنَادِهٖ عَنْ يَزِيدَ بْنِ خَلِيفَةَ، قَالَ وَعَظَنَا اَبُو عَبْدِاللّٰهِ، عَلَيْهِ السَّلَامُ، فَاَمَرَ وَزَهَّدَ ثُمَّ قَالَ: عَلَيْكُمْ بِالْوَرَعِ، فَاِنَّهٗ لَا يَنَالُ مَا عِنْدَاللّٰهِ اِلَّا بِالْعَمَلِ وَالْوَرَعِ.»[۲۰۱]

"امام جعفر صادقؑ نے ہم کو وعظ فرمایا اور زہد کا حکم دیا۔ اس کے بعد فرمایا: تمہارے اوپر تقویٰ اس لئے واجب ہے کہ خدا کے پاس جو چیز ہے وہ تم کو تقوے کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی یعنی اس حدیث کے اعتبار سے جس میں تقویٰ نہیں ہے وہ خدا کی کرامتوں سے محروم ہے کہ جن کا خدا نے وعدہ کیا ہے اور یہی بہت بڑی رسوائی و ذلت ہے۔

وسائل میں امام محمد باقرؑ سے روایت ہے:

"لَا تَنَالُ وِلَايَتُنَا اِلَّا بِالْعَمَلِ وَالْوَرَعِ" (ہماری ولایت تقویٰ اور ورع کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی۔)

دوسری روایت میں ہے امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: "جس شہر میں ایک لاکھ آدمی رہتے ہوں۔ اس میں ہمارے شیعہ سے زیادہ باورع اگر کوئی ہو تو وہ شخص ہمارا شیعہ نہیں ہے"[۲۰۲] یعنی شیعہ وہی ہے جو سب سے زیادہ باورع ہو۔ کافی میں بھی اس مضمون کی روایت موجود ہے۔[۲۰۳]

یہ بات سمجھ لینی چاہیئے کہ بحسب روایات کمال تقویٰ کا معیار محرمات الٰہیہ سے اجتناب ہے۔ جو بھی محرمات سے پرہیز کرے گا وہ متقی ترین آدمی شمار ہوگا۔ لہٰذا یہ بات آپ کی نظر میں نہ آئے اور شیطان آپ کو دھوکہ نہ دے۔ کیونکہ اس ملعون کی عادت ہے کہ انسان کو مایوس کر کے شقاوت ابدی کے حوالہ کر دیتا ہے۔ اس طرح کہ وہ آپ کو سمجھائے۔ جہاں ایک لاکھ یا اس سے زیادہ لوگ ہوں بھلا کیونکر ممکن ہے کہ انسان سب سے زیادہ متقی ہو؟ یہ شیطان لعین کی مکاری اور نفس امارہ کا وسوسہ ہے اور (شیطان کے شبہہ کا) جواب یہ ہے کہ: حسب روایات جو شخص محرمات الٰہیہ سے اجتناب کرے وہ اس روایت کا مشمول ہے اور وہ متقی ترین مردم میں اس کا شمار ہے اور محرمات الٰہیہ سے اجتناب کوئی بہت مشکل کام نہیں ہے۔ بلکہ تھوڑی سی ریاضت کے بعد تمام محرمات کو ترک کر سکتا

Presented by www.ziaraat.com

ہے اور ظاہر ہے جو شخص اہل سعادت و نجات ہونا چاہتا ہے اور تحت ولایت اہل بیت مشمول کرامت حق ہونا چاہتا ہے۔ اس کو ترک معصیت کے لئے اتنی زحمت تو برداشت کرنی ہی ہوگی اور اتنی محنت اور ریاضت تو کرنی ہی ہوگی۔

تیمیم

خیانت کے مفاسد اور امانت کی حقیقت کا بیان

اس جگہ ایک نکتہ کا بیان کرنا ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ جناب رسول خدا نے تقویٰ کی وصیت کے بعد اس پر تفریع فرمائی ہے کہ خیانت کی جرأت نہ کرو۔ حالانکہ تقویٰ مطلق محرمات سے بچنے کا نام ہے "جس میں خیانت بھی ہے" اور یا پھر اس سے عام ہے جیسا کہ پہلے کہا گیا۔

اس لئے یا تو خیانت کو ایک ایسے معنیٰ پر حمل کیا جائے جو معنائے عرفی سے عام ہو تاکہ تقویٰ کے مطابق ہو سکے اور وہ یہ ہے کہ مطلق معاصی کو یا مطلق موانع سیر الی اللہ کو خیانت شمار کیا جائے اس لئے کہ تکالیف الٰہیہ امانات خدا ہیں جیسا کہ ارشاد ہے:

"اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ..." ۲۴ "ہم نے اپنی امانت کو سارے آسمان و زمین اور پہاڑوں کے سامنے پیش کیا۔ تو انھوں نے اس کا (بار) اٹھانے سے انکار کیا اور اس سے ڈر گئے (الی الآخر)" بعض مفسرین نے امانت کو تکالیف الٰہیہ سمجھا ہے۔ ۲۵ بلکہ تمام اعضاء و جوارح اور قویٰ حق کی امانت ہیں ان کو مرضی الٰہی کے خلاف صرف کرنا خیانت ہے اور دل کو بھی غیر حق کی طرف متوجہ کرنا از جملہ خیانت ہے ؎

"این جان عاریت کہ بہ حافظ سپردہ دوست
روزی رخش ببینم و تسلیم وی کنم"

اور یا پھر خیانت سے وہی مشہور معنیٰ مراد ہیں۔ اس کی شدید اہمیت کی وجہ سے بطور خصوص اس کا ذکر کیا ہے بس گویا تمام حقیقت ورع امانت میں خیانت کرنے سے اجتناب کرنا ہے اور کوئی ائمہ معصومینؑ کی ان روایات کو دیکھے جو امانت کی واپسی اور اس میں خیانت نہ کرنے سے متعلق ہیں تو اس کو خود ہی اندازہ ہو جائے گا کہ شارع کی نظر میں اس کی کیا اہمیت ہے۔ اس کے علاوہ

Presented by www.ziaraat.com

اس کی ذاتی قباحت کسی بھی عاقل پر مخفی نہیں ہے (بلکہ) خائن کو تو جنسِ انسانی کے زمرہ سے خارج کر دینا چاہیئے اور ارذل ترین شیاطین سے ملحق کرنا چاہیئے اور یہ تو سب ہی جانتے ہیں کہ جو شخص خیانت اور لوگوں کے درمیان نادرستگی کے ساتھ مشہور ہو جائے اس کی زندگی اس کی دنیا میں بھی دشوار ہو جاتی ہے دنیا کے اندر ایک دوسرے کی مدد سے ہی راحت و آرام کی زندگی بسر کی جا سکتی ہے۔ کسی کیلئے بات انفرادی زندگی ممکن نہیں ہے ہاں کوئی بشریت سے خارج ہو جائے اور وحشی حیوانات سے ملحق ہو جائے تو اور ہے اور اجتماعی زندگی کی گاڑی کا پہیہ لوگوں کے آپسی اعتماد پر گھومتا ہے۔ اگر خدانخواستہ بنی انسان کا اعتماد ہی اُٹھ جائے تو پھر راحت و آرام کی زندگی کا بسر کرنا ناممکن ہے اور اعتماد کا سب سے بڑا پایہ امانت و ترکِ خیانت پر استوار ہے۔ لہٰذا خائن موردِ اطمینان نہیں ہے اور معاشرہ انسانیت اور مدنیت سے خارج ہے وہ کسی بھی مدینہ فاضلہ کا رکن نہیں ہو سکتا اور ظاہر ہے کہ ایسے آدمی کی زندگی کتنی سخت ہوگی۔ میں اس سلسلہ میں تتمیم فائدہ کے لئے اہل بیتؑ عصمت کی چند حدیثوں کا ذکر کرتا ہوں دلہائے بیدار اور چشم ہائے باز کے لئے اسی قدر کافی ہے۔

«مُحَمَّدُبْنُ يَعْقُوبَ بِاِسْنَادِهِ عَنْ اَبِي عَبْدِاللّٰهِ، عَلَيْهِ السَّلَامُ، قَالَ: لَاتَنْظُرُوا اِلٰى طُوْلِ رُكُوْعِ الرَّجُلِ وَسُجُوْدِهِ؛ فَاِنَّ ذٰلِكَ شَيْءٌ اِعْتَادَهُ، فَلَوْتَرَكَهُ اِسْتَوْحَشَ لِذٰلِكَ؛ وَلٰكِنِ انْظُرُوا اِلٰى صِدْقِ حَدِيْثِهِ وَاَدَاءِ اَمَانَتِهِ.»[۲۶]

صاحب کافی نے نقل کیا ہے کہ «امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: کسی شخص کے طویل رکوع اور سجدہ کو نہ دیکھو۔ یہ تو بربنائے عادت بھی ہو سکتا ہے کہ اگر اپنی عادت چھوڑ دے تو وحشت زدہ ہو جائے۔ البتہ اس کی سچائی اور ادائے امانت کو دیکھو۔»

«وَبِاِسْنَادِهِ عَنْ اَبِي كَهْمَسٍ، قَالَ قُلْتُ لِاَبِي عَبْدِاللّٰهِ، عَلَيْهِ السَّلَامُ: عَبْدُاللّٰهِ بْنُ اَبِي يَعْفُورٍ يُقْرِئُكَ السَّلَامَ: قَالَ: عَلَيْكَ وَعَلَيْهِ السَّلَامُ. اِذَا اَتَيْتَ عَبْدَاللّٰهِ فَاَقْرِئْهُ السَّلَامَ وَقُلْ لَهُ اِنَّ جَعْفَرَبْنَ مُحَمَّدٍ يَقُوْلُ لَكَ اُنْظُرْ مَا بَلَغَ بِهِ عَلِيٌّ عِنْدَرَسُوْلِ اللّٰهِ، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ، فَالْزَمْهُ. فَاِنَّ عَلِيّاً، عَلَيْهِ السَّلَامُ، اِنَّمَا بَلَغَ بِهِ عِنْدَرَسُوْلِ اللّٰهِ بِصِدْقِ الْحَدِيْثِ وَاَدَاءِ الْاَمَانَةِ.»[۲۷]

کافی میں ابی کہمس سے مروی ہے کہ اس نے کہا: میں نے امام جعفر صادقؑ سے عرض

Presented by www.ziaraat.com

کیا: عبداللہ ابن ابی یعفور آپ کو سلام کہتے ہیں: فرمایا: تم پر اور اس پر بھی سلام ہو۔ جب تم عبداللہ ابن ابی یعفور سے ملنا تو میرا سلام کہنے کے بعد کہنا کہ جعفر بن محمد نے کہا ہے: تم اپنی نظر میں یہ بات رکھو کہ جس چیز کے ذریعے حضرت علیؑ نے رسولِ خدا کے پاس ایسی منزلت حاصل کی ہے تم بھی وہی کرو اور حضرت علیؑ کو جو کچھ بھی حاصل ہوا ہے وہ سچی بات کہنے اور ادائے امانت کی وجہ سے حاصل ہوا ہے۔"

پس میرے عزیز دیکھو اس حدیث نے بتایا کہ راست گفتاری اور ردِ امانت نے حضرت علیؑ کو کس منزل تک پہونچا دیا تھا۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ رسولِ خداؐ حضرت علیؑ کے تمام صفات کمالیہ میں ان دونوں صفتوں کو ہر چیز سے زیادہ دوست رکھتے تھے اور انھیں دونوں چیزوں نے ان کو مقرب کیا اور اس بلند مقام تک پہونچایا اور خود امام جعفر صادقؑ نے ابن ابی یعفور کو جو آپ کے مخلص و جان نثار تھے تمام اوصاف و اعمال میں صرف انھیں دونوں صفتوں کی تاکید فرمائی ہے جو حضرت کے نزدیک بہت اہم تھیں اور تاکید فرمائی کہ ان کی پابندی کرنا۔

«وَبِإِسْنَادِهِ عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ، عَلَيْهِ السَّلَامُ، قَالَ قَالَ أَبُو ذَرٍّ (رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ) سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ، صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ، يَقُولُ: حَافَتَا الصِّرَاطِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ الرَّحِمُ وَالْأَمَانَةُ؛ فَإِذَا مَرَّ الْوَصُولُ لِلرَّحِمِ الْمُؤَدِّي لِلْأَمَانَةِ، نَفَذَ إِلَى الْجَنَّةِ؛ وَإِذَا مَرَّ الْخَائِنُ لِلْأَمَانَةِ الْقَطُوعُ لِلرَّحِمِ، لَمْ يَنْفَعْهُ مَعَهُمَا عَمَلٌ وَتَكَفَّأَ بِهِ الصِّرَاطُ فِي النَّارِ»[۲۸]

کافی میں اپنے اسناد سے امام محمد باقرؑ کی روایت نقل کی ہے کہ حضرت نے فرمایا: "ابوذرؓ نے کہا: میں نے رسولِ خدا کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ: قیامت کے دن جہنم نے دونوں کناروں پر (ایک پر) صلۂ رحم اور (دوسرے پر) امانت ہوگی۔ پس جس وقت صلۂ رحم کرنے والا اور امانت ادا کرنے والا وہاں پہونچے گا وہ جنت کی طرف عبور کر جائے گا اور جب خائن اور قطع رحم کرنے والا وہاں پہونچے گا تو اس کو کوئی عمل فائدہ نہیں پہونچا سکے گا اور صراط اس کو جہنم پہونچا دے گا۔"

اس سے معلوم ہوا کہ صلۂ رحم اور امانت کی صورت اس عالم میں صراط کے دونوں جانب کھڑی ہوگی اور صلۂ رحم کرنے والے اور امانت ادا کرنے والے کی مدد کرے گی اور اگر ان دونوں کو چھوڑ دیا ہے تو کوئی بھی عمل فائدہ نہیں پہونچائے گا۔

Presented by www.ziaraat.com

کافی میں اپنے اسناد کے ساتھ امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے کہ حضرت نے فرمایا: امیر المومنینؑ کا حکم ہے امانت ادا کرو چاہے وہ اولاد انبیاء کے قاتل کی ہو"

«بِإِسْنَادِهِ عَنْ أَبِي عَبْدِاللّٰهِ، عَلَيْهِ السَّلَامُ، فِي وَصِيَّتِهِ لَهُ: اِعْلَمْ، أَنَّ ضَارِبَ عَلِيٍّ، عَلَيْهِ السَّلَامُ، بِالسَّيْفِ وَقَاتِلَهُ لَوِ ائْتَمَنَنِي وَاسْتَنْصَحَنِي وَاسْتَشَارَنِي، ثُمَّ قَبِلْتُ ذٰلِكَ مِنْهُ، لَأَدَّيْتُ إِلَيْهِ الْأَمَانَةَ.» [۳۰]

کافی میں باسناد خود امام جعفر صادقؑ کی وصیت کے یہ فقرے نقل کئے ہیں: یہ جان لو اگر حضرت علیؑ کو تلوار سے مارنے والا اور ان کو قتل کرنے والا مجھے کسی چیز کا امین بنانے اور مجھ سے نصیحت طلب کرے اور مجھ سے مشورہ مانگے اور میں اس کی بات قبول کر لوں تو یقیناً اس کی امانت اس کو واپس کر دوں گا۔

«مُحَمَّدُ بْنُ عَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ بِإِسْنَادِهِ عَنْ أَبِي حَمْزَةَ الثُّمَالِيِّ، قَالَ سَمِعْتُ سَيِّدَ الْعَابِدِينَ، عَلِيَّ بْنَ الْحُسَيْنِ بْنِ عَلِيِّ بْنِ أَبِيطَالِبٍ، عَلَيْهِ السَّلَامُ، يَقُولُ لِشِيعَتِهِ: عَلَيْكُمْ بِأَدَاءِ الْأَمَانَةِ، فَوَالَّذِي بَعَثَ مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ، بِالْحَقِّ نَبِيًّا، لَوْ أَنَّ قَاتِلَ أَبِي الْحُسَيْنِ بْنِ عَلِيٍّ، عَلَيْهِمَا السَّلَامُ، ائْتَمَنَنِي عَلَى السَّيْفِ الَّذِي قَتَلَهُ بِهِ، لَأَدَّيْتُهُ إِلَيْهِ.» [۳۱]

ابو حمزہ ثمالی کہتے ہیں: میں نے امام زین العابدینؑ کو دیکھا کہ آپؑ اپنے شیعوں سے فرما رہے تھے: تمہارے اوپر واجب ہے امانتوں کا واپس کرنا۔ اس خدا کی قسم جس نے محمدؐ کو نبی برحق بنا کر بھیجا ہے۔ اگر میرے باپ حسینؑ ابن علیؑ کا قاتل جس تلوار سے اس نے میرے باپ کو قتل کیا ہے میرے پاس بطور امانت رکھ دے تو میں اس کو واپس کر دوں گا۔

«وَبِإِسْنَادِهِ عَنِ الصَّادِقِ، عَلَيْهِ السَّلَامُ، عَنْ آبَائِهِ، عَلَيْهِمُ السَّلَامُ، عَنِ النَّبِيِّ، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ، فِي حَدِيثِ الْمَنَاهِي أَنَّهُ نَهَى عَنِ الْخِيَانَةِ، وَقَالَ: مَنْ خَانَ أَمَانَةً فِي الدُّنْيَا وَلَمْ يَرُدَّهَا إِلَى أَهْلِهَا، ثُمَّ أَدْرَكَهُ الْمَوْتُ، مَاتَ عَلَى غَيْرِ مِلَّتِي،

Presented by www.ziaraat.com

وَيلْقَى اللّٰهَ وَهُوَ عَلَيْهِ غَضْبَانُ. وَمَنِ اشْتَرٰى خِيَانَةً وَهُوَ يَعْلَمُ، فَهُوَ كَالَّذِي خَانَهَا۔ ۳۲

حدیثِ مناہی میں رسولؐ خدا سے منقول ہے کہ رسولؐ خدا نے خیانت سے روکا ہے اور فرمایا ہے "جو دنیا میں کسی کی امانت میں خیانت کرتا ہے اور اس کے مالک کو نہیں پہونچاتا اور اسی عالم میں مر جاتا ہے تو وہ میری ملت پر نہیں مرتا اور خدا سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ خدا اس پر غضب ناک ہوگا اور جو شخص مالِ امانت کو جانتے ہوئے خریدے وہ بھی خائن کی طرح ہے"

اسی طرح دوسری حدیثیں بھی ہیں۔ دنیا جانتی ہے کہ خدا کا بندے پر غضبناک ہونے کا انجام کیا ہوگا۔ بلکہ جو شخص موردِ غضبِ الٰہی ہے شفاعت کرنے والے بھی اس کی شفاعت نہیں کریں گے۔ خصوصاً جبکہ خائن دینِ رسولؐ سے خارج بھی ہے (پھر شفاعت کیسی؟)

ایک حدیث میں ہے "جو کسی مومن سے خیانت کرے ہم سے نہیں ہے۔ ۳۳

ایک حدیث میں ہے "جو کسی مومن سے خیانت کرے وہ دینِ اسلام سے خارج ہے اور اس کو ابدالآباد تک جہنم کے کنارے ڈال دیا جائے گا۔ ۳۴ اس گناہ سے خدا کی پناہ چاہتا ہوں۔

مومنین سے خیانت کا مطلب ہر قسم کی خیانت ہے خواہ مالی ہو یا دوسری دوسری خیانتیں تو اس سے بھی بڑھ کر ہیں لہٰذا انسان کو اس عالم میں نفسِ امّارہ سے بہت احتیاط کرنا چاہیئے۔ کیونکہ بہت سے امور کو نفسِ امارہ آسان بنا کر پیش کرتا ہے حالانکہ وہ شقاوتِ ابدی اور خذلانِ دائمی کا سبب بن جاتے ہیں۔ یہ تو بندوں کے ساتھ خیانت کا انجام ہے اب امانت خدا کے ساتھ خیانت کا کیا انجام ہوگا۔؟

بعض امانتِ حق کی طرف اشارہ

خداوندِ عالم نے تمام قوتوں اور اعضائے ظاہریہ و باطنیہ کو ہمیں مرحمت فرمایا اور ہمارے مملکتِ ظاہر و باطن میں نعمت و رحمت کو نشر کیا اور ان سب کو ہمارے تابع فرمان بنایا اور ان تمام اعضا کو اس حالت میں بطورِ امانت ہمارے سپرد کیا کہ سب پاک و پاکیزہ اور صوری و معنوی گناہوں

Presented by www.ziaraat.com

سے طاہر تھے اور عالم غیب سے ہمارے اوپر جن چیزوں کو نازل فرمایا وہ بھی آلائشوں سے پاک تھیں۔ اب اگر ہم نے خدا سے ملاقات کے وقت ان امانتوں کو عالم طبیعت کے آلائش کے بغیر اور ملک و دنیا کی کثافتوں کے بغیر خداوند عالم کو واپس کر دیا تب تو امین ہیں ورنہ خیانت کار ہیں۔ اسلام حقیقی سے خارج اور ملت رسولؐ سے باہر ہیں۔ مشہور حدیث میں آیا ہے:

«قَلْبُ الْمُؤْمِنِ عَرْشُ الرَّحْمٰنِ»[35] "مومن کا دل عرش رحمان ہے"

حدیث قدسی کا مشہور فقرہ ہے:

«لَا يَسَعُنِي اَرْضِي وَلَا سَمَائِي، وَلٰكِنْ يَسَعُنِي قَلْبُ عَبْدِيَ الْمُؤْمِنِ»[36]

"میرے آسمان و زمین میں بھی میری گنجائش نہیں ہے ہاں میرے بندۂ مومن کے دل میں میری گنجائش ہے"

مومن کا دل عرش و سلطنت الٰہی ہے اور خدا کی منزل گاہ ہے اور دل کا مالک ذات خدا ہے (اب اگر کسی نے) غیر حق کی طرف توجہ کی تو حق سے خیانت کی اور خدا اور خاصان کے علاوہ خاصان خدا کی محبت میں محبت خدا ہے۔ جس نے کسی اور سے محبت کی مشرب عرفان میں وہ خائن ہے اور ولایت و اہل بیتؑ عصمت و طہارت اور خاندان رسالت سے محبت، ان کے مقام والا کی معرفت (یہ سب) حق کی امانت ہے۔ چنانچہ بہت سی تفسیروں میں لفظ امانت جو آیت کے اندر آئی ہے اس کی تفسیر ولایت امیرالمومنینؑ سے کی گئی ہے اور اسی لئے حضرت علیؑ کی ولایت و سلطنت کا غصب کرنا امانت میں خیانت ہے اور حضرت علیؑ کی پیروی نہ کرنا (بھی) خیانت کا ایک مرتبہ ہے اور حدیثوں میں آیا ہے کہ جو حضرت علیؑ کی مکمل پیروی کرے وہی شیعہ ہے ورنہ پیروی کے بغیر تشیع کا دعویٰ تشیع نہیں کہلائے گا۔[38]

بہت سے خیالات جھوٹی اشتہا کے مانند ہوتے ہیں (مثلاً) محض اپنے دل میں حضرت علیؑ اور ان کی اولاد پاک کی محبت محسوس کر کے ہم مغرور ہو جاتے ہیں اور گمان کرنے لگتے ہیں کہ پیروی کے بغیر بھی یہ دوستی باقی رہ سکتی ہے۔ آخر اس پر کیونکر اطمینان کیا جا سکتا ہے کہ اگر انسان مراقبت نہ کرے اور آثار دوستی کو ترک کر دے تب بھی یہ دوستی باقی رہ سکتی ہے؟ بہت ممکن ہے کہ سکرات کی سختیاں جو غیر مومنین و مخلصین کے لئے ہیں ان کی دہشت و وحشت سے آدمی حضرت علیؑ کو بھول جائے (جیسا کہ) حدیث میں ہے: اہل معصیت کا ایک گروہ جہنم میں معذب ہوگا اور رسولؐ خدا کے نام کو بھول چکا ہوگا۔ پھر جب عذاب کی مدت گزر جائے گی اور وہ گناہوں سے

Presented by www.ziaraat.com

پاک ہو جائے گا تو حضرت رسولؐ کا اسم مبارک ان کو یاد آ جائے گا اور وہ بلند آواز سے فریاد کریں گے وا محمداہ تب جا کر مستحق رحمت ہوں گے۔ ۳۹

ہم لوگ خیال کرتے ہیں کہ واقعۂ موت اور سکرات اسی عالم کے مشابہ ہوگا۔ میرے عزیز! آپ اپنے ایک جزئی مرض سے تمام یادداشت کھو بیٹھتے ہیں۔ پھر سوچئے ان سختیوں مصیبتوں وحشتوں، فشاروں کے بعد کیا حالت ہوگی؟ اگر انسان نے دوستی کی اور لوازم دوستی کے مطابق عمل بھی کیا اور محبوب کو یاد رکھا اس کی پیروی کرتا رہا تب وہ دوستی ولیٔ مطلق اور حق کے محبوب مطلق کی نظر میں محبوب ہوگی۔

لیکن اگر صرف زبانی دعویٰ کرے اور عمل نہ کرے بلکہ مخالفت کرے تو ممکن ہے کہ اسی دنیا میں اور انھیں تغیرات و تبدیلات اور جلوہ ہائے گوناگوں میں اس دوستی سے ہی منصرف ہو جائے۔ بلکہ نعوذ باللہ ممکن ہے حضرت کا دشمن ہو جائے۔ چنانچہ میں نے بعض اشخاص کو دیکھا ہے جو حضرت سے محبت کا دم بھرتے تھے بری صحبتوں میں پڑ کر غلط کردار میں مبتلا ہو کر حضرت کے دشمن ہو گئے اور ساتھ میں خدا اور رسولؐ و اہل بیتؑ کے بھی دشمن ہو گئے اور اگر بالفرض اس عالم سے محبت (اہل بیتؑ) کے ساتھ گزر گیا تو اگرچہ حسب روایات و آیات اہل نجات و اہل سعادت سے ہے۔ لیکن برزخ، اہوال موت و قیامت میں تو مبتلا ہو کے رہے گا۔ جیسا کہ حدیث میں ہے: (میں قیامت میں تمہاری شفاعت کروں گا۔ مگر برزخ کی فکر تم خود کرو)۔ ۴۰

میں خدا کی پناہ اس کے عذاب، فشار قبر و زحمت، عذاب برزخ، جس کی اس دنیا میں کوئی شبیہ بھی نہیں ہے سے چاہتا ہوں اور اس دروازے سے جو جہنم سے قبر میں کھولا جائے گا۔ خدا کی پناہ چاہتا ہوں۔ اگر وہ دروازہ اس دنیا میں کھول دیا جائے تو تمام موجودات ہلاک ہو جائیں گے۔ نعوذ باللہ منہ۔

تیسری فصل

خوف خدا کا بیان

خوف خدا ایک ایسی منزل ہے کہ بہت کم ایسی منزل کو عوام کے لئے پایہ قرار دیا جا سکتا ہے۔

Presented by www.ziaraat.com

خوفِ خدا کمالِ معنوی ہونے کے علاوہ بہت سے نفسانی فضائل کا منشا ہے اور نفس کا ایک اہم ترین مصلح ہے بلکہ اس کو تمام اصلاحات کا سرچشمہ اور تمام روحانی امراض کے علاج کا مبدا شمار کیا جاسکتا ہے بلکہ خدا پر ایمان رکھنے والا مومن و سالک اور مہاجر الی اللہ کو تو اس منزل کی بہت اہمیت دینی چاہیئے اور جو بھی چیز خوفِ خدا کو دل میں زیادہ کرے اور اس کی جڑوں کو دل میں مضبوط کرے اس کی طرف بہت توجہ دینی چاہیئے مثلاً عذاب و عقاب کا ذکر، شدت عقبات موت، موت کے بعد برزخ و قیامت و اہوال صراط و میزان و مناقشہ در حساب و جہنم کے گوناگوں عذاب، عظمت و جلال و قہر و سلطنتِ حق کا ذکر، استدراجِ مکر اللہ، سوئے انجام وغیرہ کا ذکر چونکہ میں نے اس کتاب میں ان تمام مراحل کا ایک حد تک ذکر کر دیا ہے۔ اس لئے یہاں پر خوفِ خدا کے سلسلہ میں بعض ان فضیلتوں کا ذکر کرنا چاہتا ہوں جو روایات میں ہیں۔

"مُحَمَّدُ بْنُ يَعْقُوبَ بِإِسْنَادِهِ عَنْ إِسْحَاقِ بْنِ عَمَّارٍ، قَالَ قَالَ أَبُو عَبْدِاللّٰهِ، عَلَيْهِ السَّلَامُ: يَا إِسْحَاقُ، خَفِ اللّٰهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ؛ وَإِنْ كُنْتَ لَا تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ. وَإِنْ كُنْتَ تَرَى أَنَّهُ لَا يَرَاكَ فَقَدْ كَفَرْتَ؛ وَإِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنَّهُ يَرَاكَ ثُمَّ بَرَزْتَ لَهُ بِالْمَعْصِيَةِ، فَقَدْ جَعَلْتَهُ مِنْ أَهْوَنِ النَّاظِرِينَ عَلَيْكَ (ن خ: إِلَيْكَ)"[41]

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: "اے اسحاق خدا سے اس طرح ڈرو جیسے اس کو دیکھ رہے ہو اور اگر تم نہیں دیکھ رہے ہو تو وہ تو تمہیں دیکھ رہا ہے اور اگر تم سمجھتے ہو کہ وہ تم کو نہیں دیکھ رہا ہے تو تم کافر ہو اور اگر یہ جانتے ہوئے کہ وہ تم کو دیکھ رہا ہے تم گناہ کرتے ہو تو تم نے اس کو اپنے دیکھنے والوں میں سب سے کمتر سمجھا۔"

یہ جان لو کہ اگر کوئی ملک و ملکوت میں تجلیِ حق کی کیفیت اور زمین و آسمان میں ذاتِ مقدس کے ظہور کو بمشاہدہ حضوریہ یا مکاشفات قلبیہ یا ایمانِ حقیقی کے ساتھ سمجھتا ہے اور نسبتِ حق بہ خلق اور نسبتِ خلق بہ حق کو جس طرح وہ ہے اسی طرح جانتا ہے اور کیفیتِ ظہورِ مشیتِ البیہ کو تعینات میں اور ان کی فنا کو اس میں علی ما ہو علیہ ادراک کر لیتا ہے تو وہ یہ جان لے گا کہ خدا تمام مکان اور حیز میں موجود ہے اور تمام موجودات میں اس کا بہ علمِ حضوری مشاہدہ کر سکتا ہے جیسا کہ حضرت صادقؑ مصدق فرماتے ہیں:

"مَا رَأَيْتُ شَيْئاً إِلَّا وَرَأَيْتُ اللّٰهَ مَعَهُ أَوْ فِيهِ."[42]

Presented by www.ziaraat.com

"میں نے جس چیز کو بھی دیکھا اس میں یا اس کے ساتھ خدا کو دیکھا" اور نوافل کے قرب حقیقت کے سلسلہ میں فرمایا کُنْتُ سَمْعَهُ وَبَصَرَهُ وَيَدَهُ، ۴۳ "میں اس کا کان، آنکھ، ہاتھ ہو جاتا ہوں اور اس کے علاوہ چیزیں بھی اس پر منکشف ہو جاتی ہیں۔ پس وہ اپنے درجہ کے اعتبار سے خدا کو تمام مراتب میں موجود دیکھتا ہے۔ علماً یا ایماناً یا عیناً و شهوداً۔ البتہ اس رتبہ میں سالک چاہے جس مرتبہ میں ہو حضورِ حق کی حفاظت کرتا ہے اور اس ذاتِ مقدس کی مخالفت سے اجتناب کرتا ہے۔ کیونکہ حفظ حضور و محضر ایسی فطری چیز ہے جس پر مخلوق کو پیدا کیا گیا ہے اور انسان چاہے جتنا بے حیا ہو اس حضور و غیبت میں فرق ہوتا ہے۔ خصوصاً جب منعم عظیم کامل کا حضور ہو تب تو ہر ایک کی فطرت میں مستقلاً حفظِ حضور ثبت ہے۔

حضورِ حق کے سلسلہ میں لوگوں کا اختلاف

یہ بھی جان لینے کی بات ہے کہ اہلِ سلوک و ایمان اور ولایت و عرفان اس طرح حضور و حضرت کی حفاظت کرتے ہیں جو انھیں کے لئے مخصوص ہے چنانچہ مومنین و متقین تو حفظ حضور کو ترکِ نواہی اور اتیان اوامر سمجھتے ہیں اور مجذوبین غیر کی طرف ترک توجہ اور انقطاع تام کامل کو سمجھتے ہیں اور اولیائے کامل حضرات سلب غیریت و نفی انانیت کو سمجھتے ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ اصحابِ قلوب و اہلِ معرفت کے بلند مقامات میں سے حضورِ حق کا مشاہدہ اور حفظِ حق (بھی) ہے۔ چنانچہ خدا کے علم فعلی کی کیفیت کے مشاہدہ کے ساتھ اور فنائے اشیا در ذاتِ حق اور حضور موجودات در پیشگاہِ مقدس اور یہ سمجھنا کہ دارِ تحقق محضرِ ربوبیت ہے جہاں بھی ہیں حفظِ محضر کرتے ہیں اور یہ بھی فطریات میں سے ہے۔

رسولِ اکرم نے اپنی اس وصیت میں جو حضرت علیؑ کو فرمائی ہے اور ہم جس کی شرح کر رہے ہیں مقامِ اول کی طرف اشارہ فرمایا ہے اور اسحاق ابنِ عمار کی حدیث میں وَالثَّالِثَةُ اَلْخَوْفُ مِنَ اللّٰهِ عَزَّذِكْرُهُ كَاَنَّكَ تَرَاهُ اور خِفِ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ۔ ۴۴ سے اور اشارہ فرمایا ہے اور دوسرے مقام کی طرف امام جعفر صادقؑ نے اپنے قول: «وَاِنْ كُنْتَ لَاتَرَاهُ فَاِنَّهُ يَرَاكَ۔» سے اشارہ فرمایا ہے اور بہ فطرت حفظ محضر امام جعفر صادقؑ نے اپنے اس قول «وَاِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّهُ يَرَاكَ...» سے اشارہ فرمایا ہے۔

Presented by www.ziaraat.com

اہلِ ایمان و سلوک و ریاضت و عرفان کے اختلاف مراتب کے اعتبار سے خوف کے متعدد مرتبے ہیں جن میں سب سے بڑا مرتبہ عظمت و تجلیاتِ قہر و جلالیۂ حق کا خوف ہے اور ہو سکتا ہے کہ اس مقام کو مراتبِ خوف سے نہ شمار کیا جائے چنانچہ منازل السائرین میں عارف معروف فرماتے ہیں:

«وَلَيْسَ فِي مَقَامِ اَهْلِ الْخُصُوْصِ وَخْشَةُ الْخَوْفِ، اِلَّا هَيْبَةُ الْاِجْلَالِ.»[۴۵]

"اہلِ خصوص کے مقام میں ہیبتِ اجلال کے علاوہ کوئی خوف نہیں ہوا کرتا۔"

فضیلتِ گریہ

خوفِ خدا میں گریہ کی بہت فضیلت ہے جیسا کہ اس حدیث میں ہے "ہر قطرہ کے عوض خدا بہشت میں ہزار گھر بناتا ہے" جناب شیخ صدوق نے بسند متصل امام جعفر صادقؑ سے ان کے آباؤ اجداد کے واسطہ سے حضرت رسول اکرمؐ سے حدیثِ معراج میں یہ حدیث بیان کی ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا:

"جس کی آنکھیں خوفِ خدا میں گریہ ہو جائیں اس کے ہر قطرے کے عوض جنت میں ایک قصر موتیوں و جواہر سے مزین ایسا ملتا ہے کہ نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہوگا نہ کسی کان نے سنا ہوگا نہ کسی بشر کے دل میں اس کا تصور پیدا ہوا ہوگا۔"[۴۶]

«وَعَنْ ثَوَابِ الْاَعْمَالِ بِاِسْنَادِهٖ عَنْ اَبِيْ جَعْفَرٍ، عَلَيْهِ السَّلَامُ، قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ: لَيْسَ شَيْءٌ اِلَّا وَلَهُ شَيْءٌ يَعْدِلُهُ اِلَّا اللّٰهَ. فَاِنَّهُ لَا يَعْدِلُهُ شَيْءٌ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ لَا يَعْدِلُهُ شَيْءٌ. وَدَمْعَةٌ مِنْ خَوْفِ اللّٰهِ فَاِنَّهُ لَيْسَ لَهَا مِثْقَالٌ؛ فَاِنْ سَالَتْ عَلٰى وَجْهِهٖ، لَمْ يَرْهَقْهُ قَتَرٌ وَلَا ذِلَّةٌ بَعْدَهَا اَبَدًا.»[۴۷]

ثواب الاعمال میں ہے امام محمد باقرؑ نے فرمایا: رسولِ خداؐ کا ارشاد ہے: خدا کے علاوہ ہر چیز کا معادل ہے اور لا الہ الا اللہ کا بھی مقابلہ کسی چیز سے نہیں کیا جا سکتا اور خوفِ خدا میں نکلنے والے آنسو کے لئے کوئی پیمانہ نہیں ہے اور اگر آنسو کے قطرے رخسار پر جاری ہو جائیں تو پھر اس کے بعد اس کو کبھی ذلت و رسوائی گلوگیر نہ ہوگی۔

حدیث میں ہے: "جس انسان اور بہشت کے درمیان کثرتِ گناہ کی وجہ سے زمین

Presented by www.ziaraat.com

وآسمان کے فاصلہ سے زیادہ فاصلہ ہوجائے اور وہ گناہوں سے پشیمان ہوکر خوفِ خدا سے گریہ و زاری کرے تو اس کے اور بہشت کے درمیان اتنی قربت ہوجاتی ہے جتنی آنکھوں اور پلکوں کے درمیان ہوتی ہے۔"[۴۸]

کافی میں حضرت صادقؑ سے منقول ہے: "ہر چیز کے لئے ایک وزن و پیمانہ ہے مگر (اس) گریہ کے لئے کوئی پیمانہ نہیں ہے جس کا ایک قطرہ آتش کے دریاؤں کو خشک کردیتا ہے۔

حضرت ہی نے فرمایا: ایک اُمت کے اندر ایک ہی گریہ کرنے والا سب ہی کے لئے باعثِ رحمت ہوجاتا ہے۔[۴۹]

نیز اس قسم کی احادیث بہت ہیں۔[۵۰]

چھوٹے عمل پر بڑا ثواب بعید نہیں ہے

جس بات کی طرف اشارہ لازم ہے وہ یہ ہے کہ بعض غیر مطمئن نفوس اور امور جزیہ پر ثوابِ جزیل دینے کے سلسلہ میں اعتراض کرتے ہیں۔ حالانکہ وہ لوگ اس سے غافل ہیں کہ جو چیز ہماری نظر میں چھوٹی ہے وہ اس بات کی ہرگز دلیل نہیں ہے کہ اس کی صورت غیبی و ملکوتی بھی حقیر و چھوٹی ہو کیونکہ بہت سی چھوٹی موجودات کی باطن و ملکوت بہت ہی بزرگ اور عظیم ہوتے ہیں مثلاً ہیکل مقدس و صورت جسمانی رسول اکرمؐ اس دُنیا کی ایک چھوٹی سی چیز تھی ان کی روح مقدس ملک و ملکوت پر محیط تھی اور زمین و آسمان کی تخلیق کا واسطہ تھی کسی بھی چیز کے باطنی ملکوتی صورت کو دیکھ کر اس کی حقارت و چھوٹے ہونے کا حکم لگانا، اشیا کے عالم بواطن و ملکوت کے علم کی فرع ہے۔ ہم جیسے لوگوں کے لئے ایسے حکم کا حق نہیں پہونچتا۔ ہم کو تو علمائے آخرت یعنی اولیا و انبیا کے احکام پر کھلی آنکھ و کان سے عمل کرنا چاہیئے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ: اس عالم کی بنا خدا کے فضل و کرم اور رحمتِ غیر متناہیہ پر رکھی گئی ہے اور خدا کے فضل و کرم کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ جواد علی الاطلاق اور غیر متناہی رحمتوں کے مالک کے فضل و کرم کو بعید سمجھنا نہایت نادانی ہے۔ تمام وہ نعمتیں جن کو خدا نے اپنے بندوں کو بخشا ہے اور جن کے جزئیات کیا بلکہ کلیات کے احصا سے عقول عاجز و سرگرداں ہیں یہ سب بغیر کسی سوال اور کسی استحقاق کے خدا نے مرحمت فرمائی ہیں۔ اس لئے اس میں کون سا بُعد ہے

Presented by www.ziaraat.com

کہ خدا کسی سابقہ کے بغیر محض اپنے فضل و کرم سے ان ثوابوں کا اضافہ مضاعف اپنے بندوں کو عنایت فرمائے۔ کیا جس عالم کی بنیاد تقویتِ ارادۂ انسانی پر رکھی گئی ہو اور جس کے بارے میں کہا گیا ہو کہ:

وَفِيهَا مَا تَشْتَهِيهِ الْأَنْفُسُ وَتَلَذُّ الْأَعْيُنُ[1] "اس عالم میں تمام وہ چیزیں ہیں جن کی خواہش نفسوں کو ہوتی ہے اور جن سے آنکھوں کو لذت ملتی ہے" حالانکہ انسانی خواہشات کی نہ کوئی حد مقرر ہے اور نہ کوئی مقدار معین ہے کیا اس کے بارے میں اس قسم کے استبعاد جائز ہیں؟ خدا نے اس عالم کو اس طرح مقرر فرمایا ہے اور ارادۂ انسانی کو اس طرح قرار دیا ہے کہ ارادہ کرنے سے جو بھی چاہے وہ شے موجود ہو جاتی ہے۔

میرے عزیز! اس قسم کے ثواب کے بارے میں ایک دو یا دس (بیس) حدیثیں نہیں ہیں کہ انسان ان کا انکار کر دے بلکہ وہ تو حد تواتر سے بھی زیادہ ہیں۔ احادیث کی تمام مستند اور معتبر کتابیں اس قسم کی حدیثوں سے بھری پڑی ہیں۔ بس یوں سمجھئے کہ گویا ہم نے خود ہی اپنے کانوں سے معصومینؑ سے سنا ہے۔ اس میں کسی طرح کی تاویل بھی نہیں ہے۔ لہٰذا اس مطلب کو جو نصوص متواترہ کے مطابق ہے اور برہان کے مخالف بھی نہیں ہے۔ بلکہ ایک قسم کے برہان کے بھی مطابق ہے بلاوجہ انکار کرنا ضعف ایمان اور کمال جہالت کی دلیل ہے۔ انسان کو چاہئے کہ انبیا اور اولیا کے فرمان کے سامنے سر تسلیم خم کر دے۔ کمال انسانی کے لئے کوئی بھی چیز الوہیت کے سامنے تسلیم ہونے سے بہتر نہیں ہے۔ خصوصاً ان امور میں جہاں عقل کے لئے انکشاف کا کوئی واسطہ نہ ہو اور وحی اور رسالت کے علاوہ کسی اور ذریعہ سے اس کے سمجھنے کا امکان نہ ہو اور اگر انسان اپنی معمولی عقل اور اوہام و ظنون کو امور غیبیہ اخرویہ اور تعبدیہ شرعیہ میں دخل دینے لگے تو اس کا انجام ضروریات و مسلمات کے انکار پر پہنچے گا اور پھر تھوڑا تھوڑا کر کے کمی سے زیادتی کی طرف اور نیچے سے اوپر کی طرف تمام ہوگا۔ بالآخر سب کو ضروریات اور ان کی استناد میں خدشہ ہو۔ انکار مجال تو ہے نہیں۔ مگر قرآن مجید (کتاب آسمانی) میں تو کوئی خدشہ نہیں ہے اس میں بھی اس قسم کے ثواب کا ذکر ہے مثلاً:

لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِنْ أَلْفِ شَهْرٍ۔[2] "شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے" یا مثلاً:

قَوْلُهُ: مَثَلُ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ أَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِي كُلِّ سُنْبُلَةٍ مِائَةُ حَبَّةٍ وَاللَّهُ يُضَاعِفُ لِمَنْ يَشَاءُ[3]

"جو لوگ اپنے مال کو راہ خدا میں خرچ کرتے ہیں ان (کے خرچ) کی مثال اس دانہ کی سی ہے

Presented by www.ziaraat.com

جس کی سات بالیاں نکلیں (اور) ہر بالی میں سو (سو) دانے ہوں اور خدا جس کے لئے چاہتا ہے دوگنا کر دیتا ہے۔"

بلکہ لکھنے والے کا گمان ہے اس قسم کے انکار اور استبعاد کا ایک پایہ تکبر اور گزشتہ اعمال کو بزرگ شمار کرنے پر ہے مثلاً اگر ایک روزہ رکھنے یا ایک شب بھر عبادت کرے اور اس کے بعد سنے کہ اس کا تو بہت ثواب ہے تو بعید نہیں سمجھے گا۔ حالانکہ اگر معیار عمل کی مزدوری ہوتی تو بہرحال استبعاد ہوتا۔ لیکن چونکہ یہ عمل اس نے خود اپنے عمل کو بزرگ سمجھا ہے اور اس کو قابلِ تعجب سمجھا ہے۔ لہٰذا اس کے ثواب کی تصدیق کی ہے۔

اے عزیز ہماری تمام عمر پچاس ساٹھ سال کی ہے فرض کر لو ہم نے پوری عمر صحیح ایمان کے ساتھ تمام شرعی وظائف، عملِ صالح اور توبہ کے ساتھ عمر گزار کر انتقال کیا۔ اب ہمارے اتنے اعمال و ایمان کی کیا جزا ہوگی؟ کتاب و سنت و تمام ملتوں کا اس پر اجماع ہے کہ ایسا شخص موردِ رحمت اور مستحقِ جنت ہے۔ ایسی جنت جہاں ہمیشہ نعمت و راحت میں رہے گا اور دائمی رحمت و روح و ریحان کا مستحق ہوگا۔ کیا کوئی اس کا انکار کر سکتا ہے؟ نہیں! حالانکہ جزا کا معیار عمل کے مطابق ہوتا تو بفرض باطل اگر ہمارے عمل کی کوئی جزا ہوتی تو اتنی بہرحال نہ ہوتی کہ عقل اس کے کمیت و کیفیت کے تصور سے عاجز ہوتی۔ لہٰذا ماننا پڑے گا مطلب کسی اور بنیاد پر قائم ہے اور دوسرے کسی پہیہ پر وہ گھومتا ہے۔ لہٰذا اب کوئی استبعاد نہیں رہا اور نہ انکار کا کوئی راستہ باقی ہے۔

چوتھی فصل

نوافل کی تعداد

رسولِ خدا نے جو فرمایا ہے: پچاس رکعت نماز میری سنت کے مطابق ہے اس سے مقصود تمام روز کی پنجگانہ نمازیں اور ان کی نوافل ہیں سوائے نمازِ وتیرہ کے جو نمازِ عشا کے بعد بیٹھ کر پڑھی جاتی ہے اور ایک رکعت شمار ہوتی ہے کہ اس کو ملا کر واجبی نمازوں اور نوافل کی تعداد روزانہ کی ۵۱ رکعت ہو جاتی ہے اور ہو سکتا ہے کہ رسولِ خدا نے اس کا ذکر اس لئے چھوڑ دیا ہو کہ باقی پنجاہ (پچاس) رکعتیں سنتِ موکدہ ہیں جیسا کہ ابنِ عمیر کی روایت اس مطلب پر دلالت کرتی

Presented by www.ziaraat.com

ہے وہ کہتے ہیں:

«قَالَ: سَأَلْتُ اَبَا عَبْدِاللّٰهِ، عَلَيْهِ السَّلَامُ، عَنْ اَفْضَلِ مَا جَرَتْ بِهِ السُّنَّةُ مِنَ الصَّلَاةِ. قَالَ: تَمَامُ الْخَمْسِينَ.» ۵۴

"میں نے امام جعفر صادقؑ سے سُنتی نمازوں میں سب سے افضل کو پوچھا تو فرمایا: پوری پچاس رکعتیں" اور بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ خود رسولؐ خدا کی بھی سیرت انھیں پچاس رکعتوں کی تھی ۵۵ اگرچہ بعض دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ عتمہ (عشا کے بعد والی دو رکعتیں) کو پڑھا کرتے تھے ۵۶ اور ہو سکتا ہے کہ اس کا ذکر نہ کرنا اور پچاس ہی رکعتوں کا سنّت ہونا اس وجہ سے ہو کہ عتمہ نمازِ وتر کے بدلے میں ہوتی ہے۔ خود مستقل کوئی نماز نہیں ہے۔ چنانچہ فضیل بن یسار کی روایت اس پر دلالت کرتی ہے ۵۷ اور روایت میں اس کا نام وتر بتایا گیا ہے ۵۸ اور بعض روایات میں ہے کہ اگر کوئی عتمہ پڑھ کر مر جائے تو گویا وہ وتر پڑھ کر مرا ہے ۵۹ پس درحقیقت یہ دو رکعت نمازِ وتر ہے جو حادثۂ موت کے خوف سے اپنے وقت سے پہلے پڑھی جاتی ہے۔ لیکن اگر وتر کا وقت آگیا تو یہ وتر سے کفایت نہیں کرے گی اور بعض روایات میں ہے یہ دونوں رکعتیں پنجگانہ نمازوں میں نہیں ہیں ان کو تو محض اس لئے اضافہ کر دیا گیا ہے تاکہ عدد مکمل ہو جائے اور ہر دو رکعت نافلہ ایک رکعت واجب کے مقابلہ میں پڑھی جائے ۶۰ ان حدیثوں میں مدلول کے اعتبار سے اختلاف نہیں ہے۔ بلکہ ممکن ہے افضل شئی وہی پچاس رکعت ہو اور یہ دو رکعت سنّت غیر موکدہ ہو اس کو بطورِ احتیاط حادثۂ موت اور تکمیل عدد کے لئے قرار دیا گیا ہو۔

بہرحال نوافلِ یومیہ کی بہت فضیلت آئی ہے۔ بلکہ بعض روایات میں ترکِ نوافل کو معصیت قرار دیا گیا ہے ۶۱ اور بعض میں ہے خداوندِ عالم ترکِ سنّت پر عذاب کرے گا ۶۲ اور بعض روایات میں اس کی تعبیر وجوب سے بھی کی گئی ہے ۶۳ اور یہ صرف تاکید کے لئے ہے اور اس کے ترک سے ممانعت کے لئے ہے۔ ایسے انسان کے لئے سزاوار ہے کہ حتی الامکان نوافل کو ترک نہ کرے اس لئے کہ ان کے جعل کی وجہ تکمیلِ فرائض اور ان کی قبولیت کے لئے ہے۔ ۶۴ بعض روایات میں ہمارے شیعہ اہل ۵۱ رکعت نماز ہیں ۶۵ اور حدیث میں ظاہر ہوتا ہے اہلِ سنّت کے مقابل اس کو بجالانے والے ہیں نہ یہ کہ صرف اہلِ عقیدہ ہیں۔ چنانچہ علاماتِ مومن والی حدیث سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے۔ ۶۶

Presented by www.ziaraat.com

ہر ماہ تین روزے کا استحباب

رسول خدا کی دوسری سنت ہر ماہ تین روزے رکھنا ہے۔ تقریباً چالیس حدیثیں اس کی فضیلت پر دلالت کرتی ہیں[1] البتہ ان کی کیفیت کے بارے میں علما کے درمیان اختلاف ہے لیکن جو چیز علما کے درمیان مشہور اور اخبار کثیرہ کے موافق اور رسول خدا کی آخری عمر کے مطابق اور جس پر آئمہ ہدیٰ میں وہ یہ ہے کہ پہلی جمعرات جو عرض اعمال کا دن ہے اور دوسرے عشرے کا پہلا بدھ جو مسلسل روز نحس اور روز عذاب کا دن ہے اور آخری عشرے کی آخری جمعرات یہ بھی عرض اعمال کا دن ہے۔ یہی تین دن مراد ہیں[2] ایک روایت میں ہے کہ سابق امتوں میں جب بھی عذاب نازل ہوتا تھا انھیں دنوں میں سے کسی دن ہوتا تھا اس لئے رسول خدا نے ان دنوں میں روزہ رکھا[3] اور حدیث میں ہے کہ ان تینوں دنوں کا روزہ ایک دہر کے روزے کے برابر ہے[4] اور بعض روایات میں اس کی علت اس آیت کو بیان کیا ہے۔

«مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ أَمْثَالِهَا.»[5]

"جو ایک نیکی کرے گا اس کو دس گنا ثواب دیا جائے گا"

اور جو بعض روایتوں میں اس ترتیب کے خلاف ملتا ہے وہ مراتب فضل پر محمول ہے (کوئی تعارض نہیں ہے) اور اگر بالفرض تعارض ہو بھی تو متعدد جہات سے انھیں روایات کو رجحان ہے بلکہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان روایات اور مخالف روایات کا تعارض نص و ظاہر یا ظہر و ظاہر کا تعارض ہے اور مرسلہ صدوق جس میں ہے: اگر آخری عشرے میں دو جمعراتیں پڑ جائیں تو پہلی ہی جمعرات کو روزہ رکھ لو اس لئے کہ ہو سکتا ہے کہ دوسری جمعرات تم کو نصیب نہ ہو سکے گی[6] تو یہ ان روایات کے منافی نہیں ہے کیونکہ اس مرسلہ کا ظاہر یہ ہے کہ فضیلت کو جلدی حاصل کر لیا جائے اس لئے کہ ہو سکتا ہے دوسری جمعرات تک موت آ جائے یا دوسرا کوئی مانع پیدا ہو جائے جیسا کہ عمرہ میں بھی یہی حکمت ملحوظ ہے لہٰذا یہ روایت بھی ان روایات میں سے ہے جو مقصد پر دلالت کرتی ہے۔ یعنی آخری جمعرات کی فضیلت پر دلالت کرتی ہے نہ کہ معارض روایات میں سے ہے اور بظاہر اگر جمعرات اول کا روزہ رکھ لیا اور آخری جمعرات درک کر لیا تو افضل یہ ہے کہ اس فضیلت کا ادراک کرے اور پہلا روزہ کافی نہ ہوگا اور محقق جلیل فیض کاشانی[7] اور محدث عالی شان جناب صاحب حدائق[8]

Presented by www.ziaraat.com

علیہ الرحمۃ نے جو مقام جمع میں فرمایا ہے وہ بعید ہے خصوصاً دوسرے بزرگوں نے جو فرمایا ہے۔

صدقہ کی فضیلت

رسول خدا کی تیسری خصلت صدقہ دینا اور اس میں کوشش کرنا تھی اور یہ بھی حسنات میں ایک ایسا مستحب ہے کہ کثر مستحب اس درجہ کے ہیں۔ صدقہ کے سلسلہ میں روایات یہاں تک کہ غیر مذہب والوں اور بری و بحری حیوانات پر اتنی زیادہ ہیں کہ اس کتاب میں نہیں سما سکتیں میں صرف بعض کے ذکر پر اکتفا کروں گا۔

وَبِاِسْنَادِهٖ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ سِنَانٍ فِي حَدِيثٍ قَالَ قَالَ اَبُوْ عَبْدِاللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَيْسَ شَيْءٌ اَثْقَلَ عَلَى الشَّيْطَانِ مِنَ الصَّدَقَةِ عَلَى الْمُؤْمِنِ وَهُوَ يَقَعُ فِي يَدِالرَّبِّ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى قَبْلَ اَنْ يَقَعَ فِي يَدِالْعَبْدِ۔

ابن سنان کا بیان ہے کہ امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں "مومن کو صدقہ دینے سے زیادہ کوئی بھی شیطان پر گراں نہیں ہے اور صدقہ بندے کے ہاتھ میں پہونچنے سے پہلے خدا کے ہاتھ میں پہونچ جاتا ہے"

وَبِاِسْنَادِهٖ عَنْ اَبِي عَبْدِاللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِي حَدِيثٍ قَالَ: اِنَّ اللّٰهَ لَمْ يَخْلُقْ شَيْئاً اِلَّا وَلَهُ خَازِنٌ يَخْزُنُهُ اِلَّا الصَّدَقَةَ، فَاِنَّ الرَّبَّ يَلِيْهَا بِنَفْسِهٖ وَكَانَ اَبِي اِذَا تَصَدَّقَ بِشَيْءٍ وَضَعَهُ فِي يَدِالسَّائِلِ، ثُمَّ اَرْتَدَّهُ مِنْهُ فَقَبَّلَهُ وَشَمَّهُ ثُمَّ رَدَّهُ فِي يَدِالسَّائِلِ۔

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا "خدا نے کوئی بھی چیز ایسی نہیں خلق فرمائی جس کے لئے نگہبان نہ رکھا ہو کہ اس کی حفاظت کرے سوائے صدقہ کے کہ خدا خود اس کی حفاظت کرتا ہے میرے والد ماجد جب صدقہ دیتے تھے تو سائل کے ہاتھ میں رکھ کر اٹھا لیتے تھے پھر اس کو چوم کر اور سونگھ کر سائل کو واپس کر دیتے تھے"

Presented by www.ziaraat.com

اسی مضمون کی چند اور حدیثیں بھی ہیں ۷۸ جو عظمت صدقہ و اس کی بزرگی شان پر دلالت کرتی ہیں کہ خدا نے اس کی حفاظت کسی اور کے سپرد نہیں کی بلکہ اپنے یدِ قدرت اور احاطۂ قیومیت سے اس کی صورت کاملۂ غیبیہ کی حفاظت فرمائی ہے۔

اس حدیث اور اس جیسی دوسری حدیثوں میں غور و فکر جو کتب اصحاب کے ابواب متفرقہ میں منقول ہیں اہلِ معرفت و اصحابِ قلوب کے لئے کشفِ توحید فعلی و تجلّی قیومی حق کرتی ہیں اور جو لوگ اس کے اہل ہیں ان کے لئے ایک اہم نکتہ کا اشارہ ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ صدقہ (پہلے خدا کے) ہاتھ میں پڑتا ہے کہ اگر نعوذ باللہ اگر کسی قسم کا احسان کوئی فقیر پر جتانا چاہے یا اس کو اذیت کرنا چاہے تو وہ پہلے خدا کے ساتھ ہوگا جیسے کہ اگر صدقہ دینے میں تواضع و فروتنی کرے اور کمالِ خضوع و ذلت سے صدقہ سائل مومن کو دے تو یہ پہلے خدا کے لئے ہوگا جیسا کہ امام محمد باقرؑ "عاشقِ جمالِ حق سائل کے ہاتھ میں صدقہ دیکر پھر اس کو لے کر چومتے تھے اور محبوب کی بہترین خوشبو کو سونگھتے تھے اور خدا جانتا ہے کہ اس ذاتِ مقدس اور مجذوبِ حق کو کتنی راحتِ نفس اور سکونِ خاطر حاصل ہوتا تھا اور ان قلبی اشتعالات و باطنی شوقی احتراقات کو کتنا سکون ملتا تھا۔

افسوس ہزار افسوس! اس کتاب کا مصنف جو ہوائے نفس کے سمندر میں غرق ارض طبیعت میں مخلد شہوتوں میں گرفتار شکم و فرج کا اسیر ملکِ ہستی سے بے خبر خودی و خود پرستی میں مست اس دنیا میں آیا اور عنقریب یہاں سے چلا جائیگا۔ جس نے محبت اولیا کا کچھ بھی ادراک نہ کیا اور ان کے جذبات و جذوات و منازل و درجات کو کچھ نہ سمجھ سکا۔ اسکا وقوف اس عالم میں وقوف حیوانی اور حرکات حیوانی و شیطانی تھے اور اگر یہی حالت رہی تو اس کی موت بھی موت حیوانی و شیطانی ہوگی۔

«اَللّٰهُمَّ اِلَيْكَ الْمُشْتَكٰى وَعَلَيْكَ الْمُعَوَّلُ.» ۷۹

"خدایا تجھ ہی سے شکوہ و شکایت ہے اور تجھ ہی پر بھروسہ ہے"

خداوندا تو اپنے نورِ ہدایت سے ہماری دستگیری فرما اور اس خوابِ سنگین سے ہم کو ہوش میں لا اور عالمِ غیب و نور اور دارِ بہجت و سرور اور خلوتِ انس و محفلِ خاص میں دعوت دے۔

«وَبِاِسْنَادِهٖ عَنْ اَبِي عَبْدِاللّٰهِ، عَلَيْهِ السَّلَامُ، قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ: اَرْضُ الْقِيَامَةِ نَارٌ مَا خَلَا ظِلَّ الْمُؤْمِنِ فَاِنَّ صَدَقَتَهٗ تُظِلُّهٗ.» ۸۰

Presented by www.ziaraat.com

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا، رسولِ خدا کا ارشاد ہے: قیامت کی (پوری) زمین آگ ہے سوائے مومن کے سایہ کے اس لئے کہ اس کا صدقہ اس پر سایہ کئے رہتا ہے۔"

روایت میں ہے "خدا صدقہ کی اسی طرح تربیت کرتا ہے جس طرح تم لوگ اونٹ کے بچہ کی تربیت کرتے ہو۔ اگر تم آدھی کھجور صدقہ میں دو تو خدا اس کی تربیت کر کے قیامت کے دن تم کو کوہِ احد یا اس سے (بھی) بڑی صورت میں دے گا۔"[۸۱]

اس قسم کی حدیثیں بہت ہیں۔ بہت سی حدیثوں میں آیا ہے کہ صدقہ سے درج ذیل فوائد حاصل ہوتے ہیں۔)

۱ ——— انسان بُری موت سے بچتا ہے۔[۸۲]

۲ ——— صدقہ سے روزی زیادہ ہوتی ہے۔[۸۳]

۳ ——— قرض ادا ہو جاتا ہے۔[۸۴]

۴ ——— عمر میں اضافہ ہوتا ہے اور ستر قسم کی بُری موتوں سے بچاتا ہے۔[۸۵]

۵ ——— خداوندِ عالم اس کا عوض دس سے لے کر ایک لاکھ گنا تک عطا کرتا ہے۔[۸۶]

۶ ——— مال کی زیادتی کا سبب ہوتا ہے۔[۸۷]

۷ ——— جو شخص صبح کو صدقہ دیدے وہ اس دن آسمانی بلاؤں سے محفوظ رہتا ہے۔ اگر وہ پہلی رات کو صدقہ دیدے وہ اس رات آسمانی بلاؤں سے محفوظ رہتا ہے۔[۸۸]

۸ ——— مریضوں کا علاج صدقہ سے ہوتا ہے۔[۸۹]

اور اگر کوئی ایک مسلمان گھرانے کی کفالت کرے، ان کے کھانے کا انتظام کرے، کپڑے پہنائے ان کی عزت و آبرو بچائے تو یہ ستر حج سے زیادہ محبوب ہے جبکہ ایک حج ستر غلاموں کے آزاد کرنے سے بہتر ہوتا ہے[۹۰] اور اسی کے ساتھ یہ بھی سمجھ لیجئے کہ غلام آزاد کرنے کے سلسلہ میں وارد ہوا ہے کہ جو شخص غلام آزاد کرے۔ خداوندِ عالم (غلام کے) ہر عضو کے مقابلہ میں اس کے ہر عضو کو آتشِ جہنم سے آزاد کر دے گا۔[۹۱]

حضرت علی علیہ السلام نے اپنے کد یمین سے ایک ہزار غلام آزاد فرمائے تھے[۹۲] اس کے علاوہ بھی حدیث ہے مگر اس کا ذکر موجب تطویل ہوگا۔

Presented by www.ziaraat.com

دوسرے نکتہ کا بیان

میں اس مقام کو ایک قابل ذکر نکتہ کے ساتھ ختم کرتا ہوں اور یہ ہے کہ آیت میں ہے:
لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّوْنَ۔ ۹۳ "یعنی تم ہرگز نیکی حاصل نہیں کر سکتے جب تک اپنی محبوب چیز کو راہ خدا میں خرچ نہ کر دو"

اور حدیث میں ہے: امام جعفر صادقؑ شکر کو صدقہ میں دیا کرتے تھے لوگوں نے پوچھا آخر آپ شکر کیوں صدقہ میں دیتے ہیں؟ فرمایا: میں ہر چیز سے زیادہ شکر کو دوست رکھتا ہوں اور چاہتا ہوں جو چیز میرے نزدیک محبوب ترین ہے اسی کو صدقہ میں دوں۔ ۹۴

ایک اور حدیث میں ہے: حضرت علیؑ نے ایک لباس خریدا آپ کو بہت پسند آیا آپ نے صدقہ کر دیا اور فرمایا: میں نے رسولؐ خدا کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: جو شخص غیر کو اپنے اوپر مقدم کرے۔ خدا قیامت کے دن اس کے لئے بہشت کو اختیار کرتا ہے اور جو شخص کسی چیز کو دوست رکھتا ہو اور پھر اس کو خدا کے لئے قرار دے دے تو قیامت کے دن کہے گا: ملوک نیکی کا بدلہ ایک دوسرے کو نیکی سے دیتے ہیں اور میں آج تیری جزا جنت قرار دوں گا۔ ۹۵

روایت میں ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسولؐ خدا کے ایک صحابی کے پاس ایک باغ تھا جس کو وہ بہت دوست رکھتا تھا لہٰذا اس نے اس باغ کو اپنے رشتہ داروں میں تقسیم کر دیا۔ رسولؐ خدا نے فرمایا: خوشا حال تیرا کہ تیرے حق میں بہت ہی مفید ہے۔ ۹۶

ایک مرتبہ ابوذرؓ کے پاس مہمان آیا۔ ابوذرؓ نے کہا مجھے کام ہے تم جاؤ جو اونٹ سب سے عمدہ ہو اسے میرے اونٹوں میں سے لے آؤ۔ مہمان گیا اور فربہ اونٹ لایا۔ ابوذرؓ نے کہا: تو نے میرے ساتھ خیانت کی۔ اس نے کہا: بہترین اونٹ تو فربہ اونٹ تھا اگر میں نے سوچا آپ کو اس کی ضرورت ہو سکتی ہے اس لئے اس کو نہیں لایا۔ ابوذرؓ نے کہا: میرے لئے ضرورت تو اس وقت ہو گی جب مجھے قبر میں رکھا جائے گا اور خدا کا حکم ہے "تم نیکی تک اس وقت تک نہیں پہونچو گے جب تک اپنی پسندیدہ ترین چیز راہ خدا میں نہ دے دو۔ اس کے بعد ابوذرؓ نے کہا: مال کے تین حصہ دار ہیں۔

Presented by www.ziaraat.com

۱ ـــــ قدر ہے جس کے لئے اچھے یا بُرے ہونے کی کوئی قید نہیں ہے وہ سب ہی کو ہلاک کر دیتی ہے۔

۲ ـــــ وارث ہے جو موت کا منتظر ہوتا ہے۔

۳ ـــــ تیسرا تو ہے لہٰذا اگر تم چاہتے ہو کہ ان سب سے کمزور تر نہ ہو تو ایسا ہی کرو۔

ارشادِ خداوندی ہے:

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ۔[۹۷]

میرے اموال میں یہ اونٹ سب سے زیادہ مجھے محبوب تھا اس لئے مجھے سب سے زیادہ یہ بات پسند تھی کہ اس کو اپنے لئے پہلے بھیج دوں۔[۹۸]

صدقہ کا راز

یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ انسان مال و منال اور زیبائش دُنیا کی محبت کے ساتھ پیدا ہوا ہے اور یہ بات اس کے دل کی گہرائیوں میں جڑ پکڑ چکی ہے اور زیادہ تر اخلاقی و اعمال بگاڑ دینی مفاسد کا ذریعہ یہی ہے جیسا کہ بہت سی حدیثوں میں بھی وارد ہوا ہے۔[۹۹] اور ہم نے بھی بعض حدیثوں کی شرح کرتے ہوئے اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔[۱۰۰] لہٰذا اگر انسان صدقات اور انفاق فی سبیل اللہ کے ذریعہ اس محبتِ مال کو ختم کر سکے یا کم کر سکے تو بہت سے فساد اور برائیوں کی جڑ کو گویا اس نے کاٹ دیا اور حصولِ معارف اور انقطاع عالمِ غیب و ملکوت اور حصولِ ملکاتِ فاضلہ و اخلاقِ کاملہ کا راستہ اپنے لئے کھول لیا اور یہ مال انفاق واجب و مستحب کے سلسلہ میں ایک نکتہ ہے مستحبات میں یہ نکتہ زیادہ کامل ہے جیسا کہ واضح ہے۔

بس اس باب کے مجموعہ اخبار و آثار سے پتہ چل گیا کہ صدقہ دنیاوی اور اخروی فضائل کا جامع ہے اور دینے کے وقت سے انسان کے ہمراہ ہے اور بلا و مصیبت کو دور کرتا ہے اور انسان کو آخری وقت تک یعنی بہشت تک اور جوارِ حق تک پہونچانے میں مددگار رہتا ہے۔

Presented by www.ziaraat.com

تتمہ

یہ بھی جان لینا چاہیئے کہ صدقہ مستحب و پوشیدہ و باطن میں ظاہر سے افضل ہے چنانچہ کافی میں ہے: امام جعفر صادقؑ نے فرمایا:

«یا عَمّارُ اَلصَّدَقَةُ فِي السِّرِّ وَاللّٰهِ اَفْضَلُ مِنَ الصَّدَقَةِ فِي الْعَلانِيَةِ؛ وَكَذٰلِكَ وَاللّٰهِ الْعِبادَةُ فِي السِّرِّ اَفْضَلُ مِنْها فِي الْعَلانِيَةِ.»[۱۰۱]

"اے عمار خدا کی قسم پوشیدہ طور سے صدقہ دینا علانیہ طور سے دینے سے افضل ہے۔ اسی طرح خدا کی قسم پوشیدہ طور سے خدا کی عبادت علانیہ طور کرنے سے بہتر ہے۔"

بہت سی حدیثوں میں وارد ہے کہ "پنہاں طور سے صدقہ دینا غضب پروردگار کو خاموش کر دیتا ہے۔"[۱۰۲]

ایک حدیث میں ہے: "سات گروہ ایسے ہیں جن کو خدا اپنی پناہ میں اس دن محفوظ رکھتا ہے جس دن اس کے علاوہ کسی کی پناہ نہیں ہوتی۔ ایک ان میں سے پوشیدہ طور سے اس طرح صدقہ دیتا ہے کہ اگر بائیں ہاتھ سے دے تو داہنے ہاتھ کو خبر نہ ہو۔"[۱۰۳]

ہو سکتا ہے افضلیت کی وجہ یہ ہو کہ پوشیدہ عبادت ریاکاری سے بہت دور اور خلوص سے بہت قریب ہوتی ہے اور دوسری وجہ یہ (ہو سکتی) ہے کہ پوشیدہ طریقہ سے صدقہ دینے میں فقیروں کی عزت و آبرو محفوظ رہتی ہے۔

اسی طرح رشتہ داروں اور قرابتداروں پر صدقہ کرنا دوسروں پر صدقہ کرنے سے افضل ہے اور اس پر صلۂ رحم جو عبادت ہے کا عنوان بھی صادق آتا ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے سب سے افضل صدقہ ذی رحم پر صدقہ کرنا ہے۔ مومنین سے صلہ کرنے کا اجر بیس گنا ہے اور رشتہ داروں سے صلہ کا اجر ۲۴ گنا ہے۔[۱۰۴] بلکہ بعض روایات میں ہے کہ اگر رحم محتاج ہو تو غیر رحم پر صدقہ کرنا قبول نہیں ہوتا۔[۱۰۵]

Presented by www.ziaraat.com

خاتمہ

واضح ہو کہ یہ جو حدیث میں آیا ہے: "صدقہ میں کوشش کرو یہاں تک کہ تم کو گمان ہو کہ تم نے اسراف کیا ہے حالانکہ اسراف نہیں کیا" اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ صدقہ میں کثرت مطلوب ہے اور صدقہ چاہے جتنا دیا جائے اسراف نہ ہوگا۔ چنانچہ حدیث میں آیا ہے امام حسنؑ نے تین مرتبہ اپنا مال فقرا کو آدھا آدھا کر کے تقسیم کر دیا تھا یہاں تک کہ دو جوتیاں یا کپڑے تھے تو اس کو بھی آدھا کر کے دیدیا تھا۔ [۱۰۶]

ایک اور حدیث میں ہے، امام رضاؑ نے امام محمد تقیؑ کو لکھا: "مجھے معلوم ہوا ہے کہ جب تم سوار ہوتے ہو تو تمہارے غلام تم کو چھوٹے دروازے سے باہر لے جاتے ہیں وہ لوگ بخل کرتے ہیں چاہتے ہیں تم کسی کو کچھ نہ دو۔ تم کو میرے حق کی قسم جب بھی باہر نکلو یا اندر آؤ بڑے دروازے سے آؤ اور جب سوار ہو تو اپنے ساتھ سونا چاندی رکھو اور جو بھی تم سے سوال کرے اس کو عطا کرو۔ تمہارے چچاؤں میں سے اگر کوئی سوال کرے تو اس کو پچاس دینار سے کم نہ دو اور اگر زیادہ دینا چاہو تو تم کو اختیار ہے اور میں نے اس سے ارادہ کیا ہے کہ خدا تمہارا مقام بلند کرے۔ لہٰذا تم خرچ کرو اور اس سے نہ ڈرو کہ خدا تم پر تنگی کرے گا۔" [۱۰۷]

یہ حدیثیں ان حدیثوں کے مخالف نہیں ہیں جن میں ہے کہ: اتنا زیادہ صدقہ کرنا جس سے عیال پر تنگی ہو جائے اسراف ہے یا جن میں ہے کہ جو شخص اتنا خرچ کر دے کہ اپنے اور اپنے عیال کے لئے کچھ نہ چھوڑے خدا اس کی دعا قبول نہیں کرتا۔ [۱۰۸] یا یہ کہ حدیث میں ہے کہ: بہترین صدقہ وہ ہے جو اپنی کفاف سے زیادہ ہو۔ [۱۰۹] (پس یہ حدیثیں مخالف نہیں ہیں) کیونکہ صدقہ میں اتنی کثرت اور جہد واجب نہیں ہے کہ وہ صدقہ اتنا ہو کہ باعث تنگی عیال ہو جائے اسی لئے کہ بہت سے ایسے لوگ ہیں جو اپنا نصف مال بھی صدقہ کر دینے کے بعد اپنے اور اپنے عیال کے کفاف کو باقی رکھتے ہیں (تنگی نہیں پیدا ہونے دیتے) یعنی ایسا نہیں ہوتا کہ ضیق معاش و سختی میں مبتلا ہو جائیں۔

Presented by www.ziaraat.com

نمازِ شب کی فضیلت

اس حدیث شریف میں نمازِ شب اور نماز ظہر کے ادائیگی کی بہت تاکید کی ہے نمازِ شب کے لئے تو میں نے پہلے بھی بعض حدیث کی شرح کرتے ہوئے بیان کیا ہے [11] یہاں پر میں تبرکاً بعض حدیثوں کے ذکر پر اکتفا کروں گا۔

وسائل میں کافی کے حوالے سے امام جعفر صادق کا یہ قول نقل کیا ہے کہ "مومن کا شرف نمازِ شب پڑھنے میں ہے اور اس کی عزت لوگوں کی آبرو بچانے میں ہے" [12]

ایک دوسری حدیث میں امام جعفر صادق کا یہ قول نقل کیا گیا ہے کہ "حضرت رسولِ خدا نے جبرئیل سے فرمایا: مجھے کچھ موعظہ کرو، جبرئیل نے کہا: اے محمدؐ جو چاہے جتنی زندگی حاصل کرلو ایک دن بہرحال مرنا ہے، جس کو چاہو دوست رکھو مگر اس سے کسی نہ کسی دن جدا ہونا ہے، جو جی چاہے عمل کرو ایک نہ ایک دن اس سے ملاقات کرنی ہے اور یہ جان لو کہ مومن کا شرف نمازِ شب ہے اور اس کی عزت لوگوں کی آبرو کی حفاظت ہے۔" [13]

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: مال اور اولاد زندگانی دنیا کی زینت ہیں اور آخر شب میں آٹھ رکعت نماز وتر کے ساتھ آخرت کی زینت ہے اور کبھی خدا کسی گروہ کے لئے دونوں کو اکٹھا کر دیتا ہے۔ [14]

شیخ مفیدؒ نے نقل کیا ہے کہ رسولِ خدا نے فرمایا: "جب کوئی بندہ اپنی بہتر نیند سے خدا کی خوشنودی کی خاطر نمازِ شب کے لئے اونگھتے ہوئے اٹھتا ہے تو اس کی وجہ سے خدا ملائکہ پر فخر کرتا ہوا فرماتا ہے:

"گواہ رہنا میں نے اس کو بخش دیا۔" [15]

اس قسم کی حدیثیں نمازِ شب کی فضیلت میں بہت ہیں ان کے ذکر کی گنجائش اس مختصر سی کتاب میں نہیں ہے۔

Presented by www.ziaraat.com

صلوٰۃ وسطیٰ کا بیان

اور نماز نوافل جس کی رسولِ خدا نے بہت تاکید کی ہے اس سے مراد نمازِ ظہر کے نوافل ہیں۔ چنانچہ دوسری روایات میں اس کی تصریح موجود ہے۔[۱۹۵] اور ان نوافل کی تاکید یا اس وجہ سے ہے کہ خود ان میں خصوصیت و اہمیت ہے اور یا پھر اس وجہ سے ہے کہ نماز وسطیٰ کے متعلقات میں سے ہے اور اس کی قبولیت و تمامیت کا سبب ہے۔

اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس حدیث میں خود نمازِ ظہر مراد ہو کیونکہ وہی نماز وسطیٰ ہے اس لئے کہ نماز یومیہ کے وسط میں ہے (صبح اور عصر کے بیچ میں ہے) اور خداوند عالم نے آیتِ شریفہ: وحافظوا علی الصلوات والصلوٰۃ الوسطیٰ وقوموا للہ قانتین۔[۱۹۶] "تم تمام نمازوں کی اور خصوصاً بیچ والی نماز (صبح یا ظہر یا عصر) کی پابندی کرو" میں خصوصی طور سے اس کی حفاظت اور اس کو قائم کرنے کا حکم دیا ہے اور فقہا کے درمیان مشہور اور اظہر صلوٰۃ وسطیٰ سے مراد نمازِ ظہر ہے جس کی دیگر نمازوں کے درمیان مزید خصوصیت حاصل ہے اور یہی ظہر وہ پہلی نماز ہے جس کو خدا نے جبرئیل کے ذریعہ حضرت آدمؑ پر اتارا تھا۔

اور رسولِ خدا کے اس فرمان علیک بصلاۃ الزوال سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کی مراد نوافل اور اس کے وقت و حدود کی حفاظت ہے صرف اصل نماز کے پڑھنے کا حکم نہیں ہے۔ جیسے کہ نمازوں کی محافظت اور خصوصاً نمازِ ظہر کی حفاظت سے بھی یہی بات سمجھ میں آتی ہے۔ چنانچہ اہل بیتؑ کی روایات میں نمازوں کے اوقات کی حفاظت اور اوقاتِ فضیلت میں ادا کرنے کی بہت زیادہ تاکید ہوئی ہے۔ بلکہ کبھی تو بغیر کسی عذر کے وقت فضیلت پر نہ پڑھنے کو تضییع اور تہاون (سستی) سے تعبیر کیا گیا ہے۔ خصوصاً جب ہمیشہ مسلسل اسی طرح پڑھتا ہو اس لئے کہ سب ہی کو معلوم ہے جو شخص کسی چیز کو اہمیت دیتا ہے تو ہر طریقہ سے اس کو جلدی اور عمدہ طریقہ سے انجام دیتا ہے۔ بخلاف اس کے کہ اگر اس کی اہمیت نہیں سمجھتا اور اس کی ادائیگی میں سستی و تغافل برتتا ہے اور خدا نہ کرے کہ یہ کام استخفافِ نماز اور سہل انگاری تک پہونچ جائے کیوں کہ رسولِ خدا نے فرمایا ہے: "جو نماز کا استخفاف کرتا ہے اگر وہ اسی حالت پر مر جائے اور اس کی نماز ایسی ہی ہو تو میرے دین پر نہیں مرے گا۔"[۱۹۷] بلکہ کبھی تو تہاون و سستی کی وجہ

Presented by www.ziaraat.com

سے معاملہ ترکِ نماز تک پہونچ جاتا ہے اور یہ بات فطری ہے کہ جس کی اہمیت نہ ہو وہ رفتہ رفتہ نظروں سے گر جاتی ہے اور انسان اسے بھول جاتا ہے۔ دنیاوی کاموں میں ہم کو فراموشی بہت ہی کم حاصل ہوتی ہے خصوصاً جو بہت اہم ہو کیونکہ نفس اس کی اہمیت کی وجہ سے اور بہت زیادہ محبوب رکھنے کی وجہ سے اپنی توجہ اسی کی طرف رکھتا ہے اور ہمیشہ اس کو یاد رکھتا ہے ظاہر ہے ایسی چیز بھولنے والی نہیں ہوتی مثلاً اگر کوئی آپ سے وعدہ کرے کہ میں فلاں دن فلاں وقت آپ کو ایک رقم دوں گا جو آپ کی نظر میں اہم ہو اور آپ اس کو سچا بھی سمجھتے ہوں تو آپ اس کو اور اس وقت کو نہ بھولیں گے۔ دن شماری کرتے رہیں گے اور وقتِ معین پر بڑے حضورِ قلب اور توجہ باطن کے ساتھ پہونچ جائیں گے اور اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ اس چیز کی محبت اور اس کی عظمت جو آپ کی نظر میں ہے آپ کو آمادہ کرے گی سستی نہ کرنے دے گی۔ یہی صورت دیگر دنیاوی امور میں ہے اگر آپ کی نظر میں اس کی اہمیت ہے۔ لیکن اگر آپ کی نظر میں کوئی چیز ذلیل و خوار ہوگی تو اگر نفس اس کی طرف توجہ بھی کرے گا تو وقتی ہوگا اور بس دل میں فتور کرے گا اور پھر غفلت چھا جائے گی۔

اسی سے پتہ چلتا ہے کہ دینی امور میں ہماری سستی کیوں ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم غیب پر ایمان نہیں رکھتے یقین و ایمان کا پایہ سست ہے۔ خدا اور انبیا کے وعدوں کو دل سے قبول نہیں کیا۔ ہماری نظر میں تمام اوضاع الٰہی و شرائع دینی پست و سست ہیں اور یہی سستی رفتہ رفتہ تغافل آور ہے اور یا اسی عالم میں ہم پر غفلت لانے والی ہے اور ظاہری دین سے بھی خارج کرنے والی ہے یا موت کی شدت و سختی میں غفلت کلی پیدا کرنے والی ہے۔

یہ پنجگانہ نمازیں جو دین کا ستون اور ایمان کا محکم پایہ ہیں۔ ایمان باللہ کے بعد اسلام میں اتنی اہمیت کسی اور چیز کو حاصل نہیں ہے اور اس بات کو توجہات نوریہ باطنیہ اور صورِ غیبیہ ملکوتیہ کے بعد خدا اور خاصانِ الٰہی کے علاوہ کسی کو نہیں معلوم تذکرۂ حق کی تکرار الٰہی آداب و اوضاع کے ساتھ جو نماز میں پیشِ نظر رکھی گئی ہے کے ساتھ نماز انسان کا رابطہ خدا اور عوالم غیبیہ سے محکم کرتی ہے اور یہی جہت اس میں بہت اہم ہے۔ بلکہ ملکۂ خضوع کو دل کے اندر پیدا کرتی ہے۔ شجرۂ طیبہ توحید اور وحدانیت کو اس طرح محکم کرتی ہے کہ وہ پھر کسی چیز سے زائل ہونے والی نہیں ہے سکراتِ موت، اہوال مطلع و شہود نمونہ غیب کے موقع پر امتحان باری تعالیٰ میں کامیاب ہوتا ہے۔ دین مستقر و محفوظ رہتا ہے۔ مستودع اور زائل ہونے والا اور تھوڑے سے فشار سے نسیان آور ہونے والا نہیں ہوتا۔

Presented by www.ziaraat.com

«اِيّاكَ ثُمَّ اِيّاكَ وَاللّٰهُ مُعِينُكَ فِي اُولٰيكَ وَاُخْرَاكَ.» [118] لہٰذا اے عزیز! خبردار پھر خبردار خدا دنیا و آخرت میں تمہارا مددگار رہے۔ دینی معاملات میں خصوصاً نماز کے بارے میں سستی نہ کرنا اور ان کو کمزور نہ سمجھنا۔ خدا جانتا ہے کہ انبیاء و اولیاء و آئمہ ھدیٰ نے بندگانِ خدا پر انتہا سے زیادہ شفقت کی بنا پر (نماز کے لئے) اتنی ترغیب و تحذیر فرمائی ہے (کہ انتہا نہیں ہے) حالانکہ ہمارے ایمان سے ان کو کوئی فائدہ پہونچے گا اور نہ ہمارے ایمان سے ان کو کوئی سود حاصل ہوگا۔

پانچویں فصل

تلاوت قرآن کی فضیلت

رسولِ خدا کی ایک وصیت تلاوتِ قرآن کی ہے۔ حفظ و حمل و تمسک و تعلم و مداومت و مزاولت و تلاوت و تدبر در معانی و اسرار قرآن کی فضیلت اتنی زیادہ ہے کہ ہماری ناقص سمجھ میں نہیں آسکتی اور صرف اہلِ بیتؑ ہی سے اس سلسلہ میں جو وارد ہوا ہے اس کی گنجائش اس مختصر سی کتاب کے اندر نہیں ہے۔ میں تھوڑا سا ذکر کر کے اسی پر قناعت کروں گا۔

«كافي بِاِسْنَادِهِ عَنْ اَبِي عَبْدِاللّٰهِ، عَلَيْهِ السَّلَامُ، قَالَ: اَلْقُرْآنُ عَهْدُاللّٰهِ اِلٰى خَلْقِهِ؛ فَقَدْ يَنْبَغِي لِلْمَرْءِ الْمُسْلِمِ اَنْ يَنْظُرَ فِي عَهْدِهِ وَاَنْ يَقْرَأَ مِنْهُ فِي كُلِّ يَوْمٍ خَمْسِينَ آيَةً.» [119]

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: "قرآن خدا کا وہ عہد ہے جو اس کی مخلوق سے (کیا گیا) ہے لہٰذا مردِ مسلمان کو اس عہد کو دیکھنا چاہیئے اور ہر پچاس آیت روز پڑھنی چاہیئے۔"

«وَبِاِسْنَادِهِ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ سَمِعْتُ عَلِيَّ بْنَ الْحُسَيْنِ، عَلَيْهِمَا السَّلَامُ، يَقُولُ: آيَاتُ الْقُرْآنِ خَزَائِنُ؛ فَكُلَّمَا فُتِحَتْ خَزِينَةٌ، يَنْبَغِي لَكَ اَنْ تَنْظُرَ فِيهَا.» [120]

زہری کا بیان ہے: میں نے امام سجادؑ کو بیان کرتے ہوئے سنا کہ فرما رہے تھے:

Presented by www.ziaraat.com

[redacted]

قرآنی آیات تراتے ہیں۔ جب بھی کوئی خزانہ کھولا جائے تم کو اسے دیکھنا چاہیئے۔"

ان دونوں حدیثوں کا ظاہر ہے کہ آیتوں میں تدبر اور ان کے معانی میں تفکر بہت اچھی بات ہے۔ آیات محکمہ فقیہ میں تدبر و تفکر، معارف و علوم کا سمجھنا توحید و تفرید کا فہم و ادراک یہ سب تفسیر بالرائے کے علاوہ ہے۔ تفسیر بالرائے کا مطلب اہل بیت وحی جو کلام الٰہی کے مخاطب ہیں ان سے تمسک کئے بغیر اصحاب رائے اور خواہشات فاسدہ کے مطابق قرآنی آیتوں کی تفسیر کرنا ہے جو بہت جگہ ثابت ہے اور اس کی تفصیل یہاں نامناسب ہے۔ (آیات میں غور و فکر کے لئے بھی آیت کافی ہے: "افلا یتدبرون القرآن ام علی قلوب اقفالھا۔" [۱۱] "تو کیا یہ لوگ قرآن میں ذرا بھی غور نہیں کرتے یا دلوں میں قرآن کی طرف رجوع کرنے اور اس کے معانی میں غور کرنے کے لئے بہت تاکید کی گئی ہے۔ چنانچہ حضرت علیؑ سے منقول ہے: اس قرأت میں کوئی خیر نہیں ہے جس میں تفکر نہ ہو۔ [۱۲]

"وبإسناده عن أبي جعفر، عليه السلام، قال قال رسول الله، صلى الله عليه وآله: من قرأ عشر آيات في ليلة، لم يكتب من الغافلين. ومن قرأ خمسين آية، كتب من الذاكرين. ومن قرأ مائة آية. كتب من القانتين. ومن قرأ مائتي آية. كتب من الخاشعين. ومن قرأ ثلاثمائة آية، كتب من الفائزين. ومن قرأ خمسمائة آية. كتب من المجتهدين. ومن قرأ ألف آية، كتب له قنطار من بر: القنطار خمسة عشر ألف (خمسون ألف) مثقال من ذهب؛ والمثقال أربعة وعشرون قيراطا: أصغرها مثل جبل أحد. وأكبرها ما بين السماء والأرض." [۱۳]

امام محمد باقرؑ نے فرمایا: "حضرت رسول خداؐ کا ارشاد ہے: جو شخص رات میں دس آیتوں کی تلاوت کرے اس کو غافلوں میں نہیں لکھا جاتا اور جو پچاس آیتوں کی تلاوت کرے اس کو ذاکرین میں لکھا جاتا ہے اور جو سو آیتوں کو پڑھے اس کو قانتین میں لکھا جاتا ہے۔ جو دو سو آیتوں کو پڑھے اس کو خاشعین میں لکھا جاتا ہے اور جو تین سو آیتوں کو پڑھے اس کو فائزین میں لکھا جاتا ہے اور جو پانچ سو آیتیں پڑھے اس کو مجتہدین میں لکھا جاتا ہے اور جو ایک ہزار آیات کی تلاوت

Presented by www.ziaraat.com

کرے اس کے نیکیوں کا ایک قنطار لکھا جاتا ہے۔ ایک قنطار پندرہ ہزار مثقال سونے کا ہوتا ہے (پچاس ہزار) اور ایک مثقال ۲۴ قیراط کا ہوتا ہے۔ سب سے چھوٹا قیراط کوہِ احد کے مثل ہوتا ہے اور سب سے بڑا اتنا ہوتا ہے جتنا فاصلہ زمین و آسمان کے درمیان ہوتا ہے۔"

بہت سی روایات میں ہے: "قرآن بہت ہی خوبصورت شکل میں آئے گا (یا) اہلِ قرآن کی شفاعت کرے گا اور تلاوت کرنے والوں کی شفاعت کرے گا۔" ۱۲۴ مگر میں نے ان روایات سے صرفِ نظر کر لیا۔

حدیث میں ہے "جو شخص جوانی میں تلاوتِ قرآن کرتا ہے قرآن اس کے گوشت اور خون میں داخل ہو جاتا ہے اور خداوندِ عالم اس کو سفرائے کرام کے ساتھ نیکوکاروں میں سے قرار دیتا ہے اور قیامت میں قرآن اس کی پناہ ہے۔ قرآن خدا کے سامنے کہے گا: پالنے والے ہر عامل نے اپنا اَجر پا لیا سوائے میرے اور پر عمل کرنے والے تھے۔ پس تو اپنی بہترین عطا اس کو مرحمت فرما۔ تب خدا اس کو حلّہائے بہشت سے دو حلّے اس کو پہنائے گا اور اس کے سر پر تاجِ کرامت رکھے گا اور خطاب کرے گا: کیا تو راضی ہو گیا؟ قرآن کہے گا: میں اس سے زیادہ کی اُمید رکھتا ہوں تب امن و امان اس کے داہنے ہاتھ میں دیں گے اور خلد کو بائیں میں۔ پھر وہ بہشت میں جائے گا۔ اور اس سے کہا جائے گا: تلاوت کر اور ایک درجہ اُوپر آ: پھر قرآن سے خطاب ہو گا: کیا میں نے اس کو مقامات تک پہونچا دیا اور تو راضی ہو گیا؟ قرآن عرض کرے گا میں راضی ہو گیا۔" ۱۲۵

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: "جو قرآن کی بہت تلاوت کرے اور اس سے عہد کرے اس کے حفظ کرنے کے لئے مشقت کرنے کا۔ تو (خدا) اس کو دو اَجر دے گا۔" ۱۲۶

اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ تلاوتِ قرآن کا مقصد یہ ہے کہ وہ انسان کے دل کی گہرائیوں میں اُتر جائے اور انسان کا باطن کلامِ الٰہی کی صورت بن جائے اور مرتبۂ ملکہ سے مرتبۂ تحقق حاصل ہو جائے اور یہ جو فرمایا ہے کہ: جوان مومن جو تلاوت کرے تو قرآن اس کے گوشت و خون میں داخل ہو جائے۔" (اس کا مطلب یہ ہے اور (اس سے کنایہ کیا ہے کہ صورتِ قرآن اس کے قلب میں اس طرح مستقر و جاگزیں ہو جائے کہ انسان کا باطن کلامِ اللہ اور قرآنِ مجید اس کے استعداد کے مطابق بن جائے اور حاملِ قرآن سے مُراد وہ ہے کہ اس کی باطنی ذات مکمل حقیقت کلامِ الٰہی بن جائے اور خود قرآن (چونکہ) جامع اور فرقان قاطع ہے (لہٰذا وہ بھی اسی طرح بن جائے) جیسے حضرت علیؑ اور ان کی ذرّیت طاہرہ سراپا تحقق یہ آیاتِ طیبات تھے اور یہی حضرات آیات اللہ العظمیٰ

Presented by www.ziaraat.com

اور قرآن تمام و تمام تھے۔ (یہی نہیں) بلکہ تمام عبادتوں میں یہی معنیٰ مطلوب ہیں۔ عبادتوں اور اس کی تکرار کا سب سے بڑا راز یہی حقائق عبادات کا تحقق ہے اور باطن ذات و قلب کا بصورت عبادت مقصود ہونا ہے اور حدیث میں آیا ہے: مومن کی نماز و روزہ حضرت علیؑ ہیں۔" ۱۲۷

جوانی میں عبادت اثر انداز ہوتی ہے

(عبادتوں سے) قلبی تاثر اور باطنی تصور جوانی میں زیادہ اچھی طرح حاصل ہوتا ہے کیونکہ جوان کا قلب لطیف و سادہ ہوتا ہے اور اس میں صفا زیادہ ہوتی ہے اس میں تزاحمات و تراکمات و واردات بہت کم ہوتے ہیں وہ شدید الانفعال اور کثیر القبول ہوتا ہے۔ بلکہ ہر خصلت چاہے اچھی ہو یا بری جوان قلب میں اچھی طرح بیٹھ جاتی ہے اور قلب بہت شدت سے اور بہت جلد اس سے متاثر ہو جاتا ہے۔ بلکہ زیادہ تر بغیر کسی دلیل و حجت کے جوان کا دل محض معاشرت سے حق یا باطل کو، اچھائی یا برائی کو قبول کر لیتا ہے۔ لہٰذا جوانوں پر لازم ہے کہ ان کا دل چاہے ایمان سے جتنا محکم ہو پھر بھی بروں کی صحبت اور ان سے موانست و معاشرت کو ترک کر دیں۔ بلکہ تباہ کاروں اور بری عادتوں اور برے اعمال والوں سے معاشرت نوع طبقات کے لئے مضر ہے۔ اس لئے نہ کسی کو اپنے اوپر مطمئن ہونا چاہئے اور نہ اپنے ایمان و اخلاق و اعمال پر مغرور ہونا چاہئے۔ چنانچہ احادیث میں بھی اہل معاصی سے معاشرت کرنے کی ممانعت آئی ہے۔" ۱۲۸

قرائت کے آداب

خلاصہ یہ ہے کہ قرآن کی قرائت کا مقصد یہ ہے کہ دلوں میں اس کی صورت نقش ہو جائے۔ اس کے احکام و نواہی کے اثرات مرتب ہوں۔ اس کی دعوتیں جاگزیں ہو جائیں اور یہ بات اس وقت تک حاصل نہیں ہوگی جب تک قرائت کے آداب کا لحاظ نہ کیا جائے اور آداب کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے۔ "جیسا کہ بعض قاریوں کے ذہن میں یہ بات بیٹھی ہوئی ہے کہ ساری توجہ حروف کے مخارج اور ادائے الفاظ کی طرف رکھی جائے۔ اس طرح کے معنیٰ اور غور و فکر تو کجا خود تجوید بھی باطل ہو جائے۔ بلکہ بہت سے کلمات اپنی اصلی صورت سے خارج ہو کر دوسری صورت میں ڈھل

Presented by www.ziaraat.com

جائیں اور مادہ و صورت بالکل بدل جائے اور یہ بھی شیطان کی ایک مکاری ہے کہ عبادت گزار انسان کو آخر عمر تک الفاظِ قرآن میں سرگرم رکھتا ہے۔ نزولِ قرآن کے مقصد، اوامر و نواہی کی حقیقت، معارفِ حقہ کی طرف دعوت اور اخلاقِ حسنہ سے یکدم غافل بنا دیتا ہے۔ پچاس سال کی قرأت کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ شدتِ تغلیظ اور اس میں تشدید کی بنا پر صورتِ کلام سے بالکلیہ خارج ہو کر ایک عجیب و غریب صورت اس نے پیدا کر لی ہے اور (یہ سب بیکار ہے) بلکہ آداب سے مراد وہ آداب ہیں جو شریعت مطہرہ میں منظور شدہ ہیں اور ان میں بہترین صورت یہ ہے کہ آیات میں تدبر و تفکر کر کے عبرت حاصل کی جائے جیسا کہ پہلے اس کی طرف اشارہ کیا جا چکا ہے۔

«قَالَ: اِنَّ هٰذَا الْقُرْآنَ فِيهِ مَنَارُ الْهُدٰى وَمَصَابِيحُ الدُّجٰى؛ فَلْيَجُلْ جَالٍ بَصَرَهُ وَيَفْتَحْ لِلضِّيَاءِ نَظَرَهُ؛ فَاِنَّ التَّفَكُّرَ حَيَاةُ قَلْبِ الْبَصِيرِ كَمَا يَمْشِي الْمُسْتَنِيرُ فِي الظُّلُمَاتِ بِالنُّورِ»[۱۲۹]

کافی میں امام جعفر صادقؑ سے منقول ہے: "اس قرآن کے اندر ہدایت کے منارے، تاریکی کے چراغ موجود ہیں لہٰذا صاحبِ نظر اپنی آنکھوں کو جولانی دے اور نورِ قرآن سے استفادہ کے لئے اپنی آنکھوں کو کھولے۔ اس لئے کہ قرآن میں تفکر قلبِ بصیر کی حیات ہے جس طرح تاریکیوں میں چلنے والا نور سے روشنی حاصل کرتا ہے۔"

«وَمِنَ الْمَجَالِسِ بِاِسْنَادِهِ عَنْ اَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ، عَلَيْهِ السَّلَامُ، فِي كَلَامٍ طَوِيلٍ فِي وَصْفِ الْمُتَّقِينَ: وَاِذَا مَرُّوا بِآيَةٍ فِيهَا تَخْوِيفٌ، اَصْغَوا اِلَيْهَا مَسَامِعَ قُلُوبِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ، فَاقْشَعَرَّتْ مِنْهَا جُلُودُهُمْ، وَوَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ، فَظَنُّوا اَنَّ صَهِيلَ جَهَنَّمَ وَزَفِيرَهَا وَشَهِيقَهَا فِي اُصُولِ آذَانِهِمْ. وَاِذَا مَرُّوا بِآيَةٍ فِيهَا تَشْوِيقٌ، رَكَنُوا اِلَيْهَا طَمَعاً، وَتَطَلَّعَتْ اَنْفُسُهُمْ اِلَيْهَا شَوْقاً، وَظَنُّوا اَنَّهَا نُصْبُ اَعْيُنِهِمْ.»[۱۳۰]

متقین کی صفت بیان کرتے ہوئے حضرت علیؑ ایک طویل حدیث میں فرماتے ہیں:
"جب وہ کسی ایسی آیت کی طرف سے گزرتے ہیں جس میں تخویف (خوف دلایا گیا) ہے تو اپنے دلوں اور آنکھوں کے کان ادھر لگا دیتے ہیں اور اس سے ان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اُن کے دل دہل جاتے ہیں اور ان کو خیال ہونے لگتا ہے جہنم کی شہیق و زفیر چیخ و پکار ان کے کانوں

Presented by www.ziaraat.com

کو پھاڑے دے رہی ہے اور جب کسی ایسی آیت پر پہونچتے ہیں جس میں تشویق ہوتی ہے تو اس کی طرف مائل ہو جاتے ہیں طمع کی وجہ سے اور شوق کی وجہ سے ان کے نفوس ان کی طرف دیکھنے لگتے ہیں اور وہ خیال کرتے ہیں کہ وہ ان کے سامنے ہی ہے۔"

یہ بات واضح ہے کہ جو شخص قرآن کے معانی میں تدبر و تفکر کرے گا وہ اس کے دل میں اثر کرے گا اور رفتہ رفتہ وہ متقین کے درجہ تک پہونچ جائے گا اور اگر توفیق الٰہی شامل حال ہوئی تو اس سے بھی آگے بڑھ جائے گا اور اس کے تمام اعضا و جوارح اور طاقتیں آیاتِ الٰہی بن جائیں گی اور ہو سکتا ہے خطاباتِ الٰہی کی چنگاریاں اور خطابات اس کو بے خود بنا دیں اور وہ اِقْرَأْ وَاصْعَدْ کی منزل اسی عالم میں پالے یہاں تک کہ وہ متکلم کے کلام کو بے واسطہ سننے لگے اور جو کچھ ہمارے اور تمہارے وہم و گمان میں نہ ہو وہ اس کو نصیب ہو جائے۔

قرأت میں اخلاص

تلاوتِ قرآن کا لازمی ادب جو دلوں پر اثر انداز ہوتا ہے اور جس کے بغیر عمل کی کوئی قیمت نہیں ہوا کرتی بلکہ عمل برباد و باطل و موجبِ ناراضگی خدا ہوتا ہے وہ "اخلاص" ہے اور یہی مقاماتِ اخروی کا سرمایہ اور تجارتِ آخرت کا راس المال ہے۔ اس سلسلہ میں بھی اخبارِ اہلِ بیتؑ میں بہت تاکید آئی ہے۔ ان میں سے یہ حدیث ہے جو کافی میں ہے:

«بِاِسْنَادِهِ عَنْ اَبِي جَعْفَرٍ، عَلَيْهِ السَّلَامُ، قَالَ: قُرَّاءُ الْقُرْآنِ ثَلَاثَةٌ: رَجُلٌ قَرَأَ الْقُرْآنَ فَاتَّخَذَهُ بِضَاعَةً وَاسْتَدَرَّ بِهِ الْمُلُوكَ وَاسْتَطَالَ بِهِ عَلَى النَّاسِ. وَرَجُلٌ قَرَأَ الْقُرْآنَ فَحَفِظَ حُرُوفَهُ وَضَيَّعَ حُدُودَهُ وَاَقَامَهُ اِقَامَةَ الْقَدَحِ. فَلَا كَثَّرَ اللّٰهُ هٰؤُلَاءِ مِنْ حَمَلَةِ الْقُرْآنِ. وَرَجُلٌ قَرَأَ الْقُرْآنَ فَوَضَعَ دَوَاءَ الْقُرْآنِ عَلَى دَاءِ قَلْبِهِ، فَاَسْهَرَ بِهِ لَيْلَهُ، وَاَظْمَأَ بِهِ نَهَارَهُ، وَقَامَ بِهِ فِي مَسَاجِدِهِ، وَتَجَافَى بِهِ عَنْ فِرَاشِهِ؛ فَبِاُولٰئِكَ يَدْفَعُ اللّٰهُ الْعَزِيزُ الْجَبَّارُ الْبَلَاءَ وَبِاُولٰئِكَ يُدِيلُ اللّٰهُ مِنَ الْاَعْدَاءِ وَبِاُولٰئِكَ يُنْزِلُ اللّٰهُ الْغَيْثَ مِنَ السَّمَاءِ فَوَاللّٰهِ، لَهٰؤُلَاءِ فِي قُرَّاءِ الْقُرْآنِ اَعَزُّ مِنَ الْكِبْرِيتِ الْاَحْمَرِ»[۱۳۱]

Presented by www.ziaraat.com

امام محمد باقرؑ فرماتے ہیں: قاریانِ قرآن کی تین قسمیں ہیں: ۱: ایک وہ گروہ ہے جو قرائت کو سرمایہ معیشت بناتا ہے اور اس کے ذریعہ بادشاہوں سے رقم اینٹھتا ہے اور لوگوں پر بڑائی جتاتا ہے: ۲۔ دوسرا گروہ وہ ہے جو قرآن کے حروف وصورت کی حفاظت کرتا ہے (مگر) اس کے حدود کو برباد کرتا ہے اور اس کو پس پشت ڈال دیتے ہیں جیسے سوار اپنی تیروں کو اپنی پیٹھ پر لٹکا لیتا ہے خدا ایسے حاملانِ قرآن کی تعداد زیادہ نہ کرے: ۳۔ تیسرا گروہ وہ ہے جو قرآن کی تلاوت کرتا ہے اور اس کو دردِ دل کا علاج قرار دیتا ہے۔ اس کے لئے شب بیداری کرتا ہے دن کو روزہ رکھتا ہے مسجدوں میں حاضری دیتا ہے اپنے بستر پر نہیں سوتا۔ اس جیسے لوگوں کے واسطہ سے خدا بلاؤں کو دور کرتا ہے اور دشمنوں کے خلاف غلبہ عطا کرتا ہے آسمان سے پانی برساتا ہے خدا کی قسم یہ لوگ قاریانِ قرآن کے درمیان کبریت احمر سے زیادہ عزیز ہیں۔"

«وَعَنْ عِقَابِ الْأَعْمَالِ بِإِسْنَادِهِ عَنْ أَبِي عَبْدِاللّٰهِ، عَلَيْهِ السَّلَامُ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ آبَائِهِ، عَلَيْهِمُ السَّلَامُ، قَالَ: مَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ يَأْكُلُ بِهِ النَّاسَ، جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَوَجْهُهُ عَظْمٌ لَا لَحْمَ فِيهِ.»[۱۲۲]

عقاب الاعمال میں امام جعفر صادقؑ نے اپنے باپ سے انھوں نے اپنے آباؤ اجداد سے نقل فرمایا ہے: "جو اپنے کھانے (پینے) کے دھندے کے لئے تلاوتِ قرآن کرے وہ قیامت کے دن اس طرح آئے گا کہ اس کا چہرہ صرف ہڈی (کا ڈھانچہ) ہوگا۔ اس میں گوشت (کا نام بھی) نہ ہوگا۔"

«وَبِإِسْنَادِهِ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ، فِي حَدِيثٍ قَالَ: مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ فَلَمْ يَعْمَلْ بِهِ وَآثَرَ عَلَيْهِ حُبَّ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا، اسْتَوْجَبَ سَخَطَ اللّٰهِ، وَكَانَ فِي الدَّرَجَةِ مَعَ الْيَهُودِ وَالنَّصَارَى الَّذِينَ يَنْبِذُونَ كِتَابَ اللّٰهِ وَرَاءَ ظُهُورِهِمْ.»

رسولِ خداؐ نے فرمایا: "جو قرآن سیکھ کر اس پر عمل نہ کرے۔ دنیا کی محبت وزینت کو اس پر مقدم کرے وہ خدا کی ناراضگی کا مستحق ہوگا اور یہود ونصاریٰ کے ساتھ ان کے درجہ میں ہوگا جو کتابِ الٰہی کو پس پشت ڈال دیتے ہیں اور جو تلاوتِ قرآن لوگوں کو دکھانے اور دنیا طلبی

Presented by www.ziaraat.com

کے لئے کرے وہ قیامت میں خدا سے ایسے چہرے کے ساتھ ملاقات کرے گا جس میں گوشت نہ ہوگا ہڈی (ہی ہی) ہوگی اور قرآن کو اس کے پیچھے رکھا جائے گا۔ یہاں تک کہ قرآن اس کو جہنم میں دھکیل دے اور وہ شخص دوزخیوں کے ساتھ دوزخ میں گر جائے۔"

وَمَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ يُرِيدُ بِهِ سُمْعَةً وَالْتِمَاسَ الدُّنْيَا، لَقِيَ اللّٰهَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَوَجْهُهُ عَظْمٌ لَيْسَ عَلَيْهِ لَحْمٌ وَزَجَّ الْقُرْآنُ فِي قَفَاهُ حَتّٰى يُدْخِلَهُ النَّارَ وَيَهْوِي فِيهَا مَعَ مَنْ هَوٰى.

وَمَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ وَلَمْ يَعْمَلْ بِهِ، حَشَرَهُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَعْمٰى؛ فَيَقُولُ: يَارَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِي أَعْمٰى وَقَدْ كُنْتُ بَصِيرًا. قَالَ: كَذٰلِكَ أَتَتْكَ آيَاتُنَا فَنَسِيتَهَا وَكَذٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْسٰى[۳۳] فَيُؤْمَرُ بِهِ إِلَى النَّارِ»

"اور جو قرآن پڑھ کر اس پر عمل نہ کرے خدا اس کو قیامت میں اندھا محشور کرے گا۔ وہ کہے گا پالنے والے مجھے اندھا کیوں محشور کیا؟ میں تو بینا تھا! خدا کہے گا جس طرح میری آیتیں تیرے پاس آتی تھیں اور تو ان کو بھلا دیتا تھا اسی طرح آج تجھ کو بھلا دیا جائے گا۔"

پھر اس کے بعد اس کو دوزخ میں ڈال دینے کا حکم دیا جائے گا۔

وَمَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللّٰهِ وَتَفَقُّهًا فِي الدِّينِ، كَانَ لَهُ مِنَ الثَّوَابِ مِثْلُ جَمِيعِ مَا أَعْطِيَ الْمَلَائِكَةُ وَالْأَنْبِيَاءُ وَالْمُرْسَلُونَ.

اور جو خدا کے لئے اور تفقہ فی الدین کے لئے قرآن پڑھے اس کو اتنا ثواب دیا جائے گا جتنا تمام ملائکہ اور انبیاء اور رسولوں کا ہوگا۔

وَمَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ يُرِيدُ بِهِ رِيَاءً وَسُمْعَةً يُمَارِي بِهِ السُّفَهَاءَ وَيُبَاهِي بِهِ الْعُلَمَاءَ وَيَطْلُبُ بِهِ الدُّنْيَا، بَدَّدَ اللّٰهُ عِظَامَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَمْ يَكُنْ فِي النَّارِ أَشَدُّ عَذَابًا مِنْهُ؛ وَلَيْسَ نَوْعٌ مِنْ أَنْوَاعِ الْعَذَابِ إِلَّا وَيُعَذَّبُ بِهِ مِنْ شِدَّةِ غَضَبِ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَسَخَطِهِ.

Presented by www.ziaraat.com

اور جو ریا کاری اور دوسروں کو سنانے کے لئے قرآن سیکھے اور اس کا مقصد ہو تو فوں سے جھگڑا کرنا، علما پر فخر کرنا اور طلبِ دُنیا کرنا مقصود ہو تو قیامت کے دن خدا اس کی ہڈیوں کو منتشر کر دے گا اور دوزخ میں اس سے زیادہ شدید عذاب والا کوئی نہ ہوگا اور عذاب کی کوئی بھی قسم باقی نہیں ہوگی جس سے خدا اپنے غصہ اور ناراضگی کی وجہ سے اس پر عذاب نہ کرے۔

وَمَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَتَوَاضَعَ فِي الْعِلْمِ وَعَلَّمَ عِبَادَاللّٰهِ وَهُوَيُرِيدُمَا عِنْدَاللّٰهِ، لَمْ يَكُنْ فِي الْجَنَّةِ اَعْظَمُ ثَواباً مِنْهُ وَلاَ اَعْظَمُ مَنْزِلَةً مِنْهُ، وَلَمْ يَكُنْ فِي الْجَنَّةِ مَنْزِلٌ وَلاَ دَرَجَةٌ رَفِيعَةٌ وَلاَ نَفِيسَةٌ اِلاَّ وَكَانَ لَهُ فِيهَا اَوْفَرُ النَّصِيبِ وَاَشْرَفُ الْمَنَازِلِ۔"[۱۳۴]

"اور جو قرآن سیکھ کر علم میں تواضع کرے اور خدا کے بندوں کو تعلیم دے کر اجر خدا کا طالب ہو۔ جنت میں نہ اس سے بلند مرتبہ اور نہ ہی کوئی زیادہ ثواب والا ہوگا اور جنت میں کوئی ایسی منزل اور کوئی ایسا بلند و نفیس درجہ نہ ہوگا جس میں اس کا بہت زیادہ حصہ نہ ہو اور سب سے شریف منزل اس کی نہ ہو۔"

ترتیل کا مطلب

قرائت کے آداب میں سے جو نفس میں موجبِ تاثیر بھی ہے اور قاری کو اس کی پابندی کرنی چاہیئے۔ ترتیل بھی ہے۔ اور اس کا مطلب جیسا کہ حدیث میں ہے "سرعت و تعجیل اور سستی و فتورِ مفرط کے درمیان ایک متوسط طریقہ ہے جس سے کلمات ایک دوسرے سے متمیز ہو جائیں۔

«عَنْ مُحَمَّدِبْنِ يَعْقُوبَ بِاِسْنَادِهِ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ سُلَيْمَانَ، قَالَ؛ سَاَلْتُ اَبَا عَبْدِاللّٰهِ، عَلَيْهِ السَّلاَمُ، عَنْ قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالَى: «وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلاً.» قَالَ قَالَ اَمِيرُالْمُؤْمِنِينَ، عَلَيْهِ السَّلاَمُ: تَبَيَّنْهُ تِبْيَاناً؛ (خ ل: تَبْيِيناً) وَلاَتُهَذِّهِ هَذَّ الشِّعْرِ (وَلاَتَنْثُرْهُ) نَثْرَالرَّمْلِ؛ وَلٰكِنْ اَفْزِعُوا قُلُوبَكُمُ الْقَاسِيَةَ؛ وَلاَيَكُنْ هَمُّ

Presented by www.ziaraat.com

اَحَدِکُمْ آخِرَ السُّوْرَةِ۔[۱۲۵]

کافی میں ہے: عبداللہ بن سلیمان کہتے ہیں: "میں نے امام جعفر صادقؑ سے اس آیت وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِیْلاً۔ اور قرآن کو باقاعدہ ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کرو، کا مطلب پوچھا تو آپ نے فرمایا: حضرت علیؑ کا ارشاد ہے: اس کو واضح کر کے پڑھا کرو بعض نسخوں میں تبیانا اور بعض میں تبییناً آیا ہے۔ شعر کی طرح جلدی نہ کرو اور ریگ کی طرح اس کے اجزا کو پراگندہ نہ کرو۔ البتہ اپنے سخت دلوں کو ڈراؤ اور تمہارا مقصد ختم سورہ نہ ہو (کہ کسی طرح جلدی سے ختم کرا دو) یا مثلاً چند دنوں میں قرآن کو ختم کر لیا جائے۔

لہٰذا جو شخص کلامِ خدا کی قرائت کرنا چاہتا ہے اور آیاتِ الٰہیہ سے اپنے سخت دل کا علاج کرنا چاہتا ہے اور کلام جامع الٰہی سے اپنے قلبی امراض کا علاج کرنا چاہتا ہے اور اس غیبی مصباح منیر سے نورِ ہدایت حاصل کرنا چاہتا ہے اور اس آسمانی "نور علی نور" سے اخروی مقامات اور مدارج کمالیہ کو حاصل کرنا چاہتا ہے اس کو چاہیئے اس کے ظاہری و باطنی اسباب کو فراہم کرے اور صوری و معنوی آداب کو فراہم کرے۔ نہ کہ ہماری طرح کہ اگر کبھی تلاوتِ قرآن کی توفیق بھی ہوئی تو اس کے معانی و مطالب و مقاصد اور اس کے اوامر و نواہی و وعظ و زجر سے بالکلیہ غافل ہونے کے علاوہ معلوم ہوتا ہے کہ جن آیتوں میں اوصاف جہنم اور عذابِ الیم یا بہشت و کیفیاتِ نعیم کا ذکر ہوتا ہے ان سے ہمارا کوئی ربط ہی نہیں ہے۔ بلکہ اس کے ظاہری آداب سے بھی غفلت برتتے ہیں اور نعوذ باللہ ناول کی کتابوں کو پڑھنے میں ہمارے حواس قرآنِ مجید کی تلاوت سے کہیں زیادہ جمع رہتے ہیں۔

"حدیثوں میں آیا ہے کہ قرآن کو حزن سے اور خوش الحانی سے پڑھو"[۱۲۶]

"حضرت امام زین العابدینؑ قرآن اس خوش الحانی سے پڑھتے تھے کہ ادھر سے گزرنے والے سقا وغیرہ وہاں کھڑے ہو جاتے تھے اور بعض تو غش کھا جاتے تھے۔"[۱۲۷]

لیکن ہم جب اپنی اچھی آواز لوگوں کو سنانا چاہتے ہیں تو قرآن یا اذان کو ذریعہ بناتے ہیں۔ ہمارا مقصد تلاوت نہیں ہوتا اور نہ یہ استحباب پر عمل ہے۔ مختصر یہ ہے کہ مکر شیطان و نفسِ امارہ بہت ہے اور یہ حق کو باطل سے مشتبہ کر دیتا ہے اور اچھے و بُرے کو آپس میں ملتبس کر دیتا ہے۔ (لہٰذا) اس کی مکاریوں سے خدا کی پناہ مانگنی چاہیئے۔

Presented by www.ziaraat.com

چھٹی فصل

نماز میں ہاتھ اٹھانے اور تقلیب کا بیان

اس حدیث میں جو آیا ہے: نماز میں ہاتھوں کو بلند کرو اور ان کو پلٹو یا اس کا بظاہر مطلب یہ ہے کہ تکبیرات کہتے وقت ہاتھوں کو بلند کرو اور تقلیب کے مطلب میں احتمال ہے کہ ہتھیلیوں کو قبلہ کی طرف کرو۔ چنانچہ تکبیر کہتے وقت ہاتھ اٹھانے میں ہتھیلیوں کو رو بقبلہ رکھنا ایک مستحب فعل ہے اور ہو سکتا ہے اس حدیث میں ہاتھ اٹھانے سے مراد قنوت کے وقت ہاتھ اٹھانا ہو اور "تقلیب" سے مراد ہتھیلیوں کو آسمان کی طرف رکھنا ہو، چنانچہ فقہا نے اس کے مستحب ہونے کا فتویٰ دیا ہے اگرچہ اس کی دلیل میں مناقشہ کیا ہے۔ لیکن متشرعہ کی سیرت قطعیہ کے بعد "کہ قنوت سے صرف یہی مطلب (ہتھیلیوں کو آسمان کی طرف رکھنا) اور رفع یدین سے مطلقاً چاہے جس طرح ہو نہیں سمجھا جاتا" بلکہ تکبیر کے وقت ہاتھوں کو اٹھانا سمجھا جاتا ہے۔ اب مزید کسی دلیل کی ضرورت نہیں ہے۔ مختصر یہ ہے کہ اس روایت میں اظہر پہلا ہی احتمال ہے۔

فقہا کے درمیان مشہور ہے کہ تکبیروں میں ہاتھوں کا اٹھانا مستحب ہے اور بعض علما بعض اوامر کے ظاہر پر عمل کرتے ہوئے وجوب کے قائل ہیں اور فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ کی تفسیر میں آیا ہے کہ اس "نحر" سے مراد تکبیروں کے کہتے وقت ہاتھ کا اٹھانا ہے۔[۱۳۸] لیکن روایات میں بہت سے ایسے شواہد موجود ہیں جو استحباب پر دلالت کرتے ہیں مثلاً ان روایات میں جو تعلیلات بیان کی گئی ہیں (ان سے وجوب نہیں ثابت ہوتا) خصوصاً فضل بن شاذان والی روایت جو امام رضاؑ سے مروی ہے[۱۳۹] اس کے علاوہ علی ابن جعفر کی صحیحہ عدم وجوب پر نص ہے۔[۱۴۰] اور یہ روایات اگر قرائن صارفہ سے قطع نظر کر لیا جائے تب تو وجوب پر دلالت کرتی ہیں اور ان میں جمع کا طریقہ یہ ہے کہ نص کو ظاہر پر حکومت دیتے ہوئے اخبار وجوب کو استحباب پر حمل کر دیا جائے اور وہ روایت اگرچہ غیر امام سے رفع کو اٹھا دیتی ہے (اور صرف امام کے لئے ثابت کرتی ہے) مگر پھر بھی ممکن ہے کہ یہ دعویٰ کیا جائے، اس کا ظہور امام و ماموم دونوں کے لئے ہے البتہ فرادیٰ سے ساکت ہے اور منافات نہیں ہے کہ سب ہی سے رفع واجب کر رہی ہو۔ لیکن رفع یدین امام

Presented by www.ziaraat.com

مامومین سے اسی طرح کفایت کرتا ہے جیسے امام کی قرائت مامومین کی قرائت سے کفایت کرتی ہے اور اس احتمال کی بنا پر جو روایت میں تمام احتمالات سے اظہر ہے۔ بعض محققین متاخرین کا خدشہ بھی وارد نہیں ہوتا کہ اس سے حمل مطلق بر مقید لازم آتا ہے۔ مگر ان تمام باتوں کے باوجود اس تفصیل کا نہ پایا جانا اور مشہور کا قدیماً و جدیداً اس کا اختیار کرنا اور قرائن خارجیہ و داخلیہ کا ہونا تمام بحث ہی کو ختم کر دیتا ہے۔ اس کتاب کے اعتبار سے اتنی بحث بھی خارج تھی۔ لیکن اس کے باوجود یہ مفید (ہاتھوں کو اٹھانا وقت تکبیر) آداب مستحبہ میں سے ایک ہے اور حتی الامکان اس کو ترک نہیں کرنا چاہیئے۔ خصوصاً ایسے مستحب کو جس کو بعض علماء واجب کہتے ہوں کیونکہ احتیاط در دین کا تقاضا یہی ہے کہ انسان اس کو ترک نہ کرے۔

رفع یدین کا راز

بہر حال ہر نماز میں تکبیر کہتے وقت ہاتھوں کو بلند کرنا نماز کی زینت ہے اور جبرئیلؑ اور ساتوں آسمان کے ملائکہ کا طریقہ ہے۔ چنانچہ اصبغ بن نباتہ نے حضرت علی علیہ السلام سے نقل کیا ہے۔[۱۴۱]

علل و عیون میں امام رضاؑ سے منقول ہے: "تکبیر میں ہاتھوں کو اٹھانے کی علت یہ ہے کہ اس میں ایک قسم کا انقطاع و تخلیص و تضرع پایا جاتا ہے۔ پس خدا کو یہ بات پسند ہے کہ اس کے ذکر کے وقت بندہ اس کی طرف منقطع و متضرع و خالص ہو اور یہ بھی علت ہے کہ رفع ید کی وجہ سے انسان متوجہ ہو جاتا ہے اور نیت کے ذریعہ اپنے کو بارگاہ احدیت میں حاضر کرتا ہے اور دل سے اقبال کرتا ہے۔"[۱۴۲]

اور حضرت کی یہ بات بعض اہل معرفت کے قول کے مطابق ہے کہ وہ لوگ کہتے ہیں: رفع یدین کا مطلب یہ ہے کہ دنیا کی ہر چیز کو ہم اپنے پس پشت ڈال دیتے ہیں اور وصول الی الحق کے راستہ کے کانٹوں کو درمیان سے اٹھا دیتے ہیں اور اپنے کو ماسوا سے منقطع اور خالص و مخلص اور غیر کی طرف توجہ بھی نہیں کرتے اور غیریت مذہب عشق و محبت میں شرک ہے۔ سمجھتے ہیں اس وقت معنوی معراج حقیقی اور سفر الی اللہ کرتے ہیں اور یہ مسافرت و معراج بغیر رفض غیر و غیریت اور ترک خودی و انانیت حاصل نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ ساتوں افتتاحی تکبیروں سے ساتوں کلیہ ملکیہ

Presented by www.ziaraat.com

وملکوتیہ کے حجاب پارہ ہوجاتے ہیں۔

پس اولیا کی نماز ایسی ہوتی ہے کہ ہر تکبیر سے وہ ایک حجاب پارہ کرتے ہیں اور ان حجابوں (کی دُنیا) کو چھوڑ دیتے ہیں اور اس سراد ق کے بسنے والوں کو بھی ترک کر دیتے ہیں۔ اس کے بعد ان پر دوسرا حجاب منکشف ہوجاتا ہے اور دوسری تجلی تقییدی ان کے دلوں پر چھا جاتی ہے مگر وہ خارِ طریق نہیں بنتی اور نہ ان کے لئے مایۂ سرگرمی اور توجہ قلبی ہوتی ہے اور اس کو دوسری تکبیر سے پارہ کر دیتے ہیں۔ گویا ان کے باطن قلب اس سے متاثر ہوجاتے ہیں اور نغمہ سرا ہوجاتے ہیں اور خدا اس سے کہیں بزرگ ہے کہ تجلیٔ تقییدی کے ذریعہ متجلی ہو۔ چنانچہ شیخ الاولیا والمخلصین حضرت خلیل الرحمان نے اپنے سفرِ عرفانی میں شہودی اور تجلیاتِ تقییدی فرمائی۔ پس جو سالک الی اللہ اور مسافر کوئی عشق اور مجذوب راہِ وصول ہوتے ہیں وہ ایک ایک حجاب کو پارہ کرتے ہوئے آخری تکبیر تک پہونچ جاتے ہیں اور اس سے ساتویں حجاب کو چاک کر کے غیر و غیریت کو چھوڑتے ہوئے کہتے ہیں:

﴿وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ﴾ ۱۴۴ "جس نے اپنا چہرہ اس ذات کی طرف کر لیا ہے جس نے زمین اور آسمانوں کو پیدا کیا ہے۔"

جیسا کہ حضرت ابراہیمؑ نے (بھی) کہا۔ اس کے بعد فتح باب ہوجاتا ہے اور سبحات جلال اس پر منکشف ہوجاتے ہیں۔ وہ پھر استعاذہ کرتا ہے اور خدا کا نام لے کر آگے بڑھتا ہے۔ اسی کی طرف امام محمد باقرؑ نے اپنی اسناد کے ذریعہ حضرت علیؑ سے روایت فرمائی ہے کہ: ﴿مُحَمَّدِ بْنِ عَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ، رِضْوَانُ اللّٰهِ عَلَيْهِ، بِاِسْنَادِهِ عَنْ اَبِي الْحَسَنِ، عَلَيْهِ السَّلَامُ، اَنَّهُ رُوِيَ لِذٰلِكَ عِلَّةً اُخْرٰى وَهِيَ اَنَّ النَّبِيَّ، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ، لَمَّا اُسْرِيَ بِهِ اِلَى السَّمَاءِ قَطَعَ سَبْعَ حُجُبٍ؛ فَكَبَّرَ عِنْدَ كُلِّ حِجَابٍ تَكْبِيرَةً؛ فَاَوْصَلَهُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ بِذٰلِكَ اِلٰى مُنْتَهَى الْكَرَامَةِ.﴾ ۱۴۵

"اس کی ایک اور علت ہے اور وہ یہ ہے کہ رسولِ خدا کو جب شبِ معراج آسمانوں کی سیر کرائی گئی اور آپ نے ساتوں حجاب چاک کئے تو آپ نے ہر حجاب کو چاک کرتے ہوئے تکبیر کہی۔ جس کی وجہ سے خدا نے ان کو انتہائے کرامت تک پہونچا دیا۔"

دوسری روایت میں اسی مضمون کے قریب کی حدیث امام موسیٰ کاظمؑ سے منقول ہے

Presented by www.ziaraat.com

مگر اس میں ہے کہ ہر رفع حجاب کے بعد رسولؐ خدا تکبیر کہتے تھے اور یہ ذوق اور مشرب عرفان کے زیادہ موافق ہے اس لئے کہ ہر رفع یدین کے بعد رفع حجاب اور رفع ستر ہوتا تھا اور نور کرامت کے ظہور کے ساتھ آپؐ تکبیر کہتے تھے اور چونکہ وہ حجب نورانیت کا ایک نور تقیدی ہے لہٰذا رفع یدین کے ساتھ اٹھ جاتا تھا تاکہ تجلی ذاتی مطلق ہو جائے اور وصول بہ منتہی الکرامۃ۔ جو اولیا کی غایت امید ہے حاصل ہو جائے اور اس پہلی حدیث کو اس حدیث کی طرف پلٹایا جا سکتا ہے۔

بہر حال ہم تو ان معانی کے ادراک ہی سے محروم ہیں شہود یا وصول کی منزل تو بہت دور ہے اور ہماری برائی اور بدبختی یہ ہے کہ تمام مدارج و مقامات کے منکر ہو جاتے ہیں اور معراج اولیا اور پاکوں کی نماز کو اپنی طرح سمجھتے ہیں اور ان کے کمال کو اپنے عمل کے کمال کے مشابہ سمجھتے ہیں۔ زیادہ سے زیادہ سے زیادہ جس کا تصور کر سکتے ہیں اور جس سے آگے کا ادراک نہیں کر سکتے وہ یہ ہے کہ ان کی قرائت و تمام آداب بہت اچھے تھے شرک و ریا و سمعہ سے خالی تھے یا یہ کہ ان کی عبادت جنت کی لالچ اور دوزخ کے خوف سے نہیں ہوتی تھی اور یہ تو ان کے مقامات رسمیہ رایجہ میں سے ایک ہے لیکن ان کی نماز میں اور معراج روحانی میں ایسے مقامات ہیں جو ہمارے تصور سے باہر ہیں۔

شیطان کی مکاری پر متنبہ کرنا

یہاں پر۔ جب قلم بے اختیار یہاں تک پہونچ گیا ہے ایک چیز کی طرف تنبہ کرنا ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ: مقامات معنوی تک پہونچنے اور راہ کمال تک وصول کے لئے بدترین قسم کے کانٹے جن میں سب سے بڑا ڈاکو شیطان ہے، مقامات و مدارج غیبیہ معنویہ کا انکار ہے اور یہ انکار تمام گمراہیوں اور جہالتوں کا سرمایہ ہے اور سبب توقف و خمود ہے اور یہی انکار روح شوق کو جو وصول کمالات کے لئے براق ہے۔ موت عطا کرتا ہے اور آتش عشق کو، جو معراج روحانی کمالی کا ظرف ہے۔ خاموش کر دیتا ہے۔ انسان کو طلب سے روک دیتا ہے۔ (لیکن) اس کے برخلاف اگر انسان مقامات معنویہ اور معارج عرفانیہ پر خالص عقیدت رکھتا ہو اور ایمان لے آئے تو ہو سکتا ہے کہ یہ خود ہی عشق فطری کی آتش کو جو خواہشات نفسانی کے خاک و خاکستر کے نیچے دب گئی ہے مدد دیدے اور نور اشتیاق کو دل کی گہرائیوں میں روشن کر دے اور پھر رفتہ رفتہ اس کی تلاش میں اٹھ کھڑا ہو اور جہاد کرے تاکہ مشمول ہدایت حق ہو اور خدا اس کی دستگیری

Presented by www.ziaraat.com

فرمائے۔ والحمدللہ۔

ساتویں فصل

مسواک کی فضیلت

یہ جان لو کہ مسواک کرنا، جس کی اس حدیث میں رسولؐ خدا نے وصیت فرمائی ہے" مطلقاً ایک شرعی مستحب ہے اور خاص مواقع پر تاکید آئی ہے مثلاً وضو اور نماز سے پہلے، قرآن پڑھتے وقت، سحر کے وقت، سو کر اُٹھنے کے بعد، روایات میں اس کی بہت زیادہ تاکید آئی ہے اور اس کے بہت سے خواص و فوائد ذکر کئے گئے ہیں۔ میں بعض کو اس کتاب میں تبرکاً ذکر کرتا ہوں۔

"كافي بِإِسْنَادِهِ عَنْ أَبِي عَبْدِاللّٰهِ، عَلَيْهِ السَّلَامُ، قَالَ: فِي السِّوَاكِ اِثْنَا عَشْرَةَ خَصْلَةً: هُوَ مِنَ السُّنَّةِ، وَمَطْهَرَةٌ لِلْفَمِ، وَمَجْلَاةٌ لِلْبَصَرِ وَيُرْضِي الرَّبَّ، وَيَذْهَبُ بِالْبَلْغَمِ، وَيَزِيدُ فِي الْحِفْظِ، وَ يُبَيِّضُ الْأَسْنَانَ، وَيُضَاعِفُ الْحَسَنَاتِ، وَيَذْهَبُ بِالْحَفَرِ وَيَشُدُّ اللِّثَةَ وَيُشْهِي الطَّعَامَ، وَيَفْرَحُ بِهِ الْمَلَائِكَةُ." ۱۴۶

کافی میں ہے امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: "مسواک کرنے میں بارہ فائدے ہیں۔" ۱: سنّت ہے ۲: مُنہ کو صاف کرتا ہے ۳: آنکھوں کو روشنی بخش ہے ۴: خوشنودیٔ خدا کا سبب ہے ۵: بلغم دُور کرتا ہے ۶: قوّتِ حافظہ کو بڑھاتا ہے ۷: دانتوں کو سفید کرتا ہے ۸: حسنات کو زیادہ کرتا ہے ۹: دانت کے پیلے پن کو دور کرتا ہے ۱۰: مسوڑوں کو مضبوط کرتا ہے ۱۱: بھوک بڑھاتا ہے ۱۲: ملائکہ اس سے خوش ہوتے ہیں۔"

"چنانچہ بہت سی روایات میں ہے کہ مسواک پیغمبروں کی سنتوں میں سے ہے۔" ۱۴۷

دوسری حدیث میں بھی اسی مضمون پر مشتمل روایت وارد ہوئی ہے اور اس حدیث میں جن چھوٹے چھوٹے دانوں اور پھوڑوں کا ذکر ہے ان سے وہ چھوٹے چھوٹے دانے مُراد ہیں جو دانتوں کی جڑوں میں پیدا ہو جاتے ہیں اور ان میں سفید و بدبودار مواد پیدا ہو جاتا ہے۔ غذا کو

Presented by www.ziaraat.com

چباتے وقت وہ دانے پھوٹ جاتے ہیں اور اس کی کثافت غذا میں شامل ہو کر بہت سے امراض کا سبب بنتی ہے جیسے بدہضمی وغیرہ آج کل کے حکما اس کو "پیورہ" کہتے ہیں اور اس کو بہت اہمیت دیتے ہیں بلکہ اس کے علاج کے لئے دانتوں کو اکھاڑنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ اس لئے انسان جہاتِ غیبیہ باطنیہ جس میں سب سے اہم مرضیٔ الٰہی ہے، سے قطع نظر کرتے ہوئے حفظانِ صحت اور نظافت کے لئے ہی مسواک کرے اور بڑی اچھی بات ہے کہ پابندی کرے اور انبیا کی سُنّت مستمرہ پر عمل کرے۔

حدیثِ نبویؐ میں ہے رسولِ خدا نے فرمایا: "جبرئیلؑ نے مجھے مسواک کی اتنی تاکید کی کہ مجھے اپنے دانتوں کے بارے میں خوف معلوم ہونے لگا۔" ۱۴۸

آنحضرتؐ نے فرمایا: "اگر میری اُمّت کے لئے باعثِ مشقت نہ ہوتا تو میں ہر نماز اور وضو سے پہلے مسواک کرنا واجب قرار دیدیتا۔" ۱۴۹

آنحضرتؐ ہمیشہ اپنے سرہانے رات کو آبِ وضو اور مسواک رکھا کرتے تھے اور پانی کے برتن کو کسی چیز سے ڈھانک دیا کرتے تھے اور جب بھی خواب سے بیدار ہوتے تھے وضو کر کے چار رکعت نماز پڑھ کر سو جاتے تھے اس کے بعد پھر جب بیدار ہوتے تھے مسواک کر کے وضو کرتے تھے۔ اور نماز پڑھتے تھے۔ حضرت امام جعفر صادقؑ نے اس حدیث کے بعد فرمایا "تم بھی رسولؐ خدا کی نیک بات میں پیروی کرو۔" ۱۵۰

ایک حدیث میں ہے مسواک کے بعد دو رکعت نماز بغیر مسواک کی ستّر رکعت نماز سے افضل ہے۔ یہاں تک کہ اگر وضو سے پہلے بھول جائے تو وضو کے بعد مسواک کرنا مستحب ہے اور مسواک کے بعد تین مرتبہ کلی کرے۔ ۱۵۱ اس بارے میں احادیث بہت ہیں۔ جس کا جی چاہے علما کی کتابوں کی طرف رجوع کرے۔ ۱۵۲

آٹھویں فصل

اچھے بُرے اخلاق

اور اس کے ذیل میں رسولؐ کی وصیت

اگرچہ ہم نے اس کتاب میں نفس کے بہت سے اخلاق کو بطورِ شمار تفصیل سے بیان

Presented by www.ziaraat.com

کر دیا ہے اور اچھے اخلاق سے اتصاف اور بُرے اخلاق سے بچنے اور ان کے مفاسد سے بچنے کے طریقوں کو بطورِ مناسب ذکر کر دیا ہے مگر یہاں پر ایک جامع بیان کے ساتھ کچھ کو (مزید) ذکر کروں گا۔

"خلق" اس حالت کو کہتے ہیں جب وہ انسان میں پیدا ہو جائے تو انسان بغیر کسی غور و فکر کے عمل کرنے لگتا ہے مثلاً جس کے اندر خلق سخاوت ہو گی وہ عادت اس کو بغیر کسی مقدمات کے تشکیل و مرجحات کے جود و انفاق پر آمادہ کرے گی گویا یہ اس کا فطری فعل ہے جیسے دیکھنا، سننا فطری فعل ہے۔ اسی طرح عفت جس کی عادت اور خلق ہو جائے وہ اپنے نفس کی حفاظت اس طرح کرے گا جیسے یہ اس کا طبعی فعل ہو اور جب تک ریاضت و تفکر کے ذریعہ نفس اس منزل تک نہ پہونچ جائے اس کو صاحبِ خلق نہیں کہا جائے گا اور نہ اس کو کمالِ نفس حاصل ہو گا مگر خلق کے لئے یہ خطرہ لگا رہتا ہے کہ اگر وہ کمالات میں سے ہے تو زائل ہو سکتا ہے اور بُری عادتیں اور بُرے اخلاق اس پر غالب آ سکتے ہیں۔ ہاں اگر وہ طبعی فعل بن جائے اور قویٰ و آلات سب اس کے تابع ہو جائیں اور قہر و سلطنتِ حق ظاہر ہو جائے تب اس کا زوال مشکل ہوتا ہے اور شاذ و نادر ہی زوال کا اتفاق ہوتا ہے۔

علمائے اخلاق کا کہنا ہے کہ یہ حالت اور نفس کی اچھائی یا بُرائی کبھی تو طبعی ہوتی ہے اور اصل فطرت کی طرف راجع اور مزاج سے مربوط ہوتی ہے خواہ اس کا تعلق خیر سے ہو یا شر سے ہو چنانچہ مشہور ہے کہ بعض بچے بچپنے ہی سے خیرات کی طرف اور بعض برائیوں کی طرف مائل ہوتے ہیں۔ بعض معمولی چیز پر غضب ناک ہو جاتے ہیں، بعض مختصر سی بات پر وحشت زدہ ہو جاتے ہیں اور ذرا سی بات پر ڈر جاتے ہیں۔ لیکن بعض بچے اس کے بالکل برخلاف ہوتے ہیں اور کبھی یہ نفسانی اخلاق عادتوں، معاشرتوں، تدبر اور تفکر سے بھی حاصل ہوتا ہے اور کبھی اس کی ابتدا تو غور و فکر سے ہوتی ہے پھر وہ ملکہ بن جاتا ہے۔ یہاں پر علما نے اختلاف کیا ہے۔ جس کا ذکر کرنا اور اس کے اطراف کے بارے میں بحث کرنا اس کتاب کے موضوع سے خارج ہے اور وہ ہم کو ہمارے اصلی مقصد سے بھی باز رکھے گا۔ اب میں اس کو ذکر کروں گا جو اس مقام کے لئے مناسب اور مفید ہے۔

پس میں عرض کرتا ہوں کہ کسی خلق کے طبعی اور فطری ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ ذاتی ہے اور قابلِ تغییر نہیں ہے بلکہ تمام ملکات اور اخلاق نفسانیہ، جب تک نفس اس عالمِ حرکت و تغییر میں ہے اور تحت تصرفِ زماں و تجدد واقع ہے اور دارائے ہیولیٰ و قوت ہے، قابلِ تغییر ہیں۔ اور انسان اپنے تمام اخلاق کو ان کے برخلاف اخلاق سے بدل سکتا ہے۔ برہان و تجربہ کے علاوہ اس

Presented by www.ziaraat.com

مدعی پر انبیا اور شرائع حقہ کی اخلاقِ حسنہ اور بُرے اخلاق سے روکنے کی دعوت دلیل ہے۔

یہ بھی جان لینا چاہئیے کہ فنِ اخلاق کے علمانے تمام فضائل نفس کو چار چیزوں کے تحت داخل کیا ہے اور وہ یہ ہیں: حکمت، عفت، شجاعت، عدالت۔ حکمت کو نفس ناطقہ ممیزہ کی فضیلت قرار دیا ہے اور شجاعت کو نفسِ غضبیہ کے فضائل میں شمار کیا ہے اور عفت کو نفسِ شہویہ کے فضائل میں سے قرار دیا ہے اور عدالت کو تعدیل فضائل ثلاثہ شمار کیا ہے اور تمام فضائل کو انھیں چاروں کی طرف پلٹایا ہے ان میں سے ہر ایک کی تفصیل و تحدید اس کتاب کے عہدہ سے خارج ہے اور ہم جیسے لوگوں کے لئے بہت زیادہ مفید بھی نہیں ہے۔ جو چیز ضروری ہے وہ بموجب حدیث رسولؐ اکرمؐ: «بُعِثْتُ لِأُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْأَخْلَاقِ» ۱۵۳ "مجھے اس لئے مبعوث کیا گیا کہ میں مکارم اخلاق کو درجہ کمال تک پہونچادوں"۔ مکارم اخلاق کو درجہ کمال تک پہونچانا ہے اور حدیثوں میں بھی اجمالاً و تفصیلاً معارف کے بعد سب سے زیادہ مکارم اخلاق کو اہمیت دی گئی ہے اور انشاءاللہ اس کے بعد بعض ان حدیثوں کا ذکر کریں گے۔ مگر ان کی اہمیت اس سے کہیں زیادہ ہے کہ ہم ان سے عہدہ برآ ہو سکیں۔ بس یہ معلوم ہے کہ آخرت کی حیاتِ ابدی کا سرمایہ اور اس نشئہ کے تعیش کا راس المال اخلاقِ حسنہ کا حصول ہے اور مکارم اخلاق سے اتصاف ہے۔ اخلاقِ حسنہ کی بنا پر انسان کو جو بہشت ملتی ہے وہ بہشتِ صفات ہوتی ہے۔ جس کا بہشت جسمانی اعمالی سے کوئی مقابلہ نہیں کیا جا سکتا۔ بہشت صفات میں تمام نعمتیں اور جسمانی لذتیں بطور اعظم و احسن موجود ہیں جیسے کہ بُرے اعمال کی وجہ سے انسان کو جو تاریکیاں اور وحشتیں نصیب ہوتی ہیں وہ ہر عذاب الیم سے بالاتر ہوتی ہیں۔

انسان جب تک اس دُنیا میں ہے اپنے کو اس ظلمت سے نجات دے سکتا ہے اور ان انوار تک رسائی حاصل کر سکتا ہے جی ہاں کر تو سکتا ہے مگر اس سرد مہری، خمودی، سستی، فتور، سہل انگاری جو ہمارے اندر ہے اس کے ساتھ نہیں کر سکتا۔ (کیونکہ) سب ہی جانتے ہیں ہر بُری عادت اور ناپسند طریقہ جس پر ہم بچپنے سے لے کر بزرگی تک باقی ہیں اور جس نامناسب معاشرت کے ہم عادی ہیں اور آخر تک اسی پر باقی رہتے ہیں۔ ہمارے لئے یہ تو آسان ہے کہ روزانہ اس پر اضافہ کریں (مگر کمی کرنا محال ہے) گویا ہم کو دوسرے عالم کی فکر ہی نہیں ہے۔ دوسرا نشئہ آنے والا ہی نہیں ہے "اگر آج کے بعد کل ہے تب تو واویلا"۔ ۱۵۴ معلوم ہوتا ہے کہ انبیا و اولیا کی دعوتوں کا ہم سے کوئی ربط ہی نہیں ہے۔ خدا جانے ہم اپنے ان اخلاق و اعمال کے ساتھ کہاں جائیں گے اور

Presented by www.ziaraat.com

کس طرح محشور ہوں گے۔ ہم ایسے وقت متوجہ ہوں گے جب معاملہ ہمارے ہاتھ سے نکل چکا ہوگا۔ حسرت و ندامت ہمارا مقدر بن چکی ہوگی اور (ایسی صورت میں) اپنے علاوہ کسی کو ملامت بھی نہیں کر سکتے (کیونکہ) انبیاء نے تو سعادت کا راستہ بتا دیا تھا، علماء و حکماء نے ان کی باتوں کی تفسیر ہمارے لئے کر دی تھی، باطنی امراض کے علاج کا طریقہ بھی بتا دیا تھا اور ہر زبان میں بتا دیا تھا ہر بیان سے سمجھا دیا تھا (مگر) وہ چیزیں ہمارے دل کے اندر نہیں گئیں ہم نے آنکھوں، کانوں، دلوں کو بند کر لیا تھا اس لئے ملامت ہمارے لئے ہے۔ چنانچہ رسولِ خدا نے بھی اس حدیث میں جس کی ہم شرح کر رہے ہیں، فرمایا ہے۔ مکارمِ اخلاق سے اتصاف اور ان کے مقابل صفات سے اجتناب کے بارے میں اس قدر اخبار و آثار میں تاکید آئی ہے جو میزانِ بیان سے باہر ہے اور ہمارا عالم یہ ہے ایسی کتابوں کے مطالعہ سے بھی غفلت کرتے ہیں۔

ہاں میرے عزیز! اگر آپ کو اخبار و احادیث سے کچھ سروکار ہے تو کتب اخبار خصوصاً کتابِ کافی کا مطالعہ کیجئے اور اگر علمی بیان اور علماء کے اصطلاحات سے سروکار رکھتے ہوں تو اخلاق کتابوں مثلاً طہارۃ الاعراق ۱۵۵، مرحوم فیضِ کاشانی، علامہ مجلسیؒ اور نراقیان ۱۵۶ کی کتابوں کی طرف رجوع فرمائیے اور اگر آپ کو استفادہ کی ضرورت نہیں ہے یا اخلاق حسنہ سے اتصاف اور اخلاقِ سیئہ سے اجتناب کو ضروری نہیں سمجھتے تو اپنی جہالت کا، جو اُم الامراض ہے علاج کرائیے۔

اب میں اس مقام کو تبرکاً بعض حدیثوں کو ذکر کر کے جو اسی باب سے متعلق ہیں ختم کرتا ہوں۔

«فَقِيهٍ بِإِسْنَادِهِ عَنْ أَبِي عَبْدِاللّٰهِ، عَلَيْهِ السَّلَامُ، قَالَ: إِنَّ اللّٰهَ خَصَّ رَسُولَهُ، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ، بِمَكَارِمِ الْأَخْلَاقِ؛ فَامْتَحِنُوا أَنْفُسَكُمْ: فَإِنْ كَانَتْ فِيكُمْ، فَاحْمَدُوا اللّٰهَ وَارْغَبُوا إِلَيْهِ فِي الزِّيَادَةِ مِنْهَا. فَذَكَرَهَا عَشْرَةً: الْيَقِينَ، وَالْقَنَاعَةَ وَالصَّبْرَ وَالشُّكْرَ وَالْحِلْمَ، وَحُسْنَ الْخُلُقِ، وَالسَّخَاءَ وَالْغَيْرَةَ، وَالشَّجَاعَةَ، وَالْمُرُوَّةَ.»[۱۵۷]

کافی میں ہے: امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: "خدا نے اپنے رسولؐ کو مکارمِ اخلاق سے مخصوص فرمایا ہے۔ تم اپنے نفسوں کا امتحان کر کے دیکھو اگر تمہارے اندر وہ "مکارمِ اخلاق" ہیں تو حمدِ خدا کرو اور اس میں زیادتی کی کوشش کرو اور امامؑ نے ان میں سے دس کا ذکر فرمایا:

Presented by www.ziaraat.com

۱: یقین ۲: قناعت ۳: صبر ۴: شکر ۵: حلم ۶: حُسن خلق ۷: سخاوت ۸: غیرت ۹: شجاعت ۱۰: مُروت۔

یہ حدیث چند طریقوں سے نقل کی گئی ہے لیکن معانی الاخبار میں حلم کے بدلہ میں رضا ہے۔[۱۵۸]

خلاصہ یہ ہے کہ خدا نے اپنے رسولؐ کو مکارم اخلاق سے مخصوص کیا۔ لہٰذا تم اپنا امتحان کرو۔ اگر تم میں یہ صفات ہیں تو خدا کی حمد کرو اور ان میں زیادتی کے لئے خدا کی طرف توجہ کرو۔ اس کے بعد ان دسوں کو ذکر فرمایا جیسا کہ روایت میں ہے اور وافی میں کافی کے حوالہ سے تھوڑے سے تفاوت کے ساتھ نقل کیا ہے۔[۱۵۹]

«وَعَنِ الْمَجَالِسِ بِاِسْنَادِهِ عَنِ الصَّادِقِ، جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ، عَلَيْهِمَا السَّلَامُ، اَنَّهُ قَالَ: عَلَيْكُمْ بِمَكَارِمِ الْاَخْلَاقِ، فَاِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ يُحِبُّهَا؛ وَاِيَّاكُمْ وَمَذَامَّ الْاَفْعَالِ. فَاِنَّ اللّٰهَ يُبْغِضُهَا. اِلٰى اَنْ قَالَ: وَعَلَيْكُمْ بِحُسْنِ الْخُلُقِ؛ فَاِنَّهُ يَبْلُغُ بِصَاحِبِهِ دَرَجَةَ الصَّائِمِ الْقَائِمِ... اَلْحَدِيثَ.»[۱۶۰]

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: "مکارم اخلاق حاصل کرو کیونکہ خدا ان کو دوست رکھتا ہے اور بُرے افعال سے بچو کیونکہ خدا ان کو ناپسند کرتا ہے یہاں تک کہ امامؑ نے فرمایا: حُسن خلق سے تمسک کرو اس لئے کہ حُسن خلق اپنے صاحب کو روزہ دار اور نمازی کے درجہ تک پہونچا دیتا ہے..."

«كافي بِاِسْنَادِهِ عَنْ اَبِي جَعْفَرٍ، عَلَيْهِ السَّلَامُ، قَالَ اِنَّ اَكْمَلَ الْمُؤْمِنِينَ اِيْمَاناً اَحْسَنُهُمْ خُلُقاً.»[۱۶۱]

امام محمد باقرؑ کا ارشاد ہے: "تمام مومنین میں سب سے کامل تر ازروئے ایمان وہی ہے جو ازروئے خُلق سب سے اچھا ہو"

۱۵۸: وسائل کا جو نسخہ میرے پاس ہے اس میں اسی طرح ہے لیکن احتمال ہے کہ یہ مذام الاخلاق ہو اور ناسخ یا راوی سے سہو ہو گیا ہو (منہ عفی عنہ)

Presented by www.ziaraat.com

«وَبِاِسْنَادِهٖ عَنْ عَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ، عَلَيْهِمَا السَّلَامُ، قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ. مَا يُوضَعُ فِي مِيزَانِ امْرِيءٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اَفْضَلُ مِنْ حُسْنِ خُلُقٍ.»[۱۶۳]

امام سجادؑ نے فرمایا کہ رسولؐ خدا کا ارشاد ہے: "قیامت کے دن کسی کے میزان میں حسن خلق سے افضل کوئی چیز نہیں رکھی جائے گی۔"

«كَافِي بِاِسْنَادِهٖ عَنْ اَبِي عَبْدِاللّٰهِ، عَلَيْهِ السَّلَامُ، قَالَ اِنَّ سُوءَ الْخُلُقِ لَيُفْسِدُ الْاِيمَانَ كَمَا يُفْسِدُ الْخَلُّ الْعَسَلَ.»[۱۶۴]

کافی میں امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: "بد خلقی ایمان کو اس طرح فاسد کر دیتی ہے جس طرح سرکہ شہد کو فاسد کر دیتا ہے۔"[۱۶۴]

رسولؐ خدا نے فرمایا: "سب سے زیادہ جو چیز میری اُمت کو بہشت میں داخل کرے گی وہ پرہیزگاری اور حسن خلق ہے۔"[۱۶۴]

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: "اچھائی اور حسن خلق شہروں کو آباد کرتے ہیں عمروں میں اضافہ کرتے ہیں۔"[۱۶۵]

معصومؑ کا ارشاد ہے: "خداوند عالم حسن خلق والے کو جہادِ راہِ خدا کا ثواب دیتا ہے۔ ایسا جہاد کہ مجاہد دن رات جہاد میں مشغول ہو۔"[۱۶۶]

اس باب میں روایات بہت ہیں مثلاً حسن خلق کمال ایمان، ثقل میزان، دخول جنان کا سبب ہے۔ اس کے برخلاف بد خلقی ایمان کو فاسد اور انسان کو عذابِ الٰہی میں مبتلا کرتی ہے جیسا کہ حدیثوں میں اس کی طرف اشارہ ہے۔

روایت میں ہے: "بد خلقی عمل کو اس طرح فاسد کر دیتی ہے جیسے سرکہ شہد کو فاسد کر دیتا ہے۔"[۱۶۷]

رسولؐ خدا نے فرمایا: "خدا بد خلق آدمی کی توبہ کو قبول نہیں کرتا۔ سوال کیا گیا ایسا کیوں ہے؟ فرمایا: اس کی علت یہ ہے کہ جب وہ ایک گناہ سے توبہ کرتا ہے تو اس سے بدتر گناہ میں مبتلا ہو جاتا ہے۔"[۱۶۸]

حدیث میں ہے: جو بد خلق ہے اس نے خود ہی اپنے کو عذاب میں مبتلا کر رکھا

Presented by www.ziaraat.com

ہے۔"[۱۴۹]

یہ سب جانتے ہیں کہ بد خلقی انسان کو ہمیشہ عذاب میں مبتلا رکھتی ہے اور دوسرے عالم میں بھی اسباب سختی اور فشار و ظلمت کا سبب ہے۔ جیسا کہ ہم نے بعض حدیثوں کی شرح میں بیان کر دیا ہے۔

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ اَوَّلاً وَآخِرًا

www.ziaraat.com
Sabeel-e-Sakina

Presented by www.ziaraat.com

انتیسویں حدیث کی توضیحات

۱۔ روضہ کافی، ص ۵۹، حدیث ۳۲۔

۲۔ مجمع البیان جلد ۲ ص ۲۴۴۔

۳۔ یہ مثل مشہور ہے فارسی میں اس کے مقابلہ میں ہے در بتو میگویم دیوار تو بشنو، مجمع الامثال جلد ۱ ص ۵۰۔

۴۔ «اُوصِيكُمَا وَجَمِيعَ وَلَدِي وَاَهْلِي وَمَنْ بَلَغَهُ كِتَابِي» ۔ نہج البلاغہ، مکتوب ۴۷۔

۵۔ اصول کافی جلد ۲، ص ۳۳۹، کتاب ایمان وکفر، باب الکذب حدیث ۳، وسائل جلد ۸ ص ۵۷، کتاب حج، باب ۱۲۸، از ابواب احکام العشرہ حدیث ۲۔

۶۔ اصول کافی جلد ۲ ص ۳۳۹، کتاب ایمان وکفر، باب الکذب حدیث ۴۔

۷۔ «مُعَمَّرُ بْنُ خَلَّادٍ عَنْ اَبِي الْحَسَنِ الرِّضَا (ع) قَالَ قَالَ: سُئِلَ رَسُولُ اللّٰهِ، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ، يَكُونُ الْمُؤْمِنُ جَبَاناً؟ قَالَ: نَعَمْ. قِيلَ: وَيَكُونُ بَخِيلاً؟ قَالَ: نَعَمْ. قِيلَ وَيَكُونُ كَذَّاباً؟ قَالَ: لَا» ۔ مسند امام رضاؑ جلد ۱ ص ۲۷۶، باب الذنوب حدیث ۷۷۔

۸۔ حدیث ۱، توضیح ۳۲۔

۹۔ وسائل جلد ۸ ص ۵۷، کتاب الحج باب ۱۲۸، از ابواب احکام العشرہ ۱۲

۱۰۔ وسائل جلد ۸ ص ۵۷۶، کتاب الحج باب ۱۲۸، از ابواب احکام العشرہ۔

۱۱۔ «عَنْ اَبِي جَعْفَرٍ (ع) قَالَ كَانَ عَلِيُّ بْنُ الْحُسَيْنِ صَلَوَاتُ اللّٰهِ عَلَيْهِمَا يَقُولُ لِوَلَدِهِ: اِتَّقُوا الْكِذْبَ، الصَّغِيرَ مِنْهُ وَالْكَبِيرَ فِي كُلِّ جِدٍّ وَهَزْلٍ، فَاِنَّ الرَّجُلَ اِذَا كَذَبَ فِي الصَّغِيرِ اِجْتَرَىٰ عَلَى الْكَبِيرِ اَمَا عَلِمْتُمْ اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ، قَالَ: مَا يَزَالُ الْعَبْدُ يَصْدُقُ حَتَّى يَكْتُبَهُ اللّٰهُ

Presented by www.ziaraat.com

صِدِّيقاً، وَمَا يَزَالُ الْعَبْدُ يَكْذِبُ حَتّٰى يَكْتُبَهُ اللّٰهُ كَذَّاباً۔ ۔ اصول کافی جلد ۲، ص ۳۳۸، کتاب ایمان و کفر، باب الکذب حدیث ۲۔

۱۳۔ اصول کافی جلد ۲، ص ۳۴۰، کتاب ایمان و کفر، باب الکذب حدیث ۲۔

۱۴۔ وسائل، جلد ۸، ص ۵۷۷، کتاب الحج، باب ۱۴۰، از ابواب احکام العشرہ، بخشی از حدیث ۴۔

۱۵۔ اصول کافی جلد ۲، ص ۱۰۵، کتاب ایمان و کفر، باب الصدق واداء الامانۃ، حدیث ۱۰۔

۱۶۔ عَنْ زَيْدٍ، عَنْ آبَائِهِ، عَنْ عَلِيٍّ (ع) قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ (ص): إِنَّ أَقْرَبَكُمْ مِنِّي غَداً وَأَوْجَبَكُمْ عَلَيَّ شَفَاعَةً أَصْدَقُكُمْ لِسَاناً وَأَدَاكُمْ لِلْأَمَانَةِ وَأَحْسَنُكُمْ خُلُقاً وَأَقْرَبُكُمْ مِنَ النَّاسِ۔ ۔ بحار جلد ۶۹ ص ۳۸۱ کتاب ایمان و کفر، باب ۳۸، حدیث ۳۱۔

۱۷۔ منازل المسافرین، ص ۱۴۲، قسم ابواب باب ورع۔

۱۸۔ حدیث ۱۵، توضیح ۱۴۔

۱۹۔ اصول کافی، جلد ۲، ص ۷۸، کتاب ایمان و کفر، باب الورع حدیث ۱۱۔

۲۰۔ منبع پیشین، حدیث ۱۔ ۳۔ ۴۔

۲۱۔ اصول کافی جلد ۲، ص ۷۶، کتاب ایمان و کفر، باب الورع، حدیث ۳۔

۲۲۔ وسائل، جلد ۱۱، ص ۱۹۶، کتاب الجہاد، باب ۲۰، از ابواب جہاد نفس، حدیث ۱۷۔

۲۳۔ عَنْ أَبِي عَبْدِاللّٰهِ (ع) قَالَ: يَا عِيسَى بْنَ عَبْدِاللّٰهِ، لَيْسَ مِنَّا وَلَا كَرَامَةَ مَنْ كَانَ فِي مِصْرٍ فِيهِ مِائَةُ أَلْفٍ أَوْ يَزِيدُونَ وَكَانَ فِي ذٰلِكَ الْمِصْرِ أَحَدٌ أَوْرَعَ مِنْهُ۔ ۔ وسائل، جلد ۱۱، ص ۱۹۵، کتاب الجہاد، باب ۲۰، از ابواب جہاد نفس، حدیث ۱۴۔

۲۴۔ اصول کافی، جلد ۲، ص ۷۸، کتاب ایمان و کفر، باب الورع، حدیث ۱۰۔

۲۵۔ سورۂ احزاب، آیت ۷۲۔

۲۶۔ صاحب مجمع البیان نے سورۂ احزاب کی ۷۲ ویں آیت کی تفسیر میں اس قول کو ابن عباس اور مجاہد سے نقل کیا ہے۔

۲۷۔ اصول کافی جلد ۲، ص ۱۰۵، کتاب ایمان و کفر، باب الصدق واداء الامانۃ حدیث ۱۲۔

۲۸۔ اصول کافی، جلد ۲، ص ۱۰۴، کتاب ایمان و کفر، باب الصدق واداء الامانۃ حدیث ۵۔

۲۹۔ اصول کافی جلد ۲، ص ۱۵۲، کتاب ایمان و کفر، باب صلۃ الرحم حدیث ۱۱۔

۳۰۔ فروع کافی جلد ۵، ص ۱۳۲، کتاب المعیشۃ باب اداء الامانۃ حدیث ۲۔

۳۱۔ فروع کافی جلد ۵، ص ۱۳۲، کتاب المعیشۃ باب اداء الامانۃ حدیث ۳۔

۳۲۔ وسائل، جلد ۱۲، ص ۲۲۵، کتاب الودیعۃ باب ۱، حدیث ۱۲۔ امالی صدوق ص ۲۴۶، مجلس ۴۲، حدیث ۶۔

۳۳۔ وسائل، جلد ۱۲، ص ۲۲۵، کتاب الودیعۃ باب ۱، حدیث ۲۔

۳۴۔ لَيْسَ مِنَّا مَنْ غَشَّ مُسْلِماً وَلَيْسَ مِنَّا مَنْ خَانَ مُؤْمِناً۔ ۔ منبع پیشین حدیث ۲۔

۳۵۔ منبع پیشین حدیث ۵ (از رسول خدا)۔

۳۶۔ بحار جلد ۷۵، ص ۳۹، کتاب السماء والعالم، باب ۴۔

۳۷۔ حدیث ۲، توضیح ۱۵۔

Presented by www.ziaraat.com

۳۷۔ «اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا۔» «قَالَ: هِيَ وِلَايَةُ اَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ، عَلَيْهِ السَّلَامُ۔» اصول کافی جلد ۱ ص ۴۱۲ کتاب الحجۃ، باب فیہ نکت ونتف من التنزیل فی الولایۃ حدیث ۲۔

۳۸۔ امامؑ فرماتے ہیں: ایک شخص نے رسولِ خدا سے کہا:

وَقَالَ الْاِمَامُ (ع): قَالَ رَجُلٌ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ (ص)... فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ (ص): لَا تَقُلْ اِنَّهٗ مِنْ شِيْعَتِنَا فَاِنَّهٗ كَذِبٌ، اِنَّ شِيْعَتَنَا مَنْ شَيَّعَنَا وَتَبِعَنَا فِي اَعْمَالِنَا وَلَيْسَ هُوَ الَّذِي ذَكَرْتَهٗ فِي هٰذَا الرَّجُلِ مِنْ اَعْمَالِنَا۔ رسولِ خدا نے فرمایا: یہ مت کہو وہ ہمارے شیعوں میں ہے یہ تو جھوٹ ہے ہمارا شیعہ تو وہ ہے جو ہمارے اعمال میں ہماری اتباع اور مشابہت کرے اور جس شخص کے بارے میں تم نے اس کی حرکت بتائی ہے (ذکر کی ہے) ہمارے اعمال سے نہیں ہے۔ بحار جلد ۶۵، ص ۱۵۵، کتاب ایمان وکفر، باب ۱۹، حدیث ۱۱۔

۳۹۔ حدیث ۸، توضیح ۱۰۔

۴۰۔ حدیث ۴، توضیح ۳۳۔

۴۱۔ اصول کافی جلد ۲، ص ۶۸، کتاب ایمان وکفر، باب الخوف والرجاء حدیث ۲۔

۴۲۔ حدیث ۲۸، توضیح ۱۲۔

۴۳۔ اصول کافی، جلد ۲، ص ۳۵۲، کتاب ایمان وکفر، باب من آذی المسلمین، حدیث ۸۔

۴۴۔ ص

۴۵۔ منازل السائرین، قسم ثانی "باب خوف"۔

۴۶۔ فِي حَدِيْثِ الْمَنَاهِي، «قَالَ: وَمَنْ ذَرَفَتْ عَيْنَاهُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ، كَانَ لَهٗ بِكُلِّ قَطْرَةٍ قَطَرَتْ مِنْ دُمُوْعِهٖ قَصْرٌ فِي الْجَنَّةِ مُكَلَّلٌ بِالدُّرِّ وَالْجَوْهَرِ؛ فِيْهِ مَالَا عَيْنٌ رَاَتْ، وَلَا اُذُنٌ سَمِعَتْ، وَلَا خَطَرَ عَلٰى قَلْبِ بَشَرٍ۔» وسائل جلد ۱۱، ص ۱۷۵، کتاب الجہاد، باب ۱۵ ابواب جہاد نفس حدیث ۱۔

۴۷۔ متن پیشین، ص ۱۷۶۔ حدیث ۶، ثواب الاعمال، ص ۱۷، ثواب من قتل فی الله حدیث ۲۔

۴۸۔ قَالَ الصَّادِقُ (ع): «اِنَّ الرَّجُلَ لَيَكُوْنُ بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْجَنَّةِ اَكْثَرُ مِمَّا بَيْنَ الثَّرٰى اِلَى الْعَرْشِ لِكَثْرَةِ ذُنُوْبِهٖ؛ فَمَا هُوَ اِلَّا اَنْ يَبْكِيَ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ، عَزَّ وَجَلَّ، نَدَمًا عَلَيْهَا حَتّٰى يَصِيْرَ بَيْنَهٗ وَبَيْنَهَا اَقْرَبُ مِنْ جَفْنِهٖ اِلٰى مُقْلَتِهٖ۔» وسائل جلد ۱۱، ص ۱۷۸، کتاب الجہاد، باب ۱۵ ابواب جہاد نفس حدیث ۱۰۔

۴۹۔ وَاَبِي عَبْدِ اللّٰهِ (ع) قَالَ: مَا مِنْ شَيْءٍ اِلَّا وَلَهٗ كَيْلٌ وَوَزْنٌ اِلَّا الدُّمُوْعُ، فَاِنَّ الْقَطْرَةَ تُطْفِيْ بِحَارًا مِنْ نَارٍ، وَلَوْ اَنَّ بَاكِيًا بَكٰى فِي اُمَّةٍ لَرُحِمُوْا۔» اصول کافی جلد ۲، ص ۴۸۱، کتاب الدعاء، باب البکاء حدیث ۱۔

۵۰۔ کلینی نے کافی میں ۱۱ حدیث باب بکاء میں اور شیخ حر عاملی نے ابواب جہاد نفس کے باب ۱۵ میں گریہ کی فضیلت میں ۱۵ حدیث نقل کی ہے۔

۵۱۔ سورۂ زخرف آیت ۷۱۔

۵۲۔ سورۂ قدر آیت ۴۔

۵۳۔ سورۂ بقرہ آیت ۳۶۔

Presented by www.ziaraat.com

۵۴۔ فروع کافی جلد ۳، ص ۴۴۴، کتاب الصلوٰۃ، باب صلوٰۃ النوافل، حدیث ۴۔
۵۵۔ وسائل جلد ۲ ص ۲۱-۲۲۰ روایت معاویہ بن عمار از امام صادقؑ، حدیث ۴ روایت فضیل و فضل و بکیر از امام صادقؑ، باب ۱۳ (از ابواب اعداد الفرائض و نوافلہا حدیث ۴)
۵۶۔ عتمہ سے نافلہ عشاء مراد ہے۔ حماد کی روایت وسائل جلد ۲ ص ۲۵ باب ۱۳، پڑھیے۔
۵۷۔ حوالہ سابق ص ۲۱، حدیث ۲۔
۵۸۔ وسائل جلد ۲ ص ۷۰، کتاب الصلوٰۃ، ابواب اعداد الفرائض و نوافلہا، باب ۲۹، حدیث ۱۱، اس طرح احادیث ۲، ۴، ۵، ۷۔
۵۹۔ وسائل جلد ۲، ص ۷۱، کتاب الصلوٰۃ، باب ۲۹، ابواب اعداد الفرائض و نوافلہا، حدیث ۸۔
۶۰۔ ایک حدیث میں امام رضاؑ سے یہ مطلب نقل ہوا ہے وسائل جلد ۳، ص ۷۰، کتاب الصلوٰۃ، ابواب اعداد الفرائض و نوافلہا، باب ۲۹، حدیث ۳۔
۶۱۔ تہذیب جلد ۲، ص ۱۱، کتاب الصلوٰۃ باب ۱، حدیث ۲۳۔
۶۲۔ روایت چنان از امام صادقؑ، وسائل جلد ۳ ص ۳۳، کتاب الصلوٰۃ باب ۱۳، از ابواب اعداد الفرائض حدیث ۶۔
۶۳۔ مستدرک جلد ۳، ص ۵۰، کتاب الصلوٰۃ، باب ۱۳، حدیث ۴، ۵۔
۶۴۔ جیسے محمد بن مسلم کی روایت امام باقرؑ سے اور ہشام بن سالم کی روایت امام صادقؑ سے، وسائل جلد ۲، ص ۵۲، کتاب الصلوٰۃ باب ۱۷، از ابواب اعداد الفرائض، حدیث ۲، ۴۔
۶۵۔ عَنْ اَبِي بَصِيرٍ قَالَ قَالَ الصَّادِقُ (ع): شِيعَتُنَا اَهْلُ الْوَرَعِ وَالْاِجْتِهَادِ، وَاَهْلُ الْوَفَاءِ وَالْاَمَانَةِ، وَاَهْلُ الزُّهْدِ وَالْعِبَادَةِ، وَاَصْحَابُ الْاِحْدٰى وَخَمْسِينَ رَكْعَةً فِي الْيَوْمِ وَاللَّيْلَةِ، اَلْقَائِمُونَ بِاللَّيْلِ، اَلصَّائِمُونَ بِالنَّهَارِ يُزَكُّونَ اَمْوَالَهُمْ وَيَحُجُّونَ الْبَيْتَ وَيَجْتَنِبُونَ كُلَّ مُحَرَّمٍ۔ ابوبصیر کہتے ہیں: امام صادقؑ نے فرمایا: ہمارے شیعہ اہل ورع و اجتہاد ہوتے ہیں، اہل امانت ہوتے ہیں اہل زہد و عبادت ہوتے ہیں، دن رات میں ۵۱ رکعت نماز پڑھنے والے ہوتے ہیں راتوں کو عبادت گزار اور دن میں روزہ دار ہوتے ہیں۔ اپنے اموال کی زکوٰۃ دیتے ہیں حج کرتے ہیں، ہر حرام سے بچتے ہیں۔ صفات شیعہ، حدیث اوّل، وسائل جلد ۲، ص ۱۴، کتاب الصلوٰۃ باب ۱۳، از ابواب اعداد الفرائض، حدیث ۲۶۔
۶۶۔ حدیث امام عسکریؑ، مدرک سابق ص ۴۲، حدیث ۲۹۔
۶۷۔ وسائل جلد ۷، ص ۳۲۱-۳۰۲، باب ۷۔ ۱۲، از ابواب صوم مندوب"۔
۶۸۔ وسائل جلد ۷، ص ۳۰۴-۳۰۱، باب ۷، از ابواب صوم مندوب، حدیث ۲، ۵، ۶، ۸۔
۶۹۔ وسائل جلد ۷، ص ۳۰۲، باب ۷، از ابواب صوم مندوب، حدیث ۱۔
۷۰۔ وسائل جلد ۷، ص ۳۰۹، باب ۷، از ابواب صوم مندوب، حدیث ۴۔
۷۱۔ سورۂ انعام، آیت ۱۶۰۔
۷۲۔ وسائل جلد ۷، ص ۳۰۵، باب ۷، از ابواب صوم مندوب، حدیث ۴۔
۷۳۔ حدیث ۲۸، توضیح ۱۶۔
۷۴۔ اس سے مراد جناب شیخ یوسف بن احمد ابراہیم بحرانی ہیں۔ (۱۱۸۶-۱۱۰۷) بہت بڑے فقیہ اور عالم ربانی تھے۔

Presented by www.ziaraat.com

خاندانِ علم صفور سے تھے۔ کربلا میں رہتے تھے بیس سال تک وہاں کے حوزۂ علمیہ کے رئیس تھے۔ مرزائے قمی، سید مہدی بحرالعلوم، سید مرزا مہدی شہرستانی، ملا محمد مہدی نراقی جیسے حضرات نے اپنے سے استفادہ کیا۔ فقہ میں آپ کی سب سے مشہور کتاب الحدائق الناضرۃ فی احکام العترۃ الطاہرۃ ہے جو فقہ استدلالی کی بہترین کتاب ہے۔

۷۵۔ وافی ص ۹، کتاب الصیام، باب ۱۴ صیام السنۃ، حدائق الناضرۃ فی احکام العترۃ الطاہرۃ جلد ۱۳، ص ۱۸۸، کتاب الصوم، فی الصوم المندوب۔

۷۶۔ فروع کافی جلد ۴، ص ۳، کتاب الزکات، باب فضل الصدقہ، حدیث ۵۔

۷۷۔ فروع کافی جلد ۴، ص ۹۔۱۰، کتاب الزکات، باب صدقۃ اللیل، حدیث ۳۔

۷۸۔ مستدرک جلد ۷، ص ۱۴۴۔۱۶۶، کتاب الزکات، باب ۴، از ابواب الصدقۃ، حدیث ۱۔۶

۷۹۔ ترجمہ متن میں گزر چکا ہے۔

۸۰۔ فروع کافی جلد ۴، ص ۳، کتاب الزکات، باب فضل الصدقۃ، حدیث ۶۔

۸۱۔ «قال: فَسَكَتَ أَبُو عَبْدِاللّٰهِ(ع) ساعَةً ثُمَّ قالَ: قالَ اللّٰهُ تَعالى: إِنَّ مِنْ عِبادِي مَنْ يَتَصَدَّقُ بِشِقِّ تَمْرَةٍ فَأُرَبِّيها لَهُ كَما يُرَبِّي أَحَدُكُمْ فَلُوَّهُ حَتّٰى أَجْعَلَها مِثْلَ جَبَلِ أُحُدٍ.» بحار جلد ۹۳، ص ۱۲۲۔۱۲۳۔ کتاب الزکات، باب ۱۴، حدیث ۳۰۔

۸۲۔ «قالَ رَسُولُ اللّٰهِ(ص): اَلصَّدَقَةُ تَدْفَعُ مِيتَةَ السُّوءِ» فروع کافی جلد ۴، ص ۲، کتاب الزکات، باب فضل الصدقۃ، حدیث ۱، ص ۵، باب ان الصدقۃ تدفع البلاء، حدیث ۳۔

۸۳۔ «قالَ أَبُو عَبْدِاللّٰهِ(ع) لِمُحَمَّدِ ابْنِهِ: يا بُنَيَّ كَمْ فَضَلَ مَعَكَ مِنْ تِلْكَ النَّفَقَةِ؟ قالَ: أَرْبَعُونَ دِينارًا. قالَ: أُخْرُجْ فَتَصَدَّقْ بِها قالَ: إِنَّهُ لَمْ يَبْقَ مَعِي غَيْرُها. قالَ تَصَدَّقْ بِها، فَإِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ يُخْلِفُها، أَما عَلِمْتَ أَنَّ لِكُلِّ شَيْءٍ مِفْتاحاً وَمِفْتاحُ الرِّزْقِ اَلصَّدَقَةُ؟ فَتَصَدَّقْ بِها. فَفَعَلَ. فَما لَبِثَ أَبُو عَبْدِاللّٰهِ(ع) عَشَرَةَ أَيّامٍ حَتّٰى جاءَهُ مَنْ مَوْضِعِ أَرْبَعَةَ آلافِ دِينارٍ. فَقالَ: يا بُنَيَّ أَعْطَيْنا لِلّٰهِ أَرْبَعِينَ دِينارًا، فَأَعْطانَا اللّٰهُ أَرْبَعَةَ آلافِ دِينارٍ.» امام صادقؑ نے اپنے بیٹے محمد سے کہا: اس رقم میں سے اب کتنی باقی ہے؟ کہا چالیس دینار۔ امامؑ نے فرمایا: سب کو صدقہ کر دو۔ محمدؑ نے کہا اس کے علاوہ میرے پاس کچھ نہیں ہے۔ امامؑ نے کہا: تم صدقہ کر دو، خدا اس کی جگہ پُر کر دے گا۔ کیا تم نہیں جانتے ہر شے کی ایک کنجی ہے اور رزق کی کنجی صدقہ ہے، لہٰذا صدقہ کر دو۔ محمدؑ نے صدقہ کر دیا۔ اس دن کے بعد حضرت کے پاس چار ہزار دینار آ گئے۔ حضرتؑ نے کہا بیٹے میں نے ۴۰ دینار دیئے تھے اور خدا نے چار ہزار واپس کر دیا۔ ساتویں امامؑ سے منقول ہے۔ صدقہ دے کر رزق حاصل کرو۔ فروع کافی جلد ۴، ص ۹۔۱۰، کتاب الزکات، باب فی ان الصدقۃ تزید فی المال، حدیث ۲۔۴۔

۸۴۔ امام ششمؑ نے فرمایا: «إِنَّ الصَّدَقَةَ تَقْضِي الدَّيْنَ وَتَخْلُفُ بِالْبَرَكَةِ.» صدقہ قرض کو ادا کرتا ہے اور مال میں برکت دیتا ہے۔ حوالۂ سابق، ص ۹، حدیث ۱۔

۸۵۔ «عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ(ع) قالَ: اَلْبِرُّ وَالصَّدَقَةُ يَنْفِيانِ اَلْفَقْرَ وَيَزِيدانِ فِي الْعُمْرِ وَيَدْفَعانِ تِسْعِينَ (خ: سَبْعِينَ) مِيتَةَ السُّوءِ» امام پنجمؑ نے فرمایا: نیکی کرنا اور صدقہ دینا دونوں عمر بڑھاتے ہیں اور ستر اقسام کی بری

Presented by www.ziaraat.com

موت سے بچاتے ہیں۔ فروع کافی جلد ۴، ص ۲، کتاب الزکات، باب فضل الصدقۃ، حدیث ۲۔

۸۶۔ «عَنْ اَبِي جَعْفَرٍ (ع) فِي قَوْلِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ: «فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى» (لیل) قَالَ: وَاِنَّ اللّٰهَ يُعْطِي بِالْوَاحِدَةِ عَشْرَةً اِلٰى مِائَةِ اَلْفٍ فَمَا زَادَ الْحَدِيثَ.» اس آیت کے بارے میں امام باقرؑ نے فرمایا: خدا ایک نیکی کے بدلہ میں دس سے لیکر ایک لاکھ اور اس سے زیادہ دیتا ہے۔ وسائل جلد ۶، ص ۲۵۶، کتاب الزکات، ابواب الصدقۃ، باب ۱، حدیث ۵۔

۸۷۔ رسول خدا نے فرمایا: «تَصَدَّقُوا، فَاِنَّ الصَّدَقَةَ تَزِيدُ فِي الْمَالِ كَثْرَةً...» صدقہ دو، صدقہ مال میں کثرت عطا کرتا ہے۔ فروع کافی جلد ۴، ص ۹، کتاب الزکات، باب فی ان الصدقۃ تزید فی المال، حدیث ۲۔

۸۸۔ «مَنْ سَرَّهُ اَنْ يَدْفَعَ اللّٰهُ عَنْهُ نَحْسَ يَوْمِهِ، فَلْيَفْتَتِحْ يَوْمَهُ بِصَدَقَةٍ، يَذْهَبُ اللّٰهُ بِهَا عَنْهُ نَحْسَ يَوْمِهِ. وَمَنْ اَحَبَّ اَنْ يُذْهِبَ اللّٰهُ عَنْهُ نَحْسَ لَيْلَتِهِ، فَلْيَفْتَتِحْ لَيْلَتَهُ بِصَدَقَةٍ، يَدْفَعُ اللّٰهُ عَنْهُ نَحْسَ لَيْلَتِهِ...» فروع کافی جلد ۴، ص ۷، کتاب الزکات، باب ان الصدقۃ تدفع البلاء حدیث ۹۔

۸۹۔ «دَاوُوا مَرْضَاكُمْ بِالصَّدَقَةِ...» فروع کافی جلد ۴، ص ۲، کتاب الزکات، باب فضل الصدقۃ حدیث ۵۔

۹۰۔ «لِاَنْ اَحُجَّ حِجَّةً اَحَبُّ اِلَيَّ مِنْ اَنْ اَعْتِقَ رَقَبَةً وَرَقَبَةً. (حَتّٰى انْتَهٰى اِلٰى عَشَرَةٍ، وَمَثَّلَهَا وَمَثَّلَهَا حَتّٰى انْتَهٰى اِلٰى سَبْعِينَ.) وَلِاَنْ اَعُولَ اَهْلَ بَيْتٍ مِنَ الْمُسْلِمِينَ اَشْبَعُ جَوْعَتَهُمْ وَاَكْسُوا عَوْرَتَهُمْ وَاَكُفَّ وُجُوهَهُمْ عَنِ النَّاسِ اَحَبُّ اِلَيَّ مِنْ اَنْ اَحُجَّ حِجَّةً وَحِجَّةً وَحِجَّةً، (حَتّٰى انْتَهٰى اِلٰى عَشْرٍ وَعَشْرٍ وَعَشْرٍ؛ وَمَثَّلَهَا حَتّٰى انْتَهٰى اِلٰى سَبْعِينَ.)» امام باقرؑ نے فرمایا: اگر میں ایک حج کروں تو وہ مجھے ایک غلام آزاد کرنے اور بندہ دیگر آزاد کرنے سے زیادہ محبوب ہے (امامؑ نے اس کو دس مرتبہ تکرار فرمایا اور ستر مرتبہ تک فرماتے رہے) اور اگر ایک مسلمان گھرانے کی دیکھ بھال کروں اور ان کو سیر کروں اور ان کو بدن پہناؤں لوگوں کی نظروں میں ان کی آبرو محفوظ کروں تو اس سے بہتر ہے کہ حج کروں اور دوسرا حج اور اس کی بھی دس مرتبہ تکرار فرمائی اور کہتے ہے یہاں تک ستر تک پہونچ گئے۔ فروع کافی جلد ۴، ص ۲، کتاب الزکاۃ، باب فضل الصدقۃ، حدیث ۲۔

۹۱۔ «عَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ (ع) اَنَّهُ قَالَ فِي الرَّجُلِ يُعْتِقُ الْمَمْلُوكَ يُعْتِقُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ بِكُلِّ عُضْوٍ مِنْهُ عُضْواً مِنَ النَّارِ.» امام ششم نے فرمایا: جو ایک غلام آزاد کرتا ہے خدا اس غلام کے ہر عضو کے بدلے اس شخص کے عضو کو جہنم سے آزاد کر دیتا ہے۔ وسائل جلد ۱۵، ص ۲، کتاب العتق باب ۱، حدیث ۱۔

۹۲۔ حوالہ سابق، ص ۲، حدیث ۲۔

۹۳۔ سورہ آل عمران آیت ۹۲۔

۹۴۔ «عَنْ اَبِي عَبْدِ اللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ: كَانَ يَتَصَدَّقُ بِالسُّكَّرِ فَقِيلَ لَهُ: تَتَصَدَّقُ بِالسُّكَّرِ فَقَالَ: لَيْسَ شَيْءٌ اَحَبَّ اِلَيَّ مِنْهُ فَاَنَا اُحِبُّ اَنْ اَتَصَدَّقَ بِاَحَبِّ الْاَشْيَاءِ اِلَيَّ.» تہذیب الاحکام جلد ۴، ص ۲۳۱، کتاب الصیام، باب الزیارات، حدیث ۱۴۔

۹۵۔ «وَرُوِيَ عَنْ اَبِي الْمُفَضَّلِ قَالَ اِشْتَرٰى عَلِيٌّ (ع) ثَوْباً، فَاَعْجَبَهُ، فَتَصَدَّقَ بِهِ، وَقَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ يَقُولُ: مَنْ اٰثَرَ عَلٰى نَفْسِهِ، اٰثَرَهُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِالْجَنَّةِ. وَمَنْ اَحَبَّ شَيْئاً فَجَعَلَهُ لِلّٰهِ

Presented by www.ziaraat.com

تعالی یَوْمَ الْقِیَامَةِ: قَدْ کَانَ الْعِبَادُ یُکَافُوْنَ فِیمَا بَیْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ، وَاَنَا اُکَافِیکَ الْیَوْمَ بِالْجَنَّةِ.» مجمع البیان سورۂ آلِ عمران کے ۹۲ ویں آیت کی تفسیر میں۔

۹۶۔ «رُوِیَ اَنَّ اَبَا طَلْحَةَ قَسَّمَ حَائِطاً لَهُ فِی اَقَارِبِهِ عِنْدَ نُزُوْلِ هٰذِهِ الْآیَةِ، وَکَانَ اَحَبَّ اَمْوَالِهِ اِلَیْهِ. فَقَالَ لَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ(ص): بَخٍ بَخٍ ذٰلِکَ مَالٌ رَابِحٌ لَکَ.» مجمع البیان، سورہ آلِ عمران کے ۹۲ ویں آیت کی تفسیر میں۔

۹۷۔ سورۂ آلِ عمران آیت ۹۲۔

۹۸۔ مجمع البیان، سورۂ آلِ عمران کے ۹۲ ویں آیت کی تفسیر میں۔

۹۹۔ اصول کافی جلد ۲، ص ۳۱۵۔ ۳۲۰، کتاب ایمان وکفر، باب حُبِّ الدُّنیا والحرص علیہا۔ احادیث ۱۔ ۱۷، اسی طرح دوسرے ابواب میں۔

۱۰۰۔ ص ۱۸

۱۰۱۔ فروع کافی جلد ۴، ص ۸، کتاب الزکاۃ، باب فضل صدقہ السر، حدیث ۲۔

۱۰۲۔ «قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ(ص): صَدَقَةُ السِّرِّ تُطْفِیُ غَضَبَ الرَّبِّ.» فروع کافی جلد ۴ ص ۷، کتاب الزکاۃ، باب فضل صدقۃ السر، حدیث ۱۔ ۳، وسائل جلد ۶، ص ۲۷۵، ۲۷۸، کتاب الزکات، باب ۱۲، از ابواب صدقہ، احادیث ۱، ۲، ۴، ۷۔

۱۰۳۔ وسائل جلد ۶، ص ۲۷۷، کتاب الزکات، باب ۱۲، از ابواب صدقہ، حدیث ۱۱۔

۱۰۴۔ «قَالَ(ع) سَبْعَةٌ یُظِلُّهُمُ اللّٰهُ فِی ظِلِّهِ یَوْمَ لَا ظِلَّ اِلَّا ظِلُّهُ اِلٰی اَنْ قَالَ: وَرَجُلٌ تَصَدَّقَ بِصَدَقَةٍ، فَاَخْفَاهَا حَتّٰی لَمْ تَعْلَمْ یَمِیْنُهُ مَا تُنْفِقُ شِمَالُهُ.» امام ششم نے فرمایا: رسولِ خدا سے پوچھا کون سا صدقہ افضل ہے؟ فرمایا ان فرشتہ خصلتوں پر جن کے دل میں تمہارے لئے کینہ ہو۔ فروع کافی جلد ۴، ص ۱۰، کتاب الزکات، باب الصدقہ علی القرابۃ، حدیث ۲، ۳۔

۱۰۵۔ «قَالَ(ع): لَا صَدَقَةَ وَذُوْ رَحِمٍ مُحْتَاجٌ.» وسائل جلد ۶، ص ۲۸۶، کتاب الزکات باب ۲۰، از ابواب صدقہ حدیث ۴۔ ۷۔

۱۰۶۔ «قَالَ الصَّادِقُ(ع): اِنَّ الْحَسَنَ بْنَ عَلِیٍّ، عَلَیْهِ السَّلَامُ، قَاسَمَ رَبَّهُ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ حَتّٰی نَعْلاً وَنَعْلاً وَثَوْباً وَثَوْباً وَدِیْناراً وَدِیْناراً. وسائل جلد ۶ ص ۳۲۶ کتاب الزکات باب ۵۲، از ابواب صدقہ حدیث ۱۔

۱۰۷۔ «فِی کِتَابِ اَبِی الْحَسَنِ الرِّضَا اِلٰی اَبِی جَعْفَرٍ(ع): یَا اَبَا جَعْفَرٍ، بَلَغَنِی اَنَّ الْعُمَّالَ اِذَا رَکِبْتَ اَخْرَجُوْکَ مِنَ الْبَابِ الصَّغِیْرِ وَاِنَّمَا ذٰلِکَ مِنْ بُخْلٍ بِهِمْ لِئَلَّا یَنَالَ مِنْکَ اَحَدٌ خَیْراً. فَاَسْاَلُکَ بِحَقِّیْ عَلَیْکَ لَا یَکُنْ مَدْخَلُکَ وَمَخْرَجُکَ اِلَّا مِنَ الْبَابِ الْکَبِیْرِ وَاِذَا رَکِبْتَ، فَلْیَکُنْ مَعَکَ ذَهَبٌ وَفِضَّةٌ، ثُمَّ لَا یَسْاَلُکَ اَحَدٌ اِلَّا اَعْطَیْتَهُ. وَمَنْ سَاَلَکَ مِنْ عُمُوْمَتِکَ اَنْ تَبَرَّهُ، فَلَا تُعْطِهِ اَقَلَّ مِنْ خَمْسِیْنَ دِیْناراً، وَالْکَثِیْرُ اِلَیْکَ. وَمَنْ سَاَلَکَ مِنْ عَمَّاتِکَ، فَلَا تُعْطِهَا اَقَلَّ مِنْ خَمْسَةٍ وَعِشْرِیْنَ دِیْناراً، وَالْکَثِیْرُ اِلَیْکَ. اِنِّیْ اُرِیْدُ اَنْ یَرْفَعَکَ اللّٰهُ. فَاَنْفِقْ وَلَا تَخْشَ مِنْ ذِی الْعَرْشِ اِقْتَاراً.» بحار جلد ۵۰، ص ۱۰۲، تاریخ الامام الجواد باب ۵ حدیث ۱۴۔

Presented by www.ziaraat.com

۱۰۸۔ «سَأَلَ رَجُلٌ اَبَا عَبْدِاللّٰہِ(ع) عَنْ قَوْلِ اللّٰہِ عَزَّ وَجَلَّ: وَآتُوا حَقَّهُ يَوْمَ حَصَادِهِ وَلَا تُسْرِفُوا اِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ»

فَقَالَ: كَانَ فُلَانُ بْنُ فُلَانٍ الْاَنْصَارِيِّ. سَمَّاهُ. وَكَانَ لَهُ حَرْثٌ فَكَانَ اِذَا حَلَّ يَتَصَدَّقُ بِهِ فَيَبْقَى هُوَ وَعِيَالُهُ بِغَيْرِ شَيْءٍ فَجَعَلَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ ذٰلِكَ سَرَفاً۔ ایک شخص نے امام صادقؑ سے اس آیت.... وَلَا تُسْرِفُوا اِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ کے بارے میں پوچھا تو حضرت نے فرمایا: فلاں بن فلاں انصاری (ان کا نام بھی لے دیا) کی کھیتی تھی جب فصل کٹنے کا زمانہ ہوتا تھا وہ سب صدقہ کر دیتے تھے اور خود اور بال بچے فاقہ کرتے تھے تو خدا نے اس کو اسراف قرار دیا۔

«عَنْ اَبِي عَبْدِاللّٰہِ(ع) اَنَّهُ تَصَدَّقَ عَلَى ثَلَاثَةٍ مِنَ السُّؤَالِ ثُمَّ رَدَّ الرَّابِعَ وَقَالَ: لَوْ اَنَّ رَجُلاً كَانَ لَهُ مَالٌ يَبْلُغُ ثَلَاثِينَ اَوْ اَرْبَعِينَ اَلْفَ دِرْهَمٍ ثُمَّ شَاءَ اَنْ لَا يُبْقِيَ مِنْهَا اِلَّا وَضَعَهَا فِي حَقٍّ لَفَعَلَ فَيُبْقِي لَا مَالَ لَهُ فَيَكُونُ مِنَ الثَّلَاثَةِ الَّذِينَ يُرَدُّ دُعَاؤُهُمْ. قُلْتُ: مَنْ هُمْ؟ قَالَ: اَحَدُهُمْ رَجُلٌ كَانَ لَهُ مَالٌ فَاَنْفَقَهُ فِي وَجْهِهِ ثُمَّ قَالَ: يَا رَبِّ ارْزُقْنِي فَيُقَالُ لَهُ: اَلَمْ اَجْعَلْ لَكَ سَبِيلاً اِلَى طَلَبِ الرِّزْقِ؟»

امام جعفر صادقؑ نے تین سائل کو صدقہ دیا اور چوتھے کو رد کر دیا اور فرمایا: اگر کسی کے پاس تیس چالیس ہزار درہم ہوں اور وہ سب کو صحیح جگہوں پر خرچ کر کے خود خالی ہاتھ رہ جائے تو وہ ان تین لوگوں میں سے ہے جن کی دعا قبول نہیں ہوتی۔ راوی نے پوچھا وہ کون لوگ ہیں؟ فرمایا: ایک تو وہ ہے جس کے پاس مال ہوا اور وہ سب کو مناسب جگہ پر خرچ کر کے خدا سے دعا کرے پالنے والے مجھے رزق عطا فرما تو اس سے کہا جاتا ہے کیا تجھے رزق نہیں دیا گیا تھا؟ وسائل جلد ۶، ص ۳۲۲۔ ۳۲۳، کتاب الزکات، ابواب الصدقۃ باب ۴۲ حدیث ۱۔

۱۰۹۔ «عَنْ اَبِي عَبْدِاللّٰہِ(ع) قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ(ص) اَفْضَلُ الصَّدَقَةِ صَدَقَةٌ تَكُونُ عَنْ فَضْلِ الْكَفِّ.» وسائل جلد ۶، ص ۳۲۲، ابواب الصدقۃ باب ۴۲ حدیث ۲۔

۱۱۰۔ ص ر

۱۱۱۔ «عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ سِنَانٍ، عَنْ اَبِي عَبْدِاللّٰہِ(ع) قَالَ: شَرَفُ الْمُؤْمِنِ صَلَاتُهُ بِاللَّيْلِ؛ وَعِزُّ الْمُؤْمِنِ كَفُّهُ عَنْ اَعْرَاضِ النَّاسِ.» وسائل جلد ۵، ص ۲۶۸، کتاب الصلوٰۃ، باب ۳۹ حدیث ۱۔

۱۱۲۔ «عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ سِنَانٍ، عَنْ اَبِي عَبْدِاللّٰہِ(ع) قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ، لِجِبْرَئِيلَ: عِظْنِي فَقَالَ: يَا مُحَمَّدُ عِشْ مَا شِئْتَ، فَاِنَّكَ مَيِّتٌ؛ وَاَحْبِبْ مَا شِئْتَ، فَاِنَّكَ مُفَارِقُهُ؛ وَاعْمَلْ مَا شِئْتَ، فَاِنَّكَ مُلَاقِيهِ؛ شَرَفُ الْمُؤْمِنِ صَلَاتُهُ بِاللَّيْلِ؛ وَعِزُّهُ كَفُّهُ عَنْ اَعْرَاضِ النَّاسِ.»

الخصال جلد ۱، ص ۱۰۱، باب الواحد، حدیث ۱۹۔

۱۱۳۔ «عَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ(ع) قَالَ: اَلْمَالُ وَالْبَنُونَ زِينَةُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا؛ وَثَمَانُ رَكَعَاتٍ مِنْ آخِرِ اللَّيْلِ وَالْوِتْرُ زِينَةُ الْآخِرَةِ. وَقَدْ يَجْمَعُهَا اللّٰهُ لِاَقْوَامٍ.» وسائل جلد ۵۔ ص ۲۷۶، کتاب الصلوٰۃ، باب ۳۹، ابواب

Presented by www.ziaraat.com

بقیۃ الصلوات المندوبۃ، حدیث ۳۴۔

۱۱۴۔ «وَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ(ص): إِذَا قَامَ الْعَبْدُ لَيْلَةً مَضْجَعِهِ وَالنَّعَاسُ فِي عَيْنِهِ لِيُرْضِيَ رَبَّهُ بِصَلَاةِ لَيْلَةٍ، بَاهَى اللّٰهُ بِهِ الْمَلَائِكَةَ وَقَالَ: أَمَا تَرَوْنَ عَبْدِيَ هٰذَا، قَدْ قَامَ مِنْ لَذِيذِ مَضْجَعِهِ لِصَلَاةٍ لَمْ أَفْرِضْهَا عَلَيْهِ؛ إِشْهَدُوا أَنِّي قَدْ غَفَرْتُ لَهُ.» وسائل جلد ۵، ص ۲۷۰، کتاب الصلوٰۃ، باب ۳۹، از ابواب بقیۃ الصلوات المندوبۃ، حدیث ۳۶۔

۱۱۵۔ وسائل جلد ۲، ص ۴۲۔ ۴۴، کتاب الصلوٰۃ، باب ۱۴، ابواب اعداد الفرائض، حدیث ۱۔ ۲۔ ۶۔

۱۱۶۔ سورۂ بقرہ، آیت ۲۳۸۔

۱۱۷۔ «بَيْنَا رَسُولُ اللّٰهِ، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ، جَالِسٌ فِي الْمَسْجِدِ إِذْ دَخَلَ رَجُلٌ، فَقَامَ يُصَلِّي فَلَمْ يُتِمَّ رُكُوعَهُ وَلَا سُجُودَهُ. فَقَالَ، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ: نَقَرَ كَنَقْرِ الْغُرَابِ لَئِنْ مَاتَ هٰذَا وَهٰكَذَا صَلَاتُهُ لَيَمُوتَنَّ عَلَى غَيْرِ دِينِي.» امام محمد باقرؑ نے فرمایا: رسول خداؐ مسجد میں بیٹھے تھے اتنے میں ایک شخص مسجد میں آکر نماز پڑھنے لگا جس کے رکوع و سجود کامل نہیں تھے۔ رسولؐ نے فرمایا: یہ کوّے کی طرح ٹھونگ مار رہا ہے اگر یہ مر گیا اور اس کی نماز اسی طرح رہی تو میرے دین پر نہیں مرے گا۔ فروع کافی جلد ۲، ص ۲۶۸، کتاب الصلوٰۃ، باب من حافظ علی صلاتہ او ضیعہا۔

۱۱۸۔ ترجمہ متن میں گزر چکا ہے۔

۱۱۹۔ اصول کافی جلد ۲، ص ۶۰۹، کتاب فضل القرآن، باب فی قرأتہ حدیث ۱۔

۱۲۰۔ اصول کافی جلد ۲، ص ۶۰۹، کتاب فضل القرآن، باب فی قرأتہ حدیث ۲۔ اس میں حدیث کے آخری جملے بصورت تنظر ما فیہا آیا ہے۔

۱۲۱۔ سورۂ محمدؐ آیت ۲۴۔

۱۲۲۔ «لَا خَيْرَ فِي عِبَادَةٍ لَا فِقْهَ فِيهَا وَلَا فِي قِرَاءَةٍ لَا تَدَبُّرَ فِيهَا.» الحجۃ البیضا جلد ۲، ص ۲۳۷، کتاب آداب تلاوۃ القرآن، حدیث ۳۔

۱۲۳۔ اصول کافی، جلد ۲، ص ۶۱۲، کتاب فضل القرآن، باب ثواب قراءۃ القرآن، حدیث ۵۔

۱۲۴۔ اصول کافی، جلد ۲، ص ۵۹۶۔ ۶۰۲، کتاب فضل القرآن، حدیث ۱۔ ۱۱۔ ۱۲۔ ۱۴۔

۱۲۵۔ «عَنْ أَبِي عَبْدِاللّٰهِ(ع) قَالَ: مَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ وَهُوَ شَابٌّ مُؤْمِنٌ اخْتَلَطَ الْقُرْآنُ بِلَحْمِهِ وَدَمِهِ؛ وَجَعَلَهُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ مَعَ السَّفَرَةِ الْكِرَامِ الْبَرَرَةِ، وَكَانَ الْقُرْآنُ حَجِيزًا عَنْهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ. يَقُولُ: يَا رَبِّ، إِنَّ كُلَّ عَامِلٍ قَدْ أَصَابَ أَجْرَ عَمَلِهِ غَيْرَ عَامِلِي، فَبَلِّغْ بِهِ أَكْرَمَ عَطَايَاكَ. قَالَ فَيَكْسُوهُ اللّٰهُ الْعَزِيزُ الْجَبَّارُ حُلَّتَيْنِ مِنْ حُلَلِ الْجَنَّةِ، وَيُوضَعُ عَلَى رَأْسِهِ تَاجُ الْكَرَامَةِ، ثُمَّ يُقَالُ لَهُ: هَلْ أَرْضَيْنَاكَ فِيهِ؟ فَيَقُولُ الْقُرْآنُ: يَا رَبِّ، قَدْ كُنْتُ أَرْغَبُ لَهُ فِيمَا هُوَ أَفْضَلُ مِنْ هٰذَا. فَيُعْطَى الْأَمْنَ بِيَمِينِهِ وَالْخُلْدَ بِيَسَارِهِ، ثُمَّ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ، فَيُقَالُ لَهُ: اقْرَأْ وَاصْعَدْ دَرَجَةً. ثُمَّ يُقَالُ لَهُ: هَلْ بَلَّغْنَا بِهِ وَأَرْضَيْنَاكَ؟ اصول کافی جلد ۲، ص ۶۰۲، کتاب فضل القرآن، باب حامل القرآن، حدیث ۴۔ ثواب الاعمال

Presented by www.ziaraat.com

وعقاب الاعمال، ص ۱۲۶، ثواب من قراء القرآن وھو شاب مومن۔

۱۲۶۔ «اِنَّ الَّذِي يُعالِجُ الْقُرْآنَ لِيَحْفَظَهُ بِمَشَقَّةٍ مِنْهُ، وَقِلَّةِ حِفْظٍ لَهُ اَجْرانِ» مفضل کی روایت کے مشابہ بحار کی جلد ۹۰، ص ۱۸۷، کتاب القرآن، باب ۲۰، حدیث ۷، روایت موجود ہے۔

۱۲۷۔ «اَنْتُمُ الصَّلاةُ فِي كِتابِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ وَاَنْتُمُ الزَّكاةُ وَاَنْتُمُ الْحَجُّ؟ فَقالَ: يا داوُدُ نَحْنُ الصَّلاةُ فِي كِتابِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ وَنَحْنُ الزَّكاةُ وَنَحْنُ الصِّيامُ وَنَحْنُ الْحَجُّ۔» بحار جلد ۲۴، ص ۳۰۲، کتاب الامامۃ، باب انھم الصلوٰۃ والزکات، حدیث ۴۔

۱۲۸۔ اصول کافی جلد ۲، ص ۶۳۹۔۶۴۲، کتاب العشرۃ، باب من تکرہ مجالستہ ومرافقتہ، حدیث ۱۔۳۔۶۔۷۔۱۰۔

۱۲۹۔ اصول کافی جلد ۲، ص ۶۰۰، کتاب فضل القرآن، حدیث ۵۔

۱۳۰۔ امالی (مجالس) شیخ صدوق، ص ۵۸۴، مجلس ۸۴، حدیث ۲، وسائل جلد ۴، ص ۸۲۹، کتاب الصلوٰۃ، باب ۲، حدیث ۶۔

۱۳۱۔ اصول کافی جلد ۲، ص ۶۲۷، کتاب فضل القرآن، باب النوادر، حدیث ۱۔

۱۳۲۔ وسائل جلد ۴، ص ۸۲۷، کتاب الصلوٰۃ، باب ۸، از ابواب قراءت القرآن، حدیث ۷، ثواب الاعمال وعقاب الاعمال، ص ۳۲۹، عقاب المستاکل بالقرآن، حدیث ۱۔

۱۳۳۔ سورۂ طٰہٰ آیت ۱۲۵۔

۱۳۴۔ ثواب الاعمال وعقاب الاعمال، ص ۳۲۲۔۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۲، وسائل جلد ۴، ص ۸۲۷، کتاب الصلوٰۃ باب ۸، از ابواب قراءۃ القرآن، حدیث ۸۔

۱۳۵۔ اصول کافی جلد ۲، ص ۶۱۴، کتاب فضل القرآن، باب ترتیل القرآن بالصوت الحسن، حدیث ۱۔

۱۳۶۔ «اِنَّ الْقُرْآنَ نَزَلَ بِالْحُزْنِ، فَاقْرَؤُوهُ بِالْحُزْنِ۔» اصول کافی جلد ۲، ص ۶۱۴، کتاب فضل القرآن، باب ترتیل القرآن بالصوت الحسن، حدیث ۲، نیز ترتیل کا مطلب یہ بتایا ہے کہ قرآن کو خوش الحانی اور آرام سے پڑھو، مجمع البیان جلد ۱۰، ص ۲۷۸، سورۂ مزمل۔

۱۳۷۔ «عَنْ اَبِي الْحَسَنِ (ع) قالَ: ذَكَرْتُ الصَّوْتَ عِنْدَهُ، فَقالَ اِنَّ عَلِيَّ بْنَ الْحُسَيْنِ، عَلَيْهِمَا السَّلامُ، كانَ يَقْرَأُ فَرُبَّما مَرَّ بِهِ الْمارُّ فَصَعِقَ مِنْ حُسْنِ صَوْتِهِ...» اصول کافی جلد ۲، ص ۶۱۵، کتاب فضل القرآن، باب ترتیل القرآن بالصوت الحسن حدیث ۴۔

۱۳۸۔ تفسیر نور الثقلین جلد ۵، ص ۶۸۳۔۶۸۴، تفسیر سورۂ کوثر، حدیث ۱۷۔۱۹۔

۱۳۹۔ ص /

۱۴۰۔ «عَنْ عَلِيِّ بْنِ جَعْفَرٍ، عَنْ اَخِيهِ، مُوسَى بْنِ جَعْفَرٍ، عَلَيْهِ السَّلامُ، قالَ قالَ: عَلَى الْاِمامِ اَنْ يَرْفَعَ يَدَهُ فِي الصَّلاةِ؛ لَيْسَ عَلى غَيْرِهِ اَنْ يَرْفَعَ يَدَهُ فِي الصَّلاةِ۔» علی ابن جعفر کی صحیحہ یہ ہے امام ہشتم نے فرمایا امام کے لئے نماز میں ہاتھوں کا اٹھانا ضروری ہے۔ لیکن غیر امام کے لئے یہ ضروری نہیں ہے۔ وسائل جلد ۴ ص ۷۲۶،

Presented by www.ziaraat.com

کتاب الصلوٰۃ، باب ۹۔

۱۴۱۔ «لَمَّا نَزَلَتْ هٰذِهِ السُّوْرَةُ (اَلْكَوْثَرُ) قَالَ النَّبِيُّ، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ، لِجِبْرَئِيل (ع): مَا هٰذِهِ النَّحِيرَةُ الَّتِي اَمَرَنِي بِهَا رَبِّي؟ قَالَ: لَيْسَتْ بِنَحِيرَةٍ، وَلٰكِنَّهُ يَأْمُرُكَ اِذَا تَحَرَّمْتَ لِلصَّلَاةِ اَنْ تَرْفَعَ يَدَيْكَ اِذَا كَبَّرْتَ وَاِذَا رَكَعْتَ وَاِذَا رَفَعْتَ رَأْسَكَ مِنَ الرُّكُوعِ وَاِذَا سَجَدْتَ. فَاِنَّهُ صَلَاتُنَا وَصَلَاةُ الْمَلَائِكَةِ فِي السَّمَاوَاتِ السَّبْعِ. فَاِنَّ لِكُلِّ شَيْءٍ زِينَةً، وَاِنَّ زِينَةَ الصَّلَاةِ رَفْعُ الْاَيْدِي عِنْدَ كُلِّ تَكْبِيرَةٍ.» اصبغ بن نباتہ حضرت علیؑ سے نقل کرتے ہیں کہ جب سورۂ کوثر نازل ہوا تو رسولِ خدا نے جبرئیل سے پوچھا: یہ کون سی قربانی ہے جس کا مجھے میرے رب نے حکم دیا ہے؟ جبرئیلؑ نے کہا: یہ قربانی نہیں ہے مگر خدا نے آپؐ کو حکم دیا ہے کہ جب نماز کے لئے آمادہ ہو تو تکبیر کہتے وقت، رکوع میں جاتے وقت، رکوع سے سر اٹھاتے وقت اور سجدہ میں جاتے وقت اپنے ہاتھوں کو بلند کرو۔ کیونکہ یہی ہماری اور ساتوں آسمانوں کے ملائکہ کی نماز ہے۔ ہر چیز کا ایک زیور ہے اور نماز کا زیور تکبیر کہتے وقت ہاتھوں کا بلند کرنا ہے۔ مجمع البیان تفسیر سورۂ کوثر۔

۱۴۲۔ «عَنِ الرِّضَا (ع) قَالَ: اِنَّمَا تُرْفَعُ الْيَدَانِ بِالتَّكْبِيرِ لِاَنَّ رَفْعَ الْيَدَيْنِ ضَرْبٌ مِنَ الْاِبْتِهَالِ وَالتَّبَتُّلِ وَالتَّضَرُّعِ؛ فَاَحَبَّ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ اَنْ يَكُونَ الْعَبْدُ فِي وَقْتِ ذِكْرِهِ لَهُ مُتَبَتِّلاً مُتَضَرِّعاً مُبْتَهِلاً. وَلِاَنَّ فِي رَفْعِ الْيَدَيْنِ اِحْضَارَ النِّيَّةِ وَاِقْبَالَ الْقَلْبِ.» وسائل جلد ۴، ص ۷۲۷، کتاب الصلوٰۃ، باب ۴، از ابواب تکبیرۃ الاحرام، حدیث ۱۔

۱۴۳۔ سورۂ انعام آیت ۷۹۔

۱۴۴۔ وسائل جلد ۴، ص ۷۲۲، کتاب الصلوٰۃ، باب ۷، از ابواب تکبیرۃ الاحرام، حدیث ۵۔

۱۴۵۔ وسائل جلد ۴، ص ۷۲۲، کتاب الصلوٰۃ، باب ۷، از ابواب تکبیرۃ الاحرام، حدیث ۷۔

۱۴۶۔ فروع کافی جلد ۶، ص ۴۹۵، ۴۹۶، کتاب الزی والتجمل، باب السواک، حدیث ۶۔

۱۴۷۔ خصال، جلد ۲، ص ۴۰۴، باب ۱۰، حدیث ۵۱۔

۱۴۸۔ «عَنْ اَبِي عَبْدِاللّٰهِ (ع) قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ: اَوْصَانِي جِبْرَئِيلُ، عَلَيْهِ السَّلَامُ، بِالسِّوَاكِ حَتّٰى خِفْتُ عَلٰى اَسْنَانِي.» ــ فروع کافی جلد ۶، ص ۴۹۶، کتاب الزی والتجمل، باب السواک، حدیث ۸۔

۱۴۹۔ «لَوْلَا اَنْ اَشُقَّ عَلٰى اُمَّتِي، لَاَمَرْتُهُمْ بِالسِّوَاكِ مَعَ كُلِّ صَلَاةٍ.» وسائل جلد ۱، ص ۲۵۵، کتاب الطہارۃ، باب ۵، از ابواب السواک، حدیث ۳۔

۱۵۰۔ «عَنْ اَبِي عَبْدِاللّٰهِ (ع) قَالَ: اِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ، كَانَ اِذَا صَلّٰى الْعِشَاءَ الْآخِرَةَ، اَمَرَ بِوُضُوئِهِ وَسِوَاكِهِ، فَيُوضَعُ عِنْدَ رَأْسِهِ مُخَمَّرًا؛ فَيَرْقُدُ مَا شَاءَ اللّٰهُ؛ ثُمَّ يَقُومُ فَيَسْتَاكُ وَيَتَوَضَّأُ وَيُصَلِّي اَرْبَعَ رَكَعَاتٍ، ثُمَّ يَرْقُدُ؛ ثُمَّ يَقُومُ فَيَسْتَاكُ وَيَتَوَضَّأُ وَيُصَلِّي.» ثُمَّ قَالَ: لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ.» وسائل جلد ۱، ص ۲۵۶، کتاب الطہارۃ، باب ۶، از ابواب السواک، حدیث ۱۔

Presented by www.ziaraat.com

۱۵۱۔ «عَنْ اَبِي عَبْدِاللّٰهِ(ع) عَنْ آبائِهِ قالَ قالَ رَسُولُ اللّٰهِ(ص): رَكْعَتانِ بِسِواكٍ اَفْضَلُ مِنْ سَبعِينَ رَكْعَةً بِغَيرِ سِواكٍ عَنْ مُعَلّى بنِ خُنَيسٍ قالَ: سَأَلْتُ اَبا عَبْدِاللّٰهِ، عَلَيْهِ السَّلامُ، عَنِ السِّواكِ بَعْدَالْوُضُوءِ فَقالَ اَلْاِسْتِياكُ قَبْلَ اَنْ يَتَوَضَّأَ. قُلْتُ: اَرَاَيْتَ اِنْ نَسِيَ حَتّٰى يَتَوَضَّأَ قالَ: يَسْتاكُ، ثُمَّ يَتَمَضْمَضُ ثَلاثَ مَرّاتٍ.» بحار جلد ۷۳، ص ۱۲۲، ۱۲۳، کتاب الآداب والسنن، باب السواک والحث علیہ، حدیث ۳۲-۳۴۔

۱۵۲۔ وسائل جلد ۱، ص ۳۵۲، ۳۵۵، ۳۵۶، کتاب الطہارۃ، باب ۲-۵-۶

۱۵۳۔ مجمع البیان تفسیر آیہ ۴ سورہ قلم۔

۱۵۴۔ گر مسلمانی ازاین است کہ حافظ دارد۔ آہ اگر از پی امروز بود فردائی۔ حافظ

۱۵۵۔ طہارۃ الاعراق، تصنیف ابن مسکویہ۔

۱۵۶۔ محجۃ البیضاء، کلمات مکنونہ، حیات جاوید، از فیض کاشانی، حق الیقین مجلسیؒ، جامع السعادات ملا مہدی نراقی، معراج السعادۃ، ملا احمد نراقی یہ کتاب جامع السعادات کا خلاصہ ہے۔

۱۵۷۔ خصال، جلد ۲، ص ۴۲۱، باب ۱۰، حدیث ۱۲۔

۱۵۸۔ معانی الاخبار، ص ۱۹۱، باب فی مکارم الاخلاق، حدیث ۳۔

۱۵۹۔ الوافی جلد ۴، ص ۲۶۴، کتاب ایمان وکفر، باب جوامع المکارم، حدیث ۲۔

۱۶۰۔ امالی صدوق، مجلس ۵۷، حدیث ۱۰، وسائل جلد ۱۱، ص ۱۵۶، کتاب الجہاد، باب ۶، از ابواب جہاد النفس، حدیث ۸، چھپے نسخوں میں مذام الافعال ہی آیا ہے۔

۱۶۱۔ اصول کافی جلد ۲، ص ۹۹، کتاب ایمان وکفر، باب حسن الخلق، حدیث ۱۔

۱۶۲۔ اصول کافی جلد ۲، ص ۹۹، کتاب ایمان وکفر، باب حسن الخلق، حدیث ۲۔

۱۶۳۔ «عَنْ اَبِي عَبْدِاللّٰهِ(ع) قالَ: قالَ رَسُولُ اللّٰهِ(ص): اَكْثَرُ ما تَلِجُ بِهِ اُمَّتِي اَلْجَنَّةَ تَقْوَى اللّٰهِ وَحُسْنُ الْخُلُقِ.» اصول کافی جلد ۲ ص ۱۰۰، کتاب ایمان وکفر، باب حسن الخلق، حدیث ۶۔

۱۶۴۔ «اَلْبِرُّ وَحُسْنُ الْخُلُقِ يَعْمُرانِ الدِّيارَ وَيَزِيدانِ فِي الْاَعْمارِ» اصول کافی جلد ۲، ص ۱۰۰، کتاب ایمان وکفر باب حسن الخلق، حدیث ۸۔

۱۶۵۔ «عَنْ اَبِي عَبْدِاللّٰهِ(ع) قالَ: اِنَّ اللّٰهَ تَبارَكَ وَتَعالى لَيُعْطِي الْعَبْدَ مِنَ الثَّوابِ عَلى حُسْنِ الْخُلُقِ كَما يُعْطِي الْمُجاهِدَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ، يَغْدُو عَلَيْهِ وَيَرُوحُ.» اصول کافی جلد ۲ ص ۱۰۴، کتاب ایمان وکفر، باب حسن الخلق، حدیث ۱۲۔

۱۶۶۔ اصول کافی جلد ۲، ص ۳۲۱، کتاب ایمان وکفر، باب سوء الخلق حدیث ۳۔

۱۶۷۔ «عَنْ اَبِي عَبْدِاللّٰهِ(ع) قالَ: اِنَّ سُوءَ الْخُلُقِ لَيُفْسِدُ الْعَمَلَ كَما يُفْسِدُ الْخَلُّ الْعَسَلَ.» اصول کافی جلد ۲ ص ۳۲۱، کتاب ایمان وکفر، باب سوء الخلق حدیث ۱۔

۱۶۸۔ کتاب ایمان وکفر، باب سوء الخلق، حدیث ۲۔

۱۶۹۔ اصول کافی جلد ۲، ص ۳۲۱، کتاب ایمان وکفر، باب سوء الخلق، حدیث ۴۔

Presented by www.ziaraat.com

تیسویں حدیث

«بِسَنَدِي الْمُتَّصِلِ إِلَى ثِقَةِ الْإِسْلَامِ، مُحَمَّدِبْنُ يَعْقُوبَ الْكُلَيْنِيِّ، رِضْوَانُ اللّٰهِ عَلَيْهِ، عَنْ عِدَّةٍ مِنْ اَصْحَابِنَا، عَنْ اَحْمَدَبْنِ مُحَمَّدِبْنِ خَالِدٍ، عَنْ اَبِيهِ عَنْ هَارُونَ بْنِ الْجَهْمِ، عَنِ الْمُفَضَّلِ، عَنْ سَعْدٍ، عَنْ اَبِي جَعْفَرٍ، عَلَيْهِ السَّلَامُ، قَالَ: اِنَّ الْقُلُوبَ اَرْبَعَةٌ: قَلْبٌ فِيهِ نِفَاقٌ وَاِيمَانٌ؛ وَقَلْبٌ مَنْكُوسٌ؛ وَقَلْبٌ مَطْبُوعٌ؛ وَقَلْبٌ اَزْهَرُ اَجْرَدُ فَقُلْتُ: مَا الْاَزْهَرُ قَالَ: فِيهِ كَهَيْئَةِ السِّرَاجِ. فَاَمَّا الْمَطْبُوعُ فَقَلْبُ الْمُنَافِقِ؛ وَاَمَّا الْاَزْهَرُ فَقَلْبُ الْمُؤْمِنِ: اِنْ اَعْطَاهُ شَكَرَ وَاِنِ ابْتَلَاهُ صَبَرَ وَاَمَّا الْمَنْكُوسُ فَقَلْبُ الْمُشْرِكِ؛ ثُمَّ قَرَأَ هٰذِهِ الْآيَةَ: «اَفَمَنْ يَمْشِي مُكِبًّا عَلَى وَجْهِهِ اَهْدٰى اَمَّنْ يَمْشِي سَوِيًّا عَلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ.» فَاَمَّا الْقَلْبُ الَّذِي فِيهِ إِيمَانٌ وَنِفَاقٌ، فَهُمْ قَوْمٌ كَانُوا بِالطَّائِفِ: فَاِنْ اَدْرَكَ اَحَدَهُمْ، اَجَلُهُ عَلَى نِفَاقِهِ هَلَكَ؛ وَاِنْ اَدْرَكَهُ عَلَى اِيمَانِهِ نَجَا.» ۲

ترجمہ: امام محمد باقرؑ نے فرمایا: دل چار قسم کے ہوتے ہیں:

Presented by www.ziaraat.com

۱ ——— جس میں نفاق وایمان ہوتا ہے۔
۲ ——— دوسرا اُلٹا ہوتا ہے۔
۳ ——— تیسرا مہر زدہ ہوتا ہے۔
۴ ——— سفید اور بے ملاوٹ ہوتا ہے۔

راوی کہتا ہے: میں نے پوچھا: ازھر کیا ہے؟ فرمایا قلب ہے جو چراغ کے مانند ہے اور مطبوع (مہر زدہ) منافق کا دِل ہوتا ہے اور ازھر مومن کا دِل ہوتا ہے۔ اگر خدا اس کو کچھ عطا کرتا ہے شکر کرتا ہے اور اگر مبتلا کرتا ہے تو اس پر صبر کرتا ہے اور اُلٹا دِل مشرک کا ہوتا ہے اس کے بعد حضرت نے اس آیت کی تلاوت فرمائی: "اَفَمَنْ یَّمْشِیْ الخ" "بھلا جو شخص اوندھا اپنے مُنہ کے بل چلے وہ زیادہ ہدایت یافتہ ہوگا یا وہ شخص جو سیدھا برابر راہِ راست پر چل رہا ہو" اور جس قلب میں ایمان ونفاق ہو وہ طائف کی ایک قوم تھی ان میں سے جس کی موت نفاق پر ہوتی تھی وہ ہلاک ہوتا تھا اور جس کی ایمان پر ہوتی تھی وہ نجات پاتا تھا"

شرح: "المنکوس" کے معنیٰ مقلوب کے ہیں چنانچہ «یُقَالُ: نَکَسْتُ الشَّیْءَ اَنْکُسُہٗ نَکْساً. قَلَبْتُہٗ عَلٰی رَأْسِہٖ» کا مطلب "میں نے اس کو اُلٹا کر دیا" کے ہیں اور صحاح میں ہے "اَلْوَلَدُ الْمَنْکُوْسُ اس بچہ کو کہتے ہیں جس کا پیر پہلے نکلے اور سر بعد میں۔ اس کے قریب مکبا علی وجہہ کے ہیں اور حضرت نے اسی آیت سے استشہاد فرمایا ہے کیونکہ "اکباب" کے معنیٰ مُنہ کے بل گرنے کے ہیں اور یہ اس بات سے کنایہ ہے کہ اہلِ شرک کے قلوب ٹیڑھے اور ان کی حرکت و سیر معنوی غیر صراطِ مستقیم پر ہے۔ انشاء اللہ اس کی تفصیل آئے گی۔

«وَالْمَطْبُوْعُ» اَیِ الْمَخْتُوْمُ. وَالطَّبْعُ، بِالسُّکُوْنِ، اَلْخَتْمُ؛ وَبِالتَّحْرِیْکِ، اَلدَّنَسُ وَالْوَسَخُ»

"اس کا مطلب مہر لگا ہوا ہے" الطبع بالسکون کا مطلب ختم یعنی مہر۔ جیسا کہ قرآن میں ہے ختم اللہ علی قلوبھم اور بالتحریک کا مطلب کثافت وگندی ہے" پس اگر مختوم کے معنیٰ مُراد لئے جائیں تو یہ کنایہ ہے کہ حق بات اور حقائق الٰہی ان میں وارد نہیں ہوتے اور نہ قبول کرتے ہیں۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ خدا اپنے الطاف خاصہ کو ان سے روک دیتا ہے اگرچہ یہ معنیٰ بھی درست ہیں مگر جو مطلب ذکر کیا گیا وہ زیادہ مناسب ہے۔

Presented by www.ziaraat.com

وَالْأَزْهَرُ الْأَبْيَضُ الْمُسْتَنِيرُ كَمَا عَنِ النِّهَايَةِ وَفِي الصِّحَاحِ: اَلْأَزْهَرُ النَّيِّرُ وَيُسَمَّى الْقَمَرُ الْأَزْهَرَ

قَالَ: اِبْنُ السِّكِّيتِ: اَلْأَزْهَرَانِ، اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَرَجُلٌ أَزْهَرُ اَيْ اَبْيَضُ مُشْرِقُ الْوَجْهِ. وَالْمَرْأَةُ، اَلزَّهْرَاءُ۔

ازہر۔ اس کے معنیٰ سفید و روشن کے ہیں جیسا کہ نہایہ میں ہے اور صحاح میں ہے الازہر، نیر کو کہتے ہیں اور اسی سے قمر ازہر آیا ہے۔ ابن سکیت نے کہا ہے: الازہران چاند و سورج ہیں اور رجل ازہر یعنی ابیض و مشرق الوجہ اور عورت کے لئے الزہراء آئے گا۔ مختصر یہ ہے کہ ازہر کے معنیٰ نورانی اور سفید کے ہیں۔ اسی لئے چاند و سورج کو ازہران اور نورانی شخص کو ازہر اور سفید و نورانی عورت کو زہرا کہتے ہیں۔

وَالْأَجْرَدُ الَّذِي لَيْسَ فِي بَدَنِهِ شَعْرٌ. وَفِي الصِّحَاحِ: اَلْجُرْدُ فَضَاءُ لَا نَبَاتَ فِيهِ.[5]

"اَلْاَجْرَدُ۔ کے معنیٰ جس کے بدن پر بال نہ ہوں اور صحاح میں ہے: الجرد، وہ فضا جس میں نبات نہ ہو" یہ دُنیا سے عدم تعلق سے کنایہ ہے یا صاف و بے غش ہونا ہے۔ حدیث میں جو چیز مناسب ہے اس کا ذکر ایک مقدمہ اور چند فصلوں کے ضمن میں کروں گا۔"

مقدّمہ

اصلاحِ قلب کی ترغیب

معلوم ہونا چاہیئے کہ شریعت اور حکما و عرفا کی اصطلاح میں قلب کے اطلاقات ہیں۔ ان کی حقیقت کو بیان کرنے اور اختلاف اور اصطلاحات اور بیان مراتب قلوب اور درجات میں وقت کو صرف کرنا اس کتاب کے موضوع سے خارج ہے اور خود ہمارے لئے بھی بہت

Presented by www.ziaraat.com

زیادہ مفید نہیں ہے۔ لہٰذا بہتر یہی ہے اخبار میں جس طرح اجمالاً ذکر کیا گیا ہے ہم بھی اسی طرح ذکر کریں اور جو ہمارے لئے لازم و ضروری ہے اس کا ذکر کریں۔

اصطلاح میں "دِل سے کوشش کرنا" جو سعادت و شقاوت کا سرمایہ اور جس پر صلاح و فساد کا دارومدار ہے یہ بات کہیں زیادہ اہم ہے کہ ہم دل کی حقیقت کو تلاش کریں اور اس سلسلہ رائج کے اصطلاح کی اصلاح کریں۔[1] کیونکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ انسان اصطلاحات کی طرف شدتِ توجہ کی بنا پر اور فہم کلمات اور اس کے اطراف میں غور کرنے کی وجہ سے خود قلب سے بالکلیہ غافل ہو جاتا ہے اور اس کی اصلاح کرنے سے رہ جاتا ہے۔ قلب کی ماہیت و حقیقت کی شرح تک تو وہ اُستادِ کامل بن جاتا ہے۔ حکماء و عرفا کی اصطلاحات کا ماہر ہو جاتا ہے۔ لیکن خود اسکا قلب قلوب منکوسہ یا مطبوعہ میں ہوتا ہے جیسے کوئی شخص فائدہ مند اور ضرر رساں دواؤں کے نفع و نقصان سے واقف ہو اور ان کی خوب شرح کرتا ہو۔ لیکن مُضر دواؤں سے اجتناب نہ کرتا ہو اور فائدہ مند دواؤں کا استعمال نہ کرتا ہو۔ یقیناً ایسا شخص علمِ دواشناسی کے باوجود ہلاک ہو جائے گا اور یہ علم اس کو بچا نہیں سکے گا۔

میں نے پہلے بھی کہا ہے تمام علوم عملی ہیں انتہا یہ ہے کہ علومِ معارف میں بھی ایک قسم کا عمل موجود ہے اور اب میں عرض کرتا ہوں احوال قلوب اور کیفیت صحت و مرض، صلاح و فساد کے علوم خالص مقدمہ عمل اور ان کے علاج و اصلاح کا طریقہ ہیں اور ان کا ادراک و سمجھنا انسانی کمالات میں سے ہے۔ لہٰذا انسان کی پوری توجہ اور مقصد اصلی قلب کی اصلاح و اکمال ہونی چاہیئے تاکہ اس کے ذریعہ روحانی سعادت اور غیب کے عالی درجات حاصل کر سکے اور اگر اہلِ علوم و دقائق و حقائق میں سے بھی ہے تو انفس و آفاق کے سیر کے ضمن میں سب سے عمدہ مطلب اس کے لئے یہ ہے کہ اپنے نفسانی حالات کے بارے میں معلومات حاصل کرے۔ کہ اگر مہلکات سے ہے تو اس کا علاج کرے اور اگر منجیات سے ہے تو اس کے تکمیل کی کوشش کرے۔

---

[1]: اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ علم اخلاق اور نفس کے مہلکات و منجیات غیر ضروری ہیں بلکہ مقصد یہ ہے کہ یہ چیزیں مقدمہ عمل ہیں نہ کہ مستقل کہ ان کی اصطلاحات کی جمع آوری میں عمر صرف کر دی جائے اور اصل مقصد رہ جائے۔

Presented by www.ziaraat.com

پہلی فصل

تقسیم قلوب کا مرجع کیا ہے؟

قلوب کی جو تقسیم اس حدیث میں ہے وہ تقسیم کلی اجمالی ہے اور تمام قلوب کے درجات و مراتب ہوتے ہیں چاہے وہ شرک و نفاق کے ہوں یا ایمان و کمال کے ہوں اور بظاہر قلوب کی یہ تقسیم نسب و حرکات معنوی کے بعد کی ہے نہ کہ اصل فطرت و خمیرۂ نفوس کی بنا ہے کیونکہ اصل فطرت کی بنا پر اگر ہو گی تو پھر "اخبارِ فطرت اور یہ کہ ہر بچہ فطرتِ توحید پر پیدا ہوتا ہے اور شرک و نفاق عارضی چیز ہے" سے منافات لازم آئے گی۔ ویسے اگر تقسیم بحسب اصل فطرت بھی ہو تو ایک بیانِ صحیح کے ذریعہ رفع منافات کیا جا سکتا ہے اور یہ جبر مستحیل کی طرف بھی منجر نہ ہو گا۔ لیکن اقرب یہ برہان و اعتبار وہی احتمالِ اوّل ہے اور ہم نے اس سے پہلے بھی ذکر کیا ہے کہ انسان جب تک دارِ دنیا میں رہے۔ جو شجرۂ ہیولیٰ ہے اور جوہری و صوری و عرضی تغیرات و تبدلات سے دوچار ہے۔ اس وقت تک اپنے کو ہر قسم کے نقائص و شقاوت و شرک و نفاق سے نجات دے سکتا ہے اور مرتبۂ کمال و سعادتِ روحانی و ریحانی تک پہونچا سکتا ہے اور یہ مطلب مشہور حدیث "اَلشَّقِيُّ شَقِيٌّ فِي بَطْنِ اُمِّهٖ"[8] (شقی تو اپنی ماں کے پیٹ سے شقی ہوتا ہے) کے مخالف نہیں ہے کیونکہ حدیث کا مطلب یہ نہیں ہے کہ سعادت و شقاوتِ ذاتی ہے قابل جعل نہیں ہے۔ بلکہ یہ حدیث برہان کے موافق ہے کیونکہ یہ بات اپنی جگہ پر واضح ہو چکی ہے کہ شقاوت کے معنیٰ نقص و عدم کے ہیں اور سعادت کے معنیٰ وجودِ کمال کے ہیں اور شجرۂ طیبۂ وجود سے مراد ذاتِ حق سبحانہ ہے بہ ترتیب اسباب و مسببات اور یہ طریقہ افضل المتاخرین و اکمل المتقدمین نصیر الملۃ والدین[9] قدس سرہ کا ہے۔ یا یہ طریق ظاہریت و مظہریت و وحدت و کثرت جو اعظم الفلاسفہ علی الاطلاق حضرت صدر المتالہین کا ہے اور جو نقص و عدم ہے وہ شجرۂ خبیثہ ماہیت ہے اور جعل نہیں ہے اس لئے کہ دون جعل ہے۔

اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ حدیثِ بطن ہی کی شقاوت و سعادت کو بیان کرنا چاہتی ہے لیکن "بطنِ اُمّ" سے مراد مطلق عالم طبیعت ہے کہ اُمّ مطلق اور مشیمۂ تربیت اطفال یہی طبیعت

Presented by www.ziaraat.com

ہے اور "بطن ام" سے اس کے عرفی معنیٰ مراد نہیں ہیں کیونکہ سعادت کمالات و فعلیات میں سے ہے اس لئے نفوس ہیولویہ کو بالفعل حاصل نہیں ہو سکتا ہے ہاں بالقوۃ حاصل ہو سکتا ہے اور ظاہر یہ ہے کہ جو بطن ام میں سعید ہے وہ بالفعل سعید ہے۔ پس اس سے خلاف ظاہر کا ارتکاب کرنا پڑے گا اور ہم نے جو ذکر کیا ہے وہ برہان کے مطابق ہے اس لئے حدیث کا اس پر حمل کرنا یا ایسی چیز پر حمل کرنا جو اس کی طرف راجع ہو متعین ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اس بارے میں تفصیل اور اس کے برہان کا بیان اس کتاب کے مقصد سے خارج ہے۔ مگر قلم کبھی سرکشی کر جاتا ہے اور خلاف مقصود جاری ہو جاتا ہے۔

قلوب کی وجہ حصر

بعض علما نے کہا ہے کہ قلوب کا چار قسموں میں انحصار کی علت یہ ہے کہ قلوب یا تو ایمان سے متصف ہوں گے یا نہ ہوں گے۔ پہلی صورت میں یا جمیع ماجاء النبیؐ پر ایمان سے متصف ہوں گے یا بعض سے ہونگے اور بعض سے نہ ہوں گے۔ پہلا قلب مومن ہے۔ دوسرا وہ قلب ہے جس میں ایمان و نفاق ہے اور بنا بر دوم یا تو ظاہر میں تصریح ایمان کرتا ہے یا نہیں کرتا پہلا قلب منافق ہے دوسرا قلب مشرک۔

لیکن یہ تقسیم حدیث سے مطابقت نہیں کرتی یعنی کبھی تو تمام ماجاء بہ النبیؐ پر حقیقۃً مومن ہے اور کبھی منافق ہے اور اگر کوئی تقسیم پر مجبور ہے تو بہتر ہے اس طرح کہے: قلب یا تو تمام ماجاء بہ الرسولؐ پر ایمان رکھتا ہے یا نہیں۔ بنا بر صورت دوم اظہار ایمان کرتا ہے یا نہیں کرتا (اور) بنا بر اول یا تو اس میں ایمان مستقر ہے اور یا کبھی ایمان لاتا ہے اور کبھی رجوع کرتا ہے اور اس حال میں بھی اظہار ایمان کرتا ہے اور اس حدیث کے ذیل سے معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ ایمان سے کفر و نفاق کی طرف رجوع کرتے ہیں ان کی بھی توبہ قبول ہو جاتی ہے چاہے مکرر رجوع کریں۔

اور ایک دوسری حدیث میں جو کافی میں امام محمد باقرؑ سے مروی ہے اس میں قلوب کی تین قسمیں کی گئی ہیں:

۱:- قلب [illegible] جس میں کوئی خیر نہ ہو اور وہ قلب کافر ہے۔

۲:- وہ قلب [illegible] میں نکتہ سودا ہے اور خیر و شر اس میں جنگ کرتے ہیں کہ کون

Presented by www.ziaraat.com

غالب آتا ہے۔

۲:۔ قلب مفتوح جس کے اندر ہمت سے چراغ روشن ہیں جو قیامت تک خاموش نہ ہوں گے اور وہ قلب مومن ہے۔ اور یہ پہلی والی حدیث کے منافی نہیں ہے اس لئے کہ اس حدیث کی پہلی قسم پہلی والی حدیث کی دونوں قسموں سے اعم ہے یعنی قلب مشرک و منافق۔ اس لئے کہ ان تینوں گروہ کے قلوب منکوس ہیں اور یہ منافات نہیں رکھتی اس بات سے کہ منکوسیت قلب مشرک و کافر کے صفات ظاہرہ میں سے ہے اور مطبوعیت قلب منافق کے صفات ظاہرہ میں سے ہے اور اسی لئے اس حدیث میں ان میں سے ہر ایک کو ایک سے مخصوص کیا ہے۔

دوسری فصل

حالات قلوب کا بیان

ہم پہلے قلب مومن کا ذکر کرتے ہیں تاکہ اسی پر قیاس کرتے ہوئے دوسرے قلوب معلوم ہو جائیں۔ یہ جان لینا چاہیئے کہ معارف حقہ اور علوم عالیہ میں بڑی وضاحت کے ساتھ یہ بات معلوم ہے کہ حقیقت وجود، حقیقت نور کی اصل ہے اور یہ دونوں عنوان ایک حقیقت بسیط واحدہ کی جہات مختلفہ متکثرہ کی طرف رجوع کئے بغیر حکایت کرتے ہیں اور یہ بھی معلوم ہے کہ جو بھی معلوم ہے کہ جو بھی سنخ کمال و تمام ہے وہ بھی عین وجود کی طرف راجع ہے اور یہ ایک ایسی اصل ہے کہ جس کو یہ حاصل ہو جائے اس پر فخر کرے گا اور ابواب معارف اس پر کھل جائیں گے (مگر) ہمارے نفوس ضعیفہ اس ذات کی حقیقت کے ادراک سے در حقیقت عاجز و محروم ہیں البتہ اگر غیبی دستگیری ہو جائے اور توفیق ازلی شامل حال ہو جائے تو اور بات ہے۔

اور یہ بھی معلوم ہے کہ ایمان بالله از سنخ علم اور کمالات مطلقہ میں سے ہے۔ پس چونکہ کمالات سے ہے لہٰذا اصل وجود ہے اور اصل حقیقت نور و ظہور ہے اور جو چیز غیر از ایمان اور اس کے متعلقات سے ہے وہ کمالات نفسانیہ انسانیہ سے خارج ہے اور ظلمات عدم و ماہیت سے متعلق ہے۔

Presented by www.ziaraat.com

قلبِ مومن کے ازہر ہونے کا بیان

پس معلوم ہوگیا کہ قلبِ مومن ازہر ہے۔ کافی میں امام جعفر صادقؑ سے منقول ہے: تم بعض لوگوں کو دیکھو گے کہ فصاحت میں غلطی نہیں کرتے یہاں تک کہ لام اور واؤ میں بھی غلطی نہیں کرتے۔ مگر ان کا دل شبِ تاریک سے بھی زیادہ تاریک ہے اور بعض لوگ اپنے دل کی بھی بات اپنی زبان سے نہیں کہہ پاتے۔ حالانکہ ان کا دل چراغ کے مانند روشن ہے۔" نیز قلبِ مومن (ہمیشہ) طریقِ مستقیم پر رہتا ہے اور اس کی مشی معنوی انسانی راہِ مستقیم پر رہتی ہے کیونکہ وہ اس اصل فطرتِ الٰہیہ سے "جس کو خدا نے اپنے دونوں دستِ جلال و جمال سے چالیس صبح تک خمیر کیا تھا" خارج نہیں ہوا ہے اور اسی فطرتِ توحید پر "جو نقطہ توجہ بہ کمالِ مطلق و جمالِ تام ہے" گامزن ہے۔ اور یہ حرکت معنوی روحانی مرتبۂ فطرت مخمرہ سے غایت کمالِ مطلق تک بغیر کسی ٹیڑھے پن کے ہے اور یہی استقامت روحانی اور جادہ مستوی باطنی ہے۔ باقی تمام قلوب فطرت سے خارج اور طریقِ مستقیم سے الگ ہیں۔ رسولِ خدا سے روایت ہے کہ آپ نے زمین پر ایک خطِ مستقیم کھینچ کر اس کے اطراف میں بہت سے آڑے ترچھے خطوط کھینچے اور فرمایا: یہ بیچ کا خطِ مستقیم میرا راستہ ہے۔ ۱۲

مومن صراطِ مستقیم پر ہے

دوسری بات یہ ہے کہ مومن انسانِ کامل کے تابع ہے اور انسان کامل چونکہ تمام اسما و صفات کا مظہر اور اسمِ جامع خدا کا مربوب ہوتا ہے۔ لہٰذا اس کے اندر کسی بھی اسم کا غلبہ تصرف نہیں ہوتا اور وہ خود بھی چونکہ کون جامع کا رب ہے اس لئے اس کی مظہریت بھی اسمی ہوتی ہے اور زائد بر اسم نہیں ہوتی اور وہ وسط و برزخ کبریٰ ہے اور اس کی سیر ہمیشہ مستقیم اور اوسط اسمِ جامع کی وسط ہے اور تمام اکوان یعنی ہر اسم محیط و غیر محیط اس پر متصرف ہیں اور اسی اسم کے مظہر ہیں اور ان سب کی ابتدا و انتہا وہی اسم ہے اور اس کے مقابل کا اسم مخفی ہے اور متصرف نہیں ہے صرف وجہ احدیت جمع اسما کے اعتبار سے متصرف ہے مگر اس کا بیان یہاں

Presented by www.ziaraat.com

مناسب نہیں ہے پس (نتیجہ یہ نکلا کہ) حق تعالےٰ مقام اسم جامع اور رب الانسان ہونے کی وجہ سے صراطِ مستقیم پر ہے چنانچہ خود اسی کا ارشاد ہے: "اِنَّ رَبِّیْ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ۔" ۱۲
"اس میں شک ہی نہیں ہے کہ میرا رب (انصاف کی) سیدھی راہ پر ہے۔" یعنی کسی صفت کو کسی صفت پر فوقیت دینے اور کسی اسم کے کسی دوسرے اسم پر ظہور کے بغیر اس کو مقام وسطیت وجامعیت حاصل ہے اور اس ذات مقدس کا مربوب بھی تفاضل مقامی (یعنی ایک کے مقام دوسرے کے مقام پر فضیلت ہو) اور تفاضل شانی (یعنی ایک کی شان دوسرے کی شان پر برتری رکھتی ہو) کے بغیر یہاں بھی صراطِ مستقیم پر فائز ہے۔ چنانچہ حقیقی معراج صعودی اور انتہائے مقام قرب پر پہونچکر عرضِ عبودیت اور ہر عبادت اور ہر عابد کی عبودیت کو ذاتِ حق کی طرف ارجاع کرکے اور تمام مقامات قبض وبسط میں اعانت کو ذاتِ خدا میں یہ کہتے ہوئے ایاک نعبد وایاک نستعین منحصر کرکے فرماتے ہیں: "اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ۔" اور یہ وہی صراط ہے جس پر رب الانسان الکامل ہے وہ بروجہ ظاہریت وربوبیت ہے اور یہ بروجہ مظہریت ومربوبیت۔ اس کے علاوہ کوئی بھی موجود جو سائر الی اللہ ہو وہ صراط مستقیم پر نہیں ہے اس میں کسی نہ طرف میلان وکجی ہے خواہ بجانب لطف وجمال ہو یا بسطرف قہر وجلال ہو اور مومنین چونکہ انسانِ کامل کے تابع ہیں اس لئے اپنے سیر وقدم کو اسی کے قدم کی جگہ رکھتے ہیں اور اسی کے مصباح معرفت اور نورِ ہدایت میں سیر کرتے ہیں اور انسان کامل کے تسلیم ہوجاتے ہیں۔ اپنی طرف سے ایک قدم نہیں اٹھاتے اور سیر معنوی الی اللہ کی کیفیت میں اپنی عقل کو دخل نہیں دیتے۔ اسی لئے ان کا بھی راستہ مستقیم ہے اور ان کا بھی حشر انسانِ کامل کے ساتھ ہے اور ان کا وصول بھی انسانِ کامل کے تابع ہے۔ بشرطیکہ اپنے قلوب صافیہ کو انیت وانانیت اور تصرفات شیاطین سے محفوظ رکھا ہو اور اپنے کو بالکلیہ انسانِ کامل کے سیر کے تسلیم کرلیا ہو اور مقامِ خاتمیت کے تابع بنادیا ہو۔

شیطان کی بعض مکاریاں

شیطان کے تصرفاتِ خبیثہ میں سے ایک یہ ہے کہ انسان کو اس کے سیدھے راستہ سے ہٹاکر غلط راستہ پر لگادیتا ہے۔ اس کو گستاخ بنادیتا ہے یا اس میں بزرگی کا خناس بھردیتا ہے۔ شیطان جو لوگوں کے دلوں میں وسوسے پیدا کرتا رہتا ہے شوخ وشنگ بیان اور دلفریب

Presented by www.ziaraat.com

تصرف کے ذریعہ بعض مشائخ کو بھی کان پکڑ کر کسی دلبر و ہوش ربا کے عشق میں گرفتار کر دیتا ہے اور اس گناہ کے لئے عذر نہیں کرتا بلکہ اس شرک عرفانی کو اس طرح پیش کرتا ہے کہ اگر دل احدی التعلق ہو تو اور جلد سلب روابط کا ذریعہ بن جاتا ہے اور کبھی بیوقوف قسم کے شوخ چشموں کو ایک عوام فریب دلیو سیرت شیخ کے ذریعہ (لوگوں کو گمراہ کرتا ہے) اور لوگ تو در کنار بلکہ شیطان قاطع الطریق کو شرک جلی کا عذر پیش کر کے متوجہ کر لیتا ہے حالانکہ وہ شیخ انسان کامل ہوتا ہے اور انسان (صرف) انسان کامل ہی کے ذریعہ مقام غیب مطلق تک جو کسی طرح ظاہر نہیں ہوتا ہے سوائے کسی شیخ کے آئینہ کے پہونچ سکتا ہے اور آخر عمر تک وہ ایک تو اپنے شوخ دلبند کے رخسار کی یاد کے ساتھ اور یہ ایک اپنے شیخ کی صورت منکوس کے ساتھ عالم جن و شیاطین سے ملحق ہو جاتا ہے نہ اس کا علاقۂ حیوانیت سلب ہوتا ہے اور نہ یہ اپنی اندھی تقلید کے ذریعہ مقصد تک پہونچ پاتا ہے۔

لیکن مومن کی سیر چونکہ مستقیم ہے اس کا قلب مستوی ہے اس کی توجہ خدا کی طرف اس کی صراط صراط سوی ہے اس لئے اس عالم میں بھی اس کا راستہ مستقیم روشن قیامت مستقیم، صورت و سیرت ظاہر و باطن انسانیت کی شکل و صورت پر ہے۔ اسی پر قیاس کرتے ہوئے قلب مشرک کو سمجھ سکتے ہیں کہ چونکہ اس کا قلب فطرت الٰہیہ سے خارج اور کمال کے نقطۂ مرکزی سے مائل اور وسط نور و جمال سے منحرف اور ہادیٔ مطلق اور ولی کامل کی اتباع سے الگ اور اپنی انیت اور انانیت اور دنیا و زیبائش دنیا میں مشغول ہے اس لئے دوسرے عوالم میں بھی انسان کی سیرت و صورت مستقیمہ پر محشور نہ ہوگا۔ (بلکہ) کسی حیوان کی منکوس الرأس صورت پر محشور ہوگا کیونکہ اس عالم میں ہیئت و صورت قلوب کے تابع ہے اور ظاہر باطن کا سایہ ہے اور قشر مغز کا سایہ ہے اور اس عالم کے مواد اس عالم کی طرح اشکال ملکوتیہ باطنیہ کے قبول سے انکار نہیں کرتے اور یہ چیز اپنی جگہ دلیلوں سے ثابت ہے۔ اس لئے جو قلوب حق و حقیقت سے اعراض کئے ہیں اور فطرت مستقیمہ سے خارج ہیں اور دنیا کی طرف متوجہ ہیں ان کا سایہ بھی انھیں کی طرح استقامت سے خارج اور منکوس اور روبہ طبیعت و دنیا رکھتے ہیں جو اسفل السافلین ہے اور (یہ بھی) ممکن ہے کہ بعض اپنے سروں کے بل راستہ چلیں اور ان کے پیر اوپر ہوں اور بعض پیٹ کے بل راہ طے کریں اور بعض حیوانوں کی طرح ہاتھوں پیروں سے چلیں جیسا کہ اس دنیا میں ان کی چال اس طرح کی تھی۔

"اَفَمَنْ یَّمْشِیْ مُکِبًّا عَلٰی وَجْهِهٖۤ اَهْدٰۤی اَمَّنْ یَّمْشِیْ سَوِیًّا عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ" ہو سکتا ہے یہ مجاز جو عالم مجاز میں ہے، عالم حقیقت و ظہور روحانیت میں حقیقت

Presented by www.ziaraat.com

حاصل کرے اور احادیثِ شریفہ میں اس آیت کے ذیل میں صراطِ مستقیم سے حضرت علیؑ اور ائمہ معصومینؑ مراد ہیں، بتایا گیا ہے۔

«عَنِ الْكَافِي بِاِسْنَادِهِ عَنْ اَبِي الْحَسَنِ الْمَاضِي، عَلَيْهِ السَّلَامُ، قَالَ: قُلْتُ: «اَفَمَنْ يَمْشِي مُكِبّاً عَلى وَجْهِهِ اَهْدٰى اَمْ مَنْ يَمْشِي سَوِيّاً عَلى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ»؟ قَالَ: اِنَّ اللّٰهَ ضَرَبَ مَثَلاً مَنْ حَادَ عَنْ وِلَايَةِ عَلِيٍّ، عَلَيْهِ السَّلَامُ، كَمَنْ يَمْشِي عَلى وَجْهِهِ لَا يَهْتَدِي لِاَمْرِهِ؟ وَجَعَلَ مَنْ تَبِعَهُ سَوِيّاً عَلى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ. وَالصِّرَاطُ الْمُسْتَقِيمُ» اَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ، عَلَيْهِ السَّلَامُ.[15]»

کافی میں امام ابوالحسن الماضی سے مروی ہے کہ راوی کہتا ہے: میں نے عرض کیا:۔ افمن یمشی مکبا الخ سے کیا مراد ہے فرمایا: "خدا نے اس آیت میں ایک مثال بیان کی ہے کہ جو لوگ حضرت علیؑ کی ولایت سے اعراض کرتے ہیں وہ گویا اپنے چہروں کے بل راستہ چلتے ہیں مگر ہدایت نہیں پہونچ پاتے اور جو ان کے پیرو ہیں وہ صراط پر ہیں اور صراطِ مستقیم حضرت علیؑ ہیں"۔

اور ایک دوسری حدیث میں بھی صراطِ مستقیم سے حضرت علیؑ اور ائمہ معصومینؑ ہی کو مراد بتایا گیا ہے۔[16]

کافی میں فضیل سے منقول ہے کہ میں امام محمد باقرؑ کے ساتھ مسجد الحرام میں داخل ہوا۔ حضرت میرے اوپر تکیہ فرمائے ہوئے تھے۔ حضرت نے فرمایا: "اے فضیل جاہلیت میں اس طرح طواف کرتے تھے کہ نہ کسی حق کو پہچانتے تھے نہ کسی دین کے پابند تھے اے فضیل ان کو دیکھو یہ اوندھے منہ پڑے ہیں۔ خدا ان پر لعنت کرے کہ یہ منکوس و مسخ شدہ مخلوق ہیں۔ اس کے بعد اس آیت کی تلاوت فرمائی: افمن یمشی مکبا الخ، اور صراطِ مستقیم کی تفسیر حضرت اور ان کے اوصیاء سے فرمائی"۔[17] اَفَمَنْ يَمْشِي

ہم نے اس سے پہلے یہ بیان کر دیا ہے کہ انسانِ کامل کی مشی اور اس کی معنوی حرکت صراطِ مستقیم پر ہوتی ہے۔[18] اب رہی یہ بات کہ خود انسانِ کامل ہی صراطِ مستقیم ہے تو یہ فعلاً ہمارے مقصد سے خارج ہے۔

Presented by www.ziaraat.com

تتمیم

قلبِ منافق کا بیان اور اس کے اور مومن کے دل کا فرق

فصلِ سابق کے بیانات سے مومن و مشرک بلکہ کافر کے قلب کا بھی حال معلوم ہوگیا اور قیاس کے ذریعہ منافق کے قلب کا بھی حال معلوم کیا جا سکتا ہے کیونکہ مومن کا دل تو اپنی سادہ و صاف و اصلی فطرت سے خارج نہیں ہوا۔ جو بھی ایمانی حقیقت و معارف اس پر القا کئے جاتے ہیں وہ انھیں قبول کر لیتا ہے اور غذا و متغذی کے درمیان تناسب جو معارف و حقائق اور مقام فطرت قلوب ہے۔ محفوظ رہتا ہے۔ اسی لئے کافی کی ایک دوسری حدیث میں قلبِ مومن کو "مفتوح" فرمایا ہے[1] اور یہ فتح ہو سکتا ہے فتوحات[2] ثلاثہ میں سے کسی ایک کی طرف اشارہ بھی ہو۔ اگرچہ اس معنیٰ کے اعتبار سے بھی مناسب ہے۔

لیکن قلبِ منافق کدورتوں اور تاریکیوں کی بنا پر فطرتِ انسانیت سے مخالفت پیدا کر چکا ہے اس لئے وہ مطبوع و مسدود ہے اور اس پر مہر لگا دی گئی ہے (جو چیزیں فطرت کے منافی ہیں وہ) مثلاً یہ ہیں جاہلی تعصب، بُرے اخلاق، حُبِّ نفس و حُبِّ جاہ وغیرہ۔ قلبِ منافق کسی بھی طرح کلمۂ حق کو قبول نہیں کرتا اور اس کا صفحۂ دل مثل سیاہ کاغذ کے ہے جس میں کوئی نقش نہیں ابھرتا اور اظہارِ دیانت کو اپنی شیطنیت کی بنا پر (حصول) دُنیا و ترقی کا ذریعہ قرار دیتا ہے۔

یہ بات سمجھ لینی چاہیئے کہ (ویسے) تو منافق و کافر دونوں کے دل منکوس و مطبوع ہیں جیسا کہ معلوم و واضح ہے لیکن ہر ایک کا ایک سے اختصاص صرف اس لئے ہے کہ مشرک کا دل چونکہ عبادت اور خضوع میں معبودِ حقیقی کے علاوہ دوسرے طرف متوجہ اور کمالِ مطلق کے غیر کی طرف مائل ہوتا ہے۔ اس لئے اس کے قلب میں دو خصوصیت ہوتی ہے، ایک خضوع صادقانہ اور دوسرے چونکہ یہ خضوع نقائص اور مخلوقات سے ہوتا ہے اس لئے اس کے دل میں نقص و کدورت ہوتی ہے اور اس کا دل منکوس ہوتا ہے اور یہ صفت اس میں واضح ہوتی ہے۔ لیکن منافق کبھی واقع کے اعتبار سے مشرک ہے اور اس اعتبار سے مشرک کے مساوی ہے یعنی اس کا قلب منکوس ہے اور دوسری مزیت بھی رکھتا ہے اور کبھی واقع کے اعتبار سے کافر ہوتا ہے اور اس کے اندر کوئی دین

Presented by www.ziaraat.com

نہیں ہوتا اور اس کا دل بھی اگرچہ منکوس ہے لیکن اس کے اندر ایک بہت ہی واضح ترین خصوصیت موجود ہے اور وہ یہ ہے کہ حق کو بسبب ضرورت کان دھر کے سنتا ہے اور حق کی جماعت میں داخل ہو جاتا ہے اور تمام مطالب حقہ جو مومنین کے کانوں میں پڑتے ہیں اس کے کان میں بھی پڑتے ہیں لیکن صفائے باطن کی وجہ سے مومن کا قلب مفتوح ہوتا ہے اور وہ قبول کر لیتا ہے لیکن منافق کامل تاریکی و کدورت کی وجہ سے مطبوع و مختوم ہوتا ہے اور اس کو قبول نہیں کرتا ہے۔

اور حدیث میں جو مومن کی صرف دو صفتوں کو مخصوص کر کے بیان فرمایا ہے یعنی بلاؤں پر صبر عطاؤں پر شکر اس کی وجہ یہ ہے کہ ان دونوں صفتوں کو تمام صفات مومن میں مزیت حاصل ہے اور صفات جمیلہ کی جہات میں ان کا شمار ہے کیونکہ ان دونوں سے اور بہت سے صفات جمیلہ نکلتے ہیں میں نے سابق حدیثوں میں ان میں سے کچھ تھوڑے سے کو بیان کیا ہے۔[۲۱]

نیز صفات جلال و جمال اور قہر و لطف میں سے دو اور صفتوں کو بیان کیا ہے کہ تجلی بہ عطا و ابتلا ہے۔ اگرچہ ابتلا صفات لطف میں سے ہے لیکن چونکہ ظاہر بہ قہر ہے اس لئے اسی میں شمار کیا جاتا ہے جیسا کہ خدا کے اسما و صفات کی بحث میں ذکر ہے اور مومن انھیں دو تجلیوں کے درمیان (فرائض) عبودیت کو انجام دیتا ہے۔

ختام

حق سے غفلت انتکاس قلب ہے

سابقہ بیانات سے یہ بات واضح ہو گئی کہ اگر نفوس بالکلیہ دنیا اور تعمیر دنیا کی طرف متوجہ ہو جائیں اور حق سے منصرف ہو جائیں تو چاہے وہ مبدا و معاد پر عقیدہ رکھتے ہوں پھر بھی منکوس ہیں اور انتکاس قلوب کا معیار یہ ہے کہ حق سے غفلت برتی جائے اور دنیا و تعمیر دنیا کی طرف بالکلیہ متوجہ ہو جائے اور یہ عقیدہ یا ایمان نہیں کہلاتا ہے جیسا کہ بعض کی تشریح میں یہ بات کہی جا چکی ہے[۲۲] اور یا ایسا ناچیز و ناقص ایمان ہے جو انتکاس قلب کے منافی نہیں ہے۔ بلکہ اگر کوئی ایمان بالغیب رکھتا ہو اور حشر و نشر کا عقیدہ رکھتا ہو مگر اس سے خائف نہ ہو اور یہ ایمان اس کو عمل بہ ارکان تک نہ پہونچا سکے تو اس کو بجائے مومن کے منافقین میں شمار کرنا چاہئے اور ہو سکتا ہے اس قسم کے

Presented by www.ziaraat.com

صوری مومنین اہل طائف کی طرح جن کی حدیث میں مثال بیان کی گئی ہے۔ کبھی مومن ہوں اور کبھی کافر ہوں اور خدانخواستہ یہ بے مغز ایمان ان کے ملک بدن میں کسی بھی طرح کی حکومت نہ رکھتا ہو اور زائل ہو جائے اور وہ پکا منافق ہو کر اس دُنیا سے اُٹھے اور منافقین کے ساتھ محشور ہو اور یہ ایک ایسی مہم چیز ہے کہ ہمارے نفوس ضعیفہ کو اس کی طرف بہت توجہ دینی چاہیئے اور کوشش کرنی چاہیئے کہ ایمان کے آثار ظاہر و باطن، سراً و علناً ہر ایک میں جاری ہو جائے اور جیسے قلب سے ایمان کا دعویٰ ہے ظاہر کو بھی محکوم بہ اسلام کر دیں۔ تاکہ دل کے اندر ایمان کی جڑیں مضبوط و محکم ہو جائیں اور کسی بھی مانع و عائق کی وجہ سے اس میں تغیر و تبدل نہ ہو سکے اور اس الٰہی امانت اور قلب ظاہر و ملکوتی کو جو فطرت الٰہی سے مخمر تھا شیطان کے تصرف اور دست خیانت سے بچا کر ذات مقدس کے حوالہ کر دیا جائے۔

والحمد للہ اولاً و آخراً۔

www.ziaraat.com
Sabeel-e-Sakina

Presented by www.ziaraat.com

تیسویں حدیث کی توضیحات

۱۔ سورۂ ملک آیت ۲۲۔

۲۔ اصولِ کافی جلد ۲، ص ۴۲۲، کتاب ایمان و کفر باب فی ظلمۃ قلب المنافق.... حدیث ۲

۳۔ المطبوع، مہر شدہ، الطبع مہر کرنا، طَبَعَ، کشف، شوخ۔

۴۔ النہایۃ جلد ۲، ص ۳۲۱، ذیل مادہ زُہَر۔

۵۔ اَلْاَجرد اس کو کہتے ہیں جس کے بدن میں بال نہ ہوں اور صحاح میں ہے الجرداس صحرا کو کہتے ہیں جس میں کوئی گھاس نہ ہو۔

۶۔ ص/۵۱۸

۷۔ حدیث ۱۷۔

۸۔ بحار جلد ۵ ص ۱۵۲، کتاب العدل والمعاد، باب العادۃ الشقاوۃ، حدیث ۱، (عبارت میں تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ)۔

۹۔ حدیث ۱۵، توضیح ۲۲۔

۱۰۔ اصولِ کافی جلد ۲، ص ۴۲۲، کتاب ایمان و کفر، باب ظلمت قلب منافق، حدیث ۲۔

۱۱۔ «عَن عَمْرو عَنْ اَبي عَبْدِاللّٰهِ(ع) قالَ قالَ لَنا ذاتَ يَوْم: تَجِدُالرَّجُلَ لايُخْطِي بِلامٍ وَلاواوٍ، خَطِيباً مُصْقَعاً، لَقَلْبُهُ اَشَدُّظُلْمَةً مِنَ اللَّيْلِ الْمُظْلِمِ. وَتَجِدُالرَّجُلَ لايَسْتَطِيعُ يُعَبِّرُعَمّا في قَلْبِهِ بِلِسانِهِ، وَقَلْبُهُ يَزْهَرُ كَما يَزْهَرُ الْمِصْباحُ.»

Presented by www.ziaraat.com

اصولِ کافی جلد ۲، ص ۴۲۲، کتاب ایمان وکفر (باب ظلمت قلب منافق حدیث ۱۔

۱۲۔ تفسیر قرآن، ملا صدرا جلد ۴، ص ۵۲، تفسیر آیت الکرسی، علم الیقین جلد ۲ ص ۹۶۷۔

۱۳۔ سورۂ ھود آیت ۵۶۔

۱۴۔ سورۂ ملک آیت ۲۲۔

۱۵۔ کافی جلد ۱، ص ۴۲۲، کتاب الحجۃ، باب فیہ نکت ونتف من التنزیل فی الولایۃ، حدیث ۹۱۔

۱۶۔ «عن حمران قال سمعتُ أبا جعفر (ع) یقول قولُ اللّٰہ تعالی: «وَأَنَّ هٰذا صِراطِي مُسْتَقِيماً فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ.» قال: عَلِيُّ بْنُ أَبِيطالِبٍ وَالْأَئِمَّةُ مِنْ وُلْدِفاطِمَةَ هُمْ صِراطُ اللّٰهِ؛ فَمَنْ اتَّبَعَهُم، سَلَكَ السُّبُلَ...»

بحار جلد ۲۴، ص ۱۵، کتاب الامامۃ، باب ۲۴، حدیث ۱۷۔

۱۷۔ «عَنِ الْفُضَيْلِ قالَ: دَخَلْتُ مَعَ أَبِي جَعْفَرٍ، عَلَيْهِ السَّلامُ، الْمَسْجِدَالْحَرامِ وَهُوَمُتَّكِيٌ عَلَيَّ فَنَظَرَإِلَى النّاسِ، وَنَحْنُ. عَلى بابِ بَنِي شَيْبَةَ، فَقالَ: يا فُضَيْلُ، هٰكَذا كانَ يَطُوفُونَ فِي الْجاهِلِيَّةِ لا يَعْرِفُونَ حَقّاً وَلا يَدِينُونَ دِيناً يا فُضَيْلُ، أُنْظُرْ إِلَيْهِمْ، مُكِبِّينَ عَلى وُجُوهِهِمْ؛ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ مِنْ خَلْقٍ مَسْخُورٍ بِهِمْ مُكِبِّينَ عَلى وُجُوهِهِمْ. ثُمَّ تَلا هٰذِهِ الْآيَةَ: «أَفَمَنْ يَمْشِي مُكِبّاً عَلى وَجْهِهِ أَهْدى أَمَّنْ يَمْشِي سَوِيّاً عَلى صِراطٍ مُسْتَقِيمٍ؟» يَعْنِي، وَاللّٰهِ، عَلِيّاً، عَلَيْهِ السَّلامُ، وَالْأَوْصِياءَ عَلَيْهِمُ السَّلامُ...» روضۂ کافی، ص ۲۸۸، حدیث ۴۴۲۔

۱۸۔ ص/۶۵۵

۱۹۔ ص/۶۵۴

۲۰۔ فتوحات سہ گانہ یہ ہیں، فتح قریب، فتح مبین، فتح مطلق۔

۲۱۔ ص ۳۱۴۔۳۴۰۔۳۳۰۔

۲۲۔ حدیث ۹۔۲۰۔۲۶۔

Presented by www.ziaraat.com

اکتیسویں حدیث

«بِالسَّنَدِ الْمُتَّصِلِ اِلَى الشَّيْخِ الْجَلِيلِ، اَفْضَلُ الْمُحَدِّثِينَ، مُحَمَّدِبْنِ يَعْقُوبَ الْكُلَيْنِي، عَنْ عَلِيِّ بْنِ اِبْراهِيمَ، عَنْ اَبِيهِ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ رِبْعِيٍّ، عَنْ زُرارَةَ، عَنْ اَبِي جَعْفَرٍ، عَلَيْهِ السَّلامُ، قالَ سَمِعتُهُ يَقُولُ: اِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ لايُوصَفُ. وَكَيْفَ يُوصَفُ، وَقالَ فِي كِتابِهِ: «وَما قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهِ» فَلايُوصَفُ بِقَدَرٍ، اِلّا كانَ اَعْظَمَ مِنْ ذٰلِكَ. وَاِنَّ النَّبِيَّ، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ، لايُوصَفُ. وَكَيْفَ يُوصَفُ، عَبْدٌ اِحْتَجَبَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ بِسَبْعٍ وَجَعَلَ طاعَتَهُ فِي الْاَرْضِ كَطاعَتِهِ فِي السَّماءِ فَقالَ: «وَما اٰتيكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ. وَما نَهاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا.» وَمَنْ اَطاعَ هٰذا فَقَدْ اَطاعَنِي؛ وَمَنْ عَصاهُ فَقَدْ عَصانِي. وَفَوَّضَ اِلَيْهِ وَاِنّا لانُوصَفُ. وَكَيْفَ يُوصَفُ، قَوْمٌ رَفَعَ اللّٰهُ عَنْهُمُ الرِّجْسَ، وَهُوَ الشَّكُّ. وَالْمُؤْمِنُ لايُوصَفُ. وَاِنَّ الْمُؤْمِنَ لَيَلْقى اَخاهُ فَيُصافِحُهُ، فَلايَزالُ اللّٰهُ يَنْظُرُ اِلَيْهِما وَالذُّنُوبُ تَتَحاتُّ عَنْ وُجُوهِهِما كَما يَتَحاتُّ الْوَرَقُ عَنِ الشَّجَرِ» ۲

Presented by www.ziaraat.com

ترجمہ: جناب زرارہ فرماتے ہیں: میں نے (حضرت امام محمد باقرؑ کو فرماتے ہوئے سُنا) خداوندِ عالم کی صفت نہیں بیان کی جاسکتی اور اس کی صفت کیونکر بیان ہوسکتی ہے درحالانکہ اس نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے اور ان لوگوں نے خدا کی جیسی قدر کرنی چاہیئے ویسی قدر نہ کی۔" پس خدا کی جو بھی عظمت و توصیف بیان ہوگی خدا اس سے کہیں بزرگ ہے۔ (اسی طرح) رسولؐ خدا کی بھی توصیف نہیں بیان کی جاسکتی اور بھلا اس بندہ (رسولؐ) کی توصیف کیونکر بیان کی جاسکتی ہے جس کو خدا نے ساتوں پردوں میں چھپا رکھا ہو اور زمین میں اس کی اطاعت ویسی (واجب) قرار دی ہو جیسی آسمان میں اپنی اور جس کے لئے خدا نے فرمایا: رسولؐ جو بھی تم کو حکم دیں اس پر عمل کرو اور جس سے روک دیں اس سے رُک جاؤ، اور (جس کے لئے) فرمایا: جس نے اس کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے اس کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی اور خدا نے (امور کو) ان کے سپرد کر دیا۔ (نیز) ہماری بھی توصیف نہیں کی جاسکتی اور ان حضرات کی توصیف کیونکر کی جاسکتی ہے جن سے خدا نے رجس کو دور کر دیا ہے۔ مومن کی بھی توصیف نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ جب مومن اپنے برادر مومن سے ملاقات کرکے مصافحہ کرتا ہے تو خدا ان کی طرف نظر کرتا ہے اور (اس وقت) اُن کے گناہ اس طرح گرنے لگتے ہیں جیسے (موسم خزاں میں) درخت سے پتے گرتے ہیں۔

شرح: وَمَا قَدَرُوا اللّٰہ: جوہری نے کہا ہے "قدر" کے معنیٰ اندازہ کے ہیں اور قَدَرَ و قَدْرَ (دال کو فتح و سکون کے ساتھ) کے معنیٰ ایک ہیں اور یہ (قدر) دراصل مصدر ہے اور خدا نے کہا ہے: «مَا قَدَرُوا اللّٰہَ حَقَّ قَدْرِہٖ اَیْ، مَا عَظَّمُوا اللّٰہَ حَقَّ تَعْظِیْمِہٖ.» انتہیٰ۔

ظاہر یہ ہے کہ قدر کے معنیٰ وہی اندازے کے ہیں اور یہ کنایہ ہے کہ خدا کی تعظیم و توصیف جیسی ہونی چاہیئے ویسی نہیں ہوتی اور توصیف خود لباس وصف میں موصوف کی اندازہ گیری ہے اور یہ غیرِ خدا کے لئے جائز نہیں ہے جیسا کہ انشاء اللہ ہم اس کی طرف اشارہ کریں گے۔

«قَوْلُہٗ: فَلَا یُوصَفُ بِقَدْرٍ» علامہ مجلسیؒ کے نسخہ میں بِقُدْرَۃٍ آیا ہے اور موصوف نے اس کو از باب مثل قرار دیا ہے۔ اور تمام صفات میں اس کو مخصوص کرنے کی وجہ ذہنوں سے قریب ہونا قرار دیا ہے اور اس احتمال کو تقویت دی ہے کہ نسخہ غلط ہے اور فرمایا ہے: ممکن ہے اس کو قَدَرٌ (بفتح دال) پڑھا جائے۔ جیسا کہ دوسری حدیثوں میں آیا ہے۔ البتہ وافی والا

Presented by www.ziaraat.com

نسخوں کے احتمال کے موافق ہے۔ اور ہو سکتا ہے بقدرہ (ھا) کے ساتھ ہو جیسا کہ بعض نسخوں میں ہے بھی لیکن بقدرۃ (تا) کے ساتھ اس کے بارے میں گمان کیا بلکہ یقین ہے کہ یہ نسخہ غلط ہے کیونکہ نہ معنیٰ کے اعتبار سے سلیس ہے اور نہ لفظ کے اعتبار سے حدیث صحیح ہے۔ کیونکہ اس کی طرف ضمیر مذکر پلٹ رہی ہے اور تاویل خلاف قاعدہ ہے۔

مرحوم علامہ مجلسیؒ نے مجبوری سے یہ توجیہہ کی ہے۔ حالانکہ فی الجملہ قدرت حق کے تعقل کا امکان اور دیگر صفات کے تعقل کا عدم امکان اور اس کے اور دوسرے صفات کے درمیان فرق کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ اسی لئے مرحوم مجلسیؒ کی نظر میں بھی یہ احتمال موجہ نہیں تھا۔

تَحَاتُّ: جوہری نے کہا ہے اَلْحَتُّ کے معنیٰ ٹہنی سے پتوں کا گرنا ہے اور تحاتّ الشئی کا مطلب تناثر ہے اور اس کے معنیٰ بھی گرنے اور منتشر ہونے کے ہیں۔ حدیث شریف کے لئے جو باتیں مناسب ہیں ہم ان کو چند فصلوں کے ضمن میں بیان کریں گے۔

پہلی فصل

عدم توصیف حق کا مطلب کیا ہے؟

حدیث میں جو یہ آیا ہے کہ: خدا کی توصیف نہیں کی جا سکتی تو اس سے وہ اوصاف مراد ہیں جو اہل جہل و ضلال متکلمین وغیرہ نے جن سے خدا کی توصیف کی ہے اور وہ توصیف تحدید و تشبیہ بلکہ تعطیل (خدا) مستلزم ہے جیسا کہ خود اس حدیث میں (وما قدروا) اللہ حق قدرہ سے اشارہ کیا گیا ہے اور کتاب کافی میں بہت سی روایات کی دلالت توصیف کی ممانعت پر موجود ہے۔

«بِاِسْنَادِهِ عَنْ عَبْدِالرَّحِيمِ بْنِ عَتِيكٍ الْقَصِيرِ قَالَ: كَتَبْتُ عَلَى يَدَيْ عَبْدِالْمَلِكِ بْنِ اَعْيَنَ اِلَى اَبِي عَبْدِاللّٰهِ، عَلَيْهِ السَّلَامُ: اِنَّ قَوْماً بِالْعِرَاقِ يَصِفُونَ اللّٰهَ بِالصُّورَةِ وَبِالتَّخْطِيطِ؛ (خ ل: بِالتَّخَاطِيطِ) فَاِنْ رَاَيْتَ، جَعَلَنِيَ اللّٰهُ فِدَاكَ، اَنْ تَكْتُبَ اِلَيَّ بِالْمَذْهَبِ الصَّحِيحِ فِي التَّوْحِيدِ فَكَتَبَ اِلَيَّ: سَاَلْتَ اِلَيَّ، رَحِمَكَ اللّٰهُ، عَنِ التَّوْحِيدِ وَمَا ذَهَبَ اِلَيْهِ مِنْ قِبَلِكَ. فَتَعَالَى اللّٰهُ الَّذِي لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ،

Presented by www.ziaraat.com

وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ تَعَالٰى عَمَّا وَصَفَهُ الْوَاصِفُوْنَ الْمُشَبِّهُوْنَ اللّٰهَ بِخَلْقِهِ الْمُفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ.»

«فَاعْلَمْ، رَحِمَكَ اللّٰهُ، اَنَّ الْمَذْهَبَ الصَّحِيْحَ فِي التَّوْحِيْدِ مَا نَزَلَ بِهِ الْقُرْآنُ مِنْ صِفَاتِ اللّٰهِ تَعَالٰى. فَانْفِ عَنِ اللّٰهِ الْبُطْلَانَ وَالتَّشْبِيْهَ؛ فَلَا نَفْيَ وَلَا تَشْبِيْهَ هُوَ اللّٰهُ الثَّابِتُ الْمَوْجُوْدُ تَعَالٰى عَمَّا يَصِفُهُ الْوَاصِفُوْنَ. وَلَا تَعْدُوا الْقُرْآنَ فَتَضِلُّوا بَعْدَ الْبَيَانِ. (خ ل: التِّبْيَانِ)»

عبدالرحیم کہتے ہیں: میں نے عبدالملک کے واسطہ سے حضرت امام جعفر صادقؑ کو تحریر کیا: عراق میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو خدا کی توصیف صورت اور تخطیط (یعنی رگ و پے یا شکل و ہیئت) سے کرتے ہیں۔ میں آپ پر فدا ہوں اگر آپ مناسب سمجھتے ہوں تو توحید کے بارے میں صحیح مذہب تحریر فرما دیں۔ اس کے جواب میں حضرتؑ نے تحریر فرمایا: خدا تم پر رحمت نازل کرے۔ تم نے توحید کے بارے میں سوال کیا ہے اور ان لوگوں کے مختار کے بارے میں پوچھا ہے جو تمہارے سامنے ہیں (یعنی اہل عراق) تو سنو وہ خدا بہت بزرگ ہے جس کا کوئی مثل نہیں ہے جو (بغیر آنکھ کے) دیکھتا ہے اور (بغیر کان کے) سنتا ہے۔ توصیف کرنے والے جو اس کے بندوں سے اس کی تشبیہ دیتے ہیں وہ اس سے کہیں بزرگ و برتر ہے۔ یہ لوگ تو خدا پر جھوٹ و افترا باندھتے ہیں۔ لہٰذا "خدا تم پر رحمت نازل کرے" اس کو سمجھ لو کہ توحید کے بارے میں صحیح مذہب وہی ہے جس کو قرآن نے صفات الٰہی کے بارے میں بتایا ہے۔ پس خدا سے بطلان و تشبیہ کی نفی کرو۔ نفی صفات نہ کرو کہ یہ خود بطلان ہے اور نہ خدا کے لئے ایسے صفات ثابت کرو جو شبیہ بمخلوق ہیں۔ کیونکہ یہی تشبیہ ہے۔ وہی اللہ ہے جو ثابت ہے اور موجود ہے۔ توصیف کرنے والوں نے جو اوصاف ثابت کئے ہیں خدا ان سے کہیں بزرگ و برتر ہے۔ قرآن سے تجاوز نہ کرو ورنہ بیان و تعلیم الٰہی کے بعد ضلالت و گمراہی میں پڑ جاؤ گے۔"

اس حدیث میں تامل کرنے اور صدر و ذیل میں صحیح غور و فکر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ توصیف حق کی نفی سے مقصد، صفات میں غور و فکر نہ کرنا اور مطلقاً خدا کی توصیف نہ کرنا نہیں ہے جیسا کہ بعض بزرگ محدثین نے فرمایا ہے؛ کیونکہ اس حدیث میں تعطیل و تشبیہ کی نفی کا حکم دیا ہے جیسا کہ بعض دیگر روایات[۸] میں بھی آیا ہے اور یہ چیز صفات میں تفکر کئے بغیر اور ان کا مکمل علم

Presented by www.ziaraat.com

حاصل کئے بغیر حاصل ہی نہیں ہو سکتی۔ بلکہ امامؑ کا مقصد یہ ہے کہ جو چیز ذاتِ خدا کے لائق نہ ہو اس سے توصیف نہ کریں جیسے صورت و شکل وغیرہ جو مخلوق کے صفات ہیں اس سے توصیف نہ کریں کیونکہ یہ چیزیں امکان و نقص کے لوازمات میں سے ہیں اور خدا ان سے بری و منزہ ہے۔

لیکن خدا کی توصیف ان چیزوں سے کرنا جو اس کی ذات کے لائق و مناسب ہیں اور علومِ عالیہ میں اُن کے صحیح برہان کی میزان ہے "تو یہ بات ایسی ہے جس سے قرآن، سنتِ رسولؐ، احادیث اہل بیت بھری پڑی ہیں (بلکہ) خود حضرت نے بھی اجمالی طریقہ سے اس حدیث میں اس کے میزان صحیح برہانی کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ ویسے اس کے اطراف میں اس وقت بحث کرنا ہمارے مقصد سے خارج ہے۔

اور حضرت صادقؑ نے جو یہ فرمایا ہے:

"توصیف حق میں کتابِ خدا سے خارج نہ ہو" یہ ان لوگوں کے لئے ایک دستور و قاعدہ ہے جو صفات کے میزان کو نہیں جانتے۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ جو صفاتِ خدا قرآن میں ہیں اُن کے علاوہ دوسرے صفات سے اس کی توصیف جائز ہی نہیں ہے۔ اسی لئے خود حضرت نے اپنے مقابل کو قاعدہ بتانے کے باوجود بھی خدا کی توصیف دو ایسی صفتوں اور اسم سے کی ہے جو میری نظر میں قرآن میں نہیں ہے اور وہ ایک تو لفظ "ثابت" ہے دوسرے لفظ "موجود" ہے۔

ہاں اگر کوئی ایسی ناقص عقل کے ساتھ جو اوہام سے ملی ہو اور نورِ معرفت و تائیدِ غیبی الٰہی سے منور نہ ہو خدا کی کسی صفت سے وصف بیان کرنا چاہے تو مجبوراً یا ضلالت تعطیل و بطلان میں واقع ہوگا یا ہلاکت تشبیہ میں مبتلا ہوگا۔ لہٰذا ہم جیسے اشخاص کہ جن کے دلوں پر غلیظ جہالت و خود پسندی و عادتوں اور بُرے اخلاق کے پردے پڑے ہوئے ہیں اُن کے لئے ضروری ہے کہ عالمِ غیب کی طرف دستِ تصرف دراز نہ کریں اور اپنی طرف سے خدا نہ ایجاد کریں کیونکہ اپنے خیال سے جو توہم کریں گے وہ ان کے نفوس کی مخلوق ہوگی (خدا نہ ہوگی)

اور یہ بات بھی ڈھکی چھپی نہ رہ جائے کہ ہم نے جو کہا ہے "ایسے اشخاص عالمِ غیب کی طرف ہاتھ نہ بڑھائیں" اس سے ہمارا مقصد یہ نہیں ہے کہ لوگ جہالت و خود پرستی پر باقی رہیں یا نعوذ باللہ میں ان کو الحاد بہ اسماء اللہ کی دعوت دینا چاہتا ہوں۔ وَذَرُوا الَّذِينَ يُلْحِدُونَ فِي أَسْمَائِهِ یا (ان) معارف سے جو چشم و چراغ اولیائے خدا اور بنیاد و اساس دین و دیانت ہیں روک رہا ہوں۔ بلکہ ان غلیظ حجابوں کے دور کرنے کی یہ دعوت ہے اور اس کی تنبیہ ہے کہ انسان

Presented by www.ziaraat.com

جب تک حُبِّ جاہ و مال، دنیا و نفس اور اپنی ذات کی طرف، مؤلف کی طرح جہالت و ضلالت و خود بینی و خود پسندی میں مبتلا رہے گا (اور یہ چیزیں تمام ظلمانی حجابوں میں سب سے زیادہ غلیظ ہیں) معارفِ حقہ کے حصول اور مقصودِ اصلی تک وصول سے محروم رہے گا اور اگر خدانخواستہ خدا کی طرف سے غیبی دستگیری یا اس کے اولیائے کامل کی مدد شاملِ حال نہ ہو تو معلوم نہیں اس کا امر کہاں تک منتہی ہو اور اس کی انتہائے حرکت اور غایت سیر کیا ہو۔ "اَللّٰھُمَّ اِلَیْکَ الْمُشْتَکٰی وَاَنْتَ الْمُسْتَعَانُ"۔[۱۰]

دیارِ جہالت کے ہم لوگ سرگشتہ، صحرائے ضلالت کے متحیر و پریشان، خودی و خود پرستی میں سرگرم، ہم جیسے حضرات جو اس ظلمت کدۂ ملک و طبیعت میں آئے اور چشمِ بصیرت نہ کھولی اور تیرے جمالِ زیبا کو چھوٹے بڑے آئینوں میں نہ دیکھا اور نہ ہی تیرے نورِ ظہور کو آسمانوں اور زمینوں کے اطراف میں چمگادڑ صفت بن کر مشاہدہ کیا اور زمانہ میں چشمِ کور و دلِ مہجور کے ساتھ زندگی بسر کی اور غفلت و نادانی کی صورت میں پوری عمر صرف کر دی۔ اگر خدا کا لطف بے پایاں اور غیر متناہی رحمت ہماری مدد نہ کرتی اور دل کے اندر سوز و گداز اور قلب میں (محبت کی) چنگاری نہ پیدا کرتی اور روحانی جذبہ نہ عطا کرتی تو ہم تا ابد اسی تحیر میں رہتے اور کسی جگہ نہ پہونچ سکتے۔ لیکن "ما ھٰکَذَا الظَّنُّ بِکَ۔" "تیری نعمتیں تو بے مانگے ملی ہیں اور تیری رحمتیں بے سابقہ ہیں۔ پروردگارا اپنا فضل و کرم فرما ہماری مدد کر، اپنے جلال و جمال کے انوار کی ہدایت کر، ہمارے قلوب کو اپنے اسما و صفات کے نور سے منور و روشن فرما:

اسما و صفات کی حقیقت کا علم ناممکن ہے

یہ بات واضح ہو جانی چاہیئے کہ خدا کے اوصاف کی حقیقت کا ادراک اور ان اوصاف کا احاطہ اور ان کی کیفیت کا علم ایک ایسی چیز ہے جس کی بلندی تک دستِ برہان کی رسائی کوتاہ اور جس کے مغز تک عارفوں کی پہونچ غیر ممکن ہے۔ برہانی نقطۂ نظر سے اور حکمتِ رسمی کے علما کے نظریہ تفکر سے یا اسما و صفات کے مباحث میں ارباب اصطلاحاتِ عرفانی نے جو کچھ بھی ذکر کیا ہے وہ سب اُن کے مسلک کے اعتبار سے صحیح اور برہانی ہے لیکن خود علم ایک دبیز قسم کا حجاب ہے۔ جب تک تقوائے کامل اور شدید ریاضت و انقطاع تام اور خدا کی بارگاہ میں صادق مناجات

Presented by www.ziaraat.com

کے ساتھ توفیقاتِ الٰہی کے ذریعہ اس پردے کو چاک نہ کیا جائے سالک کے قلب میں جلال و جمال کے تجلیات طلوع نہ ہوں گے اور قلب مہاجر الی اللہ مشاہدۂ غیبیہ اور تجلیات اسمائی و صفاتی کے حضور عیانی پر تجلیاتِ ذاتی کا تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ فائز نہیں ہو سکتا لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ انسان طلب و بحث سے جو خود تند کر حق ہے۔ باز رہے کیونکہ بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ علومِ حقہ کا بیج بوئے بغیر اس کے معین شرائط کے ساتھ۔ معرفت کا شجرۂ طیبہ قلب میں روئیدہ ہو یا پھر ثمر آور ہو۔ اس لئے شروع میں انسان کو چاہیئے کہ تمام شرائط اور متممات کے ساتھ علمی ریاضتوں سے دست کش نہ ہو۔ کیونکہ کہا گیا ہے: «اَلْعُلُومُ بَذْرُ الْمُشَاهِدَاتِ.» ۱۲ علوم مشاہدات کے بیج ہوا کرتے ہیں اور اگر بعض موانع کی وجہ سے علوم اس عالم میں انسان کو بھرپور نتیجہ نہ دے سکیں تو دوسرے عوالم میں دل پسند نتائج دیں گے۔ مگر سب سے عمدہ اور اچھی چیز مقدمات و شرائط کا بجالانا ہے۔ بعض سابق حدیثوں کی شرح میں ہمیں نے بعض شرائط کو بیان کر دیا ہے۔

دوسری فصل

انبیا و اولیا کی روحانیت کی حقیقت کا علم قدرتِ فکر سے حاصل نہیں ہوتا

انبیائے کرام و ائمہ معصومین علیہم السلام خصوصاً حضرت ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقامِ کمال اور ان کے روحانیت کی معرفت غور و فکر اور سیر انفس و آفاق سے ممکن نہیں ہے۔ کیونکہ یہ حضرات انوارِ غیبیہ الٰہیہ ہیں اور خدا کی جلال و جمال کی روشن نشانیاں ہیں اور مظاہر تامہ ہیں اور سیر معنوی و سفر الی اللہ کے سلسلہ میں فنائے ذاتی کی غایۃ القصویٰ اور قابِ قوسین او ادنیٰ کے انتہائے عروج پر فائز ہیں۔ اگرچہ صاحبِ مقام بالذات خاتم المرسلین ہیں اور دیگر حضرات اس ذاتِ مقدس کے عروج میں تابع ہیں۔

میں اس وقت حضورِ سرورِ کائنات کی کیفیت سیر اور آنحضرتؐ کی معراج روحانی اور دوسرے

Presented by www.ziaraat.com

انبیاء اولیائے کرام کے معراج کو بیان کرنے کے درپے نہیں ہوں۔ صرف ایک حدیث "جو ان حضرات کی نورانیت کے سلسلہ میں وارد ہوئی ہے" کے بیان پر اکتفا کرتا ہوں۔ کیونکہ ان کی نورانیت کا ادراک بھی باطنی نورانیت اور جذبۂ الٰہی کا متقاضی ہے۔

"کافی باسنادہ عن جابر، عن ابی جعفر، علیہ السلام، قال: سألتہ عن علم العالم. فقال لی: یا جابر انّ فی الانبیاء والاوصیاء خمسۃ ارواح: روح القدس، وروح الایمان، وروح الحیاۃ، وروح القوۃ، وروح الشہوۃ. فبروح القدس، یا جابر عرفوا ما تحت العرش الی ما تحت الثری. ثم قال: یا جابر انّ ہذہ الاربعۃ ارواح یصیبہا الحدثان، الا روح القدس؛ فانہا لا تلہو ولا تلعب."[۱۲]

جابر کہتے ہیں: "میں نے امام محمد باقرؑ سے عالم کے علم کے بارے میں پوچھا تو حضرتؑ نے فرمایا: اے جابر انبیا اور اوصیا میں پانچ روحیں ہوتی ہیں، ۱:۔ روح القدس ۲:۔ روح الایمان، ۳:۔ روح الحیوٰۃ ۴:۔ روح القوۃ ۵:۔ روح الشہوۃ، اے جابر روح القدس کے ذریعہ عرش سے لے کر زیر فرش تک کے سارے امور و مطالب کو (یہ حضرات) جانتے ہیں۔ پھر فرمایا: اے جابر ان چاروں روحوں کو آفت (و مصیبت) لاحق ہوتی ہے مگر روح القدس وہ لہو و لعب میں کبھی مبتلا نہیں ہوتی۔"

"وباسنادہ عن ابی بصیر، قال: سألت ابا عبداللہ، علیہ السلام، عن قول اللہ تبارک وتعالی: "وکذلک اوحینا الیک روحاً من امرنا ما کنت تدری ما الکتاب ولا الایمان."[۱۳] قال: خلق من خلق اللہ تبارک وتعالی، اعظم من جبرئیل ومیکائیل؛ کان مع رسول اللہ، صلی اللہ علیہ وآلہ، یخبرہ ویسددہ. وہو مع الائمۃ من بعدہ، صلوات اللہ علیہم."[۱۴]

ابوبصیر کہتے ہیں: "میں نے امام جعفر صادقؑ سے "وکذلک اوحینا الیک الخ" کے بارے میں پوچھا کہ: "ایسی طرح ہم نے روح کو اپنے حکم سے تمہاری طرف بھیجا (جبکہ تم نہیں جانتے تھے کتاب و ایمان کیا ہے" اس کا کیا مفہوم ہے؟ تو امامؑ نے فرمایا: "روح خدا کی مخلوقات میں ایسی

Presented by www.ziaraat.com

مخلوق ہے جو جبرئیل و میکائیل سے بھی بڑی ہے اور یہ رسولؐ خدا کے ساتھ رہا کرتی تھی ان کو خبر دیا کرتی تھی رسولؐ کے بعد وہ ائمہؑ کے ساتھ رہتی ہے۔"

پہلی حدیث سے معلوم ہوا کہ انبیاء و اوصیا کی روحانیت بہت ہی بلند ہے جس کی تعبیر (روح القدس) سے کی گئی ہے اور اسی مقام کی وجہ سے وہ حضرات تمام ذرات کائنات پر احاطۂ علمی قیومی رکھتے ہیں اور اس روح کے اندر غفلت، نیند، سہو و نسیان و دیگر حوادث امکانیہ و تجددات و نقائص مُلکیہ (کا امکان) نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق عالم غیب مجرد اور جبروتِ اعظم سے ہے۔

اور دوسری حدیث سے معلوم ہوا کہ وہ روح مجرد کامل جبرئیل و میکائیل، جو مقام قرب جبروت کے رہنے والوں میں سب سے زیادہ عظیم ہیں، سے بھی اعظم ہے۔ البتہ وہ خاصانِ خدا جن کی طینت کی تخمیر خود دستِ قدرتِ جمال و جلال نے کیا ہو اور ان کے کامل آئینوں میں تمام اسماء و صفات و مقامِ احدیت کی تجلی ذاتی اوّلی کا ظہور ہوا ہو اور ان کو خلوت گاہ غیب ھویت میں اسماء و صفات کے حقائق کی تعلیم دی گئی ہو، ان کے دامنِ کبریائے جلال و جمال تک اہلِ معرفت کے دستِ اُمید کی رسائی اور اصحابِ قلوب کے پائے معرفت کا ان کے اوجِ کمال تک وصول غیر ممکن الحصول ہے۔ (چنانچہ) حدیثِ نبوی میں ہے "عَلِيٌّ مَمْسُوسٌ فِي ذَاتِ اللّٰهِ تَعَالٰى"۔

مؤلف کتاب نے مقامِ نبوت و ولایت کے بارے میں بہت مختصر سا تعارف گزشتہ زمانہ میں اپنی کتاب "مصباح الہدایہ" ۱۷ میں اسی طرح کرایا ہے جس طرح چمگادڑ آفتاب عالمتاب کا تعارف کرانا چاہتا ہے۔

تیسری فصل

حدیث کے اس فقرے میں "كَيْفَ يُوصَفُ، عَبْدٌ اِحْتَجَبَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ بِسَبْعٍ" "اس بندے کی توصیف کیونکر ممکن ہو سکتی ہے جس کو خدا نے سات حجابوں میں چھپا رکھا ہے" علماء نے کئی احتمالات بیان کئے ہیں۔ میں بعض کا تذکرہ کرتا ہوں۔

۱ ـــــ اس احتمال کو محدث عارف کامل مرحوم فیض کاشانی نے بیان کیا ہے کہ خداوندِ عالم کے نور و ظلمت کے ستر ہزار حجاب حدیث میں وارد ہوئے ہیں۔

Presented by www.ziaraat.com

اگر ان کو ہٹا دیا جائے تو جہاں تک آنکھ دیکھ سکتی ہے ان سب کو انوار جمالِ الٰہی خاکستر کر دیتے۔
بنابریں احتمال ہے کہ "اِحْتَجَبَ اللّٰهُ بِسَبْعٍ" کا مطلب یہ ہو کہ سارے حجابات اٹھا دیئے گئے صرف سات حجاب باقی ہیں ۱۸ اس صورت میں تقدیر عبارت اس طرح ہوگی "اِحْتَجَبَ اللّٰهُ عَنْهُ بِسَبْعٍ۔" اور لفظِ (اللہ) فاعل واقع ہوگا۔

اور شاید تمام احتمالات میں یہ احتمال سب سے زیادہ مناسب ہو لیکن اس میں (لفظاً و معنیً دونوں طرح) مناقشہ ہے۔ لفظی مناقشہ تو یہ ہے کہ تعریف و توصیف کے مقام پر مناسب یہ تھا کہ اس طرح تعبیر کی جاتی "مَا احْتَجَبَ عَنِ اللّٰهِ (الّا) بِسَبْعٍ یا مَا احْتَجَبَ اللّٰهُ عَنْهُ (الّا) بِسَبْعٍ" دوسرے لفظوں میں اس کو یوں کہا جا سکتا ہے کہ کمال پیغمبر اور ان کی توصیف نہ کر سکتا ان حجابوں کے نہ ہونے کی وجہ سے ہے نہ یہ کہ سات حجابوں کی وجہ سے توصیف نہیں ہو سکتی۔ پس مناسب تھا کہ اس کو (عدم حجاب) ذکر فرماتے۔

اور معنوی مناقشہ یہ ہے کہ بظاہر یہ حجابات جو خدا کے لئے نورِ ظلمت کے ہیں یہ خلقی حجاب ہیں اسمائی و صفاتی حجاب نہیں ہیں۔ پس اس کا لازمہ یہ ہوگا کہ نورِ رسولِ پاک سے اقرب کوئی اور خلق ہو حالانکہ مسلم ہے کہ آنحضرتؐ کی ذات مبارک اوّل مخلوق اور حجابِ اقرب ہے بلکہ آنحضرتؐ کے لئے تو کوئی اسمائی یا صفاتی حجاب بھی نہیں ہے جیسا کہ اپنی جگہ پر ثابت ہے۔ اسی طرح مقامات اور حضور کے لطائف سبعہ بھی خود ان کے لئے حجاب نہیں ہیں۔

۲ ـــــ دوسرا احتمال وہ ہے جس کو علامہ مجلسیؒ نے معقول سمجھا ہے اور اس کو بعض دیگر سے بھی نقل فرمایا ہے اور وہ یہ ہے کہ یہ جملہ "کیف یوصف عبد الخ" بطور مقدمہ ذکر کیا گیا ہے اور مقصد یہ ہے کہ آنحضرتؐ کی توصیف ۱۹ بعد والے جملوں سے کی جائے یعنی "اس بندے کی توصیف کیونکر ممکن ہے جس کو خدا نے بندوں سے سات پردوں کے پیچھے چھپا رکھا ہو اور جس کی اطاعت کو زمین میں اپنی اطاعت کی طرح آسمان میں قرار دیا ہو جیسے کوئی بادشاہ اپنے رعایا سے سات حجابوں کے بعد بیٹھتا ہو اور رعایا کے لئے اس تک پہونچنا ممکن نہ ہو مگر یہ کہ وہ بادشاہ اپنے ایک وزیر کو رعایا کے لئے واسطہ قرار دیدے اور اس کو رعایا کی طرف بھیج دے اور ان کو لکھ دے کہ اس وزیر کا حکم میرا حکم ہے۔ اور سات حجاب سے مراد ساتوں آسمان ہیں کہ ان کے پیچھے سے خدا کی وحی رسولؐ کے واسطہ سے ہم تک پہونچا کرتی ہے ایک اور احتمال اسی کے قریب دیا ہے مگر اس میں سات حجاب سے مراد حجب نوریہ اسمائیہ لیا گیا ہے ۲۰ اس احتمال

Presented by www.ziaraat.com

میں اگرچہ مناقشہ معنوی تو نہیں ہے لیکن بحسب لفظ و مقام توصیف یہ بھی بعید ہے بلکہ سابق سے زیادہ بعید ہے۔

اس جگہ ایک اور احتمال بھی ہے جو معنیٰ کے اعتبار سے صحیح و دلچسپ ہے اور بحسب مقام بھی مناسب ہے مگر اس احتمال کی صحت دو باتوں میں سے کسی ایک پر مبنی ہے اور وہ دونوں یہ ہیں۔

۱۔ احتجب متعدی ہو اور (حَجَبَ) کے معنیٰ میں استعمال ہوا ہو۔

۲۔ اور یا اس کا (ب) سے متعدی کرنا جائز ہو اور دونوں صورتوں میں مفعول مقدر ہو۔ اب اگر ان دونوں میں سے کوئی ایک بات صحیح مان لی جائے تو وہ احتمال یہ ہے اس بندے کی توصیف کیونکر ممکن ہے جس کو خدا نے سات حجابوں میں چھپائے رکھا ہو اور اس کے جمال و روحانیت کے لئے "جو مشیت کے ہم افق ہے" مرتبۂ طبیعت سے مشیت مطلقہ کے مرتبہ تک سات حجاب قرار دیئے ہوں یا خود آنحضرتؐ کے مرتبۂ ملک طبیعت سے مقام غیب ھویت تک (سات حجاب قرار دیئے ہوں) لیکن (مشکل یہ ہے کہ) لغت اور استعمالات میں احتجب کے متعدی ہونے پر مجھے کوئی شاہد نہیں ملا۔ اگرچہ بعض علمائے ادب نے فرمایا ہے کہ (ب) سے متعدی کرنے میں کوئی مانع نہیں ہے۔ «وَالْعِلْمُ عِنْدَاللّٰهِ؛ وَلَعَلَّ اللّٰهُ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا.» ۲۱

چوتھی فصل

تفویض اَمر بہ رسولؐ خدا کا مطلب جیسا کہ اس حدیث اور دیگر احادیث میں بھی اس پر دلالت موجود ہے

اس بات کو سمجھ لو کہ تفویض کا ایک مطلب تو یہ ہے جو جبر و تفویض کی بحث میں بیان کیا جاتا ہے اور وہ یہ ہے کہ خدا عالم غیب و مجرد کی انتہائے تخلیق سے عالم خلق و تکوین کی انتہا سے انتہا تک کسی بھی امر کو نعوذ باللہ اپنے تصرف قیومی سے معزول کر کے اس امر کو کسی بھی موجود کے خواہ وہ کامل و تام و روحانی اور صاحب ارادہ و اختیار ہو یا موجود طبعی و مسلوب الشعور و الارادہ ہو، حوالہ

Presented by www.ziaraat.com

کردے کہ وہ موجود اس امر میں مستقل تصرف تام رکھے اور اس معنیٰ کے اعتبار سے تفویض نہ تو امور تشریعی میں اور نہ امور تکوینی میں ممکن ہے اور نہ سیاست عباد اور نہ تادیب عباد میں کسی کسی کے لئے ممکن ہے اور یہ تفویض واجب میں مستلزم نقص و امکان ہے اور ممکن میں باعث نفی احتیاج و امکان ہے۔

اور اس تفویض کے مقابلہ میں "جبر" ہے۔ جس کا مطلب تمام مراتب وجود سے آثار خاصہ کا سلب کرنا ہے اور ایک دم سے اسباب و مسببات کی نفی کرنا اور وسائط کا ساقط کر دیتا ہے اور یہ جبر بھی مطلقاً باطل اور برہان قوی کے مخالف ہے اور یہ بھی افعال مکلفین سے مخصوص نہیں ہے جیسا کہ مشہور ہے۔ بلکہ اس معنیٰ سے جبر و تفویض کی نفی خدا کی وہ سنت ہے۔ جو تمام مراتب وجود اور مشاہد غیب و شہود میں جاری ہے۔ لیکن اس کی تحقیق اس کتاب کے وظیفہ سے خارج ہے اور جو روایات جبر و تفویض کی نفی کرتی ہیں وہ تفویض کے اسی معنیٰ پر محمول ہیں۔

اور جو روایات تفویض کو ثابت کرتی ہیں۔ خواہ بعض احکام کی تشریع ہو جیسے کافی کی وہ روایت جس میں امام محمد باقرؑ نے فرمایا ہے: رسولِ خدا نے آنکھ اور نفس کی دیت معین فرمائی اور نبیذ (جو کی شراب) اور ہر نشہ آور شئی کو حرام قرار دیا ہے۔ ایک شخص نے پوچھا: کیا کوئی چیز (یعنی وحی) آئے بغیر خود سے حرام کیا ہے؟ فرمایا: ہاں تاکہ معلوم ہو جائے کہ کون رسولِ خدا کی اطاعت کرتا ہے اور کون معصیت کرتا ہے۔[۲۴] یا جیسے نمازوں میں چند رکعتوں کا اضافہ کرنا[۲۴] اور ماہ شعبان کے روزوں کا مستحب کرنا یا ہر ماہ[۲۴] کے تین دن کے روزوں کا مستحب کرنا۔ یا مخلوق کے مطلق امور کی تشریع ہو جیسا کہ دیگر روایات میں ہے مثلاً کافی کی روایت:

«كافي: بإسنادِهِ عَنْ زُرارَةَ قالَ سَمِعْتُ اَبا جَعْفَرٍ، عَلَيْهِ السَّلامُ، وَاَبا عَبْدِاللّٰهِ، عَلَيْهِ السَّلامُ، يَقُولانِ: اِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ فَوَّضَ اِلى نَبِيِّهِ اَمْرَ خَلْقِهِ لِيَنْظُرَ كَيْفَ طاعَتُهُمْ. ثُمَّ تَلا هٰذِهِ الآيَةَ: «ما آتيكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَما نَهيكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا.»[۲۵]

زرارہ کہتے ہیں میں نے امام محمد باقرؑ اور امام جعفر صادقؑ کو فرماتے ہوئے سنا: خدا نے اپنے نبی کے سپرد اپنی مخلوق کے امور کر دیئے تاکہ ان کی اطاعت کو دیکھے پھر اس آیت کی تلاوت

Presented by www.ziaraat.com

فرمائی: رسولؐ جس کا حکم دیں اس کو بجالاؤ اور جس سے روک دیں اس سے باز آجاؤ۔"

اور دیگر روایات جو اسی مضمون کے قریب ہیں وہ دوسرے معنیٰ پر محمول ہیں۔

علمائے اعلام نے (اس سلسلہ میں) چند وجوہ اور چند محامل کا ذکر فرمایا ہے (ان میں سے) ایک یہ ہے: محدث خبیر مجلسیؒ نے ثقۃ الاسلام کلینی سے اور اکثر محدثین سے جس کو نقل فرمایا ہے اور خود بھی اس کو اپنا مختار قرار دیا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ خداوند عالم نے رسولِ اکرمؐ کو اس طرح مکمل کرنے کے بعد کہ آنحضرتؐ کسی ایسی چیز کو اختیار نہ کریں جو حق و صواب کے موافق نہ ہو اور (اسی طرح) آنحضرتؐ کے دل میں کوئی ایسی چیز خطور نہ کرے جو خواست خدا کے مخالف ہو" بعض امور کی تعیین تفویض فرمائی۔ مثلاً واجب نمازوں کی رکعتوں میں اضافہ کرنا نماز و روزہ میں نوافل کا معین کرنا وغیرہ اور یہ تفویض بارگاہِ اقدسِ الٰہی میں حضور کی کرامت و شرف کے اظہار کے لئے ہے اور آنحضرتؐ کی اصل تعیین اور ان کا اختیار وحی والہام کے علاوہ کسی اور طریقہ سے نہیں ہے۔ پھر جب آنحضرتؐ کسی چیز کو اختیار کر لیتے ہیں تو وحی کے ذریعہ[۳۶] اس کی تاکید ہو جاتی ہے۔ علامہ مجلسیؒ نے اسی وجہ کے قریب قریب کچھ دوسرے وجوہ بھی شمار کرائے ہیں۔ (مثلاً) امرِ سیاست و تعلیم و تادیب مخلوق آنحضرتؐ کے تفویض کی گئی۔ یا بیان احکام اور اس کا اظہار حضرت کے تفویض کیا گیا، یا مصالح اوقات کے پیشِ نظر اس کا عدم اظہار" مثلاً تقیہ کے وقت" رسولؐ اور ائمہ کے لئے تفویض کیا گیا[۳۷] لیکن ان بزرگوں نے جو وجوہ و اسباب بیان کئے ہیں ان میں سے کسی میں بھی بطور ضابطہ برہانیہ تفویض امر کی ایسی کیفیت نہیں بیان کی گئی ہے جو اصولِ عقلہ سے منافات نہ رکھتی ہو۔

اسی طرح اس تفویض (جائز) اور اس تفویض (محال) میں کوئی فرق نہیں بیان کیا گیا۔ بلکہ علما کے کلمات سے خصوصاً مجلسیؒ کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر مطلق امر ایجاد، امانت و رزق و احیا خدا کے علاوہ کسی اور کے ہاتھوں انجام پائے تو یہ تفویض ہے اور اس کا قائل کافر ہے اور کوئی بھی صاحب عقل اس کے کفر میں شک نہ کرے گا اور (ان حضرات علما نے) کرامات و معجزات کو مطلقاً از قبیل استجابت دعا قرار دیا ہے اور ان امور کا فاعل خدا کو قرار دیا ہے البتہ تفویض تعلیم و تربیت خلق، انفال و خمس کا دینا یا نہ دینا اور بعض احکام کا جعل کرنا اس کو صحیح اور جائز قرار دیا ہے۔ لیکن یہ بحث ان مباحث میں سے ہے جن کے سلسلہ میں تنقیح کم ہوئی ہے چہ جائیکہ کسی میزانِ صحیح کے تحت بیان کئے گئے ہوں۔ شاید مطلب کے ایک گوشہ کو لے کر اس سے بحث

Presented by www.ziaraat.com

کی ہے۔ مؤلف کتاب اپنے دست کوتاہ اور قلت استعداد و اطلاع و کاغذ پارہ و شکستہ قلم کے ساتھ اس وادیٔ حیرت انگیز میں از روئے مقدمات قدم نہیں رکھ سکتا۔ لیکن ایک اجمالی اشارہ بطور تنبیہ الربان کرنے پر مجبور ہوں اور اظہار حق کے بغیر کوئی چارہ بھی نہیں ہے۔

تفویض کے معنیٰ کی طرف اجمالی اشارہ

یہ جان لینا چاہیئے کہ تفویض محال (کا مطلب) یہ ہے کہ خدا کے ہاتھ بندے ہوتے اور بندے کے ارادہ کو مستقل اور تاثیر قدرت کو تسلیم کر لیں سے اور اس سلسلہ میں چھوٹے و بڑے امور میں کسی فرق کے قائل نہ ہوں۔ اس لئے زندہ کرنا، موت عطا کرنا، ایجاد کرنا، کسی شئی کو معدوم کر دینا ایک عنصر کو دوسرے عنصر میں بدل دینا یہ (سب چیزیں) تفویض نہیں ہے۔ اور تنکے، پتے کو حرکت دینا بھی تفویض نہیں ہے چاہے ملک مقرب یا نبی مرسل کے ذریعے سے ہی ہو، عقول مجردہ اور ساکنین جبروت اعلیٰ سے لے کر ہیولائی اولیٰ تک اسی طرح ہے۔

اور کائنات کا ہر ذرہ خدا کے ارادۂ کاملہ کا تابع فرمان ہے۔ کسی بھی امر میں کسی بھی طرح اختیار نہیں رکھتا اور سب کے سب اپنے وجود اور کمال وجود میں، حرکات و سکنات میں ارادہ و قدرت (بلکہ) تمام شئون میں محتاج و فقیر بلکہ فقر محض اور محض فقر ہیں اور یہ حقیقت ہے کہ خدا کی قیومیت اور بندوں کے احتیاج اور ارادۂ الٰہی کے ظہور و نفوذ اور امور عظیمہ و صغیرہ کے درمیان سرمو میں کوئی فرق نہیں ہے۔ چنانچہ ہم جیسے ضعیف و ناتواں خدا کے بندے جس طرح چھوٹے موٹے اعمال پر قادر ہیں۔ مثلاً حرکت و سکون و دیگر افعال اسی طرح اس کے خاص بندے اور ملائکہ مجردہ بڑے بڑے افعال پر قادر ہیں جیسے زندگی عطا کرنا، موت دینا، رزق، ایجاد، اعدام وغیرہ اور جس طرح ملک الموت پر موکل ہیں اور ان کا لوگوں کی زندگی کا ختم کر دینا از قبیل استجابت دعا نہیں ہے اور جناب اسرافیل کا زندگی پر موکل ہونا از قبیل استجابت دعوت نہیں ہے اور تفویض باطل بھی نہیں ہے۔ اسی طرح اگر کوئی ولی کامل اور قوی پاکیزہ نفس والا جیسے انبیاء و اولیاء، موت و حیات، اعدام و ایجاد پر خدا کی دی ہوئی قدرت کی بنا پر قادر ہوں تو یہ تفویض محال نہیں ہے اور

Presented by www.ziaraat.com

نہ اس کو باطل شمار کرنا چاہیئے۔ (اسی طرح) بندوں کے امور کو کسی ایسی کامل روحانیت کے سپرد کر دینا جس کی مشیت خدا کی مشیت میں فنا ہو، جس کا ارادہ، ارادۂ الٰہی کا ظل ہو، جس کا ارادہ عین ارادۂ خدا ہو، جس کی ہر حرکت نظام اصلح کے مطابق ہو خواہ وہ خلق و ایجاد سے متعلق ہو خواہ تشریع و تربیت سے اس میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ بلکہ حق ہے اور یہ درحقیقت تفویض بھی نہیں ہے جیسا کہ اس مطلب کی طرف اشارہ ابن سنان کی حدیث میں ہے جو اس کے بعد والی فصل میں ذکر کی جائے گی۔

خلاصہ یہ ہوا کہ پہلے معنیٰ کے اعتبار سے تفویض کسی امر میں جائز نہیں ہے اور مضبوط ترین دلیلوں کے خلاف ہے اور دوسرے معنیٰ کے اعتبار سے تمام امور میں جائز ہے بلکہ نظام بغیر اسباب و مسببات کی ترتیب کے درست ہی نہ ہوگا۔

«اَبَیَ اللّٰهُ اَنْ یُجْرِیَ الْاُمُوْرَ اِلَّا بِاَسْبَابِهَا.»[۳۸] "خدا یہی چاہتا ہے کہ تمام امور اپنے اسباب سے جاری ہوں" یہ تمام مطالب جو اجمالاً ذکر کئے گئے برہانی ہیں اور میزان صحیح برہانی اور ذوق و مشرب عرفانی اور سمعی شواہد کے مطابق ہیں۔

وَاللّٰهُ الْهَادِي.

پانچویں فصل

مقاماتِ ائمہؑ کی طرف اشارہ

اہل بیت عصمت و طہارت کے لئے سیر معنوی الی اللہ کے سلسلہ میں وہ روحانی بلند مقامات حاصل ہیں جن کا علماً ادراک بھی طاقت بشری سے خارج اور ارباب عقول کی عقلوں و اصحاب عرفان کے شہود سے بہت بالا ہیں اور حدیثوں سے ثابت ہے کہ مقام روحانیت میں رسول اکرمؐ کے شریک ہیں اور ان کے انوار مقدسہ عوالم مخلوق کی تخلیق سے بہت پہلے ذات خدا کی تسبیح و تحمید میں مشغول تھے۔ (مثلاً) کافی میں محمد بن سنان سے روایت ہے وہ کہتے ہیں:

«كَافِي بِاِسْنَادِهِ عَنْ مُحَمَّدِبْنِ سِنَانٍ قَالَ كُنْتُ عِنْدَاَبِي جَعْفَرِ الثَّانِي،

Presented by www.ziaraat.com

عَلَيْهِ السَّلَامُ، فَاَجْرَيْتُ اخْتِلَافَ الشِّيعَةِ، فَقَالَ: يَا مُحَمَّدُ اِنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى لَمْ يَزَلْ مُتَفَرِّدًا بِوَحْدَانِيَّتِهٖ، ثُمَّ خَلَقَ مُحَمَّدًا وَعَلِيًّا وَفَاطِمَةَ فَمَكَثُوا اَلْفَ دَهْرٍ، ثُمَّ خَلَقَ جَمِيعَ الْاَشْيَاءِ فَاَشْهَدَهُمْ خَلْقَهَا وَاَجْرٰى طَاعَتَهُمْ عَلَيْهَا وَفَوَّضَ اُمُورَهَا اِلَيْهِمْ؛ فَهُمْ يُحِلُّونَ مَا يَشَاؤُونَ وَيُحَرِّمُونَ مَا يَشَاؤُنَ؛ وَلَنْ يَشَاؤُوا اِلَّا اَنْ يَشَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى. ثُمَّ قَالَ يَا مُحَمَّدُ هٰذِهِ الدِّيَانَةُ الَّتِي مَنْ تَقَدَّمَهَا مَرَقَ؛ وَمَنْ تَخَلَّفَ عَنْهَا مُحِقَ؛ وَمَنْ لَزِمَهَا لَحِقَ. خُذْهَا اِلَيْكَ يَا مُحَمَّدُ»

میں حضرت ابو جعفر ثانیؑ کی خدمت میں موجود تھا اور میں نے شیعوں کے اختلاف کا ذکر چھیڑ دیا تو حضرت نے فرمایا: اے محمد خدا ہمیشہ اپنی وحدانیت میں متفرد رہا۔ پھر اس نے محمدؐ و علیؑ و فاطمہؑ کو خلق فرمایا پھر یہ حضرات ایک ہزار زمانہ تک ٹھہرے رہے تب خدا نے اشیا کو پیدا کیا اور اشیا کی پیدائش پر ان کو شاہد بنا کر ان کی اطاعت کو ہر چیز پر واجب قرار دیا اور اشیا کے امور ان کے حوالہ کر دیا۔ لہٰذا ان کو حق ہے جو چاہے حلال کریں اور جس چیز کو چاہیں حرام کریں البتہ یہ اسی چیز کو چاہیں گے جس کو خدا چاہے گا اس کے بعد فرمایا: اے محمدؐ یہی (اصل) دین ہے جو اس سے آگے بڑھا وہ دین سے خارج ہو گیا اور جو اس سے پیچھے (یعنی منکر ہوا) رہ گیا وہ مٹ گیا اور جو اس قاعدہ پر باقی رہا وہی حق سے ملحق ہوا۔ اے محمد اس کو مضبوطی سے پکڑ لو۔"

کافی ہی میں مفضل سے روایت ہے وہ کہتے ہیں:

«وَبِاِسْنَادِهٖ عَنِ الْمُفَضَّلِ قَالَ قُلْتُ لِاَبِي عَبْدِاللّٰهِ، عَلَيْهِ السَّلَامُ: كَيْفَ كُنْتُمْ حَيْثُ كُنْتُمْ فِي الْاَظِلَّةِ؟ فَقَالَ: يَا مُفَضَّلُ، كُنَّا عِنْدَ رَبِّنَا، لَيْسَ عِنْدَهُ اَحَدٌ غَيْرُنَا فِي ظُلَّةٍ خَضْرَاءَ نُسَبِّحُهُ وَنُقَدِّسُهُ وَنُهَلِّلُهُ وَنُمَجِّدُهُ؛ وَمَا مِنْ مَلَكٍ مُقَرَّبٍ وَلَا ذِي رُوحٍ غَيْرِنَا حَتّٰى بَدَا لَهُ فِي خَلْقِ الْاَشْيَاءِ فَخَلَقَ مَا شَاءَ كَيْفَ شَاءَ مِنَ الْمَلَائِكَةِ وَغَيْرِهِمْ؛ ثُمَّ اَنْهٰى عِلْمَ ذٰلِكَ اِلَيْنَا.»[۲]

میں نے امام جعفر صادقؑ سے عرض کیا: آپ حضرات زیر سایۂ الٰہی کیونکر تھے؟ فرمایا: اے مفضل ہم اپنے رب کے پاس اس وقت ایک "ظلۂ خضراء" میں تھے جب کوئی بھی وہاں ہمارے علاوہ نہ تھا۔ ہم خدا کی تسبیح و تقدیس و تہلیل و تمجید کرتے تھے۔ اس وقت ہمارے علاوہ نہ کوئی

Presented by www.ziaraat.com

ملک مقرب موجود تھا نہ کوئی دوسرا ذی روح یہاں تک کہ خدا نے اشیا کو پیدا کرنے کا ارادہ کیا پھر اس نے جس طرح چاہا اور جس کو چاہا ملائیکہ وغیرہ کو پیدا کیا پھر ان سب کا علم ہمارے سپرد کیا۔"

اور وہ حدیثیں جو تخلیق طینت ابدان اور خلق ارواح اور ان کے قلوب اور جو حدیثیں ان حضرات کو اسم اعظم دیئے جانے اور خزانۂ غیب الٰہی سے مخصوص علوم کے مرحمت کئے جانے پر دال علوم انبیا و ملائیکہ اور اس سے بھی بالاتر علوم، جو ہمارے اور تمہارے تصور میں بھی نہیں آسکتے کے دیئے جانے پر اور وہ حدیثیں جو ان حضرات کے فضائل پر دلالت کرنے والی ہیں اور اصحاب کے معتبر کتابوں میں جا بجا پھیلی ہوئی ہیں خصوصاً کافی میں اس قدر ہیں کہ عقلیں دنگ رہ جاتی ہیں اور خود ان ذوات مقدسہ کے علاوہ کوئی بھی ان کے اسرار و حقائق پر آگاہ نہیں ہو سکتا۔ خود اس حدیث میں جسکی میں شرح کر رہا ہوں صرف ایک فضیلت کی طرف اشارہ فرمایا ہے اور وہ آیت تطہیر ہے جس کے بارے میں بطور تواتر اخبار عامہ و خاصہ سے ثابت ہے کہ اہل بیتؑ کی شان میں وارد ہوئی اور شیعوں کا تو اتفاق ہے مگر سنیوں کی بھی روایات تواتر کے ساتھ یا کم از کم بطور استفاضہ اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ اہل بیتؑ سے مراد اہل بیت عصمت و طہارت ہیں اور اس کا ذکر قابل توضیح واضحات ہے۔

حقیقت عصمت کا بیان

اس حدیث میں اور دیگر حدیثوں میں بھی "رجس" کی تفسیر "شک" سے کی گئی ہے اور بعض حدیثوں میں رجس کا مطلب تمام عیوب سے پاکیزگی بتایا گیا ہے اور بعض سابق حدیثوں کی شرح سے معلوم ہو چکا ہے کہ نفی شک قلبی و قالبی عیوب کے نفی کو مستلزم ہے بلکہ مستلزم عصمت ہے اس لئے کہ عصمت برخلاف اختیار ایک امر ہے اور فطری و جبلی امور میں سے نہیں ہے۔ بلکہ یہ ایک ایسی نفسانی حالت اور باطنی نور ہے جو یقین کامل اور اطمینان تام سے حاصل ہوتا ہے اور انسان سے جو معصیت و خطا ہوتی ہے وہ یقین و اطمینان میں کمی کی وجہ سے ہوتی ہے اور یقین و ایمان کے درجوں میں اتنا تفاوت ہے جس کو بیان کرنا مشکل نہیں ناممکن ہے۔ انبیائے کرام کو مشاہدہ حضوریہ جو یقین کامل اور اطمینان تام حاصل ہوتا ہے وہی ان کو معصوم بنا دیتا ہے۔ حضرت علیؑ کے یقین نے ان کو اس منزل تک پہونچا دیا تھا کہ فرماتے تھے: اگر مجھ کو تمام عالم اس شرط

Presented by www.ziaraat.com

سے دیدیا جائے کہ چیونٹی کے منہ میں جو دانہ ہے اس سلسلہ میں اس پر ظلم کروں تو ہرگز نہ کروں گا۔" ۴۱

بہر حال شرک و شک کا زائل ہونا، عالم طبیعت کے اخباث دار جاس سے طاہر ہونا غیر خدا کے تعلقات کی تاریکیوں سے اور کدورت انیت و انانیت کے دبیز پردوں کو ہٹا کر حق کی روشنی کا حصول اور انوار قدسیۂ الٰہی اور آیات تامۂ ربوبی کے ذریعہ ارادۂ ازلیہ کے سبب رویت غیریت اور ان کا اپنے مخلص و خالص بندوں کے لئے عطا عطا فرمانا یہ سب وہ مقامات ہیں جو وصف و بیان میں درست نہیں آسکتے اور عنقائے مغرب کی طرح دست اُمید کی غیب ھویت اس کے جلال کی چوٹ تک نہیں پہونچ سکتی۔ عنقا شکار کس نہ شود دام باز گیر۔ ۴۲

چھٹی فصل

ایمان کی توصیف نہیں ہو سکتی

ایمان بھی ان روحانی کمالات میں سے ہے جس کی نورانی حقیقت سے بہت کم لوگ آگاہ ہیں۔ خود مومنین جب تک اس دنیا میں ہیں خدا کے نزدیک ان کے ایمان کی نورانیت اور کرامت جو ہے اس سے ناواقف ہیں۔ انسان جب تک اس دُنیا میں رہتا ہے اس دُنیا کے اوضاع و عادات سے اس طرح مانوس ہو جاتا ہے کہ جب بھی آخرت کی نعمتوں اور کرامتوں یا عذاب و رسوائیوں کو سنتا ہے فوراً دنیاوی صورتوں پر قیاس کرنے لگتا ہے مثلاً خداوند عالم نے مومنین سے جن کرامتوں کا وعدہ کیا ہے اور جن نعمتوں کو ان کے لئے مہیا کیا ہے اور انبیاء نے خبر دی ہے ان کا اپنے بادشاہوں اور بزرگوں کی نعمتوں پر یا ان سے کچھ لطیف و اعلیٰ پر قیاس کرنے لگتا ہے۔ حالانکہ یہ قیاس باطل ہے کیونکہ آخرت کی نعمتوں اور روح و ریحان کا ہم تصور بھی نہیں کر سکتے اور ہمارے دل میں اس کا خطور بھی نہیں ہو سکتا۔ ہم تو اس بات کا تصور بھی نہیں کر سکتے کہ آب بہشت کا ایک شربت تمام متصورہ لذتوں کا جامع ہو سکتا ہے۔ جیسا بھی ممکن ہو ایک دوسرے سے ممتاز ہوگا۔ ہر لذت کی کیفیت کا یہاں کی لذتوں کے مشابہ بھی نہیں کہا جا سکتا۔

اس حدیث میں مومنین کی کرامتوں میں سے ایک کرامت کا ذکر کیا گیا ہے جس کا

Presented by www.ziaraat.com

کا مقابلہ اصحاب معرفت اور ارباب قلوب کے نزدیک نہ کسی چیز سے کیا جا سکتا ہے اور نہ کسی میزان سے کیا جا سکتا ہے اور وہ یہ ہے کہ: مومن جب کسی برادر مومن سے ملاقات کر کے اس سے مصافحہ کرتا ہے تو خدا ان دونوں کی طرف برابر نظر (رحمت) کرتا ہے۔ دیگر بہت سی روایات میں بھی اسی مضمون کی طرف اشارہ ہے۔

چنانچہ کافی میں امام محمد باقرؑ کا ارشاد ہے:

«فِي الْكَافِي بِإِسْنَادِهِ عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ، عَلَيْهِ السَّلَامُ، قَالَ: إِنَّ الْمُؤْمِنَيْنِ إِذَا الْتَقَيَا فَتَصَافَحَا، أَقْبَلَ اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِمَا بِوَجْهِهِ وَتَسَاقَطَتْ عَنْهُمَا الذُّنُوبُ كَمَا يَتَسَاقَطُ الْوَرَقُ مِنَ الشَّجَرِ»[۲۳]

"دو مومن جب ملاقات کر کے مصافحہ کرتے ہیں تو خدا ان کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور ان کے گناہ اس طرح جھڑنے لگتے ہیں جیسے (موسم خزاں میں) درخت کے پتے"

خدا جانتا ہے کہ پروردگار کی یہ نظر اور اس کی توجہ باطن میں کون سی نورانیت و کرامت رکھتی ہے اور خدا اور بندۂ مومن کے درمیان کے کون سے پردے اٹھا دیتی ہے اور مومن کی کیسی کیسی مدد کرتی ہے لیکن یہ بھی جان لینا چاہیئے کہ ان کرامتوں کا سر واقعی اور نکتۂ حقیقی کیا ہے اور انسان کو اس سے غافل نہ ہونا چاہیئے۔ قلبی توجہ اسی کی طرف ہونی چاہیئے تاکہ اس کے اتباع میں عمل نورانی و کامل ہو جائے اور قالب روح میں نفحۂ الٰہیہ پھونکا جا سکے اور وہ نکتۂ حقیقی اور سر واقعی محکم و مضبوط کرنا محبت و مودت (اہل بیتؑ کو) اور عہد اخوت فی اللہ کو محکم کرنا ہے چنانچہ حدیثوں میں اس نکتہ کی طرف بہت اہمیت دی گئی ہے اور حدیثوں میں بھی اس کی طرف اشارہ موجود ہے۔

چنانچہ کافی میں امام محمد باقرؑ کا ارشاد ہے:

«فِي الْكَافِي بِإِسْنَادِهِ عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ، عَلَيْهِ السَّلَامُ، قَالَ: إِنَّ الْمُؤْمِنَيْنِ إِذَا الْتَقَيَا وَتَصَافَحَا، أَدْخَلَ اللَّهُ يَدَهُ بَيْنَ أَيْدِيهِمَا فَصَافَحَ أَشَدَّهُمَا حُبًّا لِصَاحِبِهِ.»[۲۴]

"دو مومن جب ملاقات کر کے مصافحہ کرتے ہیں تو ان کے ہاتھوں کے درمیان خدا اپنے ہاتھ بھی داخل کر کے اس سے مصافحہ کرتا ہے جو اپنے برادر مومن سے زیادہ محبت رکھتا ہو"

Presented by www.ziaraat.com

دوسری روایت میں ہے:

جب دو مومن ملاقات کر کے مصافحہ کرتے ہیں تو خدا ان کی طرف اپنی رحمت بھیجتا ہے۔ اس میں نوّے حصہ تو اس شخص کے لئے ہوتے ہیں جس کی محبت اپنے دوست سے زیادہ ہوتی ہے اور اگر محبت میں دونوں برابر ہوں تو رحمت الٰہی دونوں کو اپنے گھیرے میں لے لیتی ہے۔[۲۵]

اس باب میں حدیثیں بہت ہیں۔ مگر ہم اسی پر اکتفا کرتے ہیں۔

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ اَوَّلاً وَّآخِرًا

www.ziaraat.com
Sabeel-e-Sakina

Presented by www.ziaraat.com

اکتیسویں حدیث کی توضیحات

۱: سورۂ انعام آیت ۹۱، سورۂ حج آیت ۷۴، سورۂ زمر آیت ۶۸
۲: سورۂ حشر آیت ۷۔
۳: اصول کافی جلد ۲، ص ۱۸۲، کتاب ایمان و کفر، باب مصافحہ حدیث ۱۶۔
۴: مراۃ العقول جلد ۹، ص ۷۱، کتاب ایمان و کفر، باب مصافحہ، حدیث ۱۶۔
۵: وافی جلد ۵، ص ۶۱۳
۶: اصول کافی جلد ۱ ص ۱۰۰، کتاب التوحید، باب النفی من الصفۃ بغیر ما وصف بہ نفسہ تعالیٰ، حدیث ۱۔
۷: مراۃ العقول جلد ۱ ص ۳۴۶، کتاب التوحید، باب النفی من الصفۃ بغیر ما وصف بہ نفسہ تعالیٰ، حدیث ۱۔
۸: التوحید، شیخ صدوق، ۱۴۱ بعد، باب ۲ (مخصوصاً حدیث ۳۷) بحار جلد ۳، ص ۲۵۷ بعد، کتاب التوحید، باب ۹، حدیث ۱۳۔
۹: سورۂ اعراف آیت ۱۸۰
۱۰: خدایا تجھ ہی سے شکایت کی جاتی ہے اور تیرے سوا کوئی مدد کرنے والا نہیں ہے۔
۱۱: دعائے کمیل، مصباح المتہجد ص ۵۸۷۔
۱۲: اسفار اربعہ جلد ۹ ص ۱۲۳، تفسیر صدر المتالہین، تفسیر آیۃ ۱۷، سورۂ اعلیٰ۔
۱۳: اصول کافی جلد ۱ ص ۲۷۲، کتاب الحجۃ (باب فیہ ذکر الارواح التی فی الائمۃ) حدیث ۲۔
۱۴: سورۂ شوریٰ آیت ۵۲۔

Presented by www.ziaraat.com

۱۵: اصول کافی جلد ۱، ص ۲۷۲، کتاب الحجۃ، باب الروح التی یسدد اللہ بھا الائمۃ" حدیث ۱۔
۱۶: بحار جلد ۲۹، ص ۲۱۲، تاریخ امیر المومنین، باب ۸۸، حدیث ۵۔
۱۷: مصباح الہدایۃ الی الخلافۃ والولایۃ یہ امام خمینیؒ کی ایک گرانقدر کتاب ہے جو ۱۳۴۹ھ ق (۱۳۰۸ھ ش) میں لکھی گئی ہے۔ اس میں ایک مقدمہ دو مشکات اور ایک خاتمہ ہے۔ پہلا مشکات اسرار خلافت محمدیؐ و ولایت علوی پر مشتمل ہے۔ اور دوسرا اسرار خلافت و ولایت و نبوت در نشئہ عین و عالم امر و خلق پر مشتمل ہے۔ حضرت امام نے مقدمہ میں موضوع کتاب کے سلسلہ میں تحریر فرمایا ہے: میں چاہتا تھا کہ اس رسالہ میں حقیقت خلافت محمدی کی ابتدا اور دریائے حقیقت ولایت علوی کی نی کو تمہارے لئے واضح کروں اور یہ کہ یہ دونوں حقیقتیں کیونکر عوالم غیب و شہادت میں جاری ہیں اور مراتب نزول و صعود میں کیونکر نافذ ہیں۔
۱۸: وافی جلد ۵، ص ۹۴، کتاب ایمان و کفر، باب مصافحہ حدیث ۱۶
۱۹: مراۃ العقول جلد ۹، ص ۷۱، کتاب ایمان و کفر، باب مصافحہ حدیث ۱۶
۲۰: مراۃ العقول جلد ۹ ص ۷۱، کتاب ایمان و کفر، باب مصافحہ حدیث ۱۶
۲۱: علم تو خدا کے پاس ہے ہو سکتا ہے خدا اس کے بعد کچھ ظاہر کرے۔
۲۲: اصول کافی، کتاب الحجۃ، باب التفویض الی رسول اللہ والی الائمۃ فی امر الدین، حدیث ۷۔
۲۳: وسائل جلد ۲، کتاب الصلوٰۃ باب ۱۳ از ابواب اعداد الفرائض، حدیث ۱۲۔ ۱۴۔
۲۴: وسائل جلد ۷، ص ۲۶۱، باب ۲۸، از ابواب صوم مندوب، حدیث ۵۔
۲۵: اصول کافی جلد ۱ ص ۲۶۶، کتاب الحجۃ، باب التفویض الی رسول اللہ والی الائمۃ فی امر الدین، حدیث ۳
۲۶: مراۃ العقول جلد ۲ ص ۱۴۴، کتاب الحجۃ باب التفویض حدیث ۱۔
۲۷: مراۃ العقول جلد ۲ ص ۱۴۱، کتاب الحجۃ باب التفویض حدیث ۱۔
۲۸: کافی جلد ۱ ص ۱۸۳، کتاب الحجۃ باب معرفۃ الامام والرد الیہ اور بصائر الدرجات ص ۲۶ جلد ۱، باب ۴ حدیث ۲۔
۲۹: اصول کافی جلد ۱ ص ۴۴۱، کتاب الحجۃ باب مولد النبیؐ و وفاتہ، حدیث ۵۔
۳۰: اصول کافی جلد ۱ ص ۴۴۱، کتاب الحجۃ باب مولد النبیؐ و وفاتہ، حدیث ۷۔
۳۱: نہج البلاغۃ، خطبہ ۲۱۵۔
۳۲۔ کامل شعر یہ ہے۔ عنقا شکار کس نشود دام باز گیر۔ کانجا ہمیشہ باد بدست است دام را حافظ
۳۳۔ اصول کافی جلد ۲ ص ۱۸۰، کتاب ایمان و کفر، باب مصافحہ، حدیث ۴۔
۳۴: اصول کافی جلد ۲ ص ۱۷۹، کتاب ایمان و کفر، باب مصافحہ، حدیث ۲۔
۳۵۔ اصول کافی جلد ۲ ص ۱۸۱، کتاب ایمان و کفر، باب مصافحہ، حدیث ۱۴۔

Presented by www.ziaraat.com

بتیسویں حدیث

«بِالسَّنَدِ الْمُتَّصِلِ إِلَى مُحَمَّدِ بْنِ يَعْقُوبَ الْكُلَيْنِيِّ، عَنِ الْحُسَيْنِ بْنِ مُحَمَّدٍ، عَنِ الْمُعَلَّى بْنِ مُحَمَّدٍ، عَنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ الْوَشَّاءِ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ سِنَانٍ، عَنْ أَبِي عَبْدِاللّٰهِ، عَلَيْهِ السَّلَامُ، قَالَ: مِنْ صِحَّةِ يَقِينِ الْمَرْءِ الْمُسْلِمِ أَنْ لَا يُرْضِيَ النَّاسَ بِسَخَطِ اللّٰهِ، وَلَا يَلُومَهُمْ عَلَى مَا لَمْ يُؤْتِهِ اللّٰهُ؛ فَإِنَّ الرِّزْقَ لَا يَسُوقُهُ حِرْصُ حَرِيصٍ، وَلَا يَرُدُّهُ كَرَاهِيَةُ كَارِهٍ؛ وَلَوْ أَنَّ أَحَدَكُمْ فَرَّ مِنْ رِزْقِهِ كَمَا يَفِرُّ مِنَ الْمَوْتِ، لَأَدْرَكَهُ رِزْقُهُ كَمَا يُدْرِكُهُ الْمَوْتُ. ثُمَّ قَالَ: إِنَّ اللّٰهَ بِعَدْلِهِ وَقِسْطِهِ جَعَلَ الرَّوْحَ وَالرَّاحَةَ فِي الْيَقِينِ وَالرِّضَا؛ وَجَعَلَ الْهَمَّ وَالْحُزْنَ فِي الشَّكِّ وَالسَّخَطِ.»

امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

ترجمہ: مسلمان مرد کے صحیح یقین (کی علامت یہ ہے کہ) خدا کو ناراض کر کے لوگوں کو راضی نہ کرے اور خدا نے اس کو جو نہیں دیا ہے اس پر لوگوں کی ملامت نہ کرے اس لئے کہ حریص کی لالچ نہ رزق کو کھینچ کر لا سکتی ہے اور نہ کراہت کرنے والے کی کراہت اس کو واپس کر سکتی ہے۔ اگر تم میں سے کوئی رزق سے اس طرح فرار کرے جیسے موت سے فرار کیا جاتا ہے

Presented by www.ziaraat.com

تو اس کا رزق اس کو اسی طرح پائے گا جیسے موت اپنے مطلوب کو پالیتی ہے۔ اس کے بعد حضرتؑ نے فرمایا: خدا نے اپنے عدل و انصاف کے ساتھ راحت و آرام کو یقین و رضا میں اور رنج و غم کو شک و ناراضگی میں قرار دیا ہے۔"

شرح:۔ جوہری نے کہا ہے: سَخَطَ بروزن فَرَس ہے اور سَخَطَ بروزن قفل خلافِ رضا کو کہتے ہیں اور قَدْ سَخِطَ ای غَضِبَ کے معنیٰ میں ہے فَهُوَ سَاخِط۔

اور القسط بکسر قاف عدل کے معنیٰ میں ہے۔ لہٰذا بعدلہ و قسطہ میں قسط عطف تفسیری ہے۔

الروح والراحۃ دونوں کے معنیٰ ایک ہیں یعنی راحت و آرام جیسا کہ جوہری نے کہا ہے پس یہ بھی عطف تفسیری ہے اور یا رَوح کے معنیٰ راحتِ قلب اور راحۃ کا مطلب راحتِ بدن ہے جیسا کہ مجلسیؒ نے فرمایا ہے۔ ۲

"وَالْهَمُّ وَالْحُزْنُ" جوہری دونوں کے معنیٰ ایک قرار دیتا ہے۔ اس بنا پر عطف تفسیری بھی ہو سکتا ہے اور علامہ مجلسیؒ فرماتے ہیں: ہو سکتا ہے "ھَمّ" کا مطلب تحصیل کے وقت اضطراب ہو اور حزن کا مطلب فوت ہو جانے کے بعد جزع و اندوہ ہو۔ ۳

پہلی فصل

قَوْلُهٗ: "وَلَا يَلُوْمُهُمْ عَلٰى مَا لَمْ يُؤْتِهِ" اس عبارت میں دو احتمال دیئے گئے ہیں۔

۱۔ لوگوں کی شکایت و مذمت اس بات پر نہ کرے کہ انھوں نے اس کو عطا کرنا چھوڑ دیا ہے۔ اس لئے کہ یہ چیز قدرت و تقدیرات انہی کے ماتحت ہے۔ (ممکن) ہے خدا نے اس کی روزی ان عطایا میں قرار نہ دی ہو اور جو لوگ اہلِ یقین ہیں وہ جانتے ہیں کہ یہ تقدیرِ الٰہی ہے۔ لہٰذا کسی کو ملامت نہیں کرنی چاہیئے۔ یہ احتمال جناب محقق فیضؒ نے دیا ہے اور محدث خبیر علامہ مجلسیؒ نے اس کو تقویت دی ہے۔ ۵

دوسرا احتمال بھی جناب فیض رحمۃ اللہ علیہ نے دیا ہے کہ خدا نے لوگوں کو جو کچھ لوگوں کو نہیں دیا ہے اس پر ان کی ملامت نہ کرے۔ کیونکہ خدا نے لوگوں کو عطیہ میں مختلف قرار دیا ہے۔

Presented by www.ziaraat.com

اس میں کسی کی ملامت نہیں کرنی چاہئے یہ اس روایت کے مانند ہے جس میں فرمایا ہے۔ اگر لوگوں کو یہ سمجھ جائے کہ اس نے مخلوق کو کس طرح پیدا کیا ہے تو کوئی کسی کی ملامت نہ کرے۔"

علامہ مجلسیؒ فرماتے ہیں: اس احتمال کا بعید ہونا پوشیدہ نہیں ہے خصوصاً اس علت کو دیکھتے ہوئے کہ "فَاِنَّ الرِّزْقَ لَا یَسُوْقُہٗ..."

میری نظر میں یہی دوسرا احتمال (جس کو علامہ مجلسیؒ نے بعید قرار دیا ہے) پہلے احتمال سے زیادہ مناسب ہے خصوصاً اسی تعلیل کی بنا پر جو ذکر کی گئی ہے۔ اس لئے کہ لوگوں کی فقیری اور تنگدستی پر ملامت اسی وقت کی جاسکتی ہے جب رزق کا مسئلہ ان کے اختیار میں ہو اور سعی و کوشش سے وسعت ممکن ہو اس وقت انسان کہہ سکتا ہے: میں نے سعی و کوشش کی لہٰذا تونگر ہو گیا تم نے نہیں کی لہٰذا فقیر رہ گئے۔ مگر اہل یقین جانتے ہیں رزق میں حرص و تحصیل کو کوئی دخل نہیں ہے اس لئے دوسروں کو ملامت نہیں کی جاسکتی۔

تقدیر کے مطابق رزق ملنے اور زیادتی رزق کی دعا دونوں قسموں کی روایتوں میں جمع

جو حدیثیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ رزق مقسوم و مقدر ہے اور قرآنی آیات کی دلالت بھی اسی پر ہوتی ہے وہ ان روایات کے منافی نہیں ہیں جن میں معیشت کے حاصل کرنے اور تجارت کرنے کی تاکید کی گئی ہے بلکہ ترک تجارت کو مکروہ کہا گیا ہے اور ترک تجارت پر ملامت کی گئی ہے اور جو لوگ طلب رزق کی کوشش نہیں کرتے ان کا شمار ان لوگوں میں کیا گیا ہے جن کی دعائیں قبول نہیں ہوتیں اور خدا روزی نہیں دیتا۔ اس قسم کی حدیثیں بہت ہیں۔ ہم (بطور مثال) صرف ایک حدیث کا ذکر کرتے ہیں۔

"عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْحَسَنِ، شَیْخِ الطَّائِفَةِ، قُدِّسَ سِرُّہٗ، بِاِسْنَادِہٖ عَنْ عَلِیِّ بْنِ عَبْدِالْعَزِیْزِ قَالَ قَالَ اَبُوْ عَبْدِاللّٰہِ، عَلَیْہِ السَّلَامُ: مَا فَعَلَ عُمَرُ بْنُ مُسْلِمٍ؟ قُلْتُ: جُعِلْتُ فِدَاکَ، اَقْبَلَ عَلَی الْعِبَادَةِ وَتَرَکَ التِّجَارَةَ. فَقَالَ: وَیْحَہٗ اَمَا عَلِمَ

Presented by www.ziaraat.com

اَنَّ تَارِکَ الطَّلَبِ لَایُسْتَجَابُ لَهٗ دَعْوَةٌ؟ اِنَّ قَوْماً مِنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ، صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ، لَمَّا نَزَلَتْ: وَمَنْ یَتَّقِ اللّٰهَ یَجْعَلْ لَهٗ مَخْرَجاً وَیَرْزُقْهُ مِنْ حَیْثُ لَایَحْتَسِبُ، اَغْلَقُوا الْاَبْوَابَ وَاَقْبَلُوا عَلَی الْعِبَادَةِ، وَقَالُوا: قَدْ کُفِینَا. فَبَلَغَ ذٰلِکَ النَّبِیَّ، صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ، فَاَرْسَلَ اِلَیْهِمْ فَقَالَ: مَا حَمَلَکُمْ عَلٰی مَا صَنَعْتُمْ؟ فَقَالُوا: یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، تَکَفَّلَ اللّٰهُ لَنَا بِاَرْزَاقِنَا، فَاَقْبَلْنَا عَلَی الْعِبَادَةِ. فَقَالَ: مَنْ فَعَلَ ذٰلِکَ لَمْ یُسْتَجَبْ لَهٗ. عَلَیْکُمْ بِالطَّلَبِ.[۹]

"امام جعفر صادقؑ نے پوچھا: عمر بن مسلم کیا کرتے ہیں؟ میں نے عرض کیا: میں آپ پر قربان ہو جاؤں انھوں نے تجارت چھوڑ کر عبادت کو اپنا مشغلہ بنا لیا ہے۔ امام نے فرمایا: ان پر وائے ہو کیا وہ نہیں جانتے کہ روزی نہ کمانے والے کی دعا قبول نہیں ہوتی؟ جب یہ آیت نازل ہوئی وَمَنْ یَتَّقِ اللّٰهَ الخ تو اصحاب کی ایک جماعت نے گھروں کے دروازے بند کر لئے اور عبادت میں مشغول ہو گئے اور کہنے لگے اب ہمارے لئے کافی ہے۔ اس کی خبر رسولِ خدا کو ہوئی تو آپؐ نے ان کو بلوا کر پوچھا تم لوگوں کو یہ کیا سوجھی؟ انھوں نے کہا: اے رسولِ خدا، اب تو خدا نے ہمارے رزق کی کفالت کر لی لہٰذا ہم عبادت میں مشغول ہو گئے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا: تم میں سے جو ایسا کرے گا اس کی دعا قبول نہ ہوگی۔ تلاشِ معاش تم پر واجب ہے۔"

ان روایات میں عدمِ منافات اس طرح ہے کہ طلب کے بعد بھی رزق اور دیگر امور سب ہی دستِ قدرت میں ہیں۔ ایسا نہیں ہے کہ ہماری طلب اور تلاشِ معاش مستقل طور سے حصولِ رزق کی علت ہو۔ بلکہ تلاشِ معاش فرضِ بندگی ہے۔ رہا امور کی ترتیب اور ظاہری و غیر ظاہری اسباب کا جمع کرنا جن میں زیادہ تر بندوں کے اختیار سے خارج ہوتے ہیں۔ یہ سب تقدیرِ باری تعالیٰ پر موقوف ہے لہٰذا جو انسان صحیح الیقین اور مجاری امور پر مطلع ہوتا ہے وہ تلاشِ معاش سے نہ رکنے کے ساتھ اور اپنے عقلی و شرعی فرائض کو انجام دینے کے ساتھ ساتھ اشتہائے کاذب کی بنا پر اپنے اوپر طلب کے دروازوں کو بند نہیں کرتا اور اسی کے ساتھ ہر چیز کو خدا کی طرف سے جانتا ہے۔ کسی بھی موجود کو وجود اور کمالاتِ وجود میں مؤثر نہیں جانتا۔ طالب و طلب و مطلوب سب اسی سے ہے اور اس حدیث میں ہے کہ صحیح یقین والا لوگوں کے

Presented by www.ziaraat.com

عدم وسعتِ رزق پر ملامت نہیں کرتا۔ یعنی اگر لوگوں نے بمقدارِ معمول طلب کیا تو یہ بات قابلِ ملامت نہیں ہے۔ حالانکہ ایک گروہ کا ملامت کرنا جو خود طلب کو پورا نہیں کرتے اس وقت تک رائج ہے جب تک ان کو طلب پر آمادہ کرے جیسا کہ روایات میں اس کی مثال موجود ہے۔

مختصر یہ ہے کہ یہ باب جبر و تفویض کا ایک شعبہ ہے۔ اس لئے جس نے اس کی تحقیق کی ہوگی وہ تو اس کی حقیقت پر مطلع ہو سکتا ہے۔ اس کی تفصیل ہمارے وظیفہ سے خارج ہے۔

دوسری فصل

صحیح یقین کی علامتیں

اس حدیث میں دو چیزوں کو یقین کی صحت و سلامتی کی علامت قرار دیا گیا ہے۔

۱۔ خدا کی ناراضگی و غضب کے بدلے لوگوں کی رضامندی و خوشنودی نہ خریدے۔

۲۔ جو کچھ خدا نے ان کو دیا ہے اس پر لوگوں کی ملامت نہ کرے۔

یہی دو باتیں کمالِ یقین کا ثمرہ اور نتیجہ ہیں اور ان کے مقابلہ میں ضعفِ یقین اور ایمان کی کمزوری و بیماری ہے۔ اس کتاب میں جہاں تک میرے بس میں تھا اور مناسب تھا میں نے ایمان و یقین اور ان کے نتائج کی شرح کر دی اور اس وقت بھی اجمالی طریقہ سے ان دونوں صفتوں کے صحت و سلامتی یقین و ان کے مقابلات کے اوپر مرتب ہونے کو بیان کروں گا۔

یہ معلوم ہو جانا چاہیئے کہ جو شخص لوگوں کی خوشنودی و رضامندی کا طالب ہے اور اس کی پوری توجہ لوگوں کے دل جیتنے کی طرف ہے اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ وہ اس کو امور میں مؤثر سمجھتا ہے جو اس کے لئے موردِ طمع ہے۔

مثلاً جو شخص دولت پرست ہے وہ اربابِ ثروت کے سامنے ہمہ وقت سرِ تسلیم خم کرنے پر آمادہ رہتا ہے اور ان کی چاپلوسی کرتا رہتا ہے۔ اور جو لوگ طالبِ ریاست ہیں اور ظاہری احترام کے دلدادہ ہیں وہ اپنے مریدوں کی تملق کرتے ہیں، اُن کے ساتھ فروتنی برتتے ہیں۔ جس طرح بھی ہو ان کے دل کو موہ لینے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ چرخِ نیلی نام اسی طرح بطور دور و تسلسل چکر کھاتا رہتا ہے کمزور لوگ اربابِ ریاست سے اور طالبانِ ریاست اپنے بے وقوف

Presented by www.ziaraat.com

مردوں سے تعلق کیا کرتے ہیں۔ اس سے صرف وہی لوگ مستثنیٰ ہیں۔ جنھوں نے نفسانی خیانت سے خود اپنی تربیت کرلی ہے اور رضائے الٰہی کے طالب ہیں دُنیا و زیبائش دُنیا سے کوئی دلچسپی نہیں رکھتے۔ ریاست میں خدا کی رضا کے طالب اور مرؤسیت میں حق جو اور حق پسند رہتے ہیں۔

لوگوں کے دو طبقے ہیں

۱: ان کے یقین نے ان کو اس منزل تک پہونچا دیا ہے کہ وہ تمام ظاہری اسباب اور صوری موثرات کو خدا کے ارادۂ ازلی و جوبی کاملہ کے تحت مسخر جانتے ہیں۔ حق کے علاوہ نہ کچھ دیکھتے ہیں نہ چاہتے ہیں۔ ان کا ایمان ہے کہ دُنیا و آخرت میں خدا ہی موثر ہے اور مالک ہے اور قرآن کی اس آیت پر "قُلِ اللّٰهُمَّ مَالِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاءُ" ۱۰ ایمانِ حقیقی اور ایسا یقین جس میں نقص و تردید و شک کا شائبہ بھی نہ ہو رکھتے ہیں۔ خدا کو مُلک ہستی کا مالک جانتے ہیں، تمام عطیات کو خدا کی طرف سے مانتے ہیں، قبض و بسط وجود و کمالِ وجود کو خدا کی طرف سے بہ حسبِ ترتیب نظام و پوشیدہ مصالح جانتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے لئے خدا ان کے سامنے معرفت کے ابواب کھول دیتا ہے اور ان کے قلوب قلوبِ الٰہی ہو جاتے ہیں۔ لوگوں کی رضامندی یا ناراضگی ان کی نظروں میں کچھ بھی نہیں ہوتی وہ مرضیٔ الٰہی کے علاوہ کسی چیز کے طالب نہیں ہوتے۔ خدا کے سوا کسی کی طرف اپنی چشم طمع و طلب کو باز نہیں کرتے۔ ان کا دل ان کی زبان گویا ہے: خدایا اگر تو مجھے عطا کرے تو کوئی اس کو روک نہیں سکتا اور اگر تو کسی چیز کو روک دے تو کون ہے جو عطا کر سکے؟ پس وہ لوگ اپنی آنکھوں کو لوگوں اور ان کے عطیات اور ان کی دُنیا سے بند رکھتے ہیں اور ہمیشہ خدا کی طرف چشمِ نیاز کھولے رکھتے ہیں اور ایسے ہی حضرات تمام موجودات کی رضامندی بھی حاصل ہو جانے کے لئے خدا کی ناراضگی کو قبول کرنے سے گریز کرتے ہیں جیسا کہ حضرت امیرالمومنینؑ نے فرمایا ہے۔

حالانکہ یہی لوگ "باوجود یہ کہ خدا کے علاوہ کسی اور کے لئے کسی چیز کے قائل نہیں ہیں" تمام موجودات کو فقیرالی اللہ جانتے ہیں۔ اور اسی کے ساتھ سب کو عظمت و رحمت و مہربانی کی نظر سے دیکھتے ہیں اور کسی کو کسی بات پر ملامت نہیں کرتے سوائے اصلاح حال اور تربیت کے جیسا کہ انبیا بھی اسی طرح تھے۔ کیونکہ انبیائے کرام خدا سے وابستہ تھے۔ اور جلال و جمال خدا کے

Presented by www.ziaraat.com

مظہر تھے بندگانِ الٰہی پر صرف لطف و محبت کی نظر کرتے تھے۔ دل سے کسی کو اس کی کمی یا فتور پر ملامت نہیں کرتے تھے۔ ہاں مصالح عامہ اور افرادِ بشر کی اصلاح کے لئے حسبِ ظاہر ملامت کرتے تھے اور یہ نتیجہ و ثمرہ تھا شجرۂ طیبۂ یقین و ایمان کا اور حدودِ الٰہی کی معرفت کا۔

۲- دوسرا گروہ وہ ہے جو حق سے بے خبر ہے اور اگر خبر رکھتا ہے تو ناقص اور ایمان خام رکھتا ہے۔ یہ لوگ چونکہ کثرتوں اور اسبابِ ظاہری کو دیکھ کر مسبب اور اسباب سے غافل ہو چکے ہیں اور مخلوق کی رضامندی تلاش کرتے ہیں اور کبھی ان کا حال یہ ہو جاتا ہے کہ بہت ہی کمزور مخلوق کی رضایت کے طالب ہوتے ہیں اور خدا کی ناراضگی کے اسباب فراہم کرتے ہیں۔ چنانچہ کبھی تو اہلِ معصیت کی موافقت کرتے ہیں یا وقت پر امر بہ معروف و نہی از منکر کو ترک کر دیتے ہیں۔ یا باطل فتویٰ دیدیتے ہیں۔ یا بے موقع تصدیق یا تکذیب کر دیتے ہیں۔ یا مومنین کی غیبت کرتے ہیں یا اہلِ دُنیا کی توجہ موڑنے کے لئے اور ظاہری منصب پر فائز لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے مومنین پر اتہام لگاتے ہیں۔ یہ ساری باتیں ایمان کی کمزوری کی بنا پر ہیں بلکہ یہ شرک کا ایک مرتبہ ہے۔ یہ نظریہ انسان کو بڑے بڑے مہلکوں سے دوچار کر دیتا ہے۔ انھیں سے ایک وہ ہے جس کی طرف اس حدیث میں اشارہ ہے۔ ایسا شخص بندگانِ خدا سے بدبین ہو جاتا ہے اور ان سے عداوت و دشمنی پیدا کر لیتا ہے اور امور میں ان کی ملامت کرتا ہے۔ وغیر ذلک۔

تیسری فصل

اشاعرہ و معتزلہ کے کلام کا ذکر اور مذہبِ حق کا اشارہ

مجلسیؒ نے مراۃ العقول میں اس حدیث کے ضمن میں ایک بحث فرمائی ہے کہ کیا خدا کی طرف سے رزقِ مقسوم حرام پر بھی شامل ہوتا ہے یا نہیں؟ اور فخر رازی کی تفسیر سے اشاعرہ و معتزلہ کے اختلاف کو ذکر کرتے ہوئے دونوں کی دلیلوں کو قرآن و حدیث سے ذکر کرنے کے بعد امامیہ کی موافقت معتزلہ سے فرمائی ہے کہ رزقِ مقسوم حرام کو شامل نہیں ہے۔ بلکہ صرف حلال سے مخصوص ہے اور معتزلہ کی دلیلوں کو بعض آیات و روایات کے ظواہر اور ظاہر لغت "رزق" سے جو اشاعرہ و معتزلہ کا طریقہ ہے نقل فرمایا ہے۔ ۱۱

Presented by www.ziaraat.com

اور خود مجلسی نے کلام معتزلہ کو چونکہ مشہور امامیہ کے موافق پایا ہے اسلئے معتزلہ کے ادلہ کو قبول فرمایا ہے۔ لیکن آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ یہ قضیہ بھی جبر و تفویض کا ایک شعبہ ہے اور مذہب امامیہ اس میں نہ معتزلہ کے موافق ہے نہ اشاعرہ کے بلکہ معتزلہ کا کلام تو اشاعرہ سے زیادہ بے معنیٰ و لغو ہے اسی لئے اگر بعض متکلمین امامیہ اس کی طرف مائل ہو گئے ہوں تو حقیقت حال و مآل کی غفلت کی بنا پر ایسا ہوا ہے۔ چنانچہ پہلے بھی ارشاد کیا جا چکا ہے کہ جبر و تفویض کا مسئلہ بہت مجمل ہے اور غالباً فریقین کے یہاں بھی نہ صرف مجمل ہے بلکہ محل نزاع میزان صحیح کے مطابق تحریر نہیں کیا گیا ہے۔ اسی لئے اس مسئلہ کا ربط مسئلہ جبر و تفویض سے کیونکر ہے شاید یہ بھی معلوم نہ ہو حالانکہ یہ شاہ فرد ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اگر اشاعرہ کہتے ہیں کہ حرام و حلال دونوں مقسوم ہیں اور اسی کو اس طرح کہتے ہیں کہ جو مستلزم جبر ہوتا ہے یا معتزلہ کہتے ہیں کہ صرف حلال مقسوم ہے حرام مقسوم نہیں ہے اور اس طرح کہتے ہیں کہ مستلزم تفویض ہے تو یہ دونوں باطل ہیں اور ان کا فساد اپنی جگہ پر ثابت کیا جا چکا ہے۔

لیکن میں بہ حسب اصول مقررۂ مبرہنہ حلال و حرام دونوں کو خدا کی طرف سے مقسوم سمجھتا ہوں جیسے گناہوں کو بھی میں بہ تقدیر و قضائے الٰہی سمجھتا ہوں۔ لیکن اس طرح کہ مستلزم جبر و فساد نہیں ہے۔ (مگر) چونکہ یہ کتاب دلیل و برہان کیلئے نہیں لکھی گئی ہے اور میں نے بھی اپنے سے یہ شرط کر لی ہے کہ مطالب علمیہ سے بحث نہ کروں گا ویسے میں خود بھی اس کی حقیقت سے بے بہرہ ہوں[1] یہ صاحب کتاب کسر نفسی ہے مترجم لہٰذا اسی مقدار پر قناعت کرتا ہوں واللہ الہادی۔

علامہ مجلسیؒ نے اس حدیث کے ضمن میں ایک دوسری بحث بھی چھیڑی ہے اور وہ یہ ہے کہ کیا خدا پر تمام بندوں کا رزق مطلقاً واجب ہے یا جب وہ کسب و سعی کریں تب واجب ہے؟ یہ ایک ایسا مطلب ہے جو متکلمین کے اصول کے مناسب ہے۔ لیکن برہانی میزان اور یقینی ضابطہ کی بنا پر ان مباحث میں دوسری طرح رفتار اختیار کرنی پڑے گی۔ لیکن بہتر ہے کہ اس قسم کے مباحث میں کلام نہ کیا جائے۔ کیونکہ کوئی فائدہ نہیں ہے۔ ہم اس سے پہلے اشارہ کر چکے کہ ارزاق کی تقسیم بحسب قضائے الٰہی سعی و کوشش کے منافی نہیں ہے۔

---

[1] : اس مسئلہ کی تحقیق اجمالی طور سے انتالیسویں حدیث میں کی ہے (جہاں پر) عرفت اللہ بفسخ العزائم ونقض الھمم۔ کا ذکر ہے۔

Presented by www.ziaraat.com

چوتھی فصل

روح وراحت کو خدا نے یقین ورضا میں قرار دیا ہے اور رنج وغم کو شک و ناراضگی میں قرار دیا ہے اور یہ عین انصاف کے مطابق ہے۔ یہ راحت وآرام جو حدیث کے ذیل میں وارد ہوا ہے اور اسی طرح رنج وغم اس کی مناسبت یہ ہے کہ یہ تقدیر وتقسیم ارزاق کے ذیل میں مذکور ہوا ہے اور امورِ دُنیا وتحصیلِ معاش کے سلسلہ میں ہے۔

اگرچہ ایک بیان کے اعتبار سے امورِ آخرت کے بارے میں بھی یہ تقسیم صحیح ہے۔ مگر میں فعلاً اس حدیث کے بیان کے درپے ہوں۔

یہ سمجھ لو کہ انسان خدا پر اور اس کے تقدیرات پر یقین رکھنے والا اور ایسے قادرِ علی الاطلاق پر اعتماد کرنے والا ہے جو تمام امور کو از روئے مصلحت مقرر کرتا ہے۔ اور رحمت مطلقہ کاملہ کا مالک ہے۔

خلاصہ یہ کہ رحیم مطلق وجواد مطلق ہے اور جب ایسا یقین ہوگا تو اس کے سبب سے تمام مشکل امور آسان اور تمام مصائب سہل ہوجائیں گے اور تحصیلِ معیشت کے سلسلہ میں اس کی طلب اہلِ دنیا اور اہلِ شک وشرک کی طلب سے بہت فرق رکھتی ہے۔ جو لوگ ظاہری اسباب پر اعتماد رکھتے ہیں ان کے حصول میں ہمیشہ تزلزل اور اضطراب پایا جاتا ہے۔ اگر ان کو کوئی صدمہ پہونچ جائے تو بہت ہی ناگوار گزرتا ہے۔

کیونکہ اس کو مصالح غیبیہ سے گھرا ہوا نہیں جانتے۔ مختصر یہ ہے کہ جو شخص اس دُنیا کے حاصل کرلینے کو اپنے لئے سعادت سمجھتا ہے وہ اس کے حصول میں رنج وغم اٹھاتا ہے۔ اس کا راحت وآرام ختم ہوجاتا ہے۔ اس کا سارا وقت وساری فکر اسی میں لگی رہتی ہے۔ جیسا کہ ہم خود بھی دیکھتے ہیں کہ اہلِ دُنیا ہمیشہ تعب وغم میں ہیں۔ ان کے پاس قلبی وجسمانی راحت نہیں ہے۔

اسی طرح اگر ان کے ہاتھوں سے دُنیا نکل جائے تب بھی بے انتہا رنج وغم میں مبتلا ہوجاتے ہیں۔ اور اگر کوئی مصیبت آجائے تو تاب وتوان کھو بیٹھتے ہیں اور حادثہ پر صبر نہیں کرپاتے۔ اور یہ صرف اس وجہ سے ہے کہ قضا وعدلِ الٰہی میں شک وتزلزل رکھتے ہیں اور اس کے ثمرہ

Presented by www.ziaraat.com

اسی قسم کے امور ہوتے ہیں۔ میں اس کی شرح کر چکا ہوں لہٰذا اب تکرار نہ کروں گا۔

اب رہی یہ بات کہ ان آثار کا یقین و رضا پر مرتب ہونا اور ان کا شک و غضب پر مرتب ہونا جعل الٰہی سے ہے اور یہ جعل عادلانہ ہے تو یہ اس پر موقوف ہے کہ خدا کی فاعلیت تمام مراتب وجود میں (بغیر اس کے کہ جبر محال لازم آئے) نافذ ہے۔ اور اتمیت نظام وجود کے بیان غایت پر موقوف ہے اور یہ دونوں چیزیں اس کتاب کے فرائض سے خارج ہیں۔

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ اَوَّلاً وَّآخِراً۔

www.ziaraat.com
Sabeel-e-Sakina

Presented by www.ziaraat.com

بتیسویں ۳۲ حدیث کی توضیحات

۱۔ اصول کافی، ج۔ ۲، ص۔ ۵۷، کتاب ایمان وکفر، باب فضل الیقین، حدیث ۲
۲۔ مرآۃ العقول، ج۔ ۷، ص۔ ۳۵۹،
۳۔ " " " " " "
۴۔ وافی، ج۔ ۴، ص۔ ۲۶۹۔
۵۔ مرآۃ العقول، ج۔ ۷، ص۔ ۳۵۶، کتاب ایمان وکفر، باب فضل الیقین، حدیث ۲
۶۔ وافی، ج۔ ۴، ص۔ ۲۷۰۔
۷۔ مرآۃ العقول، ج۔ ۷، ص۔ ۳۵۷، کتاب ایمان وکفر، باب فضل الیقین حدیث ۲
۸۔ جو خدا سے ڈرتا ہے خدا اس کے لئے ایک نکلنے کی جگہ قرار دیتا ہے اور اسکو ایسی جگہ سے روزی دیتا ہے جہاں سے اس کو گمان بھی نہ ہو۔ سورۂ طلاق آیت ۲۔
۹۔ وسائل، ج۔ ۱۲، ص۔ ۱۵، کتاب التجارۃ باب ۵ از ابواب مقدمات تجارت حدیث ۷۔
۱۰۔ تفسیر کبیر، ج۔ ۲، ص۔ ۳۰۔
۱۱۔ مرآۃ العقول۔ ج۔ ۷، ص۔ ۳۵۸، کتاب ایمان وکفر باب فضل الیقین حدیث ۵

Presented by www.ziaraat.com

تینتیسویں حدیث

«بِالسَّنَدِ الْمُتَّصِلِ اِلَى الشَّيْخِ الْاَقْدَمِ، مُحَمَّدِ بْنِ يَعْقُوبَ الْكُلَيْنِيِّ، رِضْوَانُ اللّٰهِ عَلَيْهِ، عَنْ اَحْمَدَ بْنِ مُحَمَّدٍ، عَنِ الْحُسَيْنِ بْنِ سَعِيدٍ، عَمَّنْ ذَكَرَهُ، عَنْ عُبَيْدِ بْنِ زُرَارَةَ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ مَارِدٍ، قَالَ: قُلْتُ لِاَبِي عَبْدِاللّٰهِ، عَلَيْهِ السَّلَامُ: حَدِيثٌ رُوِيَ لَنَا اَنَّكَ قُلْتَ: اِذَا عَرَفْتَ فَاعْمَلْ مَا شِئْتَ. فَقَالَ: قَدْ قُلْتُ ذٰلِكَ. قَالَ قُلْتُ: وَاِنْ زَنَوْا وَاِنْ سَرَقُوا وَاِنْ شَرِبُوا الْخَمْرَ فَقَالَ لِي: اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُونَ. وَاللّٰهِ، مَا اَنْصَفُونَا اَنْ نَكُونَ اُخِذْنَا بِالْعَمَلِ وَوُضِعَ عَنْهُمْ اِنَّمَا قُلْتُ اِذَا عَرَفْتَ فَاعْمَلْ مَا شِئْتَ مِنْ قَلِيلِ الْخَيْرِ وَكَثِيرِهِ، فَاِنَّهُ يُقْبَلُ مِنْكَ.»[1]

ترجمہ: راوی کہتا ہے: میں نے امام جعفر صادقؑ سے عرض کیا: آپؑ کی ایک حدیث ہم لوگوں تک پہونچی ہے کہ حضور نے فرمایا ہے: جب تم کو (امامؑ کی) معرفت ہو گئی تو جو چاہے کرو! حضرت نے فرمایا: ہاں ہم نے یہ بات کہی ہے۔ راوی نے کہا: میں نے عرض کیا: چاہے (اس کے بعد) لوگ زنا کریں، چوری کریں، شراب پئیں؟ حضرت نے فرمایا: اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُونَ خدا کی قسم ہمارے ساتھ انصاف نہیں کیا گیا ہم تو عمل پر پکڑے جائیں اور لوگ (ہماری وجہ سے)

Presented by www.ziaraat.com

نہ پکڑے جائیں؟ میں نے کہا تھا جب تم کو معرفت حاصل ہو گئی تو چاہے تھوڑا عمل خیر کرو یا زیادہ وہ قبول کر لیا جائے گا (یعنی حضرت کا مطلب یہ تھا کہ ہماری معرفت و محبت کے بغیر کوئی عمل خیر چھوٹا ہو یا بڑا قبول نہ ہوگا لیکن معرفت کے بعد چاہے جو کرو (یعنی چاہے جو عمل خیر کرو) وہ قبول کر لیا جائے گا۔

شرح:۔ حدیث مبتدا ہے اور اس کی خبر روی ہے اور اَنَّکَ بفتح مبتدائے محذوف کی خبر ہے یعنی ھو اَنَّکَ۔

قولہ: اذا عرفت: اس حدیث میں معرفت سے محل الامام کی معرفت مراد ہے۔

قولہ: قال قلت: ممکن ہے یہ تُ تا کے ضمہ کے ساتھ متکلم کا صیغہ ہو اور ممکن ہے کہ خطاب کا صیغہ ہو۔

قولہ: وان زنوا: میں کلمہ اِنْ وصلیہ ہے یعنی جب معرفت حاصل ہو جائے تو جو بھی گناہ کبیرہ چاہیں کریں۔

قولہ: انا للہ: کلمہ استرجاع کو مصیبت کی شدت اور عظمت کے وقت استعمال کرتے ہیں اور چونکہ یہ بہتان یا ناحق بہت بڑی مصیبت تھی اس لئے حضرت نے کمال افسوس کے موقع پر استعمال فرمایا۔

قولہ: ان نکون: ای فی ان نکون یعنی اس بارے میں ہمارے ساتھ انصاف نہیں کیا گیا اس لئے کہ ہم تو مورد تکلیف ہیں اور اس پر ہم سے مواخذہ ہوگا اور وہ لوگ ہماری وجہ سے مورد تکلیف نہ ہوں گے اور ان کے اعمال کے بارے میں کوئی پرسش نہ ہوگی (یہ کیسے ممکن ہے؟) چنانچہ اس کے بارے میں انشاء اللہ اشارہ کیا جائے گا۔

پہلی فصل

جو روایات فعل عبادات و ترک معاصی پر ابھارتے ہیں اور

جو اس کے صورتاً برخلاف ہیں دونوں میں جمع کی صورت

جو روایات میں رسول خدا و ائمہ ہدیٰ کے حالات اور ان کی عبادت کی کیفیت

Presented by www.ziaraat.com

اور اس میں کوشش اور خداوند عالم کی بارگاہ میں ان کی ذلت و مسکنت اور خوف و حزن کو دیکھے گا اور قاضی الحاجات کی بارگاہ میں ان کی مناجات کو جو حد تواتر سے بالا ہے اور سینکڑوں درجہ زیادہ ہے مطالعہ کرے گا۔ اسی طرح رسولِ خدا نے حضرت علیؑ کو اور ائمہ نے جو ایک دوسرے کو وصیتیں کی ہیں ان کی طرف مراجعہ کرے گا اور ان وصیتوں کو دیکھے گا جو ائمہ نے اپنے خالص شیعوں اور خاص دوستوں کو فرمائی ہیں اور ان تاکیدوں کو ملاحظہ کرے گا جو ان حضرات نے کی ہیں اور خدا کی معصیت سے روکا ہے جس سے اصول و فروع کی کتابیں بھری پڑی ہیں تو اس کو یقین ہو جائے گا کہ جو بعض روایات حسب ظاہر ان حدیثوں کی مخالف ہیں ان کا ظاہر حتماً مراد نہیں ہے۔ لہٰذا اگر ان روایات کی ایسی تاویل ممکن ہو جو احادیث قطعیہ صریحہ جو ضروریات دین سے بھی ہیں کی مخالف نہ ہو تو ویسی تاویل کریں گے یا اگر جمع عرفی ممکن ہوگی تو جمع عرفی کریں گے ورنہ ان روایات کے علم کو ان کے قائل کی طرف رد کر دیں گے۔ سر دست تو میں اس کتاب میں ان روایات کے دسویں کا دسواں حصہ بھی نہیں بیان کر سکتا اور نہ ان کی جمع کی صورت کا ذکر کر سکتا ہوں البتہ بعض روایتوں کو ذکر کروں گا تاکہ حقیقتِ حال معلوم ہو سکے۔

کافی میں امام جعفر صادقؑ سے مروی ہے:

«كافي بِإِسْنَادِهِ عَنْ اَبِي عَبْدِاللّٰهِ، عَلَيْهِ السَّلَامُ، قَالَ: شِيْعَتُنَا (هُم) الشَّاحِبُونَ الذَّابِلُونَ النَّاحِلُونَ الَّذِينَ اِذَا جَنَّهُمُ اللَّيْلُ اِسْتَقْبَلُوهُ بِحُزْنٍ.»[2]

"ہمارے شیعہ وہ ہیں جو حزن و اندوہ والے ہیں شدتِ حزن و عبادت سے کمزور جسم والے ہیں وہ ایسے ہیں کہ جب رات کی تاریکی چھا جاتی ہے تو وہ اس کا استقبال حزن کے ساتھ کرتے ہیں" علاماتِ شیعہ کو بیان کرنے والی روایات بہت زیادہ ہیں۔

امام جعفر صادقؑ نے مفضل سے فرمایا:

«وَعَنْهُ، عَنِ الْمُفَضَّلِ قَالَ قَالَ اَبُو عَبْدِاللّٰهِ، عَلَيْهِ السَّلَامُ: اِيَّاكَ وَالسَّفَلَةَ؛ فَاِنَّمَا شِيْعَةُ عَلِيٍّ، عَلَيْهِ السَّلَامُ، مَنْ عَفَّ بَطْنُهُ وَفَرْجُهُ، وَاشْتَدَّ جِهَادُهُ، وَعَمِلَ لِخَالِقِهِ، وَرَجَا ثَوَابَهُ وَخَافَ عِقَابَهُ. فَاِذَا رَاَيْتَ اُولٰئِكَ، فَاُولٰئِكَ شِيْعَةُ جَعْفَرٍ.»[3]

Presented by www.ziaraat.com

"پست قسم کے لوگوں سے بچو، حضرت علیؑ کے شیعہ وہی ہیں جن کے شکم و شرمگاہ حرام سے آلودہ نہ ہوں، جہاد میں شدید ہوں اپنے خالق کے لئے عمل کرتے ہوں اس کے ثواب کی امید رکھتے ہوں، اس کے عقاب سے ڈرتا ہوں۔ اگر ایسے لوگوں کو دیکھو تو یہ حضرات جعفر (صادقؑ) کے شیعہ ہیں۔"

«وَعَنِ الْاَمَالِي، لِلْحَسَنِ بْنِ مُحَمَّدٍ الطُّوسِيِّ، شَيْخِ الطَّائِفَةِ، رَحِمَهُ اللّٰهُ، بِاِسْنَادِهِ عَنِ الرِّضَا، عَلَيْهِ السَّلَامُ، عَنْ اَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ، عَنْ اَبِي جَعْفَرٍ، عَلَيْهِ السَّلَامُ، اَنَّهُ قَالَ لِخَيْثَمَةَ: اَبْلِغْ شِيعَتَنَا (اَنَّا لَا نُغْنِي مِنَ اللّٰهِ شَيْئاً. وَاَبْلِغْ شِيعَتَنَا اَنَّهُ لَا يُنَالُ مَا عِنْدَ اللّٰهِ اِلَّا بِالْعَمَلِ. وَاَبْلِغْ شِيعَتَنَا) اَنَّ اَعْظَمَ النَّاسِ حَسْرَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَنْ وَصَفَ عَدْلاً ثُمَّ خَالَفَهُ اِلَى غَيْرِهِ. وَاَبْلِغْ شِيعَتَنَا اَنَّهُمْ اِذَا قَامُوا بِمَا اُمِرُوا اَنَّهُمُ الْفَائِزُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ.»[۴]

شیخ الطائفہ طوسیؒ کی امالی میں امام رضاؑ کے واسطہ سے محمد باقرؑ سے منقول ہے کہ آپؑ نے خیثمہ سے فرمایا ہمارے شیعوں کو بتادو ہم خدا سے بے نیاز نہیں بناتے (یعنی ہم پر بھروسہ کرکے عمل کو ترک نہ کر دینا) اور (یہ بھی) ہمارے شیعوں کو یہ خبر بھی دیدو کہ خدا کے پاس جو چیزیں ہیں وہ بغیر عمل نہیں مل سکتیں اور (یہ بھی) ہمارے شیعوں سے کہدو کہ قیامت کے دن سب سے زیادہ حسرت و افسوس اس کو ہوگا جو عدل کی توصیف کرے اور اسکی (عملاً) مخالفت کرے اور یہ بھی خبر دیدو کہ اگر انھوں نے حکم خدا پر عمل کیا تو قیامت کے دن وہی کامیاب ہوں گے۔"

کافی میں امام محمد باقرؑ نے فرمایا:

«كَافِي بِاِسْنَادِهِ عَنْ اَبِي جَعْفَرٍ، عَلَيْهِ السَّلَامُ، قَالَ: لَا تَذْهَبُ بِكُمُ الْمَذَاهِبُ. فَوَاللّٰهِ، مَا شِيعَتُنَا اِلَّا مَنْ اَطَاعَ اللّٰهَ.»[۵]

"معصیت میں عذر تراشی نہ کرو اور باطل باتوں کی پیروی نہ کرو کہ ہم تو شیعہ ہیں اور یہی بات ہماری نجات کے لئے کافی ہے خدا کی قسم ہمارا شیعہ وہی ہے جو خدا کی اطاعت کرے۔"

«وَبِاِسْنَادِهِ عَنْ جَابِرٍ، عَنْ اَبِي جَعْفَرٍ، عَلَيْهِ السَّلَامُ، قَالَ قَالَ لِي: يَا جَابِرُ اَيَكْتَفِي مَنْ يَنْتَحِلُ التَّشَيُّعَ اَنْ يَقُولَ بِحُبِّنَا اَهْلَ الْبَيْتِ؟ فَوَاللّٰهِ، مَا شِيعَتُنَا اِلَّا مَنِ

Presented by www.ziaraat.com

اتَّقَى اللّٰهَ وَاَطَاعَهُ. اِلَى اَنْ قَالَ: فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْمَلُوا لِمَا عِنْدَ اللّٰهِ؛ لَيْسَ بَيْنَ اللّٰهِ وَلَا بَيْنَ اَحَدٍ قَرَابَةٌ؛ اَحَبُّ الْعِبَادِ اِلَى اللّٰهِ تَعَالَى وَاَكْرَمُهُمْ عَلَيْهِ اَتْقَاهُمْ وَاَعْمَلُهُمْ بِطَاعَتِهِ. يَا جَابِرُ وَاللّٰهِ، مَا يَتَقَرَّبُ اِلَى اللّٰهِ تَعَالَى اِلَّا بِالطَّاعَةِ. مَا مَعَنَا بَرَاءَةٌ مِنَ النَّارِ وَلَا عَلَى اللّٰهِ لِاَحَدٍ مِنْ حُجَّةٍ. مَنْ كَانَ لِلّٰهِ مُطِيعاً، فَهُوَ لَنَا وَلِيٌّ؛ وَمَنْ كَانَ لِلّٰهِ عَاصِياً، فَهُوَ لَنَا عَدُوٌّ. وَمَا تَنَالُ وِلَايَتُنَا اِلَّا بِالْعَمَلِ وَالْوَرَعِ.»[6]

امام محمد باقرؑ نے جابر سے فرمایا: اے جابر جو لوگ اپنے کو شیعہ کہتے ہیں کیا صرف ہماری محبت کا قائل ہونا ان کے لئے کافی ہے؟ خدا کی قسم ہمارا شیعہ صرف وہی ہے جو تقوائے الٰہی رکھتا ہو اور خدا کی اطاعت کرتا ہو۔ یہاں تک کہ فرمایا: لہٰذا خدا سے ڈرو اور جو خدا کے پاس ہے اس کے لئے عمل کرو۔ خدا اور کسی کے درمیان کوئی رشتہ داری نہیں ہے خدا کے نزدیک سب سے محبوب اور سب سے محترم وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی اور سب سے زیادہ اس کی اطاعت کرنے والا ہو۔ اے جابر خدا کی قسم خدا سے تقرب صرف اطاعت کے ذریعہ ہو سکتا ہے ہمارے پاس آتش جہنم سے برأت کی چھٹی نہیں ہے اور کسی کے پاس خدا کے خلاف کوئی حجت ہے جو خدا کا مطیع ہے اور ہمارا دوست ہے جو خدا کا نافرمان ہے وہ ہمارا دشمن ہے اور ہماری ولایت کا حصول صرف عمل و تقویٰ ہی سے ہو سکتا ہے۔"

کافی میں ہے دو شیعیان آل محمدؐ کی جماعت تم حد وسط میں رہو کہ غالی حضرت تمہاری طرف رجوع کریں اور تالی (پیچھے رہ جانے والے) تم سے ملحق ہو جائیں ایک انصار نے جس کا نام سعد تھا عرض کیا: "میں قربان جاؤں غالی کیا ہے؟ فرمایا: غالی ایک قوم ہے جو ہمارے بارے میں ایسی باتیں کہتی ہے جو ہم اپنے بارے میں نہیں کہتے نہ یہ لوگ ہم سے ہیں نہ ہم ان سے ہیں۔ سعد نے پھر پوچھا: تالی کیا ہے؟ فرمایا وہ شخص ہے جو طالب ہدایت ہے مگر اس کا راستہ نہیں جانتا چاہتا ہے کہ اس کو خیر ملے اور وہ عمل کرے اس کے بعد امام شیعوں کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: خدا کی قسم ہمارے پاس خدا کی طرف سے برأت اور آزادی (کا پروانہ) نہیں ہے (یعنی اس کے عذاب سے بچانے کا پروانہ نہیں ہے) اور ہمارے اور خدا کے درمیان کوئی رشتہ داری نہیں ہے اور نہ ہی ہم خدا پر کوئی حجت رکھتے ہیں۔ ہم بھی خدا سے تقرب

Presented by www.ziaraat.com

اس کی اطاعت و فرمانبرداری کے ذریعہ حاصل کرتے ہیں۔ تم میں سے جو خدا کا مطیع و فرمان بردار ہوگا ہماری ولایت و دوستی اسی کو فائدہ پہونچائے گی اور جو مطیع و فرمانبردار نہ ہوگا ہماری ولایت اس کو فائدہ نہ پہونچائے گی۔ تم پر وائے ہو مغرور نہ ہو، تم پر وائے ہو مغرور نہ ہو۔"

کافی ہی میں حضرت امام باقرؑ نے فرمایا: "رسولِ خداؐ نے کوہِ صفا پر کھڑے ہوکر فرمایا: اے اولادِ ہاشم، اے اولادِ عبدالمطلب میں تمہارا رسولؐ ہوں۔ میں تم پر مہربان ہوں لیکن میرا عمل میرے لئے ہے اور تم میں سے ہر ایک کا عمل اس کے لئے ہے یہ نہ کہنا کہ محمدؐ ہم سے ہیں اور جہاں وہ داخل ہوں گے عنقریب ہم بھی وہیں داخل ہوں گے نہیں خدا کی قسم ایسا نہیں ہے، اے عبدالمطلب کی اولاد تم میں اور دوسروں میں بھی میرا دوست وہی ہے جو متقی و پرہیزگار ہے۔ آگاہ ہو جاؤ اگر تم قیامت میں اپنی پیٹھ پر دنیا لادے ہوئے آئے اور دوسرے لوگ آخرت لادے ہوئے آئے تو میں تم کو نہیں پہچانوں گا۔"[8]

جابر کی جو روایت گزر چکی اسی میں ہے امام محمد باقرؑ نے فرمایا: "اے جابر باطل آرا اور فاسد مذاہب تم کو دھوکہ نہ دیں کہ تم یہ گمان کر لو کہ صرف حضرت علیؑ کی محبت کافی ہے کیا اگر کوئی شخص کہے میں علیؑ کو دوست رکھتا ہوں اور ان کو ولایت علیؑ ہوں لیکن فعال نہ ہو اور کثرت سے عمل کرتا ہو تو کیا یہ اس کے لئے کافی ہو سکتا ہے؟ اگر کوئی کہے میں رسولِ خدا کو دوست رکھتا ہوں (باوجود یہ کہ رسولؐ علیؑ سے بہتر ہیں) لیکن رسولؐ کی سیرت پر عمل نہ کرے ان کی سنت کی پیروی نہ کرے تو کیا آنحضرتؐ کی محبت سے اس کو کچھ نفع پہونچے گا۔"[9]

طاؤس کی مشہور روایت ہے کہ انھوں نے سنا کسی طرف سے نالہ وزاری کی آواز آرہی ہے تھوڑی دیر کے بعد آواز رک گئی تضرع کرنے والا بے ہوش ہوگیا۔ جب یہ اس کے سرہانے پہونچے تو دیکھا امام زین العابدینؑ تھے۔ انھوں نے حضرتؑ کا سر اپنی گود میں رکھا اور کہنے لگے آپؑ تو فرزندِ رسولؐ ہیں جگر گوشۂ بتولؑ ہیں بہشت تو آپ کی ہی ہے۔ اس پر امام نے فرمایا: خدا نے جنت اس کے لئے پیدا کی ہے جو اس کا مطیع و فرمانبردار ہو خواہ غلام حبشی ہی ہو اور جہنم ان لوگوں کے لئے خلق کیا ہے جو نافرمان ہیں چاہے وہ سید قریشی ہوں یا اولادِ قریش سے ہوں۔)

یہ وہ چند صریح و واضح حدیثیں ہیں جو بتاتی ہیں کہ ہم اہلِ دنیا جو چھوٹی امید رکھتے ہیں وہ باطل و کاذب ہیں اور شیطانی خواہشات ہیں عقل و نقل کے مخالف ہیں۔ البتہ آیاتِ

Presented by www.ziaraat.com

قرآنی سے ان کی تائید ہوتی ہے۔

«كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِينَةٌ.» وَمِثْلُ قَوْلِهِ تَعَالَى: «فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ. وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ.» وَمِثْلُ قَوْلِهِ تَعَالَى: «لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ.» [۱۳]

اس کے علاوہ دیگر آیات جو تقریباً قرآن کے ہر صفحہ پر موجود ہے اور اس میں تاویل و تصرف خلاف ضرورت ہے۔

ان حدیثوں کے مقابلہ میں دوسری حدیثیں بھی ہیں وہ بھی معتبر کتابوں میں مذکور ہیں لیکن نوعاً جمع عرفی صحیح رکھتی ہیں اور اگر جمع پسند نہ ہو اور تاویل کے بھی قائل نہ ہوں تو پھر یہ حدیثیں چونکہ ان تمام صحیح و مرسل و متواتر اور ظواہر قرآن و نصوص فرقان و عقل سلیم و ضرورت مسلمین سے موید ہیں اس لئے ان کا مقابلہ نہیں کر سکتیں اور لہٰذا ان کو ترک کرنا ہوگا مثلاً وہ حدیثیں یہ ہیں۔

«فَمِنْ ذٰلِكَ مَا رَوَاهُ ثِقَةُ الْاِسْلَامِ الْكُلَيْنِيُّ بِاِسْنَادِهِ عَنْ يُوسُفَ بْنِ ثَابِتِ بْنِ اَبِي سَعِيدَةَ، عَنْ اَبِي عَبْدِاللّٰهِ، عَلَيْهِ السَّلَامُ، قَالَ: اَلْاِيمَانُ لَا يَضُرُّ مَعَهُ عَمَلٌ، وَكَذٰلِكَ الْكُفْرُ لَا يَنْفَعُ مَعَهُ عَمَلٌ.» [۱۴]

کافی میں امام جعفر صادقؑ سے منقول ہے ایمان کے ساتھ کوئی بھی عمل مضر نہیں ہے جیسے کفر کے ساتھ کوئی عمل فائدہ مند نہیں ہے۔"

اسی مضمون کی چند اور احادیث وارد ہیں [۱۵] علامہ مجلسیؒ نے اس قسم کی روایات کو حمل کیا ہے کہ یہاں ضرر سے مراد دخول نار یا خلود فی النار ہے [۱۶] اور اگر دخول نار مراد لیا جائے تو دیگر عذاب کے۔ مثلاً برزخ میں، مواقف قیامت میں منافی بھی نہیں ہے۔

مؤلف کتاب فرماتے ہیں: ان روایات کو اس بات پر حمل کیا جا سکتا ہے کہ ان کا مطلب ہے ایمان دل کو اتنا منور کر دیتا ہے کہ بالفرض اگر کبھی انسان سے گناہ یا خطا ہو جائے تو اس نور اور ملکۂ ایمان کی وجہ سے انسان فوراً توبہ کر کے اس کا جبران کر لیتا ہے اور خدا و یوم آخر پر ایمان لانے والا اپنے اعمال کو روز حساب پر نہیں اٹھا رکھتا۔ پس ان روایات کا مطلب تمسک بہ ایمان اور بقا بایمان پر ابھارنا و آمادہ کرنا ہے۔ چنانچہ اس کی نظیر جناب موسیٰ و خضر کی

Presented by www.ziaraat.com

وہ روایت ہے جو کافی میں مذکور ہے کہ جناب موسیٰ نے حضرت خضر سے کہا: آپ کی فیضِ صحبت سے میں صاحبِ شرافت و حرمت ہو گیا لہٰذا آپ مجھے کچھ وصیت فرمائیے تو جناب خضر نے کہا: ایسی چیز کے اختیار کی کوشش کرو جس سے تم کو ضرر نہ پہونچے چاہے اس کے غیر سے فائدہ (بھی) نہ پہونچے۔" ۱۷

«وَمِنْ ذٰلِكَ مَا رَوَاهُ بِاِسْنَادِهِ عَنْ مُحَمَّدِبْنِ الرَّيَّانِ بْنِ الصَّلْتِ، رَفَعَهُ عَنْ اَبِي عَبْدِاللّٰهِ، عَلَيْهِ السَّلَامُ، قَالَ كَانَ اَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ، عَلَيْهِ السَّلَامُ، كَثِيرًا مَا يَقُولُ فِي خُطْبَتِهِ: يَا اَيُّهَا النَّاسُ، دِينَكُمْ دِينَكُمْ فَاِنَّ السَّيِّئَةَ فِيهِ خَيْرٌ مِنَ الْحَسَنَةِ فِي غَيْرِهِ؛ وَالسَّيِّئَةُ فِيهِ تُغْفَرُ وَالْحَسَنَةُ فِي غَيْرِهِ لَا تُقْبَلُ.» ۱۸

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: "حضرت علیؑ اپنے خطبہ میں اکثر فرمایا کرتے تھے: لوگوں اپنے دین کی حفاظت کرو اس لئے کہ دین میں رہتے ہوئے گناہ کرنا بیدینی کے حسنہ سے اچھا ہے۔ دین میں رہتے ہوئے گناہ بخش دیا جائے گا لیکن غیر دین میں رہ کر اس کی نیکی بھی قبول نہ ہوگی۔"

یہ حدیث اور اس جیسی دوسری حدیثیں مذہبِ حقہ سے وابستگی پر ترغیب دلاتی ہیں اور اس پر دلالت کرتی ہیں کہ مومنین اور دینِ حق کے پیرو حضرات کے گناہ بہرحال بخش دیئے جائیں گے جیسا کہ قرآن کہتا ہے: «اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا.» ۱۹

اسی لئے یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ ان کے گناہ دوسروں کے نیکیوں سے بہتر ہیں کیونکہ وہ نیکیاں قبول نہ ہونگی۔ بلکہ شاید وہ حسنات جن میں ایمان و ولایت جیسے شرائط قبولیت نہ ہوں خود ان کے اندر ایسی ظلمت و تاریکی ہے جو مومنین کے گناہوں کی تاریکی سے کہیں زیادہ شدید و زیادہ ہے کیونکہ مومنین تو اپنے نورِ ایمان کی وجہ سے خوف و رجا کی حالت میں ہیں (جو ان کے یہاں مفقود ہے) مختصر یہ کہ اس حدیث کی دلالت اس بات پر بہرحال نہیں ہے کہ گنہگار اہلِ ایمان سے کوئی مواخذہ نہیں ہوگا اور یہ مطلب واضح ہے۔

مشہور بین الفریقین ہے:

«حُبُّ عَلِيٍّ حَسَنَةٌ لَا يَضُرُّ مَعَهَا سَيِّئَةٌ، وَبُغْضُهُ سَيِّئَةٌ لَا يَنْفَعُ مَعَهَا حَسَنَةٌ.» ۲۰

"علیؑ کی محبت وہ نیکی ہے جس کے ساتھ کوئی گناہ ضرر نہیں پہونچا سکتا اور علیؑ کی دشمنی

Presented by www.ziaraat.com

وہ گناہ ہے جس کے ساتھ کوئی نیکی نفع نہیں پہونچا سکتی۔"

یہ بھی انھیں حدیثوں کی ایک کڑی ہے جس کو ہم ایمان کے سلسلہ میں پہلے بیان کر چکے۔ اس حدیث کا مطلب وہی ہے جو علامہ مجلسیؒ نے ذکر فرمایا ہے کہ ضرر سے مراد یا دخول جہنم یا خلود نار ہے یعنی مولائے کائنات کی محبت وہ سرمایۂ ایمان اور اتمام و اکمال ایمان ہے کہ جس کی وجہ سے شفاعت کرنے والوں کی شفاعت اس کو نصیب ہوگی اور وہ دوزخ سے نجات پا جائے گا۔ اور یہ مطلب "جیسا کہ میں نے عرض کیا" برزخ کے گوناگوں عذاب کے منافی نہیں ہے جیسا کہ خود حدیث میں بھی ہے تم اپنے برزخ کا انتظام کرو۔ ہم قیامت میں تمھاری شفاعت کریں گے[۱۱] اور یا پھر حدیث کا مطلب وہ ہے جو ہم نے عرض کیا ہے کہ مولا کی محبت دل میں وہ نورانیت اور ملکۂ ایمان پیدا کر دیتی ہے کہ آدمی گناہ سے بچنے لگتا ہے اور اگر کبھی مبتلا ہو گیا تو توبہ و انابت کے ذریعہ اس کی اصلاح کر لیتا ہے ایسا نہیں کرتا کہ معاملہ ہاتھ سے نکل جائے۔

قالَ تَعالیٰ: «وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهاً آخَرَ وَلَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُونَ وَمَنْ يَفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثاماً. يُضاعَفْ لَهُ الْعَذابُ يَوْمَ الْقِيامَةِ وَيَخْلُدْ فِيهِ مُهاناً. اِلَّا مَنْ تابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ عَمَلاً صالِحاً فَاُولٰئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّئاتِهِمْ حَسَناتٍ وَكانَ اللّٰهُ غَفُوراً رَحِيماً.»[۱۲]

سورۂ فرقان کی اس آیت کے ذیل میں اچھی خاصی روایات اسی مضمون کی وارد ہوئی ہیں۔ آیت کا ترجمہ یہ ہے۔ "جو لوگ خدا کا کوئی شریک نہیں قرار دیتے اور نہ ہی جس نفس کو خدا نے قتل کرنا حرام قرار دیا ہے اسے قتل کرتے ہیں بلکہ حق کی صورت میں (جیسے قصاص وغیرہ میں) قتل کرتے ہیں اور نہ ہی زنا کرتے ہیں" وہ خدا کے خاص بندے ہیں" مگر جو لوگ یہ سب کام کریں گے وہ اپنی پوری سزا پائیں گے اور قیامت میں ان پر دُگنا عذاب ہوگا اور ذلت و رسوائی کے کے ساتھ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ ہاں اگر کوئی توبہ کرے اور ایمان لے آئے اور عمل صالح بجالائے تو خدا اس کی برائیوں کو حسنات سے بدل دے گا اور خدا تو غفور و رحیم ہے ہی۔" اس آیت کے ضمن میں بہت سی روایات ہیں مگر میں صرف ایک کو بیان کرتا ہوں کیونکہ باقی سب معنیٰ و مضمون کے اعتبار سے قریب قریب ایک ہیں۔

«عَنِ الشَّيْخِ فِي اَمالِيهِ بِاِسْنادِهِ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ مُسْلِمٍ الثَّقَفِي، قالَ سَاَلْتُ

Presented by www.ziaraat.com

اَبَا جَعْفَرٍ، مُحَمَّدَبْنَ عَلِيٍّ، عَلَيْهِمَا السَّلَامُ، عَنْ قَوْلِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ: «فَاُولٰئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَحِيماً.» فَقَالَ، عَلَيْهِ السَّلَامُ: يُؤْتٰى بِالْمُؤْمِنِ الْمُذْنِبِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حَتّٰى يُقَامَ بِمَوْقِفِ الْحِسَابِ؛ فَيَكُوْنُ اللّٰهُ تَعَالٰى هُوَالَّذِي يَتَوَلّٰى حِسَابَهُ لَا يُطْلِعُ عَلٰى حِسَابِهِ اَحَدًا مِنَ النَّاسِ؛ فَيُعَرِّفُهُ ذُنُوْبَهُ حَتّٰى اِذَا اَقَرَّ بِسَيِّئَاتِهِ. قَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ لِلْكَتَبَةِ: بَدِّلُوْهَا حَسَنَاتٍ وَاَظْهِرُوْهَا لِلنَّاسِ. فَيَقُوْلُ النَّاسُ حِيْنَئِذٍ: مَا كَانَ لِهٰذَا الْعَبْدِ سَيِّئَةٌ وَاحِدَةٌ ثُمَّ يَاْمُرُ اللّٰهُ بِهِ اِلَى الْجَنَّةِ. فَهٰذَا تَاْوِيْلُ الْآيَةِ. وَهِيَ فِي الْمُذْنِبِيْنَ مِنْ شِيْعَتِنَا خَاصَّةً.[۴۲]

محمد بن مسلم کہتے ہیں: میں نے امام محمد باقرؑ سے قول خدا فاولئک یبدل اللہ سیئا تھم حسنات الخ کے بارے میں سوال کیا تو حضرتؑ نے فرمایا: گنہگار مومن کو قیامت کے دن موقف حساب میں لاکر کھڑا کیا جائے گا اور خود خدا اس کا حساب لے گا اس کے حساب پر کسی شخص کو مطلع نہیں کیا جائے گا۔ مومن اپنے گناہوں کو پہچان کر جب اقرار کرے گا تو خدا کاتبین سے کہے گا ان گناہوں کو نیکیوں سے بدل دو اور لوگوں کو دکھا دو اس وقت لوگ کہیں گے یہ ایسا بندہ ہے کہ اس کے ذمہ ایک بھی گناہ نہیں ہے پھر خدا اس کو جنت جانے کے لئے حکم دے دے گا۔ یہ ہے آیت کی تاویل اور یہ صرف ہمارے گنہگار شیعوں کے لئے مخصوص ہے۔

میں نے اس آیت کو پورا لکھا اور کلام کو اس لئے طول دیا کہ یہ اہم ہے۔ بہت سے ذاکرین عوام کو اس قسم کی روایات کا مطلب غلط سمجھاتے ہیں حالانکہ ان لوگوں کو ربط آیت کے ذکر کے علاوہ کچھ اور نہیں معلوم ہوتا۔ اس لئے طول کلام کے لئے معذرت خواہ ہوں۔ جو شخص بھی آیت کی ابتدا و انتہا کو غور سے پڑھے گا وہ سمجھ لے گا کہ ہر شخص مطلقاً اپنے اعمال میں گرفتار ہے اور اپنی برائیوں کے بارے میں جوابدہ ہے صرف جو شخص ایمان لائے اور توبہ کی اور عمل صالح بجالائے یہ تین باتیں جس میں جمع ہو گئیں وہ ستکار اور مورد الطاف پروردگار ہے اور خدا کے نزدیک محترم ہے اس کے سارے گناہ حسنات سے بدل جائیں گے۔ حضرت امام باقرؑ نے بھی یہی تاویل فرمائی ہے کہ ایسے ہی اشخاص کا موقف و حساب اس ترتیب سے ہے۔ کیونکہ حضرت علیؑ اور ان کی معصوم اولاد کی ولایت کے بغیر ایمان حاصل ہی نہیں ہو سکتا اسی لئے امامؑ نے فرمایا یہ صرف

Presented by www.ziaraat.com

شیعوں کے لئے ہے بلکہ خدا و رسولؐ پر ایمان بھی ولایت کے بغیر قبول نہ ہوگا جیسا کہ اس کے بعد والی فصل میں انشاء اللہ ذکر کیا جائے گا لہٰذا اس آیت اور ان روایات کو ادلۂ اولیہ میں شمار کرنا چاہیئے۔ اس لئے اگر کوئی مومن ہے اور اپنے گناہوں کا جبران توبہ و عمل صالح سے نہیں کرتا تو اس آیت کا شمول نہیں ہوگا۔

لہٰذا میرے عزیز تم کو شیطان دھوکہ نہ دے، خواہشات نفس کے چکر میں نہ پھنسو، سست اور کاہل انسان شہوتوں اور حب دنیا و جاہ و مال میں مولف کی طرح گھرا ہوا ہمیشہ اپنی سستی کے لئے تاویلیں ڈھونڈھتا رہتا ہے جو چیز اس کے خواہش کے مطابق ہوتی ہے اور نفس کے مطابق ہوتی ہے اور شیطانی خیالات کی موید ہوتی ہے فوراً اس کو قبول کر لیتا ہے اور اس کے لئے آنکھ کان کھلی رکھتا ہے نہ اس کی حقیقت تلاش کرتا ہے نہ اس کے مقابلات و معارضات پر نظر کرتا ہے۔

بے چارہ محض دعوائے تشیع اور محبت اہل بیتؑ کی بنا پر ہر حرام کے ارتکاب کو جائز سمجھتا ہے اور نعوذ باللہ سمجھتا ہے کہ قلم تکلیف اس پر سے اٹھ گیا ہے۔ وہ بدبخت یہ نہیں سمجھتا کہ شیطان اس کو دھوکہ دے رہا ہے اور آخری عمر میں یہ بھی خطرہ ہے کہ بے مغز و بے فائدہ محبت بھی کہیں اس کے ہاتھ سے نہ نکل جائے اور وہ خالی ہاتھ رہ جائے اور نواصب کی صف میں محشور ہو کیونکہ جس کے پاس دلیل نہ ہو اس کے محبت کا دعویٰ قابل قبول نہیں ہوتا۔ میں اگر آپ کا مخلص ہوں اور آپ سے محبت کرتا ہوں تو یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ آپ کے تمام مقصد کے خلاف اقدام کروں۔ درخت محبت کا ثمرہ و نتیجہ یہ ہے کہ اس کے مطابق عمل کرے اور اگر یہ ثمرہ نہ ہو تو سمجھنا چاہیئے کہ محبت ہی نہیں تھی صرف خیال محبت تھا۔

دیکھئے رسولؐ اکرم اور ان کے اہل بیتؑ مکرم تمام عمر احکام و اخلاق و عقائد کے نشر میں مشغول رہے ان کا یگانہ مقصد نشر احکام خدا، اصلاح بشر تھا اور اس مقصد کے لئے ہر قتل و غارت، ذلت و اہانت کو برداشت کیا مگر اپنے کام سے باز نہیں آئے۔

لہٰذا ان حضرات کا محب و شیعہ وہی ہے جو ان کے مقاصد میں شریک ہو اور ان کے آثار و اخبار کی پیروی کرے اور روایات میں ایمان کے مقدمات میں جو زبانی اقرار اور عمل با الارکان کو شمار کیا گیا ہے یہ ایک فطری راز اور سنت اللہ ہے چونکہ حقیقت ایمان اور عمل لازم و ملزوم ہیں اور عاشق کی فطرت میں اظہار عشق اور شان معشوق میں تغزل لازم ہے۔ اسی طرح ایمان و محبت

Presented by www.ziaraat.com

خدا کے لوازم میں سے غسل کرنا بھی ہے اگر کوئی عمل نہیں کرتا تو مومن نہیں ہے اور محبت بھی نہیں رکھتا اور (بے عمل) والا ایمان تھوڑے سے حوادث و فشار سے ختم ہو جاتا ہے اور انسان خالی ہاتھ جزائے اعمال کے لئے وارد ہوتا ہے۔

دوسری فصل

محبت اہلبیت قبولیت اعمال کی شرط ہے

حدیث کے آخر میں جو ہے کہ قبولیت اعمال کی شرط ولایت ہے یہ بات مسلمات بلکہ مذہب شیعہ کے ضروریات میں سے ہے۔ اس سلسلہ میں اتنی روایات ہیں جو اس مختصر کتاب میں نہیں بیان کی جا سکتیں اور وہ حد تواتر سے زیادہ ہیں میں تبرکاً بعض کا ذکر کرتا ہوں۔

«عَنِ الْكَافِي بِاِسْنَادِهِ عَنْ اَبِي جَعْفَرٍ، عَلَيْهِ السَّلَامُ، قَالَ: ذِرْوَةُ الْاَمْرِ وَسَنَامُهُ وَمِفْتَاحُهُ وَبَابُ الْاَشْيَاءِ وَرِضَى الرَّحْمٰنِ الطَّاعَةُ لِلْاِمَامِ بَعْدَ مَعْرِفَتِهِ... اَمَا لَوْ اَنَّ رَجُلاً قَامَ لَيْلَهُ وَصَامَ نَهَارَهُ وَتَصَدَّقَ بِجَمِيعِ مَالِهِ وَحَجَّ جَمِيعَ دَهْرِهِ وَلَمْ يَعْرِفْ وَلَايَةَ وَلِيِّ اللّٰهِ فَيُوَالِيَهُ وَيَكُونَ جَمِيعُ اَعْمَالِهِ بِدَلَالَتِهِ اِلَيْهِ، مَا كَانَ لَهُ عَلَى اللّٰهِ حَقٌّ فِي ثَوَابِهِ وَلَا كَانَ مِنْ اَهْلِ الْاِيمَانِ.»[۲۴]

امام محمد باقرؑ نے فرمایا: خدا کی رضامندی، اشیا کا دروازہ ہر چیز کی حقیقت اور اس کا مغز اور اس کی بلندی اور اس کی مفتاح خدا کی معرفت کے بعد امامؑ کی معرفت ہے۔ آگاہ ہو جاؤ اگر کوئی شخص دنوں کو روزہ رکھے راتوں کو جاگ کر عبادت کرے، اپنا پورا مال صدقہ کر دے، زندگی بھر حج کرے مگر ولیٔ خدا کی معرفت نہ رکھتا ہو کہ اس سے محبت کرتا اور اس کے حکم کے مطابق تمام اعمال بجالاتا تو خدا کے نزدیک اس کے لئے کوئی ثواب نہیں ہے اور نہ وہ اہل ایمان سے ہے۔

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا:

«وَبِاِسْنَادِهِ عَنْ اَبِي عَبْدِاللّٰهِ، عَلَيْهِ السَّلَامُ، قَالَ: مَنْ لَمْ يَأْتِ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ يَوْمَ

Presented by www.ziaraat.com

الْقِيَامَةِ بِمَا أَنْتُمْ عَلَيْهِ، لَمْ يُتَقَبَّلْ مِنْهُ حَسَنَةٌ وَلَمْ يُتَجَاوَزْ لَهُ سَيِّئَةٌ.[۲۵]

جو شخص تم لوگوں کا عقیدہ لے کر قیامت میں نہ آیا نہ اس کی کوئی نیکی قبول ہوگی نہ کوئی گناہ بخشا جائے گا۔"

«وَبِإِسْنَادِهِ عَنْ أَبِي عَبْدِاللّٰهِ، عَلَيْهِ السَّلَامُ، فِي حَدِيثٍ قَالَ: وَاللّٰهِ، لَوْ أَنَّ إِبْلِيسَ، لَعَنَهُ اللّٰهُ، سَجَدَ لِلّٰهِ بَعْدَ الْمَعْصِيَةِ وَالتَّكَبُّرِ عُمْرَ الدُّنْيَا، مَا نَفَعَهُ ذٰلِكَ وَلَا قَبِلَهُ اللّٰهُ مَا لَمْ يَسْجُدْ لِآدَمَ كَمَا أَمَرَهُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ أَنْ يَسْجُدَ لَهُ؛ وَكَذٰلِكَ هٰذِهِ الْأُمَّةُ الْعَاصِيَةُ الْمَفْتُونَةُ بَعْدَ تَرْكِهِمُ الْإِمَامَ الَّذِي نَصَبَهُ نَبِيُّهُمْ لَهُمْ، فَلَنْ يَقْبَلَ اللّٰهُ لَهُمْ عَمَلًا وَلَنْ يَرْفَعَ لَهُمْ حَسَنَةً حَتّٰى يَأْتُوا اللّٰهَ مِنْ حَيْثُ أَمَرَهُمْ وَيَتَوَلَّوُا الْإِمَامَ الَّذِي أَمَرَهُمُ اللّٰهُ بِوِلَايَتِهِ وَيَدْخُلُوا مِنَ الْبَابِ الَّذِي فَتَحَهُ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ لَهُمْ...»[۲۶]

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: "خدا کی قسم اگر ابلیس لعین تکبر کے بعد دُنیا کی عمر کے برابر خدا کا سجدہ کرتا رہتا تو اس کے لئے نہ وہ فائدہ مند ہوتا نہ خدا قبول کرتا جب تک وہ حکمِ خدا کے مطابق آدمؑ کو سجدہ نہ کر لیتا۔ اسی طرح یہ اُمت گنہگار اپنے اس امام کو ترک کرنے کے بعد جس کو نبیؐ نے ان کے لئے معین کیا تھا ایسی ہوگئی ہے کہ جب تک اس امام کی ولایت کو تسلیم نہیں کرے گی جس کی ولایت کا خدا نے حکم دیا ہے اور جب تک اس دروازے سے نہ داخل ہوگی جس کو خدا نے اور رسولؐ نے اس لئے کھولا ہے اور جب تک وہاں نہ آئے گی جہاں آنے کا حکم دیا گیا ہے نہ خدا اس کے اعمال قبول کرے گا اور نہ اس کی نیکیاں بلند کرے گا۔"

اس باب میں اور اس مضمون کی روایات بہت زیادہ ہیں اور تمام روایات سے مستفاد ہوتا ہے کہ اعمال کا قبول ہونا مشروط بہ ولایت ہے۔ بلکہ ایمان باللہ و نبوت رسولؐ خدا کی قبولیت کے لئے بھی شرط ہے لیکن اعمال کے صحیح ہونے کے لئے مشروط ہونا، جیسا کہ بعض علماء نے کہا ہے "یہ معلوم نہیں ہے بلکہ ظاہر یہ ہے کہ شرط نہیں ہے جیسا کہ بہت سی روایات سے معلوم ہوتا ہے جیسے وہ روایت ہے جس میں کہا گیا ہے کہ جو سُنّی شیعہ ہو جائے اس پر زکوٰۃ کے علاوہ کسی بھی گزشتہ عمل کی قضا واجب نہیں ہے۔ زکوٰۃ کی قضا تو اس لئے ہے کہ گمراہی کے زمانہ میں نااہل کو دیدیا تھا۔ دیگر اعمال کی قضا نہ کرے خدا اجر دیدے گا۔"[۲۷] اور دوسری روایت میں ہے کہ دیگر اعمال جیسے نماز، روزہ، حج، صدقہ یہ تم کو مل جائے گا۔ لیکن زکوٰۃ چونکہ نااہل کو دیا ہے لہٰذا

Presented by www.ziaraat.com

اس کو اس کی جگہ دینا ہوگا۔[۲۸]

بعض روایات میں ہے تمام اعمال جمعرات کے دن رسولِ خدا کے سامنے پیش کئے جاتے ہیں اور روزِ عرفہ خدا ان کی طرف توجہ دیتا ہے اور سب کو صحیفۂ منشور بنا دیتا ہے۔ پوچھا گیا: کن لوگوں کے اعمال صحیفۂ منشور قرار دیئے جاتے ہیں؟ فرمایا: ہمارے اور ہمارے شیعوں کے دشمنوں کے اعمال۔ بس یہ روایت صحت پر دلالت کرتی ہے لیکن بتاتی ہے قبول نہیں ہوں گے جیسا کہ واضح ہے۔ بہر صورت یہ بحث ہمارے وظیفے سے خارج ہے۔

«وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ اَوَّلاً وَآخِرًا۔»

www.ziaraat.com
Sabeel-e-Sakina

Presented by www.ziaraat.com

تینتیسویں حدیث کی توضیحات

۱۔ اصولِ کافی جلد ۲، ص ۴۴۴، کتاب ایمان و کفر، باب ان الایمان لا یفرسیۃ حدیث ۵، بعض نسخوں میں وان زنوا او سرقوا و شربوا آیا ہے۔

۲۔ اصولِ کافی جلد ۲ ص ۲۲۳، کتاب ایمان و کفر، باب المومن و علاماتہ حدیث ۷۔

۳۔ اصولِ کافی جلد ۲ ص ۲۲۳، کتاب ایمان و کفر، باب المومن و علاماتہ حدیث ۹۔

۴۔ امالی، ص ۲۸۰، جز ۱۲۔

۵۔ اصولِ کافی جلد ۲، ص ۷۳، کتاب ایمان و کفر، باب الطاعۃ والتقویٰ حدیث ۱۔

۶۔ اصولِ کافی جلد ۲ ص ۷۴، کتاب ایمان و کفر، باب الطاعۃ والتقویٰ حدیث ۲۔

۷۔ اصولِ کافی جلد ۲ ص ۷۵، کتاب ایمان و کفر، باب الطاعۃ والتقویٰ حدیث ۶، متن اربعین میں یوجر علیہ کا مفہوم نقل ہوا۔

۸۔ روضۃ کافی جلد ۸، ص ۱۸۲، حدیث ۲۰۵۔

۹۔ اصولِ کافی جلد ۲، ص ۷۴، کتاب ایمان و کفر، باب الطاعۃ والتقویٰ حدیث ۲۔

۱۰۔ بحار جلد ۶۴ ص ۸۱۔۸۲، تاریخ علی ابن الحسین، باب ۵، حدیث ۷۵۔

۱۱۔ ہر شخص اپنے اعمال کے بدلہ گرو ہے پ ۲۹۔ سورہ ۷۴ (مدثر) آیت ۳۸۔

۱۲۔ جو ذرہ برابر نیکی کرے گا اسکی جزا کو دیکھے گا اور جو ذرہ برابر بدی کریگا اس کی سزا کو دیکھیگا (سورہ زلزال آیت ۷۔۸) جو برائی کرے گا اس کا نقصان اس کو پہونچیگا، سورہ بقرہ آیت ۲۸۶۔

۱۳۔ جو نیکی کریگا اس کا فائدہ اسکو ملے گا اور جو برائی کرے گا اس کا نقصان اس کو پہونچے گا۔ (سورہ بقرہ آیت ۲۸۶)

Presented by www.ziaraat.com

۱۴۔ اصول کافی جلد ۲، ص ۴۴۴، کتاب ایمان وکفر باب ان الایمان لایضر معہ سیئۃ حدیث ۴۔
۱۵۔ حوالہ سابق حدیث ۳، ۵، ۶۔
۱۶۔ مراۃ العقول جلد ۱۱ ص ۳۹۶، کتاب ایمان وکفر باب ان الایمان لایضر معہ سیئۃ حدیث ۲۔
۱۷۔ اصول کافی جلد ۲، ص ۴۴۴، کتاب ایمان وکفر، باب ان الایمان لایضر معہ سیئۃ حدیث ۲۔
۱۸۔ اصول کافی جلد ۲، ص ۴۴۴، کتاب ایمان وکفر، باب ان الایمان لایضر معہ سیئۃ حدیث ۶۔
۱۹۔ یقیناً خدا تمام گناہوں کو بخش دیتا ہے (سورۂ زمر آیت ۵۳)
۲۰۔ مناقب، جلد ۲، ص ۱۹۷۔
۲۱۔ حدیث ۴، توضیح ۲۲۔
۲۲۔ سورۂ فرقان آیت ۶۸۔ ۷۰۔
۲۳۔ امالی ص ۷۰، جزء سوم۔
۲۴۔ اصول کافی جلد ۲، ص ۱۹، کتاب ایمان وکفر، باب دعائم الاسلام، حدیث پنجم کا تھوڑا سا حصہ۔
۲۵۔ وسائل جلد ۱، ص ۹۱، کتاب الطہارۃ، باب ۲۹ از ابواب مقدمۃ العبادات، حدیث ۲۔
۲۶۔ حوالہ سابق، ص ۹۲، حدیث ۵۔
۲۷۔ وسائل جلد ۱، ص ۹۷، کتاب الطہارۃ، باب ۳۱ از ابواب مقدمۃ العبادات، حدیث ۱۔
۲۸۔ وسائل جلد ۱، ص ۹۷، کتاب الطہارۃ، باب ۳۱ از ابواب مقدمۃ العبادات، حدیث ۱۔
۲۹۔ بحار جلد ۲۳، ص ۲۴۷، کتاب الامامۃ، باب ۲۰، حدیث ۲۷۔

Presented by www.ziaraat.com

چونتیسویں حدیث

«بِالسَّنَدِ الْمُتَّصِلِ اِلٰی ثِقَةِ الْاِسْلَامِ، مُحَمَّدُبْنُ يَعْقُوبَ الْكُلَيْنِيّ، قُدِّسَ سِرُّهُ، عَنْ عِدَّةٍ مِنْ اَصْحَابِنَا، عَنْ اَحْمَدَبْنِ مُحَمَّدِبْنِ خَالِدٍ، عَنْ اِسْمَاعِيلَ بْنِ مِهْرَانَ، عَنْ اَبِي سَعِيدِالْقَمَّاطِ، عَنْ اَبَانِ بْنِ تَغْلِبَ، عَنْ اَبِي جَعْفَرٍ، عَلَيْهِ السَّلَامُ، قَالَ لَمَّا اُسْرِيَ بِالنَّبِيِّ، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ، قَالَ: يَا رَبِّ، مَا حَالُ الْمُؤْمِنِ عِنْدَكَ؟ قَالَ: يَا مُحَمَّدُ مَنْ اَهَانَ لِي وَلِيًّا، فَقَدْ بَارَزَنِي بِالْمُحَارَبَةِ، وَاَنَا اَسْرَعُ شَيْءٍ اِلٰی نُصْرَةِ اَوْلِيَائِي؛ وَمَا تَرَدَّدْتُ فِي شَيْءٍ اَنَا فَاعِلُهُ كَتَرَدُّدِي فِي وَفَاةِ الْمُؤْمِنِ يَكْرَهُ الْمَوْتَ وَاَكْرَهُ مَسَاءَتَهُ. وَاِنَّ مِنْ عِبَادِيَ الْمُؤْمِنِينَ مَنْ لَا (يُصْلِحُهُ) اِلَّا الْغِنٰی؛ وَلَوْ صَرَفْتُهُ اِلٰی غَيْرِ ذٰلِكَ لَهَلَكَ. وَاِنَّ مِنْ عِبَادِيَ الْمُؤْمِنِينَ مَنْ لَا (يُصْلِحُهُ) اِلَّا الْفَقْرُ وَلَوْ صَرَفْتُهُ اِلٰی غَيْرِ ذٰلِكَ لَهَلَكَ. وَمَا يَتَقَرَّبُ اِلَيَّ عَبْدٌ مِنْ عِبَادِي بِشَيْءٍ اَحَبَّ اِلَيَّ مِمَّا افْتَرَضْتُ عَلَيْهِ. وَاِنَّهُ لَيَتَقَرَّبُ اِلَيَّ بِالنَّافِلَةِ حَتّٰی اُحِبَّهُ فَاِذَا اَحْبَبْتُهُ كُنْتُ اِذاً سَمْعَهُ الَّذِي يَسْمَعُ بِهِ وَبَصَرَهُ

Presented by www.ziaraat.com

الَّذِي يُبْصِرُ بِهِ وَلِسَانُهُ الَّذِي يَنْطِقُ بِهِ وَيَدَهُ الَّتِي يَبْطِشُ بِهَا؛ اِنْ دَعَانِي اَجَبْتُهُ، وَاِنْ سَاَلَنِي اَعْطَيْتُهُ.[1]

ترجمہ: حضرت امام محمد باقرؑ نے فرمایا: جب رسولِ خدا کو شبِ معراج ساحتِ قدس تک لے گئے تو آپؐ نے عرض فرمایا: خدایا مومن کی قدر و منزلت تیرے نزدیک کیا ہے؟ جواب آیا: اے محمدؐ جو میری وجہ سے کسی دوست کی توہین کرے وہ مجھ سے جنگ کے لئے آمادہ ہوگیا ہے اور میں ہر چیز سے زیادہ جلدی دوستوں کی مدد کرتا ہوں۔ میں جو بھی کام کرتا ہوں اس میں کبھی اس طرح مردد نہیں ہوتا جس طرح اس مومن کی موت میں مردد ہوتا ہوں جو موت کو ناپسند کرتا ہو اور میں اس کو تکلیف پہونچانے کو ناپسند کرتا ہوں۔ میرے بندوں میں بعض ایسے ہیں جن کی اصلاح مالداری کے علاوہ کچھ نہیں ہے اگر میں اس کو کسی اور طرف موڑ دوں تو وہ ہلاک ہوجائے۔ (اسی طرح) بعض بندوں کی اصلاح ان کو فقیر رکھنے میں ہے اگر اس کو کسی اور طرف موڑ دوں تو وہ ہلاک ہوجائے گا۔ میرے بندوں میں سے جو بندہ مجھ سے قربت حاصل کرنا چاہے تو میرے نزدیک جو سب سے زیادہ محبوب ہے وہ یہ ہے کہ فرائض کے ذریعہ مجھ سے قربت حاصل کرے اور میرا بندہ نوافل کے ذریعہ بھی تقرب حاصل کرنا چاہتا ہے یہاں تک کہ میں اس کو چاہنے لگتا ہوں اور جب میں اسے محبوب رکھنے لگتا ہوں تو میں اس کا وہ کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور وہ اس کی وہ آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کی وہ زبان بن جاتا ہوں جس سے وہ بولتا ہے اور اس کا وہ ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ گرفت کرتا ہے اگر وہ مجھے پکارتا ہے تو جواب دیتا ہوں اور اگر سوال کرتا ہے تو عطا کرتا ہوں۔"

شرح: اَسْرٰی فعل مجہول ہے اس کے معنی رات کو سفر کرانا ہیں۔ جوہری نے کہا ہے: «سَرَيْتُ سُرَىً وَمَسْرًى. وَاَسْرَيْتُ بِمَعْنٰى اِذَا سِرْتَ لَيْلاً. وَبِالْاَلِفِ، لُغَةُ اَهْلِ الْحِجَازِ» اس وقت بولا جاتا ہے جب تم رات کو سفر کرو اور الف کے ساتھ اہل حجاز کی لغت ہے۔ انتہٰی

اس بنا پر رات کے سفر کو "اسراء" کہیں گے تو پھر آیت معراج سُبْحَانَ الَّذِي اَسْرٰى بِعَبْدِهِ لَيْلاً میں لَيْلاً کی قید لگانے کا مطلب یہ ہے کہ اس کا نکرہ ہونا اس بات پر

Presented by www.ziaraat.com

دلالت کرے کہ اسراء کی موت بہت کم تھی جبکہ مسجد الحرام اور مسجد اقصیٰ کا فاصلہ چالیس رات کا ہے۔ جیسا کہ شیخ بہائی نے فرمایا ہے[3] اور یا پھر اسی مطلب کے لئے مبنی بر تجرید ہے اور اور اسری بالنبی حذف کر دیا گیا ہے اور باقی متعلقات بھی معہود ہونے کی وجہ سے محذوف ہیں یعنی اسری بہ الی مقام القرب۔

«قَوْلُهُ: مَا حَالُ الْمُؤْمِنِ؟» یعنی مومن کی کیا قدر و منزلت تیرے نزدیک کیا ہے؟

«قَوْلُهُ: مَنْ اَهَانَ لِي وَلِيّاً اَهَانَهُ، اَيْ اِسْتَخَفَّ بِهِ وَاسْتَهَانَ بِهِ وَتَهَاوَنَ بِهِ، اَيِ اِسْتَحْقَرَهُ. يُقَالُ: رَجُلٌ فِيهِ مَهَانَةٌ. اَيْ ذُلٌّ وَضَعْفٌ.»[4]

اھان کے معنیٰ اس کو ذلیل و حقیر کرنا، (یا) یا ذلیل و حقیر شمار کرنا اسی سے ہے استھان بہ یعنی اس کو حقیر سمجھنا۔ بولا جاتا ہے۔ رجل فیہ مھانۃ یعنی وہ ذلیل و کمزور ہے۔ مختصر یہ ہے کہ اس کا مطلب ذلیل و خوار حقیر سمجھنا ہے اور بظاہر ظرف فعل یعنی اہان کے متعلق ہے اس وقت ترجمہ یہ ہوگا کہ جو مومن کی اہانت اس کے ایمان بر خدا اور خدا کی وجہ سے کرے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ولیاً سے متعلق ہو تو پھر اس وقت ترجمہ یہ ہوگا جو میرے ولی اور دوست کی اہانت کرے چاہے جس وجہ سے بھی ہو اور ولی کا مطلب دوست و محبّ کے ہوں گے۔

قَوْلُهُ: «بَارَزَنِي بَرَزَ الرَّجُلُ يَبْرُزُ بُرُوزاً، اَيْ خَرَجَ.» کا مطلب خروج کرنا ہے اور یہاں پر محاربہ و مبارزہ اور جنگ کے لئے نکلنا مراد ہے یا اس کا اظہار مراد ہے۔

قولہ مساءتہ: یہ "سائۃ" کا مصدر میمی ہے جس کے معنیٰ کراہت لانے کے ہیں۔

قَوْلُهُ: «اِنَّ مِنْ عِبَادِي مَنْ لَا يُصْلِحُهُ اِلَّا الْغِنَى» محقق شیخ بہائیؒ فرماتے ہیں: نحوی قاعدہ سے (مَنْ لا یصلحہ) یعنی موصول کو مبتدا اور (مِنْ عبادی) یعنی جاء مجرور کو خبر ہونی چاہیئے اس وقت ترجمہ یہ ہوگا کہ خدا خبر دے رہا ہے کہ بعض وہ لوگ جن کی اصلاح فقر کے علاوہ کوئی دوسری چیز نہیں کر سکتی وہ میرے بعض بندے ہیں اور ظاہر ہے کہ یہ مقصد نہیں ہے بلکہ مقصد اس کے برعکس ہے (یعنی میرے بعض بندے ایسے ہیں جن کی اصلاح فقر ہی پر موقوف ہے) لہٰذا بہتر ہے کہ ظرف کو اسم قرار دیں اور موصول کو خبر اور یہ بات اور اگرچہ خلاف متعارف ہے مگر بے نظیر نہیں ہے جیسے کہ بعض علما نے «وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَقُولُ آمَنَّا...» میں یہی احتمال دیا ہے۔[5] انتھیٰ کلامہ[6]

Presented by www.ziaraat.com

قولِ امام خمینیؒ: یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس قسم کے مقامات میں مبتدا محذوف ہو اور جار حذف پر دلالت کرتا ہے اس صورت میں نحوی قاعدے کی بھی مخالفت نہ ہوگی اور صاحب کشاف سے نقل کیا گیا ہے کہ جار مجرور کو مبتدا کی تاویل میں قرار دیں گے؛ اس بنا پر کسی تاویل کی ضرورت نہیں ہے۔

یہاں پر ایک سوال کی گنجائش تھی کہ جو لوگ نظام اتم اور قضائے کامن الٰہی سے ناواقف ہیں وہ یہ سوال کر سکتے ہیں کہ جب بندۂ خدا کی پیش پروردگار اتنی عظمت ہے تو وہ فقر و ہلاکت میں کیوں مبتلا ہے۔ اگر دُنیا کی کوئی اہمیت ہی نہیں ہے تو بعض اتنے دولت مند اور بعض اتنے غریب کیوں ہیں؟ اس پیدا ہونے والے احتمالی سوال کا جواب دیا جا رہا ہے: میرے بندوں کے حالات اور ان کے دلوں کے حالات مختلف ہیں بعض کا علاج فقر کے علاوہ کچھ ہے ہی نہیں اس لئے اس کی اصلاح حال کی خاطر اس کو فقیر بنا دیا گیا اور بعض کی اصلاح بے نیازی اور ثروت پر موقوف تھی اس لئے ان کو مال دار بنایا گیا اور یہ دونوں باتیں مومن کی کرامت اور خدا کے نزدیک اس کی قدر و منزلت ہیں۔

قَوْلُهُ: «وَ مَا يَتَقَرَّبُ اِلَيَّ عَبْدٌ مِنْ عِبَادِي...» یہ جملہ اور اس کے بعد والے جملہ کا ذکر کامل ترین مومنین کے تقرب کا بیان ہے گویا اوّل حدیث سے کہ جب رسولِ خدا مومنین کا حال بیان کیا گیا اس کی اس طرح ابتدا اور اختتام ہوتا ہے کہ پہلے اجمالاً مطلق مومنین کا حال بیان کیا جاتا ہے کہ جو ان کی اہانت کرے گا اس نے مجھ سے جنگ چھیڑ دی اس کے بعد مومنین کی دو قسمیں کر دی جاتی ہیں بلکہ اہلِ معرفت کے حساب سے تین قسمیں کی جاتی ہیں۔

۱:۔ عامہ مومنین:۔ یہ «مَا تَرَدَّدْتُ فِي اَمْرٍ» سے شروع ہو کر «مَا يَتَقَرَّبُ اِلَيَّ» تک عام مومنین سے متعلق ہے۔ عام مومنین ہی موت سے کراہت کرتے ہیں اور فقر و مالداری انھیں کے دلوں میں تغیر پیدا کرتی ہے یہ دونوں کامل ترین مومنین میں نہیں پائی جاتیں بلکہ عام اہلِ ایمان میں پائی جاتی ہیں۔ اس مطلب کے بعد اب ظاہر حدیث پر نہ کوئی اشکال ہے اور نہ یہ ان حدیثوں کے منافی ہے۔ جس میں کہا گیا ہے: مومن خالص موت سے کراہت نہیں کرتا اور نہ اس جواب کی ضرورت ہے جس کو علامہ شیخ بہائیؒ نے شیخ شہیدؒ کے حوالہ سے نقل کیا ہے اگر آپ کا جی چاہے تو شیخ بہائیؒ کی اربعین ملاحظہ فرمائیے۔

۲:۔ «مَا يَتَقَرَّبُ اِلَيَّ عَبْدٌ» سے آخر حدیث تک کامل ترین مومنین سے متعلق ہے۔

Presented by www.ziaraat.com

لیکن اہلِ معرفت کے نزدیک یہ سب فقرے دو گروہوں سے مربوط ہیں۔

۱۔ ایک گروہ تو وہ ہے جو فریضہ کے ذریعہ خدا سے قریب ہوتا ہے۔

۲۔ دوسرا گروہ وہ ہے جو نافلہ[1] کے ذریعہ تقرب حاصل کرتا ہے اور حدیث کے ذیل میں انھیں کے مقام کی طرف اشارہ ہے اور اُن کے تقرب کا نتیجہ ہے۔ اس کے بعد انشاء اللہ اجمالاً دونوں مقامات کی طرف اشارہ کریں گے۔

قولہ بَطِشُ: جوہری کا کہنا ہے «اَلبَطشَةُ، اَلسَّطوَةُ وَالاَخذُ بِالعُنفِ!. «وَقَد بَطَشَ بِهِ يَبطُشُ وَيَبطِشُ بَطشاً.» لیکن یہاں پر مطلق گرفت مُراد ہے بلکہ ظاہراً استعمال بھی شاید مطلق ہی میں ہے۔

شیخ محقق بہائیؒ نے فرمایا ہے کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے اور یہ ان حدیثوں میں ہے جو عامہ و خاصہ میں مشہور ہے تھوڑی سی کمی کے ساتھ عامہ نے اس حدیث کو اپنی صحاح میں نقل کیا ہے اس کے بعد علامہ بہائیؒ نے عامہ کی صحاح سے اس حدیث کو تھوڑے سے تفاوت کے ساتھ نقل فرمایا ہے اور کتاب اربعین کے حاشیہ پر فرمایا ہے: اس حدیث کی سند میں جو لوگ ذکر کئے گئے ہیں ان میں سے ایک علی ابن ابراہیم بھی ہیں اور اسی اعتبار سے یہ روایت صحیح ہے اور عامہ نے اس حدیث کو صحیح طریقہ سے نقل کیا ہے۔ اہلِ اسلام کے نزدیک یہ حدیث متفق علیہ اور مشہور حدیثوں میں سے ہے۔ انتہیٰ!

پہلی فصل

خدا کی تردید کے لئے توجیہات

اس سے پہلے بعض حدیثوں کی شرح میں ہم نے اہانت مومنین کی توضیح کر دی ہے[1]۔ لہٰذا یہاں تکرار نہیں کریں گے البتہ بعض دوسرے جملوں کی تشریح کروں گا۔

اس حدیث کے اندر جو خدا کی طرف تردد کی نسبت دی گئی ہے (یا) اسی طرح بعض

---

[1]: شیخ بہائیؒ نے فرمایا ہے کہ نوافل تمام وہ غیر واجب اعمال ہیں جو خدا کی خوشنودی کے لئے بجالائے جاتے ہیں۔ نوافل کا صرف نماز کے ساتھ اختصاص بعد کی اصطلاح ہے۔ منہ عفی عنہ، ص ۴۹۰

Presented by www.ziaraat.com

دیگر امور جو صحیح حدیثوں میں بلکہ قرآن میں مذکور ہیں (مثلاً) بداء، امتحان وغیرہ جو خدا کی طرف منسوب ہیں اس میں علما کی رایوں میں اختلاف ہوا ہے اور ہر ایک نے اپنے مسلک و مذہب کے اعتبار سے اس کی توجیہ و تاویل کی ہے اور شیخ بہائیؒ نے اپنی کتاب اربعین میں اس کی تین توجیہ بیان کی ہے جس کی طرف میں مختصراً ارشارہ کرتا ہوں۔

۱۔ کلام میں اضمار ہے یعنی اس طرح ہے اگر میرے لئے تردد جائز ہو۔

۲۔ لوگ چونکہ اس کا احترام کرتے ہیں اس کے ساتھ اساءت ادب میں متردد ہوتے ہیں اور دوسرے کے بارے میں تردد نہیں کرتے اس لئے ہو سکتا ہے بطور استعارہ احترام کے بدلہ میں تردد کا استعمال کیا ہو اور مقصد یہ ہو کہ مومن کی طرح کوئی بھی مخلوق ہماری نظر میں قدر و احترام نہیں رکھتی۔

۳۔ خداوندِ عالم۔ جیسا کہ حدیث میں بھی ہے۔ مرتے وقت بندۂ مومن کے لئے بشارت اور نعمتوں کا اظہار کرتا ہے تاکہ موت سے اس کی کراہت زائل ہو جائے اور دار قرار کی طرف اس کی رغبت پیدا ہو جائے۔ پس اس حالت کی تشبیہ اس شخص کی حالت سے فرمائی ہے جو اپنے دوست کو تکلیف پہونچانے کا ارادہ رکھتا ہے صرف اس لئے کہ اس کے بعد اس دوست کے لئے عظیم فائدہ ہے اور وہ شخص اس بات میں تردد کرنے لگے کہ اپنے دوست کو کس طرح ایسے رنج پر آمادہ کرے جس میں اس کو تکلیف و اذیت کم ہو۔ اس لئے ہمیشہ ترغیب دینے والی چیزوں کا اظہار کرتا ہے تاکہ وہ اس کو قبول کرے۔ انتہیٰ ۱۲

عرفانی توجیہ

لیکن حکما اور عرفا کا طریقہ اس سلسلہ میں اور اس جیسے دیگر ابواب میں دوسرا ہے۔ لیکن چونکہ وہ طریقہ ذہنوں سے بہت دور ہے اس لئے اس کے اطراف کی تفصیل بیان نہ کروں گا اور نہ اس کے مقدمات کا ذکر کروں گا صرف اس چیز کا ذکر کروں گا جو کسی حد تک اعتبار کے قریب اور ذوق کے موافق ہو۔

یہ بات جان لینی چاہیئے کہ تمام مراتب وجود۔ اوج ملکوت کی غایت اور جبروت کی چوٹی کی انتہا سے عالم ظلمات و ہیولیٰ کے منتہائے نہایات تک سب کے سب جمال و جلالِ حق

Presented by www.ziaraat.com

کے مظاہر اور تجلیاتِ ربوبیت کے مراتب ہیں۔ کسی بھی موجود کو ذاتی استقلال نہیں ہے۔ محض ذات حق علی الاطلاق سے ایک ربط و تعلق اور عین فقر و احتیاج ہے اور یہ سب بلا استثنا امر حق کے تابع اور حکم الٰہی کے مطیع ہیں اور اس مطلب کی طرف متعدد آیاتِ قرآنی میں ارشاد موجود ہے مثلاً ارشادِ خدا ہے۔ قال تعالیٰ: «وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ.» [13] "اے رسولؐ جب تم نے تیر مارا تو تم نے کچھ نہیں مارا بلکہ خود خدا نے تیر مارا" یہ اثبات و نفی مقام امر بین الامرین کی طرف اشارہ ہے یعنی اے رسولؐ آپ نے کنکریاں پھینکیں۔ لیکن در عین حال بطور استقلال وانانیت آپ نے کنکریاں نہیں پھینکیں، بلکہ قدرتِ حق کا ظہور آپ کے آئینہ میں اور نفوذ قدرتِ الٰہی رسولؐ اسلام کے ملک و ملکوت میں واقع ہوئی ہے۔ پس اے رسولؐ آپ تیر پھینکنے والے ہیں اور عین اسی حال میں خدا تیر کا پھینکنے والا ہے اور اس کی مثال وہ آیاتِ شریفہ ہیں جو سورۂ کہف میں جناب موسیٰؑ و خضرؑ کے قصہ میں مذکور ہیں جس میں جناب خضرؑ نے اپنے اعمال کے اسرار کو بیان فرمایا ہے ایک جگہ پر (کشتی میں) نقص پیدا کر دینے کی نسبت اپنی طرف دی ہے اور دوسری جگہ جو موردِ کمال تھی اس کی نسبت خدا کی طرف دی ہے اور تیسری جگہ دونوں نسبت کو ثابت کیا ہے ایک جگہ فرمایا اردت (میں نے ارادہ کیا) اور دوسری جگہ فرمایا أَرَادَ رَبُّكَ (تمہارے رب نے ارادہ کیا) تیسری جگہ ارشاد فرمایا: أَرَدْنَا (ہم سب نے ارادہ کیا) اور یہ سب صحیح ہے [14]

اسی طرح ہے «اللَّهُ يَتَوَفَّى الْأَنفُسَ حِينَ مَوْتِهَا.» [15] خدا ہی لوگوں کے مرنے کے وقت ان کی روحیں (اپنی طرف) کھینچ لاتا ہے حالانکہ ملک الموت نفوس کی وفات پر موکل ہیں۔ (اسی طرح) خدا نے ہدایت و گمراہی کی نسبت اپنی طرف دی مثلاً «يُضِلُّ مَن يَشَاءُ وَيَهْدِي مَن يَشَاءُ» [16] "خدا جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے" حالانکہ جبرئیلؑ ہادی ہیں اور رسولؐ اکرم ہادی ہیں «إِنَّمَا أَنتَ مُنذِرٌ وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ.» [17] "اے رسولؐ تم تو صرف (خوفِ خدا سے) ڈرانے والے ہو اور ہر قوم (کے لئے) ایک ہدایت کرنے والا ہے اور شیطان گمراہ کرنے والا ہے" اسی طرح نفخۂ الٰہیہ عین نفخۂ اسرافیل ہے۔

ایک اعتبار سے اسرافیلؑ و عزرائیلؑ و جبرئیلؑ و محمدؐ و تمام انبیاء و تمام دار تحقق یہ ہیں کیا کہ مُلکِ مَلکِ علی الاطلاق اور خدا کے ارادۂ نافذہ کے مقابلہ میں کسی چیز کی نسبت دی جائے؟ (یہ سب) تمام مظاہرِ قدرت اور ارادۂ حق ہیں «هُوَ الَّذِي فِي السَّمَاءِ إِلَٰهٌ وَفِي الْأَرْضِ

Presented by www.ziaraat.com

الٰہ۔" "وہی زمین میں بھی خدا ہے اور آسمان میں بھی خدا ہے۔"

اور ایک اعتبار سے یعنی نظر کثرت اور اسباب و مسببات کو دیکھتے ہوئے تمام اسباب اپنی جگہ پر درست و تمام ہیں ایک نظم و ترتیب کے ساتھ، ترتب مسببات بر اسباب کے ساتھ ان کا ارادہ جو تار رہتا ہے کہ اگر ایک معمولی سے سبب یا واسطہ کو اس کے کام سے روک دیا جائے تو آسمان دائرہ وجود کی گردش رک جائے گی اور معین واسطوں کے ذریعہ اگر حادث کا ثابت سے ربط نہ رہے تو فیض الٰہی و رحمت خدا ٹھہر جائے اور اگر کوئی شخص معین مقدمات و مبانی کے ساتھ اور اپنی جگہ پر خصوصاً بڑے بڑے عرفا کی کتابوں کو اور فلسفہ میں ملا صدرا کی کتابوں کا مطالعہ کرے۔ اس شیریں ایمانی مسلک کا ادراک کرے اور مقام قلب تک پہونچا دے تو یہ دروازے اس پر منکشف ہو جائیں گے اور وہ سمجھے گا کہ عرفانی تحقیق کے مرحلہ میں یہ تمام نسبتیں صحیح ہیں اس میں مجاز کا شائبہ بھی نہیں ہے۔ جیسے کہ بعض وہ ملائیکہ جو نفوس مومنین پر اور ان کی قبض ارواح پر موکل ہیں جب خدا کے سامنے مومنین کے بلند مقامات کو دیکھتے ہیں اور مومنین کی طرف سے (موت کی) کراہت دیکھتے ہیں تو ان کے اندر ایک تزلزل اور تردید کی حالت پیدا ہو جاتی ہے۔ اسی حالت کی خدا نے اپنی طرف نسبت دی ہے۔ جیسے اصل موت دینے اور ہدایت و گمراہی کی نسبت اپنی طرف دی ہے اور جس طرح عرفانی مسلک کی بنا پر وہ صحیح ہے یہ بھی صحیح ہے۔ لیکن اس مسلک (عرفانی) کا ادراک حسن طبیعت اور لطافت و سلامت ذوق پر موقوف ہے۔

«وَاللّٰهُ الْعَالِمُ وَالْهَادِي.»

یہ بات بھی جان لینی چاہیئے کہ چونکہ حقیقتِ وجود عینِ حقیقت کمال اور عینِ تمام ہے کسی بھی قبیح یا نقص کی نسبت خدا کی طرف نہیں دی جا سکتی اور نہ وہ قابلِ جعل ہے۔ جیسا کہ اپنی جگہ مقرر و مبرہن ہے۔ اسی لئے جتنا بھی فیض افق کمال سے نزدیک ہوگا اور ضعف و فتور سے مبرا ہوگا حق کے ساتھ اس کا رابطہ اتم اور ذاتِ حق کی طرف اس کی نسبت احق ہوگی اور جس قدر ظلمت تعین و نیستی کا غلبہ ہوگا اور حدود و نقائص زیادہ ہوں گے اتنا ہی ربط ناقص اور نسبت بعید ہوگی۔ اسی لئے ابدای افعال کو لسان شریعت میں حق سے زیادہ تر نسبت دیتے ہیں اور افعالِ تجددی مُلکی کی نسبت کم دیتے ہیں اور اگر کسی کی آنکھ کھلی ہو، دل بیدار ہو اور وہ نقص کو کمال سے، برائی کو اچھائی سے، قبیح کو حسن سے تمیز دے سکتا ہو تو باوجود یہ کہ تمام دارِ تحقق تجلّی فعلی حق ہے اور اسی کی طرف منسوب ہے۔ اس کے بعد بھی وہ سمجھ سکتا ہے کہ اس کے تمام افعال جمیل و کامل ہیں نقص

Presented by www.ziaraat.com

وقبیح کی کسی بھی قسم کی نسبت اس کی طرف دی نہیں جا سکتی۔

بلکہ اس کا انتساب عرضی ہے جیسا کہ حکما کی زبان پر شائع ہے اور حکمت کی ابتدائی تعلیم میں رائج ہے۔ اس جگہ کچھ اشتباہات بھی ہیں مگر ان سے اعراض کرنا بہتر ہے۔

اس نکتہ کے بیان کرنے کے تین مقاصد ہیں۔ ایک تو یہ کہ بعض فاسد توہمات کا ازالہ ہو جائے جو ممکن ہے معارف سے عاری جاہل شخص کو پیش آئیں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ تردید اور دعاء کا ترجح چونکہ بعض ملکوتیوں کی طرف سے بھی ہوتا ہے۔ اس لئے جو امور اس عالم میں واقع ہوتے ہیں ان کی بہ نسبت ان کی نسبت یہ حق سے اتم ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ انسان عارف بہ حقائق کو چاہیئے کہ اس تردید اور ترجح دعاء میں جہتِ کمال و نقص کے اندر تمیز دے سکے اور جہتِ کمال کو حق کی طرف منسوب سمجھے اور جہتِ نقص کو سلب کرے۔

تتمیم

حدیث تردید کی دوسری توجیہ

حدیث شریف کی ایک دوسری توجیہ بھی ہے جو گزشتہ ایام میں میرے ذہن کے اندر آئی تھی اور وہ یہ ہے کہ بندگانِ خدا کی تین قسمیں ہیں:

۱۔ عرفا و اولیا: یہ حضرات سیر الی اللہ میں ارباب قلوب سے منسلک ہیں۔ یہ گروہ مجذوبِ حق اور اس کے جمال بے مثال کے شیفتہ ہیں اور ان کی امیدوں کا مرکز اور توجہ کا قبلہ صرف ذاتِ پروردگار ہے۔ خدا کے علاوہ پوری کائنات میں کسی کی طرف حتیٰ اپنے اور اپنے کمال کی طرف بھی نظر نہیں رکھتے۔

۲۔ خالص دنیادار: جو زیبائش دنیا اور حبِ جاہ و مال کی تاریکیوں میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ اور ان کے قلوب کی پوری توجہ اپنی انیت و انانیت کی طرف ہے نہ ان کی توجہ عالم قدس کی طرف ہے اور نہ یہ محفل انس پر نظر رکھتے ہیں اور یہی لوگ ﴿وَهُمُ الْمُلْحِدُونَ فِي أَسْمَائِهِ اللَّهِ﴾ [۳]

Presented by www.ziaraat.com

۲۔ مومنین کی جماعت: یہ لوگ اپنے نورِ ایمان کے اعتبار سے عالمِ قدس کی طرف متوجہ ہیں اور اس عالم کی طرف توجہ کی مقدار کے مطابق موت سے کراہت رکھتے ہیں اور خداوندِ عالم نے اسی تجاذب ملکی و ملکوتی و الٰہی و خلقی و اُخروی و دنیاوی کے اعتبار سے تردید سے تعبیر فرمائی ہے۔ چنانچہ طرفین قضیہ کی طرف اس تجاذب کی وجہ سے تردید ہے گویا کہ خداوندِ عالم نے فرمایا: موجودات میں سے کسی بھی موجود میں وہ ملکی و ملکوتی تجاذب نہیں ہے جو مومن کے یہاں ہے۔ ایک طرف تو وہ عالم ملک کی طرف توجہ رکھنے کی وجہ سے موت سے کراہت رکھتا ہے اور دوسری طرف جاذبہ الٰہیہ اس کو اپنی طرف کھینچا ہے تاکہ اس کو اس کے کمال تک پہونچا سکے لہٰذا خداوندِ عالم اس کی ناپسندیدگی موت کا لحاظ کرتا ہے جس کا مطلب ہے اس کو ملک میں باقی رکھنا جب کہ موت کو ناپسند کرتا ہے۔ لیکن دوسرے لوگ اس طرح نہیں ہیں کیونکہ اولیا تو جذبۂ ملکی ہی نہیں رکھتے اور خالص دُنیادار جاذبۂ ملکوتی نہیں رکھتے۔

اور اس تجاذب کی نسبت خدا کی طرف وہی ہے جو پہلے بیان ہو چکی۔ یہاں پر محقق کبیر میر باقر داماد اور ان کے شاگرد رشید[۲۱] ایسی تحقیقات[۲۲] رکھتے ہیں جس کا ذکر بسبب تطویل ہے۔

دوسری فصل

خدا فقیری و مالداری سے مومنین کی اصلاح کرتا ہے

اور یہ جو اس حدیث میں ارشاد فرمایا ہے کہ میرے بعض بندوں کی اصلاح فقیری کے علاوہ کوئی اور چیز نہیں کر سکتی اگر میں ان سے فقیری لے لوں تو وہ ہلاک ہو جائیں۔ اسی طرح بعض کی اصلاح مالداری اور بے نیازی پر موقوف ہے اس کے بغیر وہ ہلاک ہو جائیں گے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خداوندِ عالم مومنین کو جو کچھ بھی دیتا ہے چاہے وہ مالداری ہو یا فقیری، صحت ہو یا بیماری، امن ہو یا بے امنی یا دیگر امور وہ سب مومنین کی اصلاح کے لئے کرتا ہے اور ان کے دلوں کے تخلیص کے لئے کرتا ہے۔

یہ حدیث ان دیگر کثیر حدیثوں کے منافی نہیں ہے جن میں آیا ہے کہ مومنین کو بیماریوں

Presented by www.ziaraat.com

دردوں، فقر و فاقہ اور دیگر مصائب میں مبتلا کر کے خدا ان کا شدید امتحان لیتا ہے کیونکہ خدا اپنے وسیع رحمت اور عمومی فضل و کرم کی وجہ سے ایک معالج طبیب اور مہربان تیمار دار کی طرح ہے جو ہر شخص کو الگ طریقہ سے دُنیا سے بچاتا ہے (مثلاً) کبھی کسی کو مالدار بنا کر اس کے ایمان کے ضعف و شدت کے اعتبار سے، نقص و کمال کے اعتبار سے دیگر بلاؤں میں مبتلا کرتا ہے۔ بلکہ اس کی ثروت و مالداری کو بلاؤں کے گھیرے میں قرار دیدیتا ہے تاکہ اس کو دُنیا اور حُبِ دُنیا سے منصرف کر دے۔ اب اگر خدا اس کو فقیر بنا دیتا تو چونکہ یہ شخص ہو سکتا ہے سعادت کا معیار مال و منال کو قرار دیتا ہے اور دُنیا کی طرف متوجہ ہو جاتا اور تحصیل دنیا کے سلسلہ میں اپنے کو ہلاکتِ ابدی میں ڈال دیتا۔ لیکن جب دُنیا اس کے حوالہ کر کے اس کو زحمتوں اور صدموں کے بھنور میں ڈلدیا تو یہ چیز دُنیا سے متنفر بنانے کے لئے کافی ہے۔ ہمارے ایک بزرگ متعدد بیویوں کے رکھنے کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ انسان سمجھتا ہے کہ یہ دنیا میں داخل ہونے اور اس کی طرف متوجہ ہونے کا راستہ ہے لیکن جب اس میں خود مبتلا ہوتا ہے تو سمجھتا ہے کہ یہی سب سے بڑی وہ چیز ہے کہ جو انسان کو دُنیا سے نفرت دلا دیتی ہے۔

اس لئے خدا کبھی مومنین کو فقیری میں مبتلا کر کے ان کی اصلاح کرتا ہے اور ان کے دلوں کو دنیا سے پھیر دیتا ہے اور کبھی اس کو مالدار بنا کر دولت و ثروت میں مبتلا کر دیتا ہے اور عین اس حال میں جب لوگ اس کے بارے میں خیال کرتے ہیں کہ یہ تو عیش و عشرت کی زندگی بسر کر رہا ہے حالانکہ وہ زحمت و فشار میں مبتلا ہوتا ہے اور اسی کے ساتھ اس میں کوئی منافات نہیں ہے کہ فقرائے مسلمین کا خدا کے نزدیک فضل زیادہ ہو۔ جیسا کہ روایات سے معلوم ہوتا ہے۔ اس باب کے تھوڑے سے حصہ کی شرح سابقہ حدیثوں کی شرح میں کسی حدیث کے ضمن میں کر چکے ہیں۔ ۲۳

تیسری فصل

واجبات و نوافل کا سبب تقرب ہونا اور اہلِ ذوق و سلوک کے اعتبار سے انکے نتائج

سالک الی اللہ اور نفس کے تاریک گھر سے کعبۂ حقیقی تک مسافر کے لئے ایک سفر روحانی

Presented by www.ziaraat.com

اور سلوکِ عرفانی ہے۔ جس کی ابتدا نفس سے ہوتی ہے اور اس کی منزلیں مراتب تعینات آفاقی و انفسی و ملکی و ملکوتی ہیں۔ جن کو حجابہائے نورانی و ظلمانی کہا جاتا ہے۔

«اِنَّ لِلّٰهِ سَبْعِيْنَ اَلْفَ حِجَابٍ مِنْ نُوْرٍ وَظُلْمَةٍ۔» ۲۴

"خدا کے لئے نور و ظلمت کے ستر ہزار حجاب ہیں، یعنی انوارِ وجود و ظلمات تعین کے حجاب، یا انوار ملکوت و ظلمات ملک کے حجابات یا اوناس ظلمانیہ تعلقات نفسانیہ و انوار طاہرہ تعلقات قلبیہ اور ان ستر ہزار نوری و ظلمانی حجابوں کی تعبیر کبھی "سات حجاب" سے کی جاتی ہے چنانچہ نماز کی تکبیرات افتتاحیہ کے سلسلہ میں ائمہ معصومینؑ سے وارد ہے کہ ہر تکبیر ایک حجاب کو چاک کرتی ہے ۲۵ اور خاکِ شفا پر سجدہ کرنے کے سلسلہ میں آیا ہے: خاکِ شفا پر سجدہ کرنا ساتوں حجابوں کو چاک کر دیتا ہے ۲۶ مشہور عارف کا کہنا ہے:

ہفت شہر عشق را عطار گشت ما ہنوز اندر خم یک کوچہ ایم ۲۷

عطار نے عشق کے ساتوں شہروں میں گردش کر لی۔ لیکن ہم تو ابھی ایک گلی کے موڑ ہی پر ہیں۔

انسان صغیر کے اندر لطائف سبعہ ۲۸ کی تعبیر کی گئی ہے اور کبھی ان کو تین حجاب کلی میں منحصر کیا گیا ہے۔ ۲۹ آفاق کی تعبیر "عوالم ثلاثہ" ۳۰ اور انفس کی "مراتب ثلاثہ" ۳۱ سے کی گئی ہے اور کبھی متوسط طریقہ سے سائرین کی مشہور منزلوں کو ہزار منزل اور ایک اعتبار سے سات منزل اور ایک اعتبار سے دس منزل پر تقسیم فرمایا ہے ۳۲ شیخ عارف کامل شاہ آبادی نے ہر منزل کے لئے بہترین طریقہ سے دس بیت مقرر کئے ہیں اس ترتیب سے اس کا مجموعہ ہزار بیت ہوتا ہے اور حضرت ابراہیمؑ نے اپنے سیر روحانی میں جس کی حکایت خدا نے قرآن میں کی ہے۔ ان منزلوں کی تین مقام سے تعبیر کی ہے۔ ایک کو "کوکب" دوسرے کو "قمر" تیسرے کو "شمس" سے تعبیر فرمایا ہے۔ ۳۳

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ روحانی سفر کا مبداء نفس کا بیت تاریک ہے اور اس کے منازل آفاق و انفس کے مراحل و مراتب ہیں اور اس کی غایت ابتدائے امر میں انسان کامل کے لئے تمام اسماء و صفات کے ساتھ ذاتِ مقدس حق ہے اور آخر امر میں اس کے اندر اسماء و صفات کا مضمحل ہو جاتا ہے اور انسان غیر کامل کے لئے اسماء و صفات و تعینات کا اسمی و صفتی و تعینی ہونا ہے۔

Presented by www.ziaraat.com

اور جب انسانِ سالک اپنی انیت و انانیت کے سر پر پیر رکھ دیتا ہے اور اس ہیت سے خارج ہو جاتا ہے اور مقصد اصلی و خدا جوئی کی طلب میں تعینات کے منازل و مراحل کی سیر کر کے ہر ایک کے سر پر پیر رکھ کر، ظلمانی و نورانی پردوں کو چاک کر کے تمام موجودات و کائنات سے دل کو الگ کر لیتا ہے اور کعبۂ دل سے دستِ ولایت مآبی کے ذریعہ بتوں کو توڑ دیتا ہے اور اس کے اُفق دل سے کواکب و اقمار و شموس ڈوب جاتے ہیں اور دل دُرخ بے کدورت ہو کر کسی غیر سے متعلق نہ ہو کر صرف خدا کی طرف متوجہ ہو کر الٰہی ہو جاتے ہیں اور اس کے دل کا حال وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ۔ ۶ ۲۲ ہو جاتا ہے اور اسماء و ذات و افعال میں فانی ہو جاتا ہے۔ تب وہ اپنے حال سے بے حال ہو جاتا ہے اور اس کو محو کلی حاصل ہو جاتا ہے اور صحق مطلق اس کے لئے درپیش ہوتا ہے اور پھر اس کے وجود میں حق کی کارفرمائی ہو جاتی ہے وہ سنتا ہے تو حق کے کان سے، دیکھتا ہے تو حق کی آنکھ سے، گرفت کرتا ہے تو دستِ قدرت سے، بولتا ہے تو زبانِ حق سے۔ (یعنی) حق سے دیکھتا ہے اور سوائے حق کچھ نہیں دیکھتا، حق سے گفتگو کرتا ہے اور بجز حق بولتا ہی نہیں۔ غیرِ حق کی طرف سے گونگا، بہرا، اندھا ہوتا ہے اس کے کان اور اس کی آنکھیں جز بہ حق باز ہی نہیں ہوتیں اور یہ مقام صرف جذبۂ الٰہیہ اور آتشِ عشق کی چنگاری کی بنا پر حاصل ہوتا ہے جو اس دائمی چنگاری عشق کی بنا پر حق سے قریب ہوتا ہے اور اس جذبۂ ربوبیہ کی وجہ سے جو حُبِّ ذاتی کے عقب میں ہوتا ہے مدد حاصل کرتا ہے تاکہ اس وادی حیرت میں لغزش نہ کھا جائے اور انانیت کی لقا جو "شطح" وغیرہ اس میں گرفتار نہ ہو جائے اور اس حدیث میں انہیں دو کی طرف اشارہ ہوا ہے وَاِنَّهٗ يَتَقَرَّبُ اِلَيَّ بِالنَّافِلَةِ حَتّٰى اُحِبَّهٗ بندے کا تقرب چنگاری عشق سے ہے اور جذبۂ الٰہیہ حق حُبّ سے ہے۔

تاکہ از جانب معشوق بنا شد کششی
کوشش عاشق بیچارہ بہ جائے نرسد ۳۵

پس قرب نوافل کی انتہا فنائے کلی اور اضمحلال مطلق اور فنائے تام ہے اور اس کا نتیجہ «كُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِي يَسْمَعُ بِهٖ...» ہوتا ہے۔ پھر اس فنائے کلی، محو تام، فنائے مطلق و صحق تمام کے بعد کبھی تو عنایت ازلی اس کے شاملِ حال ہو جاتی ہے اور اس کو اپنے آپ میں لاتی ہے اور اپنی مملکت کی طرف پلٹا دیتی ہے اور اس کے لئے حالتِ "صحو" یعنی ہوش میں آنا درپیش ہوتی ہے اور انس و اطمینان کی حالت پیدا ہو جاتی ہے۔ سبحات جلال و جمال اس پر منکشف ہو جاتے

Presented by www.ziaraat.com

ہیں اور اس حالت صحو میں آئینۂ ذات میں صفات اور صفات میں اعیان ثابتہ و اس کے لوازم منکشف ہو جاتے ہیں اور اہلِ سلوک کی حالت یہاں بھی مقامِ اوّل کی طرح ہے یعنی جو عین ثابت جو اسم کا تابع ہے وہ اسی میں فنا ہو جاتا ہے اور اسی اسم کے ساتھ باقی رہتا ہے اور حالت صحو میں بھی وہی اسم اس پر کشف ہوتا ہے اور کشفِ عین ثابتِ تابع اسی اسم کے ہو جاتا ہے۔

نبوت میں انبیا کے اختلاف کا راز

پس (معلوم ہو گیا کہ) انسانِ کامل اسم جامع اعظم کے تحت، اعیانِ ثابتہ کے کشف مطلق اور اس کے لوازم کے ساتھ ازلاً و ابداً اسی کی طرف پلٹتا ہے اور موجودات کی استعداد اور کشف حالات و کیفیت سلوک اور ان کے وصول کا نقشہ (بھی) ان ہی کی طرف پلٹتا ہے اور خلعت خاتمیت و آخری نبوت جو کشفِ مطلق کا نتیجہ ہے۔ اسی کے قد زیبا پر درست آتی ہے۔

رہے دوسرے انبیا تو وہ جس اسم کی مظہریت رکھتے تھے۔ اسی کی مناسبت سے اور اسی کے دائرہ وسعت کے مقدار کے مطابق اس اسم کے تابع اعیان کو کشف کرتے ہیں اور بابِ کمال و نقص، اشرافیت و غیر اشرافیت اور دعوت کے دائرہ کی تنگی اور وسعت کی ابتدا وہیں سے ہوتی ہے اور اسمائے الٰہیہ کی اتباع میں رجوع کرتا ہے۔ جس کی تفصیل ہم نے "مصباح الہدایہ" میں ذکر کر دی ہے۔ [۳۶]

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ اس حالت کے بعد جب صحو بعد المحو کی کیفیت طاری ہوتی ہے تو اس کا وجود وجودِ حقانی ہو جاتا ہے اور خدا اس کے مرآت جمال میں دیگر موجودات کا مشاہدہ کرتا ہے بلکہ مشیت کے ہم افق ہو جاتا ہے اور اگر انسان کامل ہو تو مشیت مطلقہ کے ہم افق ہو جاتا ہے اور اس کی روحانیت عین مقام ظہور فعلی حق ہو جاتی ہے اور اس وقت خدا اس سے دیکھتا ہے اس سے سنتا ہے اس سے گرفت کرتا ہے اور وہ خود حق کا ارادہ نافذہ و مشیتِ کاملہ و علم فعلی ہوتا ہے۔

«فَالْحَقُّ يَسْمَعُ بِهِ وَيُبْصِرُ بِهِ... الْحَدِيثَ. عَلِيٌّ عَيْنُ اللّٰهِ وَسَمْعُ اللّٰهِ وَجَنْبُ اللّٰهِ» [۳۷]

"پس قرب فرائض صحو بعد المحو ہے اور اس کا نتیجہ وہ چیزیں ہیں جن کو آپ نے سنا"

یہ بھی جان لیجئے کہ اسی صحو اور رجوع بکثرت کو "قرب" کہتے ہیں کیونکہ یہ صحو بعد المحو اس

Presented by www.ziaraat.com

حالتِ غفلت کے علاوہ ہے جو ہم کو حاصل ہوتی ہے اور فنائے محض کے بعد یہ وقوعِ کثرت اس کثرت کے علاوہ ہے جس میں ہم واقع ہیں کیونکہ کثرت تو ہمارے لئے وجہ حق سے حجاب ہے اور ان کے لئے مشاہدے کا آئینہ ہے۔

«ما رَاَیْتُ شَیْئاً اِلّا وَرَاَیْتُ اللّٰہَ مَعَہٗ وَفِیہِ وَقَبْلَہٗ وَبَعْدَہٗ» [۳۸]

اور قربِ نوافل کو فنائے اسمائی اور قربِ فرائض کو فنائے ذاتی سمجھا جاسکتا ہے۔ اس بنا پر قربِ فرائض کا نتیجہ محو مطلق ہوگا۔ اس کی تفصیل یہاں پر اس سے زیادہ مناسب نہیں ہے۔ اتنا بھی اس کتاب کے طور و طریقہ سے خارج ہے۔

چوتھی فصل

شیخ بہائیؒ کا کلام

شیخ بہائیؒ اپنی اربعین میں اس حدیث کے ذیل میں فرماتے ہیں: اصحابِ قلوب کے لئے اس جگہ ایسے کلماتِ عالیہ و اشاراتِ سریہ و قلوبجاتِ ذوقیہ ہیں جو مشامِ ارواح کو معطر کر دیتے ہیں اور بوسیدہ ہڈیوں میں جان ڈال دیتے ہیں۔ مگر ان معانی تک اور ان حقائق تک صرف وہی لوگ پہونچ سکتے ہیں جو ریاضتوں اور مجاہدوں کے ذریعہ اپنے آرام کو ترک کر دیں۔ یہاں تک کہ اس کے آبِ شیریں کا مزہ چکھ سکیں اور مطلب تک پہونچ سکیں۔ لیکن جو لوگ ان کلمات کے اسرار سے بے خبر ہیں۔ دُنیائے دنی کے لذتوں میں غرق ہونے اور بدنی لذتوں میں ڈوبے رہنے کی وجہ سے ان کلمات کے گنجِ معارف سے محروم ہیں وہ ان کلمات کے سننے سے عظیم خطرے میں ہیں اور اس بات کا خطرہ ہے کہ گرفتارِ الحاد نہ ہو جائیں اور حلول و اتحاد کے توہم میں گرفتار نہ ہو جائیں «تَعَالَی اللّٰہُ عَنْ ذٰلِکَ عُلُوّاً کَبِیْرًا۔» [۳۹]

ہم یہاں پر بہت ہی سادہ طریقہ سے بیان کرتے ہیں تاکہ بات سمجھنے میں آسانی ہو لہٰذا عرض ہے یہ کلام قرب میں مبالغہ ہے اور اس بات کا بیان ہے کہ بندہ کے ظاہر و باطن سر و علن پر سلطانِ محبت کا غلبہ ہے لہٰذا مقصود یہ ہے واللہ اعلم کہ جب میں کسی بندہ کو دوست رکھتا ہوں تو اس کو محلِ انس میں جذب کر لیتا ہوں اور عالمِ قدس کی طرف متوجہ کر دیتا ہوں اس

Presented by www.ziaraat.com

اس کے فکر کو اسرارِ ملکوت میں مستغرق کر دیتا ہوں اور اس کے حواس کو انوارِ جبروت کے اخذ پر محدود کر دیتا ہوں اس وقت بندے کا قدم مقامِ قرب میں ثابت رہ جاتا ہے اور محبت اس کے خون و گوشت میں اس قدر مخلوط ہو جاتی ہے کہ وہ اپنے آپ سے غایت ہو جاتا ہے اور اپنے احساسات سے غافل ہو جاتا ہے۔ اغیار اس کے نظر سے محو ہو جاتے ہیں یہاں تک کہ بس بمنزلہ گوش ہو جاتا ہوں چنانچہ شاعر نے کہا ہے ؎

«جُنُوني فِيكَ لَا يَخْفَى وَنَارِي مِنْكَ لَا تَخْبُو»

«فَأَنْتَ السَّمْعُ وَالْأَبْصَارُ وَالْأَرْكَانُ وَالْقَلْبُ»

اِنتہٰی کلامُہٗ، رُفِعَ مقامُہٗ!

کلام محقق طوسیؒ

خواجہ نصیر الدین طوسیؒ فرماتے ہیں: عارف جب اپنے سے منقطع ہو جاتا ہے اور حق سے متصل ہو جاتا ہے تو وہ دیکھتا ہے کہ تمام قدریں قدرتِ حق میں مستغرق ہیں اور تمام علوم علمِ حق میں مستغرق ہیں اور تمام ارادے اس کے ارادہ میں مستغرق ہیں پس عارف تمام وجودات اور کمالات وجودات کو اسی سے صادر اور اسی کی طرف سے فائض دیکھتا ہے اور اس وقت پروردگار اس کی سماعت و بصارت و قدرت و علم و وجود ہو جاتا ہے اور عارف متخلق باخلاق اللہ ہو جاتا ہے۔ انتہٰی کلامہ ۴۲ زید و علو مقامہ۔

علامہ مجلسیؒ کا بھی یہاں ایک کلام ہے جس کا خلاصہ یہ ہے:

"انسان اگر اپنی طاقتوں کو شہوت اور شیطانی راستوں میں صرف کرتا ہے تو ان میں کچھ باقی نہیں رہتا سوائے حسرت و ندامت کے اور اگر اپنی طاقتوں کو اطاعتِ خدا کے راستہ میں خرچ کرتا ہے تو خدا ان قوتوں کو روحانی قوتوں میں تبدیل کر دیتا ہے پس اس کی سماعت و بصارت سب روحانی ہو جاتی ہے اور اس کی سماعت سے ملائکہ کے کلمات سنتا ہے۔ مرنے کی وجہ سے اس کی سماعت و بصارت ضعیف نہیں ہوتی اور قبر میں اسی روحانی سماعت و بصارت سے سوال و جواب ہوتا ہے اور قیامت میں اسی روحانی سماعت و بصارت کی

Presented by www.ziaraat.com

وجہ سے صاحبِ سمع و بصر رہتا ہے۔ لیکن جو شخص اس سماعت و بصارت کا حامل نہیں ہے وہ اندھا و بہرا محشور ہوتا ہے۔ اسی اعطاء و عطیۂ خداوندی کی وجہ سے خدا نے فرمایا:
«كُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِي يَسْمَعُ بِهِ...» الحدیث ۴۳ یہ کلام مجلسیؒ سے غریب ہے۔

تتمہ

شیخ بہائیؒ نے فرمایا:
یہ حدیث صریحی طور پر دلالت کرتی ہے کہ واجبات مستحبات سے افضل ہیں۔ رہا یہ اشکال کہ حدیث میں غیر واجب کی افضلیت کی نفی کی گئی ہے اور ایسی بات (غیر واجب کے افضلیت کی نفی) اور افضلیتِ واجب میں کوئی تلازم نہیں ہے کیونکہ ممکن ہے وہ مساوی ہو تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس قسم کی ترکیب اکثر لغات میں (ہمیشہ) افضلیت پر دلالت کرتی ہے۔ (البتہ) شیخ شہید سعیدؒ نے اس کلیہ سے چند مواقع کو مستثنیٰ قرار دیا ہے۔

۱ ـــــ قرض سے مقروض کو بری کر دینا جب کہ وہ تنگدست ہو مہلت دینے سے افضل ہے۔ حالانکہ بری کرنا مستحب اور مہلت دینا واجب ہے۔

۲ ـــــ ابتدا بہ سلام کہ ردّ سلام (یعنی جواب سلام) سے افضل ہے (لیکن ابتدا بہ سلام مستحب اور جواب واجب ہے)۔

۳ ـــــ فرادیٰ نماز پڑھنے والا جماعت کے ساتھ نماز کا اعادہ کر سکتا ہے وغیر ذالک انتہیٰ ۴۴ بعض علماء نے ان سب میں مناقشہ کیا ہے جس کا ذکر ضروری نہیں ہے۔

یہ سمجھ لیجئے کہ ظاہر حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ واجبات مستحبات سے افضل ہیں، چاہے وہ ایک قسم کے نہ ہوں، مثلاً سلام واجب کا جواب حج مندوب اور مدرسہ عظیمہ کی تعمیر، زیارت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے افضل ہے۔ یہ بات اگرچہ بعید معلوم ہوتی ہے اسی لئے علامہ مجلسیؒ نے فرمایا ہے کہ ممکن ہے اس کو چند چیزوں کے ایک اصل سے ہونے پر مخصوص کر دیا جائے۔ ۴۵

Presented by www.ziaraat.com

لیکن جب دلیل موجود ہے تو محض استبعاد کی وجہ سے یہ بات نہیں کہی جا سکتی اور (بہت) ممکن ہے کہ فریضہ کا انصراف فرائض تعبدیہ کی طرف کر دیا جائے جیسے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ نہ کہ دیگر فرائض مثلاً تنگدست مقروض کو مہلت دینا، جواب سلام دینا وغیرہ اگرچہ یہ بھی خالی از تامل نہیں ہے۔

«وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ اَوَّلاً وَآخِراً۔»

www.ziaraat.com
Sabeel-e-Sakina

Presented by www.ziaraat.com

چونتیسویں حدیث کی توضیحات

۱۔ اصول کافی، ج ۲، ص ۳۵۴، کتاب ایمان و کفر، باب من اذی المسلمین و احتقرھم، حدیث ۸۔

۲۔ وہ خدا (ہر عیب سے) پاک ہے جس نے اپنے بندے کو راتوں رات مسجد حرام (خانہ کعبہ) سے مسجد اقصیٰ (آسمانی مسجد) تک کی سیر کرائی۔ پ ۱۵ س ۱۷ (بنی اسرائیل) آیت ۱

۳۔ اربعین، حدیث ۲۵، ص ۲۹۶۔

۴۔ اسکی اہانت کی۔ (سب کے معانی تقریباً یہی ہیں)۔

۵۔ اور بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو (زبان سے تو) کہتے ہیں ہم خدا اور قیامت پر ایمان لائے حالانکہ وہ (دل سے) ایمان نہیں لائے۔ پ ۱ س ۲ (بقرہ) آیت ۸۔

۶۔ اربعین، حدیث ۲۵ ص ۲۹۶۔

۷۔ کشاف، ج ۱ ص ۱۶۷، تفسیر آیت ۸ سورہ بقرہ۔

Presented by www.ziaraat.com

۸۔ اربعین، حدیث ۳۵۔
۹۔ البطشۃ۔ حملہ کرنا، اور سختی سے گرفت کرنا۔
۱۰۔ اربعین، حدیث ۳۵، ص ۲۹۵، اور عامہ میں سے بخاری نے اپنی صحیح کے کتاب الرقاق جلد ۲۳، ص ۲۲ اور ابن حنبل نے مسند کے ج ۶، ص ۲۵۶ پر نقل کیا ہے۔
۱۱۔ ــ ص
۱۲۔ اربعین، حدیث ۳۵ ص ۲۰۰
۱۳۔ سورۂ انفال آیت ۱۳
۱۴۔ سورۂ کہف، آیت ۷۹۔ ۸۲۔
۱۵۔ سورۂ زمر آیت ۴۲۔
۱۶۔ سورۂ نحل آیت ۹۳
۱۷۔ سورہ رعد آیت ۷
۱۸۔ سورہ زخرف، آیت ۸۴
۱۹۔ صدر المتالہین ملا صدرا
۲۰۔ یہی وہ لوگ ہیں جو نام خدا سے اعراض کرتے ہیں۔
۲۱۔ حکیم الٰہی میر داماد اور ان کے شاگرد ملا صدرا۔
۲۲۔ قبسات ص ۴۶۹۔ ۴۷۰، اسفار اربعہ ص ۳۹۵ اور اس کے بعد سفر سوم، موقف چہارم، فصل ۱۳
۲۳۔ ص
۲۴۔ بحار ج ۵۵، ص ۴۵، کتاب السماء والعالم، باب ۵، حدیث ۱۳
۲۵۔ ہشام کہتے ہیں: ساتویں امامؑ نے اسکے لئے دوسری دلیل فرمائی ہے چنانچہ فرماتے ہیں: جب رسولؐ کو معراج پر لیجایا گیا تو سات حجاب چاک کئے ہر حجاب کے پاس ایک تکبیر کہی اس لئے خدا نے ان کو انتہائے کرامت تک پہونچایا۔ وسائل، ج ۴، ص ۷۲۰، کتاب الصلوٰۃ باب ۷ از ابواب تکبیرۃ الاحرام، حدیث ۵
۲۶۔ شیخ طوسیؒ نے معاویہ ابن عمار سے روایت کی ہے کہ امام ششمؑ کے پاس زرد

Presented by www.ziaraat.com

رنگ کا ایک دیبا کا کیسہ تھا جس میں خاک شفا تھی جب نماز کا وقت ہوتا تھا تو آپ اسکو سجادہ پر پھیلا کر اسی پر سجدہ کرتے تھے اور فرماتے تھے۔ خاک شفا پر سجدہ ساتوں حجابوں کو چاک کر دیتا ہے۔ وسائل ج ۳ ص ۶۰۸، کتاب الصلوۃ، باب ۱۶، از ابواب ما یسجد علیہ، حدیث ۳۔

۲۷۔ یہ شعر مولوی کیطرف منسوب ہے لیکن بعضوں نے اسکو جامی کا کہا ہے

۲۸۔ مرحوم شاہ آبادی نے وجود آدمی کے سات لطیفوں کو اسطرح شمار کیا ہے۔: نفس، عقل، قلب، روح، سر خفی، اخفی۔ رشحات البحار، کتاب الانسان والفطرۃ ص ۱۷۷۔

۲۹۔ مراد آیات اسماء و صفات کے حجابات ہیں۔ ارجاع بہ متن۔

۳۰۔ عوالم ثلاثہ سے مراد عالم طبیعت، عالم مثال، عالم عقل ہے۔ ملا صدرا نے عوالم کے تین میں انحصار کی دلیل یہ قرار دی ہے کہ موجود کی تقسیم محسوس، متخیل اور معقول کیطرف ہوتی ہے۔ شواہد الربوبیۃ۔ ص ۳۲۰

۳۱۔ یہ مرتبۂ ظاہر نفس کی طرف اشارہ ہے جو بدن میں مرتبہ ظہور نفس ہوتا ہے اور مرتبہ برزخ نفس مرتبۂ تجرد مثالی و قوای باطن ہیں۔ اور مرتبۂ عقل، تجرد کامل ہے۔

۳۲۔ خواجہ عبداللہ انصاری منازل السائرین کے مقدمہ میں تحریر کرتے ہیں: ابوبکر کتانی نے بندہ و حق کے درمیان ہزار مقام نورانی و ظلمانی قرار دیے ہیں اور میں نے ان مقامات کو سو مقام کر دیا ہے جو دس قسم پر منقسم ہوتے ہیں اور میں ہر ایک کی شرح کروں گا۔

۳۳۔ یہ سب پ ۷ س ۶ (انعام) کی آیات ۷۷، ۷۸، ۷۹، کیطرف اشارہ ہے۔

۳۴۔ میں نے تو اسی کیطرف اپنا چہرہ کر لیا جس نے بہت سے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا۔ پ ۷ س ۶ آیت ۸۰۔

۳۵۔ امثال و حکم، دہخدا ج ۱، ص ۵۲۷۔

۳۶۔ مصباح الہدایہ۔ ۱۹۲۔ ۱۹۵۔

۳۷۔ علیؑ چشم خدا، گوش خدا، پہلوئے خدا ہیں۔ امام ششمؑ نے فرمایا: حضرت علیؑ کا ارشاد ہے: میں علم خدا ہوں، میں خدا کا قلب حافظ ہوں، خدا کی بولتی زبان ہوں، چشم،

Presented by www.ziaraat.com

خداہوں، چھٹوں خداہوں میں یداللہ ہوں۔ توحید صدوق، ص ۱۶۲، باب ۲۲، در معنی، جنب اللہ۔ حدیث ۱

۳۸۔ حدیث ۲۸، حاشیہ ۱۲

۳۹۔ خدا اس سے کہیں برتر و بزرگ ہے۔

۴۰۔ میرا جنون تیرے بارے میں ایسا ہے جو مخفی نہیں ہے۔ اور میری آتش عشق خاموش ہونے والی نہیں ہے۔ پس تو ہی میری سماعت اور میری بصارت ہے اور تو ہی میرا جسم اور قلب ہے۔

۴۱۔ اربعین، حدیث ۲۵ ص ۲۹۹

۴۲۔ شرح اشارات، ج ۲ ص ۳۸۹، نمط ۹، فصل ۱۹

۴۳۔ مرآۃ العقول، ج ۱، ص ۳۹۲، کتاب ایمان و کفر، باب من اذی المسلمین حدیث ۵

۴۴۔ اربعین، حدیث ۲۵، ص ۳۰۲

۴۵۔ مرآۃ العقول ج ۱، ص ۳۸۳، کتاب ایمان و کفر، باب من اذی المسلمین حدیث ۵

Presented by www.ziaraat.com

پینتیسویں حدیث

«بِالسَّنَدِ الْمُتَّصِلِ إِلَى عِمَادِ الْإِسْلَامِ وَالْمُسْلِمِينَ، مُحَمَّدُ بْنُ يَعْقُوبَ الْكُلَيْنِيّ، رِضْوَانُ اللّٰهِ عَلَيْهِ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يَحْيٰى، عَنْ اَحْمَدَ بْنِ مُحَمَّدٍ، عَنْ اَحْمَدَ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ اَبِي نَصْرٍ، قَالَ، قَالَ اَبُو الْحَسَنِ الرِّضَا، عَلَيْهِ السَّلَامُ: قَالَ اللّٰهُ: يَا ابْنَ آدَمَ، بِمَشِيَّتِي كُنْتَ اَنْتَ الَّذِي تَشَاءُ لِنَفْسِكَ مَا تَشَاءُ وَبِقُوَّتِي اَدَّيْتَ فَرَائِضِي، وَبِنِعْمَتِي قَوَيْتَ عَلٰى مَعْصِيَتِي. جَعَلْتُكَ سَمِيعاً بَصِيراً قَوِيّاً؛ مَا اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ؛ وَمَا اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَفْسِكَ. وَذٰلِكَ اَنِّي اَوْلٰى بِحَسَنَاتِكَ مِنْكَ؛ وَاَنْتَ اَوْلٰى بِسَيِّئَاتِكَ مِنِّي. وَذَاكَ اَنِّي لَا اُسْأَلُ عَمَّا اَفْعَلُ وَهُمْ يُسْأَلُونَ.»[1]

ترجمہ: امام رضا علیہ السلام فرماتے ہیں: خداوندِ عالم نے فرمایا: اے اولادِ آدم میری ہی مشیت کے ساتھ تو اپنے لئے جو چاہتا ہے خواہش کرتا ہے۔ میری (دی ہوئی) قوت کے سہارے تو نے اپنے فرائض ادا کئے۔ میری ہی نعمت (کے بدولت) سے تو میری معصیت پر

Presented by www.ziaraat.com

قادر ہوا، میں نے تجھے قوی، سننے والا، دیکھنے والا بنایا۔ جو نیکی تجھے ملتی ہے وہ خدا کی طرف سے ہے اور جو برائی تم کو پہونچتی ہے وہ تمھاری وجہ سے ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ تیری نیکیوں کے لئے تجھ سے زیادہ میں اولیٰ ہوں اور تیری برائیوں کا مجھ سے زیادہ تو اولیٰ ہے۔ اس لئے کہ میں، جو بھی کرتا ہوں مجھ سے اس کے بارے میں سوال نہیں کیا جا سکتا۔ مگر میرے بندوں سے ان کے افعال کے بارے میں پرسش ہوگی۔"

شرح :۔ اس حدیث میں عدم عالیہ ماقبل الطبقہ کے ایسے بلند مطالب اور اہم مسائل مذکور ہیں جن کو اگر مقدمات کی تفصیل کے ساتھ بیان کیا جائے تو اس کتاب کی وضع سے خارج اور موجب تطویل ہوں گے۔ اس لئے حدِ وسط کا اعتبار کرتے ہوئے بعض مسائل کو بطورِ نتیجہ البرہان چند فصلوں کے ضمن میں بیان کریں گے۔ وعلی اللہ التکلان۔

پہلی فصل

اسمائے خدا کے دو مقام ہیں

یہ جان لو کہ مشیتِ الٰہی بلکہ تمام اسماء و صفات۔ جیسے علم و قدرت و حیات وغیرہ کے دو مقام ہیں۔

۱۔ اسماء و صفاتِ ذاتیہ کا مقام ہے۔ برہان سے ثابت ہے کہ ذاتِ واجب الوجود بہ حیثیت واحدہ و جہت بسیط واحدہ، تمام کمالات اور اسماء و صفات کی جامع ہے اور وہ تمام کمالات اور اسماء و صفاتِ جمال و جلال کی مرجع ہے اور وجود کے ماسوا جو کچھ بھی ہے وہ نقص و قصور و اعدام ہے اور چونکہ اس کی ذات مقدس صرف وجود اور وجود صرف ہے صرف کمال اور صرف کمال ہے (لہٰذا) «عِلْمٌ كُلُّهُ، قُدْرَةٌ كُلُّهُ حَيَاةٌ كُلُّهُ.» ہے۔

۲۔ اسماء و صفاتِ فعلیہ کا مقام ہے اور یہی اسماء و صفاتِ ذاتیہ کے ظہور کا مقام ہے اور صفاتِ جلالیہ و جمالیہ کے تجلّی کا مرتبہ ہے اور یہ مقام مقام "معیت قیومیہ" ہے۔ «هُوَ مَعَكُمْ.»[۲] «وَمَا مِنْ نَجْوٰى ثَلَاثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ...»[۳] اور یہ مقام وجہ اللہ ہے۔ «اَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ.»[۴] اور مقام نوریت ہے

Presented by www.ziaraat.com

اور مقام مشیت مطلقہ "ہے "وَمَا تَشَاؤُونَ إِلَّا أَن يَشَاءَ اللَّهُ" "خَلَقَ اللَّهُ بِالْمَشِيَّةِ وَخَلَقَ الْمَشِيَّةَ بِنَفْسِهَا." البتہ اہل اللہ کی زبان میں ان کی دوسری اصطلاحات و القاب ہیں۔ خداوندِ عالم کی کتاب میں بعض اعتبار سے دونوں مقامات کی طرف اس قول سے اشارہ ہے "هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ." [8]

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ مقام مشیت فعلیہ مطلقہ تمام موجودات ملکیہ وملکوتیہ اور تمام موجودات پر ان کے تعینات کے ساتھ ایک اعتبار سے احاطۂ قیومیہ رکھتی ہے اور ایک اعتبار سے ان کی مظاہر ہے اور مشیت فعلیہ و مظہریت اور اس میں فنائے مشیت عباد بلکہ مظہریت و ربانیت خود عباد اور ان کے تمام شئون کو اس مقام کے اعتبار سے اس حدیث میں بیان کیا گیا ہے: "اے پسرِ آدم میری مشیت سے تو وہ شخص ہوا ہے جو مشیت (وارادہ) کرتا ہے تیری ذات اور تیری ذات کے کمالات سب ہی عین میری مشیت ہیں۔ بلکہ تو خود اور تیرے سارے کمالات مظاہر و تعینات میری مشیت ہیں "وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ رَمَى." [9] اخبار و آیات (سے بھی) اس مطلب عرفانی کے لئے بہت سے شواہد ہیں۔ جن کا ذکر کرنا غیر ضروری ہے۔

شیخ اشراقی خدا کے اشیا کے علم تفصیلی کا مطلب اسی مقام علم فعلی کو قرار دیتے ہیں [10] اور محقق طوسیؒ نے بھی اس مسئلہ میں اشراقی کی اتباع کی ہے [11] لیکن ملا صدرا خدا کے علم تفصیلی کا مطلب اسی مقام ذاتِ بسیط کو قرار دیتے ہیں [12] اور اشراقی و طوسیؒ کا کلام ان کو پسند نہیں ہے۔ لیکن میں (مؤلف کتاب) ان سب کے کلام کی روح کو ایک ہی سمجھتا ہوں اور اس نزاع کو نزاع لفظی قرار دیتا ہوں ایک ایسے بیان کے ساتھ جو اس مقام پر مناسب نہیں ہے۔

اس بیان سے معلوم ہوا کہ اس دار تحقق میں جو کچھ بھی ہوتا ہے۔ خواہ جواہر قدسیہ البتہ سے ہو یا ملکیہ طبیعہ سے ہو یا اعراض سے ہو اور خواہ ذوات و اوصاف و افعال ہوں۔ وہ سب کا سب قیومیت اور نفوذ قدرت اور احاطۂ قوتِ حق کے ماتحت متحقق ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ بات صاف و درست ہو گئی کہ "بِقُوَّتِي أَدَّيْتَ فَرَائِضِي" اور یہی مقام مشیت مطلقہ مقام رحمت واسعہ و نعمت جامعہ ہے جیسا کہ فرمایا "وَبِنِعْمَتِي قَوِيتَ عَلَى مَعْصِيَتِي."

Presented by www.ziaraat.com

دوسری فصل

جبر و تفویض کی طرف اشارہ

اس حدیث میں مسئلہ جبر و تفویض کی طرف واضح اشارہ کرتے ہوئے مذہب حق کو جو منزلہ بین المنزلتین ہے جو مسلک اہل معرفت و طریقہ اصحاب قلوب کے مطابق ہے ذکر فرمایا ہے۔ کیونکہ اثبات مشیت و ایمان و بندہ کے لئے قوت کے ساتھ ساتھ ان چیزوں کو مشیت حق قرار دیتے ہوئے فرمایا ہے: تو نے ارادہ کیا اور میری مشیت کے ساتھ تیری مشیت ظاہر ہوئی ہے۔ تو نے فریضہ کو ادا کیا اور تیری قوت میری قوت کا ظہور ہے اور میری نعمت کی وجہ سے جو بسط رحمت واسعہ ہے۔ تجھے معصیت پر قدرت و طاقت حاصل ہوئی۔ لہٰذا تجھ سے مطلقاً افعال و اوصاف و وجودات کو سلب نہیں کیا جا سکتا جس طرح اثبات مطلق بھی نہیں کیا جا سکتا۔ تو نے ارادہ کیا اور تیرا ارادہ میری مشیت میں فانی ہے اور اس کا ظہور و یقین ہے۔ تو اپنی قوت سے اطاعت و معصیت رکھتا ہے۔ و با این حال تیری طاقت و قدرت میری قوت و قدرت کا ظہور ہے۔ یہاں پر ایک اعتراض کا امکان تھا کہ اس بنا پر تمام نقائص و رذائل و معاصی کی نسبت خدا کی طرف دی جا سکتی ہے لہٰذا بطور حکمی برہانی و ذوقی عرفانی اس کا جواب دیا کہ خداوند عالم چونکہ محض کمال و خیر و جمال و بہاء ہے اس لئے اس کی طرف سے جو بھی ہوگا وہ کمال و خیر ہی ہوگا۔ بلکہ خود پورا نظام وجود و ہستی غیب و شہود میں عین کمال و اصل تمامیت و جمال ہے اور جو نقص و رذیلہ، شر و وبال ہے وہ عدم کی طرف راجع ہے اور لوازم ماہیت سے ہے جو متعلق جعل اور فیضان حق سے غیر متعلق ہے۔ بلکہ عالم طبیعت از نشئہ ملک کے اندر جتنے قسم کے شر ہیں وہ موجودات و کائنات کے تضاد کی وجہ سے ہیں اور ان کا تضاد متعلق جعل نہیں ہوا کرتا۔ لہٰذا جتنے خیرات و کمالات و حسنات ہیں وہ سب خدا کی طرف سے ہیں اور جتنے نقائص و شرور و معاصی ہیں وہ مخلوق کی طرف سے ہیں اسی لئے قرآن نے کہا:

«ما اَصابَکَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ وَ ما اَصابَکَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَفْسِکَ.»

لہٰذا تمام دنیاوی اور اخروی سعادتیں اور تمام ملکی و ملکوتی خیرات مبداء فیاض کی طرف

Presented by www.ziaraat.com

سے ہوتی ہیں اور تمام دنیوی واخروی بدبختیاں اور اس عالم اور دوسرے عالم کے تمام شرور خود موجودات کے ذاتی قصور و نقصان سے حاصل ہوتے ہیں۔

اور یہ جو زبانِ زد ہے کہ سعادت و شقاوت جعل جاعل سے متعلق نہیں ہے بلکہ اشیا کی ذاتی چیز ہے یہ سعادت کی حد تک تو بے اصل ہے کیونکہ سعادت مجعول حق سبحانہ ہے۔ سعادت کسی بھی ذات کی نہ ذاتی ہے نہ کسی ماہیت کی ماہیتی ہے بلکہ ہر شئی کی مکمل شقاوت اور محض ہلاکت کا مرجع ماہیت ہے۔ ہاں یہ کلیہ شقاوت کی حد تک درست ہے کیونکہ شقاوت ماہیت کی طرف راجع ہے اور غیر مجعول ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ مرتبہ جعل تک نہیں پہونچتی۔ رہی مشہور حدیث «اَلسَّعِیْدُ سَعِیْدٌ فِیْ بَطْنِ اُمِّہٖ» تو اس کا مطلب دوسرا ہے جو علم اسماء و صفات سے متعلق ہے اور اس کا ذکر مناسب نہیں ہے۔

اس مطلب حق برہانی کے بعد ایک دوسرے شبہ کا امکان تھا اور وہ یہ ہے کہ، خیرات کے سلسلہ میں موجودات کا عزل لازم آتا تھا اور شرور کے سلسلہ میں قدرت واجبہ قدیمہ کا عزل لازم آتا تھا اور یہ مستلزم جبر و تفویض ہے اور جبر و تفویض مسلک عرفان اور طریقہ برہان کے خلاف ہے لہٰذا لسانِ دلیل ہی میں اس کی رد فرمادی۔ اور اس کی تفصیل و تحقیق یہ ہے کہ خدا حسنات کے لئے بہ نسبت بندوں کے اولیٰ ہے اور بندے شرور کے لئے بہ نسبت خدا کے اولیٰ ہیں اور اس اثبات اولویت میں طرفین سے انتساب ہے۔ اب رہی یہ بات کہ خیرات میں خدا کو اولویت ہے اور اس کا اصل انتساب بندوں کی اس وجہ سے ہے کہ مبداء المبادی کی خیرات کی طرف نسبت، نسبتِ وجود بالذات ہے۔ کیونکہ خیرات وجود کے لئے ذاتی ہے اور یہ واجب میں تو عینِ ذات ہے لیکن ممکن میں بسبب جعل وافاضہ ہے۔ پس اصل افاضہ خیرات خدا کی طرف سے ہے۔ ممکن صرف مظہر اور آئینہ ظہور ہے اور اس ظاہریت وافاضہ کی نسبت مظہریت وقابلی سے اتم ہے۔ لیکن شرور اور برائیوں میں مسئلہ اس کے برعکس ہے۔ البتہ دونوں نسبت محفوظ ہے کیونکہ جس چیز کا فیضان خدا کی طرف سے ہے وہ خیرات ہے اور اس خیرات کا لازمہ بطورِ تبعیت درمیان میں شرور کا وقوع ہے پس عرضی طور پر اس کی طرف منسوب ہے لیکن بالذات یہ ذات کا نقصان اور ماہیات کا قصور ہے اور خود آیت میں بھی اس دو نظر سے دونوں معنوں کا ذکر ہے۔ ایک تو وہاں پر جہاں وحدت کا غلبہ ہے اور کثرات و نقائص کو مضمحل قرار دیتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے «قُلْ کُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰہِ۔» [۱۴] اور دوسرے اس جگہ پر جہاں تخلل کثرت

Presented by www.ziaraat.com

کو بالعرض ملاحظہ کر کے وسائط کو مقرر فرمایا اور ارشاد فرمایا: مَا اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ۱۵

تیسری فصل

خدا سے سوال نہیں ہو سکتا لیکن دیگر موجودات سے سوال کیا جائے گا

محققین فلاسفہ کے نزدیک خدا کے فعل مطلق کے لئے ذاتِ مقدس حق اور اس کی ذاتی تجلیات کے علاوہ کوئی غرض و غایت نہیں ہے۔ ایجاد اشیا کے سلسلہ میں سوائے اپنی ذات اور اس کی تجلی و ظہور کے علاوہ ممکن نہیں ہے کہ خدا کوئی دوسری غایت رکھتا ہو۔ اس لئے کہ جو فاعل بھی اپنی ذات کے علاوہ کسی بھی قصد یا غرض کے پیش نظر ایجاد کرتا ہے خواہ وہ دوسرے کو نفع و ثواب ہی پہونچانا ہو، یا عبادت و معرفت یا حمد و ثنا کے لئے ہو وہ فاعل اس غرض کے ذریعہ کمال کو پہونچتا ہے اور اس کا وجود اس کے لئے عدم سے اولیٰ ہوتا ہے اور یہ چیز مستلزم نقص و قصور و انتفاع ہے اور نقص و قصور ذات کامل علی الاطلاق و غنی بالذات و واجب من جمیع الجہات کے لئے محال ہے۔ لہٰذا خدا کے افعال میں نہ تو لمیت ہے اور نہ سوال از لمیت ہے وَلَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ ۱۶ البتہ خدا کے علاوہ تمام موجودات اپنے افعال میں اپنی ذات کے علاوہ دوسرے اغراض و مقاصد رکھتے ہیں۔ پس عشاقِ جمالِ حق و مقربین و مجذوبین کے افعال کا مقصد وصول بہ باب اللہ اور حصولِ لقاء اللہ ہوتا ہے اور دیگر موجودات اپنے کمال و نقص شدت و ضعف کے اعتبار سے اپنی ذات سے الگ غرض رکھتے ہیں۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ جو ذات کمالِ مطلق اور واجب بالذات ہے وہ من جمیع الجہات واجب ہے اور جس طرح خدا کی ذات لمیت سے مبرا ہے اس کے افعال بھی لمیت سے مبرا ہیں یہ بات دیگر موجودات میں نہیں ہے۔

نیز چونکہ ذاتِ خدا کاملِ مطلق اور جمیل علی الاطلاق ہے اس لئے تمام موجودات

Presented by www.ziaraat.com

کی اُمیدوں کا کعبہ اور تمام سلسلہ کائنات کا انتہائی مقصد ہے۔ مگر خود خدا نہ کوئی اُمیدوں کا کعبہ رکھتا ہے اور نہ اپنی ذات کے علاوہ کوئی غایت و مقصد رکھتا ہے۔ اس لئے کہ ہر موجود ناقص بالذات ہے اور ہر ناقص فطرتاً مرہب عنہ ہوتا ہے جیسے ہر کامل مرغوب فیہ ہوتا ہے۔ لہٰذا تمام افعال و حرکات کی غایت ذاتِ مقدس ہے اور ذات مقدس کے لئے اپنی ذات کے علاوہ کوئی غایت نہیں ہے۔ «فَلَا يُسْأَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْأَلُونَ.»

نیز چونکہ ذاتِ خدا بدرجہ اتم جمال و کمال ہے (لہٰذا) نظامِ کائنات۔ جو ذات جمیل کا ظل ہے۔ امکان کے انتہائی درجہ پر ہے اور یہ نظام کلی کامل ترین نظاموں میں متصور ہے اس لئے لمیت و غایت و غرض کا سوال جہالت کے علاوہ کوئی فائدہ نہیں رکھتا جیسے کہ ابلیس لعین سے سات سوال کئے گئے تھے اور خدا نے بطریق احسن و بطور مجادلہ سب ہی کا بوجہ احسن اجمالاً ایک جواب دیا ہے۔ ۱۸ البس چونکہ خدا کا فعل غایت کمال پر مشتمل ہوتا ہے اس لئے اس کے بارے میں سوال نہیں کیا جا سکتا! البتہ دیگر موجودات چونکہ ذاتاً و فعلاً ناقص ہیں اس لئے ان کے بارے میں سوال ہو سکتا ہے۔

نیز چونکہ خدا حکیم علی الاطلاق ہے اس کا ہر فعل انتہائی مضبوط و متقن ہوتا ہے اس لئے اس کے بارے میں سوال کی گنجائش ہی نہیں ہے بخلاف دیگر موجودات کے۔

نیز چونکہ خدا کا ہر وہ فعل جو صادر ہوتا ہے وہ اس کی اصل حقیقت اور اس کی خالص ماہیت ہے اور دیگر موجودات ایسے نہیں ہیں لہٰذا وہ بالذات فاعل ہے اور اس کے افعال کے بارے میں کیوں؟ کہنا باطل ہے بخلاف دیگر موجودات کے۔

اور چونکہ ارادہ و مشیت و قدرت عین ذات خدا ہیں۔ خدا کے اندر فاعلیت بالذات عین فاعلیت بالارادہ والقدرہ ہے اور شبہہ بالطبع کی گنجائش نہیں ہے ا اس لئے خدا کے افعال کے بارے میں لمیت بے معنیٰ چیز ہے) یہ بھی ایک ایسا شریف بحث ہے جو اپنی جگہ ادلہ و براہین سے ثابت ہے اور اس سے متکلمین کے بہت سے وہ شبہات جو مختلف ابوابِ معارفِ الٰہیہ میں ہیں، حل ہو جاتے ہیں۔

ہمارے ان بیانات سے حدیث کے جملوں کا آپسی ارتباط اور ہر ایک کا دوسرے کے لئے علت ہونا معلوم ہو جاتا ہے۔ اب چونکہ فعلِ خدا حد کمال اور نظام اتم پر واقع ہے لہٰذا وہ جو کرتا ہے اس سے سوال نہیں کیا جا سکتا۔ مگر دوسرے

Presented by www.ziaraat.com

ایسے نہیں ہیں لہٰذا ان سے سوال ہوگا اور یہ علت اس لئے ہے کہ خدا حسنات کے لئے اولیٰ ہے اور بندے سیئات کے لئے اور اس کی یہ علت کہ برائیاں بندوں کی طرف سے ہیں اور حسنات خدا کی طرف سے نیز دوسرے اور ادلہ سے بھی یہ ارتباطات واضح ہو سکتے ہیں مگر ان کو ذکر نہیں کیا گیا۔

والحمد للہ اولاً و آخراً۔

www.ziaraat.com
Sabeel-e-Sakina

Presented by www.ziaraat.com

پینتیسویں حدیث کی توضیحات

۱: اصولِ کافی جلد ۱، ص ۱۵۲، کتاب توحید، باب المشیۃ والارادۃ، حدیث ۶

۲: اور تم (چاہے) جہاں رہو وہ تمھارے ساتھ ہے، (حدید) آیت ۴

۳- جب تین (آدمیوں) کا خفیہ مشورہ ہوتا ہے تو وہ (خدا) ان کا ضرور چوتھا ہے اور جب پانچ کا (مشورہ) ہوتا ہے تو وہ ان کا چھٹا ہے اور اس سے کم ہوں۔ یا زیادہ اور چاہے جہاں کہیں ہوں وہ ان کے ساتھ ضرور ہوتا ہے پھر جو کچھ وہ (دنیا میں) کرتے رہے قیامت کے دن ان کو اس سے آگاہ کر دے گا۔ بیشک خدا ہر چیز سے خوب واقف ہے۔ سورۂ مجادلہ، آیت ۷۔

۴- جدھر بھی منہ کرو اُدھر خدا ہے۔ سورۂ بقرہ آیت ۱۱۵۔

۵- خدا آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔ سورۂ نور آیت ۳۵

۶- وہ وہی چاہتے ہیں جو خدا چاہتا ہے سورۂ دھر، آیت ۳۰

۷- خدا نے چیزوں کو مشیت سے پیدا کیا اور مشیت کو خود اس سے پیدا کیا، اصولِ کافی جلد ۱، ص ۱۱۰، کتاب توحید، باب ارادۃ انھا من صفات الفعل حدیث ۴۔

۸- سورۂ حدید، آیت ۲۔

۹- سورۂ انفال، آیت ۱۷

۱۰- شرح حکمۃ الاشراق، ص ۲۵۷-۲۵۸، مقالہ دوم از قسم دوم

۱۱- شرح اشارات نمط ہفتم، فصل ۱۷ و مصارع المصارع، ص ۱۴۱

۱۲- اسفار جلد ۶، ص ۲۶۲-۲۷۷ سفر سوم، موقف سوم، فصل ۱۲

۱۳- نیک ماں کے پیٹ ہی سے نیک ہوتا ہے اور شقی بطنِ مادر ہی سے شقی ہوتا ہے۔ بحار جلد ۵

Presented by www.ziaraat.com

ص ۱۵۲، کتاب العدل والمعاد، باب ۶، حدیث ۱، تھوڑے سے تغیر کے ساتھ عبارت ہیں۔

۱۴۔ اے رسولؐ کہہ دیجئے سب خدا کی طرف سے ہے، سورۂ نساء، آیت ۷۸۔

۱۵۔ سورۂ نساء، آیت ۷۹۔

۱۶۔ سورۂ انبیاء، آیت ۲۲

۱۷۔ جو کچھ وہ کرتا ہے اس کی پوچھ گچھ نہیں ہو سکتی البتہ لوگوں سے باز پرس ہوگی۔ یہ سورۂ انبیاء کی تیئسویں آیت کا اقتباس ہے۔

۱۸۔ ابلیس کے ساتوں شبہات کے لئے شہرستانی کی ملل ونحل دیکھئے۔ ترجمہ افضل الدین صدر ترکہ اصفہانی ص ۲۸۔

www.ziaraat.com
Sabeel-e-Sakina

Presented by www.ziaraat.com

چھتیسویں حدیث

«بِالسَّنَدِ الْمُتَّصِلِ اِلٰی ثِقَةِ الْاِسْلَامِ، مُحَمَّدِ بْنِ یَعْقُوبَ الْکُلَیْنِیِّ، عَنْ عَلِیِّ بْنِ اِبْرَاهِیمَ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ خَالِدٍ الطَّیَالِسِیِّ، عَنْ صَفْوَانَ بْنِ یَحْیٰی، عَنِ ابْنِ مُسْکَانَ، عَنْ اَبِی بَصِیرٍ، قَالَ سَمِعْتُ اَبَا عَبْدِاللّٰهِ، عَلَیْهِ السَّلَامُ، یَقُولُ: لَمْ یَزَلِ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ رَبُّنَا وَالْعِلْمُ ذَاتُهُ وَلَا مَعْلُومَ، وَالسَّمْعُ ذَاتُهُ وَلَا مَسْمُوعَ، وَالْبَصَرُ ذَاتُهُ وَلَا مُبْصَرَ وَالْقُدْرَةُ ذَاتُهُ وَلَا مَقْدُورَ فَلَمَّا اَحْدَثَ الْاَشْیَاءَ وَکَانَ الْمَعْلُومُ، وَقَعَ الْعِلْمُ مِنْهُ عَلَی الْمَعْلُومِ، وَالسَّمْعُ عَلَی الْمَسْمُوعِ، وَالْبَصَرُ عَلَی الْمُبْصَرِ وَالْقُدْرَةُ عَلَی الْمَقْدُورِ قَالَ قُلْتُ: فَلَمْ یَزَلِ اللّٰهُ مُتَحَرِّکاً؟ قَالَ فَقَالَ: تَعَالَی اللّٰهُ عَنْ ذٰلِکَ اِنَّ الْحَرَکَةَ صِفَةٌ مُحْدَثَةٌ بِالْفِعْلِ. قَالَ فَقُلْتُ: فَلَمْ یَزَلِ اللّٰهُ مُتَکَلِّماً؟ قَالَ فَقَالَ: اِنَّ الْکَلَامَ صِفَةٌ مُحْدَثَةٌ لَیْسَتْ بِاَزَلِیَّةٍ، کَانَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ وَلَا مُتَکَلِّمَ.»

ترجمہ:- ابوبصیر کا کہنا ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے

Presented by www.ziaraat.com

ہیں: خداوند عزّوجلّ ہمیشہ سے ہمارا پروردگار تھا جبکہ علم اس کی ذات تھا لیکن کوئی معلوم نہیں تھا، شنوائی اس کی ذات تھی جبکہ کوئی ایسی چیز نہیں تھی جو سنی جا سکے، بینائی اس کی ذات تھی جبکہ دیکھی جانے والی چیز کوئی نہیں تھی قدرت اس کی ذات تھی جبکہ مقدور کا وجود تک نہیں تھا۔ پھر جب اس نے اشیا کو ایجاد کیا اور معلوم وجود میں آگیا تو اس کا علم معلوم پر، شنوائی مسموع پر بینائی دیکھی جانے والی چیز پر اور اس کی قدرت مقدور پر واقع ہوئی،

ابو بصیر کہتے ہیں میں نے عرض کی، تو کیا خدا ہمیشہ سے متحرک تھا۔ جواب میں آپؑ نے فرمایا: خدا اس سے برتر ہے، یقیناً حرکت ایک حادث صفت ہے فعل و ایجاد کے لئے، میں نے عرض کی، تو کیا خدا ہمیشہ سے متکلم تھا؟ جواب میں آپؑ نے فرمایا: کلام ایک ایسی صفت ہے جو حادث ہے جبکہ اس وقت کوئی متکلم نہیں تھا۔"

شرح و تفسیر:۔ قولہ: «لَمْ یَزَلِ اللّٰہُ عَزَّ وَجَلَّ رَبُّنَا» ظاہراً "ربنا" "زال" کی خبر ہے اور جملہ والعلم ذاتہ اس کے لئے حال ہے لیکن اس سے جملہ سلیس اور مقصود حاصل نہیں ہوتا کیونکہ یہاں پر مقصود ربوبیت کے ازلی ہونے کا اثبات نہیں ہے بلکہ معلوم سے قبل ازلیتِ علم کا اثبات مقصود ہے البتہ کہا جا سکتا ہے کہ مجموعی طور پر اس ترکیب سے مقصد حاصل ہو جاتا ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ ربنا اس مقام پر مرفوع ہو اور "زال" کے اسم کے تابع ہو جبکہ خبر محذوف ہو اور جملہ العلم ذاتہ اس پر دلالت کرتا ہو۔ ایسی صورت میں عبارت یوں ہوگی «لَمْ یَزَلِ اللّٰہُ رَبُّنَا عَالِماً وَالْعِلْمُ ذَاتُہُ۔» اور یہ بھی احتمال ہے کہ "زال" تامہ ہو اور صرف مرفوع پر اکتفا کرتا ہو اس بنا پر یہ "زال" "یزول" ہوگا نہ کہ "زال، یزال" کیونکہ "یزال" کا ماضی ہمیشہ ناقص ہوتا ہے جبکہ یزول کا ماضی ہمیشہ تام ہوتا ہے۔

پھر «قولہ: وَکَانَ الْمَعْلُومُ» کی عبارت میں کان تامہ ہے یعنی جب اشیا کو ایجاد کیا تو معلوم وجود میں آگیا۔

اور «قولہ: مُحْدَثَۃً بِالْفِعْلِ» کی عبارت میں اس بات کا احتمال ہے

Presented by www.ziaraat.com

کہ "بالفعل" "بالقوۃ" کے مقابلے میں ہو۔ مختصر یہ کہ معنی مصدری کا حامل ہو یعنی جو صفت ایجاد سے ہوگی وہ حق تعالیٰ کی صفت نہیں ہوگی۔ بہر حال اس حدیث میں نہایت اہم اور قابل احترام مطالب ہیں جن میں سے بعض کا تذکرہ ہم ان کے اپنے مقام پر کریں گے۔

پہلی فصل

ذات کے ساتھ صفاتِ حق کی عینیت کا بیان

جان لو! کہ اس حدیث میں صفات کمالیہ حقیقیہ کے ساتھ ذات حقا کی عینیت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جیسے علم، قدرت، سمع و بصیر۔ البتہ یہ مباحث بہت زیادہ اہمیت کا حامل ہیں لیکن اس مقام پر اس کی تفصیل کا موقع نہیں ہے البتہ ہم فلاسفہ کے محکم برہان اور اہل معرفت کے طریقہ کے مطابق اس سلسلہ میں مذہب حق کی طرف ضرور اشارہ کریں گے۔

اپنے مقام پر یہ بات پورے طور پر ثابت ہو چکی ہے کہ جو چیز کمال کی قسم اور جمال کی جنس سے ہے اور تام و تمام ہے وہ عین وجود اور اصل حقیقت ہستی سے متعلق ہے۔ اور دار وجود میں ایک ہی محترم بنیاد اور اساس ہے جو تمام کمالات کا سرچشمہ اور تمام خیرات کا منشہ ہے اور وہ حقیقت وجود ہے اور اگر تمام کمالات عین حقیقت وجود نہ ہو اور کسی نہ کسی اعتبار سے عینیتوں کی گہرائی میں اس سے جدا ہو اور دونوں کے درمیان دوئیت پائی جاتی ہو تو اس سے یہ لازم آئے گا کہ دار تحقق میں دو بنیادیں اور عین اصول موجود ہیں اور یہ چیز بہت سے مفاسد کی حامل ہے۔ پس جو چیز بھی کمال ہے وہ مفہوم اور ماہیت کے اعتبار سے کمال نہیں ہے بلکہ نفس اعیان میں تحقق و حصول کی بنیاد پر کمال ہے۔ جو چیز نفس اعیان اور نفس الامر کی گہرائیوں میں متحقق ہے وہ ایک

Presented by www.ziaraat.com

ہی چیز ہے جسے وجود کہا جاتا ہے کہ ہر کمال ایک ذات یعنی حقیقت وجود کی طرف لوٹتا ہے۔
اور یہ بات بھی پایہ ثبوت تک پہونچ چکی ہے کہ حقیقت وجود تمام جہات سے بسیط محض ہے اور اس کا مقام ربوبیت اس وقت تک ہر قسم کی ترکیب سے مبرا ہے جب تک وہ اپنی خالص حقیقت اور ذات محض کے ساتھ باقی ہے لیکن اگر وہ اپنی اصل حقیقت سے تنزل کر جائے تو اس کے مشاہد منازل کے اعتبار سے عقلی و خارجی ترکیب اس پر عارض ہو جائے گی۔ لیکن وہ اپنی نفس ذات کے اعتبار سے بسیط ہے ترکیب اس کے لئے ایک اجنبی اور عرضی چیز ہوگی۔

مذکورہ بیانات سے دو اصول اخذ کئے جا سکتے ہیں۔

الف: ایک یہ کہ بسیط من جمیع الجہات اپنی واحد احد منفرد حیثیت کے اعتبار سے تمام کمالات کا حامل ہے۔ وہ جس حیثیت سے موجود ہے اسی حیثیت سے عالم، قادر، حی اور صاحب ارادہ بھی ہے اور دیگر اسماء و صفات جمال و جلال کا مصداق بھی۔ وہ جس جہت سے قادر ہے اسی جہت سے عالم بھی ہے اور جس جہت سے عالم ہے اسی جہت سے قادر بھی ہے۔ ان میں عرض عقلی اور اعتبار عقلی کے لحاظ سے بھی کوئی اختلاف نہیں ہے لیکن اسماء کے مفہوم میں اور جس کے پہلے ان لغات کو وضع کیا گیا ہے اس میں اختلاف ایسے مفاہیم عقلیہ کے اعتبار سے ہے جو لا بشرط ہیں نہ کہ حقیقت عینیہ میں اختلاف ہو اور یہ بات بھی واضح ہو چکی ہے کہ کمال کے مختلف مفاہیم ایک ہی چیز سے نکلتے ہیں بلکہ سابقہ بیان سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ تمام مفاہیم کمال حیثیت واحدہ سے نکلتے ہیں اور مفاہیم کمال مختلف حیثیتوں اور جہات سے نکلتے ہیں جیسا کہ بعض ممکنات میں اسی طرح سے ہے تو یہ بالعرض ہے اور حقیقت وجود کے تنزل اور بالعرض اعدام کے ساتھ مشابہت کے اعتبار سے ہے۔

ب: دوسرا اصول یہ ہے کہ جو ہر جہت سے کامل اور کمال و خیر محض ہے اسے بسیط من جمیع الجہات بھی ہونا چاہیئے۔ نیز ان ہی دونوں اصولوں سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ اس میں ترکیب کا کوئی امکان

Presented by www.ziaraat.com

نہیں ہے۔ ترکیب چاہے کسی بھی نوعیت کی ہو وہ ہر جہت سے کامل نہیں ہو سکتی اور نقص و عدم کا بھی اس میں امکان پیدا ہو جاتا ہے اور ناقص چیز کبھی بسیط مطلق نہیں ہو سکتی۔

پس حق تعالیٰ چونکہ بسیط تام ہے اور ترکیب کا کہ جو امکان و فقر اور غیر سے وابستگی کی موجب ہے، اُس میں مطلقاً طور پر کوئی شائبہ نہیں ہے۔ وہ جہت سے کامل ہے اور تمام اسماء و صفات کا حامل ہے۔ وہ اصل حقیقت اور صریح ماہیت ہستی ہے جبکہ اس کے وجود میں غیر وجود اور کمال میں نقص کا کوئی شائبہ نہیں ہے پس وہ وجود محض ہے کیونکہ اگر اس میں غیر وجود کا کوئی امکان ہوتا تو اس میں ترکیب کی بدترین قسم یعنی وجود و عدم کی ترکیب پائی جاتی۔ پس وہ علم محض، حیات محض، قدرت محض، بصیر و سمیع محض اور دیگر کمالات محضہ کا حامل ہے اس بنا پر امام صادق علیہ السلام کا یہ فرمان بھی سمجھ میں آجاتا ہے: «وَالْعِلْمُ ذَاتُهُ وَ الْقُدْرَةُ وَالسَّمْعُ وَالْبَصَرُ ذَاتُهُ.»

نقل قول اور تحقیق مطلب

اوصاف حق کی تقسیم کے سلسلے میں حکماء کا بیان

حکمائے الٰہی نے صفات حق تعالیٰ کو تین طرح سے تقسیم کیا ہے۔

اول: صفات حقیقیہ: اور اس کی خود دو قسمیں ہیں۔ ایک صفات حقیقیہ محضہ جیسے حیات، اثبات، بقا اور ازلیت وغیرہ اور دوسری صفات حقیقیہ ذات الاضافہ جیسے علم، قدرت اور ارادہ کہ جو معلوم و مقدور و مراد کی طرف اضافہ ہوتا ہے اور ان دونوں قسم کی صفات کو "عین ذات" کہا جاتا ہے۔

دوم: صفات اضافیہ محضہ: جیسے مبدئیت، رازقیت، راحمیت، عالمیت اور قادریت وغیرہ۔

Presented by www.ziaraat.com

سوم: صفات سلبیہ محضہ جیسے قدوسیت، فردیت اور سبوحیت وغیرہ
اور ان دونوں قسم کی صفات کو "زائد بر ذات" کہا جاتا ہے اور ہر سلب کو سلب
واحد کی طرف یعنی سلب امکان کی طرف لوٹایا جا سکتا ہے اسی طرح تمام اضافات
کو اضافۂ واحدۂ موجودیت کی طرف لوٹایا جا سکتا ہے اور جملہ اضافات کو
اضافۂ اشراقیہ اور اضافۂ نوریہ کی طرف لوٹایا جا سکتا ہے[2]۔ اور صفات حقیقیہ
میں تقسیمات اور حیثیت اور صفات اضافیہ اور سلبیہ میں زیادت کا ذکر
جس طرح کیا گیا ہے اور اس پر برہان قائم کیا گیا ہے راقم کے نزدیک صحیح نہیں
ہے اور حکم فلسفی برہان اور صحیح عرفانی اعتبار کے مطابق نہیں ہے کیونکہ اگر اسماء
وصفات کے مفاہیم کا باب کھلتا ہے اور ہم کثرت مفہومی کی طرف نظر کرتے
ہیں تو کسی صفت کو کبھی عین ذات قرار نہیں دیا جا سکتا چنانچہ اگر ذات کو عین
اوصاف اضافیہ یا اوصاف سلبیہ قرار دیں تو اس کا لازمہ حق تعالیٰ کے اضافۂ محض
اور عین حیثیت سلبیہ ہونے کی صورت میں ظاہر ہوگا۔ اسی طرح اگر ہم حق تعالیٰ
کو عین اوصاف حقیقیہ قرار دیں تو اس کا لازمہ حق تعالیٰ کے نفس مفاہیم اعتباری
اور نفس معانی عقلی ہونے کی صورت میں ظاہر ہوگا جبکہ اللہ تعالیٰ کی ذات
اس سے بالاتر ہے۔ اور اگر ہم حقائق اوصاف اور اسماء وصفات کے عینی مصداق
کو مدنظر میں لائیں تو تمام اسماء اور صفات اضافی و حقیقی عین ذات مقدس ہوں
گے اور عالمیت اور عالم، قادریت اور قادر کے درمیان صرف مفہومی اعتبارات
کے لحاظ سے فرق رہ جائے گا اور تمام اوصاف اضافیہ ربیت اور ربانیت ذاتی
کی طرف لوٹ جائیں گے یہاں تک کہ رازقیت اور خالقیت وغیرہ بھی۔

اور یہ جو ہر سلب کو سلب امکان اور تمام اضافات کو اضافۂ واحدہ
کی طرف لوٹایا ہے اور اوصاف حقیقیہ میں سے کسی چیز کی طرف نہیں لوٹایا گیا تو
یہاں پر بھی اگر مفاہیم کو دیکھا جائے تو ان میں سے کسی ایک کو بھی دوسری کی طرف
نہیں لوٹایا جا سکتا نہ تو سلبیتوں اور اضافات میں اور نہ ہی اوصاف حقیقیہ میں
اور اگر حقائق کی طرف نظر کی جائے تو تمام اوصاف حقیقیہ بھی حقیقت واحدۂ
واجبہ کی طرف لوٹیں گے۔

Presented by www.ziaraat.com

ذات مقدس کے ساتھ اوصاف کی عینیت کا تحقیقی جائزہ

مختصر یہ کہ اوصاف کے باب میں حکمت نظری کے حوالے سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ اوصاف حقیقی اور اضافی مطلقاً طور پر مفاہیم کے اعتبار سے مختلف ہیں اور ان میں سے کوئی ایک بھی عین ذات مقدس نہیں ہے۔ تاہم اوصاف کے لئے دو مرتبے ہیں ایک ذات اور اوصاف ذاتی کا مرتبہ کہ جس سے علم وحالیت وقدرت وقادریت کو اخذ کیا جاسکتا ہے اور ایک اوصاف فعلی کا مرتبہ ہے کہ جس سے بھی علم وحالیت وقدرت وقادریت کو اخذ کیا جاسکتا ہے لیکن اوصاف سلبی جیسے قدوسیت وسبوحیت اور اسماء تنزیہ ذات مقدس کے لوازم میں سے ہیں اور ذات مقدس ان کے اعتبار سے مصداق بالعرض ہے کیونکہ حق تعالیٰ کمال مطلق ہے اور کمال مطلق بالذات کا اس پر اطلاق ہوتا ہے کیونکہ اصل حقیقت وہی ہے اور اس سے نقائص کو سلب کرنا اس کے لوازم میں سے ہے اور سلب نقص کا عرضی مصداق کمال ہے اور اہل معرفت اور اصحاب قلوب "فیض مقدس" کے اعتبار سے مقام تجلی کو مبداء اسماء ذاتی قرار دیتے ہیں اور فیض مقدس کے اعتبار سے مقام تجلی کو مبداء اوصاف فعلی جانتے ہیں اور فیض مقدس کے اعتبار سے تجلی کو "غیر" قرار نہیں دیتے جیسا کہ "عین" بھی قرار نہیں دیتے۔ اور اگر اس سلسلے میں بحث کو جاری رکھا گیا تو ان کے طریقوں پر اسماء وصفات کی بحث میں پڑنا پڑے گا جو ہمیں اپنے مقصد سے دور کر دے گی۔

اور بعض نے صفات حق تعالیٰ کو امور عدمی کی طرف لوٹایا ہے اور "علم" کو عدم جہل اور "قدرت" کو عدم عجز سے عبارت قرار دیا ہے۔ اہل معرفت میں سے اگر میں کسی کو اس بات پر اصرار کرتے دیکھا ہے تو وہ عارف جلیل قاضی سعید قمی مرحوم ہیں کہ جنھوں نے اس سلسلہ میں اپنے استاد کی اتباع کی ہے کہ جو

Presented by www.ziaraat.com

ظاہراً ملا رجب علی مرحوم ہیں اور ان کا بیان شرح "توحید" میں مذکور ہے ہم پہلے ہی ان کے برہان کا جواب دے چکے ہیں اس طرح جن بعض احادیث کے ظواہر سے انھوں نے تمسک کیا ہے ہم اس کا جواب بھی برہانی انداز میں دے چکے ہیں۔

دوسری فصل

تخلیق سے قبل علم کی ماہیت کا بیان

مقدس ترین ابحاث میں سے ایک جس کی طرف اس حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے وہ ازل میں تخلیق و ایجاد سے پہلے اپنے معلومات کا علم ہے اس مسئلے میں بہت زیادہ اختلاف پایا جاتا ہے۔ آیا خود یہ علم اور اس کی کیفیت اجمالی ہے یا تفصیلی یا یہ کہ زائد بر ذات ہے یا عین ذات یا ایجاد سے قبل ہے یا ایجاد و تخلیق کے بعد۔ البتہ اس کی تفصیل ہمارے علماء کی کتابوں میں موجود ہے۔ لیکن اس مقام پر ہم صرف تحقیق شدہ گفتگو پر اکتفا کریں گے اور دوسرے اقوال پر تنقیدی نگاہ ڈالنے سے صرف نظر کریں گے۔

ارباب برہان اور اصحاب عرفان کے نزدیک جو چیز ثابت شدہ ہے اسی کی طرف اس حدیث شریف میں اشارہ کیا گیا ہے یعنی ایجاد و تخلیق سے قبل ازل سے ہی معلوم سے متعلق علم ہے اور وہ علم عین ذات ہے اور اس علم کے تفصیلی ہونے کی طرف حدیث میں یوں اشارہ کیا گیا ہے کہ وہ اشیا کو دیکھتا ہے جبکہ دیکھی جانے والی کوئی چیز موجود نہیں ہے وہ سمیع ہے جبکہ کوئی مسموع نہیں ہے کیونکہ بصیر و سمیع ہونا تفصیلاً مبصرات و مسموعات کا شہود ہیں جیسا کہ یہ ایک امر واضح ہے۔ اسی طرح اس جگہ پر بھی علم تفصیلی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جہاں امام علیہ السلام نے فرمایا ہے "فَإِذَا أَحْدَثَ الْأَشْيَاءَ وَكَانَ الْمَعْلُومُ، وَقَعَ الْعِلْمُ مِنْهُ عَلَى الْمَعْلُومِ..."

Presented by www.ziaraat.com

کیونکہ ایجاد و تخلیق کے بعد علم میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوتی ہے بلکہ متحقق ہونے کے بعد علم معلول پر واقع ہوا اور علم حق کے بعد معلوم پر وقوع علم کا مطلب بیان کریں گے۔[1]

محقق فلاسفہ کے نزدیک ایمان سے متعلق اس شریف اور مقدس مطلب کا بیان کچھ یوں ہے کہ جب گذشتہ فصل میں یہ بات ثابت ہوگئی کہ حق تعالیٰ صرف وجود اور صرف کمال ہے اور صرف وجود بساطت کے ساتھ جو وحدت تامہ رکھتا ہے اس کی وجہ سے جامع جمیع کمالات اور مکمل طور پر مستجمع جمیع وجودات ہے اور جو چیز اس کے وجود کی حدود سے باہر ہے وہ عدم اور نقص ہے اور مجموعی طور پر لا شئ ہے اور اس ذات مقدس کے ساتھ دیگر مراتب وجود کی نسبت اس طرح ہے جس طرح کمال کے ساتھ نقص کی نسبت ہوتی ہے اور کمال مطلق کا علم، بغیر کسی نقص و عیب کے مطلق کمال کا علم ہے۔ اور یہ عین کشف تفصیلی کی بسیط ہے اگرچہ اس کے حاق علم سے ازلاً و ابداً کوئی موجود خارج نہیں ہے لیکن اس میں کسی لحاظ سے بھی کثرت اور ترکیب کا گزر نہیں ہے۔[2]

لیکن عرفا کی روش کے مطابق حق تعالیٰ مقام حضرت "واحدیت" میں مستجمع جمیع اسماء و صفات ہے اور مقام جمع اسمائی اور اعیان ثابتہ جمیع موجودات ازل سے ایجاد و تخلیق سے قبل حضرت جمع میں اسماء الٰہیہ کے لوازم میں سے ہے اور تجلی مطلق ذات کا تعلق مقام احدیت مقام غیب ہویت کشف جمیع اسماء صفات اور ان کے لوازم سے ہے، اور اعیان ثابتہ تجلی واحد اور کشف بسیط مطلق کے اعتبار سے جمیع موجودات ہے پس تجلی فیض اقدس کے اعتبار سے عین کشف علمی کشف ذات و اسماء و صفات و اعیان ہے جبکہ اس میں کسی ترکیب اور کثرت کا بھی گزر نہیں۔[3]

اور یہ دو طریقے نہایت مستحکم، متین اور عظیم ہیں لیکن چونکہ بہت زیادہ دقت طلب ہے اور اہل اللہ کی اصطلاحات اور فلسفے اور اصحاب قلوب کے بیان کردہ بہت سے اصولوں پر استوار ہیں لہٰذا جب تک کسی کے لئے وہ مقدمات حاصل نہ ہوں اور وہ پوری طرح ان سے انس نہ رکھتا ہو اور میں مکمل مہارت پیدا

Presented by www.ziaraat.com

نہ کرے اور علمائے بالله پر اس کا کامل حسن ظن نہ ہو اور اس وقت تک اسے ان بیانات سے کچھ حاصل نہ ہوگا بلکہ اس کی حیرت میں مزید اضافہ ہوتا چلا جائے گا اس طلاء سے بہتر اور مناسب یہی ہے کہ اس مسئلے کو زیادہ سادہ انداز میں جو عوام الناس کے اذہان کے بھی قریب تر ہو، بیان کیا جائے۔

واجب الوجود تعالیٰ شانہ کی علیت اور جبریت طبیعی فاعلوں کی علیت کی مانند نہیں ہے کہ جو پہلے سے موجود مواد کو آگے پیچھے کرتے ہیں جیسے وہ بڑھئی جو پہلے سے موجود مواد میں تبدیلی لاتا ہے کبھی اسے جوڑتا ہے کبھی توڑتا ہے یا ایک مستری جو پہلے سے موجود مواد کو ترتیب دیتا ہے بلکہ حق تعالیٰ فاعل الٰہی ہے جو اشیاء کو بغیر کسی سابقے کے اپنے ارادے کے ذریعہ وجود میں لاتا ہے اور خود اس کا علم اور ارادہ اشیا کے وجود و ظہور کی علت ہے۔ پس دار تحقق اس کے دائرۂ علم میں ہے اور اس کے اظہار سے پوشیدہ خزانۂ غیب ہویت سے اشیا ظاہر ہوتی ہیں، "وَعِنْدَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ" علما کے نزدیک ذات مقدس کی نسبت صفر احیان بالکل ایسے ہی ہے جیسے اذہان کی نسبت نفس انسانی کے ساتھ، کہ نفس ارادہ سے اُسے ایجاد کرتا ہے۔ اور جو چیز غیب ہویت میں ہے اُسے ظہور میں لے آتا ہے۔ پس تمام دائرہ تحقق علم کے احاطے میں ہے، وہاں سے ہی ہر چیز ظاہر ہوتی ہے۔ اور اس جگہ پر ہر چیز کو لوٹ کر واپس جانا ہے:

"إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ"

زیادہ واضح الفاظ میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ کسی سبب اور شئے کے علت تامہ کا علم اُس شئے کا علم بھی ہوتا ہے مثلاً جو منجم فلاں ساعت اور فلاں روز سورج اور چاند گرہن کا علم حاصل کرتا ہے وہ ان کے اسباب سے مطلع ہونے کی بنا پر ہے کیونکہ وہ پہلے شمس و قمر اور زمین کی گردش کو نوٹ کرتا ہے اور اس گردش کو نوٹ کرنے کے بعد شمس و قمر کے درمیان زمین کے حائل ہونے اور زمین و شمس کے درمیان قمر کے حائل ہونے کا وقت معلوم کر لیتا ہے اور اگر اس نے اس گردش کو صحیح طور پر معلوم کر لیا ہو تو اس میں ایک سیکنڈ کا بھی فرق نہیں ہوگا۔ اور چونکہ اسباب و مسببات کا تمام سلسلہ ذات مقدس

Presented by www.ziaraat.com

مبدا اللہ ہی پر ختم ہوتا ہے اور حق تعالیٰ چونکہ اپنی ذات کا علم رکھتا ہے جو تمام موجودات کا سبب ہے لہٰذا سبب کے علم کی بنا پر مسبّبات کا بھی علم رکھتا ہے۔

شخص اپنے مرتبے کے مطابق ان مذکورہ صورتوں میں سے کسی ایک صورت کو اختیار کرتا ہے۔ البتہ ان میں سے بعض صورتیں بعض کی نسبت زیادہ محکم و استوار اور مقصد کے زیادہ قریب ہیں۔

تیسری فصل

حق تعالیٰ کے سمیع و بصیر ہونے کا معنی

فلاسفہ عظام کے درمیان حق تعالیٰ کے اسماء و صفات کے باب میں ایک بحث حق تعالیٰ کے لئے "سمیع" و "بصیر" ہونے کے اثبات سے متعلق ہے اکثر حکماء و متکلمین نے "سمیع" و "بصیر" ہونے کو علم کی طرف لوٹایا ہے جبکہ شیخ الاشراق نے علم کو سمع و بصر کی طرف لوٹایا ہے البتہ ہر ایک نے ایک مخصوص طرز بیان کے ساتھ اسے موضوع گفتگو بنایا ہے جسے اختصار کے پیش نظر یہاں پر بیان نہیں کیا جا سکتا۔ البتہ ہم بزرگ علماء کے مذہب و مکتب کو اس انداز میں ایک طریقے سے بیان کریں گے کہ جس سے مطلق اسماء و صفات کے سلسلے میں حق واضح ہو جائے۔

بے شک بہت سے فلاسفہ اور اکابر علماء نے بعض جہات سے غفلت اور سہل انگاری کی بنا پر بعض اسماء و صفات کو بعض دیگر اسماء و صفات کی طرف لوٹایا ہے چنانچہ ان کے درمیان معروف و مسلم یہ ہے کہ ارادہ حق تعالیٰ، خیر و نیکی اور نظام اکمل کے علم سے عبارت ہے۔ مثلاً "سمیع" و "بصیر" و "علم" کے باب میں پایا جانے والا اختلاف اور ہر ایک کو دوسرے کی طرف لوٹانے کا مسئلہ چنانچہ

Presented by www.ziaraat.com

اس بات کو بیان کیا جا چکا ہے۔ اور یہ چیز خلاف تحقیق اور بعض جہات سے غفلت کا نتیجہ ہے کیونکہ اگر ارادہ کا خیر و نیکی سے علم کی طرف لوٹنے یا علم کا سمیع ہونے یا سمیع ہونے کا علم کی طرف لوٹنے سے زاید یہ ہے کہ حق تعالیٰ نہ تو ارادہ رکھتا ہے اور نہ ہی سمیع و بصیر ہے بلکہ اس علم کو ارادہ اور سمع و بصر قرار دیا گیا ہے تو یہ بات نہایت باطل اور رسوا کن ہے۔ کیونکہ اس کا لازمہ یہ ہوگا کہ حق تعالیٰ ارادے و اختیار کے بغیر سبب وجود ہو۔ علاوہ ازیں حق تعالیٰ کے اوصاف کمالیہ کے ساتھ متصف ہونے کا معیار یہ ہے کہ وہ صفت موجود بما انہ موجود کے لئے صفت کمال ہو۔ مختصر یہ کہ صفت نفس کو حقیقت وجود اور اصل ذات وجود کے کمالات میں سے ہونا چاہیئے اور اس بات میں کوئی شک نہیں کہ "ارادہ" حقیقت مطلق وجود کی صفات کمال میں سے ہے لہٰذا وجود جتنا بھی اپنے مقام سے تنزل کرے گا اتنا ہی اس میں ارادہ ضعیف و کمزور ہوتا چلا جائے گا یہاں تک کہ ایک مقام ایسا آئے گا جب اس وجود سے ارادہ مکمل طور پر سلب ہو جائے گا اور اکثر لوگ اسے صاحب ارادہ قرار نہ دیں۔ جیسے معدنیات اور نباتات وغیرہ جیسی تدنی چیزیں۔ اور وجود اپنے مواقع کمالات کے جتنے اعلیٰ مدارج طے کرے گا اتنا ہی اس میں ارادہ زیادہ ظاہر اور قوی ہوتا چلا جائے گا۔ چنانچہ طبیعی موجودات میں ہم دیکھتے ہیں کہ وہ مقام ہیولی، جسم و عنصر، معدن و نبات کے مرتبے سے جونہی خارج ہوتے ہیں تو علم و ارادہ ان میں ظاہر ہونا شروع ہو جاتا ہے اور جس قدر وہ اعلیٰ مدارج طے کرتے جاتے ہیں یہ شریف و مقدس جوہر ان میں کامل تر ہوتا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ انسان کامل ایسے ارادہ کامل کا حامل ہوتا ہے جو صرف ارادے کے ذریعے ایک عنصر کو دوسرے عنصر میں تبدیل کر دیتا ہے اور عالم طبیعت اس کے ارادے کے سامنے خاضع ہوتا ہے۔ پس یہاں سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ "ارادہ" وجود اور موجود بما انہ موجود کی صفات کمالیہ میں سے ہے اور یہاں سے ذات حق تعالیٰ کے لئے اس حقیقت (ارادہ) کو بھی کسی دوسری حقیقت کی طرف لوٹائے بغیر ثابت کر سکتے ہیں۔

اسی طرح تحقیق کے مطابق "سمیع" و "بصیر" بھی کمالات موجود مطلق کے

Presented by www.ziaraat.com

تصدیق ہے اور سننے اور دیکھنے کی حقیقت جسمانی آلات و ادوات سے مقید علوم پر استوار نہیں ہے بلکہ آلات کی ضرورت عالم طبیعت اور ملک بدن میں نفس کی قوت سماعت و بصارت کے ظہور میں ہے چنانچہ "علم" کو بھی ملک طبیعت میں ظہور کے اعتبار سے اُم الدماغ کی ضرورت ہے اور یہ عالم طبیعت اور ملک بدن کے ناقص ہونے کی بنا پر ہے نہ کہ علم و سمع و بصر میں سے کوئی ناقص ہے (۔۔۔

حاصل کرے جو وحدت و بساطت کی خاصیت ہے مستجمع جمیع کمالات ہے اور جامع جمیع اسماء و صفات ہے۔ تمام مفاہیم کمال اور معانی جلال و جمال حقیقت میں اُس پر صادق آتے ہیں۔ ذات مقدس حق پر اُن کا اطلاق احقیت اور اولیت کے تمام مراتب کی نسبت زیادہ احقیت اور اولیت رکھتا ہے۔

اس کا اجمالی بیان یہ ہے کہ وحدت جتنی اقوی و اکمل ہوگی تو مفاہیم کا اطلاق اتنا ہی زیادہ ہوگا۔ اور اسماء و صفات کا اضافہ ہوگا اور اس کے برعکس ایک موجود جتنا افق کثرت سے نزدیک تر ہوگا اُتنا ہی مفاہیم کمال اُس پر کم تر صادق آئیں گے اور صادق آنے کے اعتبار سے بھی ضعیف تر اور مجاز کے قریب تر ہوں گے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ وحدت کے مساوق اور موجود بما ھو موجود کے کمالات میں سے ہے اور یہاں پر مساوق ہونے سے مراد یہ ہے کہ اگرچہ "وجود" اور "وحدت" کا مفہوم مختلف ہے لیکن عالم عین میں حقیقت وجود عین حقیقت وحدت ہے۔ چنانچہ کثرت جس جگہ بھی پڑاؤ ڈالتی ہے وہاں پر نقص و عدم شرّ و ضعف اور سستی و بے حالی بھی اپنے قدم جما لیتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ وجود نقص کی منزلوں کی طرف جتنا تنزل کرتا ہے، وہاں کثرت تمام مراتب وجود سے زیادہ ہوتی مقام ربوبیت اور ساحت مقدس کبریائی جل و علا جو صرف وجود ہے، صرف وحدت و بساطت ہے اور اس میں کثرت و ترکیب کا کوئی گزر نہیں ہے۔ اور اس سے قبل ہم اشارہ کر چکے ہیں کہ وجود بالذات حقیقت کمال اور سرچشمہ جلال و جمال ہے لہٰذا صرف وجود صرف وحدت صرف کمال ہے پس صرف وحدت بھی صرف کمال ہے پس جس کی وحدت اعلیٰ مرتبہ پر تمام اسماء و صفات و کمالات کا اس پر اطلاق ہونا ہے اور ان میں سے ہر ایک کا اس پر اطلاق ہونا احق اور اولیٰ ہے جبکہ اس کے برعکس جتنا کثرت سے نزدیک ہوگا، اُتنا ہی اُس میں نقص زیادہ ہوگا اور مفاہیم کمالات و اسماء و صفات بھی اس اعتبار سے صادق آئیں گے اور ان کے صادق آنے کی کیفیت بھی ضعیف تر ہوگی۔ پس حق تعالیٰ جلّ جلالہ تمام کمالات کا حامل اور مستجمع جمیع اسماء و صفات ہے۔ جبکہ ان میں سے کوئی اسم، صفت یا کمال دوسرے کی طرف بھی نہیں لوٹتا بلکہ ہر ایک اپنی حقیقت کے مطابق اس کی ذات مقدس پر صادق آتا ہے اور ذات

Presented by www.ziaraat.com

مقدس میں کسی اعتبار سے بھی کثرت لازم آئے بغیر اس کے سمع و بصر و ارادہ و علم سب کا تعلق حق ہے۔ وَلِلّٰهِ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنٰى وَالْأَمْثَالُ الْعُلْيَا وَالْكِبْرِيَاءُ الْآيَةَ

چوتھی فصل

معلومات کے ساتھ علم حق تعالیٰ کے تعلق کی کیفیت

جیسا کہ پہلے اشارہ کیا جا چکا ہے کہ حق تعالیٰ کے نزدیک اپنے علم بسیط ذاتی اور کشف واحد ازلی کی بنا پر جمیع موجودات بما انها موجودات اور جہت کمال کے اعتبار سے جہات وجودیہ کمالیہ معلوم و مکشوف ہیں۔ اور یہ کشف عین بساطت اور وحدت کے ساتھ تمام تفصیلی ہے یہاں تک کہ سماوات ارواح اور اراضی اشباح میں سے ایک ذرہ بھی ازلاً اور ابداً اس کے دائرۂ علم سے خارج نہیں ہے اور یہ علم اور کشف ازلی ہے اور عین ذات مقدس ہے اور معلومات اپنے تعینات اور حدود کے ساتھ کہ جن کی برگشت عدم اور نقص کی طرف ہے۔ ایجاد و تخلیق کے بعد بالعرض متعلق ہو جاتی ہیں اور علم بالعرض سے متعلق ہو جاتی ہیں اور یہ تعلق بالعرض ایجاد و تخلیق کے بعد ہوتا ہے اور اس حدیث شریف میں اسی چیز کی طرف اشارہ کیا گیا ہے یعنی وَلَمَّا اَحْدَثَ الْاَشْيَاءَ وَكَانَ الْمَعْلُوْمُ، وَقَعَ الْعِلْمُ مِنْهُ عَلَى الْمَعْلُوْمِ۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہ عبارت تجلی "فیض مقدس" سے حاصل ہونے والے علم فعلی کی طرف اشارہ ہو اور معلومات سے مراد معلومات بالذات ہوں کہ جو فیض مقدس سے متعلق وجودی حقائق اور ایک ظہور کی نوری تجلی ہیں۔

پس پہلے احتمال کی بنا پر عبارت یوں ہوگی وَلَمَّا تَجَلّٰى بِفَيْضِهِ الْمُقَدَّسِ وَظَهَرَ الْكَوْنُ بِالْعَرَضِ، وَقَعَ الْعِلْمُ عَلَى الْمَعْلُوْمِ. اَىْ، ظَهَرَ

Presented by www.ziaraat.com

الْفَيْضُ فِي مِرْآةِ الْمُسْتَفِيضِ بِالْعَرَضِ[۱۴]۔

اور دوسرے احتمال کی بنا پر عبارت یوں ہوگی: وَلَمَّا تَجَلّٰى بِفَيْضِهِ الْمُقَدَّسِ وَظَهَرَ وُجُودُ الْكَوْنِ بِالذَّاتِ، أَيْ بِلَا حَيْثِيَّةٍ تَقْيِيدِيَّةٍ، وَقَعَ الْفَيْضُ عَلَى الْمُسْتَفِيضِ بِالذَّاتِ[۱۵] دونوں تعبیروں کے لحاظ سے فیض مقدس کے سبب سے ہونے والی تجلی زمانی تغیرات اور تبدیلیوں کے زیر اثر نہیں ہے حق تعالیٰ کی ایجاد و تخلیق تغیر و تبدل بلکہ تعین و تحدید سے بھی مبرا و منزہ ہے چنانچہ علم ذاتی بسیط من جمیع الجہات ہے اور تمام حیثیات پر محیط ہے، علم فعلی جو حق کی حقیقی علامت اور اس کے علم ذات کا ظہور و آئینہ ہے، بسیط تام اور واحد مطلق ہے اور پورے دائرہ تحقق پر محیط ہے جبکہ اس میں تعین و تجرد اور ترکیب کا بھی کوئی گذر نہیں ہے۔ نہایت کلام یہ ہے کہ وہ متقوم بالذات ذات مقدس کبریا کے سہارے قائم ہے اور نفس ارتباط محض ہے۔ اسی لئے کبریائے حق کی ذات میں فانی اور ذوالجلال کے سامنے سراپا حضور ہے۔ اور اسی حوالے سے اسے علم حق قرار دیا جاتا ہے۔ چنانچہ علم عقل میں نفس ناطقہ کا حقائق علمی کی تخلیق، لوح خیال میں مثل خیالی کا ایجاد کرنا علم فعلی نفس ہے اور اس کی ذات میں فانی۔

فلاسفہ کے بقول حق تعالیٰ سے لوح نفس الامر کی نسبت ایسے ہی ہے جیسے نفس کے ساتھ علمی صور کی نسبت احد اسی احاطے، وسعت و بساطت اور نفوذ کی بنا پر کہا گیا ہے کہ حق تعالیٰ علم حکماء کے اعتبار سے جزئیات کا عالم ہے یعنی معلوم میں جزئیت، محاطیت اور محدودیت علم کو محدود کرنے کا سبب نہیں بنتی۔ پس علم محیط، قدیم و ازلی اور غیر متغیر ہے اور غیر عارف نے اُن کے اسلوب کلام پر یہ گمان کیا ہے کہ انھوں نے جزئیات کے علم کی نفی کی ہے اور کلیت و جزئیت کو اہل منطق و لغت کے درمیان عام طور سے مروج معنی میں لیا ہے۔ حالانکہ وہ اس چیز سے غافل ہیں کہ اہل معرفت کی اصطلاح میں کلیت و جزئیت کا کچھ اور ہی معنی ہے۔ اسی طرح اہل نظر نے بھی بعض جگہ پر ان ہی کی اتباع کی ہے بلکہ درحقیقت یہ معنی علم واجب الوجود جل اسمہ و تعالیٰ شانہٗ کے باب میں

Presented by www.ziaraat.com

اہل معرفت حکماء سے اخذ کیا گیا ہے۔

پانچویں فصل

صفات ثبوتیہ وسلبیہ کا معیار

ذات مقدس واجب جلّ اسمہ کے لئے صفات ثبوتیہ اور صفات سلبیہ کا معیار یہ ہے کہ ہر وہ وصف جو اوصاف کمالیہ اور صفات جمالیہ سے ہے اور اصل حقیقت وجود صرف ذات ہستی کہ جو بغیر کسی تعین کے ہے اور کسی ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف تبدیلی کے بغیر اس کے لئے ہے مختصر یہ کہ جو صفت عین ہویت ہستی اور ذات نوریہ وجودیہ کی طرف لوٹتی ہے وہ ذات مقدس تعالیٰ شانہ کے لئے لازم الثبوت اور واجب التحقق ہے کیونکہ اگر ذات مقدس کے لئے وہ صفت ثابت نہ ہو تو پھر اس کا لازمہ یہ ہوگا کہ یا ذات مقدس وجود محض اور ہستی محض نہیں ہے یا صرف وجود کمال محض اور صرف جمال نہیں ہے اور یہ دونوں صورتیں مکتب عرفان اور مسلک برہان کے نزدیک باطل ہیں جیسا کہ اپنے مقام پر اس بات کا تذکرہ کیا جا چکا ہے۔

اور ہر وہ صفت جو کسی موجود کے لئے ثابت نہ ہو مگر تعینات کے مراتب میں سے ایک مرتبے طرف تنزل کرنے اور انواع تقییدات میں سے کسی ایک نوع میں تبدیل ہونے اور ناقص مراتب میں سے کسی ایک مرتبے کے ساتھ ہم رکاب ہونے اور کمزور وضعیف حدود میں سے کسی حد کا جزو لازم بننے کے بعد اور مختصر یہ کہ جو چیز ذات ہستی میں سے نہیں ہے اور حدود اور ماہیات کی طرف لوٹتی ہے وہ اس کا مطلق طور پر کامل ذات سے سلب کرنا ضروری ہے اور اس کے لئے ممتنع التحقق ہے کیونکہ ذات کامل مطلق اور ذات صرف وجود جیسا کہ صرف کمال

Presented by www.ziaraat.com

کا مصداق ہے اسی طرح سلب نقائص سلب حدود و اعدام اور سلب حاجات کا مصدوق علیہ بھی ہے۔

اور یہ جو محققین کے درمیان مشہور ہے کہ صفات سلبیہ، سلب واحد کی طرف لوٹتی ہیں کہ جو سلب امکان ہے[۱۳]۔ راقم کی نظر میں درست نہیں ہے بلکہ جیسے ذات مقدس تمام صفاتِ کمال کا ذاتی مصداق ہے اور کوئی صفت دوسری صفت کی طرف رجوع نہیں کرتی۔ جیسا کہ پہلے واضح ہو چکا ہے۔ اسی طرح ہر نقص کے سلب کے لئے مصدوق علیہ اور مصداق بالعرض ہے۔ اور یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اعدام اور نقائص جہت واحدہ کے حامل ہیں ولا میز فی الاعدام کیونکہ اگر نفس واقع اور نفس الامر کے اعتبار سے دیکھا جائے تو عدم مطلق جہت واحدہ ہونے کے باوجود ہر عدم کو شامل بھی ہے۔

اس طرح وجود مطلق بھی حیثیت واحدہ ہے اور ہر قسم کے کمالات کا حامل بھی پس جب مقام "احدیت" اور مقام غیب الغیوب کو ملحوظ خاطر رکھا جائے تو اس کے لئے کوئی صفت ثابت نہیں کی جا سکتی نہ تو صفات حقیقیہ ثبوتیہ کو ثابت کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی صفات سلبیہ جلالیہ کو لیکن مقام "واحدیت" اور مقام جمع اسماء وصفات کو اگر نظر میں رکھا جائے تو چونکہ صفاتِ ثبوتیہ کمالیہ متکثر ہیں اور ہر صفتِ کمال کا لازمہ سلب صفت نقص ہے کہ جو اس کے مقابل پہ ہے اور ذات مقدس حق بالذات مصداق "عالم" مصداق ہے اور "جاہل نہیں ہے" کا بالعرض مصداق ہے اور چونکہ وہ "قادر" ہے لہذا "عاجز نہ ہونے" کا بھی بالعرض مصداق ہے اور جیسا کہ علم اسماء کے باب میں ہے کہ اسماء وصفات ثبوتیہ کے لئے محیطیت محاطیت اور ریاست ومرئوسیت ہے اسی طرح اسماء وصفات سلبیہ کے لئے بھی تبعاً یہی عناوین قابل تصور ہیں۔

مختصر یہ کہ جب صفات ثبوتیہ وسلبیہ کا معیار سمجھ میں آگیا تو یہ بھی سمجھ میں آسکتا ہے کہ ذات مقدس حق تعالیٰ میں اس حرکت کا کوئی امکان نہیں جو قوۃ اور ہیولی کے ذریعہ قائم ہے اور جن کی ذات میں ہی تغیر و تبدل پایا جاتا ہے۔

اس عرفی اور رائج مفہوم میں جس "متکلم" کے بارے میں راوی

Presented by www.ziaraat.com

سے سوال کیا ہے تو اس صفت متصدہ کی صفت ہے جس سے حق تعالیٰ منزہ و مبرا ہے اصلیہ چیز مقام ذات میں حق تعالیٰ کے لئے تجدد و حدوث سے مبرا معنی میں کلام متکلم ذاتی کے اثبات کے منافی نہیں ہے۔

اجمالی طور پر اس بات کو یوں بیان کیا جا سکتا ہے کہ "حقیقت تکلم" کسی خاص مقام سے کلام ظاہر ہونے پر موقوف نہیں ہے اور عام طور پر اور عرف لغت میں کلام کے ساتھ جو اس قسم کی قید لگائی جاتی ہے یا کلام کا لفظ آتے ہی جو اس طرح سمجھا جاتا ہے تو یہ ہمارے انس و عادت کے ساتھ ساتھ اوہام و انکار کا نتیجہ ہے وگرنہ حقیقی معنی کے اعتبار سے کلام کو مقید نہیں کیا گیا اور نہ ہی کسی خاص چیز کے لئے خود بخود متعین ہو گیا ہے۔ علم و دانش محض اور عالم کے نزدیک شے کے ظہور سے عبارت ہے اور علم اس چیز کے ساتھ مقید نہیں ہے کہ کسی مادی چیز مثلاً دماغ یا معنوی وسیلے مثلاً حس مشترک اور لوح خیال سے حاصل ہو۔ اگر فرض کریں کہ کوئی اپنے ہاتھ یا پاؤں سے کسی چیز کا علم پیدا کرتا ہے کوئی چیز سنتا ہے یا دیکھتا ہے تو علم و سمع و بصر کا اطلاق اس پر ہو سکتا ہے۔ اسی طرح اگر کوئی عالم خواب میں کچھ دیکھتا ہے سنتا ہے گفتگو کرتا ہے اور احساس کرتا ہے تو ان تمام معانی کا اطلاق حقیقۃً اس پر ہوتا ہے۔ اگرچہ ان محسوس اور مخصوص آلات و وسائل میں سے کسی نے کام نہیں کیا ہے۔ پس معانی و مفاہیم کے اطلاق کے لئے معیار نفس ادراک مخصوص ہے۔ اور حقیقت "تکلم" کسی مخصوص عضو کو کام میں لائے بغیر مافی الضمیر کا اظہار ہے۔ اگر بالفرض لغت اور عرف کے اعتبار سے یہ مجاز بھی ہو تب بھی معانی اور حقائق میں اس طرح کی قیود نہیں ہیں اور عقل کے اعتبار سے یہ معانی اس پر صادق آتے ہیں۔ اور ہمیں اسماء و صفات کے باب میں لغوی بحث سے کوئی سروکار نہیں کیونکہ مقصود نفس حقائق کا اثبات ہے۔ اگرچہ لغت اور عرف اس کا ساتھ نہ بھی دیتے ہوں۔ پس اب ہم کہہ سکتے ہیں کہ حقیقت کلام مافی الضمیر کا اظہار ہے چاہے وہ حسی وسائل و آلات کے ذریعے ہو یا غیر حسی اور چاہے کلام صوت لفظ اور خارجی فضا کی صف سے ہو یا نہ۔ پس کلام اس حقیقت کے اعتبار سے وجود کے اوصاف کمالیہ میں سے ہے کیونکہ ظہور و

Presented by www.ziaraat.com

اظہار کا تعلق حقیقت وجود سے ہے اور حقیقت وجود کی طرف ہے اور وجود جس قدر کمال وقوت کی طرف جاتا ہے اس کا ظہور واظہار بھی اتنا ہی زیادہ ہوتا ہے یہاں تک کہ وہ افق اعلیٰ اور مقام واجب تک پہونچ جائے جو نور الانوار، نور علی نور اور ظہور علی ظہور ہے اور وہ اطلاقی فیض مقدس کے ساتھ اور کلمہ "کن" وجودی کے ساتھ واحدیت کے مقام غیب پر جو سر کا مرتبہ ہے اس کا اظہار غیب مقام واحدیت میں جو کچھ کرے۔ اور فیض اقدس اور تجلی ذاتی احدی کے ساتھ غیب مطلق اور مقام لامقامی احدیت کا اظہار فرمائے۔ اور اس تجلی احدی میں متکلم وذات مقدس احدی ہے جو مستجمع جمع اسماء اور صفات ہے جبکہ کلام خود تجلی ہے اور سامع اور مطیع علمی حقائق میں اسماء وصفات کا لزوم ہے۔ اور احد "کن" کے ذریعے تحقق عینی پیدا کرتے ہیں۔ وَإِذَا قَالَ لِكُلِّ عَيْنٍ أَرَادَ إِيجَادَهَا: كُنْ فَيَطِيعُ الْأَمْرَ الْإِلٰهِيَّ، فَيَكُونُ وَيَتَحَقَّقُ.» البتہ اس باب میں سنے گئے شواہد بہت زیادہ ہیں جن کے ذکر سے ہم اجتناب کر رہے ہیں۔ والحمد للہ اولاً وآخراً۔

Presented by www.ziaraat.com

توضیحات

۱۔ اصول کافی، ج ۱، ص ۱۰۷، "کتاب توحید" ۔ "باب صفات الذات" حدیث ۱۔

۲۔ اسفار اربعہ، ج ۶، ص ۱۱۸۔ "سفر" سوم، "موقف" دوم در بحث صفات وایضا ملاحظہ ہو اس مقام پر حاشیہ کلیم سبزواری۔

۳۔ مصباح الانس، ص ۱۳۰، ۱۳۱، نقد النصوص فصل ۲، ص ۳۸، ۳۹۔

۴۔ محمد سعید بن محمد مفید قمی، معروف بہ "قاضی سعید"، شیعوں کے نامور اور عظیم علماء کے علاوہ حدیث وحکمت اور فنون ادبی کے علماء میں سے ان کا شمار ہوتا ہے۔ "عرفان" کی طرف ان کا بہت رجحان تھا۔ آپ ملا محسن فیض، ملا عبد الرزاق لاہیجی اور ملا رجب علی تبریزی کے شاگرد تھے۔ قاضی سعید ایک عرصے تک قم میں منصب قضاوت پر فائز رہے۔ اسی لئے آپ کو قاضی بھی کہا جاتا ہے آپ نے سن ۱۱۰۳ ہجری قمری کو قم میں وفات پائی۔ آپ کے قلمی آثار کی فہرست کچھ یوں ہے، الاربعون حدیثا، اسرار الصلاۃ، حاشیہ الٰہولوجیا، حاشیہ اشارات، حقیقۃ الصلاۃ، شرح توحید صدوق، البواقع الکویتہ، کلید بہشت۔

۵۔ ملا رجب علی تبریزی (۱۰۸۰ھ) میر فندرسکی کے شاگردوں میں سے ہیں۔ فلسفہ میں مکتب مشاء سے اُن کا تعلق تھا، ابو علی سینا کی کتابیں پڑھاتے تھے

Presented by www.ziaraat.com

قاضی سعید قمی اور محمد تنکابنی آپ کے شاگردوں میں سے تھے۔ کلید بہشت، اور اثبات واجب کے سلسلے میں فارسی رسالہ آپ کی اہم تصنیفات ہیں۔

۶۔ شرح توحید، ج ۳، ص ۵۴، (نسخہ خطی کتابخانہ مرحوم آیۃ اللہ مرعشی نجفی)

۷۔ اسفار اربعہ، ج ۶، ص ۲۶۳، ۲۷۷۔ "سفر" سوم، "موقف"، سوم، فصل ۱۲ (بحث علم حق تعالیٰ)

۸۔ اسفار اربعہ، ج ۶، ص ۲۸۰۔ ۲۹۰، "سفر" سوم، فصل ۱۲۔

۹۔ "غیب کی کنجیاں اسی کے پاس ہیں اور اس کے سوا ان سے کوئی آگاہ نہیں" (انعام، ۵۹)

۱۰۔ "بے شک ہم خدا کی طرف سے آئے ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے" (بقر، ۱۵۶)

۱۱۔ شرح حکمۃ الاشراق، ۳۵۸۔ ۳۶۶، در علم حق تعالیٰ۔ اسفار اربعہ، ج ۶، ص ۲۲۳، "سفر" سوم، "موقف" ششم۔

۱۲۔ اللہ کے لئے ہی ہیں نیک نام اور بلند و عظیم اور خوبصورت مثالیں۔

۱۳۔ جب فیض مقدس متجلی ہو گیا اور وجود بالعرض ظاہر ہو گیا تو علم نے معلوم کے ساتھ تعلق پیدا کیا یعنی فیض وجود مستفیض بالعرض کے آئینے میں سے ظاہر ہوا۔

۱۴۔ جب فیض مقدس نے تجلی دکھائی حیثیت تقیید یہ کے بغیر وجود موجودات بالذات ظاہر ہوا۔ تو فیض نے مستفیض کے ساتھ ذاتاً تعلق پیدا کیا۔

۱۵۔ اسفار اربعہ، ج ۶، ص ۱۱۸، "سفر" سوم "موقف"، دوم (بحث صفات حق تعالیٰ)

۱۶۔ جب بھی کسی چیز کے وجود میں آنے کا ارادہ کرتا ہے تو کہتا ہے "ہو جا" تو وہ چیز فرمان الٰہی کی اطاعت کرتے ہوئے وجود میں آجاتی ہے۔

Presented by www.ziaraat.com

سینتیسویں حدیث

«بِالسَّنَدِ الْمُتَّصِلِ اِلٰی مُحَمَّدِ بْنِ یَعْقُوبَ، عَنْ عَلِیِّ بْنِ مُحَمَّدٍ، عَمَّنْ ذَکَرَهُ، عَنْ اَحْمَدَ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عِیسٰی، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عِمْرَانَ، عَنِ الْفَضْلِ بْنِ السَّکَنِ، عَنْ اَبِی عَبْدِاللّٰهِ، عَلَیْهِ السَّلَامُ، قَالَ قَالَ اَمِیرُ الْمُؤْمِنِینَ، عَلَیْهِ السَّلَامُ: اِعْرِفُوا اللّٰهَ بِاللّٰهِ، وَالرَّسُولَ بِالرِّسَالَةِ، وَاُولِی الْاَمْرِ بِالْمَعْرُوفِ وَالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ.»

ترجمہ: امام صادقؑ نے فرمایا: حضرت علیؑ فرمایا کرتے تھے: خدا کو خدا سے، رسولؐ کو رسالت سے، صاحبِ امر کو امر بہ معروف و عدالت و نیکی کرنے سے پہچانو۔

Presented by www.ziaraat.com

شرح: معرفت، علم، شناسائی، دانائی میں فرق واضح ہے۔ علما کا کہنا ہے اصل لغت میں علم مخصوص ہے کلیات سے (جیسے) معرفت مخصوص ہے۔ جزئیات و شخصیات سے علما کہتے ہیں عارف باللہ وہ ہے جو حق کو مشاہدہ حضوریہ سے پہچانے اور عالم باللہ وہ ہے جو حق کو فلسفی دلیلوں سے پہچانے۔ بعض علما نے کہا ہے: علم و عرفان میں دو جہت سے فرق ہے ایک تو متعلق کے اعتبار سے جیسا کہ ذکر ہوا دوسرے معرفت میں پہلے فراموش اور نسیان ماخوذ ہے لہٰذا جس چیز کا ادراک ابتداءً ہو اس کو علم کہتے ہیں اور جو چیز معلوم رہی ہو مگر بھول جانے کے بعد یاد آئے اس کو معرفت کہتے ہیں اور عارف کو اسی لئے عارف کہتے ہیں کہ وہ اکوان سالفہ اور نشات سابقہ پر کون ملکی اور اپنے نشۂ طبیعی کا متذکر ہوتا ہے۔

اور اہل سلوک تو تذکر عالم ذر تک کے مدعی ہیں اور وہ کہتے ہیں اگر حجاب طبیعت جو اس غفلت و نسیان کا موجب ہے اور اگر سالک کی آنکھوں کے سامنے سے اٹھا لیا جائے تو وہ عوالم سابقہ کا متذکر ہو جائے گا اور بعض اہل ذوق فرماتے ہیں: معراج روحانی و معنوی کی حقیقت امام سلف کا تذکر ہے۔ اگر ہم اپنے سابق احوال کی طرف پلٹ کر دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ ہر شخص کسی نہ کسی حد تک اپنی پچھلی زندگی کو یاد کر سکتا ہے بعض سات سال کی عمر تک کے حالات اور بعض پانچ سال یا تین سال کی عمر کے واقعات یاد رکھتے ہیں۔ اس سے کم کے حالات کا یاد ہونا نادر ہے۔ ہاں شیخ الرئیس سے نقل کیا جاتا ہے کہ وہ کہتے تھے کہ میں اپنے اول زمانہ ولادت کو جانتا ہوں اور اس سے پہلے کے حالات بھی یاد کر سکتا ہوں مثلاً جب وہ رحم مادر یا پشت پدر میں تھے اسی طرح ملک میں جتنے حالات ہوئے ان کو یاد کیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح پیچھے مڑتے مڑتے اکوان عالم سے ملکوت اعلیٰ اور جبروت سے جبروت اعلیٰ تک کے حالات یاد رکھے جا سکتے ہیں یہاں تک کہ سلسلہ نشۂ علم ربوبی تک پہونچ جائے۔ اور یہی تذکر حقیقت معراج ہے اور روحانی عروج کی انتہا ہے۔ انتھیٰ بیانہ

ہو سکتا ہے یہ مطلب اپنی جگہ پر صحیح ہو۔ لیکن حقیقت معراج مسلک عرفان میں اس طرح پیچھے کی طرف پلٹنے کو نہیں کہتے اور نہ ہی اصحاب قلوب کے نزدیک صحیح ہے۔ بلکہ معراج روحانی اس حرکت معنویہ انعطافیہ کا نام ہے جس سے دائرہ وجود کی تتمیم ہوتی ہے اور جس کی وجہ سے جمیع مافی سلسلۃ الشہود کا رجوع عالم غیب کی طرف ہوتا ہے اور یہ قوس صعودی و حرکت انعطافی کی صورت میں ہوتا ہے

Presented by www.ziaraat.com

اور موجودات میں اللہ کی جو سنت جاریہ ہے یہ حرکت رجوعی قہقرائی (الٹی) اس کے خلاف ہے خصوصاً انبیاء میں اور بالخصوص خاتم انبیاء کے سلسلہ میں بالکل ہی برخلاف ہے۔ سلوک کا یہ طریقہ ملائکہ کے اس صنف کی مجذوبیت کے مشابہ ہے جن کو ذات کبریا کے بارے میں متحیرہ کہا جاتا ہے جو بالکلیہ کثرات سے غفلت رکھتے ہیں اور جن کو یہ بھی معلوم نہیں ہے کہ آدم و آدمی خلق ہوئے ہیں (یا نہیں) شیخ عارف کامل شاہ آبادی فرماتے تھے کہ حضرت آدمؑ کی رومی حالت یہ تھی کہ اپنے مُلک کی طرف توجہ نہیں رکھتے تھے اور مجذوب عالم غیب و مقام قدسی تھے اور یہ حرکت آدم کو مقام آدمیت سے سلب کر دیتی اس لئے خدا نے ان پر شیطان کو مسلط کیا تاکہ وہ ان کو شجرۂ طبیعت کی طرف متوجہ کرے اور ان کے جذبہ ملکوتی کو مُلک کی طرف منصرف کر دے۔

قولہ والعدل والاحسان الخ: ظاہر یہ ہے کہ یہ دونوں الامر بالمعروف پر عطف ہیں یعنی اعرفوھم بالامر بالمعروف و بالعدل والاحسان اور یہ بھی احتمال ہے کہ المعروف پر سب عطف ہوں یعنی اعرفوھم بالامر بالمعروف و بالامر بالعدل والاحسان۔

پہلی فصل

اعرفوا اللہ باللہ کا مطلب

آپ یہ سمجھ لیں کہ علمائے کرام نے اس حدیث کی شرح اور اعرفوا اللہ باللہ کے سلسلہ میں اپنے اپنے مسلک علمی اور مشرب حکمی کے اعتبار سے معنیٰ بیان فرمائے ہیں۔ میں بطور خلاصہ بعض کو تبرکاً بیان کروں گا۔

اوّل :- جناب ثقۃ الاسلام کلینیؒ نے فرمایا جس کا خلاصہ یہ ہے: پروردگار عالم نے ابدان و ارواح و انوار کو خلق فرمایا اور وہ ان چیزوں کے خلق میں متفرد ہے کوئی اس میں شریک نہیں ہے اور نہ خدا ان میں سے کسی ایک کے مشابہ ہے۔ پس جس نے خدا کی ان میں سے کسی ایک سے تشبیہ دی اس نے خدا کو نہیں پہچانا اور جس نے خدا کو ان کی شباہت سے منزہ تسلیم کیا اس نے حق کو پہچان لیا، انتہیٰ (عجیب و غریب) بات یہ ہے کہ صدر المتالہین قدس سرہ نے اس کلام کو حدیث کا تتمہ سمجھا ہے اور اپنے مسلک

Presented by www.ziaraat.com

کے مطابق طولانی توجیہات پیش فرمائی ہیں۔

دوم :- شیخ صدوقؒ کا بیان ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ہم خدا کی معرفت خدا سے کریں اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر ہم خدا کو اپنی عقلوں سے پہچانیں (تو خدا کو خدا سے پہچانا کیونکہ خدا ہی نے ہم کو یہ عقول ہبہ فرمائی ہیں اور اگر خدا کو انبیاء و حجج کے ذریعہ پہچانا جب بھی خدا ہی کے ذریعہ پہچانا کیونکہ خدا نے ان حضرات کو مبعوث کیا ہے اور حجت قرار دیا ہے اور اگر اپنے نفوس سے پہچانیں (جب بھی خدا ہی کے ذریعہ خدا کو پہچانا کیونکہ نفوس کا خالق خدا ہے۔

سوم :- یہ وہ جواب ہے جس کی طرف جناب ملا صدرا نے اشارہ فرمایا ہے اور وہ یہ ہے کہ معرفت کے دو طریقے ہیں۔

۱۔ مشاہدہ و صریح عرفان ہے۔

۲۔ تنزیہ و تقدیس ہے اور چونکہ پہلا طریقہ سوائے انبیا اور کامل ترین بندوں کے کسی کے لئے ممکن نہیں ہے اسی لئے حدیث میں دوسرے طریقہ کا ذکر کیا گیا ہے انتہی۔

ملا صدرا کی یہ تفسیر اس بات پر مبنی ہے کہ شیخ کلینیؒ کے کلام کو حدیث کا جزو اور تفسیر امام صادقؑ کو کلام حضرت علیؑ سمجھا ہے۔

چہارم :- جناب ملا فیض کاشانی کی تفسیر ہے۔ ان کے کلام کا ماحصل یہ ہے کہ : ہر موجود کے لئے ایک ماہیت اور وجود ہے۔ ماہیت کا مطلب کسی بھی شئی کی نفسی تعینات اور اس کی وجہ ذاتی ہے اور وجود کا مطلب از جہت یلی الربی ہے کہ جس کے ذریعہ قوام ذات و ظہور آثار و حول و قوت شئی ہے پس اگر کوئی ماہیات کو دیکھ کر اور اشیا کے جہات تعینات کو دیکھ کر اشیا کے امکان و احتیاج الی الحق کو دیکھ خدا کو پہچانتا ہے تو اس نے خدا کو اشیا سے پہچانا نہ کہ حق سے پہچانا اس کے علاوہ یہ علم و فطرت فطری ہے نہ کہ کسبی (اور حدیث میں جس علم کے لئے کہا گیا ہے وہ کسبی ہے) لیکن اگر کوئی حق کو جہات وجودیہ سے پہچانے جو وجہ الی اللہ اور جہات یلی اللہ ہیں اور جن کی طرف اشارہ وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ اور كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ سے کیا گیا۔ تو اس نے حق کو حق سے پہچانا۔

پنجم :- یہ وہ احتمال ہے جو مولف کی نظر میں ہے مگر یہ ایک ایسے مقدمہ

Presented by www.ziaraat.com

کے بعد واضح ہوگا جو علم اسماؤ صفات میں طے شدہ ہے اور وہ یہ ہے کہ خداوندِ عالم کے لئے کچھ اعتبارات ہیں اور ہر اعتبار کے لئے ایک اصطلاح معین ہے۔

(مثلاً) ایک اعتبار ذات من حیث ہی ہے جو اس اعتبار ذات کے لحاظ سے مجہولِ مطلق ہے نہ اس کے لئے کوئی اسم ہے نہ رسم (جس سے اس کو پہچانا جا سکے) دستِ اُمید عرفاء آرزوئے اصحابِ قلوب و اولیاء اس سے کوتاہ ہے۔ اربابِ معرفت کی زبان میں کبھی اس کو "عنقائے مغرب" کہتے ہیں۔

عنقا شکار کس نشود دام باز گیر[8]

اور "عماء" یا "عمی" سے تعبیر کرتے ہیں چنانچہ روایت ہے کہ رسولؐ خدا سے پوچھا گیا مخلوق کو پیدا کرنے سے پہلے آپ کا خدا کہاں تھا؟ فی عماء[9] اور کبھی اس کی تعبیر غیب الغیوب اور غیبِ مطلق وغیرہ سے بھی ہوئی ہے اگرچہ حقیقت یہ ہے کہ تمام تعبیرات اس سے کوتاہ ہیں اور عنقا یا عما یا دیگر تعبیرات حسبِ ذوق عرفانی ایک قسم کے برہان سے مطابق ہیں جو اس مقام سے مربوط نہیں ہیں۔

دوسرا اعتبار: اعتبار ذات ہے مقام تعین غیبی اور عدم ظہور مطلق کے ساتھ اور اسی مقام کو احدیت کہتے ہیں اور وہ تعبیرات زیادہ تر اسی مقام سے مناسبت رکھتی ہیں۔ اصطلاح علماء کے اعتبار سے اسی جگہ پر اسمائے ذاتیہ کا اطلاق ہوتا ہے جیسے "باطن" "مطلق" و "اوّل" "مطلق" و علی و عظیم چنانچہ کافی کی روایت سے پتہ چلتا ہے کہ خداوندِ عالم نے اپنے لئے سب سے پہلا نام جو اختیار کیا وہ العلی اور العظیم تھا۔[10]

ایک اور اعتبارِ ذات ہے جو حسبِ مقام واحدیت و جمع اسماء و صفات ہے اور اس مقام کی تعبیر مقامِ "واحدیت" اور مقامِ "احدیت جمع اسماء" و "جمع الجمع" سے کی جاتی ہے اور اس مقام کو حسبِ اعتبار احدیتِ جمع مقام اسمِ اعظم اور اسم جامع اللہ کہتے ہیں۔

اور ایک اعتبار: اعتبار ذات ہے بہ حسبِ مرتبہ تجلی بہ "فیض مقدس" و مقامِ ظہور اسمائی و صفاتی در مرائی اعیانی جیسے کہ مقام واحدیت بہ تجلی بہ "فیض اقدس" ہے اور اس مقامِ ظہور اسمائی کو مقام ظہور اطلاقی اور مقام الوہیت اور مقام اللہ بھی کہتے ہیں یہ ان اعتبارات کی وجہ سے ہے جو اسماء و صفات میں مقرر ہیں اور امام خمینیؒ نے مصباح الہدایہ میں اس کی شرح کی ہے۔[11]

Presented by www.ziaraat.com

(اب) یہ بھی جان لینا چاہیئے کہ اہل معرفت اور اصحاب قلوب کی زبان میں یہ تمام اعتبارات قلوب صافیہ پر تجلیات حق کے نقشہ کی خبر دینے والے ہیں اور یہ تجلیات مقامات اور سلوک اولیا کے مراتب اور سائرالی اللہ کے منازل و مراحل سیر سے ظہور اسمائی و صفاتی کے مقام سے" جو مقام الوہیت ہے اور اس کو اللہ بھی کہا جاتا ہے۔ اللہ نور سماوات والارض ۔۔۔ ۱۲ اسی کی طرف اشارہ جانتے ہیں" شروع ہوتے ہیں اور مقام غیب ہاھدی اور مرتبہ اسمائے ذاتیہ اور اسم "مستاثر" پر ختم ہوتے ہیں جو غایت سیر اور منتہائے مقصد ہے اور ہو سکتا ہے کہ قول خذا و ادنی ۱۲ کے مقام مشارالیہ کا اشارہ یہی مقام ہو۔

اب اس مقدمہ کے تمام ہونے کے بعد میں عرض کرتا ہوں کہ جب تک طالب حق اور سائرالی اللہ کا قدم فکر و استدلال کی سرحدوں میں ہے اس کی سیر عقلی علمی ہے اور وہ اہل معرفت و اصحاب و عرفان سے نہیں ہے بلکہ حجاب اعظم و اکبر میں واقع ہے خواہ ماہیات اشیا میں نظر کر کے ان کے ذریعہ حق کو طلب کرے جو حجابہائے ظلمانی ہیں اور چاہے وجودات کے ذریعہ تلاش حق کرے جو حجابہائے نورانی ہیں اور جناب فیض" کا کلام اسی طرف ناظر ہے۔

لیکن سیرالی اللہ کے تحقق کی پہلی شرط نفس و خودی و خود خواہی کے گھر سے نکلنا ہے جیسے سفر حسی میں جب تک انسان اپنے بارے میں چاہے جس قدر گمان مسافرت کرے اور کہے میں مسافر ہوں مسافرت کا تحقق نہیں ہوگا۔ شرعی مسافرت اسی وقت ہوگی جب گھر سے نکل جائے اور آثار بلد ناپید ہو جائیں اسی طرح خدا کی طرف عرفانی سفر اور شہودی ہجرت اس وقت تک نہیں ہوگی جب تک نفس کے تاریک گھر سے نہ نکل جائیں اور اس کے آثار نہ چھپ جائیں۔ جب تک تعینات کی دیواریں اور کثرت کی اذانیں موجود ہیں۔ انسان مسافر نہیں ہے صرف گمان مسافرت ہے اور دعوائے سیر و سلوک ہے۔

"وَمَنْ يَخْرُجْ مِنْ بَيْتِهِ مُهَاجِرًا إِلَى اللّٰهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ أَجْرُهُ عَلَى اللّٰهِ." ۱۴

اس کے بعد جب سالک الی اللہ کامل تقویٰ اور قدم ریاضت کے ساتھ اپنے گھر سے نکلتا ہے اور اپنے ہمراہ کوئی علاقہ و تعین نہیں رکھتا اور سفر الی اللہ محقق ہو جاتا ہے

Presented by www.ziaraat.com

تو اس کے قلب پر جو سب سے پہلی تجلی حق کی طرف سے ہوتی ہے وہ تجلی الوہیت و مقام ظہور اسماء و صفات کی ہوتی ہے اور یہ تجلی بھی ایک منظم ترتیب سے اسمائے محاطہ سے اسمائے محیط تک پہونچتی ہے۔ سایر کے قلب کی قوت و ضعف کے مطابق اور سیر کے مطابق ایسا ہوتا ہے "مگر اس کی تفصیل اس مختصر میں نہیں بیان کی جا سکتی" یہاں تک کہ نوبت عالم وجود کے تمام تعینات کے چھوڑ دینے تک منتہی ہوتی ہے چاہے وہ اپنے سے ہو یا غیر سے! کہ اس کے بعد والے مراحل و منازل میں خود اسی سے ہے اور پھر فنا مطلق کے بعد تجلی بہ الوہیت و مقام اللہ۔ جو مقام احدیت جمع اسمائے مظہوری ہے۔ واقع ہوتا ہے۔ اور اعرفوا اللہ باللہ مرتبہ نازلیہ اولیہ کا ظہور حاصل کرتا ہے۔

عارف جب اس منزل و مقام پر پہلی مرتبہ پہونچتا ہے تو اس تجلی میں فنا ہو جاتا ہے اور اگر عنایت ازلی شامل ہو جائے تو عارف انس حاصل کر لیتا ہے اور سفر کی ساری وحشت اور تمام تعب دور ہو جاتا ہے اور وہ اپنے ہوش میں آجاتا ہے اور اسی مقام پر قناعت نہیں کرتا اور قدم عشق سے سیر کی ابتدا کرتا ہے۔ البتہ اس عشقی سفر میں حق ہی ابتدا و انتہائے سفر ہوتا ہے اور وہ اصل سفر ہوتا ہے اور مسافر انوار تجلیات میں قدم زن ہوتا ہے اور تقدم کی آواز سنتا ہے۔ یہاں تک کہ مقام واحدیت میں اسماء و صفات اس کے قلب پر منظم ترتیب سے تجلی کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ مقام احدیت جمعی اور مقام اسم اعظم میں ظہور پیدا کرتے ہیں کہ وہی اسم اللہ ہے اور اسی جگہ اعرفوا اللہ باللہ مقام عالی پر تحقق پیدا کرتا ہے۔ اس کے بعد بھی ایک اور مقام ہے جو سر دست ہمارے مقصد سے خارج ہے۔

اسی ترتیب سے۔ جو ذکر کی گئی۔ رسولؐ کو رسالت سے اور اولوالامر کو امر بمعروف اور عدل و احسان سے پہچاننے کی عرفانی ترتیب ایک امر بدیع ہے جو مقام رسالت و ولایت تفصیل پر موجود ہے مگر وہ اس کتاب کے موضوع سے خارج ہے۔ البتہ رسالہ سابق الذکر اس کے بیان کا متکفل ہے۔

Presented by www.ziaraat.com

وہم اور اس کا دفع

معارف کے سلسلہ میں وارد ہونے والی حدیثیں اپنے

معانی عامیہ پر حمل نہیں کی جاسکتیں

یہ گمان نہ ہو کہ اس حدیث کے بیانات سے ہمارا مقصد مفاد حدیث کو مسلک اہل عرفان کی طرح اسی پر محدود کرتا ہے تاکہ تفسیر بالرائے رجم بالغیب میں شامل ہو جائے۔ ہمارا مقصد یہ ہے کہ عام طور سے معرفت کے بارے میں جو احادیث وارد ہیں ان کے بارے میں یہ طے کر لینا کہ ان سے صرف عرفی معانی مراد ہیں یہ غلط ہے کیونکہ جو شخص بھی ائمہ معصومینؑ کے اسلوب کلام کا عارف ہے وہ جانتا ہے کہ عقائد و معارف میں وارد ہونے والی حدیثوں کا مطلب مفہوم عرف کے مطابق نہیں ہوتا۔ بلکہ ائمہؑ نے اپنی حدیثوں میں دقیق ترین فلسفی معانی و مطالب کو سمو دیا ہے۔ ہر وہ شخص ہماری بات کی تصدیق کرے گا جو اصول کافی توحید صدوق کا مطالعہ کئے ہوگا اور یہ مطلب مراد لینے سے اس میں کوئی منافات نہیں ہے کہ ائمہؑ اہل معرفت اور علمائے باللہ اپنے کلام کو اس جامع طریقہ سے ادا کریں کہ ہر گروہ اپنے مسلک کے حساب سے اس سے استفادہ کرے اور نہ کسی کو یہ حق ہے کہ مفہوم حدیث کو اسی مطلب میں منحصر کر دے جس کو وہ سمجھا ہے۔ مثلاً یہی حدیث جو مورد بحث ہے اس کے ظہور فقط اور استظہار عرف کے اعتبار سے ایک عرفی معنیٰ مراد لئے جائیں کہ اعرفوا اللہ باللہ کا مطلب یہ ہے کہ خدا کو اس کی صنعت اور متقن و محکم آثار کے ذریعہ پہچانا جائے اور اولوالامر کو ان کے کیفیت اعمال کے ذریعہ جیسے امر بہ معروف و عدالت کے ذریعہ پہچانا جائے۔ رسولؐ کو ان کی رسالت کے ذریعہ پہچانا جائے یعنی ہر ایک کو اس کے آثار سے پہچانا جائے تو یہ معنیٰ اس بات کے منافی نہیں ہے کہ اس حدیث کا ایک دوسرا مطلب بھی ہو جو اس سے لطیف تر ہو اور وہ بمنزلہ بطن کے ہو۔ بلکہ (یہ بھی ممکن ہے کہ) اس سے بھی زیادہ کوئی لطیف تر معنیٰ ہو جو بطن بطن ہو۔ مختصر یہ کہ اولیا کے کلام کا قیاس اپنے کلام پر نہ کرو کیونکہ یہ ایسے ہی غلط اور باطل ہے جس طرح ان کا قیاس اپنے اوپر کرنا باطل و غلط ہے۔ اس اجمال کی تفصیل اور اس نکتہ کی شرح اس وقت ہم نہیں کر سکتے۔

Presented by www.ziaraat.com

یہاں پر ایک عجیب و غریب بات بعض حضرات نے بطور طعن و اشکال کہی ہے کہ ائمہ ہدیٰ کا ہر کلام لوگوں کی ہدایت و ارشاد کے لئے ہوتا ہے اس لئے اس کا فہم عرف کے مطابق ہونا ضروری ہے۔ دقیق و فلسفی یا عرفانی معانی کا ان کی طرف سے صدور ناممکن ہے۔ یہ بہت بڑا افترا ہے اور بہت بڑی تہمت ہے جس کی وجہ اخبار اہل بیت میں تدبر نہ کرنا اور ان کا تلاش نہ کرنا ہے بعض دیگر امور بھی اس کا سبب بنے ہیں۔

مجھے تعجب کی بات ہے اگر توحید اور معارف کی دقیق باتوں کو انبیاء و اولیا نہیں بتائیں گے تو پھر کون تسلیم دے گا؟ کیا توحید اور دوسرے معارف دقیق چیزوں پر مشتمل نہیں ہے؟ کیا تمام لوگوں کی معرفت یکساں ہے؟ کیا ہماری اور امیر المومنینؑ کی معرفت ایک ہے؟ دونوں کی معرفت دہی حاصیانہ ہے یا دونوں میں فرق ہے؟ کیا معرفت کی تعلیم لازم نہیں ہے؟ کیا معرفت بہت ہی آسان ہے اس میں رجحان بھی نہیں ہے اور ائمہؑ نے اس کی کبھی کوئی اہمیت بھی نہیں دی؟ جو حضرات خواب، خوراک، بیت الخلاء کے مستحب آداب تک کو ترک نہ کریں بیان کر دیں وہ معارف الٰہیہ جو اولیا کا انتہائی مقصد ہے۔ اس کو ترک کر دیں گے۔؟

اس سے بھی زیادہ تعجب اس پر ہے کہ بعض یہی حضرات جو ان معانی کے منکر ہیں وہی فقہ میں "جس کا سمجھنا عرف پر موقوف ہے" ایسے مباحث تشکیل دیتے ہیں جس کے سمجھنے سے عرف کی کیا حقیقت ہے عقل عاجز ہو جاتی ہے اور کہتے ہیں یہ تو عرف کا ارتکازی مسئلہ ہے۔ اگر آپ کو یقین نہ ہو تو علی الید ما اخذت حتی تودی[1] اور اس قسم کے دیگر قواعد کلیہ کی طرف۔ خصوصاً معاملات میں رجوع فرمائیں۔

بہر حال مطلب ہاتھ سے نکل گیا۔ قلم اپنی حد سے آگے بڑھ گیا۔ صاحب کتاب خدا کو گواہ کر کے کہتا ہے کہ میرا مقصد اس کے علاوہ کچھ نہیں ہے کہ اپنے برادران ایمانی کو معارف الٰہیہ سے آشنا کراؤں۔

"واستغفر اللہ من الزلل والفشل والکسل. والحمد للہ اولاً وآخراً."

Presented by www.ziaraat.com

سینتیسویں حدیث کی توضیحات

۱: اصولِ کافی جلد ۱، ص ۸۴، کتابِ توحید، باب انہ لا یعرف الا بہ حدیث ۱۔
۲: اصولِ کافی جلد ۱، ص ۸۵، کتابِ توحید، باب انہ لا یعرف الا بہ ذیل حدیث ۱۔
۳: شرح اصولِ کافی، ۲۳۲، ۲۳۴۔
۴: توحید ص ۲۹ باب ۴۱۔
۵: شرح اصولِ کافی ص ۲۳۳، ۲۳۴۔
۶: اور تم (چاہے) جہاں کہیں رہو وہ تمہارے ساتھ ہے۔ سورۂ حدید آیت ۴۔
۷: اس کی ذات کے علاوہ ہر چیز فنا ہونے والی ہے، سورۂ قصص آیت ۸۸۔
۸: اس کا دوسرا مصرعہ یہ ہے ؎ کانجا ہمیشہ باد بدست ست دام را۔ حافظ
۹: عوالی اللئالی جلد ۱، ص ۵۴، مسند احمد بن حنبل جلد ۴، ص ۱۲ (عبارت میں تھوڑا سا تفاوت ہے۔
۱۰: وَعَنِ ابْنِ سِنَانٍ قَالَ: سَأَلْتُ اَبَا الْحَسَنِ الرِّضَا، عَلَيْهِ السَّلَامُ: هَلْ كَانَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ عَارِفاً بِنَفْسِهِ قَبْلَ اَنْ يَخْلُقَ الْخَلْقَ؟ قَالَ: نَعَمْ. قُلْتُ: يَرَاهَا وَيَسْمَعُهَا؟ قَالَ: مَا كَانَ مُحْتَاجاً اِلَى ذٰلِكَ، لِاَنَّهُ لَمْ يَكُنْ يَسْأَلُهَا وَلَا يَطْلُبُ مِنْهَا؛ هُوَ نَفْسُهُ وَنَفْسُهُ هُوَ قُدْرَتُهُ نَافِذَةٌ فَلَيْسَ يَحْتَاجُ اَنْ يُسَمِّيَ نَفْسَهُ، وَلٰكِنَّهُ اخْتَارَ لِنَفْسِهِ اَسْمَاءً لِغَيْرِهِ يَدْعُوهُ بِهَا، لِاَنَّهُ اِذَا لَمْ يُدْعَ بِاِسْمِهِ لَمْ يُعْرَفْ. فَاَوَّلُ مَا اخْتَارَ لِنَفْسِهِ: «اَلْعَلِيُّ الْعَظِيمُ»، لِاَنَّهُ اَعْلَى الْاَشْيَاءِ كُلِّهَا. فَمَعْنَاهُ اللّٰهُ وَاسْمُهُ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ؛ هُوَ اَوَّلُ اَسْمَائِهِ، عَلَا عَلَى كُلِّ شَيْءٍ.

Presented by www.ziaraat.com

ابنِ سنان کہتے ہیں: میں نے امام رضاؑ سے پوچھا کیا خدا مخلوقات کو پیدا کرنے سے پہلے اپنی ذات سے آگاہ تھا؟ فرمایا: ہاں۔ میں نے پھر پوچھا کیا اس کو دیکھتا اور سنتا تھا؟ فرمایا: اس کی ضرورت نہ تھی کیوں کہ نہ اس کے بارے میں کوئی سوال کرنے والا تھا اور نہ اس کی کوئی خواہش تھی وہی اس کی ذات تھی اور ذات وہی تھا۔ اس کی قدرت نافذ تھی اپنا نام رکھنے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ البتہ اس نے اپنے لئے اس لئے نام رکھے ہیں کہ دوسرے اس کو ان ناموں سے پکاریں اس لئے کہ اگر اس کو اس کے نام سے نہ پکارا جاتا تو وہ پہچانا نہ جاتا۔ اس نے اپنے لئے سب سے پہلا نام علی عظیم انتخاب کیا۔ کیوں کہ وہ ہر چیز سے برتر ہے اور اس کے معنی اللہ کے ہیں۔ اور اس کا نام علی عظیم ہے۔ اصولِ کافی جلد ۱، ص ۱۱۴، کتابِ توحید، باب حدوث الاسماء حدیث ۲۔

۱۱: مصباح الہدایہ ص ۳۴۔ ۳۸۔

۱۲: سورۂ نور آیت ۳۶۔

۱۳: پھر قریب ہوا۔ پھر دو کمان یا اس سے بھی کا فاصلہ رہ گیا۔ سورۂ نجم آیت ۹۔

۱۴: اور جو شخص اپنے گھر سے جلاوطن ہو کے خدا و رسولؐ کی طرف نکل کھڑا ہو پھر اسے منزلِ مقصود تک پہونچنے سے پہلے موت آجائے تو خدا پر اس کا ثواب لازم ہوگا۔ (سورہ نساء آیت ۱۰۰)

۱۵: آگے بڑھو یہ شبِ معراج رسولِ خدا سے اللہ کا خطاب تھا۔

۱۶: یہ ایک مشہور فقہی قاعدہ کی طرف اشارہ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی چیز کو لے لے تو اس کی ذمہ داری ہے کہ اس کو واپس کرے فقہا نے اس میں دقیق اور مفصل بحث کی ہے۔ ملاحظہ ہو عوائد الایام نراقی عائدہ ۳۳، القواعد الفقہیہ آیۃ ... بجنوردی، جلد ۴، ص ۴۷۔ ۹۹

۱۷: خدا سے اپنی لغزش، سستی اور کاہلی کی معذرت چاہتا ہوں۔ اول و آخر میں حمد و ستائش خدا ہی کے لئے مخصوص ہے۔

Presented by www.zjaraat.com

اڑتیسویں حدیث

«بِالسَّنَدِ الْمُتَّصِلِ اِلَى الشَّيْخِ الْجَلِيلِ عِمَادِ الْاِسْلَامِ، مُحَمَّدِ بْنِ يَعْقُوبَ الْكُلَيْنِيِّ، رِضْوَانُ اللّٰهِ عَلَيْهِ، عَنْ عِدَّةٍ مِنْ اَصْحَابِنَا، عَنْ اَحْمَدَ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ خَالِدٍ، عَنْ اَبِيهِ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ بَحْرٍ، عَنْ اَبِي اَيُّوبَ الْخَزَّازِ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ مُسْلِمٍ، قَالَ: سَاَلْتُ اَبَا جَعْفَرٍ، عَلَيْهِ السَّلَامُ، عَمَّا يَرْوُونَ اَنَّ اللّٰهَ خَلَقَ آدَمَ، عَلَيْهِ السَّلَامُ، عَلٰى صُورَتِهِ. فَقَالَ: هِيَ صُورَةٌ مُحْدَثَةٌ مَخْلُوقَةٌ، (و) اِصْطَفَاهَا اللّٰهُ وَاخْتَارَهَا عَلٰى سَائِرِ الصُّوَرِ الْمُخْتَلِفَةِ؛ فَاَضَافَهَا اِلٰى نَفْسِهِ كَمَا اَضَافَ «الْكَعْبَةَ» اِلٰى نَفْسِهِ، وَالرُّوحَ» اِلٰى نَفْسِهِ، فَقَالَ: «بَيْتِي» وَ «نَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُوحِي.»[1]

ترجمہ: محمد بن مسلم کہتے ہیں: میں نے امام محمد باقرؑ سے اس روایت کے بارے میں پوچھا جو لوگ روایت کرتے ہیں کہ خداوند عالم نے جناب آدمؑ کو اپنی صورت پر پیدا کیا ہے۔ حضرتؑ نے فرمایا: وہ صورت تو تازہ پیدا کی گئی ہے۔ خدا نے اس صورت کو منتخب کیا اور تمام مختلف صورتوں میں اس صورت کو اختیار فرمایا اور اس کی نسبت

Presented by www.ziaraat.com

اپنی طرف دیدی جیسے کعبہ کی نسبت اپنی طرف دی ہے اور کہا ہے "میرا گھر" اور روح کی نسبت اپنی طرف دی ہے اور کہا ہے "میری روح"۔

شرح :۔ اس حدیث کا ابتدائی حصہ ائمہؑ کے زمانے سے ہمارے زمانے تک مشہور رہا ہے اور سُنی شیعہ کتابوں میں اس سے استشہاد کیا جاتا رہا ہے۔ امام باقرؑ نے بھی صدورِ حدیث کی تصدیق فرمائی ہے بس اتنی سی بات ہے کہ حدیث کا مقصد نہیں بیان فرمایا۔ لیکن شیخ صدوقؒ نے عیون میں حضرت امام رضاؑ سے ایک حدیث نقل فرمائی ہے جس کا مطلب یہی ہے: حسین بن خالد کہتے ہیں: میں نے امام رضاؑ سے پوچھا: لوگ کہتے ہیں حضرت رسولؐ نے فرمایا: خدا نے آدمؑ کو اپنی صورت پر پیدا کیا ہے: امام ہشتمؑ نے فرمایا: خدا ان کو غارت کرے انھوں نے صدرِ حدیث کو حذف کر دیا ہے۔ (قصہ یہ ہے کہ) رسولِ خداؐ کا گزر ایسے دو آدمیوں کی طرف سے ہوا جو ایک دوسرے کو گالی دے رہے تھے حضرتؐ نے سنا تو ان میں سے ایک دوسرے کو کہہ رہا تھا خدا تیرے چہرے کو اور جس کا چہرہ تیرے چہرے کے مشابہ ہے اس کو بھی خراب کر دے اس پر آنحضرتؐ نے فرمایا: اے بندۂ خدا اپنے برادرِ مومن کے لئے یہ مت کہہ کیونکہ خدا نے آدمؑ کو اس کی صورت پر پیدا کیا ہے۔[۲]

اسی وجہ سے علامہ مجلسیؒ نے حضرت امام محمد باقرؑ والی حدیث کو تقیہ پر حمل فرمایا ہے اور یہ بھی احتمال دیا ہے کہ حدیث کا یہ مطلب برفرض تسلیم ہے۔[۳] (مگر) یہ احتمال بہت بعید ہے بلکہ احتمال یہ ہے کہ امام رضاؑ والی حدیث کو حدیثِ اوّل کی طرف ارجاع کیا جائے کہ آدم سے مراد اس حدیث اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ آدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ۔ میں نوعِ آدمی ہو۔ اور علی صورتہ کی ضمیر خدا کی طرف پلٹتی ہے۔

اور امام رضاؑ والی حدیث میں چونکہ مخاطب اہلِ فہم معنی حدیث نہ رہا ہو اس لئے امامؑ نے صدرِ حدیث کو بھی ذکر کر دیا تاکہ وہ خیال کرے کہ آدمؑ سے مُراد ابوالبشر حضرت آدمؑ ہیں اور علی صورتہ کی ضمیر اس شخص کی طرف پلٹ رہی ہے تامل۔

اور ہو سکتا ہے یہ دو الگ الگ حدیثیں ہوں۔ آنحضرتؐ نے ایک مرتبہ حدیث کو بے سابقہ اور ابتداً فرمایا ہو اور یہ وہ حدیث ہے جس کی تاویل امام محمد باقرؑ نے فرمائی ہے اور ایک مرتبہ حضور نے حدیث کو سابقہ کے ساتھ فرمایا ہو اور راوی کے نا سمجھ ہونے کی

Presented by www.ziaraat.com

وجہ سے امام رضاؑ نے اس کو متوجہ کیا ہو کہ حدیث مسبوق بہ سابقہ ہے اور اس مطلب کا شاہد یہ ہے کہ بعض روایات میں عَلٰی صُوْرَۃِ الرَّحْمٰنِ آیا ہے۔ یہ عیون والی حدیث سے مناسبت بھی نہیں رکھتی۔

خلاصہ یہ ہے کہ اگر ہم فرض کرلیں یہ حدیث وارد نہیں ہوئی ہے تو اسکا مطلب احادیث شریفہ میں چھپا ہوا ہے جو ہمارے آنے والے بیان سے واضح ہو جائے گا۔

دیگر الفاظ حدیث کی شرح

قولہ آدم: صحاح میں ہے آدمؑ کی اصل دو ہمزہ سے ہے کیونکہ یہ افعل کے وزن پر ہے دوسرے ہمزہ کو الف سے بدل دیا اور جب اس کو متحرک کرنا چاہتے ہیں تو دوسرے ہمزہ کو واو سے بدل دیتے ہیں اور جمع میں اوادم کہتے ہیں اور شاید ابوالبشر کو آدم کہنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ گندم گوں تھے کیوں کہ لغت میں ہے۔ اَسْمَرُ اللَّوْنِ اَلْاَدَمُ مِنَ النَّاسِ، اَلْاَسْمَرُ: اور بعض روایات میں ہے کہ آدم کو اس لئے آدم کہتے ہیں کہ وہ ادیم ارض ۵ سے پیدا کئے گئے۔ ادیم ارض یعنی روئے زمین سے۔

قولہ علی صورتہ الخ لغت میں صورت کے معنیٰ تمثال وہیئت کے ہیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ ایک معنائے عام مراد ہو جو تمام امور میں مشترک ہو اور وہ مشترک شیئیت شئی اور اس کی فعلیت ہے بس اتنا ضرور ہے کہ ہر چیز کے لئے ایک فعلیت ہے اور اسی اعتبار سے اس کو ذوالصورۃ اور اس فعلیت کو صورت کہتے ہیں۔

اور یہ جو (صورت) کو فلسفہ کی زبان میں چند امور پر اطلاق کرتے ہیں تو ان سب کی جامع وہی فعلیت شئی اور اس کی شیئیت ہے اور وہ بھی لغت کے مخالف نہیں ہے اور نہ از قبیل مواضعہ واصلاح ہے۔ شیخ بوعلی سینا رئیس فلسفۂ اسلامی الٰہیات شفا میں کہتے ہیں: کبھی صورت کا اطلاق ہر اس ہیئت اور فعل پر ہوتا ہے جو قابل وحدانی یا مرکب ہو یہاں تک کہ حرکات واعراض بھی صورت ہوتی ہے اور اس چیز کو بھی صورت کہتے ہیں جس سے مادہ بالفعل متقوم ہوتا ہے اس اعتبار سے جواہر عقلیہ اور اعراض کو صورت نہیں کہا جاسکتا اور جس چیز سے مادہ کامل ہوتا ہے اس کو بھی صورت کہا جاتا ہے چاہے بالفعل اس سے مقتوم نہ بھی ہو جیسے صحت اور وہ چیز کہ جس کی طرف شئی بالطبع متحرک ہو اور نیز کسی شئی کی نوع، جنس، فصل کو بھی صورت کہا جاتا ہے اجزاء کے اندر کل کی کلیت

Presented by www.ziaraat.com

بھی صورت ہے انتہیٰ۔

صورت کے تمام موارد واستعمالات میں غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ سب ہی کے اندر میزان وہی فعلیت ہے اور تمام مقامات میں بطور مشترک معنوی استعمال ہوتی ہے یہاں تک کہ خدا کو بھی صورۃ الصور کہا جاتا ہے۔

قولہ اصطفاھا وصفوۃ "صفوت" کدورتوں سے صاف وخالص کو کہا جاتا ہے اور اصطفاء کے معنیٰ خالص وصافی کو اخذ کرنے کے ہیں۔ مگر یہ لازمی معنی ہیں۔ لیکن جوہری وغیرہ نے اصطفاء کے معنیٰ "اختیار" بتائے ہیں چنانچہ لغت میں اصطفاء کے یہ معنیٰ بھی بیان کئے گئے ہیں۔ یہ تفسیر بھی بمعنی لازم ہے کیونکہ اختیار کے معنیٰ بھی خیر اور نیکی کا اختیار کرنا ہے اسی لئے خارج میں اصطفاء کا ملازم ہے نہ کہ اس کا مفہوم ہے۔

قولہ الکعبۃ کعبہ خانۂ خدا کا نام ہے۔ بعض علما نے کہا ہے چونکہ یہ عمارت تکعیبہ یہ مکعب ہے اس لئے اس کو کعبہ کہا گیا ہے یا پھر اس کے تربیع ہونے کی وجہ سے اس کو کعبہ کہا گیا ہے۔ اہل ریاضی کی اصطلاح میں "مکعب" اس جسم کو کہتے ہیں جس کو چھ سطحوں نے مساوی طور سے زاویہ قائمہ کے عنوان سے گھیر رکھا ہو۔

قولہ والروح: اطباء کی اصطلاح میں روح اس لطیف بخار کو کہتے ہیں جو خون حیوان کی حرارت سے قلب میں پیدا ہوتا ہے (اطباء) کہتے ہیں قلب کے لئے دو تجویف ہوتی ہے ایک داہنی طرف جس میں جگر کا خون جذب ہوتا ہے اور وہیں پر دل کی حرارت اس کو تبخر کرتی ہے اور وہ بخارات قلب کے بائیں جوف میں جاری ہوتے ہیں۔ اور وہاں پر قلب کے عمل کرنے سے لطیف بن جاتے ہیں اور روح حیوانی کی تشکیل ہو کر قلب کے قبض وبسط کی وجہ سے رگوں میں اسی طرح جاری ہو جاتی ہے جس طرح اپنی جگہ پر مذکور ہے۔ پس اس روح حیوانی کا منبع قلب ہے اور رگیں مجریٰ ہیں۔

اور کبھی روح کا اطلاق اس خون پر ہوتا ہے جو جگر میں متمرکز ہے اور اس کا مجریٰ رگہائے گلو ہیں اور اس کو روح طبیعی کہتے ہیں جیسے حکما کے یہاں کبھی روح کا اطلاق روح نفسانی پر ہوتا ہے کہ جس کا مبدا دماغ اور مجریٰ اعصاب ہے اور وہ ظہور و نازلہ منبع مجرد ایک ایسا امر ہے جو سر سبحانی اور نفخت فیہ من روحی کا منشا الیہ ہے اس کے بعد اسکا بیان ہوگا کہ یہ روح منفوخ مختار حق ہے۔ انشاء اللہ

Presented by www.ziaraat.com

پہلی فصل

آدم مظہرِ تام الٰہی و اسمِ اعظم الٰہی ہیں

اربابِ معرفت و اصحابِ قلوب فرماتے ہیں: تمام اسمائے الٰہیہ کے لئے حضرت واحدیت میں ایک صورت ہے جو بواسطہ حُبِّ ذاتی اور طلب مفاتیح غیب کہ لا یعلمھا الا ہو، حضرت علمیہ میں فیض اقدس کی تجلی کے تابع ہے اور اس صورت کو اہل اللہ کی اصطلاح میں "عین ثابت" کہا جاتا ہے اور فیض اقدس کی اس تجلی سے پہلے تو تعینات اسمائیہ حاصل ہوتے ہیں اور عین اسی تعین نفسی سے صور اسمائی۔ جو اعیان ثابتہ ہیں محقق ہوتے ہیں اور سب سے پہلا اسم جو تجلی احدیت اور فیض اقدس سے حضرت علمیہ واحدہ میں ظہور حاصل کرتا ہے اور اس تجلی کا آئینہ بنتا ہے وہ اسم اعظم جامع الٰہی و مقام مسمائے "اللہ" ہے۔ جو وجہ غیبیہ میں عین تجلی بہ فیض اقدس ہے اور کمال جلاد استجلاء کے تجلی ظہوری میں ایک اعتبار سے عین مقام جمع واحدیت ہے اور ایک اعتبار سے کثرتِ اسمائیہ ہے اور اسم جامع کے تعین اور اس کی صورت عبارت ہے۔ عین ثابت انسانِ کامل و حقیقت محمدیہ سے۔ جیسے کہ مظہر تجلی عینی فیض اقدس، فیضِ مقدس ہے اور مقام واحدیت کی مظہر تجلی مقامِ الوہیت ہے اور عین ثابت انسانِ کامل کی مظہر تجلی روح اعظم ہے اور تمام موجودات اسمائیہ و علمیہ و عینیہ انھیں حقائق و دقائق کے مظاہر کلیہ و جزئیہ ہیں اسی ترتیب بدیع کے ساتھ جس کی تفصیل اس مختصر میں نہیں آسکتی۔ مصباح الہدایہ میں اس کی تفصیل میں نے بیان کی ہے۔[۸]

یہیں سے معلوم ہو گیا کہ انسان کامل اسم جامع کا مظہر اور اسم اعظم کا مرآۃ تجلی ہے چنانچہ کتاب و سنت میں اس مطلب کی طرف بہت جگہوں پر اشارہ کیا گیا ہے۔ ارشادِ خدا ہے عَلَّمَ آدَمَ الْاَسْمَاءَ کُلَّھَا[۹] یہ تخمیر غیبی جمعی دست جلال و جمال سے باطن آدم کے اعتبار سے حضرت واحدیت میں ہوئی ہے جیسے کہ آدم کی صورت اور ظاہر کی تخمیر عالم شہادت میں بہ ظہورِ دستِ جلال و جمال مظہریتِ طبیعت میں ہوئی ہے۔

Presented by www.ziaraat.com

جیساکہ ارشاد ہے: «اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ...» [10] اور امانت سے مراد اہلِ عرفان کے یہاں ولایتِ مطلقہ ہے کیونکہ انسان کے علاوہ کوئی بھی موجود اس کے لائق نہیں ہے اور یہ ولایتِ مطلقہ وہی مقامِ فیضِ مقدس ہے جس کی طرف قرآن نے «كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ.» کہہ کر اشارہ فرمایا ہے اور حدیث میں حضرت امام محمد باقرؑ نے فرمایا ہے: «نَحْنُ وَجْهُ اللّٰهِ.» [11] اور دعائے ندبہ میں ہے «اَيْنَ وَجْهُ اللّٰهِ الَّذِيْ اِلَيْهِ يَتَوَجَّهُ الْاَوْلِيَاءُ اَيْنَ السَّبَبُ الْمُتَّصِلُ بَيْنَ اَهْلِ الْاَرْضِ وَالسَّمَاءِ» [12] اور زیارت جامعہ کبیرہ میں ہے: «وَالْمَثَلُ الْاَعْلٰى» [13] اور یہ مثلیت و وجہیت وہی ہے کہ حدیث شریف میں ہے «اِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ آدَمَ عَلٰى صُوْرَتِهٖ.» یعنی آدم مثل اعلائے حق اور آیت اللہ کبریٰ و مظہر اتم مرآت تجلیات اسما و صفات اور وجہ اللہ و عین اللہ و ید اللہ و جنب اللہ ہیں یعنی «هُوَ يَسْمَعُ وَيُبْصِرُ وَيَبْطِشُ بِاللّٰهِ؛ وَاللّٰهُ يُبْصِرُ وَيَسْمَعُ وَيَبْطِشُ بِهٖ.» [14] اور یہ وجہ اللہ وہی نور ہے جس کو قرآن نے کہا ہے: «اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ.» [15] اور امام پنجم نے کافی کی حدیث میں ابو خالد کابلی سے فرمایا: یہی حضرات (یعنی ائمہ) خدا کی قسم وہ نورِ خدا ہیں جن کو خدا نے نازل فرمایا ہے اور یہی حضرات (یعنی ائمہ) خدا کی قسم وہ نورِ خدا ہیں جن کو خدا نے نازل فرمایا ہے اور یہی حضرات واللہ نور اللہ فی السماوات والارض ہیں؛ [16] اور کافی میں حضرت محمد باقرؑ سے «عَمَّ يَتَسَآئَلُوْنَ. عَنِ النَّبَاِ الْعَظِيْمِ.» [17] کی تفسیر میں وارد ہوا ہے کہ اس سے مراد حضرت علیؑ ہیں حضرت علیؑ فرمایا کرتے تھے: «هِيَ فِيْ اَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ. كَانَ اَمِيْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ، عَلَيْهِ السَّلَامُ، يَقُوْلُ: مَا لِلّٰهِ تَعَالٰى آيَةٌ هِيَ اَكْبَرُ مِنِّيْ؛ وَلَا لِلّٰهِ مِنْ نَبَاٍ اَعْظَمُ مِنِّيْ.» [18] خدا کی کوئی آیت مجھ سے بزرگ نہیں ہے اور نہ خدا کی کوئی بناء مجھ سے اعظم ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ انسانِ کامل ہی خدا کی بزرگ ترین آیت اور مظہر اسما و صفات ہے اور مثل اور آیتِ حق ہے اور جناب آدمؑ اس کے مصادیق میں سے ایک مصداق تھے اور خدا مثل یعنی شبیہ سے منزہ و مبرا ہے۔ لیکن خدا کو مثل سے یعنی آیت و علامت سے منزہ نہیں کرنا چاہیئے کیونکہ «وَلَهُ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى» ہے۔ کائنات کے تمام ذرے خدائے جمیل کے تجلیات کے مرآت و آیات ہیں۔ بس اتنا ضرور ہے کہ ہر ایک اپنے ظرف کے اعتبار سے ہے لیکن کوئی بھی آیت اسم اعظم جامع نہیں ہے سوا حضرت کل جل

Presented by www.ziaraat.com

ومقام مقدس برزخیت کبریٰ کے «جَلَّتْ عَظَمَتُهُ بِعَظَمَةِ بَارِيهِ، فَاللّٰهُ تَعَالٰى خَلَقَ الْاِنْسَانَ الْكَامِلَ وَالْاٰدَمَ الْاَوَّلَ عَلٰى صُورَتِهِ الْجَامِعَةِ؛ وَجَعَلَهُ مِرْآةً اَسْمَائِهِ وَ صِفَاتِهِ. قَالَ الشَّيْخُ الْكَبِيرُ «فَظَهَرَ جَمِيعُ مَا فِي الصُّورَةِ الْاِلٰهِيَّةِ مِنَ الْاَسْمَاءِ فِي هٰذِهِ النَّشْاَةِ الْاِنْسَانِيَّةِ، فَحَازَتْ رُتْبَةَ الْاِحَاطَةِ وَالْجَمْعِ بِهٰذَا الْوُجُودِ وَبِهِ قَامَتِ الْحُجَّةُ لِلّٰهِ عَلَى الْمَلَائِكَةِ.» [۲۱] «پس خدا نے انسانِ کامل اور آدمِ اوّل کو ان کی صورتِ جامعہ پر خلق فرمایا اور انھیں کو اپنے اسماء و صفات کا مرآۃ قرار دیا۔ الشیخ الکبیر فرماتے ہیں: صورتِ الٰہیہ میں جتنے بھی اسماء اس نشأۃ انسانیہ میں تھے وہ سب کے سب ظاہر ہو گئے پس اس نشأۃ نے اپنے اس وجود کے ساتھ رتبۃ الاحاطت والجمع کو حاصل کر لیا اور اسی کے ذریعہ خدا کی حجت ملائکہ پر قائم ہو گئی۔"

اس بیان سے معلوم ہو گیا کہ خداوندِ عالم نے تمام مختلف اکوان کے مختلف صورتوں میں سے صورتِ جامعہ انسانیہ ہی کو کیوں انتخاب و اختیار کیا اور حضرتِ آدمؑ کو تمام ملائکہ پر کیوں مکرم کیا اور تمام موجودات میں انھیں کو یہ شرف کیوں بخشا اور وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُوحِي [۲۲] میں ان کی روح کو اپنی طرف کیوں منسوب کیا۔

چونکہ اس کتاب میں اختصار مدِ نظر ہے اس لئے نفخۂ الٰہیہ کی حقیقت اور آدم میں اس کی کیفیت اور تمام موجودات میں آدم کے ساتھ اختصاص کی وجہ وغیرہ سے صرفِ نظر کرتا ہوں۔

«وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ اَوَّلًا وَآخِرًا.»

Presented by www.ziaraat.com

اڑتیسویں حدیث کی توضیحات

۱:۔ اصولِ کافی جلد ۱، ص ۱۳۴، کتاب التوحید، باب الروح، حدیث ۴۔

«عَنِ الْحُسَيْنِ بْنِ خَالِدٍ، قَالَ قُلْتُ لِلرِّضَا(ع): يَابْنَ رَسُولِ اللّٰهِ، إِنَّ النَّاسَ يَرْوُونَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ(ص) قَالَ: إِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ خَلَقَ آدَمَ عَلَى صُورَتِهِ. فَقَالَ: قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ لَقَدْ حَذَفُوا أَوَّلَ الْحَدِيثِ. إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ(ص) مَرَّ بِرَجُلَيْنِ يَتَسَابَّانِ، فَسَمِعَ أَحَدَهُمَا يَقُولُ لِصَاحِبِهِ: قَبَّحَ اللّٰهُ وَجْهَكَ وَوَجْهَ مَنْ يَشْبَهُكَ فَقَالَ(ص) لَهُ: يَا عَبْدَ اللّٰهِ، لَا تَقُلْ هٰذَا لِأَخِيكَ، فَإِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ خَلَقَ آدَمَ عَلَى صُورَتِهِ.»(۲) عیون اخبار الرضا، جلد ۱، ص ۱۱۹، باب ۱۱، حدیث ۱۲

۲:۔ مراۃ العقول جلد ۲، ص ۸۴، کتاب التوحید، باب الروح، حدیث ۴

۳:۔ تفسیر قرآن ملا صدرا، جلد ۲، ص ۲۳۵، فتوحات مکیہ (تحقیق عثمان یحییٰ) جلد ۱، ص ۷۸

۵:۔ «عَنْ أَبِي عَبْدِ اللّٰهِ(ع) قَالَ: إِنَّمَا سُمِّيَ آدَمَ آدَمَ لِأَنَّهُ خُلِقَ مِنْ أَدِيمِ الْأَرْضِ.» علل الشرائع جلد ۱، ص ۲۶۔

۶:۔ مجمع البیان تفسیر آیہ ۹۷ سورۂ مائدہ، قاموس اللغۃ، ذیل کلمہ کعب و کعبہ

۷:۔ «وَعِنْدَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ» والی آیت کی طرف اشارہ ہے اور یہ سورہ انعام کی ۵۹ ویں آیت ہے۔

۸:۔ مصباح الہدایہ الی الخلافۃ والولایۃ، ص ۲۸-۴۴-۵۴-۵۶۔

Presented by www.ziaraat.com

۹:۔ جناب آدمؑ کو تمام اسما کی تعلیم فرمائی، سورۂ بقرہ آیت ۳۱۔
۱۰:۔ ہم نے اس امانت کو آسمانوں اور زمین و پہاڑوں پر پیش کیا مگر سب نے اس کے اٹھانے سے انکار کیا اور ڈر گئے مگر انسان نے اٹھایا یقیناً وہ ظالم اور نادان ہے۔ سورۂ احزاب آیت ۷۲۔
۱۱: سورۂ قصص آیت ۸۸۔
۱۲: اصولِ کافی جلد ۱، ص ۱۴۵، کتاب توحید، باب النوادر، حدیث ۷۔
۱۳: زاد المعاد باب ۹۱ ص ۳۹۹، مفاتیح الجنان ص ۵۲۷۔
۱۴: من لایحضرہ الفقیہ جلد ۲، ص ۳۷، باب زیارہ جامعہ، عیون اخبار الرضاؑ شیخ صدوق، باب ۶۸ حدیث ۱۔
۱۵: اصولِ کافی، کتاب الایمان والکفر، باب اذی المسلمین، حدیث ۷
۱۶: سورۂ نور آیت ۳۶۔
۱۷: اصولِ کافی جلد ۱، ص ۱۹۴، کتاب الحجۃ، باب ان الائمۃ نور اللہ، حدیث ۱۔
۱۸: سورۂ بنا آیت ۱۔۲۔
۱۹: اصولِ کافی جلد ۱، ص ۲۰۷، کتاب الحجۃ، باب ان الآیات التی ذکرھا اللہ فی کتابہ، حدیث ۲۔
۲۰: یہ آیہ ولہ المثل الاعلیٰ فی السماوات والارض کی طرف اشارہ ہے سورۂ روم آیت ۲۷۔
۲۱: اس آیت کا ترجمہ متن میں گزر چکا ہے
۲۲: سورۂ حجر آیت ۲۹، سورہ ص آیت ۷۲۔

www.ziaraat.com Sabeel-e-Salam

Presented by www.ziaraat.com

انتالیسویں حدیث

«بِالسَّنَدِ الْمُتَّصِلِ اِلٰی رُکْنِ الْاِسْلَامِ، مُحَمَّدِبْنِ یَعْقُوبَ الْکُلَیْنِیِّ، رِضْوَانُ اللّٰهِ عَلَیْهِ، عَنْ عِدَّةٍ مِنْ اَصْحَابِنَا، عَنْ اَحْمَدَبْنِ مُحَمَّدِبْنِ خَالِدٍ، عَنْ اِبْنِ مَحْبُوبٍ وَعَلِیِّ بْنِ الْحَکَمِ، عَنْ مُعَاوِیَةَ بْنِ وَهَبٍ، قَالَ سَمِعْتُ اَبَا عَبْدِاللّٰهِ، عَلَیْهِ السَّلَامُ، یَقُولُ: اِنَّ مِمَّا اَوْحَی اللّٰهُ اِلٰی مُوسٰی، عَلَیْهِ السَّلَامُ، وَاَنْزَلَ عَلَیْهِ فِي التَّوْرَاةِ: اَنِّي اَنَا اللّٰهُ، لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنَا.

خَلَقْتُ الْخَلْقَ وَخَلَقْتُ الْخَیْرَ وَاَجْرَیْتُهُ عَلٰی یَدَيْ مَنْ اُحِبُّ؛ فَطُوبٰی لِمَنْ اَجْرَیْتُهُ عَلٰی یَدَیْهِ. وَاَنَا اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنَا.

خَلَقْتُ الْخَلْقَ وَخَلَقْتُ الشَّرَّ، وَاَجْرَیْتُهُ عَلٰی یَدَيَّ مَنْ اُرِیدُهُ؛ فَوَیْلٌ لِمَنْ اَجْرَیْتُهُ عَلٰی یَدَیْهِ.»[1]

ترجمہ: معاویہ بن وہب کہتے ہیں: میں نے امام جعفر صادقؑ کو فرماتے ہوئے سنا کہ خداوندِ عالم نے جناب موسیٰؑ پر جن باتوں کی وحی فرمائی تھی اور ان کو توریت میں نازل کیا

Presented by www.ziaraat.com

تھا۔ ان میں سے یہ بات بھی تھی: بیشک میں اللہ ہوں میرے علاوہ کوئی خدا نہیں ہے میں نے مخلوق اور خیر کو پیدا کیا اور خیر کو اس ذات کے ہاتھوں اجرا کرایا جس کو میں دوست رکھتا ہوں پس کیا کہنا اس کا جس کے ہاتھوں میں نے خیر کا اجرا کیا۔ اور میں اللہ ہوں میرے علاوہ کوئی خدا نہیں ہے میں نے مخلوق اور شر کو پیدا کیا اور شر کو جس کے ہاتھوں چاہا اجرا کرایا پس ویل ہو اس شخص کے لئے جس کے ہاتھوں سے شر کا اجرا کرایا۔

شرح: اِلٰہ (اَلَہَ) بفتح ہمزہ ولام اِلٰہَۃٌ کے معنی عَبَدَ عِبَادَۃً کے ہیں۔ اور اِلٰہٌ بروزن فِعَالٌ بمعنی مفعول ہے جیسے امام بمعنی مَنْ یُؤْتَمُّ بِہٖ۔[۲] کے ہے۔ اور اللہ کی اصل اللہ تھی الف ولام کے داخل ہونے کے بعد ہمزہ کو تخفیف کے لئے گرا دیا گیا۔ لیکن بعض علماء کا خیال ہے الف ولام ہمزہ کے عوض میں لائے گئے ہیں[۳] ان میں سے ہر ایک کے پاس ادبی دلیل بھی ہے مگر اس کا ذکر لازم نہیں ہے البتہ اہل اللہ کی زبان میں اِلٰہیت اور الوھیت کو زیادہ تر مقام تجلی بہ فعل، اور مقام فیض مقدس کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ اور اللہ کو جو اسم جلالہ ہے زیادہ تر مقام ذات مستجمع صفات کے لئے اطلاق کرتے ہیں۔ اور کبھی اس کے برعکس استعمال کرتے ہیں۔

اور اس حدیث میں ہو سکتا ہے یہ بمعنی لغوی عرفی استعمال ہوا ہو۔ یعنی میں معبود ہوں اور میرے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے۔ اور اگر یہ معنی مراد ہیں تو پھر قصر عبودیت یا تو اس بات پر مبنی ہے کہ کوئی دوسرا اس کا مستحق نہیں ہے ـــــ چاہے وہ حسب خطاء مردم معبود واقع ہو ـــــ اور یا پھر اصحاب قلوب و ارباب معرفت کے اس قول پر مبنی ہے کہ عبادت خواہ کسی مظہر میں ہو وہ عبادت کامل مطلق ہے اور انسان حسب فِطْرَۃَ اللّٰہِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ہم طالب جمیل علی الاطلاق ہے۔ اگرچہ خود اس فطرت سے محجوب ہے۔ اور اپنے کو متعین و تعین سے دلبستہ گمان کرتا ہے۔

لیکن ذیل حدیث کو دیکھ کر جس میں خیر و شر کی نسبت اپنی طرف دی ہے اس سے اس احتمال کو تقویت ملتی ہے کہ اللہ سے مراد وہی مقام الوھیت ہے اور یہ توحید افعالی کی طرف اشارہ ہے جس کی تعبیر بڑے بڑے حکماء کی زبان میں لَا مُؤَثِّرَ فِي الْوُجُودِ إِلَّا اللّٰہُ

Presented by www.ziaraat.com

سے کی گئی ہے۔ اور اس مطلب کی طرف بعد میں اشارہ کیا جائے گا۔

قولہ الخیر محدثین کے محقق علامہ مجلسیؒ اس حدیث کے ذیل میں فرماتے ہیں: خیر و شر کا اطلاق (جہاں) طاعت و معصیت پر ہوتا ہے۔ (وہیں) ان کے اسباب و دواعی، مخلوقات نافعہ جیسے حبوب و ثمار و حیوانات ماکولہ اور ضرر پہنچانے والے مخلوقات جیسے بچھو، سانپ وغیرہ اور نعمتوں و مصیبتوں پر بھی ہوتا ہے۔ اشاعرہ کہتے ہیں یہ سب خدا کا فعل ہے۔ لیکن امامیہ اور معتزلہ نے افعال عباد کے بارے میں ان کی مخالفت کی ہے اور جو آیات و روایات وارد ہوئی ہیں کہ خدا خالق خیر و شر ہے امامیہ و معتزلہ نے ان کی تاویل افعال عباد کے علاوہ دیگر معانی سے کی ہے۔ اس کے بعد علامہ مجلسی نے فرمایا ہے: اب رہے حکماء تو انہیں سے اکثر کہتے ہیں، لَا مُؤَثِّرَ فِی الْوُجُوْدِ اِلَّا اللّٰہُ، اور بندوں کا ارادہ مددگار ہوتا ہے کہ خدا افعال عباد کو اپنے ہاتھوں ایجاد کرے۔ اور یہ بات خود حکماء اور اشاعرہ کے مطابق ہے ویسے اس قسم کی روایات کو تقیہ پر حمل کیا جاسکتا ہے۔ اِنْتَھٰی کَلَامُہٗ رُفِعَ مَقَامُہٗ *

تحقیق خیر و شر

خیر و شر کا اطلاق جہاں بھی ہوتا ہے وہ ذات یا صفات میں کمال یا نقص کے معنی میں ہوتا ہے اور وجود و کمالات وجود میں ہوتا ہے اور جتنے بھی خیرات ہیں وہ بالذات حقیقت وجود کیطرف راجع ہوتے ہیں اور دوسری چیزوں پر جو ان کا اطلاق ہوتا ہے وہ ان کے نحوۂ وجود کا لحاظ کر کے بولا جاتا ہے۔ جیسے شر بالذات عدم وجود یا عدم کمال وجود کا نام ہے اور دوسری چیزوں پر اس کا اطلاق بالعرض ہوتا ہے جیسے موذیات اور ضرر پہنچانے والے حیوانات پر اطلاق عرضی ہے۔ اطراف کے تصور کے ساتھ اس کو بدیہیات میں شمار کیا گیا ہے۔ حالانکہ اس پر برہان قوی بھی موجود ہے۔

اور علامہ مجلسیؒ (و دیگر علماء) نے جو یہ فرمایا ہے: افعال عباد کے خلق کے بارے میں کہ امامیہ اور معتزلہ نے اشاعرہ کی مخالفت کی ہے اور جو آیات و احادیث خیر و شر کی نسبت

Presented by www.ziaraat.com

خدا کی طرف دیتے ہیں ان کی تاویل کی ہے (تو اس سلسلہ میں عرض کرتا ہوں) اشاعرہ کی مخالفت تو بالکل صحیح ہے۔ کیونکہ یہ لوگ جبری المسلک ہیں اور ان کا مسلک صریح عقل و برہان و وجدان کے مخالف ہے۔ لیکن آیات و احادیث کو مذہب معتزلہ پر حمل کرنا بھی بے معنی بات ہے کیونکہ یہ لوگ تفویضی المسلک ہیں اور ان کا مذہب اشاعرہ کے مسلک سے بھی زیادہ باطل اور اسکی شناعت و رسوائی اس سے کہیں زیادہ ہے۔

البتہ حضرات امامیہ جو اہل بیت عظام کے نور ہدایت اور خاندان وحی و عصمت کے بدولت اس مسلک حق کو اختیار کر چکے ہیں جو آیات اور مضبوط دلیلوں، بلند ترین عرفا کے مسلک اور اصحاب قلوب کے ذوق کے مطابق ہے۔ اس کی بنا پر ان آیات کثیرہ و اخبار کی تاویلات علامہ مجلسیؒ نے کی ہے اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے کیونکہ امامیہ اور ان کے ائمہ افعال عباد میں سے کسی بھی فعل کو نہ ارادۂ حق سے معزول سمجھتے ہیں اور نہ کسی چیز کو (بالکلیہ) بندوں کی سپردگی کے قائل ہیں۔

اور آخر کلام میں علامہ مجلسی نے جو یہ فرمایا ہے: اکثر حکماء نے فرمایا ہے لَا مُؤَثِّرَ فِي الْوُجُودِ إِلَّا اللّٰهُ اور یہ مذہب حکماء اور اشاعرہ کے موافق ہے تو اس سلسلہ میں عرض ہے کہ لا مؤثر فی الوجود الا اللہ یہ اکثر حکماء کا مذہب ہے یہ صحیح ہے بلکہ تمام حکماء اور اہل معرفت کا یہی مذہب ہے۔ بلکہ کہا جاتا ہے حکماء میں سے جو اس قضیہ کا قائل نہ ہو نور حکمت اس کے دل میں اترا ہی نہیں اور اس کے باطن نے مس معرفت کی ہی نہیں۔ مگر اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ارادۂ عبد ممد و معد ہے ایجاد حق کے لئے۔ جیسا کہ اسکے اہل کے نزدیک واضح ہے اور اس کا مذہب اشاعرہ کے موافق ہونا قابل قبول نہیں ہے۔ اور اس سے بھی عجیب بات یہ ہے کہ علامہ مجلسیؒ نے مذہب اشاعرہ کو مذہب حکماء پر عطف فرمایا ہے حالانکہ ان دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ بہت کم ایسے حکیم ہوں گے جو محقق ہوں اور مذہب اشاعرہ کو باطل نہ سمجھتے ہوں۔ اور اس کے مخالف نہ ہوں۔

اور علامہ مجلسیؒ نے یہ جو فرمایا ہے کہ: ممکن ہے ان اخبار کو تقیہ پر حمل کر دیا جائے تو پہلی بات یہ ہے کہ یہ حمل بلا وجہ ہے کیونکہ ان اخبار کے ظواہر مذہب حق کے موافق اور برہان کے موافق ہیں اس لئے تقیہ پر حمل کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہ دلیلات و اخبار قرآن

Presented by www.ziaraat.com

مجید کی بہت سی آیتوں کے موافق ہیں۔ لہٰذا آیات اور اسی طرح ان اخبار کو جو ان آیات کے موافق ہیں تقیہ پر حمل کرنے کے کوئی معنی ہی نہیں ہیں تیسری بات یہ ہے کہ ان اخبار کا معارض بھی نہیں ہے۔ تاکہ مقام معارضہ میں تقیہ پر حمل کر دیا جائے جو مرجحات کی ایک قسم ہے ونیز یہ اخبار ان روایات کے ساتھ قابل جمع ہیں جن کی دلالت اس بات پر ہے کہ انسان خیر و شر کا فاعل ہے۔ چوتھی بات یہ ہے کہ خود علامہ مجلسی نے فرمایا: یہ اخبار مذہب اشاعرہ کے مطابق ہیں اور علی الظاہر مذہب اشاعرہ (اس وقت) مذہب غالب نہیں تھا لہٰذا ایسی صورت میں حمل بر تقیہ غیر موجہ ہے۔ پانچویں بات یہ ہے کہ یہ باب اور اس کے امثال باقی اعتقادیات در اخبار متعارضہ مورد مرجحات نہیں ہیں جیسا کہ واضح ہے۔

قولہ طوبیٰ جوہری نے کہا ہے طوبیٰ بروزن فُعْلیٰ ہے اور طیب سے ماخوذ ہے یہ طُیبیٰ تھا مگر "ی" کا ماقبل مضموم تھا اس لئے واو سے "ی" کو بدل کر طوبیٰ کر دیا گیا اور مجمع میں ہے کہ "طوبیٰ لھم" کا مطلب "ان کے لئے اچھی زندگی" ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ طوبیٰ کا مطلب خیر اور انتہائے آرزو ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ طوبیٰ جنت میں ایک درخت کا نام ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ لغت اہل ہند میں طوبیٰ بہشت کا نام ہے۔ "وَطُوبیٰ لَکَ وَطُوبَاکَ" اضافت کے ساتھ بھی استعمال ہوا ہے۔ رسول اکرم (ص) کی روایت ہے کہ طوبیٰ بہشت میں ایک درخت ہے جس کی جڑ میرے گھر میں ہے۔ اور اسکی شاخ علی (ع) کے گھر میں ہے۔ ۶

قولہ ویل جوہری کا کہنا ہے ویح کلمۂ رحمت ہے اور ویل کلمۂ عذاب ہے اور یزیدی کہتا ہے دونوں کے ایک معنی ہیں "وَوَیْلٌ لِزَیْدٍ وَوَیْحٌ لِزَیْدٍ" کو بنا بر مبتدا ہونے کے مرفوع اور فعل کو مقدر مان کر منصوب پڑھا جا سکتا ہے جیسے "اَلْزَمَهُ اللّٰهُ الْوَیْلَ"۔ ۷ بعضوں نے کہا ہے ویل جہنم میں ایک وادی ہے اگر پہاڑ کو اس میں ڈال دیں تو پگھل جائے گا۔ ۸ بعض نے کہا ہے دوزخ میں ایک کنویں کا نام ہے۔ ۹

Presented by www.ziaraat.com

پہلی فصل

خیر و شر دونوں متعلق ایجاد ہیں اور ان کی کیفیت
قضائے الٰہی میں وقوع شر کی کیفیت کی طرف اشارہ

۱۔ علوم عالیہ میں یہ بات بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کی جا چکی ہے کہ موجودہ نظام وجود خیر و کمال کے اعلیٰ درجہ اور حسن و جمال کے اعلیٰ و اقصیٰ مرتبہ پر فائز ہے اور یہ قسم برہان لمّی کی اجمالی طرح سے اور دوسرے اعتبار سے تفصیلی طور سے ثابت ہے۔ اگرچہ اس کی تفصیل پر اطلاع صرف اس کے خالق کو ہے یا پھر وحی و تعلیم الٰہی پر موقوف ہے لیکن جو چیزیں پیش نظر اس کتاب کے مناسب ہے اور سابق میں اس کی طرف اشارہ بھی کر دیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ جو چیز بھی اصل کمال و جمال و خیر ہے وہ اصل حقیقت وجود سے خارج نہیں ہے۔ کیونکہ وجود کے علاوہ کسی اور چیز کا تحقق نہیں ہے اور دنیا جانتی ہے کہ حقیقت وجود کے مدمقابل (صرف دو چیزیں ہیں) عدم یا ماہیت اور بحسب ذات و خودی خود انمیں سے کوئی کچھ نہیں ہے۔ نہ ان کی کوئی قیمت ہے یہ باطل ہیں یا محض اعتباری ہیں جب تک یہ چیزیں نور وجود سے منور اور ظہور وجود سے ظاہر نہ ہوں ان کے لئے کوئی ثبوت نہیں ہے نہ ثبوت ذاتی نہ صفاتی و آثاری۔ جب ان کے سروں پر وجود سایہ فگن ہوتا ہے۔ اور دست رحمت واسعہ ان کے سروں پر کھینچا جاتا ہے تب یہ دارائے ظہور و خاصیت و آثار ہوتے ہیں۔ پس تمام کمالات جمال جمیل علی الاطلاق کا پرتو ہے اور تجلی نور مقدس کامل مطلق ہے۔ دیگر موجودات کے پاس اپنے پاس سے کچھ نہیں ہے وہ تو فقر محض و لاشی مطلق ہیں۔ پس تمام کمالات اس سے ہیں اور اسی کی طرف راجع ہیں۔[1]

۲۔ اسی طرح اپنی جگہ ثابت و مقرر ہے کہ ذات مقدس سے جو چیز صادر ہوئی ہے وہ اصل حاق وجود و صرف متن ہستی ہے بغیر اس کے کہ وہ محدود بہ حدود عدمیہ و ماہویہ ہو کیوں کہ عدم و ماہیت غیر صادر، اور محدودیت در فیض یہ سب فیض کی محدودیت سے ہوتا ہے۔ اور جس شخص کو کیفیت افاضہ و فیض کا علم اسطرح ہوگا جسطرح اہل معرفت نے بیان کیا ہے وہ اس بات کی تصدیق کریگا کہ فیض باری میں کسی بھی قسم کی حد بندی اور قید کا تصور نہیں ہے۔ لہٰذا جسطرح

Presented by www.ziaraat.com

ذات مقدس کو نقص و امکان و محدودیت سے منزہ سمجھا جاتا ہے اسی طرح فیض مقدس کو بھی تمام امکانی حدود و اوامکانات راجعہ بہ ماہیات اور تقییدات راجعہ بہ حدود و نقائص سے منزہ و مقدس ماننا چاہیئے۔ پس اس کا فیض جو جمیل مطلق کا ظل ہے وہ بھی جمیل مطلق و جمال تام و کمال تام ہے فَهُوَ جَمِيلٌ فِي ذَاتِهِ وَصِفَاتِهِ وَأَفْعَالِهِ اور سوائے اصل وجود کے کوئی بھی شی، متعلق جعل وایجاد نہیں ہوسکتی۔[11]

۳۔ یہ بات بھی اپنی جگہ ادلۂ و براہین سے ثابت ہے کہ اس عالم طبیعت اور تنگنائے بادیۂ مظلمہ کے اندر جتنے بھی شرور، ناگہانی اموات، ہلاکتیں، امراض، مہلک حوادث غریبہ، بلیات وغیرہ ہیں یہ سب کے سب موجودات کے آپسی تضاد اور تصادم سے ہوا کرتے ہیں۔ جہات موجودیہ کی وجہ سے نہیں ہوا کرتے بلکہ موجودات کے مقادر کی تنگی اور نقص کی وجہ سے ہے اور یہ سب حدود و نقائص کیطرف راجع ہوتے ہیں جو بالکلیہ حیطۂ نور جعل سے خارج اور حقیقت میں دونوں جعل ہیں۔ نور کی اصل حقیقت وجود ہے جو تمام شرور و عیوب و نواقص سے بری ہے البتہ نقائص و شرور اور ضرر رساں و اذیت رساں اشیاء اگرچہ جہات و نقص کے ساتھ بالذات مورد جعل نہیں ہیں لیکن بالعرض بحسب نظر بشی و برہانی (بہرحال) مورد جعل ہیں اس لئے کہ اگر اصل عالم طبیعت متحقق نہ ہو اور جہات وجودیہ متعلق جعل نہ ہوں (تو پھر نقائص و شرور اس میں اسی طرح متحقق نہ ہوں گے جسطرح) نفع و خیر و کمال اسمیں متحقق نہ ہوگا کیوں کہ اس طرح کے اعدام، اعدام مطلقہ نہیں ہیں بلکہ اعدام مضافہ ہیں جن کے لئے ملکات کے ضمن میں ایک عرضی تحقق بہرحال ہوتا ہے اور ان سے منعقد شدہ قضیہ، قضیۂ معدولہ یا موجبۂ سالبۃ المحمولہ ہوتا ہے نہ کہ سالبۂ محصلہ۔[12]

خلاصہ کلام یہ ہوا کہ جو چیز بالذات متعلق خلقت اور مورد جعل الٰہی ہوتی ہے وہ صرف خیرات و کمالات ہوا کرتے ہیں اور تخلل شرور و ضرر رساں اشیاء وغیرہ قضائے الٰہی میں ضمنی ہوتی ہیں مقام اول کیطرف اشارہ اس آیت میں ہے «مَا أَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللَّهِ وَمَا أَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَفْسِكَ.»[13] اور مقام دوم کیطرف اشارہ اس آیت میں ہے «قُلْ كُلٌّ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ.»[14] اور آیات و احادیث میں ان دونوں مقامات کیطرف بہت زیادہ اشارہ کیا گیا ہے اس میں سے یہ حدیث بھی ہے جسمیں ہے خیر و شر دونوں متعلق جعل و

Presented by www.ziaraat.com

خلقت ہیں۔

دوسری فصل

خیر و شر کا بندوں کے ذریعہ اجرا کی کیفیت

مطالب سابقہ میں غور و تامل کرنے سے جو لوگ اہل ہیں ان کو معلوم ہو جائیگا کہ مخلوقات کے ہاتھوں خدا خیر و شر کو کیونکر اجرا کرتا ہے کہ جس سے کوئی مفسدۂ جبر لازم نہیں آتا۔ البتہ اس طرح کی تحقیق جس سے مطلب واضح ہو جائے اور اس سلسلہ میں ہونے والے تمام اعتراضات مرتفع ہو جائیں وہ موقوف ہے کہ مذاہب کی تفصیل بیان کی جائے اور بہت سے مقدمات کا ذکر کیا جائے مگر اس کتاب میں اس کی تفصیل بیان کرنے سے میں قاصر ہوں البتہ ایک اجمالی اشارہ ضرور کرنا چاہتا ہوں جو نظر بحث سے مناسب ہو۔

پس آپ یہ سمجھ لیں کہ موجودات میں سے کوئی بھی موجود اپنے کسی بھی عمل میں اس کا اس وقت تک مستقل ہونا ممکن نہیں ہے جب تک فاعل و موجد معلول کے عدم میں رہنے والے تمام اسباب کو صد در صد ختم نہ کر دے۔ مثلاً ایک معلول کے وجود میں آنے کے لئے سو شرطیں ہیں اور فاعل ۹۹ کو پوری کرتا ہے ایک کو چھوڑ دیتا ہے تو معلول موجود نہیں ہو سکتا۔ اور نہ اس فاعل کو علت مستقلہ کہا جا سکتا ہے۔ اس لئے کسی بھی علت کا مستقل ہونا اس بات پر موقوف ہوتا ہے کہ وہ علت تمام ان چیزوں کو معدوم کر دے جن کے معدوم ہونے پر معلول کا وجود ضروری ہے اور بالبداہۃ والبرہان یہ بات معلوم ہے کہ تمام دائرہ ممکنات ساکنین جبروت عظمیٰ و ملکوت علیا سے لے کر عالم ملک و طبیعت کے بسنے والوں تک تمام قوای فعالہ باطنہ و ظاہرہ کے بس کی یہ بات نہیں ہے۔ کیونکہ پہلا عدم جو معلول کے جائز ہے اس کا عدم علت فاعلہ و مؤثر کے عدم پر موقوف ہے۔ اور سلسلہ ممکنات میں کوئی ایسا موجود نہیں جو اس جہت سے سد عدم معلول کر سکے۔ کیونکہ ایسا ہونا مستلزم ہے کہ امکان ذاتی وجوب ذاتی سے بدل جائے اور ممکن دائرہ امکان سے خارج ہو جائے اور یہ (انقلاب) بدیہی طور سے محال ہے۔ پس ثابت ہوا کہ استقلال در ایجاد، استقلال در وجود کے لئے

Presented by www.ziaraat.com

لازم ہے۔ اور یہ بات ممکنات میں ممکن نہیں ہے۔

اسی بیان سے یہ بات بھی معلوم ہو گئی کہ تفویض نہ صرف ایجاد میں بلکہ موجودات کے شؤون وجودی میں سے کسی بھی شان میں ممکن نہیں ہے۔ یہ صرف مکلفین یا افعال مکلفین سے مخصوص نہیں ہے (جیسا کہ ہمارے علماء عنوان بحث قرار دیتے ہیں) اگرچہ متکلمین کی زبانوں سے جاری ہونے والے کلمات سے اختصاص ہی سمجھا جاتا ہے۔ لیکن متفرق ابواب کے ملاحظہ سے عمومیت بحث کو سمجھا جا سکتا ہے۔ ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ طریقۂ اصحاب کلام میں افعال مکلفین کی بحث زیادہ اہم ہے۔ اسی لئے نزاع کو اسی سے مخصوص کیا ہے مختصر یہ ہے کہ ہم کو متکلمین سے کوئی غرض نہیں ہے۔ ہم تحقیق حق کرنا چاہتے ہیں۔ اور یہ بات ثابت ہو گئی کہ موجودات کے کسی بھی امر میں تفویض ممکن نہیں ہے۔

مسئلۂ ابطال جبر

اب جبری مذہب کا بطلان بھی معلوم ہو جانا چاہئے۔ لیکن پہلے ان کے مذہب کی طرف اشارہ کر دوں اس کے بعد بطلان کا ذکر کروں گا۔ اور وہ اشارہ یہ ہے کہ جبری حضرات کہتے ہیں: ایجاد موجودات میں کسی بھی وسائط وجودی کو کوئی مدخلیت نہیں ہے۔ صرف انسان کو مدخلیت کا توہم ہوتا ہے۔ مثلاً قوۂ ناریہ ہے یہ حرارت میں بالکل مؤثر نہیں ہے بس خدا کی عادت جاری ہے۔ کہ جب بھی صورت ناریہ جاری ہوگی اس کے بعد ہی حرارت ایجاد کر دیگا۔ بغیر اس کے کہ صورت ناریہ کو اس میں کوئی مدخلیت ہو (ایسے ہی ہے کہ) اگر خدا صورت ناریہ کے بعد برودت ایجاد کر دیتا تو اس وقت جو صورت حرارت کی ہے وہی صورت برودت کی ہوتی اور کوئی فرق نہ ہوتا۔ خلاصہ خدا بغیر توسیط وسائط خود بذات مقدس خود تمام افعال مکلفین و آثار موجودات کا مباشر ہے۔[15] ان لوگوں نے اپنے خیال سے اس مذہب کو خدا کی تنزیہ و تقدیس کے لئے اختیار کیا ہے تاکہ یدُ اللہ کو مغلولہ نہ سمجھا جا سکے۔ «غُلَّتْ اَیْدِیهِمْ وَلُعِنُوا»[16]۔ اس تنزیہ و تقدیس کے ذریعہ جو سنت برہان اور مذہب عرفان میں مستلزم نقص و تشبیہ ہے اور مستلزم تعطیل ہے۔ جیسا کہ ہم نے فصل

Presented by www.ziaraat.com

سابق میں اس کی طرف اشارہ کیا کہ حق تعالیٰ کمال مطلق اور وجود صرف ہے اس کی ذات وصفات میں تحدید یا نقص کا تصور بھی نہیں ہے اور جو چیز متعلق و ایجاد وجعل الٰہی ہے وہ موجود مطلق وفیض مقدس اطلاقی ہے اور یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ اس ذات مقدس سے وجود محدود ناقص صادر ہو۔ ایجاد کے اندر کسی قسم کا نقص ہے ہی نہیں بلکہ تمام تحدیدات و نقائص مستفیض ومعلول کے تحدید و نقص ہوا کرتے ہیں جیسا کہ متکلمین نے تصور کیا ہے۔ اور یہ بات اپنی جگہ پر ثابت ہے [۱۷]۔ پس جتنے وجود و معلول کا ارتباط ذات مقدس حق تعالیٰ سے بلا واسطہ ممکن ہے وہ موجود مطلق وصریح وجود ہے اور وہ یا تو فیض مقدس ہے بنا بر مسلک عرفا یا عقل مجرد و نور شریف اول ہے بنا بر مسلک حکماء۔

دوسرے بیان کے ساتھ۔ اس میں تو شک نہیں ہے کہ قبولیت وجود میں موجودات مختلف ہیں۔ بعض موجودات قبول وجود ابتداءً و استقلالاً کرتے ہیں۔ جیسے جواہر۔ اور بعض کو دوسرے کے ضمن وتبعیت میں قبول کرتے ہیں جیسے اعراض اور ایسی چیزیں جو ضعیف الوجود ہیں مثلاً زید کا کلام ضمناً پایا جا سکتا ہے مستقلاً نہیں پایا جا سکتا۔ اسی طرح اعراض واوصاف جواہر اور موصوفات کے بغیر نہیں پائے جا سکتے اور یہ نقص ان کا خود ذاتی ہے فاعلیت اور موجدیت کا نقص نہیں ہے۔ اس بیان سے یہ مسئلہ واضح ہو گیا کہ سلسلۂ موجودات میں جبر اور نفی وسائط وجودیہ کا کوئی امکان ہی نہیں ہے۔ اور قوی ترین دلیل اس باب میں یہ ہے کہ: جس طرح ماہیات بہ حسب ذات تاثیر و تاثر سے منزل ہیں اور بالذات جعل ان سے متعلق نہیں ہو سکتا اسی طرح حقیقت وجود بذاتہ منشاء تاثیر ہے کہ اگر اس سے مطلقاً نفی تاثیر کر دی جائے تو یہ انقلاب ذاتی کو مستلزم ہو جائیگا۔ لہٰذا ایجاد مراتب وجود بے آثار اور منفی الاثر مطلقاً ممکن نہیں ہے اور موجب نفی شی از ذات خود ہے۔

حاصل کلام یہ ہوا کہ مسلک جبر و مسلک تفویض دونوں مسلک برہان تام وضوابط عقلیہ کی بنا بر باطل و ممتنع ہیں۔ اہل معرفت اور حکمت عالیہ میں مسلک امر بین الامرین ثابت ہے۔ اگرچہ اس کے امر بین الامرین — معنی میں بھی علماء کے درمیان اختلاف

Presented by www.ziaraat.com

عظیم ہے۔ لیکن اس میں جو چیز تمام مذاہب میں مضبوط اور مناقشات سے محفوظ اور مسلک توحید کے مطابق اور عرفائے شامخین و اصحاب قلوب کے موافق ہے مگر یہ مسلک تمام معارف الٰہیہ میں از قبیل سہل ممتنع ہے جس کا حل بحث و برہان سے ممکن نہیں ہے۔ اور قوی تام قلبی اور توفیق الٰہی کے بغیر دست امید کی رسائی وہاں تک ممکن نہیں ہے۔ اس لئے میں اس کو اس کے اہل کے لئے یعنی اولیاء حق کیلئے چھوڑتا ہوں اور ہم اصحاب بحث کی طرح اس وادی میں داخل ہوں گے۔

اور وہ یہ کہ تفویض کا مطلب استقلال موجودات در تاثیر ہے اور جبر نفی تاثیر کا نام ہے اور ہم ان دونوں ۔۔ جبر و تفویض ۔۔ کی نفی کر کے منزلہ بین المنزلتین کہ اثبات تاثیر و نفی استقلال ہے کا اثبات کریں اور کہیں منزلہ ایجاد مثل وجود و اوصاف وجود ہے جیسے کہ موجودات موجود ہیں مگر مستقل در وجود نہیں ہیں اور اوصاف ان کے لئے ثابت ہیں لیکن ان میں مستقل نہیں ہیں آثار و افعال ان کے لئے ثابت ہیں اور ان سے صادر ہیں لیکن وجود میں غیر مستقل ہیں اور فواعل و موجدات غیر مستقل در فاعلیت و ایجاد ہیں۔

اور یہ بھی جان لیجئے کہ: فصل سابق کے مطالب میں غور و فکر کرنے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ خیرات و شرور دونوں کی نسبت حق کیطرف بھی اور خلق کیطرف بھی دی جا سکتی اور دونوں صحیح ہیں اسی لئے اس حدیث میں فرمایا ہے: خیرات و شرور کو میں نے اپنے بندوں کے ہاتھوں اجرا فرمایا اس کے باوجود خیرات منسوب بحق تعالیٰ ہے بالذات اور بندوں اور موجودات کی طرف بالعرض اور شرور اسکے برعکس دیگر موجودات کیطرف بالذات اور خدا کیطرف بالعرض منسوب ہیں۔ اسی مطلب کیطرف حدیث قدسی میں ارشاد ہے: اے اولاد آدم میں تیرے حسنات کے لئے تجھ سے اولیٰ ہوں اور تو اپنے گناہوں کے لئے مجھ سے اولیٰ ہے[18]۔ سابق میں بھی اس کیطرف اشارہ کر چکا ہوں۔ سر دست اس ذکر سے دست بردار ہوتا ہوں۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ اَوَّلاً وَّآخِرًا

Presented by www.ziaraat.com

انتالیسویں حدیث کی توضیحات

۱: اصول کافی جلد ۱ ص ۱۵۴، کتاب التوحید، باب الخیر والشر، حدیث ۱۔

۲: جس شخص کی پیروی کی جائے۔

۳: پہلے قول کے سلسلہ میں بحار جلد ۴ ص ۱۸۷، باب ۲ از ابواب اسماء تعالیٰ وحقائقہا ومعانیہا کی طرف رجوع کیجئے اور دوسرے قول کے سلسلہ میں مجمع البیان ذیل آیہ بسم اللہ الرحمن الرحیم از سورۂ حمد کی طرف رجوع کیجئے۔

۴: سورۂ روم آیت ۳۰۔

۵: مراۃ العقول جلد ۲، ص ۱۷۱، ۱۷۲، کتاب التوحید، باب الخیر والشر حدیث ۱

۶: حاکم جشمانی نے امام ہفتم سے انھوں نے اپنے والد ماجد سے انھوں نے اپنے بزرگوں سے روایت کی ہے کہ رسولؐ سے طوبیٰ کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا: ایک درخت ہے جس کی جڑ میرے گھر میں ہے اور اس کی شاخ اہل فردوس پر سایہ فگن ہے دوبارہ پوچھے جانے پر فرمایا: وہ درخت علیؑ کے گھر میں ہے۔ (مجمع البیان تفسیر سورہ رعد آیت ۲۹)

۷: خداوند عالم نے اس کو عذاب سے دوچار کر دیا۔

۸: مجمع البحرین، وسان العرب ذیل کلمہ ویل۔

۹: قاموس المحیط ذیل کلمہ ویل اور پیغمبرؐ سے ایک روایت آئی ہے کہ ویل جہنم میں ایک درہ ہے کافر چالیس سال تک کے بعد اس کی گہرائی تک پہونچتا ہے تفسیر نور الثقلین جلد ۵ ص ۹۲ تفسیر کبیر جلد ۲ ص ۱۴۰۔

۱۰: اسفار اربعہ جلد ۲ ص ۲۹۲ اور اس کے بعد اسفار اربعہ جلد ۱ بحث اصالۃ الوجود۔

Presented by www.ziaraat.com

۱۱۔ اسفار اربعہ جلد ۲ ص ۲۹۲ فصول ۲۵۔ ۲۹۔
۱۲۔ اسفار اربعہ جلد ۷ ص ۵۸۔ ۶۲ سفر سوم، موقف ہشتم فصل دوم۔
۱۳۔ سورۂ نساء آیت ۷۲ اور حدیث ۳ توضیح ۱۳۔
۱۴۔ سورہ نساء آیت ۷۸ اور حدیث ۱۴ توضیح ۶۔
۱۵۔ کشف المراد ص ۲۳۹۔ ۲۴۰ فی علم الکلام جلد ۲ ص ۶۲، ۷۸، ۷۹۔
۱۶۔ مائدہ آیت ۷۰ اور حدیث ۲۱ توضیح ۲۷۔
۱۷۔ اسفار جلد ۲ ص ۱۲۷ اور اس کے بعد سفر دوم مرحلہ ششم، بحث علت و معلول، مخصوص فصول ۲، ۱۲، ۱۴، ۲۵، ۲۶، ۲۸، ۲۹، و جلد ۶ ص ۳۲۰ بر بعد سفر سوم موقف چہارم فصل ۳۔
۱۸۔ عن الرضاؑ قال اللہ یا بن آدم انا اولیٰ بحسناتک منک وانت اولیٰ بسیئاتک منی الجواہر السنیۃ ص ۲۷۹۔

www.ziaraat.com
Sabeel-e-Sakina

Presented by www.ziaraat.com

چالیسویں حدیث

«بِالسَّنَدِ الْمُتَّصِلِ اِلَى الشَّيْخِ الْاَقْدَمِ وَالرُّكْنِ الْاَعْظَمِ، مُحَمَّدِبْنِ يَعْقُوبَ الْكُلَيْنِيِّ، رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، عَنْ مُحَمَّدِبْنِ يَحْيٰى، عَنْ اَحْمَدَبْنِ مُحَمَّدٍ، عَنِ الْحُسَيْنِ بْنِ سَعِيدٍ، عَنِ النَّضْرِ بْنِ سُوَيْدٍ، عَنْ عَاصِمِ بْنِ حُمَيْدٍ قَالَ قَالَ: سُئِلَ عَلِيُّ بْنُ الْحُسَيْنِ، عَلَيْهِمَا السَّلَامُ، عَنِ التَّوْحِيدِ فَقَالَ: اِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ عَلِمَ اَنَّهُ سَيَكُونُ فِي آخِرِ الزَّمَانِ اَقْوَامٌ مُتَعَمِّقُونَ، فَاَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى: «قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ» وَالْآيَاتُ مِنْ سُورَةِ «الْحَدِيدِ» اِلٰى قَوْلِهِ: «وَهُوَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ» فَمَنْ رَامَ وَرَاءَ ذٰلِكَ فَقَدْ هَلَكَ.»

ترجمہ: عاصم کہتے ہیں: امام زین العابدینؑ سے توحید کے بارے میں پوچھا گیا تو حضرت نے فرمایا: خدا کو معلوم تھا آخری زمانہ میں ایک دقیق النظر قوم پیدا ہوگی لہٰذا اس نے قل ہو اللہ احد اور سورہ حدید کی آیات اوّل سے ہو علیم بذات الصدور تک نازل فرمایا۔ اب اگر کوئی اُس کے غیر کو طلب کرے تو وہ یقیناً ہلاک ہوگا۔

Presented by www.ziaraat.com

شرح: حضرت صدر المتالهین فرماتے ہیں: عاصم بن حمید کا زمانہ حضرت سجادؑ سے متصل نہیں تھا لہٰذا حدیث مرفوع ہے اور لفظ قال کی تکرار شاید بواسطہ تقطیع حدیث ہو اور ہو سکتا ہے نساخ کے اشتباہ کی بنا پر ہو اور یا یہ وجہ ہو کہ فاعل موجود رہا ہو اور قلم کے لکھنے سے رہ گیا ہو اور یا فاعل محذوف ہو بنا بر جواز حذف اور یا یہ کہ فاعل اوّل ضمیر ہو جو نضر بن سوید کی طرف راجع ہے مگر یہ احتمال بہت ہی بعید ہے۔

قولہ التوحید: توحید بروزن تفعیل ہے اور ی یا تو فعل میں تکثیر کے لئے ہے بہ معنیٰ قرار دادن در غایت وحدت و نہایت بساطت یا پھر بمعنائے انتساب مفعول ہے بہ اصل فعل جیسے تکفیر و تفسیق لیکن بعض اہل فضل کی رائے تھی کہ یہ باب تفعیل بمعنائے انتساب مفعول آیا ہی نہیں اور تفسیق و تکفیر بھی اس معنیٰ سے غلط ہیں بلکہ یہ سب بمعنیٰ دعوت بہ فسق و کفر کے ہیں اور یہاں پر تکفیر کے بجائے اکفار استعمال ہونا چاہیئے تھا اور خود قاموس میں بھی مادہ کفر کے اندر تکفیر بمعنائے انتساب بکفر نہیں آیا ہے۔ مولف عرض کرتا ہے: میں نے بھی قاموس میں تکفیر بمعنائے انتساب بکفر نہیں دیکھا ہے۔ بلکہ علامہ لغوبین جوہری نے بھی یہ معنی نہیں لکھے ہیں البتہ اکفار کو اس معنی میں لکھا ہے جیسا کہ اس فاضل نے کہا ہے۔ مگر ادب کی کتابوں میں باب تفعیل کے ایک معنی انتساب مفعول بہ اصل فعل شمار کیا گیا ہے اور اس کی مثال تفسیق سے دی گئی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ توحید کا مطلب نسبت بہ وحدانیت ہے۔

قولہ متعمقون: عَمَق و عُمق بفتح عین و ضم عین کنویں کی تہہ اور گڑھے کی تہہ کو کہتے ہیں۔ اسی اعتبار سے اہل ریاضی جسم کے تیسرے بعد کو عمق سے تعبیر کرتے ہیں جو سطح فوقانی سے شروع ہو کر سطح تحتانی پر ختم ہوتا ہے۔ اور بعد دوم کو عرض کہتے ہیں اور اعتبار سے زیادہ دقیق النظر شخص کو متعمق کہا جاتا ہے اور نظر دقیق کو نظر عمیق کہا جاتا ہے اور نظر غیر عمیق کو سطحی نظر کہا جاتا ہے۔ گویا مطالب علمیہ کے لئے بھی عمیق و گہرائی ہوتی ہے شخص متعمق اس کی تہہ تک چلا جاتا ہے اور حقائق کو نکال لاتا ہے اور سطحی نظر والا اوپری حصہ تک رہتا ہے گہرائی تک نہیں جا پاتا۔

[illegible] رام: رام یرام کے معنیٰ طلب کرنے کے ہیں اور مرام کے معنی مطلب کے ہیں۔

Presented by www.ziaraat.com

قولہ وراء ذالک: وراء بمعنی پیچھے کے ہیں اور کبھی آگے کے معنیٰ میں بھی آیا ہے۔ پس یہ اضداد میں سے ہے اور اس کا استعمال ان مقامات پر مناسبت کے ساتھ معنیٰ اوّل میں ہوتا ہے۔

پہلی فصل

سورۂ توحید کی تفسیر کی طرف اجمالی اشارہ

یاد رکھیے سورہ توحید اور سورہ حدید کی پہلی آیتوں کی تفسیر ہم جیسے افراد کے حوصلہ سے خارج ہے ویسے واقعہ یہ ہے کہ اس کی تفسیر میں داخل ہونا اپنے وظیفہ سے خارج ہونا ہے بھلا مجھ جیسے آدمی کے لئے شریعت انصاف میں کہاں جائز ہے کہ میں ایسی چیز کی تفسیر میں داخل ہوں جس کو خدا نے اشخاص متعمق اور علمائے محقق کے لئے نازل فرمایا ہے تفسیر برہان میں ہے کہ حضرت امام محمد باقرؑ نے کلمہ مبارکہ الصمد کے کچھ اسرار بیان کرنے کے بعد فرمایا: خداوندِ عالم نے مجھے جو علم عطا فرمایا ہے اگر میں اس کے حاملین پاتا تو الصمدؑ کے اندر جو توحید و اسلام و ایمان و دین و شریعت ہے اس کو نشر کر دیا۔

فیلسوفِ کبیر مُلّا صدرا سورۂ حدید کی آیتوں کے بارے میں فرماتے ہیں۔ یہ چھ آیتیں جن کی طرف حدیث میں اشارہ ہے ان میں سے ہر ایک علم توحید و الٰہیت کے عظیم باب پر مشتمل ہے اور صمدیت و ربوبیت کے محکم احکام پر مشتمل ہے کہ اگر زمانہ مہلت دے اور دہر ایک ایسے عارفِ ربانی کی مدد کرے یا ایسے حکیمِ الٰہی کی مدد کرے جس کا علم مشکاۃ نبوت محمدیہ سے ماخوذ ہو علیہ و علیٰ آلہ افضل السلام والتحیۃ اور اس کی حکمت مقتبس ہو احادیث اصحاب عصمت و طہارت سے تو یقیناً اس شخص اور ان آیات کا حق تھا کہ ہر آیت کے لئے ایک بڑی جلد بلکہ مجلدات کثیرہ تحریر کی جائیں (انتہیٰ)

خلاصہ یہ ہے کہ مجھ جیسے لکھنے والے اس میدان کے شہسوار نہیں ہیں لیکن چونکہ عقل کا فیصلہ ہے کہ مشکل کی وجہ سے آسان کو نہیں چھوڑ دینا چاہیئے اس لئے مشائخ عظام اور کتب اربابِ معرفت اور اہل بیتؑ کے مشکاۃ انوار ہدایت سے جو کچھ بھی حاصل کیا ہے اجمالاً

Presented by www.ziaraat.com

واشارۃً اس کا ذکر کرنا چاہتا ہوں۔
وبمن اللہ الہدایۃ۔

بسم اللہ کی طرف اشارہ

یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ حسب مسلک اہل معرفت ہر سورہ کی بسم اللہ خود اسی سورہ سے متعلق ہے استعین وغیرہ سے متعلق نہیں ہے کیونکہ اسم اللہ بحسب مقام ظہوری تمام مشیت ہے اور بہ حسب تجلی احدی مقام فیض اقدس ہے اور بحسب مقام واحدیت مقام جمع احدی اسماء ہے اور باعتبار احدیت جمع جمیع عالم ہے کہ در سلسلۂ طولیہ صعودیہ ونزولیہ کون جامع ہے اور مراتب وجود ہے اور سلسلۂ عرضیہ میں ہر ایک ھویات عینیہ ہے اور اسم کے ہر اعتبار کے لحاظ سے اللہ کے معنیٰ میں فرق ہو جاتا ہے اس لئے کہ وہ ان اسماء کا مسمیٰ ہے اور قرآن کے ہر سورے کے اعتبار سے کہ متعلق بسم اللہ دو لفظ اور اس کا مظہر معنیٰ میں ہے بسم اللہ کے معنیٰ مختلف ہو جاتے ہیں۔ بلکہ ہر اس فعل کے اعتبار سے جس سے بسم اللہ کی ابتداء کی گئی ہے اس کے معنیٰ مختلف ہو جاتے ہیں اور وہ اسی فعل سے متعلق ہوتا ہے۔ مظاہر و ظہورات اسمائے الٰہیہ کا عارف جانتا ہے کہ تمام افعال و اعمال و اعیان و اعراض بہ اسم شریف اعظم و مقام مشیت مطلقہ ظاہر و متحقق ہیں۔ پس اس عمل کے بجالاتے وقت اور ایجاد کرتے وقت دل میں اس معنیٰ کا متذکر ہوتا ہے اور ان کو مرتبہ طبیعت تک اور ملک خود جاری کرتا ہے اور کہتا ہے۔ بسم اللہ یعنی بہ مقام مشیت مطلقہ صاحب مقام رحمانیت کہ بسط وجود ہے اور مقام رحیمیت کہ بسط مقام کمال وجود ہے یا صاحب مقام رحمانیت کہ مقام تجلی بہ ظہور بسط وجود ہے اور مقام رحیمیت کہ مقام تجلی بہ باطنیت و قبض وجود ہے۔

«اَکِلُ وَاشْرَبُ وَاکْتُبُ وَافْعَلُ کَذَا وَکَذَا»

پس سالک الی اللہ اور عارف باللہ ایک ہی نظر میں تمام افعال و موجودات کو ظہور مشیت مطلقہ اور اسی میں فانی دیکھتا ہے اور اس نظر میں سلطان وحدت کا غلبہ ہوتا ہے اور بسم اللہ کو تمام قرآنی سوروں اور تمام افعال و اعمال میں ایک معنیٰ سے سمجھتا ہے اور جس نظر میں متوجہ عالم فرق و فرق الفرق ہوتا ہے اس وقت ہر بسم اللہ کے لئے ہر سورہ کی ابتدا

Presented by www.ziaraat.com

میں اور ہر کام کی ابتدا میں ایک معنیٰ کو دیکھتا ہے اور دوسرے غیر کا مشاہدہ کرتا ہے۔
یہ مقام جو سورہ شریفہ توحید کی تفسیر کا مقام ہے یہاں پر بسم اللہ کو کلمہ قل سے بھی متعلق کر سکتے ہیں ایسی صورت میں بسم اللہ سے مراد کسوۂ تجرید و غلبۂ توحید کی صورت میں مقام مشیت مطلقہ ہے اور کسوۂ تکثیر و مقام توجہ بہ کثرات میں اس کے تعینات ہیں اور مقام جمع بین مقامین کہ مقام برزخیت کبریٰ ہے۔
مشیت بمقام وحدت و کثرت و ظہور و بطون و رحمانیت و رحیمیت بمعنائے دوم ہے اور آیۂ شریفہ قل ھو اللہ احد میں چونکہ جمع بین احدیت غیبیہ والوہیت ہے اس لئے اسم اللہ حسب مقام سوم یعنی مقام برزخیت مراد ہے اس کے بعد مقام احدی سے قلب تقی نقی احدی احمدی محمدیؐ سے خطاب ہوا قل اور یہ بحسب اس نشۂ برزخی کبریٰ بہ ظہور اسم اللہ ہے کہ جو مقام مشیت مطلقہ و صاحب تعین و ظہور رحمانیت در عین رحیمیت اور بسط در عین قبض ہے۔
ھُوَ: یہ کلمہ مقام ھویت مطلقہ من حیث ھی ھی کی طرف اشارہ ہے بغیر اس کے متعین بہ تعین صفاتی یا متجلی بہ تجلیات اسمائی ہو حتیٰ اسمائے ذاتیہ کہ جو مقام احدیت میں معتبر ہوتا ہے اور یہ اشارہ صاحب اس قلب کے غیر اور اس مقام کے دارا کے غیر کے لئے ناممکن ہے اور اگر حق کی ان نسبتوں کے اظہار پر مامور نہ ہوتا تو ازلاً و ابداً اس کلمہ کو زبان پر بھی جاری نہ کرتا۔ مگر چونکہ قضائے الٰہی میں یہ بات حتمی تھی کہ آخری نبیؐ اس اشارہ کا اظہار کرے۔
اور چونکہ جذبہ مطلقہ میں کچھ باقی نہ تھا اور (نبیؐ) مقام برزخیت کے دارا تھے لہٰذا فرمایا: اللہ احد۔ اللہ اسم جامع اعظم و رب مطلق خاتم ہے اور باعین برزخی کثرت اسمائی بہ ظہور واحدیت، عین وہی تجلی غیبی خفائی بہ مقام احدیت ہے۔ ایسے سالک کے قلب پر نہ تو جنبۂ احدیت و احدیت پر غلبہ رکھتا ہے۔ اور نہ واحدیت احدیت پر۔
لفظ اللہ کو احد پر مقدم کیا ہے حالانکہ اسمائے ذاتیہ اعتبار میں مقدم ہوا کرتے ہیں مگر یہاں پر شاید اشارہ مقصود ہے کہ مقام تجلی بہ قلب سالک کی طرف ہے کیونکہ تجلیات ذاتیہ قلوب اولیاء کے لئے پہلے اسمائے صفاتیہ کی ہوتی ہے جو حضرت واحدیت ہے اس کے بعد اسمائے ذاتیہ احدیہ کا نمبر آتا ہے۔

Presented by www.ziaraat.com

اور تمام اسماء میں لفظ اللہ کا اختصاص اور اس کا ذکر دو باتوں میں سے کسی ایک بات کی وجہ سے ہو سکتا ہے۔ حالانکہ بحسب کیفیت سلوک و تقشیہ تجلی اولی بہ مظاہر اسم اللہ کہ سائر اسماء ہیں بمناسبت قلب سالک تجلی ہوتی ہے اس کے بعد تمامیت سلوک کے آخر میں اسمائے صفاتیہ میں تجلی باسم اللہ ہوتی ہے ایک تو یہ کہ تجلی چاہے جس اسم سے ہو وہ تجلی باسم اللہ ہے از باب اتحاد ظاہر و مظہر خصوصاً در حضرت الہیت دوسرے یہ کہ اشارہ بغایت سلوک واحدی ہو کہ جب تک وہ محقق نہ ہوگا سالک شروع بہ سلوک احدی نہ کر سکے گا۔

بنابریں خلاصہ کلام یہ ہوا کہ ھو ایک ایسے مقام کی طرف اشارہ ہے جہاں پر اشارہ اور عارفوں کی امیدیں منقطع ہو جاتی ہیں اور مقام رسم سے اور مبرا ہے تجلی و ظہور سے منزہ ہے۔ اور احد تجلی بہ اسمائے باطنہ غیبیہ کی طرف اشارہ ہے اور اللہ تجلی باسمائے ظاہریہ کی طرف اشارہ ہے۔ اور ان تینوں اعتبارات اولیہ سے حضرت ربوبیت کا محقق ہوتا ہے اور چار دوسرے اسماء کہ صمدیت ان کی جامع ہے بحسب بعض روایات[1] از اسمائے سلبیہ تنزیہیہ ہیں جو در ضمن اسمائے ثبوتیہ جمالیہ اعتبار کئے جاتے ہیں چنانچہ کسی حدیث کے ذیل میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے[2]۔

یہاں تک جو کچھ ذکر کیا گیا ہے وہ اس بنا پر ہے کہ بسم اللہ کلمہ قل سے متعلق مانا جائے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سورہ کے جزء سے بسم اللہ متعلق ہو۔ اس وقت پر تفسیر سورہ اور اس کے بسم اللہ کے اعتبار سے فرق ہوگا۔ مگر چونکہ اس کا ذکر موجب تطویل ہے اس لئے اس سے صرف نظر کرتا ہوں۔

ہمارے شیخ عارف کامل، شاہ آبادی روحی فداہ فرماتے تھے ھو برہان چھ اسم ہے اور دوسرا کمال ہے جو سورہ مبارکہ توحید میں اس کلمہ مبارکہ کے بعد ذکر ہوا ہے۔ کیونکہ ذات مقدس ھو مطلق ہے اور اشارہ بہ صرف وجود ہے مستجمع جمیع کمالات اسمائے ہے پھر اللہ ہے اور چونکہ صرف وجود بہ حقیقت بسیط دارائے جمیع اوصاف و اسماء ہے اور یہ کثرت اسمائی وحدت ذات کو ختم نہیں کر سکتی۔ (اس لئے) احد ہے اور چونکہ صرف کے لئے ماہیت نہیں ہے (اس

Presented by www.ziaraat.com

لئے صمد ہے۔ اور چونکہ صرف کو نقص حاصل نہیں ہو سکتا اور غیر سے حاصل نہیں ہوتا اور تکرار اس پر محال ہے (لہذا) والد و مولود نہیں ہے اور کوئی کفو نہیں رکھتا انتہیٰ۔

یہ بھی جان لینا چاہیئے کہ روایات میں "صمد" کے بہت سے معانی اور اسرار کثیرہ ذکر کئے گئے ہیں جس کا بیان کرنا اس کتاب کے فریضہ سے خارج ہے اور ایک جداگانہ رسالہ کی ضرورت ہے یہاں پر صرف ایک نکتہ کی طرف اشارہ کرنا چاہتا ہوں۔ اور وہ یہ ہے کہ اگر صمد بحسب بعض اعتبارات نفس ماہیت کی طرف اشارہ ہے اور اللہ الصمد کے اندر اللہ کے معانی از اعتبارات مقام واحدیت و مقام احدیت۔ جمع اسمار ہے۔ اور اگر اشارہ بہ صفت اضافی ہو جیسا کہ بعض روایات سے استفادہ ہوتا ہے" تو اشارہ بہ احدیت جمع اسمار در حضرت تجلی بہ فیض مقدس اور اس کے معنی موافق ہیں۔ اللہ نور السموات والارض کے۔

دوسری فصل

سورہ حدید کی آیات علیم بذات الصدور تک کی تفسیر کی طرف اجمالی اشارہ۔

پہلی آیت[۱] کی دلالت اس بات پر ہوتی ہے کہ تمام موجودات یہاں سے تک کہ نباتات و جمادات بھی تسبیح الٰہی کرتے ہیں۔ اب اس تسبیح کو ذوی العقول کے لئے مخصوص کرنا ارباب عقول کی عقلوں پر پردہ ڈالنا ہے۔ اور اگر بالفرض یہ آیت قابل تاویل بھی ہے تو دوسری آیات اس کو قبول کرنے والی نہیں ہیں مثلاً قَوْلُهُ تَعَالٰی: اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَآبُّ وَكَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ[۲] اور تسبیح کی تاویل تکوینی فطری سے کرنا بارد اور بعید قسم کی تاویل ہے جس سے اخبار و

Presented by www.ziaraat.com

آیات ابار کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ یہ برہان متین اور مشرب ارباب عرفانی کے بھی خلاف ہے۔

مگر حکیم بزرگ، دانشمند کبیر، فیلسوف اعظم، ملاصدراؒ سے تعجب ہے کہ موصوف موجودات کی اس تسبیح کو تسبیح نطقی نہیں مانتے۔ اور بعض جمادات مثلاً سنگریزہ کے نطق کو از قبیل انشائے نفس مقدس ولی اصوات والفاظ ان کے اپنے حالات کے مطابق جانتے ہیں اور بعض اہل معرفت کے قول "تمام موجودات دارائے حیات نطقی ہیں" کو مخالف برہان وملازم باتعطیل ودوام قسر سمجھتے ہیں۔ حالانکہ ملاصدرا نے جو کچھ فرمایا ہے وہ سب خود ان کے اصول کے مخالف ہے اور حتماً یہ قول (حیات نطقی والا) صریح حق اور عرفان کالب لباب ہے اور کسی بھی مفسدہ کا مستلزم نہیں ہے۔ اگر طول کا خوف نہ ہوتا تو مقدمات کے ساتھ میں اس کی شرح کرتا۔

پہلے بھی میں اشارہ کر چکا ہوں کہ حقیقت (عبارت ہے) عین شعور و علم وارادہ وقدرت وحیات ودیگر شئون حیاتیہ سے۔ بایں معنی کہ اگر شئی من الاشیاء کو مطلقاً علم وحیات نہ ہو تو وہ جامۂ وجود سے بھی محروم ہوگی۔ اور جو شخص بھی حقیقت اصالت وجود اور اس کے مشترک معنوی ہونے کو اپنے ذوق عرفانی سے ادراک کر سکتا ہے وہ ذوقاً یا علماً تمام موجودات کے اندر جمیع شئون حیاتیہ کے ساتھ جاری زندگی کا ادراک کر سکتا ہے شئون حیاتیہ سے مراد علم وارادہ وتکلم وغیرہ ہیں اور اگر کوئی معنوی ریاضتوں کی وجہ سے دارائے مشاہدہ وعیان ہے تو وہ موجودات کے غلغلۂ تسبیح وتقدیس کو عیاناً مشاہدہ کر سکتا ہے۔ (لیکن) ابھی یہ شکر طبیعت جس نے ہمارے چشم وگوش ودیگر حواس پر ایک بے ہوشی سی طاری کر رکھی ہے وہ ہم کو حقائق وجودیہ وہویات غیبیہ پر اطلاع نہیں حاصل کرنے دیتی۔ چنانچہ ہمارے اور حق کے درمیان ظلمانی حجاب اور نورانی فاصلے (اسی طرح) ہمارے اور دیگر موجودات یہاں تک کہ اپنے نفس کے لئے بھی حجاب وفاصلہ ہے جس نے ہم کو زندگی وعلم اور ان کے دیگر شئون سے محجوب کر رکھا ہے۔ لیکن ان تمام حجابوں میں سب سے سخت تر افکار محجوبہ کے ذریعہ کا انکار ہے جو انسان کو تمام چیزوں سے روک دیتا ہے اور ہم جیسے محجوبین کے لئے بہترین وسائل

Presented by www.ziaraat.com

اولیائے خدا کے آیات واخبار کو تسلیم کرنا اور ان کی تصدیق کرنا ہے اور تفسیر بالرائے کے دروازے کو بند کرنا اور عقول ضعیفہ سے تطبیق کو ترک کرنا ہے۔

چلئے بالفرض اگر آیات تسبیح کی تاویل تسبیح تکوینی یا شعوری فطری سے ممکن بھی مان لی جائے تو آیہ ﴿قَالَتْ نَمْلَةٌ يَا أَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوا مَسَاكِنَكُمْ لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمَانُ وَجُنُودُهُ وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ﴾[1] اور شہر سبا سے ہدہد کا جناب سلیمان کے لئے خبر لانے اور متفرق ابواب میں اہل بیت عصمت وطہارت کی روایات کے بارے میں کیا تاویل کیجئے گا وہاں تو نطق صریح کے علاوہ کسی تاویل کی گنجائش ہی نہیں ہے۔؟

مختصر یہ ہے کہ سریان حیات اور اشیاء کی تسبیح شعوری علمی کو فلسفۂ عالیہ اور ارباب شرائع وعرفان کے مسلمات میں شمار کرنا چاہیئے البتہ ہر موجود کی تسبیح اور ذکر خاص ہر ایک سے مخصوص ہے (جو ہم کو معلوم نہیں ہے) اور ذکر جامع کا مالک انسان ہے۔ دیگر موجودات اپنے نشۂ کے مطابق اپنا ذکر رکھتے ہیں۔ اجمالی طور سے اس کا ایک علمی وعرفانی میزان ہے جو علم الاسماء سے مربوط ہے۔ البتہ اس کی تفصیل علوم کشفی وعیانی سے ہے جو کامل ترین اولیاء کے ساتھ مخصوص ہے۔

اور جس طرح ہم نے پہلے ذکر کیا کہ ہر سورہ کی بسم اللہ خود اس سورہ سے متعلق ہے یہاں بھی بسم اللہ سے متعلق ہے اور اس سے مسئلہ جبر وتفویض میں مسلک اہل حق کا استفادہ ہوتا ہے۔

اب رہی آیت[2] تو یہ اشارہ ہے کہ حق جل جلالہ ملکوت سماوات والارض کا مالک ہے اور اسی مالکیت کا واحاطہ سلطنت ونفوذ قدرت وتصرف احیاء واماتت وظہور ورجوع اور بسط وقبض کا تصور ہوتا ہے۔ اور تصرف وتدبیر حق جو انتہائے توحید فعلی ہے اس میں یہ نظر استہلاک واضمحلال جمیع تصرفات وتدبیرات ہے اور اسی لئے احیاء واماتت کو جو تصرفات ملکوتی کا ایک بزرگ ترین مظہر ہے یا جمیع قبض وبسط ہے۔ بخود مالکیت ذات مقدس کی طرف نسبت دی ہے۔ اور حالانکہ احیاء رحمانیت کے شئون میں سے ہے اور موت عطا کرنا

Presented by www.ziaraat.com

مالکیت کے شئون سے ہے مگر دونوں کو مالکیت کی طرف منسوب فرمایا ہے اور یہ بات ممکن ہے ایک بڑے عرفانی نکتہ کی بناپر ہو اور وہ یہ ہے کہ اجتماع ہر اسمی جمیع اسماء کے لئے بہ وجہ احدی و وجہ غیبیہ ہے کہ سردست اس کو بیان نہیں کیا جاسکتا۔ اور صدر و ذیل آیت ممکن ہے اشارہ بہ وحدت در کثرت و کثرت در وحدت کی طرف ہو مقام تجلی فعلی بہ فیض اقدس ہو جیسا کہ اہل حضرات کے لئے واضح ہے۔

اور ضمیر لہ بظاہر اللہ کی طرف پلٹ رہی ہے۔ اور ممکن ہے عزیز و حکیم کی طرف پلٹ رہی ہو۔ اور دونوں صورتوں میں معنی کے اندر فرق ہو جائیگا جو تھوڑے سے تامل کے ساتھ اس کے اہل پر واضح ہو جائے گا۔

اور بیان کیفیت مالکیت حق اور «یُحیِی وَیُمِیتُ» کا مضارع کے صیغہ پر جو استمرار پر دلالت کرتا ہے اور ھُوَ کی ضمیر کا مرجع کی صورت میں معانی کا فرق اور یہ بیان کرنا کہ حیی و ممیت و قادر اسمائے ذات میں سے ہیں یا اوصاف و افعال میں سے یہ سب اپنی اپنی جگہ کے حوالہ ہے۔ جیسے احیاء و اماتہ کی کیفیت اور حقیقت صور اسرافیل اور دو نفخ احیاء و اماتہ و شئون حضرت اسرافیل و عزرائیل اور ان کے منازل اور ان کے احیاء و اماتہ کی کیفیت کہ ہر ایک کے لئے بیانات عرفانیہ اور براہین حکمیہ ہیں جو بہت طولانی ہیں (ان سب کو چھوڑتا ہوں)

اب رہی تیسری آیت یعنی «ھُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاھِرُ وَالْبَاطِنُ وَھُوَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ» تو ارباب معرفت و یقین کے معارف حقہ کے جاننے والے اور اصحاب قلوب و سالکین کے راستے پر چلنے والے کو معلوم ہے کہ سالکوں کے سلوک کی انتہا اور عارفوں کی انتہائی امید اسی ایک آیت محکمہ کا سمجھنا ہے۔ اور اپنے دوست کے جان کی قسم توحید ذاتی و اسمائی کی حقیقت کی تعبیر کے لئے اس سے بہتر تعبیر نہیں ہے اور سزاوار تو یہ ہے کہ تمام اصحاب معارف اس عرفان تام محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور کشف جامع احمدی اور آیہ محکمہ الٰہی کے لئے سجدہ کریں اور خاک پر گر پڑیں۔ حقیقت عرفان و عشق کی قسم عارف

Presented by www.ziaraat.com

مجذوب اور عاشق جمال کو اس آیت کے سننے کے بعد ایک ملکوتی مسرت اور ایسا الٰہی سرور حاصل ہوتا ہے کہ لباس بیان اس قامت پر کوتاہ نظر آتا ہے اور کوئی موجود اس کو برداشت نہیں کر سکتا۔ «فَسُبْحَانَ اللّٰهِ مَا اَعْظَمَ شَأْنَهُ وَ اَجَلَّ سُلْطَانَهُ وَاَكْرَمَ قُدْرَهُ وَاَمْنَعَ عِزَّهُ وَاَعَزَّ جَنَابَهُ»[3]

جو لوگ بلند ترین عرفاء اور علمائے باللہ اور اولیائے رحمان پر اعتراض کرتے رہتے ہیں ذرا دیکھیں تو کس عارف ربانی نے یا سالک مجذوب نے اس آیۂ مبارکہ تامہ سے زیادہ بیان کیا ہے یا کوئی تازہ چیز بازار معارف میں لے کر آیا ہے؟ آپ دیکھ لیں یہ آیہ کریمہ ہے اور عرفان عرفاء سے بھری کتابیں ہیں۔ اگرچہ پورا سورۂ حدید بالخصوص اس کی ابتدائی آیات ایسے معارف مشتمل ہیں کہ دست امید کی اس تک رسائی ممکن نہیں ہے۔ لیکن مؤلف کی نظر میں یہ آیہ شریفہ دوسری ایسی بھی خصوصیت رکھتی ہے جو دوسری آیتوں میں نہیں ہے۔ اور اولیت و آخریت وظاہریت و باطنیت حق ایسی چیز نہیں ہے جو بیان کی جا سکے یا قلم کو جرأت جسارت ہو۔ لہٰذا اس کو چھوڑتے ہیں اور قلوب محبین و اولیاء کے واگزار کرتے ہیں۔

اب آیئے چوتھی آیت[15] جس میں چھ دن کے اندر آسمانوں اور زمین کی تخلیق اور استواء بر عرش کا ذکر ہے۔ ارباب عقول کی عقلیں اس آیت کی تفسیر میں حیراں و سرگرداں ہیں۔ ہر شخص نے علم و عرفان میں اپنے مسلک کے اعتبار سے اس کی تفسیر کی ہے۔ چنانچہ علمائے ظاہر کا کہنا ہے: چھ دن میں خلق کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اگر ظرف زمان سے اس کو ناپا جاتا تو چھ دن کے مطابق ہوتا۔ اور فیلسوف عظیم الشان جناب ملاصدرا قدس سرہ فرماتے ہیں: کہ اس کو ایام ربوبیت سے تطبیق کرنا چاہیئے جو ہزار سال کا ہوتا ہے۔ اور موصوف نے اس کو زمان نزول آدم سے زمان طلوع شمسی محمدی تک کی تطبیق فرمائی ہے جو چھ ہزار سال ہوتا ہے۔ اس چھ ہزار کو چھ دن پر منطبق کیا ہے اور ابتدائے طلوع یوم الجمعۃ و یوم الجمع کو قرار دیا ہے جو ساتواں دن اور اول روز قیامت و ابتدائے استوائے رحمان بر عرش ہے۔ اس کے اجمال کو شرح اصول کافی

Presented by www.ziaraat.com

میں اور تفصیل کو اپنی تفسیر میں بیان فرمایا ہے[۱۲]۔ اور بعض اہل معرفت نے ایام ستہ کو از مراتب سیر نوشمس وجود در مرائی نزول وصعود سمجھا ہے۔

اور بحسب مسلک عرفانی مراتب نزول وجود تا اخیرہ نزول (کہ) مرتبہ احتجاب شمس وجود ہے حجب تعینات میں اور وہ حقیقت "لیلۃ القدر" ہے اور ابتدائے یوم قیامت اولین مرتبہ رجوع ملک بہ ملکوت وخرق حجب تعینات سے آخری مراتب ظہور در رجوع تک (مراد) ہے جو ظہور تام قیامت کبریٰ ہے یہ چھ دن جنھیں آسمانوں اور زمین کی تخلیق کامل ہوئی اور انتہا بہ عرش اللہ وعرش الرحمان جو استوار واستیلاء وقہاریت حق کی غایۃ الغایات ہیں (یہ چھ دن) ایام کبیر میں مراتب شش گانہ صعودی ہیں اور عرش استوائے حق جو ظہور بہ قہاریت تامہ ومالکیت ہے، مرتبہ مشیت وفیض مقدس رحمانی ہے۔ جس کا ظہور تام رفع تعینات اور تخلیق زمین وآسمان کے بعد ہوتا ہے۔ اور جب تک آسمان وزمین کا وجود متحقق ہے اہل معرفت کے نزدیک ان کی تخلیق تمام نہیں ہوئی ہے کیونکہ وَكُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ۔[۱۳] اور تجلی میں عدم تکرار اور انسان کبیر وعالم اکبر میں عدم تکریر کا تقاضا مراتب ستہ ہیں اور اس کا لطیفہ مسابعہ عرش الرحمان ہے جو مرتبہ قلب حقیقی ہے۔ اگر طول کا خوف نہ ہوتا تو اس وجہ کے تمام وجوہ سے اُسب ہونے کی وجہ کو مفصل طرح سے بیان کرتا۔ اگرچہ کتاب الٰہی کا علم صرف خدا اور مخصوصین خطاب کے پاس ہے۔ لیکن میں بطور احتمال ومناسب گفتگو کرتا کیونکہ جب ظاہر پر حمل کرنا محال ہے۔ تو اس کے علاوہ کوئی چارہ بھی نہیں ہے یہاں پر ایک اور بھی احتمال ہے جو بیان عرفانی کے مخالف بھی نہیں ہے اور وہ احتمال عصر حاضر کی ہیئت کے حساب سے ہے اور وہ ابطال ہیئت بطلیموسی پر موقوف ہے اور وہ یہ ہے کہ ہمارے منظومہ شمسی کے علاوہ دوسرے بہت سے نظام ہائے شمسی موجود ہیں جن کا کوئی احصا نہیں کرسکتا اور اس کی تفصیل کتب ہیئت جدیدہ میں ہے کہ سماوات وارض سے مراد یہی نظام شمسی اور مدارات کواکب ہیں لیکن چھ روز کی تحدید دوسرے نظام شمسی کے اعتبار سے کی گئی ہے یہ احتمال تمام احتمالات سے اقرب بظاہر ہے اور احتمالات عرفانیہ کے مخالف

Presented by www.ziaraat.com

بھی نہیں ہے۔ کیونکہ وہ قرآن کے بعض بطون کے اعتبار سے ہیں۔

اور ذیل آیۃ یَعْلَمُ مَا یَلِجُ فِي الْأَرْضِ. ۱۰ الی آخرہ سے سلسلہ غیب وشہود ونزول وصعود میں مراتب وجود کے جزئیات سے علم خدا کے تعلق کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور هُوَ مَعَكُمْ سے مَعِيَّتْ قَيُّومِيَّة حق اور کیفیت علم حق تعالیٰ بہ جزئیات کو بطریقہ احاطہ وجودیہ وسعہ قیومیہ بیان کیا گیا ہے اور حق کی اس کی قیومیت کی حقیقت کا ادراک خواص اولیاء اللہ کے علاوہ کوئی دوسرا نہیں کر سکتا۔

اب آیئے آیت پنجم[18] تو یہ اشارہ ہے مالکیت حق کی طرف اور اس بات کی طرف کہ تمام دائرہ وجود حق کی طرف راجع ہے اور اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ یہ اسم مالک سے مربوط ہے جیسا کہ سورہ حمد میں فرمایا ہے مالک یوم الدین۔ لیکن ان میں سے ہر ایک امر کی تفصیل وتفسیر کے لئے دوسرے مقامات ہیں۔

اور چھٹی آیت[19] شب وروز کے اختلاف کی طرف اشارہ ہے اور یہ کہ ان میں سے جو کم ہوتا ہے وہ دوسرے میں ملا دیا جاتا ہے اور اس کے برعکس اور اس اختلاف میں بہت سے فوائد ہیں جن کا ذکر ہمارے فریضہ سے خارج ہے اس آیت کا ایک دوسرا عرفانی مطلب بھی ہے جس کا ذکر ہمارے وظیفہ سے خارج ہے، اور ہم بھی اس کے ذکر سے اعراض کر رہے ہیں۔

خاتمہ

حدیث کے ذیل میں جو آیا ہے کہ جس نے اس کے علاوہ کا قصد کیا وہ ہلاک ہوا، اس سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ان آیات میں اور سورہ توحید میں جو معارف بیان کئے گئے ہیں وہ علوم بشری کی آخری حد معارف کی انتہا ہے۔ اگر کوئی یہ خیال کرے کہ اس کے پاس اس سے بلند تر

Presented by www.ziaraat.com

معارف ہیں تو وہ یقیناً غلطی پر ہے۔ اور جس طرح یہ آیات سلسلہ بشر کی حد اعلائے معارف کی تعلیم دے رہی ہیں اسی طرح ان سے قصور بھی سبب ہلاکت ہے اور جہل بہ مقام ربوبیت ہے۔

البتہ یہ حدیث حرث و ترغیب کر رہی ہے کہ ان آیات میں تعمق و تفکر کیا جائے لیکن ہر علم کے لئے اہل ہوتے ہیں اور ہر میدان کے لئے شہسوار۔ البتہ کسی کو یہ نہ خیال کرنا چاہیئے کہ آیات توحید کو۔ خواہ وہ سورہ توحید میں ہوں یا ان آیات میں یا قرآن کی دیگر آیتوں میں اور اسی طرح وہ روایات و خطبے و دعائیں اور آئمہ کی مناجاتیں جو معارف سے بھری پڑی ہیں اپنی فکر سے یا ان کے ظہور عرفی سے خود ہی سمجھ لے گا ایسا ہرگز نہیں ہے یہ تو ایک خام خیالی اور شیطانی وسوسہ ہے۔ ایسے لوگ راہ انسانیت کے ڈاکو ہیں جنھوں نے جال پھیلا رکھا ہے۔ جس سے لوگوں کو معارف سے روک سکیں۔ اور انسان پر حکمت و معرفت کے دروازے بند کر دیں اور آدمی کو وادی حیرت و ضلالت میں سرنگوں کر دیں۔ خدا گواہ ہے کفی بہ شہید[۳۰] کہ اس کلام سے میرا مقصد فلسفہ رسمیہ یا عرفان رسمی کا بازار چمکانا نہیں ہے بلکہ میرا مقصد یہ ہے کہ میرے برادران ایمانی خصوصاً اہل علم تھوڑا سا معارف اہل بیتؑ اور قرآن کی طرف بھی توجہ کریں اس کو طاق نسیان کے حوالہ نہ کر دیں کیونکہ بعثت رسل اور انزال کتب کا بہترین مقصد معرفت الٰہی تھا جس کے زیر سایہ تمام دنیاوی و آخروی سعادتیں حاصل ہو سکیں۔ مگر افسوس یہ ہے کہ انسان جب تک اس عالم میں رہتا ہے مختلف قسم کے حجابوں میں گرفتار رہتا ہے جس کی وجہ سے اپنی خوش بختی کی تشخیص نہیں دے پاتا۔ اور اولیاء و انبیاء و علماء چاہے جتنی نصیحت کریں اور اس کو بلائیں انسان نہ خواب غفلت سے بیدار ہوتا ہے اور نہ پنبہ غفلت اپنے کانوں سے نکالتا ہے۔ غفلت کی نیند سے اس وقت بیدار ہوتا ہے جب سرمایہ تحصیل سعادت اس کے ہاتھوں سے نکل چکا ہوتا ہے اور سوائے حسرت و ندامت کے کچھ باقی نہیں رہ جاتا۔

Presented by www.ziaraat.com

دُعا و خاتمہ

خدایا تُو نے اپنے اولیاء کے قلوب کو نورِ محبت سے منور فرمایا، عشاقِ جمال کی زبان کو ماسوا من سے بند کر دیا خود خواہ بیوقوفوں کے ہاتھوں کو اپنے دامن کبریائی سے کوتاہ کر دیا، ہم کو بھی غرور دنیا کی مستی سے ہوشیار کر دے، طبیعت کے سنگین خواب سے بیدار کر دے، خود پسندی و خود پرستی کے ضخیم و غلیظ پردوں کو اپنے ایک اشارے سے چاک کر دے، ہم کو اپنے درگاہ کے پاک لوگوں کی محفل اور خدا خواہ مخلصوں کی مجلس میں بیٹھنے کی اجازت دے، اس بدخوائی، سخت گوئی، خود آروی، کج نمائی اور دیو سیرتی سے نجات دے، ہمارے حرکات و سکنات و افعال و اعمال اوّل و آخر، ظاہر و باطن کو اخلاص و ارادت سے مقرون فرما۔

بارِ الٰہا! تیری نعمتیں ابتدائی (بغیر سوال کئے ملتی) ہیں (دادِ حق کے لئے قابلیت شرط نہیں ہے) تیری بخشش غیر متناہی ہیں۔ تیرا بابِ رحمت و عنایت کھلا ہوا ہے اور تیری بے پایاں نعمتوں کا خوان پھیلا ہوا ہے۔ (مجھے) شوریدہ دلی، آشفتہ حالی، داغدار قلب، اشکبار آنکھ بے قرار سودائی سر، آتشبار سینہ مرحمت فرما، ہمارا خاتمہ اپنے سے اخلاص کے ساتھ اور تیری درگاہ کے خاص بندوں کی ارادت کے ساتھ کر، خاصانِ درگاہ یعنی دیباچہ دفترِ وجود و خاتمۂ طومارِ غیب و شہود محمدؐ و آلِ محمدؐ کے ساتھ انجام دے۔

الحمد للہ اولاً و آخراً و ظاہراً و باطناً۔

مؤلف فقیر کے دستِ فانی سے عصر روزِ جمعہ ۴ محرم الحرام ۱۳۵۸ھ کو یہ رسالہ تمام ہوا و علی اللہ التکلان فی الافتتاح والاختتام۔

Presented by www.ziaraat.com

چالیسویں حدیث کی توضیحات

۱: اصول کافی جلد ۱ ص ۹۲، کتاب توحید، باب النیۃ، حدیث ۲۔
۲: شرح اصول کافی ص ۲۴۶، کتاب توحید، باب النیۃ، حدیث ۲۔
۳: البرہان فی تفسیر القرآن جلد ۴، ص ۵۲۶۔
۴: ان پر اور ان کی آل پاک پر بہترین سلام ہو۔
۵: شرح اصول کافی ص ۲۴۸۔
۶: توحید صدوق، ص ۹۱، باب ۴، حدیث ۲، تفسیر برہان، جلد ۴، ص ۵۲۵۔
۷: اصول کافی جلد ۱ ص ۱۴۴، کتاب التوحید، باب تاویل الصمد، حدیث ۲۔
۸: زمین و آسمان میں جو بھی ہیں وہ خدا کی تسبیح گو ہیں خدا ہی عزیز و حکیم ہے۔
۹: کیا تم نے اس کو بھی نہیں دیکھا کہ جو لوگ آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں اور آفتاب و ماہتاب و ستارے اور پہاڑ و درخت اور چوپائے اور بہت سے لوگ خدا کا سجدہ کرتے ہیں۔ سورۃ حج آیت ۱۸۔
۱۰: شرح اصول کافی، ص ۲۴۸، کتاب التوحید باب النیۃ، حدیث ۲۔
۱۱: چیونٹی نے کہا اے چیونٹیوں تم سب اپنے اپنے بلوں میں چلی جاؤ تاکہ سلیمانؑ اور ان کا لشکر تم کو لاعلمی میں روندنہ ڈالے (سورہ نمل آیت ۱۸)
۱۲: آسمانوں اور زمین کی بادشاہی خدا کے لئے ہے وہی حیات و موت دیتا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔
۱۳: وہی سب سے پہلے اور سب سے آخر ہے اور اپنی قدرتوں سے سب پر ظاہر اور (نگاہوں سے) پوشیدہ ہے اور وہی سب چیزوں کو جانتا ہے (سورہ حدید آیت ۳)
۱۴: خدا پاک و منزہ ہے اس کا مرتبہ کتنا بلند ہے۔ اس کی قدرت کتنی بزرگ ہے اس کی قدر کتنی بلند ہے اس کی شوکت تا قابل رسائی ہے اس کی درگاہ کتنی بلند ہے۔
۱۵: اسی نے تمام زمین و آسمان چھ دن میں پیدا کئے پھر عرش کے بنانے پر آمادہ ہوا جو چیز آسمان سے نازل ہوتی ہے اور جو اس کی طرف بڑھتی ہے اور جو آسمان سے نازل ہوتی ہے اور اس کی طرف بڑھتی ہے (سب) اس کو معلوم ہے اور تم چاہے جہاں رہو وہ تمہارے ساتھ ہے اور جو کچھ کرتے ہو خدا اس کو دیکھتا ہے۔ (سورۂ حدید آیت ۴)
۱۶: شرح اصول کافی ص ۲۴۹۔۲۵۰، تفسیر ملا صدرا جلد ۶ ص ۱۶۰، ۱۶۴ تفسیر سورہ حدید۔
۱۷: وہ ہر روز (مخلوق کے ایک نہ ایک کام میں ہے (سورۂ رحمان آیت ۲۹)
۱۸: آسمانوں اور زمین کی بادشاہی خدا کے لئے ہے اور تمام امور کی بازگشت اسی کی طرف ہے (سورۂ حدید آیت ۵۔
۱۹: وہ رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے وہ دلوں کے بھید سے آگاہ ہے (سورۂ حدید آیت ۶)
۲۰: اقتباس از سورۂ نساء آیت ۷۹۔
۲۱: حدیث ۱۷، توضیح ۱۲۔

Presented by www.ziaraat.com